مجموعہ تفاسیرِ قرآن لکھنوی رحمہ اللہ



مؤلف

امام اہل سنّت

حضرت مولانا مفتی محمد عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (توبہ ۹)

ترجمہ: جن لوگوں نے ایمان لانے میں سبقت کی مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی، اور جنھوں نے ان کا بہترین اتباع کیا، اللہ ان سے راضی ہے، اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

مجموعہ تفاسیر لکھنوی رحمہ اللہ

ہدایت

(یہ کتاب اس سے پہلے تحفۂ اہلسنت اور تحفۂ خلافت کے نام سے بھی شائع ہو چکی ہے۔)

مؤلف

چودھویں صدی میں قائد تحریکِ صحابہ، بانی دار المبلغین و ماہنامہ النجم

امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی محمد عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ

ناشر

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳۔ روڈ نمبر ۷۔ سب بلاک اے، بلاک نمبر ۱، نزد مسجد قدوسیہ

ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔ فون نمبر: ۶۶۰۱۴۴۹

نوٹ: کتاب میں ہر صفحہ کے نیچے مسلسل نمبر دیئے گئے ہیں' فہرست میں انہی کا حوالہ دیا گیا ہے۔
نیز آیات کے حوالہ میں پہلے سورت کا نام' پھر اس کا نمبر' پھر آیت کا نمبر ہے۔

فہرس مجموعہ تفاسیر لکھنوی

ی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

امام اہلسنت حضرت مولانا مفتی محمد عبدالشکور لکھنوی کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ کے بے شمار فکری کارناموں میں سے ایک اہم فکری کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابی معاشرہ کے متعلق قرآن کریم کی بعض آیات کی تفسیر ہے جس کے شروع میں ایک مقدمہ بھی ہے جو اصول تفسیر کے متعلق بعض اہم ترین نکتوں پر مشتمل ہے۔

حضرت امام اہلسنت کی یہ تفاسیر پہلے النجم میں، پھر رسائل کی صورت میں خود مولانا ہی کے ادارے نے شائع کیں۔ اس کے بعد بعض دوسرے حضرات نے بھی انہیں شائع کیا جو اب دستیاب نہیں ہیں۔

موجودہ نسخوں میں قاضی مظہر حسین صاحب چکوالی کی تحریک کا شائع کردہ تحفہ خلافت نامکمل ہے۔ اس میں مقدمہ سمیت ۱۹ رسائل شائع کئے گئے ہیں، جب کہ مکتبہ امدادیہ ملتان کے شائع کردہ تحفہ اہلسنت میں اکیس رسائل ہیں، یعنی قاضی صاحب کے تحفہ خلافت میں، مکتبہ امدادیہ کے تحفہ اہلسنت سے دو تفسیری رسائل کم ہیں۔

جہاں تک صحت کتابت کا تعلق ہے تو مکتبہ امدادیہ کے تحفہ اہلسنت میں دس تفسیری رسائل تو امام اہلسنت کے شائع کردہ نسخوں کا عکس ہیں، اس لئے ان میں تو کسی تحریف یا تبدیلی کا خدشہ ہی نہیں ہے۔ باقی تفسیریں غیر عکسی ہیں، لیکن مکتبہ والوں نے جو معیار رکھا ہے وہ دوسروں سے بہت بہتر ہے۔ جب کہ قاضی صاحب کے تحفہ خلافت میں ایک تفسیر بھی امام اہلسنت کے شائع کردہ نسخوں کا عکس نہیں ہے، پوری کتاب ان کے اپنے کاتب کے قلم سے ہے اور اس میں بھی احتیاط ملحوظ نہیں رکھی گئی کیوں کہ جب ہم نے امام اہلسنت کے شائع کردہ مقدمہ تفسیر کے نسخہ سے قاضی صاحب کے نسخے کا تقابل کیا تو بعض مقامات سے کئی کئی سطریں قاضی صاحب کے نسخے میں غائب تھیں، اس لئے ہم نے اپنی اشاعت میں عکسی رسائل کے علاوہ مکتبہ امدادیہ کے نسخے پر اعتماد کیا ہے۔

عکسی رسائل: مکتبہ امدادیہ ملتان اور ہمارے پیش کردہ مجموعہ تفاسیر لکھنوی کے مندرجہ ذیل دس رسائل، امام اہلسنت کے شائع کردہ رسائل کا عکس ہیں، جن میں شک وشبہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۱۔ مقدمہ تفسیر ۲۔ تفسیر آیۂ ملک طالوت ۳۔ تفسیر آیۂ تمکین ۴۔ تفسیر آیۂ قتال مرتدین
۵۔ آیۂ ولایت ۶۔ تفسیر آیۂ رضوان ۷۔ تفسیر آیۂ میراث ارض ۸۔ تفسیر آیات متفرقہ
۹۔ تفسیر آیات مذمت منافقین۔ ۱۰۔ تفسیر آیۂ مباہلہ۔

تفسیری رسائل کی فہرست بھی ہم نے مفصل اور وضاحت سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ قرآن کریم اور صحابہ کرام سے محبت رکھنے والے ہماری پیشکش کو پسند فرمائیں گے۔

خادم قرآن وسنت

شفاعت احمد

امام اہلسنت حضرت مولانا مفتی محمد عبدالشکور فاروقی لکھنوی

پیدائش ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء وفات ۱۳۸۱ھ۔۱۹۶۲ء

کے متعلق

اکابر اہل علم ودانش کے تاثرات

حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی

(استاد و مرشد شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مؤلف تبلیغی نصاب) :

مولانا عبدالشکور لکھنوی صاحب دشمنان قرآن وصحابہ کے مقابلہ میں اللہ کی حجت و برہان ہیں۔

(مناظرۂ امروہہ میں مولانا لکھنوی کے ساتھ شریک ہونے کے بعد بیان)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی:

اپنی کتاب بہشتی گوہر کے دیباچہ قدیمہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب لکھتے ہوئے مولانا عبدالشکور لکھنوی کی کتاب علم الفقہ سے استفادہ کیا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند:

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کی قیادت میں جاری تحریک مدح صحابہ کا میں بھی ایک سپاہی ہوں۔

تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی:

حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی اس دور کے امام العصر ہیں۔

جسٹس تقی عثمانی کے والد اور بانی دارالعلوم کراچی مفتی محمد شفیع صاحب:

کتاب علم الفقہ کے مستند ہونے کے لئے حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی کا نام کافی ہے۔

جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے بانی مولانا محمد یوسف بنوری:

امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی تو ہمارے امام ہیں۔

ایرانی انقلاب کے مؤلف مولانا محمد منظور نعمانی:

حجتہ اللہ۔ امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی ہمارے دور میں علم وفضل کا بلند ترین منارہ اور عظمت قرآن وعظمت صحابہ کی تحریک کے مسلمہ قائد ہیں۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سرپرست مولانا ابوالحسن علی ندوی:

نزھۃ الخواطر (عربی) اور پرانے چراغ میں لکھتے ہیں کہ مولانا لکھنوی اپنے غیر معمولی علم، غیر معمولی حافظے اور غیر معمولی تقویٰ کی بنا پر نمایاں ترین شخصیت تھے اور فی الواقع امام اہلسنت تھے۔

مولانا احتشام الحق تھانوی:

خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبرؓ سے لے کر، اسلامی بحریہ کے بانی حضرت امیر معاویہؓ تک حضرت امام اہلسنت لکھنوی تمام صحابہ کرام کے دفاع کا فریضہ ادا کرتے رہے۔

مولانا حق نواز جھنگوی:

ہم امام اہلسنت، قائد تحریک صحابہ، حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی کی تحقیقات اور طریق کار کے پیرو ہیں اور ہمارا شاگردی کا سلسلہ امام اہلسنت سے ہوتا ہوا، استاذ الکل حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے جاملتا ہے۔

مولانا محمد علی جوہر کے مرشد مولانا عبدالباری فرنگی محلی (تحریک خلافت کے قائد):

لکھنو میں تبرائی جارحیت کے جواب میں تحریک مدح صحابہ کی قیادت کے لئے مولانا عبدالشکور لکھنوی کو ان کے استاذ مولانا عین القضاۃ صاحب، بانی مدرسہ فرقانیہ، اور مولانا لکھنوی کے ہم

سبق مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے بہت اصرار سے تیار کیا تھا۔

مجلس امام احمد رضا کے بانی حکیم محمد موسیٰ امرتسری (لاہور) :

نے امام اہلسنت کی وفات پر اپنے مضمون میں ان کی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

قائد ملت لیاقت علی خاں شہید (پاکستان کے پہلے وزیراعظم) :

نے پاکستان بننے سے پہلے ۱۰ نومبر ۱۹۳۶ء میں یو۔پی اسمبلی میں مولانا عبدالشکور لکھنوی کی تحریک مدح صحابہ کی زبردست تائید کی تھی۔

محمود احمد عباسی مصنف خلافت معاویہ و یزید کہتے ہیں :

سرسید علیہ الرحمہ کی تحریروں کے مطالعہ سے میرے مذہبی خیالات میں اندھی تقلید کی فضا ختم ہونی شروع ہوگئی تھی جس کی وجہ سے مجھے اپنے وطن امروہہ کے سنی شیعہ خانقاہ پرستوں اور روایت پرستوں کی طرف سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اس زمانہ میں میرا رابطہ مولانا عبدالشکور لکھنوی سے ہوا جو ہمارے شہر کے مدرسہ کے شیخ الحدیث تھے۔ میں نے انہیں علم کا سمندر پایا اور ان سے خاصا استفادہ کیا۔

ایلسپ کمیٹی (حکومت کی قائم کردہ) :

کے سامنے تمام اہلسنت (فرنگی محلی۔ بریلوی، دیوبندی اور اہلحدیث حضرات کے) واحد اور متفقہ نمائندے حضرت امام اہلسنت تھے۔ دشمن کی تمام کوششوں کے باوجود اہلسنت کے کسی حلقہ کی طرف سے امام اہلسنت کے مقابلہ پر اپنا کوئی نمائندہ کھڑا نہیں کیا گیا۔ عظمت قرآن و عظمت صحابہ کے لئے مولانا لکھنوی کی زبردست کوششوں کے لئے تمام اہلسنت کی طرف سے یہ عملی خراج تحسین تھا۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ

ترجمہ: یقیناً یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو

مقدمہ تفسیر آیاتِ خلافت

جسمیں حسبِ ذیل امور کا بیان ہے،

۱۔ مذہب شیعہ کب سے شروع ہوا اور اسکی بنیاد کس نے ڈالی ۲۔ مسئلہ امامت میں سنی شیعہ کے اختلاف کی تنقیح ۳۔ قرآن شریف کے حجت قطعی ہونیکا اور تفسیر بالرائے کا صحیح مطلب ۴۔ روایت حدیث کا شریعت و عقل کے نزدیک کیا رتبہ ہے ۵۔ ہمارے سلسلہ تفسیر کے التزامات اور اسکی خصوصیت

من تالیفات

امام الاخیار عمدۃ الابرار مفسر کلام کردگار بحر احادیث و آثار فرید عصر مسل داقف اسرار الٰہ
حضرت مولانا محمد عبد الشکور صاحب فاروقی نقشبندی مجددی

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳ ۔ روڈ نمبر ۷ ۔ سب بلاک اے، بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدوسیہ
ناظم آباد ۔ کراچی ۷۴۶۰۰ ۔ فون نمبر: ۶۶۰۱۴۴۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

امابعد آجکل فتنۂ تشیع بہت آشکارا ہو گیا ہے اور باوجودیکہ مذہب اس قابل نہیں کہ پردہ سے باہر لایا جائے اور یہی وجہ ہے کہ انکی معتبر کتابوں میں مذہب کے چھپانے کی بڑی تاکید اور مذہبی بحث کی سخت ممانعت ہے لیکن آج شیعوں نے اپنے ائمہ کی تمام ہدایات کو پس پشت ڈالکر آریوں کی طرح ناواقفوں کے شدھی کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی ہے۔

صوبہ پنجاب سے ہر ہفتہ میں کسی نہ کسی مناظرہ کی خبر آتی رہتی ہے اور ایسے خطوط تو غالباً روزانہ آتے ہیں کہ فلاں شیعہ نے ہمسے یہ سوالات کئے ہیں یا فلاں مقام کے لوگوں کو یہ کہکر بہکایا ہے پنجاب کے بعض مقامات کا خود راقم الحروف نے معائنہ بھی کیا در حقیقت ناواقفوں کے بہکانے میں ایسے پرزور مکائد سے کام لیا جا رہا ہے کہ خدا ہی بچائے تو جاہل بیوقوف بچ سکتے ہیں پنجاب کے علاوہ جہاں کہیں بھی شیعہ ہیں باقاعدہ ان کی انجمنیں ہیں ان کا مشن قائم ہے اور یہی کام کر رہی ہیں اور ان سب پر طرہ یہ کہ ہمارے برادران اہلسنت و جماعت اب بھی ادھر متوجہ نہیں اور اگر کوئی توجہ کرے تو اسکو آپس کی لڑائی کہکر روکدیتے ہیں۔

ان حالات کو دیکھ کر ضروری معلوم ہوا کہ تمام اہم اختلافی مسائل کا قطعی فیصلہ کن بیان کر دیا جائے سب سے پہلا اور فی الواقع اصل بنیاد سنی شیعہ کے اختلاف کی مسالہ ایمان بالقرآن ہے تو اُسکا بحمداللہ قطعی فیصلہ ہو چکا اور روز روشن کیطرح ظاہر ہو گیا کہ شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے محض اپنے کو اسلامی فرقوں میں شامل کرنے کیلئے اور مسلمانوں کو بہکانے کیلئے جھوٹ موٹ برائے نام از راہ تقیہ شیعہ صاحبان ایمان بالقرآن کا دعویٰ کرتے ہیں۔

مناسب تو یہی تھا اور ہے کہ شیعوں کو کسی اور مسالے میں گفتگو کا موقع نہ دیا جائے اور جب وہ بحث مباحثہ کی خواہش کریں تو اُن سے یہی کہا جائے کہ جب تمہارا ایمان قرآن شریف پر نہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور ختم نبوت پر نہیں تو اسلامی مسائل میں بحث کرنے کا تم کو تو کوئی حق نہیں ہے۔

لیکن شیعہ اس مسئلہ پر بحث کرنے سے سخت گریز کرتے ہیں اور ہمارے ناواقف بھائی دوسرے مسائل میں انسے بحث کرنے لگتے ہیں اسلئے اب مسئلہ امامت و خلافت کے فیصلہ کیطرف توجہ کی جاتی ہے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کی بھی پوری تنقیح ہوجائیگی تو بہت مفید ہوگی۔ جیسا کہ مسئلہ ایمان بالقرآن میں آج ہمارا ایک معمولی لکھا پڑھا آدمی جسنے النجم کی تحقیقات پڑھی ہوں بڑے سے بڑے مجتہد سے بحث کرسکتا ہے اسی طرح انشاء اللہ مسئلہ امامت و خلافت میں بھی لوگ تیار ہوجائیں گے اور اُن کے مجتہدین کیا حضرت امام غائب بھی کسی جاہل سے جاہل سنی سے اس مسئلہ میں بحث کرکے سوا فاش شکست اور مغلوبیت کے کوئی نتیجہ نہ پائیں گے۔

اس مبحث کو ہم تین حصوں پر تقسیم کرتے ہیں **حصہ اول** میں آیات قرآنیہ کی بحث ہوگی اور اسکی دو قسمیں ہیں قسم اول میں ان آیات کی تفسیر ہوگی جن سے اہل سنت حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت ثابت کرتے ہیں۔ اور قسم دوم میں ان آیات کی تفسیر ہوگی جنسے شیعہ صاحبان نے خلافت بلافصل ثابت کرنے کی لاحاصل تکلیف اٹھائی ہے ہر آیت کی تفسیر کیلیے ایک ایک مستقل رسالہ ہوگا۔

حصہ دوم میں احادیث مستدلہ فریقین کی بحث ہوگی اور اس سلسلہ میں انشاء اللہ تعالیٰ شیعوں کی پیش کردہ حدیث غدیر حدیث ثقلین حدیث منزلت وغیرہ کی ایسی عمدہ شرح ہوجائیگی کہ لوگوں کی آنکھیں کھل جائیں گی **حصہ سوم** میں طرفین کے عقلی دلائل اور انکے صحت و سقم کا بیان ہوگا مثلاً شیعہ کہتے ہیں حضرت علی کا علم سب سے زیادہ تھا وہ شجاعت میں سب سے فائق تھے ان تمام امور کی تحقیق کیجائیگی۔

چونکہ مقصد اصلی تفسیر آیات قرآنیہ ہے لہذا اسکو سب پر مقدم کیا جاتا ہے اور پہلے ایک مقدمہ لکھا جاتا ہے جسمیں مفید اور بصیرت افروز ضروری امور کا بیان ہے۔ چنانچہ یہ رسالہ بطور مقدمہ ہی کے ہے اور اسمیں حسب ذیل مضامین ہیں

(۱) مذہب شیعہ کب سے ایجاد ہوا اور اسکی بنیاد کسنے ڈالی۔

(۲) مسئلہ امامت میں سنی شیعہ اختلاف کی تنقیح۔

(۳) قرآن شریف کے حجت قطعی ہونے کا اور تفسیر بالرائے کا مطلب۔

(۴) روایتِ حدیث کا شریعت و عقل کے نزدیک کیا رتبہ ہے۔

(۵) ہمارے سلسلۂ تفسیر کے التزامات۔

مذہب شیعہ کی ایجاد کا بیان

خدائے علیم و حکیم نے جب اپنے دین کو کامل کرنا چاہا اور سلسلۂ نبوت و رسالت کو ختم کرنیکا ارادہ کیا تو اس دورِ آخر میں بہترین انبیا جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور آپکو بنی نوع انسانی کا معلم و مزکی بنایا آپ نے بحکم خدا اپنے منصب کا کام شروع کیا مخلوقِ الٰہی کا آپکے گرد ہجوم ہوا آپنے ان کو دین کی تعلیم دی عقائد سکھلائے اعمال بتلائے چاہ ضلالت سے نکالکر شاہراہ ہدایت پر لگادیا دین الٰہی کامل ہوگیا اور تئیس ۲۳ برس کی مدت میں آپنے تمام فرائض رسالت کو ادا کرکے رفیق اعلیٰ کیطرف رحلت کی۔

جو وقت آپ دنیا سے تشریف لیگئے تقریباً ایک لاکھ چودہ ہزار شاگرد آپکے صحابۂ کرام موجود تھے اور اس مقدس جماعت میں کسی قسم کا اختلاف نہ تھا عقائد سب کے ایک تھے اعمال میں اگرچہ بمقتضائے فہم و رائے کچھ معمولی فرق تھا مگر وہ فرق نزاع کی صورت میں نہ تھا۔

تمام قرن صحابہ اسی اتحاد و یکجہتی میں گزرا اس زمانہ کی تاریخ اور جزئی جزئی واقعات کے دیکھنے سے ہر شخص بہ آسانی معلوم کرسکتا ہے کہ مذہب اہلسنت و جماعت ہی کی تمام باتیں اُس وقت بلا کمی و بیشی موجود تھیں اور اس کے خلاف کسی بات کا اس وقت نام و نشان نہ تھا۔

نہ اسوقت کوئی معتزلی تھا نہ مرجی نہ کوئی قدری تھا نہ جبری نہ رافضی تھا نہ خارجی ؎

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا نہ تھا کوئی چھوٹا بڑا جس میں پودا

مسألہ امامت جو شیعہ مذہب کی سنگ بنیاد ہے اس وقت کسی کے خیال میں بھی نہ تھا اور دوسرے مسائل کا کیا ذکر۔

اس بات کا شیعہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ قرن صحابہ میں صرف پانچ آدمی اس عقیدہ کے تھے جو شیعوں کا ہے اسی وجہ سے سب شیعہ اس بات پر متفق ہیں کہ تمام صحابہ سوا ان پانچ کے مرتد تھے۔ نعوذ باللہ منہ۔

شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مسألہ امامت کی تعلیم کسی کو دی ہی نہیں صرف حضرت علی رضہ کو بطور راز کے آپنے تعلیم فرمایا تھا۔ اصول کافی ص۲۷۹ میں ہے۔

قال ابو جعفر علیہ السلام ولایۃ اللہ اسرھا الی جبریل واسرھا جبریل الی محمد صلے اللہ علیہ وآلہ واسرھا محمد الی علی علیہ السلام واسرھا علی الی من شاء ثم انتم تذیعون ذلک۔

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ولایت الٰہی یعنے مسألہ امامت خدا نے جبریل کو راز کے طور پر بتایا اور جبریل نے اس کو بطور راز کے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو بتایا اور محمد نے علی علیہ السلام کو بطور راز کے بتایا اور علی نے بطور راز کے جس کو چاہا بتایا اور اب تم اسکو مشہور کرتے ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسألہ امامت ایسا راز مخفی ہے کہ فرشتوں میں بھی سوا جبریل کے کسی کو اسکی خبر نہیں اور پیغمبروں میں سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو اس مسئلہ کی خبر نہیں اور صحابہ رضہ میں بھی سوا حضرت علی رضہ کے کسی کو اسکا علم نہیں۔

اس مضمون کی حدیثیں کتب شیعہ میں بہت ہیں گمان حدیثوں کی تصنیف محض اس مشکل کے حل کرنے کیلئے کی گئی تھی کہ یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ مسألہ امامت ایک ایسا اہم اور خود ضروری مسالہ اور قرن صحابہ میں کہیں اس کا پتہ نہیں تقریبًا ساڑھے سات ہزار صحابی ہیں جن سے روایتیں حدیث کی منقول ہیں اتنے بڑے جم غفیر میں ایک متنفس بھی مسألہ امامت کی روایت نہیں کرتا۔ اب یہ مشکل حل ہوگئی کہ کوئی صحابی روایت کیسے کرتا کسی کو اس مسألہ کی خبر ہی نہ تھی یہ مسألہ تو راز مخفی تھا خدا نے جبریل کے سوا کسی کو نہ بتایا جبریل نے حضرت کے سوا کسی کو پتہ نہ دیا حضرت نے سوائے علی کے کسی کو خبر نہ دی حتی کہ جناب سیدہ و حسنین کو بھی۔ خیر یہ مشکل تو حل ہوگئی مگر مذہب کی بنیاد اکھڑ گئی مسألہ امامت متواتر نہ رہا بھلا یہ بات بھی کسی کی عقل میں آسکتی ہے کہ دین کا ایک ایسا ضروری مسئلہ کہ دین اور ایمان کی اس پر بنیاد اور وہ اسطرح مخفی ہو۔

شیعہ اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضہ کے ہاتھ پر سب نے بیعت کی تمام امت نے برضا و رغبت بیعت کی صرف پانچ آدمیوں نے بغیر دلی رضامندی کے

بیعت کی۔ احتجاج طبرسی ص ۴۲ میں ہے۔

ما من الامۃ احد بایع مکرھا غیر علی وا ربعتنا۔	امت میں کوئی ایسا نہیں جس نے ابو بکر کے ہاتھ پر بغیر دلی رضامندی کے بیعت کی ہو سوا علی کے او ہمارے چاروں اشخاص کے۔

اس سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اسوقت کے مسلمانوں کو مسئلہ امامت کا علم نہ ورنہ اتنی بڑی جماعت ہرگز اس باطل بیعت پر دلی رضامندی کیساتھ متفق نہوتی۔

ان تمام باتوں کا ناقابل انکار نتیجہ یہ ہے کہ قرن صحابہ میں مذہب شیعہ کا کچھ پتہ نہ تھا شیعو یہ کہنا کہ اسوقت پانچ بزرگواران کے عقیدہ کے تھے یہ ایک ایسا بے دلیل دعویٰ ہے جس پر کوئی گواہ نہیں پیش کرسکتے نہ کرسکتے ہیں اور ایسے راز مخفی کا گواہ کیسے ملسکتا ہے۔ بلکہ تمامتر عقلی و نقلی دلائل حتی کہ خود شیعوں کی روایات اس دعوی کی تکذیب کر رہی ہیں۔

المختصر ایک منصف کی نظر میں یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ قرن صحابہ میں سوا مذہب اہل سنت کے کوئی دوسرا مذہب نہ تھا مذہب شیعہ کا کوئی حرف اسوقت تک تصنیف نہوا تھا۔ قرن ص کے آخر میں جب کہ اسلامی فتوحات کی ترقی کمال کو پہنچ چکی تھی اور کچھ لوگ منافقانہ اسلا کے مطیع بنے تھے یہودیوں کی ایک جماعت بھی منافقانہ مسلمان ہوئی یہودی اپنی کیادو میں ضرب المثل تھے اور مذہب و ملت کے تصنیف کرنے اور دین الٰہی کے بگاڑنے میں خاص مہارت رکھتے تھے اور دین عیسوی کے بگاڑنے میں کامیابی حاصل کرکے ان کے حوصلے اس کام میں خوب بڑھے ہوئے تھے۔ انہیں یہودیوں میں ایک شخص عبداللہ بن س تھا جو ان سب کا استاد تھا اس نے منافقانہ اظہار اسلام کرکے طرح طرح کے بہتان مسلمانوں میں پیدا کردیے مسلمانوں میں لڑائیاں کرائیں اور جاہل ناواقفوں کو عجیب عجیب مکاریوں سے بہکایا کسی کو تو یہ سکھلایا کہ سب صحابہ واجب التعظیم ہیں مگر حضرت علی کا رتبہ سب سے زیادہ ہے کسی کو یہ تعلیم کیا کہ خلافت حضرت علی کا حق تھی خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم نے معاذاللہ اس حق کو غصب کرلیا ان پر تبرا پڑھنا چاہیے کسی کو یہ بتلایا کہ درحقیقت حضرت علی ہی خدا ہیں غرض کئی قسم کے مختلف عقائد اسنے لوگوں میں پھیلائے۔

یہی عبداللہ بن سبا ہے جسنے مسالہ امامت کو تصنیف کیا صحابہ پر تبرا بازی کی تعلیم دی بالآخر یہ راز کھلا اور حضرت علی مرتضیٰ نے اس شقی کو واصل جہنم کیا۔

کچھ شیعہ اس بات سے بہت گھبراتے ہیں اور عبداللہ بن سبا کے نام پر ہزاروں نفرین کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ہرگز وہ ہمارے مذہب کا موجد نہیں لیکن یہ انکار یا تو ان کی ناواقفیت کی وجہ سے ہے یا ناواقفوں کو دھوکا دینے کی غرض سے ورنہ ان کے علمائے سابقین ہی زبان سے اسکا اقرار کر گئے رجال کشی کے صلہ میں ہے۔

ذکر بعض اهل العلم ان عبد الله ابن سبا کان یهودیا فاسلم ووالی علیا علیه السلام وکان یقول وهو علی یهودیته فی یوشع بن نون وصی موسی بالغلو فقال فی اسلامه بعد وفات رسول الله صلی الله علیه واله فی علی علیه السلام مثل ذلك وکان اول من اشهر القول بفرض امامة علی واظهر البرائة من اعدائه وکاشف مخالفیه واکفرهم فمن هٰهنا قال من خالف الشیعة اصل التشیع ماخوذ من الیهودیة۔

بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا پھر وہ اسلام لایا اور اس نے علی علیہ السلام سے محبت کی اور وہ اپنے زمانہ یہودیت میں حضرت یوشع بن نون وصی موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں غلو کیا کرتا تھا پھر وہ اپنے اسلام کے زمانہ میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد علے علیہ السلام کے بارہ میں ویسا ہی غلو کرنے لگا۔ یہ ابن سبا **پہلا شخص** ہے جس نے امامت علی کے فرض ہونے کو شہرت دی اور ان کے دشمنوں پر تبرا کیا اور ان کے مخالفوں سے کھل کھیلا۔ اور ان کی تکفیر کی اسی وجہ سے جو لوگ شیعوں کے مخالف ہیں کہتے ہیں کہ تشیع کی بنیاد یہودیت سے ماخوذ ہے۔

اس تحقیق سے صاف ظاہر ہوگیا کہ شیعہ مذہب کے دونوں رکن اعظم یعنی امامت علی اور تبرا اسی دشمن اسلام عبداللہ بن سبا کے مشہور کئے ہوئے ہیں اور وہی موجد مذہب شیعہ کا ہے یہی سبب ہے کہ شیعوں کے مذہب کی بہت سی باتیں یہودیوں سے ملتی جلتی ہیں۔ ؎

ہرگز با ورنمی آید زروے اعتقاد
نام زہرا بردن دین یہودی داشتن

رجال کشی میں عبداللہ بن سبا کے متعلق امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ اُسنے یہی کہا کہ

حضرت علی خدا ہیں اور میں ان کا رسول ہوں حضرت علی نے اس کو بہت سمجھایا اور توبہ کرنے کیلئے کہا اسنے نہ مانا بالآخر آپ نے اس بدبخت کو آگ میں جلوا دیا۔

عبداللہ بن سبا کے واصل جہنم ہونے پر مذہب رفض دنیا سے نیست ونابود نہیں ہوا بلکہ بہت سے شاگرد اس کے باقی تھے جو اپنے استاد سے بھی کچھ سبقت لیگئے رجال کشی میں یہ روایت بھی ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جنگ جمل کے بعد ستر آدمی جناب امیر کے پاس آئے جو اسی عبداللہ بن سبا کی بولی بولتے تھے اور انھوں نے بھی توبہ کرنے سے انکار کیا ان سب کو بھی حضرت علی نے آگ میں جلوا دیا۔

اللہ اکبر کیسے شقی وسخت دل لوگ تھے دین کو خراب کرنے کے لئے اور لوگوں کو بہکانے کیلئے اپنے کو ان مصائب میں ڈالا آگ میں جلنا قبول کیا مگر شرارت سے باز نہ آئے پرائی بدشگونی کیلئے اپنی ناک کو کاٹ ڈالنا اسی کو کہتے ہیں۔

جنگ جمل وصفین کے بعد اس مذہب نے کچھ ترقی کی مگر غیر معمولی اس وقت تک باقاعدہ نہ اس مذہب کے اصول وفروع تیار ہوئے تھے نہ کوئی نام اس مذہب کا تھا نہ کوئی مستقل وجود اسکا سمجھا جاتا تھا۔

یہاں تک کہ امام باقر وصادق کا زمانہ آیا اسوقت کوفہ میں ایک جماعت تیز اور طرار لوگوں کی قائم ہوئی جسکے نامور ممبر جناب زرارہ صاحب ابوبصیر وہشام وعبداللہ بن ابی یعفور صاحبان وغیرہم تھے ان صاحبوں نے عبداللہ بن سبا کے تصنیف کئے ہوئے مذہب کو بہت پسند کیا اور اس کے زندہ کرنے اور مکمل کرنے میں اپنی طباعی اور ذہانت سے خوب خوب کام لئے باقاعدہ حدیثیں ڈھلنے لگیں اور سبائی مذہب کے اصول وفروع بننے لگے چالاکی یہ کی کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے نام سے حدیثیں نہیں ڈھالیں کہ کہیں محدثین اہل سنت کو خبر ہو جائے اور وہ تنقید شروع کر دیں تو سب کھیل بگڑ جائے لہذا حدیثیں جس قدر ڈھالیں اکثر وبیشتر امام باقر وصادق کے نام سے بنائی گئیں یہ ائمہ مدینہ میں رہتے تھے اور حدیثیں ان کے نام سے کوفہ میں ڈھلتی تھیں۔

ان چالاک لوگوں نے بہت سی باتیں ائمہ کے نام سے تصنیف کیں اور قریب سبائی

مذہب کے اصول و فروع نصف سے زیادہ تیار کر لئے مگر یہ ممکن نہ ہوا کہ اپنے مذہب کی عام اشاعت کرتے یا تمام اصحاب ائمہ کو اپنا ہم خیال بنا لیتے۔

خود شیعوں کی کتب معتبرہ میں اس امر کا اقرار بھی موجود ہے کہ اصحاب ائمہ میں بہت لوگ اہلسنت کے مذہب پر تھے اور ائمہ ان کے دیندار و نیکو کار ہونے کی گواہی دیتے تھے۔

علامہ باقر مجلسی حق الیقین میں لکھتے ہیں۔

از احادیث ظاہر می شود کہ جمعے از راویاں کہ در اعصار ائمہ علیہم السلام بودہ اند از شیعیان اعتقاد بعصمت ایشاں نداشتہ اند بلکہ ایشاں را علمائے نیکوکار میدانستہ اند چنانچہ از رجال کشی ظاہر میشود معہذا ائمہ علیہم السلام حکم بایمان بلکہ عدالت ایشاں می کردہ اند۔

احادیث سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ایک جماعت راویوں کی جو ائمہ علیہم السلام کے ہمعصر تھے شیعوں میں سے وہ ائمہ کے معصوم ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کو علمائے نیکوکار جانتے تھے چنانچہ رجال کشی سے ظاہر ہوتا ہے باوجود اس کے ائمہ علیہم السلام ان کو مومن بلکہ متقی کہتے تھے۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ امام باقر و صادق کے زمانہ میں بھی مذہب شیعہ کا رواج پورا نہ تھا خود ائمہ کی صحبت میں بیٹھنے والے جن کی ائمہ تعریف کرتے تھے مسالہ امامت سے بیخبر تھے بلکہ یہ مذہب کوفہ کے چند بدمذاق لوگوں میں محدود تھا۔

سبائی کمیٹی کے ممبر جن کے اسمائے گرامی اوپر لکھے گئے حسب موقع اپنے مذہب کی بعض باتیں لوگوں سے بیان بھی کرتے تھے اور کبھی کبھی اس کی بھی نوبت آتی تھی کہ امام باقر یا صادق کے پاس دونوں فریق مل کر گئے اور امام نے سنیوں کی تصدیق کی اور شیعوں کو ڈانٹا بلکہ لعنت وغیرہ کے الفاظ بھی کہے۔ بایں ہمہ چونکہ اس نو تصنیف مذہب میں شہوت پرستی کی بڑی وسعت تھی جھوٹ بولنا بڑی عبادت گالیاں بکنا بڑی عبادت اور متعہ سے بڑھ کر زنا و لواطت کی اجازت شراب کے جائز ہونے کی عمدہ عمدہ تدبیریں تھیں اسلئے بعض نفس پرست اس مذہب کے شکار ہو جاتے تھے۔

شیعوں کی کتابوں کے دیکھنے سے ہر سمجھدار آدمی بخوبی معلوم کر سکتا ہے کہ یہ مذہب

شیعوں کی کتابوں کے دیکھنے سے ہر سمجھدار آدمی بخوبی معلوم کر سکتا ہے کہ یہ مذہب کس طرح کن کن چالاکیوں سے بنایا گیا اور ہر موقع و محل کیلئے کیسی کیسی روایتیں تصنیف کی گئی ہیں۔

جب ان لوگوں سے کہا جاتا کہ تم جو روایتیں امام باقر و صادق سے نقل کرتے ہو سب جھوٹ ہیں ہم ان بزرگوں سے ملے ہیں ان کے عقائد تو بالکل اہلسنت کے مطابق ہیں وہ نہ اپنے کو معصوم کہتے ہیں نہ امام مفترض الطاعت کیا تم ائمہ سے اپنی باتوں کی تصدیق کرا سکتے ہو؟ تو یہ چلتے پرزے جواب دیتے کہ ہم تصدیق نہیں کرا سکتے ائمہ کے پاس اگر ہم تصدیق کرانے کو جائیں تو ائمہ ہمیں کو ڈانٹیں گے بہت خفا ہوں گے کیونکہ ائمہ نے ہم کو تاکید کردی کہ اس مذہب کو ظاہر نہ کرنا جو شخص اس مذہب کو ظاہر کرے گا خدا اس کو ذلیل کریگا[1] اور ائمہ نے ہمسے فرمایا ہے کہ جس شخص نے ہمارا مذہب ظاہر کر دیا گویا اسنے ہمیں قتل کر دیا۔ ائمہ اپنا مذہب ہمیں تنہائی میں تعلیم کرتے ہیں جب کوئی نہیں ہوتا لوگوں کے سامنے وہ جھوٹ موٹ اپنے کو سنی کہدیا کرتے ہیں اور اپنی امامت و عصمت کا انکار کر دیتے ہیں۔

---

[1] مجالس المومنین ص۱۲۶ میں ہے در کتاب بحار از سید منقول است کہ گفت روزے درخدمت امام جعفرم بودم کہ دو کس در مجلس اذن دخول طلبیدند و آنحضرت ایشانرا اذن کرد چوں بنشستند یکی از ایشاں از مجلس پرسید کہ آیا در شما امام مفترض الطاعۃ ہست آنحضرت فرمود کہ چنیں کسی را در میان خود نمی شناسم او گفت در کوفہ قومی ہستند کہ زعم ایشاں آنست کہ در میان شما امام مفترض الطاعۃ موجود ست ایشاں دروغ نمی گویند زیرا کہ صاحب ورع و اجتہاد و زہد اند و از جملۂ ایشاں عبداللہ بن یعفور و فلاں و فلاں اند پس آنحضرت فرمودند کہ من ایشاں را بایں اعتقاد امر نکردہ ام گناہ من نیست آن دو کس متعارض این گفتار بر خسار مبارک آنحضرت از غضب سرخ شد چون آن دو کس این مذہب دیدند از مجلس برخاستند۔ دیکھئے امام جعفر صادق کو امام مفترض الطاعۃ کا لفظ سنکر کسقدر غصہ آیا اور اپنے امام مفترض الطاعۃ ہونیکا کس صفائی سے انکار کیا۔ اس مضمون کی روایات کتب شیعہ میں بہت ہیں چنانچہ یہی مضمون اصول کافی ص۱۳۲ میں بھی ہے۔ [2] اصول کافی ص۴۸۴ میں امام صادق سے منقول ہے کہ انکم علی دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ یعنی تم ایک ایسے دین پر ہو کہ جو اسکو پوشیدہ رکھیگا اللہ اسکو عزت دیگا اور جو اسکو ظاہر کریگا اللہ اسکو ذلیل کریگا۔ [3] دیکھو اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ ص۴۸۵ [4] فروع کافی جلد سوم کتاب المواریث ص۵۸ میں ہے فاتیتہ من الغد بعد الظہر وکانت ساعتی التی کنت اخلو بہ فیہا بین الظہر والعصر وکنت اکرہ ان اسالہ الا خالیا خشیۃ ان یفتینی من اجل من یحضرہ بالتقیۃ یعنی زرارہ کہتے ہیں میں امام باقر کے پاس دوسرے دن بعد ظہر گیا اور یہ وہ وقت تھا جسمیں میں ان سے خلوت کی ملاقات کرتا تھا عصر و ظہر کے درمیان تھا اور میں ان سے بغیر خلوت کے کچھ پوچھنا پسند کرتا تھا اس خوف سے کہ کہیں لوگوں کے سامنے وہ مجھے تقیہ کر کے فتویٰ دیدیں اس مضمون کی روایات کتب شیعہ میں بے شمار ہیں۔

جب ان سے کہا جاتا کہ تم لوگ بڑے جھوٹے اور خائن ہو تمہاری روایتوں پر کیونکر اعتبار کیا جائے تو جواب دیتے کہ جھوٹ بولنا بڑی عبادت ہے[۱] جھوٹ بولنا تو انبیا و ائمہ کا شیوہ ہے جھوٹ بولنا خدا کا دین ہے جھوٹ بولنے کا نام تقیہ ہے اور کبھی کہتے کہ ائمہ نے فرما دیا ہے کہ جو شخص ہماری امامت کو مان لے پھر چاہے وہ جھوٹ بولے چاہے خیانت کرے اس پر کچھ عتاب نہ ہوگا۔

جب ان سے کہا جاتا کہ تم جو روایتیں نقل کرتے ہو ان میں اختلاف و تناقض[۲] اسقدر ہے کہ کوئی روایت ایسی نہیں جسکے خلاف دوسری روایت نہو کوئی کچھ روایت کرتا ہے کوئی کچھ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ائمہ پر افترا ہے تو جواب دیتے کہ یہ اختلاف ہم لوگوں کے سبب نہیں ہے ائمہ خود اپنے شیعوں میں اختلاف ڈالنے کیلئے مختلف باتیں بیان کیا کرتے ہیں[۳] اور کوشش کرتے ہیں کہ

---

[۱] اصول کافی ص۴۸۳ میں ابو عمیر اعجمی سے روایت ہے کہ قال لی ابو عبداللہ علیہ السلام یا ابا عمیر ان تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ ولا دین لمن لا تقیۃ لہ والتقیۃ فی کل شئ الا فی النبیذ والمسح علی الخفین ترجمہ امام جعفر صادق نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابو عمیر دین کے کل دس حصے ہیں ان میں سے نو حصے تقیہ میں ہیں اور جس نے تقیہ نہ کیا وہ بیدین ہے اور تقیہ ہر چیز میں ہے سوا نبیذ پینے اور موزوں پر مسح کرنے کے۔ استبصار میں ایک حدیث موجود ہے جس میں موزوں پر مسح کرنے میں بھی تقیہ کی اجازت ہے [۲] اصول کافی ص۴۸۲ میں ابو بصیر صاحب سے روایت ہے کہ قال ابو عبداللہ علیہ السلام التقیۃ من دین اللہ قلت من دین اللہ قال ای واللہ من دین اللہ ولقد قال یوسف ایتھا العیر انکم لسارقون واللہ ما کانوا سرقوا شیئا ولقد قال ابراہیم انی سقیم واللہ ما کان سقیما ترجمہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ تقیہ اللہ کا دین ہے میں نے تعجب سے کہا کہ اللہ کا دین ہے امام نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم اللہ کا دین ہے بتحقیق یوسف پیغمبر نے کہا تھا کہ اے قافلہ والو تم چور ہو حالانکہ اللہ کی قسم انھوں نے کچھ چرایا نہ تھا اور بتحقیق ابراہیم پیغمبر نے کہا تھا کہ میں بیمار ہوں حالانکہ وہ بیمار نہ تھے معلوم ہوا کہ تقیہ نام جھوٹ بولنے کا ہے اور جھوٹ بولنا خدا کا دین ہے [۳] مولوی دلدار علی مجتہد اعظم شیعہ اساس الاصول ص۵۱ میں لکھتے ہیں الاحادیث الماثورۃ عن الائمۃ مختلفۃ جدا لا یکاد یوجد حدیث الا وفی مقابلہ ما ینافیہ ولا یتفق خبر الا وبازائہ ما یضادہ حتی صار ذلک سبباً لرجوع بعض الناقصین عن اعتقاد الحق کما صرح بہ شیخ الطائفۃ فی اوائل التہذیب والاستبصار ترجمہ حدیثیں جو ائمہ سے منقول ہیں ان میں بہت اختلاف ہے کوئی حدیث ایسی نہیں ملتی جسکے خلاف دوسری حدیث نہو کوئی خبر ایسی نہیں جسکے خلاف دوسری خبر نہو یہاں تک کہ یہ اختلاف بعض ناقص لوگوں کے مذہب شیعہ سے پھر جانیکا سبب ہو گیا جیسا کہ ہمارے پیشوا نے اوائل تہذیب و استبصار میں اسکی تصریح کی ہے ص۳۷ اصول کافی ص۳۷ میں ہے عن زرارۃ بن اعین عن ابی جعفر قال سألتہ عن مسئلۃ فاجابنی ثم جاءہ رجل فسألہ عنہا فاجابہ بخلاف ما اجابنی ثم جاءہ رجل فسألہ عنہا فاجابہ بخلاف ما اجابنی واجاب صاحبی فلما خرج الرجلان قلت یا ابن رسول اللہ رجلان من اہل العراق من شیعتکم قدما یسئلان فاجبت کل واحد منہما بغیر ما اجبت صاحبہ فقال یا زرارۃ ان ہذا خیر لنا ولکم ولو اجتمعتم علی امر واحد لصدقکم الناس علینا ولکان اقل لبقائنا وبقائکم ثم قال قلت لابی عبداللہ شیعتکم (دیکھو ص۱۲)

لوگ ہم کو سچا نہ سمجھیں سبب اُن سے کہا جاتا کہ تم جو تمام صحابہ کو مرتد کہتے ہو اور حضرت علی کا مذہب
سب کے خلاف بتاتے ہو یہ بات بالکل غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت علی پانچوں وقت
تینوں خلفاء کے پیچھے نماز پڑھتے رہے اپنے زمانۂ خلافت میں تینوں خلیفہ کی تعریف کرتے رہے
حضرت عمر کیساتھ اپنی بیٹی ام کلثوم بنت فاطمہ کا نکاح کر دیا حضرت علی کے علاوہ امام باقر و صادق
بھی حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی مدح سرائی کیا کئے۔ تو یہ عجیب الخلقت لوگ جواب دیتے کہ حضرت
علی تقیہ کرتے تھے اور تقیہ کر کے جو کسی بیدین کے پیچھے نماز پڑھے تو اسکو اتنا بڑا ثواب ملتا ہے جیسے
رسول اللہ کے پیچھے نماز پڑھنے میں ملے اور حضرت علی اپنے زمانۂ خلافت میں بھی تقیہ کرتے تھے انکے
لشکر میں سب سنی لوگ تھے اگر جناب امیر ان کے خلاف کوئی بات زبان سے نکالتے تو سب لوگ آپ سے

(بقیہ ملا) لو جملتموهم على الاسنت او النار لمضوا وهم يخرجون من عندك مختلفين قال فاجابني بمثل جواب ابيه
ترجمہ: زرارہ صاحب امام باقر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے انسے ایک مسائلہ پوچھا انھوں نے مجھے جواب دیا پھر ایک اور
شخص آیا اور اسنے بھی وہی مسئلہ پوچھا اسکو انھوں نے میرے جواب کے خلاف بتایا پھر ایک اور تیسرا شخص آیا اور اُسنے بھی وہی
مسئلہ پوچھا تو انھوں نے اسکو ہم دونوں کے خلاف جواب بتایا جب وہ دونوں چلے گئے تو میں نے کہا کہ اے فرزند رسول اللہ
یہ دونوں شخص عراق کے رہنے والے تمھارے شیعوں میں سے تھے تم سے مسائلہ پوچھنے آئے تھے تمنے ایک
کو کچھ جواب دیا اور دوسرے کو کچھ امام باقر نے کہا کہ اے زرارہ اسی میں ہماری تمھاری خیریت ہے اگر تم سب ایک بات پر متفق ہو جاؤ تو لوگ
تمکو ہمسے روایت کرنے میں سچا سمجھ لیں گے پھر ہماری تمھاری زندگی نہیں رہ سکتی پھر میں نے امام جعفر سے کہا کہ تمھارے شیعہ ایسے
ہیں کہ اگر تم انکو نیزوں یا آگ میں بھیجدو تو چلے جائیں وہ تمھارے پاس سے مختلف ہو کر نکلتے ہیں تو انھوں نے بھی اپنے والد کی
کے ایسا جواب دیا ما حصلہ من لا یحضرہ الفقیہ کے باب الجماعت میں امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ قال ما منکم من احد یصلی صلوۃ فریضۃ
فی وقتہا ثم یصلی معھم صلوۃ تقیۃ وھو متوضیٔ الا کتب اللہ بھا خمسا وعشرین درجۃ فارغبوا فی ذلک وروی عنہ
حماد بن عثمان انہ قال من صلی معھم فی الصف الاول کان کمن صلی خلف رسول اللہ فی الصف الاول ترجمہ امام جعفر
صادق نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے فرض نماز اپنے وقت میں پڑھ چکا ہو پھر سنیوں کیساتھ مکر تقیہ سے نماز پڑھے اس حال میں کہ
با وضو ہو اللہ اسکے پچیس درجے لکھدیتا ہے پس اس کام کیطرف رغبت کرو۔ اور حماد بن عثمان نے امام صادق سے روایت کی
ہے کہ انھوں نے فرمایا جو شخص سنیوں کے ساتھ صف اول میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے وہ مثل اس شخص کے ہوگا جسنے رسول اللہ
کے ساتھ صف اول میں نماز پڑھی ہو سنیوں کا رتبہ قابل دید ہے۔ شاباش ہے

جدا ہو جاتے اور اتنی مشکل سے جو تھی مرتبہ میں جو خلافت ملی تھی وہ بھی جاتی رہتی اور نکاح ام کلثوم جبراً ہوا حضرت عمرؓ نے ظلماً انکی بیٹی کو چھین لیا اور اپنے تصرف میں لائے۔[1]

جب ان سے کہا جاتا کہ تم متعہ جیسی ناپاک چیز کو نہ صرف حلال بلکہ عبادت کہتے ہو اور تراویح جیسی عمدہ عبادت کو حرام کہتے ہو اگر یہ تمہارا کہنا صحیح ہوتا تو حضرت علی نے اپنے زمانۂ خلافت میں متعہ کو کیوں رواج دیا اور تراویح کو کیوں نہ روکا۔ تو جواب دیتے کہ حضرت علی اپنے زمانۂ خلافت میں مجبور و مغلوب تھے لہٰذا تقیہ کرتے تھے۔[2]

جب یہ چالاک لوگ بیوقوفوں کو اپنے جال میں پھانسنے کے لئے کوئی پیشین گوئی ائمہ کے نام سے نقل کرتے کہ دیکھو اب اتنے دنوں میں تمام روئے زمین پر شیعوں کی حکومت ہو جائیگی جو شخص اس مذہب میں ہوگا خوب عیش کرے گا اور یہ پیشین گوئیاں جھوٹی نکل جاتیں تو کہتے صاحب ہم کیا کریں خدا کو بداء ہو گیا اور کبھی کہتے کہ یہ پیشین گوئیاں شیعوں کے

---

[1] روضۂ کافی ص۲۹ میں خود حضرت علی کی زبان سے منقول ہے کہ قد عملت الولاة قبلی اعمالا خالفوا فیها رسول الله متعمدین لخلافه ناقضین لعهده مغیرین لسنته و لو حملت الناس علی ترکها و حولتها الی مواضعها والی ما کانت فی عهد رسول الله صلی الله علیه واله لتفرق عنی جندی ترجمہ جو حکام مجھ سے پہلے تھے انہوں نے ایسے کام کئے ہیں جنمیں عمداً رسول اللہ کی مخالفت کی ہے عہد رسول کو توڑا ہے سنت رسول کو بدلا ہے اور اگر میں لوگوں کو ان کاموں کی چھوڑنے کی ترغیب دوں اور ان اعمال کو بدل کر اصلی حالت میں جیسا کہ رسول کے زمانہ میں تھے کر دوں تو مجھ سے میرا لشکر جدا ہو جائے۔ یہ حدیث لمبی ہے اسکے بعد جناب امیر نے فدک وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ تراویح کے متعلق ایک دفعہ میں نے کہا کہ بدعت ہے تو میرے لشکر میں غل مچ گیا کہ دیکھو یہ شخص عمر کی سنت بدلنا چاہتا ہے۔ [۲] فروع کافی کتاب النکاح میں ایک خاص باب ہے باب تزویج ام کلثوم اس باب میں امام صادق سے منقول ہے کہ ذاک فرج غصبناہ یعنی یہ شرمگاہ تھی جو ہم سے چھین لی گئی۔

[2] قاضی نور اللہ شوستری احقاق الحق میں اسی سوال کا کہ متعہ حلال تھا تو حضرت علی نے اپنے زمانۂ خلافت میں اسکی حلت کا اعلان کیوں نہ دیا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جناب امیر کو خلافت برائے نام ملی تھی وہ اپنی خلافت میں بھی مجبور رہے پوری عبارت احقاق الحق کی منقولہ حصۂ دوم میں دیکھو جسکا آخری فقرہ یہ ہے کہ والحاصل ان امر الخلافة ما وصل الیه الا بالاسم دون المعنی الخ

بہلانے کے لیے تھیں اگر ایسا نہ کیا جاتا تو شیعہ مرتد ہو جاتے۔
جب اُن سے کہا جاتا کہ تم لوگ جو باتیں بیان کرتے ہو کہ معاذ اللہ خدا کو بدا ہوتا ہے یعنی خدا جاہل[1] ہے اور جھوٹ بولنا عبادت ہے ائمہ جھوٹ بولا کرتے تھے ان کا ظاہر اور تھا اور باطن اور۔ حضرت علی جیسے شیر خدا اور بہادر کو ڈرپوک مجبور و مغلوب بناتے ہو یہ باتیں بالکل عقل کے خلاف ہیں کیسے مان لیجائیں تو جواب دیتے کہ ائمہ کی باتیں راز الٰہی ہیں ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آ سکتیں۔

---

[1] اصول کافی ص۲۳۲ میں یقطین سنی اور ان کے بیٹے علی بن یقطین شیعہ کی باہم گفتگو منقول ہے سنی نے کہا کہ کیا بات ہے کہ تمہارے اماموں کی پیشین گوئیاں جھوٹی ہو جاتی ہیں ہمارے رسولؐ کی تو ایک بھی پیشین گوئی جھوٹی نہیں ہوئی اسکا جواب شیعہ نے دیا کہ پیشین گوئیاں شیعوں کے بہلانے کیلئے تھیں وہ بہلائے نہ جاتے تو مرتد ہو جاتے اصل عبارت یہ ہے عن علی بن یقطین قال قال ابوالحسن الشیعۃ تربی بالامانی منذ مائتی سنۃ قال قال یقطین لابنہ علی بن یقطین ما بالنا قیل لنا فکان و قیل لکم فلم یکن قال فقال لہ علی ان الذی قیل لنا و لکم کان من مخرج واحد غیر ان امرکم حضر فاعطیتم محضہ فکان کما قیل لکم وان امرنا لم یحضر فعللنا بالامانی فلو قیل لنا ان ھذا الامر لایکون الا الی مائتی سنۃ او ثلثمائۃ سنۃ لقست القلوب ولرجع عامۃ الناس عن الاسلام[2]
[2] کتب معتبرہ شیعہ میں سیکڑوں واقعات خدا کے بدا کے مذکور ہیں مثلاً خدا نے امام جعفر صادق کے بعد ان کے بیٹے اسمٰعیل کے امام ہونے کا اعلان دیا مگر پھر اسمٰعیل سے کچھ حرکات ناپسندیدہ صادر ہوئیں جن کا خدا کو علم نہ تھا تو خدا نے اپنی رائے بدلی اور موسیٰ کاظم کو امام بنایا اس کی بابت شیخ صدوق نے رسالہ اعتقادیہ میں لکھا ہے کہ ما بدا اللہ فی شئی کما بدا لہ فی اسمعیل یعنی خدا کو ایسا بدا کبھی نہیں ہوا جیسا اسمٰعیل کے بارے میں ہوا اور مثلاً امام علی نقی کے بعد خدا نے ان کے بیٹے محمد کی امامت کا اعلان دیا مگر خدا کو معلوم نہ تھا کہ محمد اپنے باپ کے سامنے ہی مر جائیں گے جب وہ مر گئے تو خدا نے اپنی رائے بدلی اور اپنے اعلان کے خلاف امام حسن عسکری کو خلیفہ کیا یہ قصہ اصول کافی ص۲۰۴ میں ہے اور ہم مناظرہ حصہ چہارم صفحہ ۹ میں نقل کر چکے ہیں اور مثلاً خدا نے امام مہدی کے ظہور کا وقت ۷۰ھ مقرر کیا پھر شیعوں نے اسکو شہرت دیدی تو خدا نے اپنی رائے بدل کر ۱۴۰ھ مقرر کیا مگر معلوم نہ تھا کہ امام حسین شہید کر دئے جائیں گے اور مجھے غصہ آ جائیگا لہذا بعد شہادت حسین پھر رائے بدل گئی اور اب کوئی وقت مقرر نہیں یہ قصہ اصول کافی ص۲۳۳ میں ہے انہیں واقعات سے مجبور ہو کر مولوی دلدار علی نے اساس الاصول ص۲۱۹ پر لکھ دیا کہ یلزم منہ ان یتصف الباری تعالیٰ بالجھل یعنی بدا کا مطلب یہ ہے کہ خدا جاہل ہے۔

جب اُن سے کہا جاتا کہ اگر تمہارا بیان صحیح ہے کہ حضرت علی اور دوسرے ائمہ جھوٹ بولتے تھے اپنا اصلی مذہب چھپاتے تھے جیسا مجمع دیکھتے تھے ویسی ہی باتیں کرتے تھے سنیوں کے سامنے سنی بنجاتے تھے شیعوں کے سامنے شیعہ تو اس صورت میں حضرت علی اور ان ائمہ کا اصلی مذہب کسی کو معلوم ہی نہیں ہو سکتا نہ ان کے سنی ہونیکا یقین ہو سکتا ہے نہ شیعہ[1] ہونیکا بلکہ ان کے مسلمان ہونے کا بھی یقین نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ وہ اپنے خاندانی لوگوں یعنی کفار قریش کے مذہب پر ہوں مگر چونکہ ہر طرف مسلمانوں کی حکومت تھی مسلمانوں کا تسلط تھا اسکے ڈر سے اپنے کو مسلمان کہتے اور نماز روزہ کی پابندی کرتے ہوں حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں " واگر تقیہ[3] باوجود خلافت و شجاعت و شوکت و قیام بقتال جمیع اہل ارض جائز باشد میتواں گفت کہ باجمعے کہ با شیخین بدمی بودند درخفیہ بنا بر انکار شیخین می نمودیس کلام خیر الامۃ متحقق ست و خلاف او تقیہ و می تواں گفت کہ اظہار اسلام و نماز پنجگانہ خواندن از دوزخ ترسیدن ہمہ بنا بر تقیہ مسلمین بود و شک نیست تنفر قوم بہ ترک اسلام اشد بود از

[1] اصول کافی میں ایک مستقل باب اسی مضمون کا ہے کہ ائمہ کی حدیثیں مشکل ہوتی ہیں سوا نبی مرسل یا ملک مقرب یا مومن کامل کے کوئی ان کو سمجھ نہیں سکتا ہے [2] شیعہ ہونے کا یقین اس لیے نہیں ہو سکتا کہ ممکن ہے وہ شیعوں سے تقیہ کرتے ہوں اور تنہائی میں جو کچھ شیعوں سے کہتے ہوں وہ تقیہ ہو شیعہ بڑے شوریدہ پشت تھے اماموں کو روبرو جھوٹا کہہ دیتے تھے جاہل کہہ دیتے تھے لعنت کر بیٹھتے تھے جیسا کہ کتب شیعہ میں مذکور ہے لہذا ان سے تقیہ کرنا قرین قیاس ہے [3] ترجمہ اور اگر تقیہ باوجود خلیفہ ہونے اور بہادر ہونے اور صاحب شوکت ہونے اور تمام دنیا کے لوگوں سے لڑ سکنے کے بعد بھی جائز ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ شیخین سے بدگمان تھے حضرت علی ان سے تنہائی میں تقیہ کر کے شیخین کا انکار کر دیتے تھے لہذا انھوں نے جو مجمع عام میں خیر الامۃ بعد نبیھا ابو بکر ثم عمر فرمایا یہ کلام صحیح ہے اور اسکے خلاف جو تنہائی میں شیعوں سے کہا وہ تقیہ ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اپنے کو مسلمان کہنا اور پنجوقتہ نماز پڑھنا اور دوزخ سے ڈر ظاہر کرنا یہ سب باتیں مسلمانوں سے تقیہ کر کے کہتے تھے اور کچھ شک نہیں کہ لوگوں کو جتنی نفرت ترک اسلام سے تھی اتنی نفرت شیخین کے انکار سے نہ تھی (لہذا انکے اسلام میں تقیہ کا احتمال بہت قوی ہے) پس حضرت علی کے اسلام کا یقین نہ رہا امامت تو کجا اور یہ نتائج مذہب شیعہ کے ایسے برے ہیں کہ کوئی مسلمان انکا خیال بھی نہیں لا سکتا۔

تنفر بسبب انکار شیخین لبشا من از اسلام او برخاست چه جائے امامت و این همه تقیلها تے می کشد کہ ہیچ مسلمانے خیال آں نمی تواند کرد۔ ازالۃ الخفا مقصد اول ص۲۸۲

تو جواب دیتے کہ صاحب ہم بحث نہیں کرتے ائمہ نے ہم کو مذہبی بحث کرنے سے منع کر دیا[1] ہے اور فرمایا ہے کہ اس سے دل بیمار ہو جاتا ہے۔

الغرض کہ عجب عجب مضحکہ خیز باتیں یہ لوگ کیا کرتے تھے اور نہایت عجیب عجیب چالاکیوں سے اس مذہب کی تصنیف و ترویج میں کوشاں رہتے تھے۔ علمائے اہلسنت میں سے کسی کو ان باتوں کی خبر ہوتی تو وہ چنداں التفات نہ کرتے غالباً یہی خیال ہوا ہو گا کہ یہ مسخرا پن چند روز کا کھیل ہے خود بخود مٹ جائے گا زیادہ سے زیادہ یہ کہ مسلمانوں کو ممانعت کر دی گئی تھی کہ ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھو ان سے بات نہ کرو کیونکہ یہ بڑے جھوٹے لوگ ہیں مگر ہماری اس بے توجہی سے فائدہ اٹھا کر پورا مذہب تیار کر لیا گیا اور جیسے جیسے خیر القرون سے بعد ہوتا گیا اس مذہب کی اشاعت میں کچھ کچھ ترقی ہوتی گئی بیسیوں فرقے خود ان میں پیدا ہو گئے کوئی کسی کو امام مانتا ہے کوئی کسی کو انھیں میں ایک فرقہ وہ ہے جو اب بھی حضرت علی کی الوہیت کا قائل ہے ان فرقوں میں باہم بڑی عداوت ہے ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور بڑے بڑے فساد برپا ہیں اب ہندوستان میں جو فرقہ زیادہ پایا جاتا ہے اس کا نام اثنا عشری ہے یہ لوگ بارہ امام کے قائل ہیں یوں سمجھیے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ رسول اور مانتے ہیں۔

مسئلہ امامت و خلافت میں سنی شیعہ کے اختلاف کی تنقیح

سنی شیعہ کے اختلاف کی بنیاد اسی مسئلۂ امامت پر بیان کی جاتی ہے اور یہ بات ایک حد تک صحیح بھی ہے کیونکہ شیعوں نے دین اسلام کی تخریب و تحریف کا سب سے بڑا آلہ اسی مسئلہ امامت کو بنایا ہے دین اسلام کی جس چیز کو بگاڑنا چاہا کسی نہ کسی امام سے اسکے متعلق

[1] اصول کافی ص۲۸۴ میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ لاتخاصموا بدینکم الناس فان المخاصمۃ ممرضۃ للقلب ترجمہ اپنے دین کے متعلق لوگوں سے بحث نہ کیا کرو کیونکہ بحث کرنا دل کو بیمار کر دیتا ہے۔

کوئی روایت نقل کردی اماموں کی آڑ میں بیٹھ کر جس حرام چیز کو چاہا حلال کر دیا اور جس حلال چیز کو چاہا حرام بنا دیا۔

شیعوں نے مسئلہ امامت کو ایک عجیب چیز بنا رکھا ہے عجب عجب معنی اس لفظ میں پیدا کئے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے معنی امامت کی تنقیح ہو جائے۔ پھر خلافت کے معنی کی تحقیق ہو جائے۔

لغت میں امامت کے معنی مطلق پیشوائی کے ہیں جو شخص کسی بات میں کسی کا پیشوا ہو از روئے لغت اس کو امام کہدیں گے خواہ وہ اچھے کام میں پیشوا ہو یا برے کام میں۔

قرآن مجید میں اسی عموم کے ساتھ اس لفظ کا استعمال ہوا ہے قولہ تعالیٰ وجعلنا هم ائمۃ یهدون بامرنا یعنی ہم نے ان کو امام بنایا کہ وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اس آیت میں اچھے کاموں کی پیشوائی پر امامت کا اطلاق ہوا ہے۔ وقولہ تعالیٰ وجعلنا هم ائمۃ یدعون الی النار یعنی ہم نے ان کو امام بنایا کہ وہ دوزخ کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے۔ اس آیت میں برے کام کی پیشوائی پر لفظ امامت وارد ہوا ہے مگر لفظ امامت جب مطلق بولی جاتی ہے تو اس سے اچھے کام کی پیشوائی مراد ہوتی ہے۔

اہل سنت نے کوئی خاص اصطلاح اس لفظ کے متعلق نہیں قائم کی اسی معنی لغوی میں اس لفظ کا برابر استعمال کرتے ہیں خلیفہ کو بھی امام اسی سبب سے کہدیتے ہیں کہ وہ بھی پیشوا ہوتا ہے لوگ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اور تمام کلمہ گویان اسلام کا اس امر میں اہلسنت کیساتھ اتفاق ہے۔

شیعہ لفظ امامت کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں اور تمام کلمہ گویان اسلام کے خلاف سب سے الگ ہو کر کہتے ہیں کہ امامت کا مرتبہ نبوت سے بھی افضل ہے امام مثل نبی کے معصوم ہوتا ہے کہ کسی

لہ اسی لئے امام کو یہ اختیارات دیے گئے تھے کہ جس چیز کو چاہیں حلال کریں جسکو چاہیں حرام کر دیں اصول کافی میں ہے کہ امام محمد تقی سے شیعوں کے اختلاف کی وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ ائمہ کو تحلیل و تحریم کا اختیار ہے مطلب یہ کہ اماموں نے مختلف فتوے اسوجہ سے دیے کہ ہر امام کو اختیار تحلیل و تحریم کا تھا اور اماموں کے مختلف فتووں سے شیعوں میں اختلاف ہوا اصل عبارت بقدر ضرورت یہ ہے فهم یحلون ما یشاءون ویحرمون ما یشاءون

کی طرح اس کی اطاعت بھی فرض ہوتی ہے۔ بڑے بڑے اختیارات بڑے بڑے علوم اسکے پاس ہوتے ہیں۔

شیعوں نے امام کے لئے حسب ذیل شرائط ضروری قرار دئے ہیں:-

(۱) مثل نبی کے معصوم مفترض الطاعۃ ہو۔

(۲) اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہو۔

(۳) خدا و رسول کی طرف سے منصوص یعنی اس عہدہ کے لئے نامزد ہو۔ لوگوں کو امام کے منتخب کرنے کا اختیار نہیں ان کے نزدیک تو امام کا منتخب کرنا ایسا ہے جیسے نبی کا جسطرح نبی کو کوئی شخص منتخب نہیں کرسکتا اسی طرح امام کو بھی منتخب نہیں کرسکتا۔

شیعہ کہتے ہیں کہ خدا پر واجب ہو کہ قیامت تک کبھی دنیا کو امام سے خالی نہ رکھے اور کہتے ہیں کہ اس صفت کے بارہ امام رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کیلئے خدا کیطرف سے معین و مقرر ہو چکے انکے نام کے بارہ لفافہ سربمہر خدا کے یہاں سے نازل ہو چکے ان ائمہ کا رتبہ تمام انبیائے سابقین سے زیادہ ہے ان کو ماکان ومایکون کا علم ہوتا تھا فرشتے ان کے پاس آتے تھے کتب الٰہیہ سابقہ سب انکے پاس تھیں عصائے موسیٰ ید بیضا انگشتری سلیمان کا اسم اعظم غرضکہ تمام انبیا کے معجزات انکے پاس تھے لشکر جنات انکے تابع تھا انکی موت ان کے اختیار میں تھی اور ہر ایک کو اپنی موت کا وقت معلوم تھا ہر امام کو ایک ایک رجسٹر بھی خدا کیطرف سے ملا تھا جسمیں ان کے شیعوں کے نام بقید ولدیت لکھے ہوئے تھے۔ یہ تمام صفات امام کے مع شی زائد اصول کافی میں موجود ہے۔

کہتے ہیں کہ ان بارہ مقرر کئے ہوئے اماموں میں سے گیارہ تو گذر چکے بارھویں صاحب صدیوں سے بخوف اہل سنت ایک پہاڑ کے غار میں چھپے ہوئے ہیں خدا ہی جانے کہ کب اس غار سے باہر تشریف لائینگے۔

اہلسنت کہتے ہیں کہ معصوم ہونا خاصۂ انبیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو آپ کا مثل اور معصوم و مفترض الطاعۃ ماننا شرک فی النبوت اور ختم نبوت کا انکار ہے۔ امام معصوم مفترض الطاعۃ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کے بعد کوئی معصوم مفترض الطاعۃ

نہ ہوا نہ ہو سکتا ہے البتہ امام بمعنی مطلق پیشوا اس امت میں بہت ہوئے اور ہیں اور ہونگے جو نہ بارہ امام میں منحصر نہ بارہ کردہ میں ان کا شمار سوا خدا کے کوئی نہیں جان سکتا۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کوئی معمولی تعلیم نہ تھی اس تعلیم نے بے تعداد انسانوں کو کامل و مکمل بنا دیا ہزاروں اس تعلیم کی بدولت منصب پیشوائی اور رہنمائی پر فائز ہوئے اور ہوں گے۔

جسطرح نماز جماعت میں چاہے کتنی بڑی جماعت ہو امام ایک ہوتا ہے اور اگر صفیں مقتدیوں کی زیادہ ہوں تو ہر ہر صف میں دو ایک مکبر مقرر کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ تکبیر کہہ کر امام کے رکوع و سجود کی اطلاع پچھلی صفوں کو دیا کرتے ہیں بالکل یہی معاملہ یہاں بھی ہے جس طرح تمام جماعت کا امام حقیقۃً ایک ہے صف اول سے لیکر صف آخر تک ہر مقتدی نے اسی کے پیچھے نماز پڑھنے کی نیت کی ہے اسی کو اپنا امام بنایا ہے اسی طرح تمام امت محمدیہ کے امام مفترض الطاعت جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لیکر قیامت تک ہر مسلمان آپؐ ہی پر ایمان لاتا ہے آپؐ ہی کو اپنا پیشوائے حقیقی مانتا ہے اور جسطرح جماعت نماز میں ان مکبروں کو بھی اس معنی میں امام کہہ سکتے ہیں کہ پچھلی صفیں انھیں کی تکبیر کی تابع ہیں مگر وہ حقیقۃً امام نہیں کیونکہ وہ امام کے حالات کی نقل کرنیوالے ہیں، اپنی اطاعت کا حکم نہیں دیتے اکابر دین علمائے شرع متین اور خلفاء کو امام کہا جاتا ہے کیونکہ لوگ انکی پیروی کرتے ہیں مگر وہ حقیقۃً امام نہیں کیونکہ وہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کی نقل کرنیوالے ہیں نہ اپنے احکام کے۔ اب اس مقام پر ضروری ہے کہ عصمت ائمہ کی بحث اختصار کیساتھ لکھدی جائے تاکہ آیندہ خلیفہ کے شرائط کے سمجھنے میں الجھن نہ ہو۔ اور جب عصمت کی بحث طے ہو جائیگی تو نص و منصوص ہونیکا خود بخود فیصلہ ہو جائیگا۔

عصمت امام کی بحث

عصمت امام کی بحث کو ایک عمدہ تفصیل کے ساتھ ہم مناظرہ حصہ سوم میں بیان کر چکے ہیں اس بحث کو دیکھ کر بعض غیر متعصب شیعوں کی زبان سے نکل گیا کہ درحقیقت معلوم ہوتا ہے کہ

مذہب شیعہ کی بنیاد مدار ہے عصمت امام ہی پر تمام مذہب کی بنیاد ہے اور اس کو شیعہ ثابت نہیں کر سکتے۔ ہندوستان میں سے ایک بڑے شخص[1] نے بذریعہ مطبوعہ اعلان کے تمام مجتہدین شیعہ سے درخواست کی کہ دو مہینہ کے اندر اگر النجم کی بحث عصمت کا جواب نہ ہوا اور عصمت ائمہ کی کوئی تشفی بخش دلیل نہ شائع کی گئی تو میں سنی ہو جاؤں گا لیکن اسکی بھی کسی نے پروا نہ کی اور آجتک کسی نے سوا خاموشی کے کچھ نہ کیا۔ شیعہ ہمیشہ فروعی باتوں میں تو بحث کرنے کے لئے کسی نہ کسی طرح تیار ہو جاتے ہیں لیکن ایسی اصولی باتوں سے کوسوں دور بھاگتے ہیں جسکا جی چاہے اُن کے علماء و مجتہدین کو آزما لے۔

عصمت کی بحث میں شیعوں نے بڑی کوششیں کیں لیکن ان کے تمام دلائل میں سب سے بہترین دلائل کا حال یہاں لکھا جاتا ہے اس کو دیکھ کر ایک طالب حق کو پورا اطمینان ہو جائیگا۔

بڑی عمدہ اور مایۂ ناز دلیل عصمت امام کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام نائب نبی ہوتا ہے اور نبی معصوم ہوتے ہیں لہذا ان کا نائب بھی معصوم ہونا چاہیے ورنہ نبی کے فرائض وہ کیونکر ادا کر سکے گا۔ ہر شخص کا نائب وہی ہو سکتا ہے جو صفات کمال میں آپ کا مثل ہو۔ بغیر اسکے حق نیابت ادا نہیں ہو سکتا۔

جواب اس دلیل کا ایک تو یہ ہے کہ امام تمام کاموں میں نبی کا نائب نہیں ہوتا نبی کے دو کام ہیں اول یہ کہ بارگاہ الٰہی سے احکام حاصل کریں دوم یہ کہ مخلوق خدا کو وہ احکام پہونچائیں امام صرف دوسرے کام میں نبی کا نائب ہوتا ہے اور عصمت کی ضرورت صرف پہلے کام میں ہے کیونکہ نبی نے جہاں سے احکام حاصل کیے ہیں وہ خاندان کا ہماری نظر کے سامنے نہیں ہے وہاں تک ہماری رسائی نہیں کہ ہم جانچ سکیں کہ آیا احکام کے لینے میں سمجھنے میں یاد رکھنے میں کوئی غلطی تو نہیں ہوئی ہے لہذا اگر نبی معصوم نہ ہوں تو دین پر اعتبار نہ رہے گا۔ بخلاف امام کے وہ بارگاہ احدیت سے احکام نہیں حاصل کرتا اس پر وحی نہیں آتی اسکا کام صرف یہ ہے کہ نبی کے پہونچائے ہوئے احکام یعنی قرآن و حدیث کی اشاعت و حفاظت

[1] یہ شخص سید مصطفے حسین صاحب ہیں جو اسوقت ضلع گونڈا میں سپرنٹنڈنٹ آف وارڈس ہیں۔

کرے اور انہیں کی تنقید کرتا رہے امام کا ماخذ سب کے پیش نظر ہے اگر اُس سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا علم ہو سکتا ہے اور دین میں کوئی اشتباہ نہیں پیدا ہو سکتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ کلیہ صحیح ہو کہ معصوم کے نائب کا بھی معصوم ہونا ضروری ہے تو چاہئے کہ تمام علما و مجتہدین بھی معصوم ہو جائیں کیونکہ بالاتفاق علما و مجتہدین نائب نبی یا نائب امام ہیں۔ علما و مجتہدین کو جانے دیجئے خود امام اپنے زمانہ میں جن کو اپنا نائب مقرر کرکے اطراف و جوانب میں روانہ کرتا ہے انکا معصوم ہونا تو ضروری ہوگا مثلاً حضرت علی نے اپنے زمانہ میں جن جن لوگوں کو اپنی طرف سے کسی مقام کا حاکم بنایا اور انکو اپنا نائب قرار دیا ان سب کو معصوم کہنا چاہئے حالانکہ آج تک کوئی شیعہ اسکا قائل نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے کیونکہ حضرت علی کے نائبوں نے جو جو ظلم کیے ہیں کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں حضرت علی ہمیشہ اپنے نائبوں کے شاکی رہے اور اُنکی خیانتوں پر افسوس فرمایا کیے۔

پس اب یا تو حضرات شیعہ اپنے اجماع کے اور بداہت کے خلاف تمام علما و مجتہدین اور نواب ائمہ کے معصوم ہونے کے قائل ہو جائیں اور پھر اُس کے بعد کھلم کھلا ختم نبوت کا انکار[1] کرکے اس امر کا اقرار کرلیں کہ امام سب کاموں میں نائب نبی ہوتا ہے اُس پر وحی بھی

---

[1] اگرچہ شیعوں نے اپنے یہاں ختم نبوت کے انکار کا پورا سامان جمع کر لیا ہے اور در حقیقت اُنکا ایمان ختم نبوت پر نہیں اور نہ ہو سکتا ہے انھوں نے امام پر نزول وحی کی روایتیں تصنیف کر لی ہیں امام کیلئے قرآن و حدیث کے سوا بہت سے ماخذ احکام بھی تجویز کر لئے ہیں مثلاً مصحف فاطمہ جسکی بابت اصول کافی صفحہ ۱۴۶ میں امام جعفر صادق سے منقول ہے و ان عندنا المصحف فاطمۃ وما یدریھم ما مصحف فاطمۃ قال مصحف فیہ مثل قرانکم ھذا ثلث مرات واللہ ما فیہ من قرانکم حرف واحد یعنی ہمارے پاس مصحف فاطمہ ہے اور لوگوں کو کیا معلوم کہ مصحف فاطمہ کیا چیز ہے وہ ایک مصحف ہے جو تمہارے اس قرآن سے تگنا ہے واللہ تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی اسمیں نہیں ہے اور مثلاً جفر جسکی بابت اصول کافی اسی صفحہ میں امام مذکور سے منقول ہے کہ و ان عندنا الجفر وما یدریھم ما الجفر قال قلت یا ابن رسول اللہ ما الجفر قال وعاء من ادم فیہ علم النبیین والوصیین وعلم العلماء الذین مضوا من بنی اسرائیل یعنی ہمارے پاس جفر ہے لوگوں کو کیا معلوم جفر کیا چیز ہے راوی نے کہا اے فرزند رسول جفر کیا چیز ہے امام نے فرمایا وہ ایک چمڑے کا ظرف ہے جسمیں نبیوں اور وصیوں کا علم اور نیز (دیکھو صفحہ ۲۲)

اُترتی ہے اور وہ اپنی وحی کے احکام کی تبلیغ کرتا ہے نہ قرآن و حدیث کی اور یا عصمت ائمہ کے عقیدۂ کفریہ سے تائب ہو کر سچے مومن بنجائیں۔

دوسری دلیل عصمت امام کی بڑے طمطراق کے ساتھ یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام کی اطاعت خدا نے واجب کی ہے اگر وہ معصوم نہ ہو تو اس سے گناہ کا صدور ممکن ہوگا اور گناہ میں بھی اس کی اطاعت کرنا پڑے گی جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مخلوق بجائے ہدایت کے گمراہی میں مبتلا ہو جائے گی اور جو مقصود نبی و امام کے تقرر سے ہے وہ فوت ہو جائیگا اور یہ خدا کی شان سے بعید ہے۔ علامہ مجلسی حیات القلوب جلد اول کے صفحہ ۷ میں اسی دلیل کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

چوں غرض از بعثت ایشاں این ست کہ مردم اطاعت نمایند در ہرچہ از اوامر و نواہی الٰہی بایشاں فرمایند امتثال کنند اگر معصوم نگرداند ایشاں را منافی غرض ز بعثت خواہد بود و بحکم روا نیست کہ فعلے کند کہ منافی غرض او باشد۔

چونکہ غرض ائمہ کے مبعوث کرنے سے یہ ہے کہ لوگ ان کی اطاعت کریں اور جو اوامر و نواہی خداوندی وہ ارشاد فرمائیں لوگ ان کی تعمیل کریں لہٰذا اگر خدا ان کو معصوم نہ کرے تو بعثت کے مقصود کے خلاف ہوگا حکیم کیلئے جائز نہیں ہے کہ کوئی ایسا فعل کرے جو اسکے مقصود کے خلاف ہو۔

(بقیہ صفحہ ۲۱) بنی اسرائیل کے اگلے علما کا علم ہر اور مثلاً کتاب علی جس کی بابت زرارہ صاحب کا بیان فروع کافی جلد دوم ص۸ میں ہو کہ امام جعفر صادق نے وہ کتاب مجھے دکھائی تھی اونٹ کی ران کے برابر موٹی تھی اور تمام مسلمانوں کی اجماع کے خلاف اسمیں مسائل لکھے تھے اور مثلاً یہ کہ ہر سال ہر امام پر ایک کتاب خدا کیطرف سے اُترتی ہو جسمیں سال بھر کے احکام لکھے ہوتے ہیں صافی شرح کافی ص۱۲۲ میں ہو کہ "ہر سال کتابے علیحدہ نازل کتابیست کہ در آں تفسیر احکام حوادث کہ محتاج الیہ امام ست تا سال دیگر نازل میشود آں کتاب ملائکہ و روح در شب قدر بر امام زمان انتہٰی و عمل میکند بآں کتاب آنچہ را کہ میخواہد از اعتقادات امام خلائق و اثبات میکند در آں چہ کہ میخواہد از اعتقادات" یعنی ہر سال شب قدر میں امام پر ایک کتاب نازل ہوتی ہو جسمیں سال بھر کے احکام ہوتے ہیں کتاب میں خدا جن عقائد کو چاہتا ہو قائم رکھتا ہو اور جن کو چاہتا ہے بدل دیتا ہے۔ الغرض یہ سب سامان تو جمع ہیں مگر اپنا اصلی مذہب مسلمانوں سے چھپاتے ہیں علم کھلا ختم نبوت کا انکار نہیں کرتے ورنہ مسلمانوں کے بہکانے کا موقع نہ رہے۔

جواب اسکا یہ ہے کہ اول تو یہی غلط ہے کہ امام خدا کا مبعوث کیا ہوا ہوتا ہے۔ خدا کے مبعوث کیے ہوئے تو انبیا علیہم السلام ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ بھی بالکل غلط ہے کہ خدا کا مقصود یہ ہی کہ امام کی اطاعت ہر بات میں کی جائے بلکہ امام کی اطاعت کا حکم مشروط اس بات کے ساتھ ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے خلاف کوئی بات نہ کہے اور اگر اس کی کوئی بات خلاف قرآن و حدیث کے ہو تو اس کی اطاعت اُس بات میں حرام ہے قولہ تعالیٰ یاایہا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئٍ فردوہ الی اللہ والرسول **ترجمہ** اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اُن صاحبان حکومت کی جو تم میں سے ہوں (یعنی مسلمان ہوں) پھر اگر تم میں اور صاحبان حکومت میں باہم کسی بات کا اختلاف ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف واپس کرو (جس کی بات اللہ و رسول کے حکم کے مطابق ہو گی خواہ تمھاری یا اُن کی اسی کی بات قائم رہے گی)۔

ہاں یہ شان پیغمبر کی ہے کہ اُن کی اطاعت ہر بات میں فرض ہے۔ قولہ تعالےٰ ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا **ترجمہ** جو حکم رسول تم کو دیں اسکو لے لو اور جس بات سے منع کریں اس سے باز آؤ۔ (قولہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ **ترجمہ** اے نبی کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا (قولہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ **ترجمہ** بہ تحقیق رسول اللہ کی ذات میں تمھارے لئے اچھی پیروی ہے (قولہ تعالےٰ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ **ترجمہ** جس نے رسول کی اطاعت کی بہ تحقیق اسنے اللہ کی اطاعت کی۔ معلوم ہوا کہ رسول کی کسی بات کا خدا کے خلاف ہونا ممکن نہیں رسول کی ہر بات کا خدا کی مرضی کے مطابق ہونا ضروری ہے الغرض یہ شان صرف پیغمبر کی ہے کہ ہر بات میں انکی اطاعت فرض ہے امام کی یہ شان نہیں۔ لہذا رسول کا معصوم ہونا ضروری ہے نہ امام کا۔

اور اگر شیعہ غیر معصوم کی اطاعت کو کسی درجہ میں بھی جائز نہ رکھیں اور موجب

ضلالت سمجھیں تو سب سے پہلے نماز کے اماموں کو معصوم ہونا چاہئے نماز سے بڑھ کر دین کا کون کام ہو سکتا ہے امام نماز معصوم نہ ہو تو ممکن ہے کہ واجبات نماز میں خلل آجائے سہواً بے طہارت نماز پڑھا دے اور پھر یہ بھی ہونا چاہئے کہ امام نماز بھی خدا ورسول کی طرف سے مقرر ہوں اس کے بعد پھر امام کے قاصد امام کے عمال امام کے نواب امام کے احکام کے ناقل وراوی ان سب کو بھی معصوم ہونا چاہئے تنہا امام کے معصوم ہونے سے کیا کام چل سکتا ہے کیونکہ امام تو ایک جگہ رہے گا دوسرے مقام کے لوگوں تک امام کے احکام جن لوگوں کے ذریعہ سے پہونچیں گے وہ معصوم نہ ہوئے تو خرابی بدستور موجود ہے۔

اگر کہا جائے کہ فقط امام کا معصوم ہونا اس سبب سے کافی ہے کہ وہ اس بات کا انتظام رکھے گا کہ کوئی شخص اس کے احکام کے نقل کرنے میں غلطی نہ کرسکے تو یہ بات بالکل نامعقول اور خلاف واقعات ہے حضرت علی پر باوجودیکہ تمام خدائی اختیارات انکو دئے گئے بکثرت افترا پردازیاں ہوئیں کوئی انتظام وہ نہ کرسکے دوسرے ائمہ پر بھی افترا پردازیاں ہوئیں جسکا اقرار کتب شیعہ میں بکثرت موجود ہے۔

اور اب تو خدا نے عصمت امام کے مسئلہ کو ایسا مٹا دیا ہے کہ حضرات شیعہ ہی ایسے عقلمند ہیں کہ اب تک اس مسئلہ کو مان رہے ہیں۔ صدیوں سے کوئی امام معصوم موجود نہیں اور شیعہ بھی غیر معصوم ہی کی پیروی کر رہے ہیں اگر بفرض محال مان لیا جائے کہ امام مہدی زندہ ہیں غار میں موجود ہیں تو ایسی زندگی سے کیا نتیجہ جب کہ نہ ان سے کوئی مل سکتا ہے نہ ان کے احکام معلوم ہو سکتے ہیں تو ان کا عدم و وجود برابر ہے۔ ایسے تو ہمارے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں اور اپنی قبر اقدس واطہر میں موجود ہیں اور ان کے احکام بھی امت کے ہاتھوں میں ہیں انکی دی ہوئی کتاب اللہ ہمارے سینوں اور سفینوں میں ہے۔

حضرات شیعہ اگر کچھ بھی غور کریں اور انصاف سے کام لیں تو قدرت نے جو فیصلہ عصمت امام کا کر دیا ہے کافی ہے مگر افسوس کہ وہ بالکل انصاف سے کام نہیں لیتے

اور اس یہودی نے جو سبق ان کو پڑھا دیا ہے اس کو حرز جان بنائے ہوئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پس یہ تھا نمونہ عصمت امام کی دلیلوں کا۔ اور جب امام کا معصوم ہونا نہ ثابت ہوا تو اسکے منجانب اللہ منصوص ہونے کی شرط بھی باطل ہوگئی بلکہ لوگوں کو اختیار ہے کہ جس طرح امام نماز خود مقرر کر لیتے ہیں اسی طرح اس امام کو بھی منتخب کر لیا کریں جس طرح امام نماز کے اوصاف شریعت نے ہم کو بتلا دئے ہیں ہم جس میں وہ اوصاف دیکھتے ہیں اسکو اپنا امام نماز بناتے ہیں اسی طرح اس امام کے اوصاف و شرائط کی بھی ہم کو ہدایت کر دی ہے جسمیں وہ اوصاف و شرائط موجود ہوں اسکو منتخب کیا جا سکتا ہے۔

امامت کی تنقیح کے بعد اب خلافت کی تنقیح لکھی جاتی ہے۔

خلافت کے معنی لغت میں جانشینی کے ہیں جو شخص کسی کی جگہ پر بیٹھ جائے یعنی اسکا نائب بنکر کام کرے وہ اسکا خلیفہ کہا جائیگا۔

اور **اصطلاح** شریعت میں خلافت اس بادشاہت کو کہتے ہیں جو بہ نیابت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دین کے قائم رکھنے اور احکام دینیہ کے نافذ کرنے کے لئے ہو۔

پس جو شخص بادشاہ نہ ہو اگرچہ کیسا ہی صاحب فضائل ہو خلیفہ رسول نہ کہا جائیگا علیٰ ہذا کوئی شخص بادشاہ ہو مگر اس کی بادشاہت دین کے قائم کرنے کے لئے نہ ہو وہ بھی خلیفہ نہ کہا جائے گا علیٰ ہذا کوئی ایسا شخص بادشاہ ہو جائے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نائب بننے کی صلاحیت نہ ہو مثلاً کافر ہو یا فاسق ہو وہ خلیفہ نہ کہا جائیگا۔

شیعہ کہتے ہیں کہ خلافت امام کا حق ہے یعنی جو شخص مثل رسول کے معصوم مفترض الطاعۃ ہو اور منجانب اللہ امامت کے لئے نامزد ہو چکا ہو اسی کو خلیفہ ہونا چاہئے دوسرے کی خلافت ناجائز ہے۔ اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ شخص جو امامت کے لئے نامزد تھے انھیں میں خلافت کو منحصر رہنا چاہئے۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ معصوم و مفترض الطاعۃ سوا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں جیسا کہ ثابت ہو چکا لہذا خلیفہ کے لئے معصوم ہونے کی شرط بالکل ناجائز ہے

اور جب وہ معصوم نہیں تو منجانب اللہ اس کا تقرر بھی ضروری نہیں۔ خلیفہ کے لئے اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا بھی ضرور نہیں بلکہ صرف یہ دیکھنا کہ مقاصد خلافت اس سے انجام پا جائیں۔

مقاصد خلافت

شریعت کے بہت سے احکام ایسے ہیں مثل اجرائے حدود و تعزیرات و فصل قضایا و رفع خصومات و ترتیب جیوش و نظم سیاسیات وغیرہ کے کہ بغیر اجتماع کامل و ائتلاف اکمل کے انجام نہیں پا سکتے اور ایسا اجتماع و ائتلاف بغیر کسی قوت جامعہ کے عادۃً ناممکن ہے اور یہ قوت جامعہ بغیر خلیفہ کے نہیں ہو سکتی، لہٰذا ضروری ہوا کہ ایک شخص خلیفہ مقرر کیا جائے جس سے یہ مقاصد حاصل ہوں۔

اور چونکہ خلیفہ کا تقرر مقصود بالذات نہیں بلکہ امور مذکورہ بالا کے لئے ہے اسی وجہ سے اہل سنت مسائل خلافت کو فروعات میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن بسا اوقات بعضے فروعات ایسے ضروری ہو جاتے ہیں کہ ان کا اہتمام اصولی چیزوں سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

مقاصد مذکورہ بالا کے لحاظ سے نیز نصوص شرعیہ کا تتبع کرکے اہلسنت نے حسب ذیل شرائط خلیفہ کے لئے ضروری قرار دی ہیں۔

(۱) مسلمان ہونا۔ کافر کی خلافت درست نہیں (۲) عاقل بالغ ہونا۔ بے عقل یا مجنون یا بچہ کی خلافت درست نہیں (۳) مرد ہونا۔ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی (۴) آزاد ہونا غلام کی خلافت صحیح نہیں (۵) متکلم و سمیع و بصیر ہونا۔ گونگے بہرے اندھے کی خلافت درست نہیں (۶) بہادر ہونا۔ بزدل کی خلافت درست نہیں (۷) صاحب رائے ہونا (۸) آزمودہ کار ہونا ناتجربہ کار نہ ہونا (۹) عادل ہونا۔ فاسق فاجر کو خلیفہ بنانا جائز نہیں (۱۰) مجتہد فی الدین ہونا جو شخص متعلقہ محض ہو یا تات اجتہاد کی نہ رکھتا ہو وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا (۱۱) قریشی ہونا ہاشمی ہونا فاطمی ہونا ضروری نہیں۔ ان شرائط کی تفصیل اور ان کے دلائل ازالۃ الخفاء

کے دیباچہ میں مذکور ہیں۔

چند ضروری مسائل

مسئلہ خلیفہ کا منجانب خدا و رسول مقرر ہونا ضروری نہیں بلکہ مسلمانوں کو اختیار ہے کہ جس میں یہ شرائط موجود پائیں اسکو خلیفہ بنالیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی خلیفہ منجانب خدا و رسول مقرر ہی نہیں ہوسکتا۔ حضرات خلفائے ثلثہ رضوان اللہ عنہم کی اور خاصکر حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی مقرر کی ہوئی ہے جیسا کہ انشاء اللہ تعالے مبحث احادیث میں ہم نہ صرف اہل سنت بلکہ شیعوں کی احادیث سے بھی اسکو ثابت کردینگے۔

اب رہا یہ کہ بعض علمائے اہلسنت نے لکھا ہے کہ خلافت ان حضرات کی بھی منصوص نہ تھی بلکہ اجماع سے ہوئی یہ کہنا بھی صحیح ہے۔ خلافت کے منجانب شارع منصوص ہونے کے تین معنی ہیں **اوّل** یہ کہ شارع یہ بیان فرما دیں کہ فلاں شخص یا اشخاص میں لیاقت خلافت موجود ہے یعنی تمام شرائط خلافت کے اس میں پائے جاتے ہیں اگر وہ خلیفہ بنایا جائیگا تو مقاصد خلافت اس سے بخوبی پورے ہوں گے اس معنی کے لحاظ سے تو بے شمار صحابہ کرام کی خلافت منصوص ہے خاصکر حضرات مہاجرین کے لئے تو خاص قرآن شریف میں نص موجود ہے۔

دوم۔ یہ کہ قابلیت خلافت کے بیان کردینے کے علاوہ شارع کی طرف سے اُن اشخاص کا خلیفہ بنانا مسلمانوں پر واجب و لازم کردیا گیا ہو اس معنی کے لحاظ سے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت منصوص ہے۔

سوم یہ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کردیا ہو کہ فلاں شخص یا اشخاص کو میں نے اپنا خلیفہ بنا دیا تم لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کرلو اس معنی کے لحاظ سے

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کو منصوص نہیں کیا حضرات شیخین کی خلافت کے منصوص ہونے کا جن علما نے انکار کیا ہے انھوں نے اس تیسرے معنی کا انکار کیا ہے۔

مسئلہ خلیفہ کے لئے اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ اگر دو شخص ہوں ایک افضل دوسرا مفضول لیکن مفضول میں مقاصد خلافت کے انجام دینے کی قابلیت افضل سے زیادہ ہو تو ایسی صورت میں مفضول کو خلیفہ بنانا اولیٰ ہوگا۔

مسئلہ حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی افضلیت بوجہ خلافت کے نہیں ہے بالفرض اگر حضرت عبد اللہ بن مسعود خلیفہ ہو جاتے یا حضرت علی پہلی خلافت کے لئے منتخب کرلئے جاتے تب بھی ابوبکر صدیق افضل امت ہوتے۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے افضل امت ہونے پر ان کی خلافت سے پہلے زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قریب قریب اجماع ہو چکا تھا بلکہ انکی افضلیت ہی کی وجہ سے خلافت انکو ملی البتہ خلافت ملنے کے بعد چونکہ فرائض خلافت کو انھوں نے باحسن وجوہ انجام دیا اور دین کی نہایت بے نظیر خدمات انجام دیں اس سے انکے فضائل میں اور اضافہ ہو گیا خلاصہ یہ کہ انکی افضلیت کا سبب خلافت نہیں ہے بلکہ خلافت کا سبب افضلیت ہے۔

مسئلہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی خلافت ایک بڑا عظیم الشان کام ہے جس کی قابلیت لوگوں میں متفاوت ہوتی ہے لہذا علمائے محققین نے حسب ذیل اسکے مدارج بیان کئے ہیں۔

درجۂ اوّل خلافت راشدہ خاصہ جسکو خلافت علیٰ منہاج النبوت بھی کہتے ہیں

یہ درجۂ خلافت کا سوا ان لوگوں کے جو مہاجرین اولین میں سے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تمام مشاہد خیر میں مثل بدر و حدیبیہ و تبوک وغیرہ کے شریک رہے ہوں اور آیات الٰہی کے وعدوں کے موعود لہم ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا عالی مرتبہ ہونا بیان فرمایا ہو اور ان کا مستحق خلافت ہونا بھی ارشاد کیا ہو اور ان کا خلیفہ بنانا امت پر لازم کر دیا ہو اور دین الٰہی کی تمکین ان کے ہاتھوں سے ہوئی ہو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکتا۔

تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے اور علمائے محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ درجہ خلافت کا حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کو حاصل تھا اور انھیں پر ختم ہو گیا ان تینوں خلافتوں میں نبوت کا رنگ اس قدر غالب تھا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پس پردہ بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ تینوں خلیفہ مثل بے جان لکڑی کے آپ کے ہاتھ میں ہیں آپ جس طرح چاہتے ہیں ان لکڑیوں کو حرکت دیتے ہیں اور جو کام چاہتے ہیں ان سے لیتے ہیں یہ تینوں خلیفہ مثل گراموفون کے ہیں کہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس اور جان سے زیادہ پیاری آواز بھری ہوئی ہے جو آواز ان سے نکل رہی ہے وہ ان کی آواز نہیں بلکہ سرور انبیا کی آواز ہے ؎

اسی بجز نائی و ما جز نئے نایم ۔۔۔ او دمے ہے ما و بلے دی نایم

ان تینوں خلافتوں میں بھی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کا درجہ بہت عالی ہے

درجۂ دوم خلافت راشدہ مطلقہ یہ درجہ خلافت کا گو پہلے درجہ سے رتبہ میں کم ہے مگر پھر بھی اسکی شان نہایت ارفع و اعلیٰ ہے ؎

آسماں نسبت بعرش آمد فرود ۔۔۔ ورنہ بس عالی ست پیش خاک تود

یہ درجہ خلافت کا ان لوگوں کے لئے ہے جن کا مستحق خلافت ہونا صاحب فضائل ہونا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہو مگر امت پر انکا خلیفہ بنانا لازم نہ کیا ہو۔

یہ درجۂ عالی خلافت کا حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ الشریف کو حاصل تھا اور چھ مہینے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو حاصل رہا اور ان پر ختم ہو گیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی۔ اس سے مراد یہی دونوں قسمیں خلافت کی ہیں۔

قسم سوم خلافت عادلہ۔ یہ درجہ پہلے دونوں درجوں سے بہت گھٹا ہوا ہے اور اس درجہ کے حاصل ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ خلیفہ جامع الشرائط ہو اور مقاصد خلافت اس سے فوت نہ ہوتے ہوں اسکی ضرورت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا استحقاق خلافت بیان فرمایا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی میں

داخل ہے۔ اس قسم میں بعض خلافتیں ایسی کامل ہوئی ہیں کہ بوجہ ہمرنگ خلافت راشدہ ہونے کے بعض علما نے ان کو خلافت راشدہ میں شمار کیا ہے جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت۔ اس خلافت کا سلسلہ باقی ہے منقطع نہیں ہوا۔

قسم چہارم خلافت ناقصہ یا خلافت عامہ۔ یہ درجہ بالکل ہمرنگ بادشاہت وسلطنت کا ہے یہ درجہ ان لوگوں کو بھی حاصل ہو سکتا ہے جو تمام شرائط خلافت کے جامع نہ ہوں صرف بڑی بڑی شرطیں مثل اسلام و عقل و بلوغ و ذکورت و حریت وغیرہ کے ان میں پائی جاتی ہوں بعض خلفائے بنی امیہ و اکثر خلفائے عباسیہ اسی قسم میں داخل ہیں۔

خلافت کے یہ اقسام اور ان کا تفصیلی بیان ازالۃ الخفا مقصد اول میں دیکھنا چاہیئے وایم اللہ انہ عدیم النظیر فی ھذا الباب۔ والی اللہ المرجع والمآب۔

قرآن شریف کے حجت قطعی ہونیکا اور تفسیر بالرائے کا مطلب

حضرت بہترین انبیا جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا ہیں آپ کی شریعت قیامت تک روئے زمین پر باقی رہنے والی ہے مگر جس قدر شریعت کی چیزیں آپ سے منقول ہیں ان سب میں قطعی اور یقینی چیز قرآن شریف ہے اسی پر دین اسلام کی بنیاد ہے اور وہی ایک حجت قطعی ہے جو خدا کی طرف سے خدا کے بندوں پر قائم ہے۔ قرآن شریف کی یہ شان ہے کہ جو شخص اس میں کسی قسم کا شبہہ کرے یا اس کے ایک حرف کا بھی انکار کردے وہ باتفاق جمیع کلمہ گویان اسلام کافر ہے۔ احادیث چاہے کیسی ہی اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں ان کے انکار سے کافر نہیں ہوتا۔ آج تک کسی سنی نے کسی شیعہ کو اس بنا پر کافر نہیں کہا کہ شیعہ صحیح بخاری کی احادیث کو نہیں مانتے۔ علیٰ ہذا کسی شیعہ نے بھی کسی سنی کو اس بنا پر کافر نہیں قرار دیا کہ سنی کافی کی روایات کو نہیں مانتے اسلام و کفر کا دارو مدار فقط قرآن شریف کے اقرار و انکار پر ہے۔

پہلا جرم ٥ قرآن شریف ہی کی یہ شان ہے کہ شیعہ باوجودیکہ قرآن شریف سے خاص عداوت رکھتے ہیں کسی شیعہ کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے پھر بھی کھلم کھلا قرآن شریف کے انکار کی جرأت نہیں کرتے اور خوب جانتے ہیں کہ قرآن شریف کے انکار کے بعد اسلامی فرقوں میں ہمارا شمار نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے جب ان کو ان کے مذہب کے اصول اور مذہبی روایات سے دکھایا جاتا ہے کہ تمہارا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے اور نہیں ہو سکتا تو بہت گھبراتے ہیں اور جھٹ اپنی کتابوں سے ان چار اشخاص کے اقوال پیش کر دیتے ہیں جو اپنے مذہب کے خلاف اور اپنے ہم مذہبوں کے خلاف از راہ تقیہ، قرآن شریف پر ایمان رکھنے کے مدعی بنے ہیں پھر جب یہ خصم کہتا ہے کہ ان چار اشخاص کا قول بے دلیل ہے ائمہ معصومین کے اقوال کے مقابلہ میں ان لوگوں کا قول کیوں کر معتبر ہو سکتا ہے نیز ایمان بالقرآن کے بعد مذہب شیعہ کا گھروندہ مٹا جاتا ہے تو سرنگوں ہو کر رہ جاتے ہیں۔ لیکن کھلم کھلا انکار قرآن شریف کی پھر بھی ہمت نہیں کرتے۔

سچ تو یہ ہے کہ شیعوں کی جان عجب کشمکش میں ہے اگر قرآن پر ایمان لاتے ہیں تو مذہب شیعہ ہاتھ سے جاتا ہے اگر قرآن کا انکار کرتے ہیں تو اسلام کا نام رخصت ہوتا ہے لہذا بے چاروں نے اپنی جان بچانے کا یہ طریقہ نکالا ہے کہ دل تو قرآن کی عداوت سے لبریز ہے مگر زبان سے جیسا موقع دیکھا ویسی بات کہہ دی الحاصل قرآن شریف ایک حجت قطعی ہے اور کسی بات کا اگر قطعی فیصلہ ہو سکتا ہے تو قرآن شریف ہی سے ہو سکتا ہے اسی لئے ہمارا ارادہ یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن شریف سے سنی شیعہ کے اس اہم مسئلہ امامت و خلافت کا فیصلہ طلب کیا جائے کیا عجب ہے کہ سعادت مند دیں اس فیصلہ کو دیکھ کر راہ حق پر آجائیں۔

دوسرا جرم ٥ مگر ایک دوسری مشکل یہاں یہ درپیش ہے کہ شیعہ اگر ایمان بالقرآن کا زبانی دعوے بھی کرتے ہیں تو چونکہ دعوے ان کی ضمیر کے خلاف ہے لہذا ہزاروں حیلے حوالے نکال کر مطالب قرآنیہ سے سرتابی کی راہ تجویز کر لیتے ہیں از انجملہ یہ کہ جب کچھ بنائے نہیں بنتی

تو کہہ دیتے ہیں کہ قرآن کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں قرآن شریف کا سمجھنا ائمہ معصومین کیساتھ مخصوص تھا ہم قرآن شریف کے کسی صاف سے صاف لفظ کا مطلب بھی نہیں سمجھ سکتے۔

مولوی دلدار علی صاحب مجتہد اعظم شیعہ اساس الاصول مطبوعہ لکھنؤ کے صـ۶ میں صاحب مدینہ کا قول لکھتے ہیں۔

ان القران فی الاکثر ورد علی وجہ التعمیۃ بالنسبۃ الی اذھان الرعیۃ وکذالک کثیر من السنن النبویۃ وانہ لا سبیل لنا فیما لا نعلمہ من الاحکام النظریۃ الشرعیۃ اصلیۃ کانت او فرعیۃ الا السماع عن الصادقین وانہ لا یجوز استنباط الاحکام النظریۃ من ظواھر کتاب اللہ ولا من ظواھر السنن النبویۃ مالم یعلم من جہۃ اھل الذکر۔

قرآن بہ نسبت عام مخلوق کے اکثر معمی ہے اور یہی حال اکثر احادیث نبویہ کا بھی ہے اور جن احکام شرعیہ کو خواہ وہ اصولی ہوں یا فرعی ہم نہیں جانتے ان میں سوا ان کے کہ ائمہ سے سنی ہوئی بات ملے ہمارے لئے کوئی سبیل نہیں اور احکام نظریہ کا کتاب اللہ کی ظاہر آیات سے استنباط کرنا جائز نہیں نہ احادیث نبویہ کے ظاہر الفاظ سے استنباط جائز ہے جب تک کہ اہل ذکر یعنے ائمہ سے کچھ منقول نہ ہو۔

اس عبارت کو دیکھ کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ قرآن شریف و احادیث نبویہ کی اطاعت سے سرتابی منظور ہے ورنہ قرآن وحدیث پیغمبر تو معمے و چیستان ہوا اور احادیث ائمہ معمے و چیستان نہ ہوں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ ہے کوئی شیعہ جو اسکی معقول وجہ بیان کر سکے۔

نیز اساس الاصول کے صـ۱۹ پر علامہ محمد تقی کا قول روضۃ المتقین سے منقول ہے کہ

استشھد للمصنف بالآیات تبعًا للاصحاب وان لم یکن من داب الاخباریین فان الظاھر من کلامھم انھم یقولون ما نفھم کلام اللہ ثم

مصنف نے اور علما کی دیکھا دیکھی صرف آیات سے استدلال کر دیا ورنہ اخباریین کا طریقہ نہیں ہے کیونکہ ان کے کلام سے ظاہر یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم کلام اللہ کو سمجھتے ہی نہیں

نیز اساس الاصول کے صفحہ ۵۱ پر انہیں علامہ محمد تقی کا قول لوامع سے نقل کیا ہے

بدانکہ صدوق رحمۃ اللہ در خاطر داشتہ کہ در ہر مطلبے آیاتی کہ نازل شدہ است ذکر کند بعد ازاں اخبار را نقل کند بعد ازاں ازیں معنی برگشتہ است کہ مشکل است استدلال بہ آیات نمودن تا از ائمہ ہدیٰ نقل نشدہ باشد مبادا کہ افترائے بستہ شود برحق سبحانہ وتعالیٰ	جاننا چاہیے کہ صدوق رحمۃ اللہ کے دل میں یہ تھا کہ ہر مطلب میں جو جو آیتیں نازل ہوئی ہیں پہلے ان کو ذکر کریں اس کے بعد حدیثیں نقل کریں مگر اس کے بعد اپنے اس خیال سے ہٹ گئے کیونکہ آیات سے استدلال کرنا مشکل ہے تاوقتیکہ ائمہ ہدیٰ سے منقول نہ ہو مبادا خدا پر افترا پردازی نہ ہو جائے۔

اس قسم کے اقوال کتب شیعہ میں بہت ہیں۔ ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ قرآن شریف معمّی اور چیستان کہنا اور یہ کہ تمام امت میں سوا دس بارہ اشخاص کے کوئی اسکو سمجھ ہی نہیں سکتا محض اسی وجہ سے ہے کہ قرآن شریف مذہب شیعہ کی قرار واقعی بیخ کنی کر رہا ہے۔
مگر جب اہلسنت کی طرف سے دار و گیر ہوئی کہ شیعہ تو حسن و قبح کو عقلی کہتے ہیں۔ ذرا بتائیں کہ قرآن کو جو خدا نے ایسا معمّی بنا دیا اس میں کیا عقلی خوبی ہے۔ پھر یہ بھی فرمائیں کہ قرآن کے نازل کرنے سے فائدہ کیا ہوا اور خدا نے یہ کیوں فرمایا کہ قرآن عربی زبان میں اس لئے نازل کیا گیا کہ تم سمجھو قرآن کو اگر معمّی مانا جائے تو تمام بدیہیات سے امان اُٹھ جائے گا۔ پھر قرآن کے ساتھ آنحضرت علیہ السلام نے فصحائے عرب کو تحدی کی اور اسکو معجزۂ رسالت قرار دیا یہ ایک متواتر واقعہ ہے لیکن اگر قرآن معمّی ہو کر سوا رسول اور ائمہ کے کوئی اس کو سمجھ ہی نہیں سکتا تو اس کے ساتھ تحدی کرنا کیسے صحیح ہوگا اس صورت میں تو کفار مکہ کو کہہ دینا چاہئے تھا کہ (معاذ اللہ) قرآن تو ایک مہمل کلام ہے اس کی کوئی بات سمجھ ہی میں نہیں آتی ہم اس کا مقابلہ کیا کریں مگر انہوں نے ایسا نہ کہا بلکہ وہ اسکے معانی و مطالب کو سمجھ گئے اور اس میں ان کو فصاحت و بلاغت کے دریا لہراتے ہوئے نظر آئے اور بے اختیار ہو کر لیس ھذا من کلام البشر کہتے ہوئے ایمان لائے بعضے سنگدل ایمان نہ لائے تو بھی اُنہوں نے اس کے اعجاز کا اقرار ان الفاظ میں کیا کہ ان ھذا الا سحر مبین

المختصر اہلسنت وجماعت کی اس دار وگیر سے گھبرا کر شیعوں نے قرآن کے معمے وچیستان ہونے کا قول چھپا ڈالا اور کہدیا کہ یہ تو تمام شیعوں کا قول نہیں صرف اخباری اسکے قائل ہیں اصولی شیعہ قرآن کو معمی نہیں جانتے۔

○ لیکن جس بات کو انسان کا دل نہ چاہے سو طرح کے حیلے اس میں نکالتا ہے قرآن کے معمے ہونے سے تو انکار کیا مگر اب یہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کا مطلب بغیر روایات کے ملائے ہوئے سمجھ میں نہیں آسکتا اور کہتے ہیں کہ بغیر روایات کے ملائے ہوئے آیت کا کوئی مطلب بیان کیا جائے گا تو وہ تفسیر بالرائے ہوگی اور تفسیر بالرائے فریقین کے یہاں ممنوع ہے۔

آل اس قول کا بھی وہی ہے کہ قرآن معمے وچیستاں ہے جب تک روایات اس کے ساتھ نہ ملائی جائیں اس کا مطلب کوئی سمجھ نہیں سکتا عجیب بات ہے کہ بندوں کے کلام تو اپنے مقصود کے اظہار میں کسی دوسرے کلام کے ملانے کے محتاج نہ ہوں۔ اور کلام الٰہی اپنے مقصود کے اظہار میں ایک خارجی ضمیمہ کا محتاج ہو۔

قرآن ایک قطعی ویقینی چیز ہے اور اخبار و روایات اگر صحیح بھی ہوں تو ظنی ہیں قطعی چیز کو جب ظنی چیز کا پابند کر دیا جائے گا اور قطعی کے ساتھ ظنی کو ملا کر کوئی نتیجہ نکالا جائیگا تو ظاہر ہے کہ وہ بھی ظنی ہو جائیگا لیجئے پورا قرآن ظنی ہوگیا حجت قطعی نہ رہا۔

اہلسنت کہتے ہیں کہ قرآن شریف حجت قطعی ہے معمے نہیں ہے اور اپنے ظنی کے اظہار کے لئے خود ہی کافی ہے۔ اور تفسیر بالرائے نہیں ہے۔

تفسیر بالرائے کا مطلب

تفسیر بالرائے اس کو کہتے ہیں کہ کسی آیت کا مطلب اپنی طرف سے ایسا بیان کیا جائے جو زبان عرب کے قواعد کے خلاف ہو یا ان ضروریات دین کے خلاف ہو جو صاحب شریعت سے قطعی طور پر ثابت ہیں۔

کسی آیت قرآنی کے اگر از روئے قواعد عربیت کئی مطلب ہو سکتے ہوں تو جس مطلب کی تائید روایات صحیحہ سے ہوتی ہواسی کو ترجیح دینا چاہیے۔ اگر کسی آیت کا مطلب تو سمجھ میں آگیا مگر تعیین مراد یا تشخیص مصداق کسی واقعہ پر موقوف ہے تو وہ واقعہ قطعیت ثبوت میں قرآن سے کم نہ ہونا چاہیئے اگر کم ہوگا تو اس کو ملا کر جو مراد سمجھی جائیگی ظنی ہوگی۔

اب دیکھیے تفسیر بالرائے کی ممانعت احادیث میں کس طرح فرمائی گئی ہے اور اسکا کیا مطلب ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح میں ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلے الله علیه وسلم من قال فی القرآن برایه فلیتبوا مقعدہ من النار وفی روایة من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار رواہ الترمذی وعن جندب قال قال رسول الله صلے الله علیه وسلم من قال فی القرآن برایه فاصاب فقد اخطأ رواہ الترمذی وابوداؤد۔	ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے تو چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں ڈھونڈھ لے اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص قرآن میں بغیر علم کے کچھ کہے تو چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں ڈھونڈھ لے اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور جندب سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اگر صحیح بھی کہے تو غلط ہے۔ اس کو ترمذی وابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ تفسیر بالرائے اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص آیات قرآنیہ کا مطلب بغیر علم کے بیان کرے اور علم سے مراد ظاہر ہے کہ قواعد عربیت اور اصول شریعت کا علم ہے بیشک جو شخص ان دونوں علوم سے جاہل ہو اس کو قرآن شریف کی تفسیر کرنا حرام ہے وہ یقیناً بجائے تفسیر کے قرآن میں تحریف معنوی کرے گا۔ علامہ علی قاری کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح یوں لکھتے ہیں کہ۔

قوله من قال فی القرآن برایه ای من تکلم فی معناہ او فی قراءته من	قرآن میں اپنی رائے سے کلام کرنے کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کے معنی یا اس کی قرارت میں اپنی

تلقاء نفسه من غیر تتبع اقوال
الائمة من اهل اللغة والعربیة
المطابقة للقواعد الشرعیة بل
بحسب ما یقتضیه عقله وهو مما
یتوقف علی النقل کاسباب النزول
والناسخ والمنسوخ وما یتعلق
بالقصص والاحکام او بحسب ما
یقتضیه ظاهر النقل وهو مما
یتوقف علی العقل کالمتشابهات
التی اخذ المجسمة بظواهرها
واعرضو عن استحالة ذلك او بحسب
ما یقتضیه بعض العلوم الالهیة مع
عدم معرفته ببقیتها وبالعلوم
الشرعیة فیما یحتاج الی ذلك۔

طرف سے گفتگو کرے بغیر تتبع اقوال علمائے
لغت وعربیت کے جو قواعد شرعیہ کے موافق
ہوں بلکہ اپنی عقل سے تفسیر کرے حالانکہ وہ
مطالب ایسے ہوں کہ نقل پر موقوف ہوں
مثل اسباب نزول وناسخ ومنسوخ کے اور
مثل ان چیزوں کے جو قصص واحکام سے
متعلق ہوں یا موافق ظاہر نقل کے تفسیر کردے
حالانکہ وہ بات ایسی ہو کہ عقل پر موقوف
ہو جیسے آیات متشابہات کہ مجسمہ نے
ان کے ظاہری الفاظ کو لے لیا اور یہ نہ خیال کیا
کہ ظاہری الفاظ کے معنی محال ہیں یا موافق بعض
علوم الٰہیہ کی تفسیر کردی باوجودیکہ باقی علوم کو
اور علوم شرعیہ کو نجانتا ہو حالانکہ وہ مطالب ایسے
ہوں کہ انہیں علوم شرعیہ کی حاجت ہو۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ تفسیر بالرائے اس کو کہتے ہیں کہ آیات قرآنیہ کا مطلب اپنی عقل سے بیان کیا جائے اور قواعد زبان عرب اور اصول شریعت کا لحاظ نہ کیا جائے نہ یہ کہ آیات قرآنیہ کا مطلب قواعد عربیت کے مطابق بغیر ملائے روایات ظنیہ کے بیان کیا جائے۔

پس یہ بات منقح ہو گئی کہ قرآن شریف کی تفسیر کا صحیح اور اصلی طریقہ یہ ہے کہ بپابندی قواعد زبان عرب ومطابقت اصول شریعت اس کے الفاظ وعبارات کا مطلب بیان کیا جائے اب اس مطلب کے مطابق اگر کچھ روایات صحیح ہیں تو وہ لے لی جائیں، بلکہ اگر ضعیف روایات بھی اس مطلب کے موافق ملیں تو وہ بھی قبول کر لی جائیں اور اس مطلب کے مخالف اگر کوئی روایت ملے خواہ وہ کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی صحت میں ہو ہر گز ہر گز

اسکی طرف التفات نہ کیا جائے۔

اب اس موقع پر شیعوں کے ائمہ معصومین کی تفسیر کا ایک نمونہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے انصاف سے دیکھو تو تفسیر بالرائے یہ ہے جو شیعوں کے ائمہ کرتے ہیں اور تفسیر بالرائے بھی ایسی بے جوڑ جسکو کسی کی عقل سلیم باور نہیں کر سکتی۔

اصول کافی صفحہ ۲ میں حضرت ابو الائمہ علی مرتضیٰ سے آیۂ کریمہ ووصینا الانسان بوالدیہ کی تفسیر اسطرح منقول ہے

قال الوالدان اللذان اوجب لهما الشكر هما اللذان ولدا العلم وورثا الحكمة وامر الناس بطاعتهما ثم قال الله الى المصير فمصير العباد الى الله والدليل على ذالك الوالدان ثم عطف القول على ابن حنتمة وصاحبه فقال في الخاص والعام وان جاهداك على ان تشرك بي تقول في الوصية وتعدل عمن امرت بطاعته فلا تطعهما ولا تسمع قولهما ثم عطف القول على الوالدان فقال وصاحبهما في الدنيا معروفا يقول عرف الناس فضلهما وادع الى سبيلهما۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ والدین جن کا شکر اللہ نے واجب کیا ہے وہ وہ ہیں جنھوں نے علم کو پیدا کیا اور حکمت کو میراث میں چھوڑا لیکن خدا نے ان والدین کی اطاعت کا حکم دیا پھر فرمایا کہ میری طرف لوٹ کر آتا ہے پس سب بندوں کو خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اسکے تبلانیوالے وہی والدین ہیں بعد اسکے بعد اللہ نے عمر اور ابوبکر کا ذکر کیا اور خاص وعام سب کو سنا کر کہدیا کہ اگر وہ دونوں تجھ سے میرے ساتھ شرک کرانیکی کوشش کریں یعنی اس بات کی کہ تو وصیت میں اختلاف کرا اور جسکی اطاعت کا حکم تجھے ملا ہے اس سے انحراف کر تو ابوبکر و عمر کا کہنا نہ مان اور انکی بات نہ سن اسکے بعد پھر اللہ نے والدین کا ذکر شروع کر دیا کہ دنیا میں انکے ساتھ بھلائی کر یعنی ان کی فضیلت لوگوں کو تبلا اور انکی راہ کی طرف بلا۔

جناب ابو الائمہ کی اس انوکھی تفسیر کے لطائف حسب ذیل ہیں۔

(۱) فرماتے ہیں کہ والدین سے علم و حکمت کے والدین مراد ہیں نہ خود انسان کے ماں باپ علم و حکمت کے والدین کون ہیں اس کو جناب ابو الائمہ نے نہ بیان کیا البتہ علمائے شیعہ

نے بہت کچھ غور و خوض کے بعد اس کا پتہ لگایا علامہ فزدینی صافی شرح کافی میں فرماتے ہیں کہ علم و حکمت کے والدین قرآن اور امام ہیں قرآن ماں ہے اور امام باپ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

(۲) جاھدا اور لاتطعھما کی ضمیریں والدین کی طرف پھر رہی ہیں مگر جناب ابوالائمہ فرماتے ہیں کہ یہ ضمیریں حضرت ابوبکر و عمر کی طرف پھرتی ہیں حالانکہ ان کا اس آیت میں کہیں ذکر نہیں بھلا ایسی نادر تفسیر سوا ابوالائمہ کے کس کے دماغ میں آسکتی ہے۔

(۳) والدین سے مراد قرآن و امام لئے گئے اور کس قدر بے ادبی کی گئی کہ قرآن کو ماں بنایا گیا درجہ امام کا قرآن سے بالا ہی رہا یہ تو سب کچھ ہوا مگر حمل کا دودھ چھڑانے کا ماں کی کمزوری کا کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا ابوالائمہ صاحب کا ذہن تو اس طرف نہ گیا مگر علمائے شیعہ نے اس گتھی کو بھی سلجھایا علامہ قزوینی صافی میں فرماتے ہیں کہ حمل سے مراد اٹھالینا، ماں یعنے قرآن نے علم و حکمت کو اٹھالیا اور فصال کے معنی دودھ چھڑانا نہیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ ابوبکرؓ کی خلافت دو برس میں ختم ہوگئی سبحان اللہ قلم توڑ دیا اور ماں کی کمزوری کا مطلب یہ ہے کہ قرآن خلافت ابوبکر و عمر میں بہت کمزور ہوگیا۔

(۴) ان تشرک بی کا مطلب ابوالائمہ یہ فرماتے ہیں کہ میری امامت میں کسی کو شریک نہ کرو متکلم کی ضمیر اپنی طرف پھیر رہے ہیں معلوم ہوا کہ قرآن کے متکلم آپ ہی ہیں اس سے نصیریوں کی تائید ہوتی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حضرت علی کا کلام ہو انھیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا اور وہی خدا ہیں (نعوذ باللہ منہ)

(۵) صاحبہما کی ضمیر پھر قرآن و امام کیطرف پھر گئی۔

یہ آیت سورۂ لقمان کی ہے صاف مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے ماں باپ کی خدمت کرے اس کی ماں نے اسے محنت مشقت کے ساتھ حمل میں رکھا اس کو دو برس تک دودھ پلایا میں نے یہ حکم دیا ہے کہ میری شکرگزاری کرو اور اپنے والدین کی لیکن تمہارے ماں باپ تم کو میرے ساتھ شرک کرنے پر مجبور کریں تو اس بارہ میں ان کا کہنا نہ مانو پھر بھی دنیا میں انکے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔

جناب امیر فرماتے ہیں آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ علم و حکمت کے ماں باپ یعنی قرآن و امام کی خدمت کرے علم و حکمت کی ماں نے علم و حکمت کو ضعف پر اُٹھا کر اپنے پاس رکھا یعنی قرآن خلافت ابوبکر میں کمزور ہوگیا ابوبکر کی خلافت دو برس میں ختم ہوگئی ابوبکر و عمر میری خلافت میں کسی کو شریک کرنے کو کہیں تو ان کا کہنا مت مان علم و حکمت کے ماں باپ کی بزرگی بیان کر۔

ناظرین دیکھیں یہ ہے قرآن کی تفسیر ایسی ہی خبط بے ربط تفسیروں کی وجہ سے قرآن کو معمیٰ کہا گیا ہے۔

ائمہ کی تفسیروں کی بہت سی مثالیں مناظرہ حصۂ دوم میں ہم لکھ چکے ہیں جسکو شوق ہو دیکھے اور ائمہ شیعہ کی نازک خیالیوں کی داد دے المختصر تفسیر بالرائے ایسی تفسیروں کا نام ہے نہ اس تفسیر کا جو مطابق قواعد زبان ہو۔

روایت حدیث کا شریعت و عقل کے نزدیک کیا رتبہ ہے

فن حدیث ایک بڑا عظیم الشان علم ہے اس علم کے ماہرین اچھی طرح جانتے ہیں کہ علمائے مسلمین نے کیسی سعی مشکور اس علم میں کی ہے۔ روایات حدیث کا متفرق و منتشر مقامات سے لیکر جمع کرنا پھر ان کی تنقید کرنا انکے مدارج کا جانچنا آسان کام نہ تھا۔ اس علم کی تکمیل کے لئے بیسیوں فن مدون کئے گئے تقریباً ایک لاکھ راویوں کے حالات قلمبند ہوئے جرح و تعدیل کے قوانین بنائے گئے سچ یہ ہے کہ بعونہ تعالیٰ و حسن توفیقہ مسلمانوں نے جسقدر اہتمام اپنی روایات کی حفاظت کا کیا کوئی دوسری قوم اس اہتمام کا ہزارواں حصہ اپنی کتاب اللہ کی حفاظت میں نہیں دکھا سکتی آج ہم جس طرح ایک حدیث کی سند رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کردیں گے دنیا میں کوئی شخص توریت یا انجیل یا وید کی سند ان کے معلم اول تک نہیں بیان کرسکتا وذلك من فضل الله علينا وعلى الناس ولكن اكثر الناس لا يشكرون۔

با ایں ہمہ حدیث کا اعتبار قرآن شریف کے برابر نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے نہ اس وجہ سے کہ قرآن شریف کلام خدا ہے اور حدیث کلام رسول ہو بلکہ اس وجہ سے بھی کہ قرآن شریف متواتر ہے قطعی و یقینی ہے اور احادیث اکثر و بیشتر اخبار احاد ہیں ظنی ہیں جن لوگوں نے بلا واسطہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے احادیث کو سنا ان کے حق میں وہ احادیث واجب القبول اور واجب العمل ہونے میں قرآن شریف سے کسی طرح کم نہیں ہیں الغرض یہ تفاوت راویوں کے سبب سے پیدا ہوا ہے۔

حدیث کی باعتبار اس کی سند یعنی راویوں کے کئی تقسیمیں کی گئی ہیں منجملہ ان کے دو یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

تقسیم اول باعتبار تعداد رواۃ کے ہے۔ اس تقسیم میں چار قسمیں ہیں اولاً دو قسمیں کی گئی ہیں متواتر اور احاد۔ متواتر وہ روایت ہے جسکے راوی ہر طبقہ میں اس کثرت سے ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر متفق ہو جانے کو عقل انسانی عادۃً محال سمجھے۔ احاد وہ روایت ہے جس کے راوی اس کثرت سے نہ ہوں۔ احاد کی پھر تین قسمیں ہیں۔ مشہور جس کے راوی کسی طبقہ میں تین سے کم نہ ہوں۔ عزیز جس کے راوی کسی طبقہ میں دو سے کم نہ ہوں۔ غریب جس کے راوی دو سے بھی کم ہوں یعنی کسی طبقہ میں یا کل طبقات میں ایک ہی ایک راوی ہو۔

تقسیم دوم باعتبار اوصاف رواۃ کے ہے اس تقسیم میں بھی چار قسمیں ہیں۔ صحیح حسن ضعیف موضوع۔ ان سب اقسام میں اعلیٰ ترین قسم متواتر ہے اور وہ بلا شبہہ یقینی چیز ہے مگر اس کا وجود کم اور بہت کم ہے۔ حافظ ابن الصلاح محدث اپنی کتاب مقدمۃ الحدیث میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص متواتر حدیث کو تلاش کرے تو وہ تھک جائیگا بعض محدثین جو بعض بعض روایات کو متواتر کہہ دیتے ہیں اور بعض نے مستقل تالیفات میں متواتر روایات کو جمع کیا ہے ان میں اکثر روایات متواتر حقیقی نہیں بلکہ اخبار احاد ہیں اسانید ان کی کچھ زیادہ ہو گئی ہیں اس وجہ سے ان کو مجازاً متواتر کہہ دیا گیا ہے اصطلاح محدثین میں اسی کو متواتر معنوی کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن حدیثوں کو وہ متواتر کہتے ہیں ان کے

منکر کو کافر نہیں کہتے حالانکہ اگر متواتر حقیقی ہوتیں تو انکے منکر کا کفر قطعی ہوتا
کتب حدیث کے بھی کئی طبقے ہیں بعض اعلیٰ ہیں بعض ادنیٰ بعض بالکل غیر معتبر۔ طبقہ اعلیٰ میں صرف تین کتابیں قرار پائی ہیں۔ امام مالک کی موطا صحیح بخاری صحیح مسلم بعض کتابیں ایسی ہیں جن میں ہر قسم کی رطب و یابس صحیح ضعیف بلکہ موضوع روایات بھی مندرج ہیں ان کے مؤلفین کا مقصود یہ تھا کہ جو روایتیں اوپر کے طبقوں میں نہیں لی گئیں وہ سب قلمبند کر لی جائیں بعد میں تنقید ہوتی رہیگی۔ ممکن ہو کہ ان سنگریزوں میں کچھ جواہرات بھی ہوں۔ ان طبقات کا مفصل حال حجۃ اللہ البالغہ اور بستان المحدثین میں دیکھنا چاہیے۔
محدثین کے مدارج بھی بحسب اختلاف طبائع انسانی مختلف ہیں بعض اعلیٰ درجہ کے ناقد دسعر ہیں جیسے امام بخاری بعض متساہل ہیں جو ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کو بھی صحیح کہدیتے ہیں جیسے حاکم بعض متشدد ہیں جو صحیح حدیثوں کو بھی موضوعات میں داخل کر دیتے ہیں جیسے ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

آمدم بر سر مطلب غیر متواتر روایات بعد ان سب تحقیقات اور تنقیحات کے کیسی ہی اعلیٰ پایہ کی ہوں ظنی ہیں عقائد کی بنیاد ان پر رکھنا عقلاً و نقلاً کسی طرح جائز نہیں البتہ جو حدیثیں اس تحقیقات میں صحیح یا حسن کے رتبہ تک پہونچ جائیں ان سے اعمال کے مسائل استنباط کیے جاتے ہیں بشرطیکہ وہ شرائط بھی پائے جائیں جو اصول فقہ و اصول حدیث میں مذکور ہیں اور ضعیف حدیث فضائل اعمال اور مناقب میں بھی لیجاتی ہے مگر انھیں شرائط کے ساتھ جو کتب اصول میں مذکور ہیں اور موضوع روایت تو قطعاً واجب الرد ہے۔
غیر متواتر روایات کے ظنی ہونے کا اصلی سبب یہ ہو کہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکا صدور یقینی نہیں ہوا اسلئے کہ غیر متواتر روایات کی بنیاد معدودے چند راویوں کے بیان پر ہو ممکن ہے کہ جن معدودے چند اشخاص کو قواعد سے جانچ کر معتبر مانا گیا ہے اس جانچ میں غلطی ہو گئی ہو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ایک شخص کو اچھا اور سچا سمجھتے ہیں اور واقعہ اسکے خلاف ہوتا ہے غیب کا حال دلوں کی کیفیت ضمائر کی اصلیت سوا خدا کے اور کون جان سکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق جیسے زیس صاحب نوث قدسیہ نے ایک مجموعہ احادیث کا اپنے زمانۂ خلافت میں جمع کیا لیکن پھر ایک روز اس مجموعہ کو آگ میں جلا دیا پوچھا گیا کہ ایسا کیوں کیا فرمایا کہ۔

خشیت ان اموت وھی عندی فیکون فیھا احادیث عن رجل قد ائتمنتہ و وثقتہ ولم یکن کما حدثنی فاکون قد نقلت ذلک فھذا لا یصح ۔ (تذکرۃ الحفاظ)

مجھے اندیشہ اس بات کا پیدا ہوا کہ میں مرجاؤں اور یہ مجموعہ میرے پاس سے نکلے شاید اس میں حدیثیں ایسے شخص سے منقول ہوں جس کو میں نے امین اور معتبر سمجھا تھا مگر اسکی حدیث واقعہ کے مطابق نہو پس ایسی حدیث کو میں نقل کردوں یہ ٹھیک نہیں۔

روایت میں غلطی صرف راوی کے کاذب ہونے سے نہیں ہوئی بلکہ بسا اوقات غلط فہمی سے بھی ہو جاتی ہے سہو و نسیان کیوجہ سے بھی ہو جاتی ہے۔

تنقید وغیرہ کی وجہ سے اور طرق روایت کو جمع کرنے سے اور دوسرے قرائن سے یہ احتمالات کمزور ضرور ہو جاتے ہیں مگر کلیۃً فنا نہیں ہوتے اور ان احتمالات کا جب تک سایہ بھی باقی ہے روایت ظنی ہی رہیگی یقینی نہیں ہو سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ باوجود حدیث کی صحت مسلم ہو جانے کے بھی اسپر عمل کرنے میں علماء کا اختلاف ہو جاتا ہے حتی کہ صحیح بخاری جیسی اعلیٰ پایہ کی کتاب اور اسکی بعض احادیث حنفیہ کے نزدیک متروک العمل ہیں۔ احادیث کی یہ کیفیت ہے کہ محدث خود ہی ایک روایت کرتا ہے اور اس روایت کو صحیح قرار دیتا ہے مگر اسپر عمل نہیں کرتا۔ امام مالک نے اپنی موطا میں بعض روایتیں ایسی درج کی ہیں کہ خود ان کا مذہب ان روایات کے خلاف ہے۔ امام ترمذی نے اپنی کتاب میں کئی حدیثیں ایسی روایت فرمائی ہیں کہ انکی سند میں کوئی داغ نہیں لیکن لکھتے ہیں کہ امت میں کسی نے بھی ان حدیثوں پر عمل نہیں کیا۔ اسکے نظائر بہت ہیں۔

ایک خاص بات یہ بھی قابل غور ہے کہ ہمارے محدثین نے یہ اصول قائم کیا ہے کہ اہل بدعت سے روایت لے لیجائے بچند شرائط اول یہ کہ انکی بدعت کفر کی حد تک نہ پہونچی ہو۔ دوم یہ کہ انکا صدق معلوم ہو گیا ہو یعنی کسی محدث نے ان پر کذب کی جرح نہ کی ہو۔ سوم یہ

وہ روایت ان کی بدعت کی موید نہ ہو۔ اسی اصول کی بناپر امام بخاری جیسے عالی مرتبہ محدث نے بعض شیعوں سے روایت لے لی اور صحیح بخاری میں درج فرمائی مثل یونس بن جبان کے جسکا تشیع تبرائیت کی حد تک پہونچا تھا حالانکہ ہمارے علمائے سابقین کو پوری حقیقت مذہب شیعہ کی معلوم ہی نہ تھی اور معلوم کیوں کر ہو سکتی تھی اس مذہب کے لوگ ہی بہت کم تھے اور جو تھے بھی تو وہ اپنی مذہب کے چھپانے میں بیحد اہتمام کرتے تھے مذہب کا ظاہر کرنا ان کے یہاں بڑا مذہبی جرم تھا لہذا ہمارے علما اس امر کا فیصلہ کر ہی نہ سکے کہ ان کی بدعت حد کفر تک پہونچتی ہے یا نہیں ہمارے علما کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مذہب میں جھوٹ بولنا عبادت ہے ورنہ وہ کبھی کسی شیعہ کی بابت یہ خیال بھی نہ کرتے کہ وہ صادق ہو سکتا ہے پھر جب مذہب شیعہ کی پوری حقیقت معلوم ہی نہ تھی تو فیصلہ کیوں کر کیا جا سکتا تھا کہ یہ روایت انکے بدعت کی موید ہے یا نہیں۔

یہ حال تو ان شیعوں کی روایات کا ہے جن کا شیعہ ہونا معلوم تھا اور جن شیعوں نے تقیہ کر کے سنی بن کر ہمارے محدثین کو دھوکے دیے ان میں سے جن کا حال تنقید کے بعد ظاہر ہو گیا وہ ظاہر ہو گیا اور جن کا حال نہ ظاہر ہوا ہو ان کا علم سوا عالم الغیب کے کس کو ہو سکتا ہے۔

ان وجوہ سے جو روایتیں اعمال سے تعلق نہیں رکھتیں محققین کے نزدیک وہ بہت عمیق تحقیق اور شدید تنقید کی محتاج ہیں البتہ اعمال کی روایات ہیں جن کی تصدیق تعامل سے ہو جاتی ہے ان سے اشتباہ دور ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر کی سخت تاکید رہتی تھی کہ جو روایتیں اعمال سے تعلق رکھتی ہیں انہیں کی روایت کی جائے دوسری روایات نہ بیان کی جائیں مصنف عبدالرزاق میں ہے۔

قال ابو هريرة لما ولی عمر قال اقلوا الرواية عن رسول الله صلی الله عليه وسلم الا فيما يعمل به۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کم کرو مگر اعمال کے متعلق۔

المختصر روایات احاد کا بیان عقائد میں ناقابل التفات ہونا بالکل ظاہر ہے۔

علمائے شیعہ نے بھی اپنی روایات کی بابت ایسی ہی تصریحات[1] کی ہیں اور صاف لکھا ہو کر روایت پر بنیاد اعتقاد نہیں ہو سکتی بلکہ ہر حدیث چاہے کیسی ہی صحیح ہو عمل کے کام میں بھی نہیں آ سکتی مگر اہل سنت کی فن روایت میں اور شیعوں کی روایات میں پھر بھی بڑا فرق ہے کھلے کھلے چند فرق یہاں لکھے جاتے ہیں ـــ

پہلا فرق

یہ ہے کہ شیعہ اگر اپنی روایات پر اپنے اعتقادات کی بنیاد نہ رکھیں تو ان کے مذہب کا گھروندہ گرد جائے ان کے پاس سوا ان واہی تباہی روایات کے اور ہے کیا قرآن سے ان کا ہاتھ خالی ہے کیونکہ انکا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے (دیکھو النجم کا مناظرہ حصہ اول و مناظرہ امروہہ و تنبیہ الحائرین وغیرہ) اور متواتر روایت بھی کوئی ان کے پاس نہیں ان کا مذہب ہی متواتر نہیں جیسا کہ وہ خود اقرار کرتے ہیں کہ قرن اول میں صرف پانچ آدمی ہمارے مذہب کے تھے اور بعد کے قرون میں ہر امام اپنا مذہب چھپاتا رہا بظاہر یہ سب امام سنی بنے رہے تنہائی میں کبھی کوئی شیعہ مل گیا تو اس سے کچھ کہہ دیا ـ

---

[1] علامہ حلی طہرانی اپنی کتاب توضیح المقال ۲۲ میں لکھتے ہیں ان احتمال الوضع قائم فی اکثر الاخبار وان ضعف فی بعض لقرائن خارجیۃ ترجمہ اکثر حدیثوں میں جعلی ہونے کا احتمال موجود ہو گرچہ یہ احتمال بعض حدیثوں میں قرائن خارجیہ کے سبب سے کمزور ہو گیا ـ مولوی دلدار علی مجتہد اعظم شیعہ حسام میں فرماتے ہیں خبر واحد اگر بے معارض ہم باشد ظنی ست در اصول اعتقادیات بآں تمسک نباید کرد بلکہ نزد محققین شیعہ امیہ مثل ابن زہرہ و ابن ادریس و شریف مرتضیٰ و اکثر قدمائے ایشاں قابل احتجاج نیست و متاخرین ایشاں ہمیں مذہب را اختیار کردہ اند لہٰذا اخبار احاد را در دلائل نہ شمردہ بلکہ رد آں را واجب دانستہ خصوصاً در اعتقادیات الخ مولوی حامد حسین امام المناظرین شیعہ استقصار الافحام میں لکھتے ہیں کہ ہر حدیث صحیح جائز العمل ہم نیست چہ جائے آنکہ واجب العمل باشد الخ مختصر اس مضمون کی تصریحات علمائے شیعہ سے بکثرت ہیں مگر افسوس کہ ان قواعد پر عمل کر کے مذہب شیعہ کا پھر وجود ہی باقی نہیں رہ سکتا ـ

بخلاف اہلسنت کے کہ اُن کے پاس قرآن ہے ان کے تمام اعتقادات کی بنیاد اسی پاک کتاب پر ہے ان کے پاس کچھ متواتر روایات بھی ہیں ان کا مذہب متواتر ہے جیسا کہ خود مخالفین بھی مانتے ہیں قرن اول میں تقریبًا ایک لاکھ چودہ ہزار انسان ان کے مذہب کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے ہیں پھر قرون مابعد میں تدوین کتب کے بعد تو ہر قرن میں اتنے لوگ رہے کہ ان کا شمار خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

دوسرا فرق

یہ ہے کہ اہلسنت کا فن رجال نہایت مکمل، اصول تنقید نہایت کامل ہے، یہاں تک شیعوں کے علما کو جب اپنے کسی راوی کا حال اپنی کتب میں نہیں ملتا تو ہمارے ہی خزانۂ عامرہ سے اپنی کشکول بھرتے ہیں ان کی کتب رجال کو دیکھو کثرت حوالہ ہماری کتب رجال لسان المیزان وغیرہ کا دیتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ اس راوی کا پتہ اپنی کتب میں ہم کو نہیں ملا مگر اہل سنت نے اس کو رافضی لکھا ہے لہذا معلوم ہوا کہ وہ ہمارا پیشوا تھا۔

پس فن رجال اور اصول تنقید سے جانچ کر ہم روایات کو اس درجہ تک پرکھ لیتی ہیں جتنا پرکھنے کی اعمال کے لئے ضرورت ہے شیعوں کا ہاتھ اُس سے بھی خالی ہے شیعہ اگر ہمارے اصول تنقید سے اپنی روایات کو پرکھیں تو ایک روایت بھی انکی جانچ میں پوری نہ اترے اور مطلع صاف ہوجائے۔

تیسرا فرق

یہ ہے کہ ان کی روایات میں باوجود اختلاف اس قدر ہے کہ کوئی مسالہ ایسا نہیں جس میں مختلف روایات نہوں ایک روایت میں اگر وضو میں پیر دھونے کی تعلیم ہے تو دوسری روایت میں پیر پر مسح کرنے کا حکم ہے ایک روایت میں اگر اذان فجر میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہنے کی ممانعت ہے تو دوسری روایت سے اس کا ثبوت ہے ایک روایت

پس اگر خون نکلنے سے وضو کا ٹوٹ جانا ثابت ہوتا ہے تو دوسری سے نہ ٹوٹنا وعلیٰ ہذا القیاس تمام مسائل میں شروع سے آخر تک یہی اختلاف ہے اور ان اختلاف اقوال میں امام کا اصلی مذہب کیا ہے اور یہ اختلاف کیوں ہے اس کا پتہ نہیں چلتا خود علمائے شیعہ کا اقرار ہے بخلاف اس کے اہلسنت کے یہاں اختلاف روایات کم اور بہت کم ہے اسکا بھی علمائے شیعہ کو اقرار ہے اور اس قدر قلیل اختلاف میں بھی اصلی تعلیم کا معلوم کر لینا اور سبب اختلاف کا دریافت کر لینا نہایت آسان ہے کیونکہ یہاں سبب اختلاف وہی معدودے چند ہیں جو اوپر بیان ہوئے اور شیعوں کے یہاں تقیہ ہے اور اماموں کا عمداً اختلاف ڈالنا تاکہ شیعہ راوی سچے نہ سمجھے جائیں وغیرہ وغیرہ بکثرت ہیں۔

چوتھا فرق

یہ ہے کہ ہمارے یہاں حدیث کی جو کتابیں اعلیٰ طبقہ کی ہیں وہ اپنے مولفین سے متواتر ہیں مثلاً مؤطا امام مالک ہے کہ اس کو نوے ہزار آدمیوں نے ان سے پڑھا اور روایت کیا علیٰ ہذا صحیح بخاری کو بے شمار لوگوں نے امام بخاری سے پڑھا اور روایت کیا صدیوں تک بڑی سخت جانچ ان کتابوں کی ہوتی رہی لہذا یہ بات یقینی ہو گئی کہ یہ کتابیں جن بزرگوں کی تالیف کہی جاتی ہیں فی الواقع انھیں کی ہیں بخلاف کتب حدیث شیعہ کے کہ ان کی اصول اربعہ یعنی کافی۔ تہذیب۔ من لایحضرہ الفقیہ۔ استبصار بھی اپنے مصنفین سے متواتر نہیں جس نے جو کتاب بنائی اس کو عیب کی طرح چھپائے بیٹھا رہا صدیوں تک چوری چھپے کا معاملہ رہا اب چند روز سے جسکو بمشکل دو سو برس ہوئے ہوں گے کہ وہ کتابیں صندوق تقیہ سے باہر نکلی ہیں۔

الحاصل اور بہت سے فرق ہیں مگر اس وقت اختصار مدنظر ہے۔

الحاصل ہماری روایات بے دغدغہ بپابندی شرائط وضوابط مذکورہ اصول حدیث واصول فقہ قابل عمل ہیں شیعوں کی روایات عمل کے قابل نہیں چہ جائیکہ اعتقادات میں پس کھلا مگر بے چاروں کی جان سخت مصیبت میں ہے انکے پاس بس یہی روائتیں ہیں معاذہیں

انکو بچھائیں بچائیں اوڑھیں انھیں پر ان کے عقائد کی بنیاد ہے انھیں پر ان کے اعمال کی۔ اور اگر کوئی شیعہ یہ دعوے رکھتا ہو کہ ان واہی تباہی روایات کو چھوڑ کر انکا کوئی عقیدہ یا کوئی مخصوص مسالہ قرآن سے ثابت ہو سکتا ہے تو ہم میداں ہیں چوگاں ہیں گوئے۔

خوش بود گر محک تجربہ آید بمیاں
تا سیہ روی شود ہر کہ درو غش باشد

اس سلسلہ تفسیر کے التزامات

اس سلسلہ تفسیر میں اس بات کا التزام ہے کہ جس آیت کا جو مطلب بیان کیا جائے گا اور نتائج اُس سے نکالے جائیں گے ان میں ظنیت کو دخل نہونے پائے، لہذا آیات قرآنیہ کا مطلب کسی روایت احاد کو ضمیمہ بنا کر نہ بیان کیا جائے گا بلکہ جو کچھ بیان ہوگا وہ مسلم بالکل قواعد زبان عرب اور محاورات قرآنیہ کے ذریعہ سے بطور شہادت کے بعد میں کچھ روایات بھی ذکر کی جائیں گی اور مفسرین کے اقوال بھی۔

اگر کسی آیت کی تعیین مراد کے لئے کسی واقعہ کے ملانے کی ضرورت ہوگی تو اس بات کا لحاظ رہیگا کہ وہ واقعہ متواتر ہو یا بین الفریقین بلا خلاف و اختلاف مسلم ہو۔

شیعوں کے اعتراضات یا استدلالات کے جواب میں ان کے مسلمات یا مسلم الکل قواعد سے کام لیا جائے گا۔

انشاء اللہ اس سلسلہ تفسیر سے دو فائدہ حاصل ہونگے۔

اول یہ کہ روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گا کہ شیعوں کی خانہ ساز امامت قرآن کریم کے قطعًا خلاف ہے اور حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے پسندیدہ و امام حق ہونے میں چون و چرا کرنا خدا و رسول کی تکذیب کرنا ہے۔

دوم یہ کہ قرآن شریف کے سمجھنے کا ایک ڈھنگ لوگوں کو معلوم ہوگا۔

اللہ تعالٰی میری اس آرزو کو پورا کرے۔ آمین

هٰذا اٰخر الکلام والحمد للہ رب العٰلمین

الحمد للہ کہ مقدمہ تمام ہو گیا اب اس کے بعد انشاء اللہ تعالٰی تفسیر آیات
کا سلسلہ شروع ہو گا جس میں کم از کم دس دس آیتیں طرفین
کے استدلال کی لیجائیں گی اور شیعوں کی مستدلہ
وہی آیات لیجائیں گی جن کو وہ نص
صریح کہتے رہیں۔
واللہ الموفق والمعین

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

بیشک یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو

تفسیر

آیاتِ مُلکِ طالوت

جسمیں

قرآن مجید کے دوسرے پارہ کی آخری آیتوں کی تفسیر کرکے یہ کھلایا گیا ہے کہ قرآن مجید نے خلیفہ کے جو فضائل اور خلافت کے جو مسائل تعلیم فرمائے ہیں وہ اہل سنت کی تائید و تصدیق اور مذہب شیعہ کے ابطال و تکذیب کیلئے برہان قاطع ہیں، صاف نظر آتا ہے کہ مذہب شیعہ کی بنیاد مخالفت قرآن پر ہے،

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳۔ روڈ نمبر ۷۔ سب بلاک اے، بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدوسیہ

ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔ فون نمبر: ۶۶۰۱۴۴۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علےٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد تفسیر آیات خلافت کے سلسلہ میں قرآن مجید کی بارہ آیتوں کی تفسیر لکھ چکنے کے بعد دل میں آیا کہ اب ایک ایسی آیت کی بھی تفسیر کیجائے جس سے خلافت کے مہمات مسائل کا استنباط ہوتا ہو چنانچہ اس وقت آیات ملک طالوت کی تفسیر کے لئے قلم حق رقم ہاتھ میں دیا گیا ہے۔ واللہ ہو المستعان فی کل حین وآن۔

خدا کرے یہ سلسلہ تفسیر آیات کا زندگی کے ساتھ ساتھ رہے اور قرآن مجید کی خدمت کا تعطش کبھی کم نہو۔

مصلحت نیست مرا سیری ازاں آبحیات ضاعف اللہ بہ کل زمان عطشی

خدا کرے میری زندگی کا آخری کام اللہ تعالیٰ کی اسی پاک کتاب کی خدمت ہو سے

روز قیامت ہر کسے در دست گیرد نامہ من نیز حاضر مے شوم تفسیر قرآں در بغل

کیسے خوش نصیب تھے صحابہ کرام جنھوں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن مجید سنا اور آپ سے تعلیم پائی اور اپنی ساری زندگی اس پر قربان کردی۔

اسکے مزہ سے وہی آگاہ تھے وہ جو پیمبر کے ہوا خواہ تھے

ان کا وظیفہ تھا یہ شام و سحر اپنے گنا یا کئے قرآں پہ سر

پہلے حسب دستور آیتیں لکھی جائینگی بین السطور میں ترجمہ ہوگا۔ پھر چار فصلیں ہونگی **فصل اول** میں آیت کے مطلب کی توضیح اور شرح الفاظ ہوگی۔ **فصل دوم** میں جو تعلقات آیت میں ہیں انکا بیان ہوگا۔ **فصل سوم** میں جو مسائل خلافت کے آیت سے ثابت ہوتے ہیں انکا ذکر ہوگا **فصل چہارم** میں یہ بیان ہوگا کہ حضرت علی مرتضیٰ سے جو کچھ کتب شیعہ میں منقول ہے وہ اہل سنت کے موافق ہے۔

سورہ بقرہ دوسرا پارہ آخری رکوع

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ

کیا تو نے (اے نبی) اسرائیل کے سرداروں (کی حالت) کو نہیں دیکھا بعد موسیٰ

إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي

(کی وفات) کے جبکہ انھوں نے اپنے ایک نبی سے کہا کہ مقرر کر دیجیے ہمارے لئے کوئی بادشاہ تاکہ قتال کریں ہم راہ

سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا

خدا میں ۔ نبی نے کہا کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ اگر تم پر قتال فرض کر دیا جائے تو تم

تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا

قتال نہ کرو۔ اسرائیلی سرداروں نے کہا کہ ہمیں کیا عذر ہے کہ ہم راہ خدا میں قتال نہ کریں حالانکہ ہم نکالے گئے

مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا

اپنے گھروں سے اور (جدا کیے گئے) اپنے بیٹوں سے مگر جب فرض کیا گیا ان پر قتال تو سب پھر گئے

إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝ وَقَالَ لَهُمْ

سوا تھوڑے لوگوں کے ان میں سے اور اللہ ظالموں سے واقف ہے ۔ اور ان سے

نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا

ان کے نبی نے کہا کہ بے تحقیق اللہ نے مقرر کیا تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ اسرائیلی سرداروں نے کہا

أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ

کہ طالوت کو کس طرح ہم پر بادشاہی ہو سکتی ہے حالانکہ ہم اُن سے زیادہ بادشاہی کے حقدار ہیں ۔

وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ

اور طالوت کو مال کی فراخی (بھی) نہیں دی گئی ۔ نبی نے کہا کہ بے تحقیق اللہ نے طالوت کو تم پر برگزیدہ کیا ہے

عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ

اور ان کو علم میں اور جسم میں کشادگی دی ہے ۔ اور اللہ اپنا ملک دیتا ہے

مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ

جسکو چاہتا ہے اور اللہ گنجائش والا اور جاننے والا ہے اور اُن سے اُن کے نبی نے کہا کہ

إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ

کہ طالوت کی بادشاہی کا نشان یہ ہے کہ ان کے عہد میں تابوت تمہارے پاس آ جائیگا جس میں تسکین ہے

رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ

تمہارے رب کی طرف سے اور بقیہ ہے اس چیز کا جسکو چھوڑا ہے آل موسیٰ اور آل ہارون نے

تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ

اُٹھا لائیں گے اسکو فرشتے۔ بے تحقیق اس میں نشانی ہے تمہارے لیے بشرطیکہ تم

مُؤْمِنِينَ ۝ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ

ایمان دار ہو۔ پھر جب طالوت لشکروں کے ساتھ چلے تو اُنھوں نے کہا کہ بے تحقیق اللہ

مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي

تمہارا امتحان لینے والا ہے ایک نہر کے ذریعہ سے پس جو شخص اس نہر سے پانی پی لیگا وہ میری جماعت میں سے نہیں

وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ

اور جو شخص اس پانی کو نہ پیے گا وہ میری جماعت میں ہے مگر جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو پانی لیکر پی لے

فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ

اس کے لیے معافی ہے۔ پھر سب نے اس نہر کا پانی پی لیا مگر تھوڑے لوگوں نے ان میں سے پھر جب طالوت

وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ

اور ایمان والے جو انکے ہمراہ تھے آگے بڑھے تو لوگوں نے کہا کہ ہم کو آج طاقت نہیں ہے جالوت

وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو

اور اسکے لشکروں سے (لڑنے کی) مگر جن لوگوں کو یقین تھا کہ وہ اللہ کے

اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً

سامنے جانے والے ہیں اُنھوں نے کہا کہ بسا اوقات چھوٹا گروہ بڑے گروہ پر غالب آگیا ہے

بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَمَّا بَرَزُوا

اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جب اُنھوں نے سامنا کیا

لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا

جالوت اور اسکے لشکروں کا تو دعا مانگی کہ اے رب ہمارے بہا دے ہمارے اوپر

صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
(دے) صبر (کا) اور ثابت رکھ ہمکو اور مدد کر ہماری مقابلہ میں
الْكَافِرِيْنَ ۝ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ
کافروں کے۔ پس شکست دی انہوں نے جالوت والوں کو اللہ کے حکم سے اور قتل کیا داؤد نے
جَالُوْتَ وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا
جالوت کو اور عنایت کی داؤد کو اللہ نے بادشاہت اور حکمت اور علم دیا اسکو بعض ان چیزوں کا
يَشَآءُ ۝ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ
جن کو اللہ نے چاہا۔ اور اگر نہو دفع کرنا اللہ کا بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے
لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ
تو یقیناً تباہ ہو جائے زمین ولیکن اللہ بخشش (کرنے) والا ہے جہان والوں پر
تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّكَ
آیتیں ہیں اللہ کی جنکو (اے نبی) ہم آپ پر نازل کرتے ہیں حق کے ساتھ اور یہ دلیل ہو اسکی کہ یقیناً آپ
لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ
(ہمارے) رسولوں میں سے ہیں۔

فصل اوّل

ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے جو حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پیش آیا۔

جس پیغمبر کے زمانہ میں یہ واقعہ ہوا تھا انکا نام قرآن مجید میں نہیں بتایا۔ مگر بائبل میں اُن کا نام شموئیل لکھا ہوا اور ہمارے مفسرین نے شموئیل بیان کیا ہوا اور لکھا ہے کہ اصل نام عبرانی زبان میں اسماعیل تھا دیکھو تفسیر معالم التنزیل۔

جس بادشاہ کا قصہ ان آیتوں میں ہے اُن کا نام قرآن شریف سے بظاہر طالوت معلوم ہوتا ہے لیکن بائبل میں ان کا نام شاؤل لکھا ہے۔ تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ ان کا نام عبرانی زبان میں شاؤل تھا۔ قرین قیاس یہ ہو کہ طالوت نام نہیں ہو بلکہ صفت ہے لفظ طالوت

طول سے مشتق ہے جو ان کا قد بنی اسرائیل میں سب سے لنبا تھا چنانچہ اسکی تصریح ہمارے مفسرین نے بھی کی ہے اور بائبل میں بھی ہے اسی درازی قد کے سبب سے ان کو طالوت کہا گیا۔

طالوت کا نام ہونا قرین قیاس اسلئے نہیں کہ بائبل سے قرآن کا تطابق ہو جائے بلکہ اسلئے کہ حق تعالیٰ کی عادت کریمہ ایسے مواقع میں اوصاف و علامات ہی کے ذکر کرنے کی ہے نہ اشخاص کا نام بتانے کی سو اور ہونا بھی یہی چاہئے نام کے ذریعہ سے کامل تعیین مقصود کی نہیں ہوتی غیر مقصود کا اشتباہ باقی رہ جاتا ہے کیونکہ وہی نام دوسرے کا بھی ہو سکتا ہے۔ بخلاف اسکے اوصاف و علامات مختصہ کے بیان کرنے سے پوری شناخت مقصود کی ہو جاتی ہے۔ یہی حکمت ہے کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت کتب سابقہ میں اوصاف[1] و علامات ہی کے ذریعے بیان فرمائی نیز آپ کے خلفائے راشدین جنکی خلافت کا وعدہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں ہے ان کی پہچان بھی اوصاف و علامات ہی کے ذریعہ سے کرائی نام کسی کا ذکر نہ فرمایا۔ پس اسی عادت کے مطابق حضرت شمویل سے بھی فرمایا گیا ہو گا کہ بنی اسرائیل میں جو شخص سب سے زیادہ لمبے قد کا ہے وہی خدا کی طرف سے ان کا بادشاہ ہے اسکی تائید تفاسیر سے بھی ہوتی ہے معالم التنزیل میں ہے۔

وذلك ان شمويل سال الله تعالى	اور یہ اسطرح ہوا کہ حضرت شمویل نے اللہ تعالیٰ سے درخواست
ان يبعث لهم ملكا فاتى بعصا وقرن	کی کہ بنی اسرائیل کیلئے کوئی بادشاہ مقرر کر دے تو انکے پاس
فيه الدهن دهن القدس وقيل	ایک عصا لایا گیا اور ایک سینگ جسمیں بیت المقدس
ان صاحبكم الذى يكون طوله	کا تیل تھا اور فرمایا گیا کہ تمہارا بادشاہ وہی ہے

[1] بائبل کی موافقت یا مخالفت قرآن مجید کیلئے کوئی چیز نہیں ہے ہاں قرآن مجید کی موافقت یا مخالفت سے بائبل کو البتہ فائدہ یا نقصان پہنچ سکتا ہے [2] اگر کوئی خیال کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بائبل میں ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے کہ مسیح علیہ السلام نے آپکا نام احمد بتایا تو جواب ہے کہ احمد آپکا ذاتی نام نہیں ہے بلکہ صفاتی نام ہے ذاتی نام آپکا محمد ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ بارک وسلم [3] مثلاً آیت استخلاف میں تین نعمتوں کا حاصل ہونا خلیفہ موعود کی علامت قرار دیا گیا اور آیت استخلاف میں انکی صفت عبادت و عدم شرک ارشاد فرمائی اور آیہ تمکین میں اقامت صلوٰۃ و زکوٰۃ و امر معروف و نہی منکر اور آیہ قتال مرتدین و آیہ معیت میں مسلمانوں سے نرمی کرنا اور کافروں پر سخت ہونا وغیرہ وغیرہ۔

طول ھذہ العصا۔ جسکی لنبائی اس عصا کی برابر ہو۔

نیز اسلئے بھی طالوت کا نام نہونا صحیح معلوم ہوتا ہے کہ انھیں آیتوں میں آگے چل کر اُنکے بادشاہت کی علامت بیان فرمائی گئی ہے قولہ تعالیٰ ان اٰیۃ ملکہ۔ اگر نام کے ذریعہ سے تعیین مراد کردی گئی ہوتی تو علامت بیان کرنے کی کیا حاجت تھی۔

بنی اسرائیل کے خاندانوں میں دو خاندان ایسے تھے کہ ایک میں نبوت چلی آرہی تھی اور ایک میں بادشاہت۔ نبوت کا خاندان لاوی بن یعقوب کی اولاد میں تھا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اسی خاندان سے تھے۔ اور بادشاہت کا خاندان یہودا بن یعقوب کی اولاد میں تھا حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اسی خاندان سے تھے علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام حضرت طالوت ان دونوں خاندانوں میں سے کسی خاندان سے نہ تھے اور پیشہ بھی دباغی یعنی چمڑے کے پکانے کا یا سقائی یعنی پانی بھرنے کا کرتے تھے اسلئے شاہی خاندان کے لوگوں نے انکی بادشاہت پر اعتراض کیا اور اپنا خاندانی استحقاق پیش کرکے اپنے کو زیادہ حقدار بتایا۔ نیز ان کی غربت و افلاس کو بھی موجب طعن قرار دیا حق تعالےٰ نے اس اعتراض کے جواب میں دو باتیں فرمائیں **اوّل** یہ کہ خدا نے ان کو تم پر برگزیدہ کیا ہے یعنی خدا نے ان کو بادشاہت کیلئے انتخاب کیا ہے خدا کا انتخاب غلط نہیں ہوسکتا **دوم** یہ کہ اللہ نے ان کے علم اور جسم میں کشادگی دی ہے علم کی کشادگی سے ظاہر یہ ہے کہ علم حرب[1] و قتال کی وسعت مراد ہو کیونکہ قتال فی سبیل اللہ ہی کے لیے بادشاہ کی درخواست بنی اسرائیل نے کی تھی پس اسی کے متعلق معلومات کا زیادہ ہونا مناسب ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ مطلق علم کی وسعت مراد ہو۔ اور جسم کی کشادگی سے اُن کے اعضا اور قوای جسمانی کا صحیح و سالم ہونا مراد ہو بادشاہت کیلئے اسکی بھی ضرورت ہے اور ہوسکتا ہو کہ انکی قد آوری مراد ہو۔

ان دونوں جوابوں کے بعد حق تعالےٰ نے یہ فرما کر اعتراض کا دروازہ بند کردیا کہ ہمارا ملک ہے ہم جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں۔ یعنے ہمارے قانون میں جسطرح

[1] تفسیر معالم التنزیل میں بعض مفسرین کے اقوال بھی اسی کی تائید میں ہیں کہ علم حرب کی کشادگی مراد ہے۔

نبوت[1] کے لئے کسی خاندان کی تخصیص نہیں اسی طرح خلافت و بادشاہت کیلئے کسی خاندان کی تخصیص نہیں ہے۔ یہ معاملہ صرف ہماری مشیت پر ہے۔

بنی اسرائیل کے اعتراض کا جواب دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفتیں ذکر فرمائیں واسع اور علیم۔ ان دو صفتوں کے اس جگہ ذکر کرنے میں جو لطف ہے وہ ظاہر ہے گویا یہ ارشاد ہوا کہ اپنے انعام کیلئے قیدیں وہ لوگ لگاتے ہیں جن کے خزانے محدود ہوتے ہیں مگر ہم گنجائش والے ہیں ہمکو کسی قید کی حاجت نہیں اور قیدیں وہ لوگ لگاتے ہیں جو ہر شخص کی قابلیت کو نہیں جانتے اپنی لگائی ہوئی قیدوں کے ذریعہ سے قابلیت کو جانچتے ہیں ہمکو اسکی ضرورت نہیں ہم علیم ہیں سب کچھ جانتے ہیں۔

حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا کی فصل ششم میں ان آیات کے تحت میں فرماتے ہیں۔

خدائے تعالیٰ مستخلف ساخت طالوت را و بہ نبی زماں فرمود کہ بعلامت کذا و کذا۔ او را بشناسد و خلافت را بنام او کند دیگر آنکہ بعد استقرار خلافت او بنص شارع سرباز زدن از قبول خلافت او و شکوک واہیہ پیدا کردن در استحسان تقدیم او معصیت ست چنانچہ بنی اسرائیل بروں گفتند انی یکون لہ الملک علینا یعنی طالوت ہر چند از نسب بنی اسرائیل بود لیکن سابقہ در ملک نداشت دباغے بود یا سقائے۔ خدائے تعالیٰ ایں سخن را از ایشاں نہ پسندید و بآں التفات نہ فرمود

خدائے تعالیٰ نے طالوت کو خلیفہ بنایا اور اس زمانہ کے نبی سے فرمایا کہ فلاں فلاں علامت کے ذریعہ سے انکو پہچان لیں اور خلافت کو ان کے حوالہ کر دیں دوسری بات یہ ہے کہ بنص شارع خلافت قائم ہو جانے کے بعد اسکے قبول کرنے سے سرتابی کرنا اور بیہودہ اعتراضات ان کی پیشوائی کے عمدہ ہونے پر کرنا گناہ ہے چنانچہ بنی اسرائیل نے جب کہا کہ ان کو کس طرح ہم پر بادشاہت ہو سکتی ہے یعنی طالوت اگرچہ بنی اسرائیل کے خاندان سے تھے لیکن قدیم الایام سے بادشاہی ان کے گھرانے میں نہ تھی دباغی یا سقائی کا پیشہ کرتے تھے تو خدائے تعالیٰ نے انکی اس بات کو پسند نہ فرمایا اور اسکی طرف توجہ نہ کی۔

[1] قوم یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہی اعتراض کیا تھا کہ نبوت تو بنی اسرائیل میں ہی ہے بنی اسماعیل میں نبی کیسا۔ اللہ تعالیٰ نے اسکا جواب قرآن مجید میں جابجا دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ لوگ حاسد ہیں خدا کی رحمت و بخشش کو مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ اپنی بخشش جسکو چاہتا ہے دیتا ہے اللہ کی رحمت کے خزانوں کے یہ مالک نہیں ہیں لہٰذا انکو کوئی حق اس اعتراض کا نہیں کہ خدا نے اپنی نعمت فلاں کو کیوں دی فلاں کو کیوں نہ دی۔

تابوت جس کا ذکر ان آیات میں ہے ایک صندوق تھا جس میں کچھ تبرکات تھے یہ صندوق بنی اسرائیل کے قبضہ سے نکل گیا تھا۔ قوم عمالقہ نے جب بنی اسرائیل کو شکست دی اور انکے مال و اسباب کو لوٹا اور اُن کو جلاوطن کیا اُس وقت وہ لوگ تابوت کو بھی جو بنی اسرائیل کی بڑی پیاری چیز تھی لیگئے حضرت طالوت کے عہد خلافت میں خدا نے وہ صندوق پھر بنی اسرائیل کو واپس دلایا فرشتے اُٹھا کر بنی اسرائیل کے یہاں رکھ گئے۔ اس صندوق کے مل جانے کو خدا نے طالوت کے منجانب اللہ بادشاہ ہونے کی علامت قرار دیا۔

بنی اسرائیل کے اس قصہ میں حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا بادشاہ کی درخواست کرنا پھر حضرت طالوت کا بادشاہی کے لئے منتخب ہونا اور بنی اسرائیل کا ان پر معترض ہونا بیان کرکے حضرت طالوت کے بادشاہی کے بعد بنی اسرائیل کا دشمن کے مقابلہ پر میدان جنگ میں جانا پھر خدا کی طرف سے ان کی آزمائش کا ہونا پھر کچھ لوگوں کا عین موقع پر بزدلی کرنا پھر ایک چھوٹی سی جماعت کا بڑی فوج پر غالب آنا بیان فرمایا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر پر اس قصہ کو ختم کردیا خاتمہ پر دو تین ارشاد فرمائیں۔

اوّل۔ جہاد فی سبیل اللہ کی حکمت کہ اگر اللہ بعض لوگوں پر بعض کے ذریعہ سے دفع نہ کرے یعنی جہاد کی اجازت نہ دے تو دنیا میں تباہی پھیل جائے معلوم ہوا کہ دنیا کو تباہی اور فساد سے بچانے کا ذریعہ صرف جہاد ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد کی اجازت دینا حق تعالیٰ کی سنت قدیمہ ہے شرائع سابقہ میں بھی اسکا عمل درآمد رہا ہے۔

دوم اس قصہ کا دلیل نبوت ہونا اور اس سے بڑی بڑی تعلیمات کا حاصل ہونا فرمایا کہ ہم حق[1] کے ساتھ ان آیتوں کو نازل کرتے ہیں یعنی اس قصہ کو افسانہ محض سمجھو یا غلط نہ خیال کرو

[1] حق کے معنی سچائی کے بھی ہیں اور فائدہ کے بھی ہیں۔ حق کے مقابل میں باطل کا لفظ ہے۔ باطل کے دو معنی ہیں غلط چیز اور جھوٹی چیز۔ قرآن مجید میں حق و باطل دونوں ہر دو معنی میں مستعمل ہوئے ہیں۔ یہاں دونوں معنی چسپاں ہیں۔ سچائی کے معنی اسلئے چسپاں ہیں کہ عیسائیوں نے اس موقع پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس قصہ کے بعض اجزاء ان کی بعض کتب کے خلاف ہیں حق تعالیٰ نے اسکے جواب میں پہلے ہی فرما دیا کہ جو کچھ قرآن میں ہے وہی سچ ہے۔ اور فائدہ کے معنی ان تعلیمات کے لحاظ سے چسپاں ہیں جو اس قصہ میں ہیں جنکا بیان آئندہ فصل میں انشاء اللہ ہوگا۔

اس قصہ کا دلیل نبوت ہونا اسطور پر ہے کہ یہ قصہ بھی منجملہ اخبار غیب کے ہے اخبار غیب کی دو قسمیں ہیں گذشتہ زمانے کا غیب اور آیندہ زمانے کا غیب یہ قصہ گذشتہ زمانے کا غیب ہے اس قسم کے غیب کا بیان کرنا دلیل نبوت اس وجہ سے قرار دیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے بائبل وغیرہ میں پڑھ کران باتوں کو معلوم نہ کر سکتے تھے نہ عرب کے لوگ ان قصوں سے واقف تھے کہ اُن سے آپ یہ قصے سُن کر معلوم کرتے پس لامحالہ ماننا پڑیگا کہ آپ کو بذریعہ وحی ان قصوں کی اطلاع ہوئی اور یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں ۔

فصل دوم

یوں تو قرآن مجید کے ہر ہر لفظ میں تعلیمات کا ایک دفتر ہے کوئی سادہ سے سادہ لفظ ایسا نہیں جسکو بار بار غائر نظر سے دیکھا جائے اور ہر مرتبہ اُس سے نیا فائدہ نہ حاصل ہو۔ کیوں نہو اسکی شان ہے کتاب لا یفنی عجائبہ ۔ لیکن اس فصل میں چند باتیں جو بالکل ظاہر ہیں بطور نمونہ کے بیان کی جاتی ہیں ۔

(۱) ان آیات میں سب سے بڑی تعلیم یہ ہے کہ صحابہ کرام کو جہاد کی ترغیب دی جا رہی ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ بغیر اسکے کہ کسی شخص کو اپنا بادشاہ بنایا جائے اور اپنی باگ اسکے ہاتھ میں دی جائے یہ کام انجام نہیں پا سکتا ۔

(۲) قولہ من بعد موسیٰ سے ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ جسطرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کے بعد بادشاہ کی ضرورت محسوس کی اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت کو اور صحابہ کرام کو یہ ضرورت پیش آئیگی ۔

یہ اشارہ اُس وقت خوب واضح ہو جاتا ہے جب قرآن مجید میں دیکھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ سے اور آپ کی کتاب[۲] قرآن کی کتاب سے تشبیہ و تمثیل

---

[۱] ترجمہ قرآن ایسی کتاب ہے جس کے عجائب ختم نہیں ہوتے [۲] قولہ تعالیٰ انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا [۳] قولہ تعالیٰ ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماما ورحمۃ وقولہ تعالیٰ کتابا انزل من بعد موسیٰ ۔

دی گئی ہے اور حالات[1] بھی قریب قریب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جیسے آپ پر پیش آگئے اور
چونکہ دونوں میں فرق مراتب بھی تھا اس لیئے کچھ تفاوت بھی حالات میں ہے جو اصلی
تشابہ میں مخل نہیں۔

(۳) قولہ[2] خرجنا سے اشارہ اس بات کیطرف ہے کہ جہاد کی ذمہ داریاں صحابۂ مہاجرین پر
عائد ہونگی انصار انکے تابع ہونگے۔ جہاد کی ذمہ داریوں کے عائد ہونیکا صاف مطلب یہ ہے
کہ بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلافت مہاجرین میں ہوگی۔
یہ اشارہ اچھی طرح روشن ہو جاتا ہے جب آیۂ تمکین میں دیکھا جاتا ہے کہ مہاجرین ہی کو
اجازت جہاد کا مخاطب بنایا گیا اور انکے لئے بعینہ یہی لفظ[3] ارشاد ہوا جو یہاں ہے۔

(۴) قولہ تعالیٰ۔ مبتلیکم بنھر۔ امتحان بالنہر کے ذکر سے یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ دیکھو!
نہر کی طرح اموال دنیا تم پر فراخ کر کے تمہارا امتحان لیا جائیگا۔ خبردار بنی اسرائیل کی طرح مبتلائے
دنیا نہ ہونا ہاں ایک چلو پانی یعنی بقدر گزران کے دنیا سے تمتع حاصل کرنیکی اجازت ہے۔
چنانچہ خلفائے راشدین نے کیسے عظیم الشان فتوحات حاصل کیے اور دنیا کی نعمتیں ان پر
کسقدر فراخ ہوئیں لیکن ان کی حالت وہی رہی جو پہلے تھی خصوصاً شیخین کی حالت تو ضرب المثل
ہے دشمن بھی اسکا اقرار کرتے ہیں۔
حضرت ابوبکر صدیق بادشاہ عرب ہو کر صرف چھ ہزار درم سالانہ وظیفہ لیتے تھے اور بوقت
وفات اپنی ذاتی جائداد بیچکر بیت المال سے جس قدر وظیفہ لیا تھا اسکو بیت المال میں واپس کرنیکا
حکم دیگئے۔ کھانے پینے کا سامان پہننے کا مکان معمولی غریبوں کا سا کفن کیلئے بھی وصیت کر گئے

---

[1] مثلاً ہجرت کہ حضرت موسیٰ نے بھی مصر سے ہجرت کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مصر کے کافر فرعون کے اور اسکے
لشکروں نے حضرت موسیٰ کا تعاقب کیا اور کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب فرعون کو
دیکھ کر گھبرا گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق سفر ہجرت کفار مکہ دیکھ کر مضطرب ہوا حضرت موسیٰ نے اپنے صحابہ کو یہ کہکر
تسکین دی کہ ان معی ربی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دوست کو یہ خوشخبری سنا کر تسلی دی کہ ان اللہ معنا

[2] چنانچہ آیت تمکین میں فرمایا کہ اذن قتال ان لوگوں کو دیا جاتا ہے جن پر ظلم ہوا اور ان ظلموں کو اس لفظ سے تعبیر کیا گیا
الذین اخرجوا من دیارھم یعنی وہ لوگ جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ۱۲

کٹے کپڑے کا نہ حضرت عمر بادشاہ عرب و عجم ہونیکے بعد بھی اکثر روٹی سرکہ کے ساتھ یا سوکھی روٹی پانی میں بھگو کر کھاتے۔ آپ کا کرتہ اکثر پیوند دار ہوتا تھا فتح بیت المقدس کے لئے جب تشریف لیگئے تو پیوند لگا ہوا لباس آپ کے جسم مبارک پر تھا مدینہ منورہ میں اتو انکو تنہا گشت کرتے محتاجوں کیلئے روٹی اور غلہ وغیرہ اپنی پیٹھ پر لاد کر لیجاتے تھے رضی اللہ عنہما وارضاھما۔

(۵) قولہ تعالیٰ تحملہ الملائکۃ اشارہ اس بات کیطرف ہو کہ خدا کی طرف سے جو خلیفہ مسلمانوں کا مقرر ہوگا اسکے منجانب اللہ ہونے کی علامت یہ ہوگی کہ اسکے ہاتھ سے کام ایسا انجام پاوینگے جو انسانی دسترس سے باہر ہونگے چنانچہ شیخین کی خلافت میں بیسیوں کام ایسے ہوئے جس کا جی چاہے فتوح شام وعراق کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لے جزئی جزئی واقعات تو بہت ہیں کہاں تک بیان کیے جائیں صرف روم وایران کی سلطنتوں کا چند عربوں کے ہاتھ سے زیر وزبر ہو جانا ہی ایک ایسی چیز ہے کہ خیال کرو تو بلا شبہ غیبی تائید تم کو آنکھوں سے نظر آجائے حضرت شیخ ازالۃ الخفا میں حضرت فاروق اعظم کی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"سعی حضرت فاروق دریں امر روپوشے بیش نبود ظہور اراده حق را عز وعلا دلنعم ما قیل سہ این ہمہ مستی و بیہوشی نہ حد بادہ بود + با حریفاں انچہ کرد آں نرگس مستانہ کرد + واین معنی را قرائن بسیار است بمجرد ملاحظہ آں قرائن حدس قوی بآں وجہ حاصل میشود یکے ازاں قرائن این است کہ سرایں دو دولت (یعنی روم وایران) مستقرہ ممتدہ از مدت چہار صد سال با آں ہمہ عدد و ردلاوری و سپہ سالاری دریں مدت قلیلہ از دست عرب باایں سامانے کہ داشتند ہرگز مثل آں ہیچ گاہ متحقق نشد ونخواہد شد نہ در زمان سکندر ذوالقرنین و نہ در وقت ترکان چنگیزیہ و نہ در ایام تیموریہ۔ بر متتبعان فن تاریخ پوشیدہ نیست کہ فتح بلاد ہر چند مساعدت بخت غالب باشد و اسباب ہمہ مہیا بود بے مار و غایتے وانچہ در خلافت حضرت فاروق از فتوح حاصل شد فائت از حد غایت است در میان کشور کشائی حضرت فاروق رضی اللہ عنہ و کشور کشائی جمعے کہ قبل ازوی بودند وبعد از وے آمدند فرقے مبین ست زیرا کہ در عرب بادشاہی و کشورستانی و فوج کشی نبود و رسوم سپاہیاں رانمی دانستند و مقابلہ کسری و قیصر بخاطر ایشاں گزشتن چہ احتمال حضرت فاروق صنعت فروسیت را بردم آموخت ولشکرہا ساخت و خوف کہ در دلہائے ایشاں بود انداخت و جمعے کہ بعد از

حضرت عمر فوج کشی کردند از فوج آمادہ و مستعد کار گرفتند و چیزیکہ رسوم آں علوم و قواعد آں ممد بود
با تمام رسانیدند و شستان ما بینہما چناں محسوس میشود کہ در عہد حضرت فاروق تائید الٰہی و نصرت
غیبی از آسمان می بارید اخرج الحاکم عن حذیفۃ انہ قال کان الاسلام فی زمان عمر
کالرجل المقبل لا یزداد الا قربا فلما قتل کان کالرجل المدبر لا یزداد الا بعدا۔

(۶) قولہ تعالیٰ فئۃ قلیلۃ: صحابہ کرام کو فارس اور روم کے جنود مجندہ پر فتح پانے کی خوشخبری
سنائی گئی ہے اور یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اپنی قلت اور دشمن کی کثرت سے کبھی ہراسان نہونا۔

(۷) قولہ تعالیٰ ربنا افرغ علینا صبرا۔ علاوہ تعلیم صبر کے یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ دشمن سے
مقابلہ کے وقت بھی خدا کو نہ بھولنا اور تدابیر ظاہری سے زیادہ رجوع الی اللہ میں ثابت قدم
رہنا اور اسی کو مدار کامیابی سمجھنا۔

دوسری آیت میں یہ تعلیم جو یہاں اشارۃً نکل رہی ہے صراحۃً مذکور ہے۔ قال اللہ تعالےٰ
یا ایہا الذین آمنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون۔
ترجمہ۔ اے ایمان والو جب تم کسی گروہ کے مقابلہ پر جاؤ تو ثابت قدم رہو اور اللہ کی
ذکر کی کثرت کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔

(۸) قولہ تعالےٰ ولولا دفع اللہ الناس۔ یہ مضمون بنی اسرائیل کے قصے سے جدا ہوا اسکا
مقصود صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ مومنین صالحین کو آلہ مدافعت کفار بنانا
حق تعالیٰ کی سنت دائمی ہے۔

یہ مضمون قرآن مجید میں کئی جگہ ہے ازانجملہ آیت تمکین کے شروع میں خاص کر صحابہ
مہاجرین کو خوشخبری سنائی کہ ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا۔ ان سب آیتوں کے ملانے
سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جس خلیفہ کے ہاتھ سے مدافعت کفار کا کام زیادہ ہوا وہ خدا کی مراد کا
آلہ اور خدا کا ناصر و منصور ہے ظاہر ہے کہ یہ صفت تینوں خلیفہ میں خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ

لہ ترجمہ بتحقیق اللہ ایمان والوں کیطرف سے خود مدافعت کرتا ہے۔ آیت تمکین کی تفسیر شائع ہو چکی ہے۔ اس سے
قبل علی الاتصال آیت ہے انشاء اللہ عنقریب اسکی تفسیر شائع ہوگی اور اس مضمون کی آیتوں کو یکجا کر کے خلفائے
رضی اللہ عنہم کا خلیفہ برحق اور خدا کا ناصر و منصور ہونا اچھی طرح واضح کیا جائیگا۔

ذات والا میں ایسی کامل تھی کہ کوئی بے حیا دشمن بھی انکار نہیں کر سکتا۔

فصل سوم

قرآن مجید میں کوئی قصہ افسانہ محض کے طور پر بیان نہیں ہوا بلکہ ہر قصے کے ضمن میں کچھ تعلیمات اسلامیت کی مقصود ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے بیان قصص میں تسلسل واقعات کا لحاظ رکھا ہے نہ قصہ کے غیر ضروری اجزا کو بیان فرمایا ہے۔ خاص کر یہ قصہ بنی اسرائیل کا جس کے متعلق بڑے زور کے ساتھ تنبیہ فرمائی کہ نتلوھا علیك بالحق۔ یعنی اس قصہ میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں افسانہ محض کس طرح ہو سکتا ہے۔

اس قصے سے خلافت و امامت کے چند اہم مسائل کا فیصلہ ہوتا ہے اور اہل سنت کا حق پر ہونا اور شیعوں کا مبتلائے باطل ہونا خوب ظاہر ہو جاتا ہے۔ واقعی قرآن مجید کا ایک ایک حرف مذہب شیعہ کو اعلان جنگ دے رہا ہے کہ فاذنوا بحرب من اللہ۔ اور کیوں نہ ہو جب خدا نے فرشتوں کے دشمن سے اپنی عداوت بیان فرمائی ہے تو اپنے کلام پاک کے دشمنوں سے اپنی عداوت کا اظہار کیوں نہ فرمائے۔

اب وہ مسائل بچشم عبرت و بصیرت دیکھو۔

مسئلہ (۱) مسلمانوں کے لئے ہر زمانے میں اسلامی بادشاہ نہایت ضروری ہے۔ ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے نبی کے ہوتے ہوئے بھی بادشاہ کا تقرر منظور فرمایا اور کفار کے مظالم سے نجات پانا اور زمین کا فساد سے پاک ہونا بغیر بادشاہ کے غیر ممکن قرار دیا۔

ف انبیاء دو قسم کے ہوئے ہیں بعض کو نبوت کے ساتھ بادشاہی بھی ملی جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور ہمارے نبی کریم علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام اور بعض کو صرف نبوت دی گئی جیسے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام۔ قسم اول کے نبیوں کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا بادشاہ نہیں ہو سکتا مگر قسم دوم کے نبیوں کے ہوتے ہوئے بھی بادشاہ کا ہونا ضروری ہے حضرت شمویل دوسرے ہی قسم کے نبی تھے۔

مسئلہ (۲) خلافت اور امامت اور ملک یعنی بادشاہت ایک چیز ہے ان آیتوں میں حق تعالیٰ

نے حضرت طالوت کو ملک یعنی بادشاہ فرمایا حالانکہ وہ دینی حاکم اور مبعوث من اللہ تھے ۔

ف اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ خلافت اور امامت اور بادشاہت ایک چیز ہے ۔ جو بادشاہ نہ ہو اس کو نہ خلیفہ کہا جاسکتا ہے نہ امام ۔ جن اکابر کو بوجہ کسی کمال کے امام کہا جاتا ہے وہ ایک طرح کا مجاز ہے گویا یہ کہا جاتا ہے کہ ان کا کمال اس حد کو پہونچا ہوا ہے کہ انکی بات اس کمال کے متعلقات میں اسطرح مانی جاتی ہے جیسے امام کی بات ۔

عام بادشاہت اور خلافت وامامت کی بادشاہت میں فرق صرف یہ ہے کہ خلافت اس بادشاہت کو کہتے ہیں جو بہ نیابت پیغمبر دین کے قائم رکھنے خصوصًا فرائض جہاد کی انجام دہی کیلئے ہو جو بادشاہت دنیاوی اور نفسانی اغراض کیلئے ہو اسکو خلافت وامامت نہیں کہتے ۔

پھر خلافت کی بھی دو قسمیں ہیں عادلہ اور جائرہ عادلہ کی بھی دو قسمیں ہیں راشدہ اور عامہ راشدہ کی بھی دو قسمیں ہیں خاصہ اور غیر خاصہ ۔ ان سب اقسام خلافت کی تعریف اور انکے شرائط کتاب مستطاب ازالۃ الخفا میں ملینگے فانہ عدیم النظیر فی ھذا الباب ۔

مسئلہ (۳) خلافت وامامت کا مقصد اعظم مسلمانوں کی سیاسات کا شرعی طور پر انتظام خصوصًا جہاد وقتال فی سبیل اللہ ہے جیسا کہ ان آیات میں ملکا نقاتل فی سبیل اللہ کے لفظ سے ظاہر ہے ۔ لہٰذا اس مقصد کیلئے جن اوصاف کی ضرورت ہے وہی اوصاف خلیفہ کے لئے ضروری ہیں انکے علاوہ کسی اور صفت کی ضرورت نہیں ہے ۔

ف شیعہ کہتے ہیں کہ خلافت وامامت کا مقصد وہی ہے جو نبوت کا ہے ۔ امام کا کام یہ ہے کہ نبی کیطرح خدا کے احکام بندوں تک پہونچائے اور بالکل نبی کی طرح انکو ہدایت کرے ۔ اسی لئے وہ بڑی بڑی شرطیں امام کے لیے تجویز کرتے ہیں از انجملہ یہ کہ نبی کیطرح اسکو معصوم ہونا چاہیے[۱] ۔

---

[۱] چنانچہ شیعوں کے علامہ باقر مجلسی حیات القلوب جلد اول صفحہ ۱۰ میں لکھتے ہیں ۔

چوں غرض از بعثت ایشاں این ست کہ مردم اطاعت نمایند وہر چہ از اوامر ونواہی الٰہی بایشاں فرمایند امتثال کنند اگر معصوم یا محفوظ نگرداند ایشاں را منافی غرض از بعثت خواہد بود در ہر حکم روا نیست کہ فعلے کنند کہ منافی غرض او باشد ۔

چونکہ ائمہ کے مبعوث ہونیکی غرض یہ ہے کہ لوگ انکی اطاعت کریں اور جو کچھ خدا کے احکام لوگوں سے بیان فرمائیں لوگ انکو بجالائیں لہٰذا اگر خدا انکو معصوم یا محفوظ نہ بنائے تو جو غرض انکی بعثت سے ہے اسکے خلاف ہوگا اور حکیم کیلئے جائز نہیں ہے کہ کوئی ایسا فعل کرے جو اسکی غرض کے خلاف ہو ۔

تاکہ بندوں پر اسکی اطاعت بھی بالکل نبی کی اطاعت کے مانند فرض ہو۔

اسیوجہ سے شیعہ ان بارہ اشخاص کو جنکو دوازدہ امام کہتے ہیں معصوم اور نہ صرف معصوم بلکہ تمام بزرگیوں میں ہر صفت اور ہر کمال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل[1] کہتے ہیں اور تحلیل و تحریم کا اختیار بھی ان کو مرحمت ہو۔

[1] شیعوں کی سب سے بڑی کتاب اصول کافی مطبوعہ نولکشور کے صفحہ ۱۱۱ میں ہے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ما جاء بہ علی اخذ بہ وما نہی عنہ انتہی منہ جری لہ من الفضل مثل ما جری لمحمد ولمحمد الفضل علی جمیع من خلق اللہ عزوجل المتعقب علیہ فی شیء من احکامہ کالمتعقب علی اللہ وعلی رسولہ والراد علیہ فی صغیرۃ او کبیرۃ علی حد الشرک باللہ کان امیر المومنین باب اللہ الذی لا یوتی الا منہ وسبیلہ الذی من سلک بغیرہ یہلک وکذلک یجری لائمۃ الہدی واحد بعد واحد۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے وہ فرماتے تھے کہ علی جو احکام لائے ہیں میں انپر عمل کرتا ہوں اور وہ جس کام سے منع کرتے ہیں اُس سے باز رہتا ہوں۔ اُنکی بزرگی مثل اُس بزرگی کے ہے جو محمد کو حاصل ہے اور محمد کو تمام مخلوق خدا پر بزرگی ہے علی پر اعتراض کرنے والا ان کے کسی حکم کے متعلق مثل اُس شخص کے ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر اعتراض کرے۔ اور علی کا رد کرنے والا جھوٹی بات میں یا بڑی بات میں ایسا ہی جیسے اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا۔ امیر المومنین اللہ کا دروازہ تھے خدا تک رسائی بغیر اُن کے نہیں ہو سکتی اور اللہ کا راستہ تھے جو شخص کسی اور راستہ پر چلے گا وہ ہلاک ہوگا اور یہی بزرگی ہے تمام ائمہ ہدیٰ یعنی بارہ اماموں کی یکے بعد دیگرے۔

[2] اصول کافی صفحہ ۲۰۰ کے آخر اور صفحہ ۲۰۹ کے شروع میں ہے۔

عن محمد بن سنان قال کنت عند ابی جعفر الثانی علیہ السلام فاجریت اختلاف الشیعۃ فقال یا محمد ان اللہ تعالیٰ لم یزل متفردا بوحدانیتہ ثم خلق محمدا وعلیا وفاطمۃ فمکثوا الف دہر ثم خلق جمیع الخلق فاشہدہم خلقہا واجری طاعتہم علیہا وفوض امورہا الیہم فہم یحلون ما یشاءون ویحرمون ما یشاءون۔

محمد بن سنان سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں امام تقی علیہ السلام کے پاس تھا۔ میں نے شیعوں کے باہمی اختلاف کا ذکر چھیڑ دیا تو امام نے فرمایا اے محمد اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت کے ساتھ ہمیشہ تنہا رہا پھر اس نے محمد اور علی اور فاطمہ کو پیدا کیا یہ لوگ ہزار قرن اسی حال میں رہے پھر خدا نے تمام مخلوق کو پیدا کیا اور انکو اپنی خلقت پر گواہ بنایا اور انکی اطاعت سب پر فرض کی اور مخلوق کے کام انکے سپرد کر دئے پس وہ جس چیز کو چاہتے ہیں حلال کر دیتے ہیں۔ اور جس چیز کو چاہتے ہیں حرام کر دیتے ہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ شیعوں کا باہمی اختلاف کوئی گھبرانے کی بات نہیں کیونکہ یہ اختلاف ائمہ کے فتووں سے ہوا ہے اور ائمہ کے خود انکا اختلاف اس سبب سے ہے کہ خدا نے انکو اختیار دیا ہے کہ جو چاہیں حلال کر دیں جو چاہیں حرام کر دیں ہو

ثابت کرتے ہیں یعنی جس چیز کو یہ ائمہ چاہیں حلال کر دیں جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں۔

مسئلہ (۴) امامت و خلافت فروعات دین سے ہے یہ مسئلہ بھی ملکا نقاتل فی سبیل اللہ سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ امام کی ضرورت احکام خداوندی کے معلوم کرنے کیلئے نہیں ہے بلکہ قتال فی سبیل اللہ جو بندوں کا اپنا فرض تھا اسکی انجام دہی کیلئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام پر ایمان لانا مقصود اصلی نہیں ہے ورنہ حضرت شموئیل پیغمبر کے ہوتے ہوئے حضرت طالوت کی کیا ضرورت تھی۔

ف اہلسنت کہتے ہیں اصول دین صرف تین ہیں توحید و رسالت و قیامت۔ انھیں تینوں عقیدوں کا ماننا مقصود اصلی ہے باقی سب فروعات ہیں یہ تینوں عقیدے قرآن شریف میں بڑی صراحت سے مذکور ہیں اور بڑی تاکید کے ساتھ انکا حکم دیا گیا ہے۔

شیعہ کہتے ہیں اصول دین پانچ ہیں تینوں مذکورہ بالا عقائد کے ساتھ وہ امامت اور عدل کا بھی اضافہ کرتے ہیں بلکہ انھوں نے توحید و رسالت کو تو برائے نام محض اسلئے رکھا ہے کہ مسلمانوں کے فرقوں میں انکا شمار ہو سکے ورنہ تمامتر انکا زور طبیعت مسئلہ امامت پر صرف ہوا ہے اسی وجہ سے وہ اپنے کو امامیہ کہتے ہیں مسئلہ امامت پر اسقدر زور دینے کا مقصد اور نتیجہ سوا اسکے کچھ نہیں ہے کہ نبوت کی عظمت لوگوں کے دلوں سے کم ہو جائے اور ظاہر ہے کہ دین الٰہی کی بنیاد حضرات انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و جلالت ہی پر ہے مگر یہ دونوں عقیدے قرآن شریف میں کہیں نہیں بیان فرمائے گئے اور نہ کسی متواتر حدیث سے ثابت ہیں بلکہ آیات قرآنیہ سے صاف ظاہر ہے کہ امام کی ضرورت صرف چند اعمال کی انجام دہی کیلئے ہے ورنہ امامت مقصود اصلی چیز نہیں ہے۔

مسئلہ (۵) خلافت کسی خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں نہ اُس میں وراثت کو دخل ہے نہ دولتمندی کو بلکہ اسمیں ذاتی قابلیت اور مقصد خلافت کے انجام دہی کی قوت کا لحاظ کرنا چاہیے۔

ف شیعہ کہتے ہیں کہ خلافت خاندان بنی ہاشم کیلئے مخصوص ہے اور بنی ہاشم میں بھی علی اور اولاد علی کیلئے اور اولاد علی میں بھی حسن اور حسین کیلئے اور ان کے بعد صرف حسین کی اولاد کیلئے تخصیص در تخصیص

لہ چنانچہ مرزا صول کافی کی کتاب الحجہ کو اگر کوئی شخص دیکھے تو یہ بات معلوم ہو سکتی ہے نبی و رسول کیلئے تو ایک باب بھی نہیں ہے امام کیلئے البتہ صدہا ابواب ہیں ۱۲ قرشیت کی شرط بھی محض ایک وقتی مصلحت کے لحاظ سے تھی جیسے نکاح میں کفاءت کی شرط شارع کو مقصود نہیں ہے مگر مصلحۃً بلحاظ طبائع عامہ رکھی گئی ہے

ہوتے ہوتے صرف بارہ شخصوں میں انھوں نے امامت وخلافت کو منحصر کر دیا ہے۔

مگر یہ آیتیں ۔ صاف بتلا رہی ہیں کہ امامت وخلافت کے لیے اس قسم کی تخصیصات کرنا بیہودہ اور نہ روش ہے۔

مسالہ (۶) خلیفہ وامام کا مقرر کرنا خدا کے ذمہ نہیں ہے بلکہ بندوں کے ذمہ ہے اسلئے کہ جب ان آیات سے یہ معلوم ہو گیا کہ امامت مقصود اصلی نہیں ہے بلکہ اس کی ضرورت قتال فی سبیل اللہ کے لیے ہے اور قتال فی سبیل اللہ بندوں پر فرض ہے لہذا اس فرض کا ادا کرنا جس چیز پر موقوف ہے اس چیز کا بہم پہونچانا بھی بندوں پر فرض ہونا چاہیے جسطرح جماعت کے ساتھ نماز کا ادا کرنا بندوں کے ذمہ ہے لہذا بالاتفاق امام کا مقرر کرنا بھی بندوں کے ذمہ ہے۔ اور جسطرح ادائے نماز کے لئے وضو یا غسل کرنا بندوں پر فرض ہے لہذا پانی کا بہم پہونچانا بھی انھیں کے ذمہ فرض ہوا اور جس طرح ستر عورت بندوں پر فرض ہے لہذا کپڑے یا اور کسی ساتر کا فراہم کرنا بھی انھیں پر فرض ہوا۔

ف شیعہ کہتے ہیں کہ امام کا مقرر کرنا خدا کے ذمہ ہے جس طرح بندے کسی کو نبی نہیں بنا سکتے اسی طرح کسی کو امام بھی نہیں بنا سکتے اور کہتے ہیں کہ عصمت ایک باطنی چیز ہے جسکو خدا کے سوا کوئی نہیں جان سکتا بندوں کو کیا پتہ کہ کون معصوم ہے کون غیر معصوم اور غیر معصوم کو امام بنانے میں تمام اُمت کے گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہے کیونکہ غیر معصوم سے خطا ممکن ہے اور امام کی اطاعت ہر چیز میں ضروری ہے لہذا خطا میں بھی اسکی اطاعت کیجائیگی جو صریح گمراہی ہے۔

جواب ۔ اسکا یہ ہے کہ امام کا معصوم ہونا ہرگز ضروری نہیں نہ امام کی اطاعت ہر امر میں ضروری ہے بلکہ صرف انھیں امور میں اسکی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے جو قرآن اور سنت کے مطابق ہوں آیت اولی الامر میں جسکی تفسیر شائع ہو چکی ہے یہ مضمون بوضاحت بیان ہو چکا ہے امامت کا مثل نبوت ہونا بھی مسلمانوں کا مذہب نہیں ہے۔

اور اگر غیر معصوم کی اتباع میں کچھ دور از کار خطرات نکالے جائیں تو چاہیئے کہ سب سے زیادہ نماز میں اسکا لحاظ کیا جائے جو دین کا رکن اعظم ہے اور امام نماز کے لئے معصوم ہونے کی

شرط لگائی جائے اور ساری دنیا کے لئے ہر ہر مسجد ہر ہر گاؤں کے لئے ہر ہر زمانے کے لئے جس قدر بے تعداد امام نماز ہو چکے اور قیامت تک ہونگے سب کو معصوم اور خدا کی طرف سے مقرر کیا ہوا مانا جائے کیونکہ غیر معصوم کے پیچھے نماز پڑھنے میں اس قسم کے ہزاروں خطرات ہیں کہ اس نے عمداً یا سہواً بغیر طہارت نماز پڑھا دی ہو کوئی اور مفسد نماز اس سے صادر ہو گیا ہو کوئی کافر تقیہ کر کے مسلمان بنکر امام نماز بنگیا ہو وغیرہ وغیرہ شیعوں کو بھی اس مفروضہ مسائل کے نباہنے کے لئے بہت کچھ باتیں تصنیف کرنی پڑیں منجملہ ازانجملہ یہ کہ قیامت تک بارہ امام خدا کی طرف سے مقرر کیے ہوئے ان کو فرض کرنا پڑے اور بارھویں امام کو صدیوں سے ایک غار میں زندہ فرض کرنا پڑا۔

شیعوں کو اپنے مفروضہ مسئلہ امامت اور دوازدہ امام کے متعلق قدرت سے لڑائی کرنی پڑی اور اس لڑائی میں ایسی بے نظیر شکست اور ایسی بے مثال ہزیمت انکو ہوئی کہ کوئی دوسرا فرقہ ہرگز اسکی برداشت نہ کر سکتا تھا یقیناً وہ ایسے مذہب کو فوراً ترک کر دیتا جسکی تکذیب نہ لیل قدرت کر رہی ہے

ہم یہ نہیں کہتے کہ کسی کا ہزاروں برس زندہ رہنا قدرت خداوندی کے لحاظ سے ناممکن ہے نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص کہیں مہجور اور خدا اسکو اپنی قدرت سے لوگوں کی نظر سے پوشیدہ کر دے کہ کوئی اسکو دیکھ نہ سکے یہ بات عقل کے خلاف ہے۔ ہمیں اس بات کا اقرار ہے کہ یہ سب امور بطور خرق عادت کے ہو سکتے ہیں اور ہوئے ہیں۔

بلکہ ہم کہتے ہیں کہ امام کا اس طرح مدت دراز تک غائب رہنا کہ نہ اس سے کوئی مل سکتا ہے اور نہ اس نے کسی کو ہدایت ملتی ہے نہ کوئی دینی انتظام اچھا یا برا وہ کر سکتا ہے یہ بات تو شیعوں کے مفروضہ مقاصد امامت کے بھی خلاف ہے ایسے امام کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اسی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ شیعوں کے مسائلہ امامت کو قدرت نے غلط کر دیا اور اب اس خانہ ساز امامت کو ماننا قدرت سے کھلم کھلا جنگ کرنا ہے۔

اگر کوئی شیعہ کہے کہ امام غائب کے احکام بذریعہ سفیروں کے اور نیز دوسرے عجیب غریب ذرائع سے غیبت صغریٰ کے زمانے میں ہمکو ملا کرتے تھے جواب بھی بذریعہ روایات کے ہمارے پاس موجود ہیں نیز دوسرے ائمہ کے احکام اور انکی تعلیمات ہماری روایتوں میں

موجود ہیں لہٰذا امام کا وجود بیکار ہوا۔

تو جواب اس کا یہ ہے کہ جب روایتوں ہی پر مدار ٹھہرا تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی متعدد تعلیمات جو بڑی تعداد وتنقید اور بڑی حفاظت کے ساتھ اہل اسلام کے پاس موجود ہیں جن میں سب سے بڑی چیز قرآن مجید ہے جو متواتر ہے ان تعلیمات میں کیا کمی ہے جو کسی امام غائب کی ہمکو ضرورت ہو۔

خدا کے لئے شیعہ اس مسألہ پر غور کریں اور تعصب سے خالی ہو کر ٹھنڈے دل سے اسکو سوچیں تو ان کو مذہب شیعہ کا بطلان روز روشن کی طرح نظر آجائے۔

شیعہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ جب دنیا میں فرمان بردار بندوں کی تعداد چالیس تک پہنچ جائیگی تو امام غائب ظاہر ہو جائیں گے اور دین کی باگ اپنے ہاتھ میں لیں گے۔

مسألہ (۷) خلیفہ کا اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شمویل نبی کے ہوتے ہوئے طالوت خلیفہ بنائے گئے اور ظاہر ہے کہ غیر نبی نبی سے افضل نہیں ہو سکتا۔

بخلاف شیعہ کہتے ہیں کہ خلیفہ یعنی امام کو اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا چاہیئے۔ نیز وہ غیر نبی کو نبی سے افضل ہونا بھی جائز قرار دیتے ہیں اسی وجہ سے علی الاعلان ائمہ اثنا عشر کو تمام انبیاء سے افضل اور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کا مماثل اور ہمسر کہتے ہیں۔

مسألہ (۸) منجانب شرع کسی کی خلافت قائم ہو جانے کے بعد اسکی خلافت پر بہبود

---

[1] بعض علمائے شیعہ کی تحریرات میں مثل حائری صاحب مجتہد پنجاب کے دیکھا گیا کہ وہ حضرت پیر کو بے تکلف کہتے ہیں کہ غیر نبی کا نبی سے افضل ہونا بالکل صحیح بات ہے کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہوتی ان لوگوں کی جرأت قابل تعریف ہے یہ مسألہ ایسا ہی کہ مسلمانوں کے کسی فرقہ نے اس کا خلاف نہیں کیا۔ احادیث تو اس کے متعلق بہت ہیں مگر ہم نے اس مسألہ کو ایسا طے کر دیا ہے کہ جس نے قرآن شریف کو دیکھا ہے وہ خوب جانتا ہو کہ غیر نبی کا نبی سے افضل ہونا تعلیم قرآنی کے قطعاً خلاف ہے قرآن مجید نے جو شان نبیوں کی بیان کی ہے وہ کسی گروہ کی نہیں بیان کی نبیوں کے سوا کسی کو واجب الاطاعۃ نہیں قرار دیا نبیوں میں تفریق کی ممانعت فرمائی یہ بھی فرمایا کہ نبیوں میں بعض کو بعض پر فضیلت ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ غیر نبی پر فضیلت نہیں ہے انشاء اللہ اس مسألہ کے متعلق مستقل رسالہ لکھ کر اسمیں تمام آیات قرآنیہ جمع کر دی جائیں گی۔

اعتراض کرنا اور اُسکے مقابلہ میں اپنے کو حق دار کہنا گناہ ہے۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا اعتراض اور اس اعتراض پر اپنی ناخوشی کا اظہار اسی لیے بیان فرمایا۔

مسئلہ (۹) رعیت پر واجب ہے کہ خلیفہ کے احکام کی اطاعت کرے چنانچہ حضرت طالوت نے نہر کا پانی پینے کو منع کیا اور جن لوگوں نے اُن کے اس حکم کو نہیں مانا حق تعالیٰ نے ان کو پسند نہ فرمایا اب رہی یہ بات کہ خلیفہ اگر خلاف شریعت حکم دے تو یہ بات آیت اولی الامر میں بیان فرمائی گئی کہ خلاف شرع احکام کی اطاعت لازم نہیں۔

مسئلہ (۱۰) خلیفہ پر لازم ہے کہ رعیت کو طاقت سے زیادہ حکم نہ دے چنانچہ حضرت طالوت نے پانی پینے کی ممانعت کے ساتھ ایک چلو پانی کی اجازت دیدی۔

فصل چہارم

شیعہ جن بارہ حضرات کو ائمہ اثنا عشر کہتے ہیں ان میں سوا حضرت علی مرتضیٰ کے کسی کو امامت و خلافت نہیں ملی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ملی تھی لیکن انہوں نے چھ مہینے کے بعد ترک کردی لہٰذا سوا حضرت علی کے کسی کو امام کہنا بایں معنی صحیح نہیں ہو سکتا۔

حضرت علی مرتضیٰ نے کبھی اپنے معصوم ہونے کا یا تمام صحابہ سے افضل ہونے کا دعویٰ نہیں کیا نہ کبھی اپنے لیے نص کا دعویٰ کیا نہ یہ کہا کہ منجانب اللہ لوگوں پر میری اطاعت مثل انبیا کے فرض ہے یہ سب باتیں شیعوں نے ان کی طرف منسوب کیں جن سے وہ قطعاً بری ہیں۔

بالکل اسی طرح کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر افترا کر کے ان کو خدا اور خدا کا بیٹا بنادیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے قطعاً بری ہیں۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم حضرت علی کو خبر دے گئے تھے کہ جسطرح عیسیٰ کے متعلق دو گروہ ہلاک ہوئے ایک وہ جس نے انکی نسبت غلو کیا حتی کہ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا بنادیا اور ایک وہ جسنے اُنسے بغض رکھا اور اُن کی تنقیص و توہین کی اسیطرح تمہارے متعلق بھی دو گروہ ہلاک ہونگے غلو کرنیوالا بھی اور بغض رکھنے والا بھی غلو کرنیوالے روافض ہیں جو نصاریٰ سے مشابہت رکھتے ہیں اور بغض رکھنے والے نواصب ہیں جو یہود سے مشابہت رکھتے ہیں اور ان دونوں کے

درمیان اہل سنت وجماعت میں۔ یہ حدیث شیعوں کی کتابوں میں بھی الفاظ مختلفہ موجود ہے
حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر جو افترا شیعوں نے کیا ہے اُس کا کوئی ثبوت اُن کے پاس مکڑی کے جالے کی برابر بھی نہیں ہے۔ بخلاف اسکے حضرت علی مرتضیٰ سے وہ باتیں متواتر منقول ہیں جن سے مذہب شیعہ کی قرار واقعی بیخ کنی ہوتی ہے۔ مثلاً اپنے زمانۂ خلافت میں انکا یہ فرمانا کہ خیر الامۃ بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر جس کو اسّی آدمیوں نے ان سے روایت کیا وغیرہ وغیرہ۔

شیعہ بھی حضرت علی کی ان باتوں کا انکار نہیں کرتے نہ کر سکتے ہیں بلکہ اُن کا سب سے اعلیٰ جواب یہ ہے کہ حضرت علی نے یہ باتیں تقیہ میں کہیں وہ اپنے زمانۂ خلافت میں بھی تقیہ کیا کرتے تھے اور اپنے اصلی مذہب کے اظہار پر قادر نہ تھے۔ لیکن اگر ہم حضرت علی کو ایسا تقیہ باز مان لیں تو پھر انکے مسلمان ہونے کا ثبوت محال ہو جائیگا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

آیات ملک طالوت سے جو مسائل خلافت کے مستنبط ہوتے ہیں جنکو ہم تیسری فصل میں بیان کر چکے۔ یہ سب مسائل بالکل اہل سنت کے مطابق خود شیعوں کی کتابوں میں حضرت علی مرتضیٰ سے منقول ہیں چنانچہ صرف نہج البلاغہ سے ہم چند اقتباسات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

---

[۱] نہج البلاغہ قسم اول صفحہ ۶۰ میں ہے۔

وَسَیَهلِکُ فِی صِنفَانِ مُحِبٌّ مُفرِطٌ یَذهَبُ بِهِ الحُبُّ اِلٰی غَیرِ الحَقِّ وَمُبغِضٌ مُفرِطٌ یَذهَبُ بِهِ البُغضُ اِلٰی غَیرِ الحَقِّ وَخَیرُ النَّاسِ فِی حَالًا النَّمَطُ الاَوسَطُ فَالزَمُوهُ والزموا السواد الاعظم فان ید اللہ علی الجماعۃ وایاکم والفرقۃ فان الشاذ من الناس للشیطان کما ان الشاذ من الغنم للذئب۔

اور میرے متعلق دو گروہ ہلاک ہونگے ایک زیادہ محبت کرنیوالا جسکو دشمنی خلاف حق کی طرف لیجائیگی اور میرے متعلق جسکو دشمنی خلاف حق کی طرف لیجائیگی اور میرے متعلق سب سے بہتر درمیانی راہ ہے لہذا تم لوگ اسکو لازم کرلو اور بڑی جماعت کے ساتھ رہو اسلئے کہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے خبردار بڑی جماعت سے علیحدہ نہو کیونکہ جو شخص لوگوں سے علیحدہ ہوتا ہے وہ شیطان کا شکار ہوتا ہے جسطرح گلہ سے علیحدہ ہو جانیوالی بکری بھیڑیے کا لقمہ بنتی ہے۔

شیعہ اگر انصاف کریں تو انکے مذہب کے ابطال اور مذہب اہلسنت کے احقاق کیواسطے حضرت علی مرتضیٰ کا یہی کلام کافی ہے

(۱) نہج البلاغہ قسم اول صفحہ ۱۰ میں ہے

ومن كلام له عليه السلام فى الخوارج لما سمع قولهم لا حكم الا لله قال عليه السلام كلمة حق يراد بها الباطل. نعم انه لا حكم الا لله ولكن هؤلاء يقولون لا امرة الا لله وانه لا بد للناس من امير بر او فاجر يعمل فى امرته المؤمن ويستمتع فيها الكافر ويبلغ الله فيها الاجل ويقاتل به العدو وتامن به السبل ويوخذ للضعيف من القوى حتى يستريح بر ويستراح من فاجر۔

جناب امیر علیہ السلام کا کلام ہے خوارج کے متعلق جب آپنے اُن کا یہ قول سنا کہ حکومت سوا اللہ کے کسی کی نہیں تو فرمایا کہ یہ سچی بات ہے مگر اسکی مراد غلط بیان کی جاتی ہے ہاں بیشک حکومت سوا اللہ کے کسی کی نہیں لیکن خوارج کی مراد یہ ہے کہ امارت سوا اللہ کے کسی کی نہیں حالانکہ لوگوں کیلئے ایک امیر ضروری ہے نیکوکار ہو یا بدکار کہ اسکے ماتحت مومن کام کرسکے اور کافر بھی فائدہ اُٹھا سکے اور اللہ اسی میں مدت کو پورا کرے اور اُس امیر کے انتظام سے دشمن سے قتال ہو سکے اور راستوں میں امن قائم رہے اور کمزور کا حق طاقتور سے لیا جا سکے یہاں تک کہ نیکوکار آرام پائے اور بدکار کے ظلم سے نجات ملے۔

حضرت علی مرتضیٰ کے اس کلام سے ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے خلیفہ کا ہونا ضروری ہے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ خلیفہ کا کام نبی کی طرح مخلوق کو ہدایت کرنا نہیں ہے جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں بلکہ خلیفہ کا کام فرائض جہاد کو انجام دینا اور امن و انصاف کو قائم رکھنا ہے لہٰذا معلوم ہو گیا کہ خلافت اصول دین میں نہیں ہے تیسرا مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ خلیفہ کا معصوم ہونا ضروری نہیں بلکہ حضرت علی کے نزدیک فاسق و فاجر کی خلافت بھی درست ہے۔

(۲) نہج البلاغہ قسم اول صفحہ ۳۴۱ میں ہے۔

ايها الناس ان احق الناس بهذا الامر اقواهم عليه واعلمهم بامر الله فيه فان شغب شاغب استعتب فان ابى قوتل ولعمرى لئن كانت الامامة لا تنعقد

اے لوگو اس کام (یعنی خلافت) کا سب سے زیادہ حق دار وہ ہے جو سب سے زیادہ اسکے انجام دینے کی قوت رکھتا ہو اور خدا کے احکام جو اسکے متعلق ہیں ان کو سب سے زیادہ جانتا ہو۔ پھر اگر کوئی مخالف اختلاف کرے تو اسکو سمجھایا جائے۔ اگر نہ مانے تو اس سے قتال کیا جائے اور قسم ہے اپنی جان کی کہ اگر امامت

حَتّٰی تَحْضُرَهَا عَامَّةُ النَّاسِ فَمَا اِلٰی ذٰلِكَ مِنْ سَبِيْلٍ وَلٰكِنَّ اَهْلَهَا يَحْكُمُوْنَ عَلٰی مَنْ غَابَ عَنْهَا ثُمَّ لَيْسَ لِلشَّاهِدِ اَنْ يَرْجِعَ وَلَا لِلْغَائِبِ اَنْ يَخْتَارَ ۔

کہ تمام لوگ اُس وقت موجود ہوں تو پھر امامت کی کوئی سبیل ہی نہ ہوتی بلکہ جو لوگ اس کام کے اہل ہیں وہ غائب لوگوں کی طرف سے بھی حکم لگا دیتے ہیں پھر نہ حاضر کو اختیار رہتا ہے کہ وہ اپنی رائے سے رجوع کرے اور نہ غائب کو کہ وہ کسی اور کو منتخب کرے ۔

اس عبارت سے بھی کئی اہم مسائل کا فیصلہ ہوتا ہے جن میں سب سے بڑا مسالہ یہ ہے کہ خلیفہ و امام کا منصوص ہونا ضروری نہیں بلکہ امامت کا انعقاد اہل حل وعقد کے انتخاب سے ہوتا ہے اور تمام مسلمانوں یا تمام اہل حل وعقد کے اجتماع کی بھی ضرورت نہیں بلکہ جس قدر لوگ وہاں موجود ہوں ان کا اتفاق کافی ہے ۔ مسالہ امامت میں مذہب شیعہ کی بیخ کنی اس سے زیادہ کیا ہوگی ۔ دوسرا مسالہ یہ معلوم ہوا کہ خلافت کا استحقاق کسی خاندان یا قوم کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ ذاتی قابلیت پر اسکا دارومدار ہے اور خلیفہ کیلئے اعلم بالشریعۃ ہونے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ صرف سیاسیات کے علم میں اسکو فائق ہونا چاہیئے ۔

ف حضرت علی مرتضیٰ کے اس خطبہ کے ساتھ اُن کے اُس خط کو ملاؤ جو انہوں نے حضرت معاویہ کو بھیجا ہے جسکی عبارت نہج البلاغہ قسم دوم صفحہ ۲ پر حسب ذیل ہے ۔

اِنَّهٗ بَايَعَنِى الْقَوْمُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا اَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ عَلٰی مَا بَايَعُوْهُمْ عَلَيْهِ فَلَمْ يَكُنْ لِلشَّاهِدِ اَنْ يَخْتَارَ وَلَا لِلْغَائِبِ اَنْ يَرُدَّ وَاِنَّمَا الشُّوْرٰی لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ فَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی رَجُلٍ وَسَمَّوْهُ اِمَامًا كَانَ ذٰلِكَ لِلّٰهِ رِضًا فَاِنْ خَرَجَ مِنْ اَمْرِهِمْ خَارِجٌ بِطَعْنٍ اَوْ بِدْعَةٍ رَدُّوْهُ اِلٰی مَا خَرَجَ مِنْهُ فَاِنْ اَبٰی قَاتَلُوْهُ

بتحقیق مجھ سے بیعت کی ہے ان لوگوں نے جنھوں نے ابوبکر و عمر و عثمان سے بیعت کی تھی انہیں شرائط پر جن پر ان سے بیعت کی تھی لہذا اب نہ حاضر کو جائز ہے کہ کسی اور کو منتخب کرے اور نہ غائب کو کہ میری خلافت کو رد کرے اور خلافت کا شورہ مہاجرین و انصار کا حق ہے اگر وہ لوگ کسی شخص پر اتفاق کر کے اسکو امام کہدیں تو وہ اللہ کا پسندیدہ امام ہے ۔ اگر ان کے اتفاق سے کوئی شخص باہر ہو جائے بوجہ اعتراض کے یا کوئی نئی بات نکالکر تو لوگوں کو چاہیے کہ جس راستہ سے وہ نکل گیا ہے

عَلٰی اِتِّبَاعِہٖ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی ۔

پھر اسی طرف اسکو واپس لاویں نہ مانے تو اس سے قتال کریں کہ اُس نے ایمان والوں کی راہ کے خلاف راستہ اختیار کیا اور اللہ اسکو اسی طرف پھیریگا جدھر وہ پھرا ۔

دیکھو یہ خط اس خطبہ سے کسقدر مطابقت رکھتا ہو اور حضرت علی نے کس صراحت کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کا خلیفہ برحق و امام پسندیدہ ہونا بیان فرمایا ہے۔

شیعوں کا اس خط کے متعلق یہ کہنا کہ حضرت علی نے خلافت کا بوجہ بیعت مہاجرین و انصار قائم ہونا حضرت معاویہ کے الزام دینے کو لکھا تھا ورنہ ان کا اصلی مذہب یہ تھا کہ خلافت نص سے ہوتی ہو بالکل غلط ہوگیا حضرت علی نے یہ مضمون خط میں لکھا وہی اپنے خطبہ میں بھی بیان کیا ہے۔

(۳) نہج البلاغہ قسم اول صفحہ ۴۲ میں ہو کہ جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عباس اور ابوسفیان نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی تو حضرت علی نے فرمایا کہ۔

اَیُّهَا النَّاسُ شُقُّوْا اَمْوَاجَ الْفِتَنِ بِسُفُنِ النَّجَاةِ وَعَرِّجُوْا عَنْ طَرِيْقِ الْمُنَافَرَةِ وَضَعُوْا تِيْجَانَ الْمُفَاخَرَةِ اَفْلَحَ مَنْ نَهَضَ بِجَنَاحٍ اَوِ اسْتَسْلَمَ فَاَرَاحَ مَاءٌ اٰجِنٌ وَلُقْمَةٌ يَغَصُّ بِهَا اٰكِلُهَا وَمُجْتَنِي الثَّمَرَةِ بِغَيْرِ وَقْتِ اِيْنَاعِهَا كَالزَّارِعِ بِغَيْرِ اَرْضِهٖ

اے لوگو فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں میں بیٹھکر طے کرو اور نفرت کے راستے سے ہٹ جاؤ اور فخر کے تاج اُتار رکھو۔ کامیاب ہوا وہ شخص جو قوت بازو کے ساتھ اُٹھا یا وہ شخص جس نے صلح کرلی اور آرام دیا۔ یہ ایک پانی ہے تلخ اور ایک لقمہ ہی جو اپنے کھانے والے کا حلق پکڑ لیتا ہے اور میوہ کا قبل اسکے پختگی کے توڑنے والا مثل اس شخص کے ہی جو اپنے غیر کے زمین میں کھیتی کرے۔

دیکھو حضرت علی نے کسطرح اپنی بیعت سے انکار کیا اور اُس وقت اپنی بیعت کو قبل از وقت قرار دیا اگر وہ خلیفہ منصوص ہوتے تو یہ انکار ان کے لئے کسی طرح جائز نہوتا۔ گویا صاف صاف اپنے خلیفہ منصوص ہونے کا اُنھوں نے انکار کر دیا۔

خیر اُسوقت تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت قائم ہو چکی تھی لہذا فتنہ کے خوف سے حضرت علی نے انکار کیا مگر حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جبکہ کسی کی خلافت قائم

نہ ہوئی تھی اُس وقت بھی انھوں نے انکار کیا! اسکی کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

(۴) نہج البلاغہ قسم اول صفحہ ۱۹۰ میں ہے

وَمِنْ خُطْبَةٍ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا أُرِيدَ عَلَى الْبَيْعَةِ بَعْدَ قَتْلِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

جناب امیر علیہ السلام کا خطبہ ہے جبکہ اُنسے بیعت کی خواہش کی گئی بعد شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے۔

دَعُونِي وَالْتَمِسُوا غَيْرِي فَإِنَّا مُسْتَقْبِلُونَ أَمْرًا لَهُ وُجُوهٌ وَأَلْوَانٌ لَا تَقُومُ لَهُ الْقُلُوبُ وَلَا تَثْبُتُ عَلَيْهِ الْعُقُولُ وَإِنَّ الْآفَاقَ قَدْ أَغَامَتْ وَالْمَحَجَّةَ قَدْ تَنَكَّرَتْ وَاعْلَمُوا أَنِّي إِنْ أَجَبْتُكُمْ رَكِبْتُ بِكُمْ مَا أَعْلَمُ وَلَمْ أُصْغِ إِلَى قَوْلِ الْقَائِلِ وَعَتْبِ الْعَاتِبِ وَإِنْ تَرَكْتُمُونِي فَأَنَا كَأَحَدِكُمْ وَلَعَلِّي أَسْمَعُكُمْ وَأَطْوَعُكُمْ لِمَنْ وَلَّيْتُمُوهُ أَمْرَكُمْ۔ وَأَنَا لَكُمْ وَزِيرًا خَيْرٌ لَكُمْ مِنِّي أَمِيرًا۔

نہج البلاغہ

مجھے چھوڑ دو اور میرے سوا کسی اور کو تلاش کر لو اسلئے کہ ہم پر ایک ایسا حال پیش آنیوالا ہے جسکی مختلف صورتیں اور مختلف رنگ ہونگے نہ دل اُسپر قائم رہینگے اور نہ عقلیں ثابت رہینگی بہ تحقیق آسمان کے کنارے غبار آلودہ ہو رہے ہیں اور راہ بے پہچانی ہوئی ہو گئی ہے اور خوب سمجھ لو اگر میں تمھارے درخواست کو قبول کر لوں گا تو تمھارے ساتھ اپنے علم کے موافق برتاؤ کرونگا اور کسی کے قول یا کسی غصہ کرنیوالے کے غصہ کی طرف توجہ نہ کروں گا اور اگر تم مجھے چھوڑ دو گے تو میں تم میں سے ایک شخص کے مثل رہونگا اور امید ہے کہ میں تم سے زیادہ اس شخص کی اطاعت کرونگا جسکو تم اپنا حاکم بناؤ گے۔ اور میرا وزیر رہنا تمھارے لئے بہ نسبت میرے خلیفہ ہونیکے بہتر ہے۔

حضرت علی کے اس خطبہ سے صاف ظاہر ہے کہ ہرگز ان کی خلافت پر کوئی نص نہ تھی ورنہ ان کا یہ کہنا کہ مجھے چھوڑ دو کسی اور کو تلاش کر لو معصیت ہو گا یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی خود بھی اس بات کو جانتے تھے کہ ان میں بہ نسبت امامت کے وزارت کی قابلیت زیادہ تھی اگر امامت مثل نبوت کے ہوتی تو حضرت علی نے اپنی امامت کا انکار کر کے ایسا گناہ کیا۔ جیسے کوئی نبی اپنی نبوت سے انکار کرے۔ معاذ اللہ منہ۔

(۵) نہج البلاغہ قسم اول صفحہ ۲۰۶ میں ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اَنَّهُ لَمْ يَكُنِ الَّذِىْ كَانَ مِنَّا مُنَافَسَةً فِىْ سُلْطَانٍ وَّلَا الْتِمَاسَ شَىْءٍ مِّنْ فُضُوْلِ الْحُطَامِ وَلٰكِنْ لِنَرِدَ الْمَعَالِمَ مِنْ دِيْنِكَ وَنُظْهِرَ الْاِصْلَاحَ فِىْ بِلَادِكَ فَيَاْمَنَ الْمَظْلُوْمُوْنَ وَتُقَامُ الْعَطَّلَةُ مِنْ حُدُوْدِكَ۔

اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ جو کچھ ہم سے ہوا وہ اس وجہ سے نہیں ہوا کہ ہم کو سلطنت کی رغبت تھی۔ یا دنیا کے مال و دولت کی تلاش تھی بلکہ محض اسلئے ہوا کہ تیرے دین کی معلومات حاصل کریں اور تیرے شہروں میں نیکو کاری پھیلائیں۔ تاکہ مظلوم امن سے رہیں اور جو حدود تیرے معطل کر دئے گئے ہیں وہ قائم کئے جائیں۔

اس خطبہ میں مقاصد امامت کو بیان فرمایا معلوم ہوا کہ امامت کا مقصد محض انتظامی امور سے تعلق رکھتا ہے نبوت کی طرح اوامر و نواہی خداوندی کی تبلیغ سے امامت کو کچھ تعلق نہیں ہے۔

(۶) نہج البلاغہ قسم اول صفحہ ۲۴۳ میں ہے۔

وَاللّٰهِ مَا كَانَتْ لِىْ فِى الْخِلَافَةِ رَغْبَةٌ وَّلَا فِى الْوِلَايَةِ اِرْبَةٌ وَّلٰكِنَّكُمْ دَعَوْتُمُوْنِىْ اِلَيْهَا وَحَمَلْتُمُوْنِىْ عَلَيْهَا فَلَمَّا اَفْضَتْ اِلَىَّ نَظَرْتُ اِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَمَا وَضَعَ لَنَا وَاَمَرَنَا بِالْحُكْمِ بِهٖ فَاتَّبَعْتُهٗ وَمَا اسْتَنَّ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ فَاقْتَدَيْتُهٗ۔

اللہ کی قسم مجھے خلافت کی بالکل رغبت نہ تھی اور نہ حکومت کی کچھ حاجت تھی بلکہ تم نے ہی مجھے خلافت کی طرف بلایا اور اس پر آمادہ کیا پھر جب وہ مجھ تک پہونچ گئی تو میں نے کتاب اللہ کی طرف نظر کی اور جو اس نے ہمارے لئے مقرر کیا اور ہمیں اسکے ساتھ حکم کرنے کو فرمایا اسکو دیکھا اور اسکی پیروی کی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کے سنت کی میں نے اقتدا کی۔

اس خطبہ سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کی خلافت پر کوئی نص نہ تھی ورنہ خلافت کی خواہش نہ ہونا چہ معنی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کے اصرار سے انھوں نے خلافت کو قبول کیا یہ بھی

معلوم ہوا کہ کتاب و سنت کے سوا اور کوئی چیز واجب الاطاعت نہیں، نہ اور کوئی چیز حضرت علی کے پاس تھی۔ ان باتوں کے بعد شیعوں کے خانہ ساز مسائلہ امامت کی کیا ہستی باقی رہ جاتی ہے۔

(۷) نہج البلاغۃ قسم اول صفحہ ۲۶۳ میں ہے۔

وَلَا تَظُنُّوا بِیْ اِسْتِثْقَالًا فِیْ حَقٍّ قِیْلَ لِیْ وَلَا الْتِمَاسَ اِعْظَامٍ لِنَفْسِیْ فَاِنَّهٗ مَنِ اسْتَثْقَلَ الْحَقَّ اَنْ یُّقَالَ لَهٗ اَوِ الْعَدْلَ اَنْ یُّعْرَضَ عَلَیْهِ کَانَ الْعَمَلُ بِهِمَا اَثْقَلَ عَلَیْهِ فَلَا تَکُفُّوْا عَنْ مَقَالَةٍ بِحَقٍّ اَوْ مَشُوْرَةٍ بِعَدْلٍ فَاِنِّیْ لَسْتُ فِیْ نَفْسِیْ بِفَوْقِ اَنْ اُخْطِئَ وَلَا اٰمَنُ ذٰلِکَ مِنْ فِعْلِیْ۔	اے لوگو میری طرف یہ گمان نہ کرو کہ اگر کوئی حق بات مجھ سے کہی جائے تو مجھے ناگوار گزرے گی اور میں اپنے نفس کو بڑا سمجھوں گا جس شخص کو حق کا کہنا یا عدل کا مشورہ دینا ناگوار ہو اس کو حق اور عدل پر عمل کرنا اور بھی دشوار ہوگا۔ لہذا تم حق بات کے کہنے اور عدل کا مشورہ دینے سے باز نہ رہو اس لیے کہ میں نہ اپنے نفس میں خطا کرنے سے بالاتر ہوں اور نہ اپنے فعل میں خطا کرنے سے بےخوف ہوں۔
اِلَّا اَنْ یَّکْفِیَ اللّٰهُ مِنْ نَّفْسِیْ مَا هُوَ اَمْلَکُ بِهٖ مِنِّیْ فَاِنَّمَا وَاَنْتُمْ عَبِیْدٌ مَمْلُوْکُوْنَ رَبٌّ لَا رَبَّ غَیْرُهٗ یَمْلِکُ مِنَّا مَا لَا نَمْلِکُ مِنْ اَنْفُسِنَا وَاَخْرَجَنَا مِمَّا کُنَّا فِیْهِ اِلٰی مَا صَلُحْنَا عَلَیْهِ فَاَبْدَلَنَا بَعْدَ الضَّلَالَةِ بِالْهُدٰی وَاَعْطَانَا الْبَصِیْرَةَ بَعْدَ الْعَمٰی۔	مگر یہ کہ اللہ میرے نفس کو بچائے کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ میرے نفس پر قابو رکھتا ہے اور سوا اس کے نہیں کہ ہم اور تم اس رب کے بندے ہیں جس کے سوا کوئی رب نہیں وہ ہمارے نفسوں پر اس قدر قابو رکھتا ہے کہ ہم نہیں رکھتے۔ اُسنے ہم کو فساد کی حالت سے نکال کر اصلاح کی حالت میں پہونچایا۔ گمراہی کے بعد ہدایت ہم کو دی نابینائی کے بعد بینائی ہم کو عطا فرمائی۔

حضرت علی نے اس عبارت میں اپنے معصوم ہونے سے انکار کر دیا اور حق بھی یہی ہے۔ ان تصریحات کے بعد جو خود کتب شیعہ میں موجود ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت علی کا دامن عصمت

اُن افترا پردازیوں سے ملوث ہیں جو شیعوں نے اُن پر کیں۔

امامت کا فروعات دین سے ہونا۔ امام کا تقرر بندوں کے ذمہ ہونا۔ امام کا معصوم و منصوص نہ ہونا۔ غرضکہ مسئلہ امامت کے متعلق جو مذہب اہل سنت کا ہے وہ حضرت علی مرتضیٰ کے کلام سے ثابت ہو گیا۔

تنبیہ

شیعوں کو ناواقف لوگوں کے فریب دینے کا سلیقہ خوب ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ امامت میں بھی اُنھوں نے خوب خوب دھوکے دیئے۔

کبھی کہدیتے ہیں کہ خلافت تو سنیوں کے یہاں فروعات میں ہے یعنی تینوں خلیفہ کی خلافت کو ماننا خود سنیوں کے نزدیک کچھ ضروری نہیں ہے۔ حالانکہ خلافت کے فروعات میں سے ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ضروری نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ توحید و رسالت کی طرح مقصود اصلی نہیں ہے۔ پھر یہ بحث تو مطلق خلافت کی ہے تینوں خلیفہ کی خلافت کا ماننا تو اُن کی ذاتی خصوصیات کیوجہ سے اشد ضروریات میں ہے جیسا کہ حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا کے دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ "خلافت ایں بزرگواراں اصلیست از اصول دین تا وقتیکہ ایں اصل را محکم نگیرند ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت متاصل نہ شود"۔ کبھی کہدیتے ہیں کہ اہل سنت چونکہ اپنے تینوں خلفا کا افضل ہونا اور معصوم ہونا ثابت نہیں کر سکتے اس لیے وہ خلیفہ کا غیر افضل و غیر معصوم ہونا جائز کہتے ہیں۔ حالانکہ تینوں خلفا کا افضل اُمت ہونا اہل سنت نے ایسے عمدہ دلائل سے ثابت کیا ہے کہ باید و شاید۔ رہا معصوم ہونا تو جیسے دلائل شیعہ اپنے ائمہ کے معصوم ہونے کے پیش کرتے ہیں وہ تو محض خرافات ہیں اہل سنت اُن سے بدرجہا بہتر دلائل حضرات خلفائے ثلاثہ کی عصمت پر پیش کر سکتے تھے مگر اہل سنت ایسی غلط راہ اختیار کرنا نہیں چاہتے تھے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی کو معصوم مفترض الطاعۃ ماننا دراصل ختم نبوت کا انکار ہے۔ کبھی کہدیتے ہیں کہ سنیوں کے خلیفہ چونکہ سنیوں کے

بنائے ہوئے ہیں اسلئے سنی خلیفہ کے منصوص ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ اہلسنت یہ نہیں کہتے کہ خلیفہ منصوص ہو نہیں سکتا بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ خلیفہ کا منصوص ہونا ضروری نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تاکید واصرار اپنی جگہ پر امام نماز بنا گئے تھے اور بہت سے ارشادات تینوں خلفاء کی خلافت کے متعلق فرما گئے تھے کبھی کہدیتے ہیں کہ سنیوں کے نزدیک جب خلیفہ نبی کا انسانوں کے بنانے سے بن سکتا ہے تو ان کے نزدیک نبی بھی انسانوں کے بنانے سے بن جانا چاہئے۔ حالانکہ نبوت اور خلافت میں بڑا فرق ہے۔ نبی خدا کی طرف سے بندوں کو احکام پہونچاتا ہے خلیفہ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کوئی نئے احکام بیان کرے بلکہ اس کا کام صرف اس قدر ہے کہ نبی کے دیئے ہوئے احکام کو جاری اور نافذ کرتا رہے اور بس۔

شیعوں نے اس مسألہ امامت میں جس قدر فریب دئے ہیں ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ وہ نبوت اور امامت کو بالکل یکساں قرار دیتے ہیں اور اسی مضمون کو مختلف عنوانوں و مختلف پیرایوں میں بیان کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جس شخص نے نبوت اور امامت کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لیا اس کے نزدیک یہی مسئلہ امامت مذہب شیعہ کے بطلان کیلئے برابر ہزارہا دلیل کے ہے کیونکہ اس مسألہ امامت کا آخری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم نہوا اور آپ کے بعد ایک دو نہیں بلکہ بارہ اشخاص مستقل نبی مانے جائیں جو ہر صفت میں ہر کمال میں بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی اور ہمسر ہوں (نعوذ باللہ منہ)

شیعوں کا مقصود اصلی امامت کی شان بڑھانے سے صرف یہ ہے کہ نبوت کی عظمت مسلمانوں کے دلوں سے کم ہو جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کا طوق گردن سے اُتر جائے۔

اہل سنت کا مذہب اس مسألہ میں بالکل صاف ہے وہ قیامت تک کیلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مفترض الطاعۃ مانتے ہیں اور آپ ہی کی فرمانبرداری کو نجات کا واحد ذریعہ کہتے ہیں آپ کے سوا حضرت ابوبکر صدیق ہوں یا حضرت علی یا کوئی اور کسی کا

قول و فعل حجت حقیقی نہیں، نہ کسی کی اطاعت بالذات ہم پر فرض ہے نہ کسی کو یہ حق حاصل ہے
کہ اپنی طرف سے کوئی حکم ہم سے بیان کرے بلکہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
احکام کے ناقل اور ہماری طرح آپ کے فرمانبردار ہیں۔ امام ہم سب کا ایک ہے البتہ
اکثر بہت سے ہیں۔ نیت ہم سب نے ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی کی ہے البتہ چونکہ
صفیں مقتدیوں کی زیادہ ہیں امام ہم سے دور ہے اس لیے ہم کو اپنے صف کے اکثر
کی اقتدا کرنی پڑتی ہے۔ بس اس سے زیادہ اور کچھ حقیقت امامت و خلافت کی نہیں ہے
جن لوگوں کو خدا نے عقل سلیم عطا فرمائی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ مذہب شیعہ کو
دین اسلام سے بے تعلق بنانے کے لیے یہی ایک مسئلہ امامت کافی ہے واللہ یھدی
من یشاء الی صراط مستقیم۔

المختصر اس قسم کی فریب آمیز تقریروں کے سوا شیعوں کے پاس کچھ نہیں ہے۔

الحمد للہ

کہ ان آیات ملک طالوت کی تفسیر تمام ہوگئی جس سے خلافت کے بہت سے مسائل کا قطعی
فیصلہ ہو گیا۔ حق تعالیٰ قبول فرمائے اور برادران ایمانی کو اس سے منتفع کرے۔ آمین

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

ترجمہ: تحقیق یہ قرآن اس راہ کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو

تفسیر آیت استخلاف

جس میں سورۂ نور کی آیۂ کریمہ وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنهم الخ معروف بہ آیت استخلاف کی کامل ومکمل تفسیر خالص قطعیات سے بغیر آمیزش ظنیات کے کرکے قطعی طور پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچا دی گئی ہے کہ اس آیت کے مصداق حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم ہیں اور انہیں کی خلافتیں اس آیت کی موعودہ خلافت ہیں مزید تائید کے لیے احادیث صحیحہ خصوصاً روایات شیعہ بھی پیش کی گئی ہیں اور ان کے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳۔ روڈ نمبر ۷۔ سب بلاک اے، بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدوسیہ
ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔ فون نمبر: ۶۶۰۱۴۴۹

بسم اللہ الرحمن الرحیمؐ

اللہ تعالیٰ کے احسانات ہر بندے پر بے شمار ہیں۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا لیکن سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اپنی کتاب مقدس کا خادم و پاسبان ہمیں بنایا اور اُس کے درس و تدریس اور تعلیم و تفسیر کی توفیق ہمیں دی۔ فللہ الحمد مداد کلماتہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا و مولٰنا محمد و علیٰ الہ و اصحابہ و ازواجہ و ذریاتہ۔

امّا بعد سب سے بڑی چیز ہمارے پاس کتاب اللہ ہے اور مسلمان پر فرض ہے کہ اُس کے ہر فیصلہ کو بے چون و چرا تسلیم کرے اور اُس کے مقابلہ میں کسی چیز کو قابلِ التفات نہ سمجھے۔

مسئلہ امامت و خلافت جو سُنّی شیعہ کے درمیان میں بنیادِ اختلاف کہا جاتا ہے اس کا ایسا واضح فیصلہ قرآن نے کر دیا ہے کہ ہم کو کسی دوسری طرف جانے کی حاجت نہیں رہی۔

قرآن مجید میں صحابہ کرام خصوصًا مہاجرین و انصار کے مناقب و فضائل اُن کی تعدیل و تقدیس کا بیان بکثرت ہے۔ اُن سب آیتوں سے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیقتِ خلافت پر استدلال ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان تینوں خلافتوں کو بقول شیعہ ناجائز ماننے سے اُن آیات کا کوئی مصداق باقی نہیں رہتا۔ اس لیے کہ ان تینوں خلفاء کے ہاتھ پر تمام صحابہ نے بیعت کی تھی۔ جیسا کہ فریقین[1] اس کے قائل ہیں۔ پس اگر اُن کی خلافت صحیح نہ

---

[1] سنیوں کا قائل ہونا سب کو معلوم ہے مگر شیعہ ناواقفوں کے سامنے اکثر انکار کر جاتے ہیں۔ لہذا نمونہ کے طور پر شیعوں کی بڑی معتبر کتاب احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران ص۴۸ (باقی اگلے صفحہ پر)

ہو تو اس ناجائز بیعت کی وجہ سے وہ طبقہ کل کا کل کسی مدح و منقبت کا مستحق نہیں ہو سکتا اور آیاتِ قرآنیہ غلط ہو جاتی ہیں۔ نعوذ باللہ منہ۔ مگر ہم اس وقت مناقب و فضائل کی عام آیتوں کو نہیں بلکہ صرف ان آیات کو لیتے ہیں جو خاص طور پر خلافت ہی سے تعلق رکھتی ہیں یعنی یا تو اُن میں خلافت کا وعدہ ہے یا خلافت کی پیشین گوئی ہے یا ان حضرات میں لیاقتِ خلافت کا ہونا اور منصبِ خلافت کے لوازم کا پایا جانا بیان فرمایا گیا ہے۔ پھر بنظرِ اختصار ان آیات میں سے بھی چند کی تفسیر کا اس وقت ارادہ ہے۔

حسبنا اللہ ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

پہلی آیت

آیۂ استخلاف۔ سورۂ نور۔ ساتواں رکوع۔ اٹھارواں پارہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

وعدہ دیا ہے اللہ نے ان لوگوں کو جو ایمان لاتے تم میں سے اور کیے انھوں نے اچھے کام

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ

کہ ضرور ضرور خلیفہ بنائے گا ان کو زمین میں جیسے خلیفہ بنایا تھا ان لوگوں کو

مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى

جو اُن سے پہلے تھے اور ضرور تمکین دے گا ان کے لیے اُن کے دین کو وہ دین جو پسند کیا اللہ نے

ملاحظہ ہو۔ جہاں حضرت علی کے حضرت صدیق کے مبارک ہاتھ پر بیعت کرنے کی روایت لکھی ہے کہ ما من الامۃ احد بایع مکرھا غیر علی و اربعتنا یعنی تمام اُمت میں کوئی ایسا نہیں جس نے بغیر رضا و رغبت کے بیعت کی ہو سوا علی کے اور ہمارے چار شخصوں کے۔ ترجمہ ختم ہوا۔ ان چار شخصوں سے مراد۔ ابوذر۔ مقداد۔ عمار۔ سلمان ہیں ۔

لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي
ان کے لئے اور ضرور ضرور بدلے میں دے گا ان کو بعد اُن کے ڈرنے کے امن عبادت کریں گے وہ میری
لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ
نہ شریک کریں گے وہ میرے ساتھ کسی چیز کو اور جو شخص کفر کرے بعد اس کے پس وہی لوگ ہیں
هُمُ الْفَاسِقُونَ ○
(اعلیٰ درجہ کے) فاسق۔

اس آیت کی تفسیر چار فصلوں پر تقسیم کی جاتی ہے۔

فصل اوّل میں آیت کا سلیس اردو ترجمہ اور آیت کا ربط ماقبل و مابعد سے اور آیت کے الفاظ کی شرح۔

فصل دوم میں آیت سے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت خلافت پر استدلال۔

فصل سوم میں آیت کی تفسیر کے متعلق روایات اہل سنت و شیعہ و اقوال مفسرین فریقین۔

فصل چہارم میں شیعوں کے جوابات اس آیت کے استدلال کے متعلق اور اُن جوابات کا رد۔

فصل اوّل

اس آیت استخلاف کا ربط آیات سابقہ سے یہ ہے کہ اُوپر کی آیتوں میں حق تعالیٰ نے کافروں اور منافقوں کا ذکر فرمایا ہے اپنے دلائل قدرت و وحدانیت بیان فرما کر ان کو ایمان لانے کی ترغیب دی ہے یہ آیۂ استخلاف اُس ترغیب کا تکملہ اور تتمہ ہے کہ دیکھو ایمان والوں کے لیئے اسی دنیا میں ان ان انعامات کا ہم نے وعدہ کیا ہے۔

اگر تم ایمان لاؤ تو ان انعامات سے تم بھی فیض یاب ہو گئے۔ آیت استخلاف کے بعد خدا نے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے اور رسول کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔ گویا یہ ظاہر فرمایا ہے کہ آیۂ استخلاف میں جن نعمتوں کا خدا نے وعدہ فرمایا ہے وہ مقصود اصلی نہیں ہیں۔ مقصود اصلی خدا کی عبادت اور رسول کی اطاعت ہے۔ اور اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آیۂ استخلاف کی موجودہ نعمتیں خدا کی عبادت اور رسول کی اطاعت سے ملیں گی۔ خدا کی رحمت اسی سے نازل ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ کفار کی کثرت، ان کی قوت و شوکت، اِن وعدوں کے پورے ہونے میں سدِ راہ ہو گی۔ ہرگز نہیں کوئی ہم کو عاجز نہیں کر سکتا بلکہ جو کافر مزاحمت کریں گے وہ جہنم میں جو اُن کا ماویٰ ہے پہنچا دیئے جائیں گے۔

آیت استخلاف کا شانِ نزول باتفاق فریقین[له] یہ ہے کہ جب مسلمان تیرہ[۱۳] برس کفارِ مکہ کے ظلم سہتے سہتے صبر و استقامت کی آخری حد تک پہنچ چکے تو خدا کی اجازت سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے، مگر یہاں بھی اُن کو امن نہ ملا اور کفار کی طرف سے پے در پے حملے ہونے لگے۔ بسا اوقات مسلمانوں کو ہر وقت مسلح رہنا پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ کبھی ہم کو امن و اطمینان کا زمانہ بھی نصیب ہو گا۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں خدا نے اُن انسانوں کو جو نزولِ آیت کے وقت رُوئے زمین پر موجود تھے مخاطب بنا کر ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ ہمارے رسول پر ایمان لا چکے اور عمل صالح کر چکے ہیں اُن سے ہمارا وعدہ ہے کہ اسی زندگی دنیا میں تین انعام اُن کو دیں گے۔ **اوّل** یہ کہ ان کو زمین میں خلافت دیں گے اور یہ خلافت ہم رنگ اس خلافت کے ہو گی جو اگلوں کو یعنی بنی اسرائیل کو ملی تھی۔ **دوم** یہ کہ جس دین کو خدا نے اُن

له چنانچہ انشاء اللہ تیسری فصل میں فریقین کے تفسیروں کی عبارتیں نقل کی جائیں گی۔

کے لیے پسند کیا ہے یعنی دینِ اسلام جیسا کہ آیت رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا میں اس کی تصریح ہے اُس کو تمکین دی جائے گی سوم یہ کہ اُن کو امن کامل ملے گا کسی دشمن کا خوف اُن کو نہ رہے گا۔ اور چونکہ سلطنت و حکومت کے نشہ میں مست ہو کر لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں اس لیے یہ بھی فرمادیا کہ وہ لوگ اس رتبہ پر پہنچ کر بھی میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اس انعام کے بعد بھی کفر کرے وہ اعلیٰ درجہ کا بدکار ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس انعام کا فائدہ چونکہ انعام یافتہ لوگوں کی ذات تک محدود رہے گا۔ بلکہ اس کے برکات[1] و انوار مسلمانوں کے لیے صفحۂ ہستی پر قیامِ قیامت تک باقی رہیں گے اس لیے تمام مسلمانوں پر کافتہً اس انعام کی شکر گزاری لازم ہے جو ناشکری کرے گا وہ اعلیٰ درجہ کے فاسقوں میں شمار ہوگا۔ ؎

کس شکر گزار چوں ایں دولت ہمرا
لطف ز ازل آمد تا عمر ابد پاید

کفر کے یہاں دو مطلب ہو سکتے ہیں **ایک** یہ کہ کفر سے مراد کفر حقیقی لیا جائے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ اس عظیم الشان خوشخبری کے بعد بھی جو شخص اسلام کی طرف راغب نہ ہو اور کفر پر قائم رہے وہ اعلیٰ درجہ کا نافرمان اور بدکار ہے **دوسرے** یہ کہ کفر سے مراد ناشکری لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان نعمتوں کے ملنے کے بعد جو شخص ان نعمتوں کی ناقدری و ناشکری کرے گا وہ اعلیٰ درجہ کا بدکار ہوگا۔ اسی دوسرے مطلب کو جمہور مفسرین نے اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ سب سے پہلے ان نعمتوں کی ناشکری حضرت عثمان کے قاتلوں نے کی کہ خلیفہ برحق کو شہید کیا پھر ان کے بعد شیعہ ان نعمتوں کی ناقدری کر رہے ہے

---

[1] چنانچہ اسی خلافت راشدۂ موعودہ کے انوار و برکات ہیں جو آج بھی تمام روئے زمین پر نظر آرہے ہیں قرآن شریف جو ہمارے سینوں اور سفینوں میں ہے اور دین اسلام کی تعلیمات مسلمانوں کا وجود کلمہ طیبہ کا ورد ح پر درزمزمہ یہ سب کچھ اسی بابرکت زمانہ کی مساعی جمیلہ کے آثار ہیں آیات بینات میں سچ لکھا ہے کہ شیعوں کے قبلہ و کعبہ جو لکھنؤ میں علی علی کہہ رہے ہیں یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طفیل ہے ورنہ اجودھیا جی میں بیٹھے ہوئے رام رام کرتے ہوتے۔

ہیں کہ جن بزرگوں کو خدا نے یہ نعمتیں دیں ان کو نہیں مانتے۔ بلکہ اس فرقہ نے تو حد کر دی کہ خدا کی ان عظیم الشان نعمتوں کے نعمت ہونے ہی کا انکار کرتے ہیں۔

اس آیت کی موعودہ خلافت کو خدا نے بنی اسرائیل کی خلافت سے تشبیہ دی۔

اس تشبیہ کے بظاہر دو فائدے معلوم ہوتے ہیں۔ **اول** یہ کہ بنی اسرائیل میں خلافت انبیاء کو ملتی تھی نبی کا خلیفہ بھی نبی ہوتا تھا جیسا کہ تاریخ سے ظاہر ہے اور بخاری کی حدیث میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کے ہاتھ میں تھی میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا البتہ خلفاء ہوں گے پس نتیجۂ تشبیہ یہ نکلا کہ اس آیت کی موعودہ خلافت معمولی بادشاہت نہ ہوگی بلکہ ہمرنگ نبوت ہوگی چنانچہ علمائے محققین نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم کی خلافت علیٰ منہاج النبوت تھی **دوم** یہ کہ جیسے خلفائے بنی اسرائیل کو سلطنت عظیمہ اور بڑے جاہ و جلال کی حکومت ملی تھی۔ چنانچہ آیۂ کریمہ وَآتَیْنَاهُمْ مُلْکاً عَظِیماً میں اس کی تصریح ہے اسی طرح آیت کی موعودہ خلافت بھی کوئی چھوٹی سی ریاست نہ ہوگی۔ بلکہ ملک عظیم ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت فاروق اعظم کے زمانہ میں خلافت اسلامیہ دنیا کی دونوں بڑی بادشاہتوں یعنی روم و ایران کو زیر نگیں کر چکی تھی اس کے علاوہ تمام جزیرۂ عرب ملک شام مصر سب قبضہ میں آ چکا تھا ملک عظیم کا مصداق اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ بنی اسرائیل کی خلافت سے باتفاق مفسرین حضرت موسیٰ کی خلافت مراد ہے کہ ان کے بعد تین خلیفہ بڑے جاہ جلال کے ہوئے۔ حضرت یوشع، حضرت کالب حضرت یوساوس ان خلفائے بنی اسرائیل کے حالات اور فتوحات بھی ہمارے تینوں خلفاء سے بالکل ملتے جلتے ہیں۔ اور بعض مفسرین نے حضرت داؤد کی خلافت مراد لی ہے کہ ان کے بعد حضرت سلیمان خلیفہ ہوئے حضرت سلیمان کی سلطنت کی قوت و شوکت ضرب المثل ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں مراد ہوں کما فی ازالۃ الخفاء۔

اس آیت میں دو تین لفظ شرح طلب ہیں ان کا مطلب بھی سمجھ لینا چاہیئے۔

استخلاف کے معنی خلیفہ بنانا یعنی کسی کو کسی کا جانشین کرنا یا بادشاہ بنانا قرآن شریف میں اور احادیث میں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہے، قولہ تعالیٰ یا داؤد انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض یعنی اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا۔ استخلاف کے معنی کبھی ایک قوم کو دوسری قوم کی جگہ پر قائم کرنے کے بھی ہوتے ہیں لیکن وہ معنی یہاں مراد نہیں ہو سکتے اور اگر کوئی شخص خواہ مخواہ مراد لے تو بھی مضر نہیں۔ جیسا کہ عنقریب معلوم ہو گا۔

آیت میں اگرچہ وعدہ استخلاف کا تمام مؤمنین صالحین سے کیا گیا ہے مگر مراد یہ ہے کہ ان کی جماعت میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنایا جائے گا۔ جو نعمتیں ایسی ہوتی ہیں کہ فرداً فرداً تمام اشخاص کو نہیں ملتیں وہ نعمتیں جب کسی قوم کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ تو اس قوم کے تمام اشخاص مراد نہیں ہوتے۔ بلکہ خاص اشخاص مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ نعمت بادشاہت بھی ایسی ہی چیز ہے کہ قوم کا ہر ہر شخص بادشاہ نہیں ہوتا، لہٰذا جب کہتے ہیں کہ ہندوستان میں انگریزوں کی بادشاہت ہے تو اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ انگریزی قوم کا کوئی شخص بادشاہ ہے اور چونکہ قوم کے ایک شخص کو اس نعمت کا ملنا تمام قوم کو فائدہ پہنچاتا ہے اس لیئے وہ نعمت تمام قوم کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

آیت میں خدا نے فرمایا کہ ہم ان کو خلیفہ بنائیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کی طرف سے کوئی خاص حکم ان کے خلیفہ بنانے کا نازل ہو گا یا کوئی آواز آسمان سے آئے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے ایسے اسباب و سامان فراہم ہو جائیں گے کہ ان کی خلافت منعقد ہو جائے گی یوں تو عالم میں جس قدر کام ہوتے ہیں سب خدا کی مشیت و اذن سے ہوتے ہیں مگر جو کام از قسم خیر ہوتے ہیں ان کو حق تعالیٰ اپنی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اس کو اضافت تشریفی کہتے ہیں۔ جیسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں عبداللہ فرمایا نیک بندوں کو عبادی فرمایا کعبہ کو بیتی فرمایا حضرت عیسیٰ کو روح منہ فرمایا حالانکہ درحقیقت نیک و بد سب بندے خدا کے ہیں اور سب گھر اللہ کے ہیں یعنی اللہ کی مملوک و مخلوق ہیں اور سب رُوحیں خدا کی ہیں یعنی

خدا کی مملوک و مخلوق ہیں۔ مگر جن کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ محض ان کی خصوصیت و رُتبہ کا اظہار منظور ہے۔

لیمکنن۔ تمکین کے معنی ہیں جگہ دینا، امکان دینا، مراد یہ ہے کہ دین اسلام کو روئے زمین پر جلسے اقامت دی جائے گی یعنی ایسی قوت و شوکت اور کثرت واشاعت دین میں ہو جائے گی کہ پھر اس کے فنا کرنے پر کوئی دشمن قادر نہ رہے گا۔ جب تک دین اسلام نے جزیرۂ عرب سے قدم باہر نہ رکھا تھا تمکین کی صفت حاصل نہ تھی لیکن جب ایران روم کے ملک میں، مصر میں، شام میں دین پھیل گیا اب عادۃً محال ہو گیا کہ کوئی اس کو فنا کر سکے اور صفت تمکین پیدا ہو گئی۔

لیمکنن کے بعد لھم کی لفظ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں لام کلام عرب میں سبب کے معنی میں بھی آتا ہے اور نفع کے لیئے بھی آتا ہے یہاں دونوں معنی درست ہوتے ہیں سبب کے معنی لیجیئے تو مطلب یہ ہو گا کہ دین اسلام کو خدا جو تمکین دے گا اس تمکین کا سبب یہی مومنین و صالحین ہوں گے انہیں کی کوششوں کو خدا اپنے وعدہ کے پورا کرنے کا آلہ بنا دے گا اور نفع کے معنی لیجیئے تو مطلب یہ ہو گا کہ دین اسلام کو جو تمکین ملے گی اس تمکین سے یہ لوگ فائدہ اُٹھائیں گے اور بڑے امن و اطمینان سے خدا کی عبادت کریں گے اور احکام دین کی پابندی کریں گے۔

آیت کے معنی بالکل صاف ہو گئے۔ اب استدلال کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

فصل دوم

اس آیت سے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلیفہ راشد و امام برحق ہونے کا ثبوت ایسا قطعی ہے اور اس قطعیت کو علمائے مسلمین نے ایسا واضح کر دیا ہے کہ حجت خدا تمام منکروں پر بخوبی قائم ہو چکی ہے ہرگز خدا کے سامنے وہ کوئی عذر بار دیگر پیش نہیں کر سکتے جس شخص نے علمائے شیعہ کے وہ جوابات دیکھے ہوں

جو اس آیت کے استدلال کے متعلق انہوں نے کیئے ہیں اُس کو اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ اُن کے دلوں کو یقین ہے زبانوں سے انکار کرتے ہیں وجحدوا بہا واستیقنتہا انفسھم ظلما وعلوا۔

جیسی دلالت اس آیت میں حضرات خلفائے ثلاثہ کی خلافت پر ہے ایسی دلالت اگر کسی شخص کے نبی اور رسول ہونے پر ہوتی تو لوگ اس پر ایمان لانے کے لیئے مکلف ہو جاتے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ساتھ مکلف کیا اور اس بارہ میں توریت انجیل کی ان نصوص کو کافی قرار دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق ہیں۔ قولہ تعالیٰ النبی[1] الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل، بلکہ علمائے یہود و نصاریٰ کو جو معرفت آپ کی نبوت کی توریت و انجیل کی پیش گوئیوں سے حاصل ہوئی تھی۔ اس کو کفار مکہ پر خدا نے حجت قرار دیا۔ قولہ تعالیٰ ا[2]ولم یکن لھم آیۃ ان یعلمہ علماء بنی اسرائیل۔ حالانکہ توریت و انجیل بلکہ تمام صحف انبیائے بنی اسرائیل میں کوئی ایسی نص[3] نہیں ہے جو نبی اُمی صلی اللہ علیہ

---

[1] ترجمہ۔ وہ نبی امی جس کو یہ لوگ اپنے یہاں توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

[2] ترجمہ۔ کیا یہ اہل مکہ کے لیئے دلیل کافی نہیں ہے کہ ہمارے نبی کو تمام علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔

[3] کیونکہ کتب سماویہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو کچھ مذکور ہے وہ از قبیل اوصاف و علامات ہے مثل اس کے کہ نبی آخرالزمان بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسرائیل میں سے ہوں گے ان کی شریعت موسیٰ کی شریعت کے مانند ہو گی ان کی نبوت فاران پہاڑ (یعنی مکہ) سے شروع ہو گی اور ان کی سلطنت ملک شام تک پہنچے گی۔ ان پر کوئی لکھی ہوئی کتاب نازل نہ ہو گی بلکہ خدا کا کلام ان کے منہ پر جاری ہو گا وغیرہ وغیرہ۔ المختصر کوئی تشخیص و تعیین آپ کے نام و نسب کے ساتھ نہیں کی گئی تھی اور نہ ممکن تھی کیونکہ وہی نام دوسرا شخص رکھ سکتا ہے اور اس وقت بعید اشتباہ کا اندیشہ تھا۔ کتب سماویہ میں تحریف ضرور ہوئی مگر تحریف کے بعد بھی جس قدر باقی رہا اس سے حجت خداوندی قائم ہے جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا ممکن ہے کہ رہا تی گئے صفحہ پر)

وسلم کی نبوت پر اس سے زیادہ واضح دلالت کرتی ہو جیسی دلالت آیۂ استخلاف میں حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت خلافت پر ہے۔ درحقیقت جو لوگ آیۂ استخلاف کی دلالت حضرات خلفائے ثلاثہ کی خلافت پر نہیں مانتے۔ وہ نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کی ایک عمدہ اور نفیس دلیل کو مٹانا چاہتے ہیں اور اُن کا دلی مقصود بھی یہی ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اس آیت استخلاف سے تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم کے خلیفہ برحق ہونے کا علم بالکل اسی طرح ہوتا ہے جس طرح حدیث رایہ سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے محبوب و محب خدا و رسول ہونے کا علم ہوتا ہے۔

حدیث رایہ یہ ہے کہ غزوۂ خیبر میں ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا کہ وہ اللہ ورسول کا محب و محبوب ہو گا۔ کرار غیر فرار ہو گا۔ اللہ اس کے ہاتھ پر فتح دے گا۔ جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی اُس وقت کسی کو معلوم نہ تھا کہ اس حدیث میں کس کے اوصاف جمیلہ بیان ہو رہے ہیں۔ سب کے دل اس دولت خداداد کی تمنّا سے پُر تھے۔ مگر جب دوسرے روز جھنڈا حضرت علی مرتضیٰ کو عنایت ہو گیا، تو سب کو معلوم ہو گیا، کہ یہ حدیث آپ کی فضیلت میں ہے۔

جس طرح حدیث رایہ سے جھنڈا ملنے کے قبل حضرت علی مرتضیٰ کے محب و محبوب خدا و رسول ہونے پر استدلال ممکن نہ تھا بالکل اسی طرح آیۂ استخلاف سے قبل اس کے کہ آیت کے موعودہ انعام حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوں اس آیت سے اِن کی خلافت راشدہ پر استدلال ناممکن تھا یہی سبب تھا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جب خلافت کا مشورہ ہونے لگا تو آیت استخلاف یا کوئی دوسری

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اُن کتب میں تحریف ہوئی ہو لیکن اب بھی جس قدر ہے علمائے مسلمین و بشہادت عقل سلیم اس سے حجت الہیہ قائم ہے۔

آیت نہ پیش کی گئی بلکہ حضرت صدیق کے سوابق اسلامیہ اور اجازت امامت نماز وغیرہ وغیرہ سے استدلال کیا گیا، مگر حضرات خلفائے ثلاثہ کو جب آیت کے موعودہ انعام حاصل ہو گئے اس وقت سب کی آنکھیں کھل گئیں اور روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ آیت، استخلاف میں انہیں کی خلافت کی بشارت اور اُن کے خلیفہ برحق ہونے کی دلالت ہے۔

بوقت انعقاد خلافت یہ سمجھا گیا تھا کہ حضرت صدیق کی خلافت بیعت اہل حل و عقد کی وجہ سے ہوئی ہے اور اہل حل و عقد نے آپ کا انتخاب بوجہ آپ کے بے مثل فضائل اور بوجہ بعض اشارات نبویہ و تصریحات قدسیہ و معاملات دلیعہدی مثل امامت نماز وغیرہ کے کیا ہے۔ لیکن آیۂ استخلاف کی موعودہ تینوں نعمتوں کے ظہور کے بعد سب کی آنکھیں کھل گئیں اور سب نے روز روشن کی طرح دیکھ لیا کہ یہ فعل ہمارا نہ تھا یہ تو وعدۂ الٰہی تھا جو سات آسمانوں کے اوپر سے اُترا تھا یہ حکم قضائے مبرم تھا جو عرش عظیم سے نازل ہوا تھا۔ اسی زور قضا نے ہمارے پردہ میں اپنا مقصد پورا کیا۔ اس مضمون کو صاحب القلم مولانا الشیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا میں اس طرح لکھتے ہیں کہ بعد انطباق اوصاف برہمہ منکشف شد و چشم واگشت برآنکہ فعل جماعت نبود وعد اللہ بود کہ از پس پردہ چندیں افکار واقیسہ بروز نمود۔ ؎

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں مصلحت را تہمتے برآہوئے چین بستہ اند

اس تمہید کے بعد اب آیت کے استدلال پر غور کرنا چاہیئے اگر تعصب اور ضد کی کدورت سے تھوڑی دیر کے لیئے دماغ کو صاف کر کے اس آیت پر نظر ڈالی جائے تو یقیناً روز روشن کی طرح یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ یہ آیت حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت خلافت پر اس وضاحت کے ساتھ دلالت کر رہی ہے کہ ان تینوں خلافتوں کا انکار کرنے کے بعد آیت کے تصدیق کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔

آیت میں تحقیق طلب چند امور ہیں۔

اوّل یہ کہ وعدہ کس سے ہے یعنی موعود لہ کون شخص ہے دوم یہ کہ وعدہ

یہ کہ وعدہ کس چیز کا ہے سوم یہ کہ اس وعدہ کے پورا ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ چہارم یہ کہ اشیائے موعودہ کس زمانہ میں پائی گئیں۔

ان چار امور میں بحث طلب درحقیقت امر اول وچہارم ہے کیوں کہ امر دوم یعنی یہ کہ وعدہ کس چیز کا ہے آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے یہ سب مانتے ہیں کہ وعدہ تین نعمتوں کا ہے۔ (۱) استخلاف فی الارض۔ (۲) تمکین دین۔ (۳) اعطائے امن بعد الخوف۔

امر سوم بھی ظاہر ہے کہ وعدے کے پورے ہونے کی یہی صورت ہے کہ جن لوگوں سے وعدہ ہے ان کو یہ تینوں نعمتیں ملیں۔ جن لوگوں سے وعدہ نہیں ان لوگوں کو تین کیا بلکہ تین ہزار نعمتیں بھی مل جائیں تو وعدہ پورا نہ ہوگا۔

اب امر اول وچہارم کی تحقیق سنو اور خدا توفیق دے تو قرآن کریم کو اپنا پیشوا بناؤ۔

امر اوّل آیت میں خدا نے موعود لہم مؤمنین صالحین کو قرار دیا ہے معلوم ہوا کہ وہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے بلکہ آپ کے متبعین سے ہے۔ اور الذین آمنوا وعملوا دونوں صیغہ ماضی کے ہیں پھر اس کے بعد لفظ منکم ہے جو ضمیر حاضر پر شامل ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ وعدہ ان لوگوں سے جو نزول آیت کے وقت موجود تھے اور نزول سے پہلے ایمان لا چکے تھے اور عمل صالح کر چکے تھے پس حضرت معاویہ اور حضرت امام مہدی یا خلفائے بنی امیہ و بنی عباس وغیرہم موعود لہم نہیں ہو سکتے موعود لہم وہی صحابہ کرام مہاجرین و انصار ہیں جو نزول آیت سے پہلے ان دونوں صفتوں کے موصوف تھے۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم بھی انہیں میں ہیں۔

اگر یہ وعدہ ان لوگوں کے ساتھ مخصوص نہ مانا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اور ان دونوں پر متعدد خرابیاں ہیں۔ **ایک** صورت یہ ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ کے مؤمنین صالحین مراد لیے جائیں اور سب کو اس آیت کا موعود لہم قرار دیا جائے تو ایک خرابی تو یہ ہے کہ صیغے ماضی کے خصوصاً لفظ منکم بے کار ہو جائیں گے یہ مطلب تو

بغیر لفظ منکم کے بھی حاصل تھا۔قرآن شریف کے کسی لفظ کو بے کار اور مہمل قرار دینا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ اس صورت میں نعوذ باللہ آیت کا وعدہ غلط ہو جائے گا۔ کیونکہ ہر زمانے میں مؤمنین وصالحین کو یہ تینوں موعودہ نعمتیں حاصل نہیں ہوئیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ باوجود ان خرابیوں کے بھی ہمارا مدعا حاصل ہے اس لیئے کہ اس صورت میں حضرات خلفائے ثلاثہ کا زمانہ بھی آیت میں داخل رہے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وعدہ کا تعلق وقت نزول کے مؤمنین صالحین سے بالکل نہ رکھا جائے بلکہ آنے والے زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے مسلمانوں کے ساتھ اس وعدہ کو مخصوص کر دیا جائے۔ جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں کہ امام مہدی کا زمانہ مراد ہے تو اس میں بھی کئی خرابیاں ہیں منجملہ اُن کے بڑی خرابی یہ ہے کہ کسی زبان کا قاعدہ نہیں. کہ صیغہ حاضر کا بول کر حاضرین کا ایک فرد بھی نہ مراد لیا جائے اور صرف غائبین مراد ہوں۔ اور منجملہ اُن کے یہ کہ کسی ایسی نعمت کی بشارت کسی جماعت کو سنانا جس میں اس جماعت کا کچھ حصّہ بھی نہ ہو سراسر فریب ہے اور کلام الٰہی اُس سے بَری ہے۔ اب رہی یہ بات کہ حاضرین وقت نزول میں سے صرف حضرت علی مرتضیٰ کو اس وعدہ کا موعود لہ قرار دیا جائے تو قطع نظر اُس سے کہ یہ تخصیص محض بے دلیل ہے بڑی خرابی یہ ہے کہ ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ ان کے زمانہ میں نہیں پایا گیا۔سنی شیعہ دونوں کا اس بات پر اتفاق ہے۔ فرق اس قدر ہے کہ اہل سنت کہتے ہیں کہ دو نعمتیں اُن کو ملی تھیں۔ استخلاف فی الارض کی نعمت ان کو حاصل تھی کیونکہ اہل حل وعقد یعنی مہاجرین وانصار نے ان کے ہاتھ پر بھی بیعت کی تھی اور تمکین دین بھی ان کو حاصل تھی۔ کیونکہ دین اُن کا وہی تھا جو حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا تھا اور وہ دین تمکین پا چکا تھا البتہ ایک نعمت امن کی اُن کو حاصل نہ تھی کیوں کہ ان کے عہد میں باہم مسلمانوں میں لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ امن اطمینان کسی کو نہ تھا۔ اور شیعہ کہتے ہیں صرف ایک نعمت اُن کو ملی تھی یعنی استخلاف فی الارض کی۔ وہ بھی برائے نام اور دو نعمتیں تو برائے نام بھی ان کو نہ ملی تھیں وہ اپنے عہد میں بھی اپنے اصلی مذہب کے اظہار پر قادر نہ تھے اسی وجہ سے

متعہ کے حلال ہونے اور تراویح کے حرام ہونے کا فتوےٰ نہ دے سکے احکام قرآنی جو متروک ہو گئے تھے ان کا اجرا نہ کر سکے قرآن شریف میں جو تحریف ہو گئی تھی اس کی اصلاح نہ کر سکے فدک بھی وارثان جناب سیدہ کو نہ دیا جو قوانین ظلم پہلے خلفاء (نعوذ باللہ) جاری کر گئے تھے انہیں کی پابندی پر مجبور رہے۔

شیعوں کے شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری علامہ ابن روزبہان کے اس اعتراض کے جواب میں کہ متعہ اگر حلال تھا اور حضرت عمر نے اپنی رائے سے اس کو حرام کر دیا تھا تو جناب امیر نے اپنی خلافت میں کیوں نہ اُس کی حلت کا اعلان دیا۔ احقاق الحق میں لکھتے ہیں:۔

والحاصل ان امر الخلافۃ ما وصل	اور حاصل یہ کہ خلافت کا کام جناب امیر کو نہیں
الیہ الا باسم دون المعنی وکان	ملا مگر برائے نام نہ درحقیقت اور جناب امیر علیہ
علیہ السلام معارضا منازعا مبغضا فی	السلام سے جھگڑا اور نزاع اور بغض کیا جاتا تھا
ایام ولایتہ وکیف یا من فی ولایتہ	ان کے زمانہ خلافت میں بھی اور وہ کیونکر اپنے
الخلاف علی المتقدمین علیہ وکل	عہد میں اگلے خلفاء کی مخالفت کر کے بخوف رہ
من بایعہ وجمہورھم شیعۃ اعدائہ	سکتے تھے جبکہ تمام وہ لوگ جنہوں نے ان کے
ومن یری انھم مضرا علی اعدال	ہاتھ پر بیعت کی تھی ان کے دشمنوں کے گروہ
الامور وافضلھا وان غایۃ امر من	سے تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ ان کے خلفاء نہایت
بعدھم ان یتبع طرائقھم ویقتفی	انصاف اور افضل حالت میں تھے اور اُن کے
آثارھم	بعد والے کی معراج یہ ہے کہ وہ ان کے راستہ کی پیروی کرے اور ان کے قدم بقدم چلے۔

نیز کتاب کافی کی کتاب الروضہ ص۲۹ میں خود حضرت علی مرتضیٰ کی زبان سے منقول ہے کہ:۔

قد عملت الولاۃ قبلی اعمالا	مجھ سے پہلے حکام نے کچھ کام ایسے کیئے ہیں
خالفوا فیھا رسول اللہ متعمدین لخلافہ	جن میں رسول اللہ کی عمداً مخالفت کی ہے احکام

ناقضين لعهده مغيرين لسنته ولو حملت الناس على تركها وحولتها الى مواضعها والى ما كانت في عهد رسول الله صلى الله عليه وآله لتفرق عني جندي۔

رسول کو توڑا اور سنت رسول کو بدلا ہے اور اگر میں لوگوں کو ان احکام کے ترک پر آمادہ کروں اور ان احکام کو اصلی صورت میں یعنی جس صورت میں وہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ میں تھے کر دوں تو میرا لشکر مجھ سے جدا ہو جائے۔

پھر اس کے بعد جناب ممدوح نے احکام ظلم جاری رکھنے کی کچھ مثالیں بیان فرمائیں چنانچہ اسی روایت میں ہے کہ:۔

ولو رددت فدك الى ورثة فاطمه عليها السلام واقطعت نطائع اقطعها رسول الله صلى الله عليه وآله لاقوام لم تمض لهم ولم تنفذ ورددت قضايا من الجور قضي بها ونزعت نساء تحت رجال بغير حق فرددتهن الى ازواجهن وحملت الناس على حكم القران ومحوت دواوين العطايا واعطيت كما كان رسول الله يعطي بالسوية وحرمت المسح على الخفين اذا لتفرقوا عني والله لقد امرت الناس ان لا يجتمعوا في شهر رمضان الا في فريضة واعلمتهم ان اجتماعهم في النوافل بدعة فنادى بعض اهل عسكري ممن يقاتل معي يا اهل الاسلام غيرت سنة عمر ينهانا عن

اگر میں فدک وارثان فاطمہ علیہا السلام کو واپس کر دوں اور جو معافیاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے کچھ لوگوں کو دی تھیں اور وہ ان کو نہیں ملیں ان کو دے دوں اور کچھ ظلم کے فیصلے جو کیے گئے ہیں ان کو مسترد کر دوں اور کچھ عورتیں جو ناحق لوگوں کے قبضہ میں ہیں ان کو شوہروں کو دلا دوں اور لوگوں کو قرآن پر عمل کرنے کا حکم دوں اور وظیفوں کا دفتر منسوخ کر کے لوگوں کو برابر دینا شروع کر دوں جیسا کہ رسول اللہ برابر دیتے تھے اور موزوں پر مسح کرنے کو منع کر دوں تو لوگ مجھ سے جدا ہو جائیں۔ واللہ میں نے لوگوں کو حکم دیا کہ ماہ رمضان میں سوا فرض نماز کے جماعت نہ کریں اور میں نے ان کو بتلایا کہ نوافل میں جماعت کرنا بدعت ہے تو میرے لشکر کے کچھ لوگوں نے اعلان دیا ان لوگوں کو جو میرے ساتھ لڑتے ہیں کہ

الصلوٰۃ فی شہر رمضان تطوعاً۔ کہ اے اہل اسلام عمر کی سنت بدل دی گئی یہ شخص ہم کو ماہ رمضان میں نوافل با جماعت پڑھنے کو منع کرتا ہے۔

اس قسم کی عبارات و روایات کتب شیعہ میں بکثرت ہیں جن میں صاف مصرح ہے کہ حضرت علی کو نہ تمکین دین حاصل تھی نہ امن صرف خلافت ملی تھی وہ بھی برائے نام خلافت۔

پس یہ بات باتفاق فریقین ثابت ہے کہ حضرت علی کو ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ نہیں ملا، لہٰذا ان کی خلافت اس آیت کی موعودہ خلافت ہرگز نہیں ہو سکتی نہ وہ خصوصیت کے ساتھ اس آیت کے موعود لہ کہے جا سکتے ہیں۔

پس قطعی طور پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ سوا اس کے کوئی صورت نہیں کہ وقت نزول کے تمام مومنین صالحین سے یہ وعدہ متعلق مانا جائے اور حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو اس آیت کی موعودہ خلافت تسلیم کیا جائے۔

امر چہارم کی تحقیق یہ ہے کہ تاریخ کے واقعات قطعیہ برملا اعلان دے رہے ہیں کہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں آیت کی موعودہ تینوں نعمتیں باحسن وجوہ پائی گئیں کہ کوئی منکر انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔

استخلاف فی الارض کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت صدیق کے ہاتھ پر جیسی کامل بیعت تمام اہل حل و عقد مہاجرین و انصار نے کی ظاہر ہے حتیٰ کہ شیعہ بھی یہ نہ کہہ سکتے کہ حضرت علی نے یا کسی ان کے ساتھی نے بیعت نہیں کی۔

احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران کے ص۴۸ میں ہے۔

ما من الامۃ احد بایع مکرھاً غیر علی و اربعتنا۔ امت میں کوئی ایسا نہیں جس نے بغیر دلی رضا کے (حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر) بیعت کی ہو سوا علی اور ہمارے چار اشخاص کے۔

پھر خدا نے ان کی ایسی غیبی مدد کی کہ تمام ملک کسریٰ و قیصر کا ان کے قبضہ میں

آیا عرب وعجم کی بادشاہت ان کو ملی؟ ملک عظیم کے وہ مالک بنائے گئے۔ تمکین دین کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے عہد میں تمام اطراف عرب وعجم میں دین اسلام پھیل گیا اور ہر جگہ مفتی اور فقیہ اور قاضی مقرر ہو گئے۔ یہی دو سلطنتیں اس وقت اسلام کی طاقت ور دشمن تھیں ایران و روم یہ دونوں سلطنتیں زیر وزیر ہو گئیں۔ دین اسلام کے قدم روئے زمین پر ایسے جم گئے کہ عادۃً ناممکن ہو گیا کہ کوئی قوت اسلام اور مسلمانوں کے فنا کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ امن کی یہ کیفیت کہ مسلمانوں کو اندرونی و بیرونی ہر قسم کے خوف سے نجات کامل حاصل ہو گئی تھی۔ آپس میں سب باہم متفق و موافق تھے۔ کسی قسم کا اختلاف و نزاع ان میں نہ تھا۔ یہ مضمون کتب شیعہ سے بھی ثابت ہے چنانچہ نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر قسم اول میں ہے کہ جب ایران کی لڑائی میں حضرت عمر نے حضرت علی سے مشورہ لیا تو حضرت علی نے فرمایا۔

والعرب الیوم وان کانوا قلیلا	اہل عرب کی تعداد اگرچہ آج کم ہے لیکن وہ
فہم کثیرون بالاسلام وعزیزون	بسبب اسلام کے بہت طاقتور ہیں اور یہ
بالاجتماع۔	بسبب باہمی اتفاق کے بہت غالب ہیں۔

لہذا جب باہم ایسا اتفاق و اجتماع تھا تو اندرونی خوف کا نام ونشان نہیں ہو سکتا۔ بیرونی خوف کی یہ حالت تھی کہ دنیا میں کوئی دشمن مسلمانوں کے برابر طاقت رکھنے والا باقی نہ تھا۔ کفر کی تمام طاقتیں ٹوٹ چکی تھیں دنیا میں جو کافر تھا مسلمانوں سے خائف و ترساں تھا۔ خدا کی قدرت ہے کہ ایک وقت وہ تھا کہ صبح سے شام تک شام سے صبح تک ہر وقت مسلمانوں کو ہتھیار بند رہنا ہوتا تھا۔ ہر وقت خطرہ جان کا ہر شخص کو لگا ہوا تھا اور بظاہر اسباب یہی معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان روز فردا میں فنا کر دیئے جائیں گے۔ چند ہی روز کے بعد معاملہ برعکس ہو گیا۔ ہر قسم کا خوف و ہراس دشمنوں کے حصہ میں آ گیا اور مسلمان امن و اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے۔ ؎

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا ۔۔۔ ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

چار دل امور کی تحقیق ہو چکی اور اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ آیت کے موعود لہم

صرف زمانہ نزول آیت کے مومنین صالحین یعنی مہاجرین و انصار ہیں ان کے سوا آیت کا موعود لہ کسی کو بنانا عقلاً نقلاً لغتہً کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا۔ اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ان موعود لہم میں سے تین بزرگوں کے ہاتھ پر خدا کا یہ وعدہ پورا ہوا اور تینوں موعودہ نعمتیں انہیں موعود لہم یعنی مہاجرین و انصار کو تین بزرگوں کے ذریعہ سے ملیں۔ پس کچھ شک نہ رہا کہ ان تینوں بزرگوں کی خلافت خلافتِ حقہ موعودہ قرآن کریم تھی۔

والحمد للہ تعالیٰ علی ثبوت المراد باوضح دلیل وابین کلام۔

فصل دوم

بہت سی روایات صحیحہ فریقین کی کتب معتبرہ میں ہیں جو اس آیت کی تفسیر میں ذکر کرنے کے قابل ہیں اور وہ روایتیں بتلاتی ہیں کہ وحی آسمانی میں حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت معین ہوچکی تھی۔ یہاں ہم نمونہ کے طور پر چند روایات فریقین کی نقل کرتے ہیں۔

روایاتِ اہل سنّت

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینما انا نائم رأیتنی علی قلیب علیہا دلو فنزعت منہا ما شاء اللہ ثم اخذہا ابن ابی قحافۃ فنزع منہا ذنوبا او ذنوبین وفی نزعہ ضعف واللہ یغفر لہ ثم استحالت غربا فاخذہا ابن الخطاب فلم ار عبقریا من الناس ینزع نزع عمر حتی ضرب الناس بعطن

فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں کہ میں سو رہا تھا میں نے خواب میں اپنے کو ایک کنویں پر دیکھا کہ ڈول بھی اس پر تھا میں نے اس سے جس قدر خدا کو منظور تھا ڈول بھرے پھر اس ڈول کو ابوبکر نے لے لیا اور انہوں نے ایک ڈول بلکہ دو ڈول بھرے مگر ان کے بھرنے میں کچھ ضعف تھا اللہ اس کو معاف کرے۔ پھر وہ ڈول بڑا بن گیا اور اس کو عمر نے لے لیا میں نے کسی زور آور کو ایسا نہیں دیکھا کہ وہ عمر کی طرح

اخرجه الشیخان من حدیث ابی هریرة والترمذی من حدیث ابن عمر رضی الله عنهما۔

زور وطاقت سے بھرتا یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو گئے اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے اور ترمذی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے۔

ف اس حدیث میں صریح اشارہ شیخین کے خلافت کی طرف ہے اور حضرت عمر کی خلافت کی قوت اور کثرت فتوحات کا بھی بیان ہے اور بمقابلہ ان کے حضرت صدیق کی خلافت میں کچھ ضعف اضافی بھی بتایا گیا ہے تو واقعی یہی بات ہے کہ اُن کے عہد میں یہ شوکت و قوت یہ کثرت فتوحات نہیں ہے مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو مدت کم ملی دو برس کئی ماہ ان کی خلافت رہی۔

اخرج ابوداؤد عن ابی بکرة ان رجلا قال لرسول الله صلی الله علیه وسلم رایت کان میزانا نزل من السماء فوزنت انت وابوبکر فرجحت انت ووزن ابوبکر وعمر فرجح ابوبکر ووزن عمر وعثمان فرجح عمر ثم رفع المیزان فاستاء لها رسول الله صلی الله علیه وسلم یعنی فساء ذلك فقال خلافة نبوة ثم یؤتی الله الملك من یشاء۔

ابوداؤد نے حضرت ابوبکرہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا کہ گویا ایک ترازو آسمان سے اترا اس میں آپ اور ابوبکر وزن کیے گئے تو آپ وزنی رہے پھر ابوبکر و عمر وزن کیے گئے ابوبکر وزنی رہے پھر عمر اور عثمان وزن کیے گئے اور عمر وزنی رہے بعد اس کے وہ ترازو اوپر اٹھالی گئی اس خواب کو سن کر (ترازو کے اٹھ جانے سے) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا اور آپ نے فرمایا کہ یہ خلافت نبوت ہے اس کے بعد خدا جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا

ف ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ترازو میں تولے جانے کا خواب کچھ تھوڑا سا بفرق عنوان بیان فرمایا ہے اس روایت میں خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا بیان ہے۔

عن جبیر ابن مطعم ان امرأة اتت رسول الله صلی الله علیه وسلم فکلمته فی شیء فامرها ان ترجع قالت فان لم اجدك كأنها تقول الموت قال ان لم تجديني فاتي ابا بكر اخرجه البخاري و مسلم والترمذي وابو داؤد و ابن ماجه.

جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کسی معاملہ میں آپ سے گفتگو کی آپ نے اسے حکم دیا کہ پھر آنا اس نے کہا اگر میں آپ کو نہ پاؤں (مطلب یہ کہ آپ کی وفات ہو جائے) تو آپ نے فرمایا مجھے نہ پانا تو ابوبکر کے پاس جانا اس حدیث کو بخاری و مسلم و ترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

اخرج الحاكم عن انس بن مالك قال بعثني بنو المصطلق الى رسول الله صلى الله عليه وسلم الى من ندفع زكوتنا اذا حدث لك حدث قال ادفعوها الى ابي بكر فقلت ذلك لهم قال قالوا فسله ان حدث بابي بكر حدث الموت الى من ندفع زكوتنا فقلت له ذلك فقال تدفعونها الى عمر قالوا فالى من ندفعها بعد عمر فقلت له قال ادفعوها الى عثمان.

حاکم نے حضرت انس بن مالک سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں مجھے قبیلہ بنی مصطلق کے لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ پوچھو ہم اپنی زکوٰۃ بعد آپ کے کس کو دیں آپ نے فرمایا ابوبکر کو میں نے پھر جا کر ان سے کہہ دیا انہوں نے کہا جاؤ پوچھو کہ اگر ابوبکر کی وفات ہو جائے تو پھر کس کو دیں آپ نے فرمایا عمر کو ان لوگوں نے کہا پھر عمر کے بعد کس کو دیں آپ نے فرمایا عثمان کو۔

ف اس مضمون کی روایات بہت ہیں کسی میں زکوٰۃ کا حوالہ اپنے بعد خلفاء ثلاثہ پر فرمایا ہے کسی میں اپنے قرض کی ادائی کا کسی میں اور کسی معاملہ کا یہ سب ولیعہدی کے دلائل ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ پوچھا گیا حضرت عثمان کے بعد۔ تو فرمایا کہ حضرت عثمان کے بعد ہو سکے تو مر جاؤ یعنی ان کے بعد بڑے بڑے فتنے ہوں گے۔

عن ابن عباس قال واللہ ان امارۃ ابی بکر وعمر لفی کتاب اللہ قال اللہ تعالیٰ واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا قال لحفصۃ ابوک وابو عائشۃ اولیاء الناس بعدی فایاک ان تخبری بہ احدا اخرجہ الواحدی۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم ابوبکر وعمر کی خلافت کتاب اللہ میں مذکور ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب نبی نے اپنی بعض بیبیوں سے ایک راز کی بات کہی کہی وہ راز کی بات یہ تھی کہ آپ نے حفصہ سے کہا کہ تمہارے والد اور عائشہ کے والد لوگوں پر میرے بعد حاکم ہوں گے اس کو کسی سے بیان نہ کرنا یہ روایت علامہ واحدی نے لکھی ہے۔

ف یہ روایت کتب شیعہ میں بھی ہے چنانچہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ منقول ہوگی۔

عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قبیل مرضہ لقد ھممت او اردت ان ارسل الی ابی بکر وابنہ فاعھد ان یقول القائلون او یتمنی المتمنون ثم قلت یابی اللہ ویدفع المؤمنون او یدفع اللہ ویابی المؤمنون اخرجہ البخاری۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ پہلے فرمایا کہ بہ تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ ابوبکر کو اور ان کے بیٹے کو بلاؤں اور عہدنامہ لکھوا دوں تاکہ کہنے والے کچھ کہیں نہ کہیں اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کریں پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اللہ انکار کرے گا اور مسلمان رد کر دیں گے یہ حدیث بخاری نے روایت کی ہے۔

اقوال مفسرین اہل سنت

امام محمد بن جریر طبری اپنی مشہور تفسیر موسوم بہ جامع البیان میں اس آیت کے نیچے لکھتے ہیں:۔

(۱) یقول تعالیٰ ذکرہ وعد اللہ الذین آمنوا باللہ ورسولہ منکم ایھا الناس وعملوا الصالحات یقول واطاعوا اللہ ورسولہ فیما امرا ونھیا و لیستخلفنھم فی الارض لیورثھم اللہ ارض المشرکین من العرب والعجم فیجعلھم ملوکھا و ساستھا کما استخلف الذین من قبلھم یقول کما فعل من قبلھم ذلک ببنی اسرائیل اذا اھلک الجبابرۃ بالشام وجعلھم ملوکھا و سکانھا ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم یقول ولیوطنن لھم دینھم یعنی ملتھم التی ارتضیٰ لھم فامرھم بھا۔

فرمایا ہے اللہ نے بلند ہے ذکر اس کا کہ وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر تم میں سے اے لوگو اور کیے انہوں نے اچھے کام یعنی اطاعت کی انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی ان چیزوں میں جو اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیں اور جو منع کیں کہ ضرور ضرور خلیفہ کرے گا ان کو زمین میں یعنی مالک بنائے گا ان کو اللہ مشرکوں کی زمین کا عرب کا اور عجم کا اور کر دے گا ان کو بادشاہ اور صاحب حکومت ان زمینوں کا جس طرح خلیفہ بنایا تھا ان کو جو ان سے پہلے تھے یعنی جیسا معاملہ کیا تھا اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ جبکہ ہلاک کیا جبابرہ کو شام میں اور کر دیا بنی اسرائیل کو بادشاہ اور سکونت پذیر وہاں کا اور ضرور ضرور تمکین دے گا ان کے لیئے دین کو یعنی ان کے مذہب کو جو پسند کیا واسطے ان کے اور حکم دیا ان کو اس مذہب کا۔

پھر من کفر بعد ذلک کی تفسیر میں رقم فرماتے ہیں۔

قال القاسم ابو علی بقتلھم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔

قاسم ابو علی نے کہا ہے کہ اس نعمت خلافت کے کفران کی ابتداء حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قتل سے ہوئی۔

ف اس تفسیر سے صاف ظاہر ہے کہ وعدہ مسلمانان سے ہے اور عرب و عجم کی بادشاہت کی تصریح سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ وعدہ عہد رسول میں پورا نہیں ہوا۔ بلکہ

حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں پورا ہوا کیونکہ عرب وعجم کی بادشاہت انہیں کے زمانہ میں حاصل ہوئی نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ سب سے پہلی ناشکری اس نعمت کی حضرت عثمان کی شہادت سے ہوئی۔

(۲) تفسیر امام ابن کثیر میں ہے۔

هذا وعد من الله تعالى لرسوله صلوات الله وسلامه عليه بانه يجعل امته خلفاء الارض اى ائمة الناس وولاة عليهم بهم تصلح البلاد وتخضع لهم العباد وليبدلنهم من بعد خوفهم من الناس وفيهم و قد فعله تبارك وتعالى وله الحمد والمنه فانه صلى الله عليه وسلم لم يمت حتى فتح الله عليه مكة وخيبر والبحرين وسائر جزيرة العرب وارض اليمن بكمالها واخذ الجزية من مجوس هجر ومن بعض اطراف الشام وهاداه هرقل ملك الروم وصاحب مصر واسكندرية وهو المقوقس وملوك عمان والنجاشى ملك الحبشة الذى تملك بعد اصحمه رحمه الله واكرمه ثم

یہ وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکے رسول صلوات اللہ علیہ وسلامہ علیہ کو کہ وہ عنقریب آپ کی امت کو زمین کا خلیفہ یعنی لوگوں کا امام اور ان پر والی بنائے گا اور ان سے شہروں کی درستی ہوگی اور بندگان خدا سب ان کے فرمانبردار ہوں گے اور بعد اس کے کہ وہ لوگوں سے ڈرتے تھے ان کو امن وحکومت عنایت کرے گا اور اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پورا کیا اس کا شکر اور احسان ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہونے پائی کہ اللہ نے آپ پر مکہ اور خیبر اور بحرین اور بقیہ جزیرۂ عرب اور اور سرزمین یمن کامل آپ پر فتح کردی اور آپ نے مجوس ہجر سے اور بعض اطراف شام سے جزیہ لیا اور ہرقل شاہ روم اور مقوقس صاحب مصر اسکندریہ اور نجاشی بادشاہ حبش نے جو بعد اصحمہ رحمہ اللہ واکرمہ کے بادشاہ ہوئے تھے آپ کی خدمتیں ہدایا بھیجے پھر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور اللہ نے آپ کے لیئے بزرگی پسند کی جو اس کے پاس ہے تو آپ کے خلیفہ ابوبکر صدیق والی امر ہوئے جو کچھ کمزوری حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے

لما مات رسول الله صلی الله علیه وسلم واختار الله له ما عنده من الکرامة قام بالامر بعده خلیفة ابوبکر الصدیق فلم شعث ما وهی بعد موته صلی الله علیه وسلم واخذ جزیرة العرب ومهدها وبعث جیوش الاسلام الی بلاد فارس صحبة خالد بن الولید رضی الله عنه ففتحوا طرفا منها وقتلوا خلقا من اهلها وجیشا اخر صحبة ابی عبیدة رضی الله عنه ومن اتبعه من الامراء الی ارض الشام وثالثا صحبة عمرو بن العاص رضی الله عنه الی بلاد مصر ففتح الله للجیش الشامی فی ایامه بصری ودمشق ومخالیفهما من بلاد حوران وما والاها وتوفاه الله عزوجل واختار له ما عنده من الکرامة ومن علی اهل الاسلام بان الهم الصدیق ان استخلف عمر الفاروق فقام بالامر بعده قیاما تاما لم یدر الفلک بعد الانبیاء علی مثله فی قوة سیرته وکمال عدله وتم فی ایامه فتح البلاد

پیدا ہوگئی تھی اس کو انہوں نے درست کیا اور جزیرہ عرب کو لے کر آراستہ کیا اور افواج اسلام کو بلاد فارس کی طرف بہمراہی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھیجا انہوں نے ایک حصہ اس کا فتح کیا اور وہاں کے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور ایک اور لشکر بہمراہی حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور اُن سرداروں کے جو ان کے ساتھ تھے سرزمین شام کی طرف بھیجا اور تیسرا لشکر بہمراہی حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ ملک مصر کی طرف بھیجا پس اللہ نے شامی لشکر پر ان کے زمانہ میں بصریٰ اور دمشق اور ان کے اطراف وجوانب یعنی حران اور اس کے مضافات فتح کر دیئے اور ان کے لئے وہ عزت پسند کی جو اس کے پاس ہے اور مسلمانوں پر یہ احسان کیا کہ حضرت صدیق کو یہ الہام کیا کہ انہوں نے عمر فاروق کو خلیفہ بنایا انہوں نے ان کے بعد مہمات خلافت پوری طرح انجام دیئے۔ انبیاء کے بعد ان کا مثل آسمان نے نہیں دیکھا ان کی سیرت کی قوت اور کمال عدل میں اور ان کے زمانہ میں بلاد شامیہ کی فتح کامل ہوگئی اور ملک مصر پورا فتح ہو گیا اور اکثر حصہ ملک فارس کا انہوں نے کسریٰ کا ملک توڑ دیا اور اس کو نہایت درجہ ذلیل کیا اور اس کو انتہائے ملک تک بھگا دیا اور قیصر کو بھی توڑ دیا اور اس کا ہاتھ بلاد شام سے

الشامية بكمالها وديار مصر الى اخرها و
اكثر اقاليم فارس وكسر كسرى واهانه غاية
الهوان وتقهقر الى اقصى مملكته وقيصر
وانتزع يدا عن بلاد الشام والحدار الى
لقسطنطنية ونفق اموالها فى سبيل الله
كما اخبر بذلك ووعد به رسول الله نبى صلى
الله عليه وسلم عليه من ربه اتم سلام وازكى
صلوة ثم لما كانت الدولة العثمانية امتدت
الممالك الاسلامية الى اقصى مشارق
الارض ومغاربها ففتحت بلاد مغرب الى
اقصى ما بينها مالك الاندلس وقبرص وبلاد
القيروان وبلاد سته مما يلى البحر المحيط ومن
ناحية المشرق الى اقصى بلاد الصين وقتل
كسرى وباد ملكه بالكلية وفتحت مدائن
العراق وخراسان والاهواز وقتل المسلمون
من الترك مقتلة العظيمة جدا وخذل الله
ملكهم الاعظم خاقان وجئ بالخراج من
المشارق والمغارب الى حضرة امير المؤمنين
عثمان بن عفان رضى الله عنه۔

اٹھا دیا اور قسطنطنیہ کی طرف رُخ کیا اور وہاں
کے مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیئے جیسا کہ
اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی اور رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم سے اس کا وعدہ کیا گیا تھا پھر جب
دولتِ عثمانیہ کا زمانہ آیا تو اسلامی ممالک بہت
بڑھ گئے انتہائے مشرق و مغرب تک پہنچ گئے۔
پھر بلادِ مغرب کے آخر تک یعنی اندلس اور قبرص
اور بلاد قیروان اور بلادِ سبتہ جو بحر محیط سے ملے
ہوئے ہیں فتح ہوئے اور اطراف مشرق سے
انتہائے ملک چین تک فتح ہو گئے اور کسریٰ
بھی قتل ہو گیا اور اس کا ملک برباد ہو گیا اور
مدائن عراق و خراسان و اہواز فتح ہوئے اور
مسلمانوں نے ترکیوں سے جنگ عظیم کی اور
اللہ نے ان کے بادشاہ اعظم خاقان کو ہلاک کر
دیا اور مشرق و مغرب سے امیر المؤمنین عثمان بن عفان
رضی اللہ عنہ کے حضور میں خراج لایا گیا۔

(۳) امام بغوی تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں۔

وفی الآية دلالة على خلافة الصديق وامامة الخلفاء الراشدين۔

اس آیت میں حضرت صدیق کی خلافت پر اور خلفاء راشدین کے امام برحق ہونے پر دلالت ہے۔

(۴) تفسیر کبیر میں ہے۔

المراد بهذا الاستخلاف طريقة الامامة ومعلوم ان بعد الرسول الاستخلاف الذي هذا وصفه انما كان في ايام ابي بكر وعمر وعثمان لان في ايامهم كانت الفتوح العظيمة وحصل التمكين وظهور الدين والامن ولم يحصل ذلك في ايام علي رضي الله عنه.	مراد اس استخلاف سے وہی طریقہ امامت (یعنی خلافت) کا ہے اور معلوم ہے کہ جس استخلاف کی یہ صفت ہے وہ ابوبکر و عثمان ہی کے زمانہ میں پایا گیا کیونکہ ان کے زمانہ میں بڑے بڑے فتوحات ہوئے اور تمکین اور غلبۂ دین اور امن حاصل ہوا اور یہ باتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہیں پائی گئیں۔

(۵) تفسیر مدارک میں ہے۔

والآية اوضح دليل على حقيقة خلافة الخلفاء الراشدين رضي الله عنهم اجمعين لان المستخلفين الذين امنوا وعملوا الصلحت هم هم.	یہ آیت بہت واضح دلیل ہے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی حقیقت خلافت پر کیونکہ وہ لوگ جو خلیفہ بنائے گئے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے وہ وہی ہیں۔

(۶) تفسیر بیضاوی میں ہے۔

وفيه دليل على صحة النبوة بالاخبار عن الغيب على ماهو به وخلافة الخلفاء الراشدين اذ لم يجتمع الموعود والموعود عليه بغيرهم بالاجماع.	اس آیت میں دلیل ہے نبوت کے صحیح ہونے پر بوجہ پیشینگوئی کے مطابق واقع ہونے کے۔ نیز دلیل ہے خلفائے راشدین کی خلافت کی کیونکہ نہیں جمع ہوئے موعود اور موعود علیہ ان کے بغیر بالاجماع۔

ف بالاجماع کی لفظ کس وضاحت سے بتا رہی ہے کہ اس آیت سے حقیقت خلافت خلفائے راشدین کے ثابت ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

(۷) تفسیر نیشاپوری میں ہے۔

ليستخلفنهم والقسم محذوف اى اقسم ليجعلنكم خلفاء في الارض كما	لیستخلفنہم میں قسم محذوف ہے یعنی میں قسم کھاتا ہوں کہ تم کو زمین میں بادشاہ کروں گا جس طرح

فعل ببنی اسرائیل حین اورثهم مصر والشام بعد اهلاك الجبابرة ولیمکنن لاجلهم الدین المرتضی و هو دین الاسلام۔

بنی اسرائیل کو کیا تھا جبکہ ان کو مصر اور شام کا وارث بنایا بعد ہلاک کرنے جبابرہ کے اور ضرور ضرور ان کے ذریعہ سے دین پسندیدہ یعنی دین اسلام کو مضبوط کر دے گا۔

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں۔

فانجز الله وعده و اظهرهم علی جزیرة العرب و ورثوا املاك الاکاسرة وخزائنهم و هذا اخبار بالغیب فیکون معجزا۔

پس پورا کیا اللہ نے وعدہ اپنا اور غالب کیا ان لوگوں کو جزیرہ عرب پر اور مالک بنائے گئے وہ لوگ شاہان ایران کی سلطنت اور ان کے خزانوں کے اور چونکہ یہ پیشینگوئی ہے لہذا یہ معجزہ ہے۔

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں۔

ومن کفر بهذه النعم الجسام وهی الاستخلاف والتمکین والامن بعد الخوف بعد حصول ذلك او بعد ماذکر فاولئك هم الکاملون فی الفسق قال اهل السنة فی الآیة علی امامة الخلفاء الراشدین لان قوله منکم للتبعیض وذلك البعض یجب ان یکون من الحاضرین فی وقت الخطاب ومعلوم ان الائمة الاربعة کانوا من اهل الایمان والعمل الصالح وکانوا حاضرین وقتئذ وقد حصل لهم الاستخلاف والفتوح فوجب ان

جو شخص ان بڑی بڑی نعمتوں کا یعنی استخلاف اور تمکین اور امن بعد الخوف کی ناشکری کرے بعد ان نعمتوں کے حاصل ہو جانے کے یا بعد ان کے مذکور ہو جانے کے تو وہی لوگ اعلیٰ درجہ کے فاسق ہیں اہل سنت نے کہا ہے کہ اس آیت میں دلالت ہے خلفائے راشدین کے امام (برحق) ہونے پر کیونکہ منکم میں من تبعیض کے لیئے ہے اور ضرور ہے کہ یہ بعض وہی لوگ ہوں جو خطاب کے وقت موجود تھے اور معلوم ہے کہ ائمہ اربعہ صاحب ایمان و صاحب عمل صالح تھے اور بوقت خطاب کے موجود بھی تھے اور ان کو استخلاف اور فتوحات بھی حاصل ہوئیں لہذا

يكونوا مراداً من الآية۔

ضروری ہوا کہ وہی لوگ اس آیت سے مراد ہوں۔

(۸) تفسیر خازن میں ہے۔

وفی الآية دليل على صحة خلافة ابی بکر صدیق والخلفاء الراشدین بعدہ لان فی ایامھم کانت الفتوحات العظيمة وفتحت كنوز كسرى وغيره من الملوك وحصل الامن والتمكين وظهور الدين۔

اور اس آیت میں دلیل ہے حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے بعد کے خلفائے راشدین کی خلافت کے صحیح ہونے پر کیونکہ اُن کے زمانے میں بڑے بڑے فتوحات اور شاہ فارس اور نیز دوسرے بادشاہوں کے خزانوں پر مسلمان قابض ہوئے اور امن اور تمکین اور غلبۂ دین بھی حاصل ہوا۔

(۹) تفسیر ابو سعود میں ہے۔

ليستخلفنهم فی الارض ليجعلنهم خلفاء متصرفين فيها تصرف الملوك فی ممالكهم۔

لیستخلفنہم فی الارض کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ان کو خلیفہ بنائے گا یعنی کہ وہ زمین میں ایسا تصرف کریں گے جیسا کہ بادشاہ اپنی سلطنت میں کرتے ہیں۔

(۱۰) تفسیر روح المعانی میں ہے۔

واستدل كثير بهذه الآية على صحة خلافة الخلفاء الاربعة رضی الله تعالىٰ عنهم لان الله تعالىٰ وعد فيها من فی حضرة الرسالة من المؤمنين بالاستخلاف وتمكين الدين والامن العظيم من الاعداء ولا بد من وقوع ما وعد به ضرورة امتناع الخلف فی وعده تعالىٰ ولم يقع ذلك المجموع الا فی عهدهم فكان كل منهم خليفة حقاً باستخلاف الله تعالىٰ اياه حيثما

بہت لوگوں نے اس آیت سے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے صحیح ہونے پر استدلال کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان مسلمانوں سے جو بارگاہ رسالت میں موجود تھے وعدہ کیا ہے استخلاف کا اور تمکین دین کا اور اعداء سے امن عظیم عنایت کرنے کا اور جو اس نے وعدہ کیا ہے اس کا واقع ہونا ضروری ہے بوجہ محال ہونے خلاف وعدگی اللہ تعالیٰ کے اور یہ مجموعہ نہیں پایا گیا مگر انہیں خلفاء کے عہد میں لہذا وہ سب خلیفہ برحق ہوئے اللہ تعالیٰ کے خلیفہ

وعد جل وعلا۔

کرنے سے جیسا کہ ان سے اللہ جل وعلا نے وعدہ کیا تھا۔

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں۔

ان الآية ظاهرة فی نزاهة الخلفاء الثلثة رضی الله عنهم عما رماهم الشيعة به من الظلم والجور والتصرف فی الارض بغير الحق لظهور تمكين الدين والامن التام من اعدائه فی زمانهم۔

بیشک یہ آیت ظاہر ہے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی پاکیزگی میں ان عیوب سے جو شیعوں نے ان پر افتراء کیے ہیں از قسم ظلم و جور اور تصرف در زمین بہ ناحق کیونکہ تمکین دین اور دشمنان خدا کی طرف سے امن تام کا ظہور ان کے زمانہ میں ہوا۔

(۱۱) تفسیر جلالین میں ہے۔

وليمكنن لهم دينهم الذی ارتضی لهم وهو الاسلام بان يظهره علی جميع الاديان ويوسع لهم البلاد فيملكوها وليبدلنهم بالتخفيف والتشديد من بعد خوفهم من الكفار امنا وقد انجز الله وعده لهم بما ذكره واثنی عليهم بقوله يعبدوننی ولا يشركون بی شيئا وهو مستانف فی حكم التعليل ومن كفر بعد ذلك الانعام منهم فاولئك هم الفاسقون واول من كفر به قتلة عثمان رضی الله عنه فصاروا يقتتلون بعد ان كانوا اخوانا۔

ضرور ضرور تمکین دے گا ان کے لیے اس دین کو جو پسند کیا اللہ نے ان کے لیئے اور وہ دین اسلام ہے یعنی غالب کردے گا دین اسلام کو تمام دینوں اور ان کو شہروں میں وسعت دے گا کہ وہ ان کے شہروں کے مالک ہو جائیں گے اور ضرور بدل دے گا خوف کفار کے بدلہ میں امن اور بہ تحقیق پورا کیا اللہ نے وعدہ اپنا ان سے جیسا کہ بیان فرمایا اور ان لوگوں کی تعریف کی اپنے اس قول سے کہ وہ لوگ میری پرستش کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے یہ ایک علیحدہ جملہ ہے گویا مضمون سابق کی دلیل ہے اور جو لوگ ان میں سے بعد اس انعام کے ناشکری کریں گے وہ لوگ فاسق ہیں سب سے پہلے جس نے اس نعمت کی ناشکری کی وہ حضرات

عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین تھے اس لئے کہ مسلمانوں میں باہم جنگ شروع ہوگئی بعد اسکے کہ وہ بھائی بھائی تھے ۔

(۱۲) تفسیر سراج المنیر میں ہے۔

لیستخلفنهم فی الارض ای ارض العرب والعجم بان یمد زمانهم وینفذ احکامهم فیجعلهم متصرفین فی الارض تصرف الملوك فی ممالیکهم۔

زمین میں خلیفہ بنائے گا یعنی زمین عرب وعجم میں اس طرح کہ ان کا زمانہ بڑھا دے گا اور ان کے احکام کو نافذ کردے گا اور ان کو زمین میں تصرف کرنیوالا بنائے گا جس طرح بادشاہ لوگ اپنی سلطنت میں تصرف کرتے ہیں۔

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں۔

وانجز الله تعالی وعده واظهرهم علی جزیرة العرب وافتتحوا بعد بلاد الشرق والمغرب ومزقوا ملك الاکاسرة وملکوا خزائنهم واستولوا علی الدنیا واستعبدوا ابناء القیاصرة وتمکنوا شرقا وغربا مکنة لم تحصل قبلهم لامة من الامم۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ان لوگوں کو جزیرہ عرب پر فتح یاب کیا اور اس کے بعد انہوں نے بلاد مشرق ومغرب کو فتح کیا اور شاہان فارس کی سلطنت کو انہوں نے پامال کردیا اور ان کے خزانوں کے مالک ہوگئے اور دنیا پر غالب آ گئے۔ اور شاہان روم کے بیٹوں کو انہوں نے غلام بنایا اور مشرق سے لے کر مغرب تک ان کو وہ تمکین حاصل ہوئی جو ان سے پہلے کسی امت کو حاصل نہیں ہوئی۔

(۱۳) تفسیر فتح البیان میں ہے۔

وانجز الله وعده واظهرهم علی جزیرة العرب وافتتحوا بعد بلاد الشرق والمغرب ومزقوا ملك الاکاسرة وملکوا خزائنهم

اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ان لوگوں کو جزیرہ عرب پر غالب کردیا اور بعد اس کے انہوں نے مشرق ومغرب کے شہروں کو فتح کیا اور شاہان فارس کی سلطنت کو پامال کردیا اور ان کے خزانوں کے

واستولوا علی الدنیا وفی الآیۃ اوضح
دلیل علی صحۃ خلافۃ ابی بکر
الصدیق والخلفاء الراشدین بعدہ
لان المستخلفین الذین آمنوا
عملوا الصالحات ھم وفی ایامھم
کانت الفتوحات العظیمۃ وفتحت
کنوز کسری وغیرہ من الملوک
وحصل الامن والتمکین وظھور
الدین. وعن سفینۃ قال سمعت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول
الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم تکون
ملکا ثم قال امسک خلافۃ ابی بکر
سنتین وخلافۃ عمر عشر سنین وخلافۃ
عثمان اثنتی عشرۃ سنۃ وعلی ستا
قال علی قلت لحماد القائل لسعید
امسک سفینۃ قال نعم اخرجہ
ابوداؤد والترمذی.

کے مالک ہو گئے اور دنیا پر غالب آ گئے اس آیت
میں بہت واضح دلیل ابوبکر صدیق اور ان کے بعد
کے خلفائے راشدین کی خلافت کے صحیح ہونے
کی ہے کیونکہ وہ مومنین صالحین جو خلیفہ بنائے گئے
وہی ہیں اور انہیں کے زمانہ میں فتوحات عظیمہ
حاصل ہوئے اور شاہ فارس اور نیز دوسرے بادشاہوں
کے خزانے مفتوح ہوئے اور امن و تمکین و ظہور
دین حاصل ہوا اور سفینہ سے مروی ہے کہ وہ
کہتے تھے میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے
سنا آپ فرماتے تھے خلافت میرے بعد تیس
برس تک رہے گی پھر سلطنت ہو جائے گی راوی
نے کہا تم گن لو ابوبکر صدیق کی خلافت دو برس
رہی عمر کی خلافت دس برس اور عثمان کی خلافت
بارہ برس اور علی کی چھ برس میں نے حماد
راوی سے کہا کہ کیا سعید کو یہ حساب سفینہ نے بتایا
تھا انہوں نے کہا ہاں اس روایت کو ابوداؤد
اور ترمذی نے لکھا ہے۔

(۱۴) علامہ جار اللہ زمخشری جو عربیت کے مسلم الثبوت امام اور معتزلی المذہب ہیں جن کے مذہب کی بنا تمام تر عقلیات محضہ پر ہے اپنی تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں۔

الخطاب لرسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ولمن معہ ومنکم للبیان
کالتی فی آخر سورۃ الفتح وعدھم
اللہ ان ینصر الاسلام علی الکفر

خطاب ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اور
ان لوگوں سے جو آپ کے ساتھ تھے اور منکم واسطے
بیان کے ہے جیسے کہ سورہ فتح کے اخیر میں ہے۔
اللہ نے ان سے وعدہ کیا کہ اسلام کو کفر پر فتحمند

ويورثهم الارض ويجعلهم
فيها خلفاء كما فعل ببني
اسرائيل حين اورثهم مصر
والشام بعد اهلاك الجبابرة
وان يمكن الدين المرتضى وهو
دين الاسلام وتمكينه تثبيته و
توطيده وان يؤمن سربهم و
يزيل عنهم الخوف الذي كانوا
عليه وذلك ان النبي صلى الله عليه
وسلم واصحابه مكثوا بمكة عشر
سنين خائفين ولما هاجروا كانوا
بالمدينة يصبحون في السلاح
ويمسون فيه حتى قال رجل
اياتي علينا يوم نامن فيه ونضع
السلاح فقال صلى الله عليه وسلم
لا تغبرون الا يسيرا حتى يجلس
الرجل منكم في الملأ العظيم
محتبيا ليس معه حديدة
فانجز الله وعده واظهرهم على
جزيرة العرب وافتتحوا بعد
بلاد المشرق والمغرب ومزقوا
ملك الاكاسرة وملكوا
خزائنهم واستولوا على الدنيا

کرے گا اور ان لوگوں کو زمین کا وارث بنائے گا
اور ان کو زمین میں بادشاہ کرے گا جیسا کہ بنی
اسرائیل کے ساتھ کیا تھا جب کہ ان کو جبابرہ کے
ہلاک کرنے کے بعد مصر اور شام کا وارث بنایا
اور یہ کہ دین پسندیدہ یعنی دین اسلام کو تمکین
دے گا تمکین دینے کا مطلب یہ ہے کہ قائم
کر دیا اور مضبوط کر دیا اور یہ وعدہ کیا تھا کہ
ان کے خوف کو اور دہشت کو ان سے دور کر
دے گا جو ان پر طاری تھا اور اس کی کیفیت یہ
یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب
مکہ میں دس برس تک نہایت خوف کی حالت
میں رہے اور جب وہ ہجرت کر کے مدینہ میں
آئے تو تمام دن اور تمام رات ہتھیار پہنے ہوئے
گزر جاتی تھی یہاں تک کہ ایک شخص نے کہا کہ ہم پر
کوئی دن ایسا نہ آئے گا جس میں ہم امن سے ہوں
اور ہتھیار رکھ دیں پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ حالت
ہو گی کہ کوئی شخص تم میں سے ایک بڑی جماعت
میں بیٹھے گا اور اس کے پاس ایک ہتھیار بھی
نہ ہو گا پس اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ان لوگوں
کو جزیرہ عرب پر غالب کر دیا اور بعد میں ان
لوگوں نے مشرق و مغرب کے شہروں کو فتح
کر لیا۔ اور شاہان ایران کی سلطنت کو پامال کر دیا

ثم خرج الذين على ... ف سيرتهم فكفروا بتلك الانعم وفسقوا وذلك قوله صلى الله عليه وسلم الخلافة بعدى ثلثون سنة ثم يملك الله من يشاء فتصير ملكا ثم تصير بزبزى تقطع سبيل وسفك دماء واخذ اموال بغير حقها۔	اوران کے خزانوں کے مالک بن گئے اور دنیا پر غالب آگئے بعد اس کے وہ لوگ پیدا ہوئے جوان کی روش کے خلاف تھے انہوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کی اور فاسق ہوگئے یہی مطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا ہے کہ خلافت میرے بعد تیس برس تک رہے گی اس کے بعد پھر اللہ جس کو چاہے گا بادشاہ بنائے گا پس وہ سلطنت ہو جائے گی پھر خلافت رہزنی اور خونریزی اور ناحق لوگوں کے مال لے لینے کا نام ہو جائے گی۔

پھر بعد اس کے الفاظ آیت کی شرح سے فارغ ہو کر لکھتے ہیں۔

فان قلت هل فى هذه الآية دليل على امر الخلفاء الراشدين قلت اوضح دليل وابنيه لان المستخلفين الذين امنوا وعملوا الصالحات هم هم۔	اگر کہے تو کہ کیا تو اس آیت میں خلفائے راشدین کے معاملہ کی کچھ دلیل ہے تو میں جواب دوں گا کہ بہت واضح اور روشن دلیل ہے کیونکہ جو مومنین صالحین خلیفہ بنائے گئے وہ وہی ہیں۔

(۱۵) تفسیر غایۃ البرہان میں ہے۔

یہ آیت دلالۃ امر مسلمین پر بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے پس مثلیت حضرت موسیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو فصل ۲ سفر مستثنیٰ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ہوا کہ قوم مرہ بن کعب جد امجد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی خلیفہ نہ ہوا جیسے بنی لاوی سے بعد موسیٰؑ کے کوئی خلیفہ نہ ہوا بلکہ مثل یوشع افرئیمی کی قوم تیم بن کعب سے بعد آپ کے ابوبکر صدیق حسب وعدہ خلیفہ ہوئے اور یوشع کی سی انہوں نے فتوحات حاصل کیں اور جیسے یوشع نے کالب کو اپنا خلیفہ کیا ویسے ہی صدیق نے عمر کو خلیفہ کیا جو عدی بن کعب سے ہیں اور کالب کی طرح سے بڑی فتوحات فاروق اعظم کی ہوئیں اور مسلمانوں کو دشمنان

دین کا خوف جاتا رہا اور عبادت خدا بلاشرک کے جاری ہوئی اور عمر کے بعد یوساتوس کی طرح سے عثمان خلیفہ ہوئے ان کے آخر زمانہ میں جیسے بنی اسرائیل نے کفران نعمت کی ویسے خارجیوں نے (جو اہل اسلام میں سے تھے) کفران نعمت کی کہ خلیفہ برحق پر خروج کیا اور سخت خرابی اہل اسلام میں واقع ہوئی تو علی مرتضیٰ خلیفہ برحق ہوئے پران پر بھی خروج ناحق ہوا اس سے صاف تمثیل کی حقیقت ظاہر ہوئی۔

روایات وتفاسیر شیعہ

واضح رہے کہ اس آیۂ استخلاف سے حقیقت ہر سہ خلافت پر سب سے پہلے جس نے استدلال کیا وہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں انہوں نے اس آیت کو حضرت فاروق اعظم کی خلافت پر منطبق فرمایا۔ چنانچہ نہج البلاغہ مطبوعہ مصر قسم اول ص۲۸۲ میں ہے کہ جب حضرت عمر نے جہاد فارس کے وقت حضرت علی سے خود اپنے جانے کے متعلق مشورہ لیا تو حضرت علی نے جواب دیا کہ:۔

(۱) ان هذا الامر لم یکن نصره ولا خذلانه بکثرة ولا بقلة وهو دین الله الذی اظهره وجنده الذی اعده وامده حتی بلغ ما بلغ وطلع حیث طلع ونحن علی موعود من الله والله منجز وعده وناصر جنده۔	بیشک اس دین کی فتح وشکست کثرت وقلت لشکر کے سبب سے نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کا دین ہے جس کو اس نے غالب کیا اور یہ اسی کا لشکر ہے جس کو اس نے مہیا کیا اور مدد دی یہاں تک کہ پہنچا یہاں تک پہنچا اور پھیلا جہاں تک پھیلا اور ہم لوگ اللہ کے ایک وعدہ پر ہیں اور اللہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کو مدد دینے والا ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ نے خدا کے وعدہ کا حوالہ جو اس کلام میں دیا ہے تمام شارحین نہج البلاغہ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ وعدہ آیت استخلاف ہی سے انہوں نے اخذ کیا ہے اور عقل سلیم بھی یہی کہتی ہے کہ ضرور اسی آیت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اور کسی آیت میں خلافت وتمکین کی خبر وعدہ کے لفظ کے ساتھ نہیں ہے۔ علامہ ابن میثم بحرانی اس قول کی شرح میں لکھتے ہیں

وعدنا بموعود هو النصر والغلبة والاستخلاف فی الارض کما قال وعد الله الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنهم فی الارض۔

اللہ نے ہم سے وعدہ کیا ہے یعنی مدد اور غلبہ اور خلافت کا زمین میں جیسا کہ فرمایا وعد اللہ الذین امنوا منکم یعنی اللہ نے وعدہ دیا ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے تم میں سے اور انہوں نے اچھے کام کیے کہ ضرور ان کو خلیفہ بنائے گا زمین میں۔

حضرت علی المرتضیٰ نے اپنے اس کلام میں کس فصاحت و بلاغت سے حضرت عمر کا خلیفہ برحق ہونا، ان کی خلافت کا اس آیت کی موعودہ خلافت ہونا بیان فرمایا، ان کے دین کو اللہ کا دین اور ان کے لشکر کو اللہ کا لشکر بتایا اور اپنے آپ کو حضرت عمر کی جماعت میں شامل کر کے فرمایا کہ ہم سے خدا کا وعدہ ہے۔

اسی قسم کا کلام حضرت علی المرتضیٰ نے اس وقت بھی فرمایا جب جہاد روم میں حضرت عمر نے ان سے مشورہ لیا۔ نہج البلاغہ قسم اول صـ٢٧ مطبوعہ مصر میں ہے۔

(٢) قد توکل الله لاهل هذا الدین باعزاز الحوزة وستر العورة۔

بہ تحقیق اللہ ذمہ دار ہو گیا ہے اس دین والوں کے لیے ان کی جماعت کو غالب کرنے اور ان کی کمزوریوں کے چھپانے کا۔

اس کلام کی شرح میں بھی شارحین نہج البلاغہ متفق ہیں کہ حضرت علی نے اللہ کے ذمہ دار ہونے کا مضمون آیت استخلاف سے لیا ہے۔

علامہ ابن میثم لکھتے ہیں:۔

وهذا الحکم من قوله تعالیٰ وعد الله الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات۔

یہ مضمون اللہ تعالیٰ کے قول وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات سے جناب امیر نے لیا ہے۔

(٣) علامہ محسن کاشی تفسیر صافی مطبوعہ طہران صـ آیۂ استخلاف کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

لیجعلنهم خلفاء بعد نبیکم

لیستخلفنهم کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو بعد

نبی کے خلیفہ بنائے گا۔

پھر یہی مفسر اسی صفحہ میں ائمہ اہل بیت سے روایت کرتا ہے۔

وعن الباقر ولقد قال اللہ فی کتابہ لولاۃ الامر من بعد محمد خاصۃ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم الی قولہ فاولئک ہم الفاسقون۔

امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں خاص ان صاحبان حکومت کے لیے جو بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئے فرمایا کہ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم سے فاولئک ہم الفاسقون تک۔

④ نیز یہی مفسر ص میں سورۂ تحریم کی تفسیر میں تفسیر قمی سے نقل کرتا ہے۔

فقال ان ابابکر یلی الخلافۃ بعدی ثم بعدہ ابوک فقالت من انباک ھذا۔

رسول نے حفصہ سے فرمایا کہ ابوبکر میرے بعد والی خلافت ہوں گے پھر ان کے بعد تمہارے والد حفصہ نے پوچھا کہ آپ کو یہ خبر کس نے دی۔

تفسیر صافی میں عبارت منقولہ کے بعد پھر یہی مضمون بحوالہ تفسیر مجمع البیان و تفسیر عیاشی امام باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بحوالہ وحی الٰہی حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی خلافت کی خبر دے گئے تھے اور یہ خبر بطور خوشخبری کے اپنی بی بی کو خوش کرنے کے لیے آپ نے دی تھی اگر ان کی خلافت حقہ نہ ہوتی تو کیا رسول ایک ناجائز چیز کی خبر سنا کر اپنی بی بی کو خوش کرنا چاہتے تھے۔

⑤ علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان میں آیت استخلاف کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم ای صدقوا باللہ ورسولہ وبجمیع ما یجب قبرلہ وعملوا الصالحات ای الطاعات الخالصۃ للہ لیستخلفنہم فی الارض والمعنی

وعدہ دیا ہے اللہ نے ان لوگوں کو جو تم میں سے ایمان لائے یعنی انہوں نے اللہ اور رسول کی اور تمام ان باتوں کی تصدیق کی جن کا قبول کرنا واجب ہے اور اچھے کام یعنی خالص اللہ کے لیے عبادتیں کیں کہ ضرور ضرور ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔

لیورثھو ارض الکفار من العرب والعجم فیجعلھو سکانہا و ملوکہا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو کافروں کی زمین عرب و عجم کا وارث بنائے گا یعنی ان کو زمینوں کا ساکن اور بادشاہ بنائے گا۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اپنے زمانۂ خلافت میں اکثر حضرات خلفائے ثلاثہ خصوصاً شیخین رضی اللہ عنہما کی تعریف فرمایا کرتے تھے اور مسئلہ تفضیل شیخین میں تو جس قدر اہتمام انہوں نے کیا اس قدر اہتمام تو کسی نے نہیں کیا چند کلام آپ کے بطور نمونہ حسب ذیل ہیں:۔

(۶) نہج البلاغہ قسم دوم ص۲۵۳ میں ہے۔

وولیھم وال فاقام واستقام حتی ضرب الدین بجرانہ۔ اور حاکم ہوا مسلمانوں پر ایک حاکم پس اس نے قائم کیا دین اور ٹھیک چلا یہاں تک کہ دین نے اپنا سینہ زمین پر رکھ دیا۔

اونٹ جب راحت و اطمینان کی حالت میں ہوتا ہے تو اپنا سینہ زمین پر رکھ دیتا ہے حضرت علی مرتضیٰ نے اس کلام میں دین کو اونٹ سے تشبیہ دی ہے مطلب یہ کہ اس حاکم کے عہد میں دین کو کمال قوت و راحت حاصل ہو گئی گو اس کلام میں نام کسی کا نہیں ہے لیکن اوصاف بتلا رہے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب کے سوا کوئی مراد نہیں ہو سکتا۔ علامہ فتح اللہ کاشانی ترجمہ نہج البلاغہ میں پہلے فقرہ کا ترجمہ لکھتے ہیں۔ کہ والی ایشاں شد والی کہ آن عمر بن خطاب است۔ اور آخری فقرہ کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ تا آنکہ بزد دین پیش سینہ خود را بر زمین و این کنایت است از استقرار و تمکین اہل اسلام۔

(۷) نہج البلاغہ قسم دوم ص۷ میں ہے۔ کہ حضرت علی نے حضرت معاویہ کو خط بھیجا کہ جس کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علی ما بایعوا ھم علیہ فلم یکن بہ تحقیق مجھ سے بیعت کی ہے ان لوگوں نے جنہوں نے بیعت کی تھی ابوبکر و عمر و عثمان سے انہیں شرائط پر جن شرائط کے ساتھ ان سے بیعت کی

للشاهد ان يختار ولا للغائب ان يرد وانما الشورى للمهاجرين والانصار فان اجتمعوا على رجل وسموه اماما كان ذلك لله رضى فان خرج من امرهم خارج بطعن او بدعة ردوه الى ما خرج منه فان ابى قاتلوه على اتباعه غير سبيل المؤمنين وولاه الله ما تولى ولعمرى يا معاوية لئن نظرت بعقلك دون هواك لتجدنى ابرء الناس من دم عثمان ولتعلمن انى كنت فى عزلة منه۔

تھی لہٰذا اب نہ حاضر کو اختیار حاصل ہے کہ کسی اور پسند کرے اور نہ غائب کو میری خلافت کو رد کرے خلافت کے شورہ کا حق مہاجرین و انصار کو ہے وہ اگر کسی شخص پر متفق ہو جائیں اور اس کو امام کہہ دیں تو وہ اللہ کا پسندیدہ امام ہے مہاجرین و انصار کے مشورہ سے جو شخص خلاف ہو جائے کوئی اعتراض کر کے یا نئی بات نکال کر تو لوگ اس کو واپس لائیں اسی بات کی طرف جس سے وہ نکل گیا ہے اگر وہ نہ ملنے تو اس سے قتال کریں کیونکہ اس نے ایمان والوں کی راہ کے خلاف راہ اختیار کی اور اللہ اس کو اپنی طرف پھیرے گا جس طرف وہ پھرا ہے اور قسم اپنی جان کی اے معاویہ اگر تم عقل سے غور کرو اور خواہش نفسانی کو دخل نہ دو تو یقیناً مجھ کو خون عثمان سے سب سے زیادہ بے تعلق پاؤ گے اور یقیناً تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میں اس خون سے بالکل علیحدہ ہوں۔

ف اس خط میں حضرت علی مرتضیٰ نے نہایت تصریح کے ساتھ نام لے کر حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلیفہ برحق ہونے کی تصریح فرمائی اپنی خلافت کے برحق ہونے کے ثبوت میں اسبات کو پیش کیا کہ میرے ہاتھ پر ان لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ان تینوں خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی یہ بھی اس خط میں لکھ دیا کہ عقد خلافت کا مشورہ مہاجرین و انصار کا حق ہے وہ جس کو خلیفہ بنا دیں وہی خلیفہ پسندیدہ یعنی خلیفۂ برحق ہے۔ یہ بھی لکھ دیا کہ مہاجرین و انصار کے مقرر کیے ہوئے خلیفہ کو جو نہ مانے وہ واجب القتل

ہے۔ اس سے زیادہ تصریحات اور کیا ہو سکتی ہیں۔

(۸) علامہ باقر مجلسی نے حیات القلوب جلد دوم ص۳۵۵ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں اس ابتدائی زمانہ کا بیان ہے جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ نے قریش کو دعوت دین دی اس روایت کا بقدر ضرورت حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

حق تعالیٰ امر فرمود آنحضرت را اظہار دعوت خود پس حضرت بمسجد آمد و بر حجر اسمٰعیل ایستاد و بصدای بلند ندا کرد کہ اے گروہ قریش و اے طوائف عرب شمارا می خوانم بسوی شہادت بوحدانیت خدا و ایمان آوردن بہ پیغمبری من و امر می کنم بشمارا کہ ترک کنید بت پرستی را و اجابت نمائید مرا در آنچہ شمارا باں میخوانم تا بادشاہان عرب گردید و گروہ عجم شمارا فرمانبرداران گردند و در بہشت بادشاہان باشید۔

حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعویٰ نبوت ظاہر کرنے کا حکم دیا پس حضرت مسجد میں آئے اور حجر اسمٰعیل پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے آپ نے پکارا کہ اے گروہ قریش اور اے قبائل عرب تم کو میں بلاتا ہوں خدا کی وحدانیت کی گواہی دینے اور اپنی پیغمبری پر ایمان لانے کی طرف اور میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ بت پرستی کو چھوڑ دو اور جس حکم کی طرف میں بلاتا ہوں اس کو مانو۔ تاکہ تم عرب کے بادشاہ ہو جاؤ اور گروہ عجم تمہارے فرماں بردار بن جائیں اور بہشت میں تم بادشاہ ہو جاؤ۔

اس حدیث کا مطلب بہت صاف ہے اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس حدیث میں جو پیشینگوئی بادشاہت کی ہے یہ بادشاہت انہیں لوگوں کو ملنا چاہیئے جنہوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا ہو اور آپ کی اطاعت کی ہو اور اس وقت کے لوگوں میں بادشاہت عرب و عجم کی ملی حضرات خلفائے ثلاثہ کو حضرت علی ان کے محکوم و مغلوب رہے چوتھے نمبر پر حضرت علی کو بھی بادشاہت ملی مگر بقول شیعہ برائے نام پس اگر حضرات خلفائے ثلاثہ اور ان کے رفقاء کو دعوت نبی کا قبول کرنے والا آپ کی اطاعت کرنے والا نہ مانا جائے تو حدیث کی پیشینگوئی کا پورا ہونا چہ معنی اس کے برعکس کا ظہور ماننا پڑے گا کہ جن لوگوں نے

دعوت قبول کی وہ تو مغلوب و محکوم و مظلوم رہے اور جنہوں نے قبول دعوت و اطاعت سے انحراف کیا وہ تمام موعودہ نعمتوں پر قابض ہو گئے۔

حیات القلوب کی یہ حدیث بہترین تفسیر آیۂ استخلاف کی ہے آیت استخلاف کی تفسیر میں ابھی بہت سی احادیث کتب شیعہ کی نقل کی جا سکتی ہیں لیکن اب زیادہ ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ حضرات شیعہ ایسی صاف و صریح آیت اور ایسے واضح و روشن استدلال کے مقابلہ میں کیا تاویلات کرتے ہیں۔ ان تاویلات کو دیکھ کر ایک معمولی عقل کا آدمی بھی اچھی طرح فیصلہ کر سکتا ہے کہ شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے۔ مگر اپنے کو اسلامی فرقوں میں شمار کرانے کے لیئے صاف صاف نہیں کہتے۔ لیکن از روئے انصاف ان تاویلات سے بدرجہا بہتر تھا کہ وہ صاف صاف کہہ دیتے کہ ہم قرآن کو نہیں مانتے۔ ان تاویلات کا پورا ذخیرہ جوابات تحفۂ اثنا عشریہ و نیز مجتہدین لکھنؤ کے تصانیف متعلق مسئلہ امامت میں موجود ہے ہم اس میں سے محض نمونہ کے طور پر چند منتخب امور دکھلاتے ہیں۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

فصل چہارم

حضرات شیعہ نے خوب خوب جوابات اس آیت کے دیئے ہیں جتنے منہ اتنی باتیں مگر ان سب میں سے جو سب سے بڑھیا جواب ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اول یہ قرآن مجید محرف ہے اس میں پانچ قسم کی تحریف ہو گئی۔ اول اس میں سے آیتیں اور سورتیں نکال ڈالی گئی ہیں الفاظ بھی نکال ڈالے گئے معلوم نہیں اس آیت سے کتنے الفاظ نکال دیئے گئے اور ان کے نکل جانے سے مطلب کیا سے کیا ہو گیا۔

دوم اس قرآن میں بہت سی عبارتیں صحابہ نے اپنی طرف سے بنا کر بڑھا دیں جس سے کفر کے ستون قائم ہوتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوتی ہے

اور وہ عبارتیں قابل نفرت اور خلاف فصاحت بھی ہیں۔

سوم اس قرآن مجید کے الفاظ بدل دیئے گئے ہیں۔

چہارم اس قرآن مجید کے حروف بھی بدل دیئے گئے ہیں۔

پنجم اس قرآن مجید کی ترتیب بھی خراب کر دی گئی ہے ترتیب چار قسم کی ہے۔ سورتوں کی ترتیب، آیتوں کی ترتیب، الفاظ کی ترتیب، حروف کی ترتیب یہ چاروں قسم کی ترتیب قرآن موجودہ میں خلاف مرضی خدا و رسول ہے۔

المختصر یہ قرآن مجید ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اس سے شیعوں پر کوئی حجت و الزام قائم ہو سکے اس جواب سے اگرچہ شیعوں کی گلوخلاصی اس آیہ استخلاف بلکہ پورے قرآن کے احکام و مسائل سے ہو جاتی ہے، لیکن پھر اپنے کو مسلمانوں میں شمار کرانے کا اور مسلمانوں کو دل کر تباہ کرنے کا کوئی حیلہ ان کے پاس نہیں رہتا لہذا تحریف قرآن کا عذر سوا خاص خاص مواقع کے سوا کہیں نہیں بیان کیا جاتا۔

۲- قرآن معمی و چیستان ہے سوا پیغمبر کے اور اماموں کے کوئی اس کو سمجھ نہیں سکتا لہذا آیت استخلاف کیا معنی قرآن شریف کی کسی آیت کا نہ کوئی مطلب معلوم ہو سکتا ہے نہ جو ظاہری مطلب دوسروں کی سمجھ میں آتا ہو اس سے شیعوں کو الزام دیا جا سکتا ہے۔

ماحصل اس جواب کا بھی قریب قریب پہلے جواب کے مثل ہے اور جس طرح پہلا جواب دنیا میں کسی معمولی عقل والے کے سامنے بھی پیش کرنے کے قابل نہیں اسی طرح یہ جواب بھی۔

۳- آیت استخلاف میں خدا نے جو کچھ وعدہ کیا ہے وہ مومنین صالحین سے ہے اور حضرات خلفائے ثلاثہ کا مومن ہونا تسلیم نہیں صالح ہونا تو پیچھے کی بات ہے۔

جواب الجواب یہ ہے کہ بے شک آیت میں وعدہ مومنین صالحین سے ہے مگر حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا مومن کامل بلکہ سرتاج اہل ایمان ہونا ایسا قطعی اور ضروری مسالہ دین الہی کا ہے کہ کسی کلمہ گو کو اس کے تسلیم سے انحراف ہو ہی نہیں سکتا کسی اچھے سے اچھے مدعا پر اس سے زیادہ دلائل قائم نہیں ہو سکتے جتنے کہ اس مدعا

پر قائم ہیں جس کو اس میں کوئی شک ہو وہ رسالہ مباحثہ مکیریان و رسالہ ہزیمت شیعیان پنجاب دیکھیے کہ ان دونوں رسائل میں اسی۸۰ دلائل اس مسالہ کے متعلق مذکور ہیں۔ اور قطع نظر اس سے سو بات کی ایک بات یہ ہے کہ اگر اس آیت کے وعدہ کا حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں پورا ہونا نہ مانا جائے اور ان کی خلافتوں کو آیت کی موعودہ خلافت تسلیم کیا جائے خواہ اس کا سبب کچھ بھی ہو تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آیت پیشینگوئی صادق نہ ہوئی خدا کا وعدہ خلاف ہو گیا (معاذ اللہ منہ) کیونکہ حاضرین وقت نزول میں سے کسی وقت میں سوا حضرات خلفائے ثلاثہ کے آیت کی موعودہ تینوں نعمتوں کا مجموعہ نہیں پایا گیا پس اگر قرآن کریم اور اس کے وعدوں اور پیشینگوئیوں کی صداقت ضروری ہے تو بے چون و چرا مان لینا چاہیئے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت اس آیت کی موعودہ خلافت تھی اور یہ آیت ان کے خلیفہ برحق ہونے کی روشن دلیل ہے۔ اور جس کو حضرات خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا انکار بہت زیادہ ضروری معلوم ہوتا ہو اس کو اختیار ہے۔

۴۔ آیت استخلاف میں تو خدا نے خود خلیفہ بنانے کا وعدہ کیا ہے اور اہل سنت بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو مہاجرین و انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ بنایا یعنی ان کے ہاتھ پر بیعت کی لہذا وہ بالاتفاق خدا کے بنائے ہوئے خلیفہ نہ ہوئے پس ان کی خلافت اس آیت کی موعودہ خلافت نہیں ہو سکتی۔

جواب الجواب بے شک آیت میں خدا نے خود خلیفہ بنانے کا وعدہ کیا ہے۔ مگر خدا کے خلیفہ بنانے کا اس آیت میں وہی مطلب ہے جو آیات قرآنیہ میں خدا کے رزق دینے کھانا کھلانے کا مطلب ہوتا ہے **قولہ تعالیٰ** نحن نرزقھم و ایاکم وقولہ تعالیٰ اطعمھم من جوع نیز قرآن کریم میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مٹی پھینکنے کو اپنا فعل فرمایا۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ اسی طرح حضرات خلفائے ثلاثہ کے خلیفہ بنانے کو اپنا فعل فرمایا **اصل** یہ ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے یہاں حق تعالیٰ جو کچھ کرنا چاہتا ہے سبب و مسبب کے پردہ میں کرتا

ہے اور یوں تو جو چیز نیست سے ہست ہوتی ہے چھوٹی سے چھوٹی شے ہو یا بڑی سے بڑی وہ حقیقۃً خدا ہی کے کرنے سے ہوتی ہے لیکن بعض چیزوں میں کوئی خصوصیت ایسی پائی جاتی ہے کہ ان چیزوں کو خدا اپنی طرف منسوب فرماتا ہے اور جن میں وہ خصوصیت نہیں پائی جاتی ان کو اپنی طرف منسوب نہیں فرماتا ان بزرگوں کی خلافت چونکہ ایک اعلیٰ درجہ کا خیر ہے اور یہ خیر محض الہام غیبی اور تائید سماوی سے خدا کے مقبول و محبوب بندوں کے ہاتھ سے ظہور میں آیا اور کتنی نصوص قرآن و حدیث کی تصدیق کا ذریعہ بنا اس لیے خدا نے اس کو اپنا فعل فرمایا حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ العالی ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں :۔

باز معنی لیستخلفنہم آن ست کہ خدا تعالیٰ مستخلف ایشاں ست و ایں استخلاف منسوب با وست حقیقتش آں ست کہ خدائے تعالیٰ مدبر السموات والارض است و لطیف لما یشاء پس وقتی کہ صلاح عالم در نصب خلیفہ باشد الہام می فرماید در قلوب امت تا شخصی را کہ حکمت الٰہی مقتضی استخلاف او ست خلیفہ سازند بحقیقت جمیع حوادث منسوب بحق است لیکن چوں در بعض حوادث الہام الٰہی بجہت اقامت خیر متحقق میشود و در بعض تائید او سبحانہ کہ از قبیل خرق عوائد باشد ہمیش می آید و علی ہذا القیاس معانی دیگر کہ مخصص ایں حادثہ بحق باشد ایں استعمال اختیار می کنند کما قال تعالیٰ

لیستخلفنہم کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو خلیفہ بنانے والا ہے اور یہ خلیفہ بنانا خدا کی طرف منسوب ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا مدبر ہے اور جو چاہے بڑی خوبی سے کر سکتا ہے پس جس وقت کہ عالم کی درستی خلیفہ کے تقرر میں ہوتی ہے تو امت کے دلوں میں الہام کرتا ہے کہ کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنا لیں جس کے خلیفہ بنانے کو حکمۃ الٰہی مقتضی ہو یوں تو تمام حوادث حقیقۃً خدا کی طرف منسوب ہیں مگر بعض حوادث میں چونکہ خدا کا الہام خیر کے قائم کرنے کے لیے ہوتا ہے اور بعض میں حق تعالیٰ کی تائید جو از قسم خرق عادت ہوتی ہے شامل ہو جاتی ہے و علی ہذا القیاس کچھ اور باتیں جو اس حادثہ کو حق تعالیٰ کے ساتھ خصوصیت پیدا کر دیں لہٰذا ایسے حوادث میں یہ استعمال

فلم تقتلوهم ولکن الله قتلهم وما رمیت اذ رمیت ولکن الله رمی پس نسبت استخلاف بخود اظہار کمال تشریف و بیان آنکہ ایں استخلاف نعمتے ست عظیم و امرے ست راسخ در حقیقت چناں کہ لفظ عبادی و بیت الله و نفخت فیہ من روحی دلالت بر کمال تشریف و رضا میکند۔

اختیار کرتے ہیں (یعنی کہتے ہیں خدا نے اس کام کو کیا) چنانچہ قرآن میں فرمایا کہ اے اصحاب نبی تم نے ان کافروں کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور فرمایا کہ اے نبی آپ نے مٹی نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی پس اس استخلاف کو اپنی طرف منسوب کرنا اس کی انتہائی بزرگی ظاہر کرنے کے لیئے اور اس بات کے بیان کرنے کے لیے ہے کہ یہ استخلاف ایک بڑی نعمت اور ایک مقرر شدہ چیز ہے جیسے کہ لفظ عبادی اور بیت اللہ اور نفخت فیہ من روحی میں اضافت ان اشیاء کی خدا کی طرف ان کی بزرگی اور پسندیدگی پر دلالت کرتی ہے۔

۵۔ اہل سنت خلافت و امامت کو اصول دین میں نہیں شمار کرتے بلکہ فروعات میں سمجھتے ہیں۔ نیز ان کا اجماع و اتفاق اس بات پر ہے کہ خلیفہ منصوص نہیں ہوتا۔ نیز خاص حضرت ابو بکر کے متعلق بھی محققین اہل سنت اسی بات کے قائل ہیں کہ ان کی خلافت نص سے نہیں ہوئی۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ آیت استخلاف بلکہ کسی آیت سے حضرات خلفائے ثلاثہ کی خلافت ثابت نہیں۔

جواب الجواب خلافت و امامت کو اصول دین میں نہ شمار کرنا اس سبب سے ہے کہ خلافت و امامت شریعت کے مقاصد اصلیہ میں سے نہیں ہے نہ اعتقادات سے اس کو کچھ تعلق ہے بلکہ بعض مقاصد اصلیہ جو اعمال سے تعلق رکھتے ہیں بغیر خلیفہ کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے اس کو فروعات ہی میں ہونا چاہیئے۔ دیکھئے مقدمہ تفسیر آیات خلافت۔ اور اہلسنت کا یہ قول ہرگز نہیں کہ خلیفہ منصوص نہیں ہوتا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ منصوص ہونا ضروری نہیں حضرت ابو بکر کی خلافت ایک نص نہیں بلکہ نصوص کثیرہ

سے ثابت ہے بعض لوگ جو نص کی نفی کرتے ہیں ان کا مقصود کچھ اور[۱] ہے۔ (دیکھو کتاب ازالۃ الخفاء)

۶۔ تمام امور مذکورہ بالا کے بعد آخری جواب یہ ہے کہ خدا کو بدا ہوتا ہے۔ (اصول کافی مطبوعہ نولکشور صفحہ ۸۶) یعنی بہت سے آئندہ پیش آنے والے واقعات کا خدا کو علم نہیں (اساس الاصول مطبوعہ شاہی لکھنؤ ص۲۱۶) لہذا ممکن ہے کہ جس وقت یہ استخلاف نازل ہوئی، اس وقت تک خدا ان تینوں خلیفہ سے خوش رہا اور ان کے خلیفہ بنانے کا وعدہ کر لیا ہو مگر پھر خدا ان سے ناخوش ہو گیا اور اس کی رائے بدل گئی۔ اس وجہ سے آیت استخلاف کا وعدہ پورا نہ فرمایا بدا کی وجہ سے خدا کے اور بھی بہت سے وعدے ٹل چکے ہیں۔ امام مہدی کے ظہور کا وعدہ خدا نے بہ تعین تاریخ کئی مرتبہ کیا مگر ہر مرتبہ ٹل گیا (اصول کافی ص۲۳۲) امام جعفر صادق کے بعد ان کے بیٹے اسمٰعیل کو امام بنانے کا وعدہ کیا اور جب یہ وعدہ ٹل گیا تو امام کو کہنا پڑا کہ مابدا اللہ فی شئی کما بدا لہ فی اسمٰعیل یعنی اللہ کو ایسا بدا کبھی نہیں ہوا جیسا میرے بیٹے اسمٰعیل کے (رسالہ اعتقادیہ صدوق) امام تقی کے بعد ان کے بیٹے محمد کے امام بنانے کا وعدہ کیا اور یہ وعدہ ٹل گیا (اصول کافی ص۲۰۴)

جواب الجواب کی ضرورت نہیں ہذا آخر الکلام والحمد للہ رب العالمین۔

---

[۱] وہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح ولیعہد بنانے کا دستور ہے اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ نہیں فرمائے کہ میں ابوبکر کو اپنا خلیفہ بناتا ہوں ورنہ حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کی پیشینگوئی ان کی خلافت سے اپنی رضامندی بے شمار احادیث میں ارشاد فرمائی اور مرض اخیر میں بجائے اپنے امام نماز بنانا ہزار ہا نص سے فوقیت رکھتا ہے۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ

ترجمہ: تحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو

تفسیر آیت تمکین

جس میں

سورۂ حج کی آیۂ کریمہ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ معروف بہ آیۂ تمکین کی تفسیر خالص قطعیات و یقینیات سے کر کے روز روشن کی طرح یہ بات دکھائی گئی ہے کہ جناب سید الانبیا صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین کے حق میں قرآن کریم حسب ذیل شہادت دیتا ہے۔

(۱) بارگاہ الٰہی میں انکی بڑی عزت اور بڑی قدر ہے (۲) انہیں سے ہر شخص امامت و خلافت کی قابلیت رکھتا ہے (۳) انہیں سے جو لوگ مسند آرائے خلافت ہوئے انکی خلافت قرآن کریم کی موعودہ خلافت ہے (۴) انکے عہد خلافت کے تمام کام خدا کے پسندیدہ اور مقبول ہیں

مزید تائید کے لئے احادیث صحیحہ خصوصاً روایات شیعہ بھی پیش کی گئی ہیں۔

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳ ۔ روڈ نمبر ۷ ۔ سب بلاک اے ۔ بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدوسیہ

ناظم آباد ۔ کراچی ۷۴۶۰۰ ۔ فون نمبر ۶۶۰۱۳۳۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کی بے استحقاق بخشش ہے کہ ہمکو زمرۂ اہلسنت وجماعت میں منسلک فرمایا اور اپنی کتاب پاک کی ہدایات وتعلیمات پر ہمارے عقائد واعمال کی بنیاد رکھی اور اسکی تفسیر وتبلیغ کی ہمیں توفیق دی فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ حَمْدًا لِلشّٰاكِرِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ تفسیر آیۂ استخلاف کی تکمیل کے بعد جبکہ اہل علم نے اسکو بہت پسند فرمایا اور اسکو مسلمانوں کے لئے نہایت مفید قرار دیا۔ اس ناچیز کا عزم پہلے سے زیادہ قوی ہوگیا۔ اور اب خدا کی مدد پر بھروسہ کرکے ایک اور آیت کی تفسیر ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہے۔

تیسری آیت

آیۂ تمکین ۔ سورۂ حج ۔ چھٹا رکوع ۔ سترھواں پارہ

اِنَّ اللّٰہَ یُدَافِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا
بتحقیق اللہ ہٹاتا ہے ایمان والوں سے ضرر کافروں کا ۔ بتحقیق اللہ نہیں
یُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ
پسند کرتا کسی دغاباز ناشکر کو ۔ اجازت دیگئی جہاد کی ان لوگوں کو جنسے کافر لڑتے ہیں بسبب

ظُلِمُوا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُۨ ۙ الَّذِیْ
اسکے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بہ تحقیق اللہ ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے یعنی ان لوگوں کو اجازت جہاد کی
اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا
دیگئی جو اپنے گھروں سے بغیر کسی حق کے نکالے گئے سوا اسکے کہ وہ لوگ کہتے تھے کہ
اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ
ہمارا رب اللہ ہے اور اگر دفع نہ کرتا اللہ بعض آدمیوں کو بعض کے ذریعہ سے
لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ
تو یقیناً گرادی جائیں خانقاہیں اور یہود کے عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں
یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَلَیَنْصُرَنَّ
جن میں لیا جاتا ہے نام اللہ کا بہ کثرت اور ضرور ضرور مدد کریگا
اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝
اللہ اس شخص کی جو مدد کرے اللہ کی۔ بہ تحقیق اللہ طاقتور اور غالب ہے
اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ
یہ (مہاجرین) وہ لوگ ہیں کہ اگر حکومت دیں ہم ان کو زمین میں تو قائم کرینگے نماز اور
وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا
دینگے زکوٰۃ اور (لوگوں کو) حکم دینگے موافق شریعت کے اور منع کریں گے
عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ؕ
خلافِ شرع کام سے اور اللہ ہی کیلئے ہے انجام سب کاموں کا

اس آیت کی تفسیر بھی چار فصلوں پر تقسیم کیجاتی ہے

فصل اوّل - میں آیت کے مطالب کی توضیح الفاظ کی شرح سیاق و سباق سے ربط۔
فصل دوم - میں آیت سے حضرات خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کے خلیفہ برحق ہونے پر استدلال۔

فصل سوم - میں فریقین کی احادیث معتبرہ جو اس آیت کی تفسیر میں لائق ذکر ہیں۔

فصل چہارم - میں آیت استخلاف کا اور اس آیت کا اشتراک و امتیاز۔

فصل اوّل

حق تعالیٰ کو اس آیت میں دو باتیں بیان فرمانا مقصود ہیں۔ اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین یعنی کفار کو اُن کی تباہی و ہلاکت کی خبر سنانا۔ دوم آپ کے متبعین خصوصاً آپ کے اصحاب مہاجرین کو اس ربانی بادشاہت کی خوشخبری دینا جس کی پیشینگوئی توریت مقدس کے وقت سے تمام آسمانی کتابوں میں برابر ہوتی رہی۔

اس آیت میں انذار و تبشیر دونوں جمع ہیں اور ضمن میں جو دوسرے مطالب استطراداً آگئے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ الآیہ ایک زبردست قانون قدرت یا خدا کی لاتبدیل سنت کا بیان ہے کہ جب کفار ایمان والوں پر ظلم کرتے ہیں تو خدا ان کو ہلاک و فنا کر دیتا ہے۔ اور اس ہلاکت و فنا کے دو سبب ہوتے ہیں۔ ایمان والوں کی حفاظت۔ کافروں کے حرکات کی ناپسندیدگی۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ کافروں کی ہلاکت اور اہل ایمان کے غلبہ کا ظاہری سبب بیان ہو رہا ہے کیونکہ یہ دنیا عالم اسباب ہے یہاں جو کچھ خدا کرتا ہے سبب و مسبب کے پردہ میں کرتا ہے اسلئے ظاہری سبب کو بھی ارشاد فرمایا کہ ایمان والوں کو ہم جہاد کی اجازت دیتے ہیں اور صرف اجازت ہی اجازت نہیں بلکہ مدد کا وعدہ بھی بڑے بلیغ پیرایہ میں فرمایا یعنے صاف صاف یہ نہ فرمایا کہ ہم انکی مدد کریں گے بلکہ یوں فرمایا کہ ہم ان کے مدد کرنے پر قادر ہیں والکنایۃ ابلغ من الصریح۔

اجازت جہاد کی سب سے پہلی آیت یہی ہے اس سے پہلے حکم تھا کہ کفار کے مظالم برداشت کرو اور ان پر ہاتھ نہ چلاؤ کُفُّوا اَیْدِیَکُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔

الذین اخرجوا ... عجیب بات ہے اپنے محبوب کا ذکر جب آجاتا ہے تو اسکو مختصر کرنا ... ان خدمات کے تذکرے کو چھوڑ دینا کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتا۔ لہذا ... سید الانبیا صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین کا بالخصوص ان کی مظلومیت کا ذکر

جو آگیا تو حق تعالیٰ نے ان کے رتبۂ عالی کے اظہار کے بغیر ان کا ذکر گوارا نہ کیا فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو محض میرے نام لینے کے جرم میں اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو اس سے زیادہ عزت و رفعت کسی بندے کی کیا ہوگی کہ خود مالک اسکی جان نثاری اُسکے حسن خدمات کا اسطرح ذکر فرمائے۔ کسی عاشق کسی محب صادق کی اقبالمندی کی انتہائی معراج ہے کہ معشوق و محبوب اس بات کا اعتراف کرے کہ اس شخص پر جو مصیبت آئی وہ میرے لئے آئی۔ محبوب کے اس اعتراف میں کیا لذت محب کو ملتی ہے اسکو اسکا دل ہی جانتا ہے مگر یہ دولت آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوئی حضرت میرزا صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہزار عمر فدائے دمے کہ من از شوق ٭ بخاک و خوں تپم و گوئی از برای من است

قسمت اور اقبال ہے حضرات صحابہ مہاجرین کا کہ بغیر مانگے یہ دولت انکو ملتی ہے انکا محبوب حقیقی جل شانہ فرماتا ہے کہ اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ یہ مضمون ان حضرات کے لیے قرآن مجید میں جابجا بکثرت وارد ہوا ہے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے واوذوا فی سبیلی یعنی یہ لوگ میری راہ میں ستائے گئے وغیرہ وغیرہ۔

ولولا دفع اللہ الناس اجازت جہاد کا سبب بیان فرمایا جاتا ہے۔ آجکل مسئلہ جہاد پر جو اعتراض ہو رہا ہے اُسکا جواب اپنے علم ازلی سے پہلے ہی عطا فرمایا۔ دو سبب اجازت کے بیان فرمائے ایک یہ کہ مہاجرین پر اُن کافروں نے ظلم کئے بانھم ظُلِمُوا دوم یہ کہ اگر خدا اجازت جہاد کی نہ دے تو کفار کے ظلم و ستم کی کوئی حد نہ رہے نوبت یہاں تک پہونچے کہ تمام مذاہب کے عبادت خانہ منہدم کر دیئے جائیں اور خدا پرستی کا دروازہ بالکل بند ہو جائے۔

جہاد کی دو صورتیں ہیں دفعاً اور ابتدائً دونوں کی حکمت دونوں کے اسباب کو اس مقام میں بیان فرما دیا جیسا کہ مسائل جہاد کے جاننے والوں سے مخفی نہیں۔

ولینصرن اللہ من ینصرہ ایک عجیب راز قانون قدرت کا بیان فرمایا ہے جس کے جان لینے سے بہت سے شکوک حل ہو جاتے ہیں اور جو وعدہ ایمان والوں کی مدد کا فرمایا۔

ب اس وعدہ کی شرط کا بیان ہے کہ خدا کی طرف سے جو مدد دین اور اہل دین کیلئے نازل ہوتی ہے اُس مدد کے ظہور کا آلہ ہر شخص نہیں بن سکتا خدا کے اس وعدہ کے پورا ہونے کا آلہ وہی شخص بنایا جاتا ہے جو دین الٰہی کی خدمت کے لئے دل و جان سے مستعد ہوتا ہو اور للہ کی نصرت و حمایت کا داعیہ اسکے دل میں موجیں مارتا ہو ایسا ایک شخص بھی ہوتا ہے تو اسکے طفیل میں ساری جماعت خدا کے انعام سے فیضیاب ہوتی ہے اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ انھیں اصحاب مہاجرین کی رفعت و عزت کا بیان ایک دوسرے طرز پر فرمایا جاتا ہے کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین کی حکومت عطا فرمائیں تو بھی یہ ہم کو نہ بھولیں گے نماز قائم کرینگے اور زکوٰۃ دیں گے۔

غور سے دیکھو تو بہت بڑی صفت بیان فرمائی گئی جس کو کمال پختگی اور انتہائے رسوخ کا آخری درجہ کہنا چاہئے۔ دولت و ثروت خصوصاً سلطنت و بادشاہت ایک عجیب چیز ہے اس نشہ میں مست ہوکر لوگوں نے بڑی بڑی بغاوتیں کی ہیں فرعون کا دعوائے خدائی اسی مستی کا نتیجہ تھا کسی نے کہا ہے اور خوب کہا ہے کہ ع گر بہ دولت برسی مست نگردی مردی

حق تعالیٰ نے اس آیت میں ظاہر کر دیا کہ وہ اور تھے جو اس نشہ میں مدہوش ہو گئے ہمارے نبی کے اصحاب مہاجرین ایسے نہیں ہیں فرعون کی سلطنت سے دس گنی بھی انکو مل جائے تو وہ مدہوش نہ ہوں ؎

چڑھائیں خم کے خم اور رہوں نہ مدہوش ۔ کریں خمخانے خالی اور نہ ہو جوش

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت کاملہ کی بات ہے کہ جو رنگ آپ نے اپنے شاگردوں پر چڑھا دیا دنیا کا کوئی تیزاب اُس رنگ کو ہلکا بھی نہ کرسکا۔ زائل کر دینا تو کیا معنے خدا کا عشق خدا کی عبادت کی محبت آپ نے اسطرح کوٹ کوٹ کر انکے سینوں میں بھر دی کہ بڑے بڑے عظیم الشان بادشاہتوں کے مالک بنکر بھی خدا کی عبادت خدا کے ذکر میں اُنکی مشغولیت ویسی ہی رہی جیسی ایک گدائے گوشہ نشین سے توقع کیجا سکتی ہے سچ ہے ؎

دلے کز دلبرے آرام گیرد ۔ بہ فکر دیگرے کے کام گیرد ۔ نہی صد دستہ ریحاں پیش بلبل
نخواہد خاطرش جز نکہت گل ۔ خوش آں دل را کہ اندر منزل کند عشق ۔ ز کار عالمش غافل کند عشق

اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ یہ مہاجرین اپنے تمکین کے زمانہ میں اقامت الصلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ اور امر معروف ونہی منکر کریں گے اس بات کا اطمینان دلایا کہ حضرات مہاجرین میں سے جو خلیفہ مقرر ہوگا زمانۂ خلافت میں اُس سے کوئی کام خلاف شریعت صادر نہ ہوگا اسکے تمام احکام مطابق شریعت ہونگے شیعہ اپنے ائمہ کے معصوم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر عصمت کا ثابت کرنا ان کے اولین وآخرین کے امکان سے باہر ہے البتہ اس آیت سے حضرات مہاجرین کیلئے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان میں سے جو شخص مسند آرائے خلافت ہوگا زمانۂ خلافت میں ایک نمونۂ عصمت کا اسکے لئے حاصل رہیگا۔ یہ نمونۂ عصمت جو مہاجرین کیلئے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے شیعوں کی مزعومی معصومین کی کروروں عصمتیں اُس پر قربان ہیں۔

مکنھم کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ مہاجرین کے ہر ہر فرد کو تمکین ملے کیونکہ تفسیر آیۂ استخلاف میں ہم اسکو اچھی طرح بیان کر چکے ہیں کہ بعض نعمتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ہر فرد کو مل ہی نہیں سکتیں، جیسے سلطنت بادشاہت وغیرہ ایسی نعمتیں جب کسی جماعت کیطرف منسوب کیجاتی ہیں تو مراد پوری جماعت نہیں ہوتی بلکہ اُس جماعت کا کوئی خاص شخص مراد ہوتا ہے لیکن چونکہ فائدہ اُس نعمت کا اس پوری جماعت کو حاصل ہوتا ہے اسلئے وہ نعمت پوری جماعت کیطرف منسوب ہوتی ہے قولہ تعالیٰ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین۔ حالانکہ ساری قوم بنی اسرائیل امام نہیں بنائی گئی بلکہ یکے بعد دیگرے چند اشخاص انہیں سے امام بنائے گئے وللہ عاقبۃ الامور حضرات مہاجرین کے آیندہ حالات کی شہادت دینے کے بعد اس شہادت کو قوی کرنے کیلئے ارشاد فرمایا کہ سب کاموں کا انجام ہمارے لئے ہے یعنی ہمارے اختیار میں ہے جسکو جیسا چاہتے ہیں بناتے ہیں یا ہمارے علم میں ہے ہمکو آیندہ پیش آنیوالے واقعات کا بھی علم کامل حاصل ہے۔ اس آیت تمکین کے بعد حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے نبی اگر یہ کافر آپکی بات پر اعتبار نہ کریں آپکی تکذیب کریں یعنی ہلاکت وفنا کی جو خبر ان کو سنائی گئی اُسپر یقین نہ کریں تو کچھ پروا نہیں آپ سے پہلے اور رسولوں کی بھی تکذیب ہو چکی ہے اور ہم اس تکذیب کی سزا میں بہت سی قومیں برباد کر چکے ہیں اس سلسلے میں اگلی امتوں کے کئی قصے بیان فرمائے ہیں۔

تمام دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جن لوگوں نے اس خبر الٰہی کی تصدیق نہ کی وہ کس طرح غارت ہوئے صفحۂ ہستی سے اسطرح مٹے کہ نام و نشان بھی انکا باقی نہ رہا اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین کو وہ تمکنت و حشمت ملی کہ کبھی چشم فلک نے نہ دیکھی تھی۔ کافروں نے تو اس خبر کی تکذیب اسوقت کی تھی جب یہ محض پیشین گوئی کی شکل میں تھی ان کفار سے بھی زیادہ عبرت انگیز اور تعجب خیز حال ان لوگوں کا ہے جو ان تمام واقعات کے واقع ہونے کے بعد بھی اس خبر الٰہی کی تکذیب پر کمربستہ نظر آتے ہیں اُن سے اور تو کچھ ہو نہیں سکا تو قرآن شریف کو محرف کہہ کر یا خدا کیلئے بدا تجویز کر کے یا کسی قسم کی تحریف معنوی کر کے اس پیشین گوئی کے وقوع سے انکار کرتے ہیں۔ یابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

فصل دوم

اس آیت تمکین کی دلالت حضرات خلفائے ثلثہ کی حقیت خلافت پر ایسی واضح ہے کہ ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے تاہم انضباط بیان کے لئے اسقدر ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ آیت کا استدلال صرف دو باتوں پر موقوف ہے اوّل یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم مہاجرین میں سے تھے دوم یہ کہ ان تینوں بزرگوں کو تمکین فی الارض یعنی زمین کی حکومت ملی۔ یہ دونوں باتیں ایسی بدیہی ہیں کہ آجتک کسی نے انکار کیا نہ کر سکتا ہے۔ اور جب یہ دونوں باتیں قطعی اور مسلم الکل ہیں تو تیسری بات خود بخود آیت سے ثابت ہوگی کہ ان تینوں بزرگوں نے اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ اور امر معروف اور نہی منکر کا فریضہ ادا کیا اور ایسا عمدہ ادا کیا کہ کتاب اللہ میں قابل ذکر قرار پایا ورنہ لازم آئیگا کہ خدا کا کلام غلط ہو جائے خدا نے جس شرط کے ساتھ ان صفات کو مشروط کیا تھا وہ شرط تو پائی گئی مگر وہ صفات نہ پائی گئیں معاذ اللہ من ذلک۔ ان تینوں باتوں سے صاف نتیجہ نکل آیا کہ یہ تینوں بزرگوار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ برحق تھے کیونکہ خلافت پیغمبر اس بادشاہت یا ریاست عامہ کا نام ہے جو بہ نیابت پیغمبر اقامت دین و تنفیذ احکام شریعت کے لئے ہے۔

اگر کوئی شیعہ صاحب کہیں کہ حضرت علی بھی مہاجرین میں سے تھے اور انکو بھی تمکین فی الارض

حاصل ہوئی اور اُنھوں نے فرائض مذکورہ کو بھی ادا کیا آیت کے صادق ہونے کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ آیت کی صداقت صرف ایک شخص سے نہیں ہوسکتی بلکہ مہاجرین میں سے جسقدر لوگوں کو تمکین ملی ہو جب تک ان سب میں یہ صفات نہ پائی جائیں آیت کی صداقت ناممکن ہے۔ بدیہی بات ہے کہ اگر کسی کلام میں کوئی چیز کسی شرط کے ساتھ مشروط کی گئی ہو تو اس کلام کے صادق ہونے کی یہی صورت ہے کہ اگر وہ شرط سو مرتبہ پائی جائے تو وہ چیز بھی سو مرتبہ پائی جانا چاہئے۔ اگر ایک مرتبہ بھی درصورت پائے جانے شرط کے وہ چیز نہ پائی جائے تو وہ کلام صادق نہیں کہا جاسکتا۔

ایک نفیس تحقیق

اگرچہ بظاہر نظر آیت میں بطور شرط و جزا کے فرمایا ہے کہ اگر ان مہاجرین کو ہم تمکین فی الارض عطا فرمادیں تو فلاں فلاں خدمات ان سے سرانجام پائیں گی تمکین کا وعدہ صراحۃً مذکور نہیں لیکن غائر نظر سے دیکھنے کے بعد صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت تمکین کا وعدہ ہے اور تمکین کی پیشین گوئی کی گئی ہے اسلئے کہ اوپر فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ یعنی اللہ کی عادت و سنت ہے کہ کفار کے شر کو مومنین سے دفع کرتا ہے جسکا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مہاجرین کو امیدوار بناتا ہے کہ تمھارے زمانہ کے کفار کے شر کو تم سے بھی دفع فرمائے گا اور اس دفع کرنے کی صورت یہی ہے کہ مومنین کو غلبہ و تمکین عطا فرمایا جائے بس اسی طرح امیدوار بنا کر بطور شرط و جزا کے بھی ان سے تمکین و غلبہ کا ذکر فرمانا حقیقۃً انکی اُمیدواری کو موکد اور قوی کرتا ہے اور یقیناً صاف و صریح وعدہ کرلینے کے برابر بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر ہے کہ لہٰذا اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مہاجرین کو تمکین فی الارض دی جائیگی اور وہ لوگ زمانہ تمکین میں ایسے ایسے عمدہ کام کریں گے۔

پس اب ہم کو صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ مہاجرین میں سے کن کن حضرات کو تمکین ملی جس وقت یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں فلاں اشخاص کو تمکین ملی اُس وقت ہمیں بحکم قرآنی یہ ماننا پڑیگا کہ ان لوگوں سے زمانہ تمکین میں اعمال صالحہ مذکورہ صادر ہوئے اور یہی

مفہوم خلافت راشدہ کا ہے۔
ظاہر ہے کہ جماعت مہاجرین میں سے صرف چار بزرگوں کو تمکین ملی حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہم اجمعین پس قرآن شریف پر ایمان رکھنے والے کا فرض ہے کہ ان چاروں کو خلیفہ راشد مانیں اور زمانہ خلافت میں جو کام انھوں نے کئے ان کاموں کو پسندیدۂ خدا ہونیکا یقین رکھیں۔
اس آیت کے استدلال کی تقریر تمام ہو چکی جس سے ظاہر ہو گیا کہ خداوند کریم نے اس آیت میں بہ ظاہر نظر تو مہاجرین میں خلافت و امامت کی قابلیت ولیاقت بیان فرمائی ہے مگر درحقیقت اُن کو خلیفہ بنانے کا وعدہ اور ان کے خلافت کی پیشین گوئی ہے۔
درحقیقت عقل متحیر ہوتی ہے کہ ایسی صاف وصریح آیت کے ہوتے ہوئے کوئی کلمہ گو کس طرح حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے خلیفہ برحق ہونے کا انکار کرسکتا ہے۔ اس وقت تین راستہ ہیں ایک یہ کہ ان حضرات کے مہاجر ہونے کا انکار کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اُن کی تمکین فی الارض سے انکار کیا جائے تیسرے یہ کہ آیت قرآن کی تکذیب کی جائے۔ سوا ان تین راستوں کے کوئی چوتھا راستہ عقل تجویز نہیں کرتی۔ پہلی دونوں باتوں کا انکار ان واقعات متواترہ کا انکار ہے جن کا انکار کسی صحیح الدماغ انسان سے ممکن نہیں اور یہ انکار بالکل ایسا ہوگا جیسے کوئی شخص کہدے کہ حضرت فاطمہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نہ تھیں۔ تینوں خلیفہ کا ہجرت کرکے مکہ سے مدینہ میں آنا ان تینوں کو یکے بعد دیگرے حکومت وتمکین فی الارض کا ملنا بلا شبہ اسیطرح متواتر ہے جسطرح وجود مکہ و بغداد متواتر ہے پس اب سوا تکذیب قرآن کے منکروں کے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔
اگر حضرات شیعہ کہیں کہ ان تینوں خلیفہ میں شرائط ہجرت کے نہیں پائے جاتے تھے معاذ اللہ وہ مومن نہ تھے اس لئے ان کا شمار مہاجرین میں نہیں تو قطع نظر اس سے کہ بار ثبوت اُن پر ہے ان آیات کا کیا جواب ہوگا جن میں اُس زمانہ کے منافقین و مرتدین کے لئے دنیاوی سزا کا اور اُنکی علامات کا بیان ہے نہ وہ سزا ان حضرات کیلئے وقوع میں آئی نہ ان علامات میں سے کوئی علامت انمیں پائی گئی دیکھو، رُوداد مباحثہ کیرانہ کما میں

چالیس دلائل ان حضرات کے مومن کامل ہونے کے بیان کئے گئے ہیں اور اب تک کوئی جواب اسکا نہیں ہو سکا۔

فصل سوم

اب ہم چند روایات صحیحہ فریقین کی درج کرتے ہیں جن سے اس آیت کے مقصود یعنی حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کی کامل توضیح ہوتی ہے۔

روایاتِ اہلسنت

(۱) اخرج البیہقی و ابونعیم عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول سیکون فیکم اثنا عشر خلیفۃ ابوبکر الصدیق لا یلبث خلفی الا قلیلا و صاحب رحی العرب یعیش حمیدا و یموت شہیدا قال رجل و من ھو یا رسول اللہ قال عمر بن الخطاب ثم التفت الی عثمان بن عفان فقال وانت لیسألک الناس ان تخلع قمیصا لسا لہ اللہ و الذی بعثنی بالحق لئن خلعتہ لا تدخل الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط

امام بیہقی اور حافظ ابونعیم نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے کہا میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب تم میں بارہ خلیفہ ہونگے ابوبکر صدیق تو میرے بعد تھوڑے دن رہیں گے اور وہ عرب کی چکی چلانے والا اچھی زندگی پائے گا اور شہید ہوکر مرے گا ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ عرب کی چکی چلانے والا کون شخص ہے آپ نے فرمایا عمر بن خطاب پھر آپ عثمان ابن عفان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم سے لوگ درخواست کریں گے کہ ایک قمیص جو اللہ نے تمھیں پہنائی ہے اُتار دو لیکن قسم اسکی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا کہ اگر تم اسکو اُتار دوگے تو جنت میں نہ داخل ہوگے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نکل جائے۔

ف حضرت عثمان سے جو قمیص کے اُتارنے کو آپنے منع کیا مراد اس سے قمیص خلافت ہے یہی سبب کہ حضرت عثمان کو جب باغیوں نے گھیرا اور چاہا کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں تو آپنے منظور نہ کیا اور شہید ہوگئے۔

حضرت عمرؓ کو عرب کی چکی چلانیوالا فرمایا۔ چکی کی آواز میں ایک شور سا ہوتا ہے جو دور دور تک لوگ سنتے ہیں اسی طرح حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عرب کا شور و غلغلہ تمام دنیا میں بلند ہوا اور انکی حکومت اطراف عالم میں پھیل گئی۔ کتب شیعہ میں بھی حضرت علی مرتضیٰ کی زبان سے حضرت عمرؓ کی شان میں یہی کلمہ منقول ہے اور غالباً وہ اسی حدیث سے ماخوذ جو نہج البلاغۃ قسم اول ص۲۸۲ میں ہے کہ حضرت علی نے بوقت مشورہ غزوۂ فارس فرمایا فکن قطبا واستدر الرحی من العرب یعنی اے امیرالمومنین اے فاروق اعظم آپ خود میدان جنگ میں نہ جائیے بلکہ آپ چکی کی کیلی بنجائیے اور عرب سے بیٹھے بیٹھے چکی چلا دیجئے

(۲) عن علی ما خرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من الدنیا حتی عهد الی ان ابابکر یلی الامر بعده ثم عمر ثم عثمان ثم الی فلا یجتمع علی ریاض النظرۃ (غنیۃ الطالبین)

حضرت علی سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم دنیا سے نہیں گئے یہاں تک کہ مجھے یہ خبر دیگئے کہ ابوبکر آپکے بعد والی حکومت ہوں گے ان کے بعد عمر ان کے بعد عثمان ان کے بعد میں مگر میری خلافت پر سب کا اتفاق نہوگا۔ ریاض النظرۃ غنیۃ الطالبین۔

ف اس حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت علی کی خلافت سے مسلمانوں کی ایک جماعت مخالف رہی اہل شام سے ان سے جنگ کا سلسلہ برابر قائم رہا۔

(۳) عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قبیل مرضہ لقد هممت او اردت ان ارسل الی ابی بکر وابنه فاعهد ان یقول القائلون او یتمنی المتمنون ثم قلت یابی اللہ ویدفع المؤمنون او یدفع اللہ ویابی المؤمنون اخرجہ البخاری و مسلم

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ پہلے فرمایا کہ بتحقیق میں نے ارادہ کیا کہ ابوبکر کو اور اُن کے بیٹے کو بلاؤں اور عہد نامہ لکھدوں تاکہ کہنے والے نہ کہیں اور تمنا کرنیوالے تمنا نہ کریں پھر میں نے دل میں کہا کہ اللہ انکار کریگا اور ایمان والے دفع کردینگے یا فرمایا کہ اللہ دفع کریگا اور ایمان والے انکار کریں گے یہ حدیث بخاری مسلم دونوں میں ہے اور مسلم میں اتنی لفظ اور

معناہ وفیہ ویابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر	ہے کہ اللہ اور ایمان والے سوا ابوبکر کے اور کسی کو منظور نہ کریں گے۔

ف یہ حدیث حضرت صدیق کی خلافت پر بہت واضح دلالت کرتی ہے۔ مولوی حامد حسین صاحب نے استقصار الافحام میں اس حدیث پر یہ جرح کی ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو علمائے اہل سنت خلافت صدیقی کے منصوص ہونے سے کیوں انکار کرتے حالانکہ علمائے اہل سنت جس نص کا انکار کرتے ہیں وہ اور چیز ہے چنانچہ ہم تفسیر آیہ استخلاف میں اسکو بیان کر چکے ہیں۔

(۴) اخرج الحاکم عن سفینۃ قال لما بنی النبی صلے اللہ علیہ وسلم المسجد وضع حجری ثم قال لیضع ابوبکر حجراً الی جنب حجری ثم قال لیضع عمر حجراً الی جنب حجر ابی بکر ثم قال لیضع عثمان حجراً الی جنب حجر عمر ثم قال ھولاء الخلفاء بعدی۔	حاکم نے سفینہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی (بنیاد میں) ایک پتھر آپنے رکھا پھر فرمایا کہ ابوبکر ایک پتھر میرے پتھر کے پہلو میں رکھیں پھر فرمایا کہ عمر ایک پتھر ابوبکر کے پتھر کے بازو میں رکھیں پھر فرمایا کہ عثمان ایک پتھر عمر کے پتھر کے پہلو میں رکھیں اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ میرے بعد خلیفہ ہونگے۔

ف۔ رسالہ اصلاح کے ایک نامہ نگار نے اس حدیث پر بڑا تمسخر کیا ہے کہ خلافت کا فیصلہ اینٹ پتھر سے کیا گیا لیکن یہ ان کی خوش فہمی ہے کہ پتھر سے فیصلہ نہیں ہوا بلکہ فیصلہ تو ارشاد رسول سے ہوا البتہ پتھر سے فیصلہ امامت کا خود شیعوں کے یہاں ہوا ہے۔ اصول کافی کتاب الحجۃ میں ہے کہ جب محمد بن حنفیہ فرزند حضرت علی مرتضیٰ نے امامت کا دعویٰ کیا اور امام زین العابدین سے بحث کی تو امام زین العابدین کسی عقلی نقلی دلیل سے ان کو قائل نہ کر سکے تو آخر حجر اسود سے اس کا فیصلہ کرایا۔ اینٹ پتھر سے فیصلہ یہ ہے نہ وہ۔

(۵) اخرج البزاز والطبرانی فی الاوسط والبیہقی عن ابی ذر قال	بزاز اور طبرانی نے اپنی کتاب اوسط میں و بیہقی نے حضرت ابوذر سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے ایک روز نبی

كان النبي صلى الله عليه وسلم
جالسا وحده فجئت حتى جلست
اليه فجاء ابوبكر فسلم ثم
جاء عمر فسلم ثم جاء عثمان
وبين يدي رسول الله صلى الله
عليه وسلم سبع حصيات
فاخذهن فوضعهن في كفه
فسبحن حتى سمعت لهن حنينا
كحنين النحل ثم وضعهن فخرسن
ثم اخذهن فوضعهن في يد ابي
بكر فسبحن حتى سمعت لهن
حنينا كحنين النحل ثم وضعهن
فخرسن ثم تناولهن
فوضعهن في يد عمر
فسبحن حتى سمعت لهن
حنينا كحنين النحل ثم
وضعهن فخرسن ثم
تناولهن فوضعهن في يد
عثمان فسبحن حتى سمعت
لهن حنينا كحنين النحل
ثم وضعهن فخرسن فقال رسول
الله صلى الله عليه وسلم هذه
خلافة نبوة وزاد ابن عساكر

صلے اللہ علیہ وسلم تنہا بیٹھے ہوئے تھے کہ میں گیا اور
آپ کے پاس بیٹھ گیا اسکے بعد حضرت ابوبکر آئے اور
انھوں نے سلام کیا پھر حضرت عمر آئے اور انھوں نے
سلام کیا اسکے بعد حضرت عثمان آئے اور رسولخدا صلی اللہ
علیہ وسلم کے سامنے سات کنکریاں تھیں پھر آپنے انکو
اُٹھایا اور اپنی ہتھیلی میں رکھا تو وہ کنکریاں تسبیح پڑھنے
لگیں یہاں تک میں نے انکی آواز شہد کی کھمی کی سی
سنی پھر آپنے وہ کنکریاں زمین پر رکھدیں تو وہ خاموش
ہوگئیں پھر آپنے وہ کنکریاں زمین سے اُٹھاکر ابوبکر کے
ہاتھ میں رکھیں تو اُن کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے
لگیں یہاں تک کہ میں نے انکی آواز شہد کی کھمی کی
سی سنی پھر آپنے ان کو زمین پر رکھدیا تو وہ خاموش
ہوگئیں پھر آپنے اُن کو اُٹھاکر عمر کے ہاتھ میں رکھدیا
تو اُن کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک
کہ میں نے انکی آواز شہد کی کھمی کی سی سنی پھر آپ نے
انکو زمین پر رکھدیا تو وہ خاموش ہوگئیں پھر آپنے
انکو اُٹھاکر حضرت عثمان کے ہاتھ میں رکھا تو ان کے
ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں یہانتک کہ میں نے
انکی آواز شہد کی کھمی کی سی سنی پھر آپنے انکو زمین
پر رکھدیا تو وہ خاموش ہوگئیں پس رسول خدا
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خلافت نبوت کی ہے
اور ابن عساکر نے اسقدر اور زیادہ روایت کیا ہے
کہ پھر آپ نے فرداً فرداً ہم لوگوں کے ہاتھ میں

ثم صیرهن فی اید بنا رجلا فما سبحت حصاۃ منھن	ان کنکریوں کو رکھا مگر ایک کنکری نے بھی ہمارے ہاتھوں میں تسبیح نہ پڑھی۔

روایات شیعہ

یوں تو کتب شیعہ میں بہ کثرت روایات موجود ہیں مگر اس وقت انکی ایک طولانی حدیث پر اکتفا کیجاتی ہے جو ان کی سب سے بڑی معتبر کتاب کافی میں ہے۔

فروع کافی جلد اول کتاب الجہاد ص۶۹ سے لیکر ص۶۱۳ تک اس حدیث کا سلسلہ چلا گیا ہے بڑی لمبی حدیث ہے جو کئی صفحوں پر آئی ہے۔ کوئی بات فضائل ومناقب کی ایسی نہیں ہے جو اس حدیث میں صحابہ کرام کے لئے ثابت نہ کی گئی ہو اور کوئی عیب ایسا نہیں ہے جس سے صحابہ کا پاک دامن ہونا نہ بیان کیا گیا ہو اور آیت تمکین کی تو خاص تفسیر اس میں ہے اور اسکا مصداق بڑی تصریح کے ساتھ حضرت عمر اور انکے ساتھیوں کو قرار دیا ہے۔ خدا کی قدرت ہے کہ وہ دین کی تائید دشمنان دین کی کتابوں سے کراتا ہے۔

پوری تحریر مع ترجمۃ النجم کے مناظرہ حصۂ سوم میں ہم درج کر چکے ہیں اور شیعوں کے سلطان العلما مولوی سید محمد صاحب مجتہد نے تشئید المبانی میں جو رکیک تاویلات اس حدیث کی کی ہیں ان کا جواب بھی دے چکے ہیں لہذا اسوقت اس کے خلاصہ مضمون اور بعض ضروری فقرات کے نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ان سے ابو عمر زبیری نے پوچھا کہ اللہ کی طرف بلانا اور راہ خدا میں جہاد کرنا ہر مسلمان کے لئے جائز ہے یا کسی مخصوص جماعت کے لئے یہ کام مخصوص ہے۔ اس سوال کے جواب میں یہ طویل حدیث ارشاد فرمائی جسکا حاصل حسب ذیل ہے۔

(۱) دین اسلام کی طرف لوگوں کو بلانا اور فی سبیل اللہ جہاد کرنا انھیں لوگوں کیلئے جائز ہے جو مظلوم ہوں اور کوئی شخص مظلوم نہیں ہو سکتا جب تک کہ مومن نہ ہو اور مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان دس صفتوں کے ساتھ موصوف نہو۔

غیر اللہ کی عبادت نہ کرتا ہو اسکے ایمان میں شرک کی آمیزش نہو۔ کافروں پر سخت

اور مسلمانوں پر مہربان ہو اللہ کی رضامندی کا طالب ہو قتل ناحق کا مرتکب نہ ہو۔ زناکار نہ ہو۔ اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہو۔ ہر حال میں اللہ کا شکر کرتا ہو۔ روزہ اور نماز کا خوب پابند ہو۔ عبادت الٰہی میں خشوع و خضوع کی کیفیت اسکو حاصل ہو۔

(۲) جس شخص میں دس اوصاف مذکورہ بالا پائے جائیں وہ مومن ہے اور مظلوم ہے اور اسکے لئے آیہ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا میں جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت مذکور ہے۔

(۳) اس آیت کی رو سے ہر زمانہ کے مسلمان کے جو ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہوں جہاد کر سکتے ہیں۔

(۴) یہ آیت دراصل مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی تھی جبکہ کفار مکہ نے اُن پر مظالم کئے اور انکو اُن کے گھروں اور جائدادوں سے نکالا۔

(۵) مہاجرین نے اسی آیت کی رو سے بحکم خدا مکہ میں جہاد کیا اور اسی آیت کی رو سے بحکم خدا انھوں نے کسریٰ و قیصر یعنی شاہ ایران و شاہ روم سے جہاد کیا۔

(۶) یہ آیت گو مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی تھی مگر جو شخص ان دس اوصاف کے ساتھ موصوف ہو جو اللہ نے اصحاب نبی کے بیان فرمائے ہیں اسکو بھی یہ آیت شامل ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے اصحاب نبی کے حق میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کی ناپاکی دور کردی۔ اور ان کو خوب پاک کر دیا اور اُن کے یہ اوصاف بیان فرمائے کہ محمد خدا کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور اپنے آپس میں مہربان ہیں۔ رکوع اور سجدہ میں رہتے ہیں۔ اللہ کا فضل اور اُس کی رضامندی طلب کیا کرتے ہیں۔ یہ حالت اُنکی توراۃ و انجیل میں مذکور ہے۔ نیز ان کے حق میں یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ نبی کو اور مسلمانوں کو رسوا نہ کرے گا۔ ان کی روشنی ان کے ہر چہار طرف محیط ہوگی اور نیز ان کے حق میں یہ بھی فرمایا کہ یقیناً وہ مومن کامیاب ہیں جو نماز میں خشوع کرتے ہیں اور لغو باتوں سے درگذر کرتے ہیں۔ یہ لوگ جنۃ الفردوس کے وارث ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے ہیں اور قتل ناحق نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے پھر خدا نے یہ بھی

ان کے حق میں فرمایا کہ ہم نے ان کا جان و مال بعوض جنت کے مول لیا ہے پھر یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ اپنے عہد کو پورا کر چکے پس جو شخص اصحاب نبی ص کے اِن اوصاف کے ساتھ موصوف ہو وہ خدا کی طرف سے جہاد کا مجاز ہے۔

(۸) جس شخص میں یہ اوصاف نہ پائے جائیں اُس کو چاہیے کہ ان اوصاف کے حاصل کرنے کے بعد جہاد کا ارادہ کرے۔

(۹) جو شخص ان اوصاف کے ساتھ موصوف نہ ہوا اور وہ فی سبیل اللہ جہاد کرے وہ اس حدیث کا مصداق ہے کہ کبھی اللہ اُن لوگوں سے اپنے دین کی مدد کرا دیتا ہے جن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہوتا۔

(۱۰) ان سب باتوں کے بیان کرنے کے بعد آخر حدیث میں امام جعفر صادق نے یہ بھی فرما دیا، کہ دیکھو ہم تمام باتیں بیان کر چکے۔ پس اب ہر شخص کو چاہیے کہ جھوٹی حدیثوں کے افترا کرنے سے ڈرے جن کی قرآن تکذیب کرتا ہے اور جن سے اور جن کے راویوں سے قرآن بیزاری ظاہر کرتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو اصحاب نبی کے مناقب ہم بحوالۂ آیات قرآنی تم پر ظاہر کر چکے اب تم لوگ صحابہ کی مذمت کی حدیثیں جو گڑھا کرتے ہو ان سے باز آؤ وہ حدیثیں قرآن کی مخالف ہیں قرآن ان کی تکذیب کرتا ہے اور ان سے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ ایک فقرہ اس طولانی حدیث کا یہ ہے۔

ولكن المهاجرين ظلموا من جهتين ظلمهم اهل مكة باخراجهم من ديارهم واموالهم فقاتلوهم باذن الله لهم في ذلك وظلمهم كسرى وقيصر ومن كان دونهم من قبائل العرب والعجم بما كان في ايديهم مما كان المؤمنون احق به منهم فقد قاتلوهم باذن الله عز وجل لهم في ذلك وبحجة هذه الآية يقاتل المؤمنون كل زمان وانما اذن الله عز وجل

لیکن مہاجرین پر دو طرح کے ظلم ہوئے اہل مکہ نے ان پر ظلم کیا کہ انکو انکے گھروں سے اور انکے مال سے نکالا پس مومنوں نے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اہل مکہ سے جہاد کیا اور کسریٰ و قیصر اور نیز اور قبائل عرب و عجم نے بھی مہاجرین پر ظلم کیا کیونکہ جسقدر اموال انکے قبضہ میں تھے انکے حقدار مسلمان تھے تو ان پس مومنوں نے اللہ عز و جل کی اجازت سے کسریٰ و قیصر سے جہاد کیا اور اسی آیت کی دلیل سے ہر زمانہ کے مسلمان جہاد کر سکتے ہیں اللہ عز و جل نے انہیں

للمؤمنین الذین قاموا بما وصف الله عز وجل من الشرائط التی شرطها الله علی المؤمنین فی الایمان والجهاد ومن کان قائماً بتلک الشرائط فهو مومن وهو مظلوم وماذون لہ فی الجہاد بذلک المعنی	مومنوں کو اس آیت میں اجازت جہاد کی دی ہے جو اللہ کے بیان کئے ہوئے شرائط پر قائم ہوں جو اللہ نے مومن اور مجاہد ہونے کیلئے بیان کئے ہیں۔ جو شخص ان شرائط پر قائم ہو وہی مومن ہے وہی مظلوم ہے اور اسی کو جہاد کی اجازت ہے۔

سلطان العلما مولوی سید محمد مجتہد تشئید المبانی میں لکھتے ہیں کہ "نہایت الجہاز یں حدیث ستفاد می شود این ست کہ مہاجرین ماذون بجہاد کسریٰ وقیصر بودند حقیت خلافت خلفاء ازاں اصلا استفاد نمی شود" یعنی اس حدیث سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ مہاجرین کو جہاد کسریٰ وقیصر کی اجازت تھی انکی خلافت کا برحق ہونا اس سے نہیں نکلتا۔

اب ناظرین خود فیصلہ کرلیں کہ اس جواب کو حدیث سے کیا تعلق ہے اور آیا یہ جواب کسی ذی ہوش کے قلم سے نکل سکتا ہے۔ حدیث میں صاف تصریح ہے کہ کوئی شخص جہاد کیلئے ماذون نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ مومن کامل صالح الاعمال نہ ہو۔

سلطان العلماء نے ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ خلیفہ ثانی بلکہ تینوں خلیفہ چونکہ جناب امیر سے مشورہ لے کر کام کرتے تھے اس سبب سے ان کو جہاد کی اجازت مل گئی تھی یہ جواب بھی مضمون حدیث سے کچھ ربط نہیں رکھتا حدیث میں تو صاف صاف یہ بیان ہے کہ جب تک یہ صفات کاملہ کسی میں نہ ہوں اسکو جہاد کی اجازت نہیں ملتی۔ یہ کہیں نہیں ہے کہ کسی سے مشورہ کر لینے کے سبب سے بھی جہاد کی اجازت ملجاتی ہے۔

آخر میں سلطان العلماء صاحب لکھتے ہیں کہ وھذا اکلہ بعد اغضاء النظر عن احتمال التقیۃ فی ذلک الحدیث یعنی یہ جوابات بعد اسکے ہیں کہ اس حدیث میں احتمال تقیہ سے آنکھ بند کرلی جائے۔

شیعوں کی عجیب حالت ہے جب ان سے کہا جاتا ہے کہ قرآن سے فیصلہ کر لو تو قرآن کے محرف ہونے اور چیستان ہونے کا عذر پیش کرکے روایات کی طرف بھاگتے ہیں۔ اور جب انھیں کی روایات سے ان کو الزام دیا جاتا ہے تو تقیہ کا بہانہ کرکے ٹال دیتے ہیں دنیا

میں شاید ایسا بے اصول فرقہ سوا شیعوں کے کوئی نہ ہوگا۔

فصل چہارم

قرآن مجید میں جسطرح اور بہت سے معجزات ہیں اسی طرح ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ جو مضمون ایک آیت میں بیان فرمایا گیا ہے بالفاظ دیگر وہ مضمون دوسری کسی آیت میں ضرور ارشاد ہوا ہے ایک آیت میں اگر کوئی بات مجمل ہے تو دوسری آیت میں مفصل ہو جاتی ہے قولہ تعالی کتابا متشابها مثانی۔ آیہ استخلاف اور آیہ تمکین بلکہ تمام آیات خلافت میں حق تعالی نے اُن حضرات کے خلیفہ بنانے کا حکم کہیں نہیں دیا کیونکہ حکم دینے میں بندونکو فی الجملہ اختیار باقی رہتا ہے کہ اس حکم پر عمل کریں یا نہ کریں بلکہ خداوند حکیم نے اُن کی خلافتوں کا وعدہ فرمایا ہے، پیشین گوئی کی ہے۔ اس کا امر تقدیری ہونا ظاہر فرمایا ہے جسکا وقوع ضروری اور لابدی ہے اسی لئے حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں "خلافت حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم امرے نیست کہ آں عامہ را مکلف ساختہ باشند فقط پس اگر بحسب امر عمل کردند مطیع شدند و اگر عصیاں ورزیدند مستوجب عقوبت گشتند بلکہ وعدہ بود از فوق عرش نازل شدہ کہ امکان تخلف نداشت و در ین عدہ تعلق بجبرے واختیارا حدسے نبود۔"

اب دونوں آیتوں کے الفاظ کا تطابق کر کے دیکھو کہ کس طرح دونوں آیتیں ایک ہی مضمون کو بیان کر رہی ہیں۔

آیت استخلاف میں وعد اللہ فرمایا اور آیت تمکین میں اپنی سنت مومنین سے مدافعت کی اور مومنین کی مظلومیت بیان فرما کر شرط وجزا کے عنوان سے اُنکی قابلیت خلافت کو ظاہر کیا جس سے وعدہ کا مضمون پیدا ہو گیا۔

آیہ استخلاف میں وقت نزول آیت مومنین صالحین کو موعود لہم قرار دیا اور آیہ تمکین میں خاص کر مہاجرین کو معلوم ہوا کہ آیہ استخلاف میں مومنین صالحین سے مہاجرین ہی مراد ہیں اور کون عمل صالح ہے جو ہجرت سے بڑھکر ہو۔

آیہ استخلاف میں استخلاف اور تمکین دین و تبدیل خوف کا وعدہ کیا اور آیہ تمکین میں

خود ان کو تمکین دینے کا وعدہ کرکے فرمایا کہ یہ لوگ زمانۂ تمکین میں دین کے کام کرینگے دونوں کا نتیجہ ایک ہوگیا بلکہ ایک لطیف نکتہ یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرات سراپا دین ہو رہے خود ان کو تمکین ملنا بعینہ دین کو تمکین ملنا ہے۔

آیۂ استخلاف میں فرمایا کہ وہ لوگ زمانۂ خلافت میں میری عبادت کرینگے میرے ساتھ شرک نہ کرینگے آیۂ تمکین میں عبادت کرنے اور شرک نہ کرنے کی تفصیل بیان کر دی۔ فرمایا کہ وہ لوگ زمانۂ تمکین میں نماز قائم کرینگے زکوٰۃ دینگے امر معروف نہی منکر کرینگے۔

آیۂ استخلاف میں نعمت خلافت کی ناشکری کہنے والوں یا اتنی بڑی بشارت سنکر تمرد پہ قائم رہنے والوں کو فاسقون فرمایا اور آیۂ تمکین میں ان کو فاسقون کی سزا یعنی عذاب و ہلاکت سے ڈرایا۔

المختصر دونوں آیتوں کا مفہوم ایک ہے صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ ایک بات آیت تمکین میں البتہ زائد ہے کہ مہاجرین کی محبوبیت اور ان کے علو مرتبت کا بیان عجیب دلکش پیرایہ میں ارشاد فرمایا ہے۔ راہِ خدا میں ان کا اذیت پانا اپنے گھروں سے نکالا جانا خدا کے نام لینے میں انکا شغف انکی نماز اور ان کے تمام علوموں کا پسندیدہ ہونا ایسے بلند کلمات میں ارشاد ہوا ہے کہ کسی بڑے سے بڑے کی تمنا بھی وہاں تک نہیں پہونچ سکتی ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

تحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو

تفسیر آیتِ قتالِ مرتدین

و آیتِ ولایت

جسمیں

سورہ مائدہ کی دو آیتوں کی تفسیر ہے پہلی آیۂ قتال مرتدین سے حضرت ابوبکر صدیق کا خلیفہ برحق ہونا اور دوسری آیت سے شیعوں کی مفروضہ خلافت بلافصل کا نہ ثابت ہو سکنا روز روشن کیطرح دکھا کر آیت کی صحیح تفسیر ہدیۂ ناظرین کی گئی ہے

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳ ۔ روڈ نمبر ۷ ۔ سب بلاک اے ۔ بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدسیہ

ناظم آباد ۔ کراچی ۷۴۶۰۰ ۔ فون نمبر ۶۶۰۱۴۴۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حق تعالیٰ کے اِس انعام کا شکر کس زبان و قلم سے ادا کیا جائے کہ اُس نے اپنے کلام پاک کی تفسیر کی توفیق اس ناکارہ کو عطا فرمائی قرآن مجید کی خدمت میں مشغول کیا ؎

اگر ہر موئے من گردد زبانے   زتو رانم بہر یک داستانے
نیارم گوہر شکر تو سُفتن   سر موئے ز احسان تو گفتن

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ آلہ اجمعین۔

امابعد آیۂ استخلاف اور آیۂ تمکین کی تفسیر کے بعد آیت قتال مرتدین اور آیت ولایت کی تفسیر برادران اسلامی کے سامنے پیش کیجاتی ہے۔ اِن دونوں آیتوں کو یکجا کرنے کا سبب یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ دونوں آیتیں مسلسل و متصل ہیں مطلب کی توضیح بغیر دونوں کو ملائے ہوئے نہیں ہوتی۔ علیحدہ کرنے میں بہت سے مضامین مکرر لانا پڑتے مگر حضرات شیعہ نے چونکہ آیت ولایت سے حضرت علی کی خلافت بلا فصل ثابت کرنے پر بڑا زور دیا ہے اسلئے اِسکی بحث کے لئے مستقل باب قائم کیا گیا۔

چوتھی آیت

آیۂ قتال مرتدین سورۂ مائدہ (۷) رکوع (۱۱) چھٹا پارہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ

اے ایمان والو۔ اگر مرتد ہو جائے گا کوئی تم میں اپنے دین سے

فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى

تو بہت جلد آمادہ کردیگا اللہ ایک ایسی قوم کو جو اللہ کی محبوب اور محب ہوگی تواضع کرنیوالی ہوگی۔

الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ

ایمان والوں کے مقابلہ میں سختی کرنے والی ہوگی کافروں پر جہاد کریگی

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ

راہ خدا میں اور نہ ڈرے گی ملامت سے کسی ملامت کرنیوالے کی یہ اللہ کی بخشش ہے

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۭ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ

دیتا ہے جسکو چاہتا ہے اور اللہ وسعت والا اور دانا ہے سوا اسکے نہیں کہ دوست تمہارا

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

اللہ ہے اور اسکا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے یعنی وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں نماز

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ

اور دیتے ہیں زکوۃ اور وہ جھکنے والے ہیں اور جو شخص دوستی کرے گا اللہ اور

رَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۭ

اسکے رسول سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لائے تو بتحقیق اللہ ہی کا گروہ غالب رہیگا۔

یہ تین آیتیں جو اس مقام پر لکھی گئی پہلی آیت یعنی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ الخ آیت قتال مرتدین کے نام سے مشہور ہے اور دوسری آیت یعنی اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ آیت ولایت کے لقب سے ملقب ہے اور تیسری آیت محض تتمہ کے طور پر نقل کیگئی۔

ان دونوں آیتوں کی تفسیر دو باب پر تقسیم کی جاتی ہے۔ پہلے باب میں دونوں آیتوں کی صحیح تفسیر۔ اور دوسرے باب میں آیتِ ولایت کی تفسیر از روئے مذہب شیعہ اور اسکا جواب باصواب۔

باب اول صحیح تفسیر دونوں آیتوں کی

اس باب کے مضامین چار فصلوں پر منقسم ہیں۔

فصل اول ۔ آیتوں کے مطلب و مقصد کی تلخیص اور سیاق و سباق کا ربط۔
فصل دوم ۔ الفاظ کی شرح ۔
فصل سوم ۔ حقیت خلافت پر استدلال ۔
فصل چہارم ۔ فوائد متفرقہ ۔

فصل اوّل

اصل مقصود خداوندی اس مقام پر کفار یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کی ممانعت ہے اور باہم مسلمانوں کو ایک دوسرے سے محبت کرنے کی تاکید ہے ۔ اور درحقیقت یہ ایک بہت بڑا مقصد دین الٰہی کا اور اسلام کے دین کامل ہونے کا ایک روشن ثبوت ہر کہ شیطان کے آنے کے جتنے راستے تھے سب بکمال حذاقت بند کر دیے گئے ہیں اور صلاح و تقویٰ کی جو جو صورتیں ممکن تھیں سب کی بہ تفصیل یا باجمال تعلیم دی گئی ہے بلا شبہ محبت و دوستی ایک ایسی چیز ہے کہ اسکے بڑے بڑے اثرات ہیں مجبوب کی ہر چیز کا محب کی نظر میں محبوب ہو جانا اسکا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے ۔ حق تعالیٰ نے اس مقصد کو یوں شروع فرمایا کہ یاایھا الذین امنوا لاتتخذوا الیھود والنصاری اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم ان اللہ لایھدی القوم الظالمین ۔ یعنی اے ایمان والو یہود و نصاریٰ سے دوستی نہ کرو وہ اپنے آپس میں ایک دوسرے سے دوستی کریں اور جو شخص تم میں سے اُن سے دوستی کریگا وہ اُنھیں میں سے ہو جائے گا اِسلئے کہ خدا ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا ۔

اِس کے بعد فرمایا کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ بہت جلدی یہود و نصاریٰ کے دوست بن جاتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ بُرے وقت میں ہمارے کام آئیں گے عنقریب خدا مسلمانوں کو فتح دیگا یا کوئی اور بات عالم غیب سے ظاہر کرے گا اُسوقت یہ لوگ پشیمان ہوں گے ۔

اسی کے بعد آیت قتال مرتدین ہے جس کا ربط ماسبق سے ظاہر ہے کہ جب یہود

ونصاریٰ سے دوستی کا ثمرہ یہ بیان فرمایا کہ وہ شخص جو اُن سے دوستی کریگا وہ انھیں میں سے ہو جائے گا تو معلوم ہوا کہ جو لوگ اُن سے میل رکھتے ہیں ایک نہ ایک روز مرتد ہو نگے لہٰذا فتنۂ ارتداد کی خبر اور اِس فتنہ کا علاج جو عالمِ غیب میں مقدر ہو چکا تھا بیان فرماکر مسلمانوں کو مطمئن کردیا۔

جب کفار سے دوستی کی ممانعت فرمائی تو یہ بتانا بھی ضروری ہوا کہ پھر دوستی کس سے کریں لہٰذا آیت اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ میں تعلیم فرمایا ہے کہ دوستی خدا سے کرنا چاہیے اور اُس کے رسول سے اور اُن ایمان والوں سے جو نماز قائم کرتے ہوں اور زکوٰۃ دیتے ہوں اور جھکنے والے ہوں یعنی اپنی عبادت پر اُن کو ناز اور غرور نہ ہو۔ پھر ساتھ ہی اِس شبہ کا جواب بھی دیدیا جو وہ کہتے تھے کہ بُرے وقت میں کفار ہمارے کام آئیں گے فرمایا کہ بُرا وقت ایمان والوں پر آ ہی نہیں سکتا۔ خدا اور رسول اور مومنین سے دوستی کرنے والے سب پر غالب رہیں گے اُن کو کوئی مغلوب نہیں کرسکتا یہ تو آیۂ قتالِ مرتدین و آیتِ ولایت کا ربط سباق کے ساتھ تھا اب سیاق دیکھو اِن آیتوں کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ یاایھا الذین امنوا لاتتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوا ولعبا من الذین اوتوا الکتب والکفار اولیاء یعنی اے ایمان والو جن یہود و نصاریٰ وغیرہ کفار نے تمہارے دین کے ساتھ تمسخر کیا اُن سے دوستی مت کرو اِس کے بعد اُن کی شرارتوں کا بیان ہے کہ اُنھوں نے اذان کے ساتھ تمسخر کیا پھر اُن پر لعنت و غضب کے نازل ہونے کا ذکر ہے کہ ہم نے اُن کو سُور اور بندر بنادیا تھا۔ یہ بیان بہت دور تک چلا گیا ہے۔

المختصر اِن تمام آیتوں کے **مطالعہ سے صاف** ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ کفار سے دوستی کی **ممانعت** اور باہم مسلمانوں میں ایک دوسرے سے **الفت** و محبت رکھنے کی تاکید ہورہی ہے۔ اِس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہے اِس مقصود کے درمیان میں فتنۂ ارتداد کا تذکرہ اِسی مناسبت کی وجہ سے فرمادیا جو اوپر ذکر ہوئی اور فتنۂ ارتداد کے تذکرہ میں خلیفۂ برحق کو بھی تبلادیا۔

اب آیت قتال مرتدین پر ایک نظر ڈالو کہ کس طرح خداوند عالم الغیب نے ایک آیندہ آنے والے ہولناک واقعہ کی پیشین گوئی فرمائی اور اپنے جلال و جبروت کا کس طرح اظہار کیا کہ اے مسلمانو جو لوگ تم میں سے مرتد ہو جائیں گے خدا نے ان کے قلع قمع کرنے کیلئے عالم غیب میں یہ تدبیر مقرر کی ہے کہ خاصان خدا کی ایک جماعت اُن کے قتال پر منجانب اللہ برانگیختہ کیجائے گی اور وہ اُن کی سرکوبی کریگی۔

کیفیت اِس واقعہ کی یوں ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخیر زمانہ میں عرب کے تین قبیلہ مرتد ہو گئے۔ اور ہر قبیلہ میں ایک ایک شخص مدعی نبوت اُٹھ کھڑا ہوا اور ان لوگوں نے بڑا فساد برپا کیا۔

اوّل ذوالخمار۔ اسود عنسی جو ایک کاہن اور شعبدہ باز شخص تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کے متعلق حضرت معاذ بن جبل کو حکم بھیجا کہ اسکا قلع قمع کردیں چنانچہ اُن کے لشکر میں ایک شخص فیروز نے اُس کذاب کو جہنم رسید کر دیا۔ اور حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ وحی الٰہی خوشخبری بھی مسلمانوں کو سنادی کہ فاز فیروز یعنی فیروز کامیاب ہو گئے۔ مگر اِس کامیابی کی خبر ظاہری طور پر حضرت صدیق کے آغاز عہد خلافت میں بماہ ربیع الاول آئی اور یہ پہلی خوشخبری فتح کی تھی جس کو سُنکر حضرت صدیق خوش ہوئے

دوم مسیلمہ کذاب اُس نے شہر یمامہ و متعلقات میں اپنی دعوائے نبوت کیا اور اُس کی جرأت یہاں تک پہنچی کہ اُس نے ایک خط بجناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جس کی عبارت یہ ہے "من مسیلمۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ اما بعد فان الارض نصفھا لی ونصفھا لک"۔ یعنی یہ خط مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی جانب ہے اما بعد زمین آدھی میری آدھی تیری مطلب یہ کہ ہم آپ مل کر ملک فتح کریں اور باہم نصف نصف تقسیم کر لیا کریں۔ معلوم ہوا کہ اصل مقصود دولت دنیا ہے۔ اِس کا جواب خدا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب ذیل بھیجا من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذاب اما بعد فان الارض

للہ یورثہا من یشآء والعاقبۃ للمتقین یعنی محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو معلوم ہو کہ زمین اللہ کی ہے وہ جس کو چاہے وارث بنا دے اور دار آخرت پرہیز گاروں کے لئے ہے۔ اس مسیلمہ کذاب کے متعلق کوئی انتظام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کرنے پائے تھے کہ خدا نے اپنے قرب خاص میں آپ کو بلا لیا حضرت صدیق ہی نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس مہم کو انجام دیا حضرت خالد بن ولید کو ایک لشکر دے کر روانہ فرمایا اور حضرت وحشی نے اُس کذاب کو جہنم میں پہونچایا۔ مسیلمہ کذاب کے تبعین میں بعضے لوگ تائب بھی ہوئے۔

سوم طلیحہ اسدی اس شخص نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں دعویٰ نبوت کیا۔ حضرت صدیق ہی نے اسکا بھی قلع وقمع کیا۔ حضرت خالد کو آپ نے اُس کی طرف بھیجا اور طلیحہ ان کی شمشیر کا نرکش کی تاب لا کر میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ بعد اس کے تائب ہو گیا اور جنگ قادسیہ میں بڑے کارنمایاں کئے۔ مگر وہ شرف جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہونے کا تھا بھر کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تو یہ فتنہ بہت بڑھ گیا۔ سوا حرمین شریفین اور شہر جواثی کے جو بحرین کے مضافات میں سے ہے اکثر مقامات کے لوگ مرتد ہو گئے۔ بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور کہدیا کہ بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی کو زکوٰۃ لینے کا اختیار نہیں ہے۔ ایک طرف تو مسلمانوں پر یہ قیامت کبریٰ کہ رسول **رب العالمین** صلی اللہ علیہ وسلم جن کا منھ دیکھ کر جیتے تھے انھیں کا سایہ سر سے اُٹھ گیا دوسری **طرف** یہ آفت کہ فتنۂ **ارتداد** روز بروز ترقی کر رہا ہے تیسری طرف رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت کہ اسامہ کا لشکر بجانب شام مسلمانوں کا انتقام لینے کے لئے روانہ کر دیا جائے۔ حضرت صدیق ہی تھے کہ جن کی قوت قلبیہ نے اُس وقت رنگ دکھلایا اور کوہ استقامت بن کر ان تمام پریشانیوں کو اُنھوں نے جھیلا اور چند ہی روز میں مطلع اسلام پر جو غبار آ گیا تھا اُسکو صاف کر دیا۔

حضرت صدیق نے جس وقت اُن مرتدوں سے قتال کا ارادہ فرمایا بعض صحابۂ کرام نے بھی اِس امر میں اُن سے اختلاف کیا بعض لوگ تو یہ کہتے تھے کہ ان سے قتال کرنا ہی نہ چاہیئے اور بعض کا یہ قول تھا کہ اِس وقت مصلحت نہیں ہے یہ وقت اسلام کے لئے نہایت نازک ہے اِس وقت تالیف قلب سے کام لینا چاہیئے اس طور پر آیت میں جس ملامت کا ذکر ہے وہ ملامت بھی پیش آگئی اور اپنوں کی ملامت بہت زیادہ ناقابل برداشت ہوتی ہے مگر حضرت صدیق نے اس ملامت کی کچھ پرواہ نہ کی اور اپنا کام پورا کر دیا۔ لایخافون لومة لائم کی تصدیق ہو گئی۔

اِس ملامت کی نوبت یہاں تک پہونچی کہ حضرت فاروق اعظم نے بھی اُن سے اختلاف کیا اور نرمی کی صلاح دی جس پر حضرت صدیق نے وہ جلال بھرے ہوئے الفاظ فرمائے کہ آج ان کو سنکر بدن کانپ جاتا ہے فرمایا اجبار فی الجاهلیة وخوار فی الاسلام اے عمر تم جاہلیت میں تو بڑے تند مزاج تھے اسلام میں ایسے نرم بن گئے اور فرمایا۔

الوحی اینقص وانا حی دین کامل ہو چکا وحی الٰہی بند ہو گئی۔ کیا دین پر زوال آئے اور میں زندہ ہوں یعنی میری زندگی میں دین پر یہ آفت آ جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ قصہ مشکوٰۃ میں منقول ہے۔

راقم سطور کہتا ہے کہ میں جب حضرت صدیق کے اس کلام کو دیکھتا ہوں تو مجھے ایک عجیب بات اس میں نظر آتی ہے۔ غور سے دیکھو یہ لفظ کہ میری زندگی میں دین ناقص ہو جائے کیسا کلمہ ہے اور اس کلمہ کے کہنے کا کس کو حق ہو سکتا ہے۔ کوئی شخص مر جائے اور اسکا صرف ایک اکلوتا بیٹا ہو وہ بیشک کہہ سکتا ہے کہ میری زندگی میں اور میرے باپ کا مال لٹ جائے لیکن اگر کسی شخص کے متعدد اولاد ہوں تو انمیں سے کوئی ایک اس کلمہ کو نہیں کہہ سکتا کہ میری زندگی میں میرے باپ کا مال لٹے اگر کہیگا تو یوں کہیگا کہ ہم لوگوں کی زندگی میں۔

یہ کلمہ حضرت صدیق کا بتلا رہا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حقیقی

وارث آپ کے اکلوتے اور روحانی فرزند وہی ایک تھے اِس لئے ان کی زبان سے یہ لفظ نکلا کہ میری زندگی میں دین پر آفت آئے اکلوتا بیٹا موجود ہو اور اس کی نظر کے سامنے اُس کے باپ کی بڑی محنت و جانفشانی سے جو باغ تیار ہوا تھا وہ کاٹ ڈالا جائے یقیناً حضرت صدیق کا ادعا اسلام پر ایسا ہی تھا اور اُنھوں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کے بعد کام بھی ایسے ہی کیے لوگوں نے اُنھیں کو خلیفۂ رسول اللہ کہا اُن کے بعد پھر کوئی خلیفہ اس نام سے نہیں پکارا گیا بلکہ خلفائے ما بعد امیر المومنین کہے گئے۔ امیر المومنین کا لفظ بطور تواضع کے ایک کم درجہ کا لفظ سمجھ کر حضرت فاروق اعظم نے اپنے لئے تجویز کیا تھا جس کو آج شیعہ طغرائے امتیاز سمجھ کر حضرت علی کے نام کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔

حضرت صدیق کے اِس کارنامہ یعنی قتال مرتدین کو انجام کار میں تمام صحابہ نے بڑی عزت کی نظر سے دیکھا حضرت فاروق اعظم فرمایا کرتے تھے کہ حضرت صدیق میری تمام عمر کی عبادت لے لیں اور مجھے صرف اپنی ایک رات اور اپنے ایک دن کی عبادت دے دیں" اما لیلة فلیلة الغار واما یومہ فیوم الردة" یعنے رات سے مراد شب غار ہے اور دن سے مراد فتنۂ ارتداد کا دن ہے حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں قام فی الردة مقام الانبیاء یعنی فتنۂ ارتداد میں حضرت صدیق نے وہ کام کیا جو پیغمبروں کے کرنے کا تھا حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کرھناہ فی الابتداء وحمدناہ علے الانتھاء یعنی ہم لوگوں نے ابتداءً تو قتال مرتدین کو ناپسند کیا تھا مگر انجام دیکھ کر پھر ہم سب حضرت صدیق کے شکر گذار ہوئے۔

فصل دوم

مَنْ یَّرْتَدَّ۔ ارتداد کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی یعنی واقعی طور پر کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد دین اسلام سے پھر جائے یہ ناممکن اور محال ہے چنانچہ دوسری آیتوں میں اسکو بیان فرمایا ہے۔

دوسری قسم ارتداد صوری کہ ظاہر میں لوگوں کے دیکھنے میں ایک شخص مسلمان ہوا اس کے بعد دین اسلام سے پھر گیا جہاں کہیں ارتداد کا لفظ بولا جاتا ہے یہی ارتداد صوری مراد ہوتا ہے۔

فسوف یاتی اللہ خدا کے لانے کا یہاں بھی وہی مطلب ہے جو آیت استخلاف میں خدا کے خلیفہ بنانے کا بیان ہو چکا۔ یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا اس قوم کو عدم سے وجود میں یا ایک ملک سے دوسرے ملک میں لائیگا یا کوئی آواز غیب سے آئیگی کہ یہ لوگ خدا کے لائے ہوئے ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ خدا ان کو اس کام پر آمادہ کرے گا ان کے دل میں ارادہ اس کام کا مضبوطی کے ساتھ قائم کر دیگا۔

یحبھم ویحبونہ پہلے خدا نے یہ فرمایا کہ ہم ان سے محبت کرتے ہیں پھر فرمایا کہ وہ ہم سے محبت کرتے ہیں اس میں بھید یہ ہے کہ جو شخص خدا سے محبت کرتا ہے پہلے خدا کو اس سے محبت ہوتی ہے اگر خدا کو اس سے محبت نہ ہو تو خدا اس کو اتنی بڑی نعمت نہ دے خدا جس کو چاہتا ہے اسی کو یہ نعمت دیتا ہے۔

اذلۃ علی المومنین یہ ویسا ہی ہے جیسے سورہ فتح میں فرمایا اشداء علی الکفار رحماء بینھم مسلمانوں سے نرمی و محبت کرنے کو یہاں اذلۃ کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ وہاں رحماء کی لفظ سے کفار پر سختی کرنے کو کہا یہاں اعزۃ کی لفظ سے بیان فرمایا وہاں اشداء کی لفظ سے ذلک فضل اللہ جس قوم کا اوپر بیان ہوا اس کے اوصاف کی غیر معمولی عظمت اس کلمہ میں بیان فرمائی گئی ہے اور یہ کہ اس منصب پر اس قوم کا تقرر خدا کی بخشش ہے خدا جس کو چاہتا ہے دیتا ہے، نہ کسی خاندان کی تخصیص ہے نہ کسی شخص کی۔ اور خدا کے یہاں کچھ کمی نہیں ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص کس انعام کا مستحق ہے اس کلمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قتال مرتدین کوئی معمولی غزوہ نہیں ہے اس کی بڑی شان ہے حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی اس آیت کے متعلق ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں ازینجا معلوم می شود کہ قتال مرتدین تلو غزوۂ بدر و حدیبیہ بود و نمونہ از شاہد۔ عظیمۃ القدر۔

ولیکم۔ ولی بمعنی دوست مددگار۔
راکعون۔ رکوع کے معنی لغت میں جھکنا عاجزی کرنا اور اصطلاح شریعت میں نماز کے ایک رکن خاص کو کہتے ہیں یہاں وہی لغوی معنی مراد ہیں۔

فصل سُوم

یہ آیت نہایت صفائی اور کامل وضاحت کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق کے خلیفہ برحق ہونے پر اور نیز اُن کے اور اُن کے ساتھیوں کے اعلےٰ ترین کمالات پر دلالت کرتی ہے۔

اِس آیت میں جس قوم یعنی جماعت کا بیان ہے اور مرتدوں پر اُس کے مسلط کرنے کا وعدہ ہے اُس جماعت کی چھ صفتیں بیان فرمائی ہیں۔

اوّل یہ کہ وہ جماعت خدا کی محبوب ہے۔
دوم۔ یہ کہ وہ خدا کی محب ہے۔
سوم۔ یہ کہ وہ کافروں پر سخت ہے۔
چہارم۔ یہ کہ وہ مسلمانوں پر مہربان و متواضع ہے۔
پنجم۔ یہ کہ وہ راہ خدا میں جہاد کرتی ہے۔
ششم۔ یہ کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتی اب غور کرو کہ یہ صفات کمالیہ کس رتبہ کی ہیں آیا شریعت الٰہیہ میں اب اُن سے مافوق بھی کوئی رتبہ ہو سکتا ہے۔

جب تک فتنۂ ارتداد کا ظہور نہ ہوا تھا اُس وقت تک پتہ نہیں چل سکتا تھا کہ اِس آیت میں کس جماعت کی تعریف بیان ہو رہی ہے مگر فتنہ ارتداد کے ظاہر ہونے کے بعد اور حضرت صدیق کے دست حق پرست سے اِس فتنہ کا استیصال مشاہدہ کرنے کے بعد سب کی آنکھیں کھل گئیں اور معلوم ہو گیا کہ آیت میں تعریف حضرت صدیق اور ان کے رفقاء کی ہے حضرت صدیق اور اُن کے طفیل میں اُن کے رفقا خدا کے

محبوب ومحب ہیں اور جب وہ خدا کے محبوب ومحب ہوئے تو اُن کی خلافت کے برحق ہونے میں کسی کو شبہہ ہو سکتا ہے سوا اس کے کہ جس کا ایمان قرآن شریف پر نہ ہو پھر اِس آیت میں اُن کا قتال مرتدین پر مامور ہونا اُن کے خلیفۂ برحق کو اور بھی واضح کر رہا ہے کیونکہ سب سے بڑا مقصد خلیفہ کا قتال فی سبیل اللہ ہے جیسا کہ حضرت طالوت کے قصہ میں ملکا نقاتل فی سبیل اللہ سے ظاہر ہے۔

اگر کوئی کہے کہ یہ آیت حضرت علی کے حق میں ہے انھوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں مرتدوں سے جنگ کی ہے تو جواب اسکا بچند وجوہ ہے۔

اوّل یہ کہ حضرت علی نے اپنے زمانۂ خلافت میں جن لوگوں سے جنگ کی ان میں کوئی مرتد نہ تھا سب مسلمان تھے چنانچہ اہل شام کے متعلق حضرت علی کا فرمان نہج البلاغہ میں موجود ہے جس میں صاف تصریح اہل شام کے نہ صرف مومن بلکہ مومن کامل ہونے کی ہے حضرت علی نے اس میں لکھا ہے کہ اللہ ورسول پر ایمان رکھنے میں نہ ہم اُن سے زیادہ نہ وہ ہم سے زیادہ دیکھو نہج البلاغہ مطبوعہ مصر قسم دوم ص۱۱۱ میں حضرت علی کا یہ گشتی فرمان۔

وکان بدء امرنا انا التقینا والقوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدة ولا نستزیدهم فی الایمان بالله والتصدیق برسوله ولا یستزیدوننا فالامر واحد الا ما اختلفنا فیه من دم عثمان ونحن منه براء۔	ہمارے معاملہ کی ابتدا یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام میں مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک اور ہمارا اور اُن کا نبی ایک اور ہماری اور اُن کی دعوت اسلام میں ایک اللہ پر ایمان رکھنے میں اور اس کے رسول کی تصدیق میں نہ ہم ان سے زیادہ نہ وہ ہم سے زیادہ معاملہ واحد ہے سوا اسکے کہ خون عثمان کی بابت اختلاف ہوا اور ہم اُس سے بری ہیں۔

دوم یہ کہ اگر موافق اصول موضوعۂ شیعہ تسلیم کر لیا جائے کہ صحابۂ کرام مرتد تھے اور حضرت علی کی لڑائی مرتدوں سے تھی نعوذ باللہ من ذلک تو حضرات خلفائے ثلثہ سے کیوں جنگ نہ ہوئی حالانکہ آیت کا مقتضا یہ ہے کہ بوقت نزول آیت جس قدر کلمہ گو تھے ان میں سے

جب کوئی مرتد ہو گا اُس سے قتال ضرور ہو گا۔ بعض مرتدوں سے قتال ہو بعض سے نہو یہ آیت کی تکذیب ہے مستند احضرت علی کے حق میں یہ آیت نہیں ہو سکتی۔

سوم یہ کہ آیت بتلا رہی ہے کہ قتال مرتدین میں وہ جماعت کامیاب ہوگی۔ فتنۂ ارتداد کا قلع قمع ہو جائے گا اور حضرت علی مرتضیٰ اپنی لڑائیوں میں کامیاب نہیں ہوئے بلکہ یوماً فیوماً اُن کے مخالفین کا زور بڑھتا گیا لہذا یہ آیت علی کی شان میں کسیطرح نہیں ہو سکتی۔

چہارم یہ کہ حضرت علی کے ساتھیوں میں آیت کے موعود اوصاف باتفاق فریقین نہ تھے نہج البلاغہ میں بہت سے خطبہ ہیں جن میں حضرت علی نے اپنے اصحاب کی بزدلی اور جہاد سے اُن کا پیچھے ہٹنا بیان فرمایا ہے۔ پھر بھلا ایسے لوگوں کے حق میں یہ آیت کیسے ہو سکتی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ امام مہدی کے وقت میں اِس آیت کی پیشین گوئی پوری ہوگی تو اُسکے بھی کئی جواب ہیں۔

اوّل یہ کہ آیت میں لفظ منکم بتلا رہی ہے کہ یہ پیشین گوئی صرف زمانۂ نزول کے لئے ہے یعنی اُس وقت کے لوگوں میں سے کوئی مرتد ہو جائے تو اُس کے لئے آیت کی مذکورہ وعید ہے اور قطع نظر لفظ منکم سے اگر آیت کو عام کر دیا جائے تو مشاہدہ کے خلاف لازم آئے گا آج جو لوگ مرتد ہو رہے ہیں کون سی قوم اُن پر مسلط ہوتی ہے۔

دوم یہ کہ بفرض محال بلا دلیل ہم آیت کو زمانہ نزول کے ساتھ خاص نہ رکھیں تو بھی زمانہ نزول ضرور مراد ہوگا آیت میں بطور شرط و جزا کے بیان ہوا ہے۔ لہذا اگر ہزار بار فتنہ ارتداد پیدا ہو تو ہر مرتبہ مرتدین پر قوم موصوف کا تسلط ہونا چاہیئے اور یہ مسلم ہے کہ آخر عہد نبوی اور خلافت اولیٰ میں بعض قبائل عرب مرتد ہوئے۔ لہذا ان پر قوم موصوف کا تسلط ضروری ہوا پس امام مہدی کے وقت کیلئے مخصوص کرنا آیت کی تکذیب ہے۔

المختصر حضرات شیعہ اس آیت کی کوئی تاویل نہیں کر سکتے تاویل اگر ہو سکتی تھی تو یہ کہ اس زمانہ میں فتنۂ ارتداد کے وقوع سے انکار کرتے مگر متواتر واقعات کا انکار امکان سے باہر ہے اُن کے مورخین اور مفسرین اِس کو تسلیم کر رہے ہیں۔ چنانچہ تفسیر منہج الصادقین وغیرہ کے دیکھنے سے ظاہر ہے۔

ف اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق کو خلیفہ بنانے کا حکم نہیں دیا۔ حکم دینے کے بعد بندوں کو اختیار باقی رہتا ہے کہ اس حکم پر عمل کریں یا نہ کریں۔ بلکہ آیت استخلاف و آیۂ تمکین کی طرح اس آیت میں بھی خداوند علیم و خبیر نے ایک پیشین گوئی فرمائی اور اسی پیشین گوئی کے ضمن میں خلیفہ برحق کے علامات بیان فرمائے ہیں اور اس تقرر کے اسباب عالم غیب سے ظہور پذیر ہونے کا وعدہ فرمایا و من اصدق من اللہ قیلا۔

واقعی جو اہتمام حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں تھا اسکا یہی تقاضا تھا کہ آپ کے بعد آپ کی خلافت راشدہ کا انتظام بھی عالم غیب سے ہوتا بندوں کے ہاتھ میں اس کے انجام دینے کی باگ نہ دی جاتی کو عالم غیب کا انتظام بھی انھیں بندوں کے ہاتھ سے ظاہر ہوا مگر اس صورت میں بندے مرادِ حق کے لئے صرف آلہ بن گئے جو خدا کی رضا تھی وہی ظہور میں آیا۔ اور اس نے خلاف کا ظہور نا ممکن ہو گیا فالحمد للہ اولاً و آخراً۔

فصل چہارم

۱۔ آیت قتال مرتدین سے معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا شریعت الٰہیہ میں قتل ہے۔ اور قتل مرتد کا شارع کو اس قدر محبوب ہے کہ قرآن اول کے مرتدین سے قتال کرنے کا سامان عالم غیب سے کرنے کی خدا نے خبر دی۔

۲۔ آیت ولایت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہر ایک سے دوستی و محبت کرنا جائز نہیں محبت صرف اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اُن مومنین سے چاہیئے

جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہوں جب بے نمازیوں سے دوستانہ تعلقات رکھنے کی ممانعت بھی آیت سے ظاہر ہو رہی ہے۔

۳۔ مذہب شیعہ کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ تمام صحابہ کرام باستثنائے چار شخص کے باقی سب مرتد ہو گئے تھے کافی وغیرہ میں روایت موجود ہے کہ ارتد الصحابۃ کلھم الا ثلثۃ یہ عقیدہ فاسد اس آیت سے رد ہو جاتا ہے۔ اگر نعوذ باللہ حضرات خلفائے ثلثہ مرتد ہوتے تو ضرور موافق وعدہ الٰہی کے کوئی قوم جو خدا کی محبوب و محب ہوتی ان پر مسلط ہوتی اور ان سے قتال کرتی۔ حالانکہ وہ خود ہی سب پر مسلط رہے سب ان کے مطیع فرمان ہی رہے۔

اگر کوئی شیعہ یہ تاویل کرے کہ ارتداد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ارتداد ایمان سے جس میں ظاہری اسلام باقی رہتا ہے دوسرے ظاہری اسلام کو بھی ترک کر دینا آیت قتال مرتدین میں ارتداد کی دوسری قسم کا بیان ہے اور خلفائے ثلثہ میں صرف پہلی قسم ارتداد کی تھی تو جواب یہ ہے کہ علمائے شیعہ نے تصریح کر دی ہے کہ حضرات خلفائے ثلثہ میں دونوں قسمیں ارتداد کی موجود تھیں چنانچہ مولوی حامد حسین صاحب استقصار الافحام میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس مضمون کو بیان کر کے لکھتے ہیں۔ فان کفرھم وارتدادھم واضح لاسترۃ فیہ یعنی حضرات خلفائے ثلثہ کا کفر و ارتداد بالکل ظاہر باہر ہے کسی قسم کی پوشیدگی اس میں نہیں نعوذ باللہ منہ۔ پس اب سوا اس کے کوئی چارۂ کار نہیں کہ یا تو قرآن کو محرف مان کر اس آیت کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کر دیا جائے یا خدا کے لئے بدا تجویز کر کے کہدیں کہ پہلے خدا کی یہی رائے تھی جو اس آیت میں مذکور ہے بعد میں رائے بدل گئی۔ ایسے ہی موقع کے لئے عقیدہ تحریف و عقیدہ بدا ان حضرات نے تصنیف بھی کیا ہے۔

باب دوم

آیت ولایت کی صحیح تفسیر تو اوپر بیان ہو چکی جس سے صاف ظاہر ہو چکا کہ

اِس آیت کو خلافت سے کوئی تعلق نہیں مگر حضرات شیعہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی کی خلافت بلافصل پر بڑی روشن دلیل ہے ۔
شیعہ اس آیت کا ترجمہ یوں بیان کرتے ہیں کہ اے مسلمانوں سوا اس کے نہیں کہ حاکم تمھارا اللہ ہے اور اُسکا رسول اور وہ ایمان والے جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ یعنی صدقہ دیتے ہیں ۔
اِس ترجمہ پر بھی کچھ کام نہ چلا تو اُس کے ساتھ یہ روایت اور ملائی گئی کہ حضرت علی ایک روز نماز پڑھ رہے تھے ایک سائل نے آکر سوال کیا تو حضرت علی نے بحالت رکوع اپنی انگوٹھی اُتار کر سائل کو دیدی اسپر یہ آیت نازل ہوئی ۔ اور طرفہ ماجرا یہ ہے کہ اِس روایت کے لئے کتب اہل سنت کا حوالہ دیا جاتا ہے ۔
اِس روایت کے ملانے سے آیت کا یہ مطلب ہوا کہ اے مسلمانو تمھارا حاکم صرف اللہ ہے اور اُسکا رسول اور وہ ایمان والے یعنی حضرت علی جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں انگوٹھی دیتے ہیں ۔
اب سنئیے کہ اِس استدلال میں کتنی لطیف باتیں ہیں ۔
پہلا لطیفہ کہ ولی بمعنی حاکم لغت عرب میں کبھی مستعمل نہیں ہوا ملو ولی بمعنے حاکم البتہ آتا ہے ۔ آج تک کبھی کسی نے ولی کہ بمعنی حاکم کہ ہرگز نہ سنا ہوگا ۔ ہاں والی کہ بمعنی حاکم کہ البتہ مستعمل ہوتا ہے اچھا اب خود شیعہ انصاف کریں جو وہ اپنی اذان میں اشہد ان علیا ولی اللہ پکارتے ہیں کیا وہاں بھی ولی بمعنی حاکم ہے یعنی حضرت علی اللہ کے حاکم ہیں یقیناً وہاں ولی بمعنی حاکم لینے پر کوئی شیعہ راضی نہوگا پھر اس آیت نے کیا قصور کیا ہے کہ یہاں ولی بمعنی حاکم لیا جائے قرآن شریف میں بیسیوں جگہ یہ لفظ مستعمل ہے اور ہر جگہ بمعنی دوست ومحب ہے **قولہ تعالیٰ**
المومنون والمومنات بعضہم اولیاء بعض وغیرہ وغیرہ ۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ منہاج السنہ میں لکھتے ہیں کہ یہاں دو لفظ ہیں ایک ولایت بفتح واو اسکے معنی حکومت کے ہیں دوسری وِلایت بکسر واو اس کے معنی دوستی ومحبت اور

نزدیکی کے ہیں ولایت بفتح واو سے صفت مشبہ والی آتا ہے جس کے معنی حاکم کے ہوتے ہیں اور ولایت بکسر واو سے صفت مشبہ ولی آتا ہے جس کے معنی دوست کے ہوا کرتے ہیں۔

دوسرا لطیفہ الذین آمنوا اور یقیمون وغیرہ جمع کے الفاظ ہیں ان سے صرف حضرت علی کو مراد لینا یقیناً مجاز ہوگا اور مجازی معنے کا بغیر ضرورت اور بغیر قرینہ صارفہ کے مراد لینا قطعاً ناجائز ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں اس مجاز کے لئے نہ کوئی ضرورت ہے نہ کوئی قرینہ۔

تیسرا لطیفہ وھم راکعون کو شیعوں نے صرف یوتون الزکوٰۃ کی ضمیر سے حال قرار دیا حالانکہ دو جملہ متناسقہ کے بعد اگر حال آتا ہے تو دونوں جملوں کی ضمیر سے حال بنتا ہے نہ صرف ایک سے لہذا یہاں بھی دونوں جملوں یعنی یقیمون الصلوٰۃ اور یوتون الزکوٰۃ سے حال بنانا چاہیئے جسکا مطلب یہ ہوگا کہ حالت رکوع میں نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں لیکن حالت رکوع میں نماز پڑھنا ایک ایسا مہمل کلام ہے کہ شیعہ بھی اسکی جرأت نہ کرسکے۔

چوتھا لطیفہ رکوع سے یہاں نماز کا رکوع مراد لیا گیا حالانکہ یہاں رکوع سے مراد لغوی معنی ہیں یعنی جھکنا اور عاجزی کرنا۔

پانچواں لطیفہ۔ زکوٰۃ اصطلاح شریعت میں خاص اس صدقہ مفروضہ کو کہتے ہیں جو صاحب نصاب پر سال تمام ہونے کے بعد فرض ہوتا ہے مگر حضرت علی صاحب نصاب نہ تھے لہذا زکوٰۃ ان پر فرض نہ تھی لامحالہ زکوٰۃ سے صدقہ نافلہ مراد لیا جائیگا اور یہ مجاز ہوگا اور معنی مجازی بغیر قرینہ و تعذر حقیقت مراد نہیں ہو سکتے۔

چھٹا لطیفہ یہ کہ جب قرآن مجید میں اس فعل کی یعنی نماز میں صدقہ دینے کی تعریف کی گئی تو کم از کم اس فعل کو مستحب ضرور ہونا چاہیئے حالانکہ آج تک فریقین میں کوئی اس بات کا قائل نہیں کہ حالت رکوع میں یا حالت نماز میں صدقہ دینا بہ نسبت خارج نماز کے کوئی فضیلت کی بات ہے۔ بلکہ نماز کے اندر صدقہ دینا اگر فعل کثیر

کے ساتھ ہو تو مفسد نماز ہے۔

ساتواں لطیفہ - یہ کہ حضرت علی کی نماز کی اس میں بڑی توہین ہے کہ نماز میں توجہ کلیتہ خدا کی طرف ہونا چاہیئے نہ کہ سائل کیطرف یا احسان نہ آپ کی نماز تو ایسی ہوتی ہے کہ بسا اوقات ان کو اس عالم کی چیزوں کا احساس بھی نہیں ہوتا جیسا کہ خود حضرت علی کے متعلق روایت ہے کہ جنگ اُحد میں بحالت نماز ان کے پیر میں تیر لگ گیا اور خون جاری ہو گیا مگر اُن کو خبر بھی نہ ہوئی بعد نماز کے جب لوگوں نے اُن سے کہا کہ آپ کے تیر لگا ہے اُس وقت اُن کو پتہ چلا۔

آٹھواں لطیفہ یہ کہ اس مضمون کو صحیح مان لینے سے آیت سیاق وسباق سے بے ربط ہوئی جاتی ہے اوپر سے یہود و نصاریٰ سے محبت کرنے کی ممانعت ہو رہی ہے اور اسی ضمن میں فتنۂ ارتداد اور اُسکے علاج کا بیان ہے بعد میں بھی یہی مضمون ہے درمیان میں حضرت علی کی خلافت اور حالت نماز میں سائل کو صدقہ دینے کا ذکر نہ ماقبل سے کچھ نسبت رکھتا ہے نہ مابعد سے۔

نواں لطیفہ یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک یہ قصہ اعطائے انگشتری کا بالکل جعلی و وضعی ہے جن تفسیروں میں صحیح روایات کے لکھنے کا التزام کیا گیا ہے اُن میں اس روایت کا نام و نشان نہیں ہے مثلاً تفسیر جلالین کہ اُس کے دیباچہ میں تصریح ہے کہ اقوال ناپسندیدہ اس میں درج نہیں کئے گئے اور صحیح روایات لائی گئی ہیں۔ اس تفسیر جلالین میں نہ یہ قصہ ہے نہ حضرت علی کے حق میں اسکا نازل ہونا مروی ہے بلکہ لکھا ہے کہ نزلت فی عبد اللہ بن سلام لما ھجر قومہ الیھود (ر) کے علاوہ بڑے بڑے ائمہ فن نے اس روایت پر جرح کی ہے اسکا جعلی ہونا بیان کیا ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں کہ قد وضع بعض الکذابین حدیثا مفتریٰ ان ھذہ الایۃ نزلت فی علی لما تصدق بخاتمہ فی الصلوٰۃ وھذا کذب باجماع اھل العلم بالنقل وکذبہ بین من وجوہ۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف

میں لکھتے ہیں رواہ الثعلبی من حدیث ابی ذر مطولا واسنادہ ساقط۔ حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں اسی آیت کے تحت میں لکھتے ہیں ولیس یصح شیٔ منھا لضعف اسانیدھا وجھالۃ رجالہا۔ حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں وقصہ موضوعہ اعطائے انگشتری روایت کنند۔

امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں شیعوں کا استدلال اس آیت سے نقل کرکے فرماتے ہیں واما استدلالھم بان ھذہ الایۃ نزلت فی حق علی فھو ممنوع۔

اب رہا یہ کہ قصہ اعطائے انگشتری نقل در نقل کے طور پر بہت سی کتابوں میں پایا جاتا ہے اس سے اس کا معتبر ہونا نہیں ثابت ہو سکتا۔ شیعوں کے محدثین نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ کسی روایت کا کتب کثیرہ میں درج ہونا اس کے صحت کی دلیل نہیں ملاحظہ ہو دیباچہ استبصار۔

دسواں لطیفہ یہ ہے کہ اس قصہ خوانی کرنے اور زمین آسمان کے قلابے ملانے کے بعد حضرت علی کی خلافت بلافصل تو ثابت ہوئی یا نہ ہوئی مگر دوسرے ائمہ کی امامت باطل ہو گئی کیونکہ آیت میں انما کلمہ حصر موجود ہے مسلمانوں کی حکومت صرف اسی شخص میں منحصر کر دی گئی ہے جس نے حالت رکوع میں سائل کو صدقہ دیا اور یہ کیفیت سوا حضرت علی کے کسی میں پائی نہیں گئی۔

بالفعل ان دس لطائف پر اکتفا کی جاتی ہے اگرچہ ابھی بہت سی باتیں باقی رہ گئی ہیں۔ شیعوں نے بڑا زور اس بات پر دیا ہے اور اس میں عجیب افسانہ پردازیوں سے کام لیا ہے مولوی سید محمد صاحب مجتہد نے حیا و شرم کو بالائے طاق رکھ کر بوارق میں یہاں تک لکھ دیا کہ اعطائے انگشتری کا قصہ مشکوٰۃ میں موجود ہے خدا کیلئے کوئی حمایتی مجتہد صاحب کا مشکوٰۃ میں اس قصہ کو دکھلائے۔

شیعوں کے امام اعظم شیخ حلی نے منہاج الکرامۃ میں اور بھی کمال کیا لکھ دیا کہ اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی۔

نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات۔

یہ حالت تھی اس آیت کے استدلال کی جس کو شیعہ بڑی زبردست دلیل خلافت بلافصل کی کہتے ہیں۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ

ترجمہ

بہ تحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو۔

تفسیر آیتِ دعوتِ اعراب

جس میں

سورۂ فتح کی آیتِ دعوتِ اعراب یعنی آیۂ کریمہ قل للمخلفین من الاعراب سے حضرات خلفائے ثلاثہ خصوصاً شیخین رضی اللہ عنہم کا خلیفہ برحق ہونا اور ان کی خلافتوں کا قرآن کریم کی موعودہ خلافت ہونا ثابت کرکے منکرین پر حجت خدا قائم ہونا روز روشن کی طرح واضح کیا گیا ہے۔

ناشر،

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳ ۔ روڈ نمبر ۲ ۔ سب بلاک اے ۔ بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدوسیہ

ناظم آباد ۔ کراچی ۷۴۶۰۰ ۔ فون نمبر ۶۶۰۴۴۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا وّ مصلیًا وّ مسلمًا

امابعد تفسیر آیات خلافت کے سلسلہ میں. آیہ تطہیر، آیہ استخلاف، آیہ تمکین، آیہ قتال مرتدین وآیہ ولایت کی تفسیریں شائع ہو چکی ہیں اور آیہ مودۃ القربٰی کی تفسیر بہت پہلے شائع ہو چکی تھی۔ اب اس وقت آیہ دعوت اعراب کی تفسیر برادران ایمانی کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ قبول فرمائے اور ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین۔

پانچویں آیت۔ آیہ دعوت اعراب۔ سورۂ فتح۔ پارہ چھبیسواں

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

ترجمہ۔ اے نبی کہہ دیجئے پیچھے کیے ہوئے اعراب (یعنی بدوؤں) سے کہ عنقریب بلائے جاؤ گے تم ایک سخت جنگ آور قوم کی طرف تم ان سے قتال کروگے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ پس اگر تم نے (اس بلانے والے کی) اطاعت کروگے تو اللہ تم کو اچھا ثواب دے گا اور اگر تم منہ پھیروگے جیسا کہ تم نے پہلے منہ پھیرا تھا تو خدا تم کو دردناک عذاب دے گا۔

تفسیر

اس آیت کا مطلب جیسا کہ اس کے الفاظ کریمہ سے ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ بدؤں کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے سرتابی کی تھی اور آپ کے ہمراہ کسی سفر یا جہاد میں نہ گئے تھے۔ ان سے فرمایا جاتا ہے کہ ایک موقع تم کو اور دیا جائے گا۔ آئندہ عنقریب تم کو ایک بڑی جنگ جو قوم سے لڑنے کے لیئے دعوت دی جائے گی۔ اور اس دعوت دینے والے کا یہ رُتبہ ہوگا کہ اس کی اطاعت سے بڑا اچھا ثواب عنایت ہوگا۔ اور اس کی اطاعت سے انحراف کرنے پر سخت عذاب تم پر آئے گا۔ ہمارے استدلال کے لیے نہ اس قصہ کے معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ اعراب کون تھے نہ اس کے معلوم کرنے کی حاجت کہ رسول نے ان کو کس سفر یا کس جہاد کی دعوت دی تھی اور انہوں نے کیوں انحراف کیا تھا۔

مگر اتمام بصیرت اور ازدیاد وضاحت کے لیئے مختصر طور پر اس واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ کا اکثر حصہ تو قرآن مجید کی اسی سورت میں مذکور ہے اور اس کے بعض اجزاء اگرچہ قرآن مجید میں نہیں ہیں، مگر بلاخلاف واختلاف بین الفریقین مسلّم ہیں۔

وہو ہذا۔

سنہ ۶ھ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بارادہ حج یا بہ نیت عمرہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا سفر کیا۔ اس سفر میں ضرورت تھی کہ ایک بڑی جماعت آپ کے ہمرکاب ہو۔ کیونکہ بظاہر اسباب قوی اندیشہ تھا کہ کفار مکہ مزاحمت کریں گے اور شاید نوبت جہاد و قتال کی آجائے۔ لہذا آپ نے تمام کلمہ گویانِ اسلام کو اس سفر کی دعوت عام دی۔ تمام صحابہ مخلصین جن کے ایمان و اخلاص کا تقاضا یہ تھا کہ ہر وقت جان نثاری کے مواقع تلاش کرتے رہتے تھے جن کی ہر گھڑی اس انتظار میں کٹتی تھی کہ کب وہ وقت ہم کو ملے گا کہ ہماری نذر پوری ہوگی اور رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے جان دینے کا شرف ہم کو ملے گا۔

کما قال اللہ تعالیٰ فی شانہم فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ

وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا[1]۔ ایسے تمام لوگ بے تردد و تامل جان نثاری کے لیئے اس سفر میں آپ کے ساتھ ہو گئے۔ مگر بدوؤں کی ایک جماعت جس میں نہ وہ خلوص تھا نہ وہ داعیۂ جان نثاری۔ ان کی قسمت میں کاتب ازل نے یہ سعادت نہ لکھی تھی۔ وہ آپ کے ہمراہ نہ گئے۔ ان بدوؤں کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ[2] رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مقام حُدَیْبِیَہ تک پہنچنے پائے تھے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ایک مقام ہے۔ مکہ معظمہ سے اس قدر قریب کہ اکثر حصہ حدیبیہ کا حرم میں شمار کیا گیا ہے کہ کفار قریش نے مزاحمت کی۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مغلوبانہ صلح ہوئی اور احصار[3] کی قربانی کرنے کے بعد سب لوگوں نے احرام کھول ڈالے۔ اس صلح میں یہ طے پایا کہ آئندہ سال اس عمرہ کی قضا کے لیے پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائیں گے۔

اس سفر میں چودہ سو اور پندرہ سو کے درمیان میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں کا شمار کیا گیا ہے۔

اس سفر میں بمقام حدیبیہ ایک درخت کے نیچے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے موت کی بیعت لی یعنی یہ معاہدہ اُن سے لیا کہ یا تو حضرت عثمان رضی کا انتقام مکہ والوں سے لیں گے یا سب اسی وادی میں جان دے دیں گے۔ حضرت عثمان رضی کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سفیر بنا کر مکہ والوں کی تفہیم کے لیے بھیجا تھا۔ کفار مکہ نے ان کو قید کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مخبر نے غلط خبر پہنچائی کہ حضرت عثمان رضی شہید

---

[1] ترجمہ۔ ان میں بعضے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعضے وہ ہیں جو انتظار میں ہیں اور (اپنے عہد میں) بالکل تبدیلی نہیں کی۔ ✱

[2] ترجمہ۔ مدینہ کے گرد و پیش کی بستیوں میں بعضے اعراب منافق ہیں۔ ✱

[3] جب کوئی شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے اس کے بعد کوئی مانع پیش آ جائے جس کے باعث حج یا عمرہ نہ کر سکے تو اس کو حکم ہے کہ حرم میں قربانی کر کے احرام سے باہر ہو جائے اس قربانی کو احصار کی قربانی کہتے ہیں۔ ✱

کر دیئے گئے تا اسی پر یہ بیعت آپ نے لی تھی اثنائے بیعت میں جب یہ پتہ مل گیا کہ حضرت عثمانؓ زندہ ہیں مگر قید ہیں، تو آپ نے خود اپنے دستِ مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت لی۔[1]

یہ بیعت اسلام میں بڑی عظیم الشان چیز مانی گئی ہے۔ نام اس بیعت کا بیعت الرضوان ہے۔ قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے اس بیعت کے کرنے والوں سے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بڑی بڑی خوشخبریاں ان کو سنائیں اور خوب ان کی عزت افزائی کی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور نے ان سے فرمایا۔ اَنْتُمُ الْیَوْمَ خَیْرُ اَھْلِ الْاَرْضِ۔ یعنی تم آج تمام زمین کے لوگوں سے بہتر ہو۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضور نے فرمایا لَا یَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِ الشَّجَرَۃِ۔ یعنی جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی۔ ان میں کوئی شخص دوزخ میں نہ جائے گا۔ غزوۂ بدر کے بعد اسلام میں اس بیعت کا رتبہ تسلیم کیا گیا ہے۔

سفر حدیبیہ سے واپسی کے وقت اثنائے راہ میں یہ مبارک سورت نازل ہوئی تھی جس کا مبارک نام سورۃ الفتح ہے۔ جس کی ایک آیت کی تفسیر اس وقت کی جا رہی ہے۔ اس سورت میں تمام تر اسی واقعہ حدیبیہ کا بیان ہے۔

---

[1] حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کا ذکر کتب شیعہ میں بھی ہے۔ چنانچہ ان کی سب سے زیادہ معتبر کتاب کافی کی کتاب الروضہ ص۱۵۱ میں ہے۔ وَبَایَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ الْمُسْلِمِیْنَ وَضَرَبَ بِاِحْدٰی یَدَیْہِ عَلَی الْاُخْرٰی ـــــ لِعُثْمَانَ اور حیات القلوب جلد دوم ص۲۴۴ میں ہے "بروایت شیخ طبرسی چون مشرکان عثمان را حبس کردند خبر بحضرت رسید کہ او را کشتند حضرت فرمود کہ ازینجا حرکت نمیکنم تا با ایشاں قتال کنم مردم را بسوی بیعت دعوت نمایم و برخاست و پشت مبارک بدرخت داد و تکیہ کرد و صحابہ با آنحضرت بیعت کردند کہ با مشرکان جہاد کنند و نگریزند و بروایت کلینی حضرت یکدست خود را بر دست دیگر زد و برائے عثمان بیعت گرفت۔"

ف اس سورۂ فتح کو شروع سے آخر تک پڑھو۔ عربی زبان نہ جانتے ہو تو کسی ترجمہ کے ساتھ پڑھو تو صاف نظر آئے گا کہ اس سورت میں حق تعالیٰ کے بڑے بڑے مقصود دو ہیں۔ ایک یہ کہ جو صحابہ کرامؓ اس سفر میں ہم رکاب تھے۔ ان کی جان نثاری کی قدر افزائی کی جائے۔ اور مغلوبانہ صلح کے سبب سے جو ان کے دل زخمی ہو رہے تھے۔ ان زخموں پر مرہم رکھا جائے۔ دوسرا یہ کہ ان اعراب کو تہدید کی جائے۔ جو اس مبارک سفر میں ساتھ نہ گئے تھے۔

مقصود اوّل یعنی اصحاب حدیبیہ کی قدر افزائی اور ان کی دلداری اور دل دہی کے لیے طرح طرح کے عنوان اس سورت میں اختیار فرمائے ہیں۔ کہیں ان کو فتح و نصرت کے وعدے دیئے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ اس وعدے کا نام ہی فتح مبین رکھا گیا اور یہ سورۃ بھی سورۂ فتح کے نام سے موسوم کی گئی ہے اور فرمایا گیا کہ اب جو جماعت کافروں کی تمہارے مقابلہ میں آئے گی شکست خوردہ ہو کر راہِ فرار اختیار کرے گی۔ کہیں اس بیعت کے فضائل بیان فرمائے گئے اور ان کو اپنی رضامندی اور خوشخبری سنائی۔ کہیں ان کے اخلاص کی شہادت دی گئی۔ کہیں ان کو عظیم الشان غنیمتوں کا مژدہ سنایا گیا اور غزوۂ خیبر کی غنیمتوں کو جو مسلمانوں کے لیے آسودگی کا عمدہ سبب بنیں۔ اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ کہیں ان کو نزول سکینہ کے رتبہ سے سرفراز فرمایا۔ کہیں ان کی اوصاف پسندیدہ اور ان کی عبادات و طاعات کو سراہا گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ چند آیات کا اقتباس درج ذیل ہے:۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ

وہی ہے جس نے نازل کیا سکینہ ایمان والوں کے دلوں میں تاکہ ان میں ایمان پر ایمان بڑھ جائے۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

تاکہ داخل کرے اللہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور تاکہ مٹا دے خدا ان کے گناہوں کو اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ

بے تحقیق جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں

اللّٰهِ ۚ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

وہ اللہ ہی کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہوتا ہے (نہ آپ کا)

بہ تحقیق راضی ہوا اللہ ایمان والوں سے جب، وہ بیعت کر رہے تھے آپ سے درخت کے نیچے پس جان لیا اللہ نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا۔ لہٰذا سکینہ ان پر نازل کیا اور ان کو انعام میں دی ایک فتح قریب (یعنی فتح خیبر) اور غنیمتیں بہت جن کو وہ لیں گے اور اللہ غالب حکمت والا ہے (یہ صلح مغلوبیت کے باعث نہیں ہوئی بلکہ اس میں حکمتیں ہیں) اللہ نے تم سے بہت غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے لہٰذا اس (غنیمت خیبر) کو تو جلدی دے دیا، اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور تاکہ (یہ فتح خیبر) ایمان والوں کے لیے ایک نشانی بنے اور تاکہ تم کو سیدھی راہ پر چلائے اور کچھ اور غنیمتیں ہیں جن پر تم کبھی قادر نہیں ہوئے مگر اللہ نے ان کو گھیر لیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اگر کفار تم سے لڑتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے پھر اپنا کوئی دوست اور مددگار نہ پاتے یہ اللہ کا قانون ہے جو پہلے سے مقرر ہو چکا ہے (کہ انبیاء کے متبعین کو انجام کار فتح ملتی ہے) اور ہرگز خدا کے قانون میں تبدیلی نہ پاؤ گے۔ پھر اللہ نے اپنا سکینہ اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر نازل کیا اور لازم کر دی ان کے لیے بات تقویٰ کی اور وہ اس نعمت کے سب سے زیادہ مستحق اور سزاوار تھے اور اللہ ہر چیز سے آگاہ ہے (کہ

کون کس انعام کا مستحق ہے)۔

خاتمۂ سورت میں وہ مشہور آیت ہے جس کا نام آیت معیت ہے یعنی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ الآیہ۔ چونکہ ہم اس کی تفسیر میں مستقل رسالہ عنقریب انشاء اللہ شائع کریں گے۔ اس لیئے اس کو درج نہیں کیا۔

ان آیات کریمہ میں علاوہ وعدہ فتوحات وغنائم کے اور علاوہ اصحاب حدیبیہ کے دوسرے فضائل کے تین باتیں بڑی زبردست بیان فرمائی ہیں کہ اعدائے قرآن کریم جس قدر مطاعن اصحاب حدیبیہ کے بیان کرتے ہیں سب کے خاکستر کرنے کے لیئے کافی ہیں۔ وَکَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ۔

۱. یہ کہ خدا نے اپنی رضامندی اُن سے بیان فرمائی اور وہ بھی اس کلمہ کے ساتھ کہ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اس کا ہمیں علم ہے۔ یعنی ہماری رضامندی صرف ظاہری اعمال کی بناء پر نہیں ہے۔ بلکہ ان کے اخلاص قلبی کے علم کی وجہ سے ہے۔

۲. اصحاب حُدیبیہ پر سکینہ کا نازل کرنا بیان فرمایا اور اسی سُورت میں تین جگہ بیان فرمایا۔ وہ تینوں مقام ہم نے نقل کر دیئے ایک جگہ رسول کے ساتھ سکینہ نازل کرنے کو فرمایا اور دو جگہ صرف انہیں پر نزول سکینہ کا ذکر ہے۔ سکینہ وہ چیز ہے جس سے اطمینان کی صفت جو ایمان کی آخری حد ہے حاصل ہوتی ہے، جس کے بعد استقلال و استقامت کے خلاف کوئی فعل صادر نہیں ہو سکتا قرآن مجید کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے وقتوں میں نزول سکینہ پیغمبروں پر یا اُن کے خاص خلفاء پر ہوا کرتا تھا۔

۳. اصحاب حدیبیہ کے لیئے صفت تقوٰے کو لازم کر دیا۔ لازم اس چیز کو کہتے ہیں جس کا جدا ہونا محال ہو تو مطلب یہ ہوا کہ صفت تقوٰے کا ان سے جدا ہونا محال ہے۔ پھر دیکھو تو کس لطف کے ساتھ اس کے بعد فرمایا کہ وہ اس انعام کے سب سے زیادہ مستحق و سزاوار تھے۔ گویا یہ سوال ہوتا تھا کہ اتنا بڑا انعام ان کو کیوں دیا گیا۔ تو جواب دیا کہ وہ اسی انعام کے لائق بلکہ سب سے زیادہ مستحق تھے اس پر کوئی شخص پوچھتا کہ ان کا سب سے زیادہ مستحق اور لائق ہونا کیسے معلوم ہوا۔ تو فرمایا کہ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔ ہم کو

ہر چیز کا علم ہے۔ یہ ویسا ہی ہوا کہ کفار مکہ نے ایک دفعہ کہا کہ خدا کو اگر رسول بنانا ہی تھا تو فلاں کو بنا لیتے یتیم ابوطالب میں کیا خصوصیت تھی۔ کہ ان کو نبی بنا لیا۔ اس کا جواب قرآن عظیم میں یہ دیا۔ کہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ یعنی اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنا رسول کس کو بنائے، کون اس نعمت کے قابل ہے۔

شیعہ اپنے ائمہ کے معصوم ہونے کا دعوے کرتے ہیں جس کی کوئی سند مکڑی کے جالے کی ایسی بھی نہیں پیش کر سکتے۔ البتہ اس آیت نے اصحاب حدیبیہ کے لیئے وہ مرتبہ ثابت کر دیا کہ اگر اس کی بناء پر تمام اہل حدیبیہ کے معصوم ہونے کا دعوے کیا جاتا تو بڑی گنجائش تھی۔ جب صفت تقوےٰ اُن کے لیے لازم کر دی گئی تو اب عصمت میں کیا کسر رہ گئی۔ کروڑوں خود ساختہ عصمتیں قرآن کریم کے اس لفظ پر قربان کر دی جائیں۔ اے اصحاب حدیبیہ یہ خدا داد دولت آپ کو مبارک رہے۔ طوبیٰ لکم ثم طوبیٰ لکم۔

مقصود دوم یعنی ساتھ نہ جانے والے اعراب کی تہدید بھی اس سورت میں بحد کمال فرمائی گئی۔ ان کے دلی خیالات ظاہر فرما کر ان کو شرمندہ کیا گیا۔ پھر سب سے بڑی سزا یہ دی گئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور آپ کے جھنڈے کے نیچے جہاد و قتال سے ہمیشہ کے لیئے اور موافق ایک قول کے صرف غزوہ خیبر کی شرکت سے ممنوع قرار دیئے گئے۔ اس مقصود کے متعلق چند آیات حسب ذیل ہیں:۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ

عنقریب (اے نبیؐ) آپ سے پیچھے کیئے ہوئے اعراب کہیں گے کہ ہمیں ہمارے مال نے اور بال بچوں نے مشغول کر رکھا تھا (اس سبب سے ہم آپ کے ساتھ نہ جا سکے) لہذا آپ ہمارے لیئے استغفار کیجیئے یہ لوگ اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں تھی آپ کہیئے کہ تمہیں خدا سے کون بچا سکتا ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے یا تمہیں نفع پہنچانا چاہے بلکہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر

الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ۝

ہے بلکہ (اصل سبب ساتھ نہ جانے کا یہ ہے کہ) تم نے یہ خیال کیا تھا کہ اب رسول اور ایمان والے اپنے گھر لوٹ کر کبھی نہیں آسکتے اور یہ خیال تمہارے دلوں میں بس گیا تھا حالانکہ تمہارا یہ خیال بُرا تھا اور تم ہلاک ہونے والی قوم ہو۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ

عنقریب پیچھے کیے ہوئے لوگ کہیں گے جب تم مال غنیمت لینے کے لیے چلو گے کہ (اے مسلمانو) ہمیں نہ روکو ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی بات بدل دیں اے نبی فرما دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ جاسکو گے تمہارے متعلق اللہ نے پہلے ہی سے ایسا

ؔ اوپر ہم ذکر کر آئے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ بدو ہمیشہ کے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت سے روک دیئے گئے تھے یا صرف غزوۂ خیبر سے اس اختلاف کی وجہ سے اس آیت کی تفسیر میں بھی اختلاف ہوا۔ جو لوگ ہمیشہ کی ممانعت بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے پہلے ہی سے ایسا فرما دیا ہے" اس سے اشارہ سورۂ توبہ کی اس آیت کی طرف ہے۔ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۔ ترجمہ جب اللہ آپ کو ان میں سے کچھ لوگوں کی طرف واپس کرے پھر یہ لوگ آپ کے ساتھ جانے کی اجازت مانگیں تو آپ کہہ دیجئے گا کہ تم کبھی میرے ساتھ نہ جاؤ گے اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے ہرگز نہ لڑو گے۔ یہ قول بدو وجہ دال ہے۔ اوّل یہ کہ آیت زیر بحث کے الفاظ عام ہیں غزوۂ خیبر کی تخصیص نہیں۔ دوم یہ کہ سورۂ توبہ کی آیتوں میں بھی بدّوں کا بیان ہے اور عنوان کلام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی قصہ حدیبیہ سے اس کا تعلق ہے اور اللہ کے فرمانے کا مطلب بھی بظاہر یہی ہونا چاہیئے کہ قرآن مجید میں وہ فرمان موجود ہو۔ اور جو لوگ صرف خیبر میں ممانعت بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ

فرما دیا ہے۔

اسی سلسلہ میں وہ آیت بھی ہے جس کی ہم تفسیر کر رہے ہیں۔ یعنی آیت دعوتِ اعراب اب آیہ دعوتِ اعراب کو دیکھو۔ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان بدوؤں کی حالتِ زار پر رحم فرمایا اور ان کو پھر ایک موقع تلافی مافات کا دیا اور فرمایا کہ آئندہ تم کو ایک بڑی جنگ آور قوم سے لڑنے کے لیے بلایا جائے گا۔ اس بلانے والے کی اطاعت کروگے تو ثواب پاؤگے اور اگر انحراف کروگے تو تم پر سخت عذاب ہوگا۔

ان بدوؤں میں دو قسم کے لوگ تھے۔ کچھ لوگ مومن تھے مگر ان میں وہ قوتِ ایمان نہ تھی اور کچھ لوگ منافق تھے۔ چنانچہ سورۂ توبہ میں فرمایا وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی عذر کرنے والے بدو تو آگئے اور جنہوں نے اللہ سے اور اُس کے رسول سے دروغ گوئی کی تھی وہ (اپنے گھروں میں) بیٹھ رہے۔ غالباً یہ موقع تلافی مافات کا صرف اُن بدوؤں کو دیا گیا تھا جو نفاق سے پاک تھے اور سفر حدیبیہ میں شریک نہ ہونے پر نادم و متاسف تھے اور بار بار عذر خواہی کے لیے آتے تھے۔

گویا بالآخر دوسرے قسم کے بدوؤں نے بھی اس موقع سے فائدہ اُٹھایا۔ کیوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے پہلے جتنے منافق تھے یا تو مر چکے تھے یا نفاق سے تائب ہو کر مومن کامل بن گئے تھے۔ جیسا کہ سورۂ احزاب کی آیت بتلا رہی ہے۔ یہ آیت ہم کیریاں ضلع ہوشیار پور کے مباحثہ میں پیش کر چکے ہیں اور اس مباحثہ کی روئیداد میں درج ہے[لہ]

(حاشیہ بقیہ صفحہ) جو وحی آئی تھی اس میں فرمایا۔ یہ لوگ سورۂ توبہ کی آیتوں کو غزوۂ تبوک سے متعلق کرتے ہیں۔ بہرصورت نتیجہ ایک ہے ان بدوؤں کو اگر سورۂ فتح میں ہمیشہ کی ممانعت نہ ہوئی تھی تو سورۂ توبہ میں ہمیشہ کی ممانعت ہوگئی۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

لہ وہ آیت یہ ہے لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا مَّلْعُوْنِيْنَ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

شرح الفاظ

مُخَلَّفِیْنَ گو بظاہر نظر یہ اعراب یعنی بدو خود ہی سفر حدیبیہ میں ساتھ نہ گئے تھے۔ یہ بات نہیں ہوئی کہ ان کو ساتھ نہیں لیا گیا اور پیچھے کردیا گیا، مگر بات یہ ہے۔ کہ ایسے نیک مواقع میں جو شخص شریک نہ ہوا حقیقۃً وہ راندۂ درگاہ ہے۔ خدا نے خود اس کو شریک کرنا نہیں چاہا یُدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِہٖ ، وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں

(بقیہ حاشیہ صلا) اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ترجمہ۔ اگر نہ باز آئیں گے منافق (اپنے نفاق سے) اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور بُری خبر مشہور کرنے والے مدینہ میں تو ضرور ضرور آپ کو ہم ان پر برانگیختہ کریں گے پھر وہ مدینہ میں آپ کے پڑوسی نہ ہو سکیں گے مگر تھوڑے دن اُن پر لعنت ہوگی۔ جہاں کہیں جا کر ٹھہریں گے وہیں پکڑے جائیں گے اور خوب قتل کیے جائیں گے یہ اللہ کی سنت ہے (جو) ان لوگوں میں (بھی) تھی جو کہ تم سے پہلے تھے۔ اور ہرگز نہ پائے گا تو اللہ کی سنت میں تبدیلی۔ یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ منافقوں کو چند روز کی مہلت ہے۔ اگر وہ اس مدت میں اپنے نفاق سے تائب نہ ہو جائیں گے تو نبی کو ان پر جہاد کا حکم ملے گا اور وہ مدینہ میں نہ رہ سکیں گے اور جہاں جائیں گے وہیں پکڑے جائیں گے اور مارے جائیں گے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ چند روز کی مہلت رسول کی زندگی ہی میں ختم ہو جائے اور بعد اس کے ان پر جہاد ہو اور وہ مدینہ سے جلاوطن ہو جائیں گے و(ل) بھی لعنتی موت سے مارے جائیں گے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ پس قطعاً معلوم ہوا کہ رسول ہی کے زمانہ میں جو منافق مرنے سے بچ رہے تھے وہ تائب ہو گئے تھے۔ شیعہ مفسروں نے بھی اس آیت کی تفسیر میں منافقوں کا نفاق سے باز آجانا مراد لیا ہے۔ علامہ فتح اللہ کاشانی خلاصۃ المنہج میں لکھتے ہیں۔ لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ الْمُنٰفِقُوْنَ اگر نہ باز ایستند منافقاں از نفاق و آزار عیبہ و کید نمودن۔ پھر سُنَّۃَ اللّٰہِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ "یعنی مقرر کردہ در امم ماضیہ کہ بنیاد بکشند منافقان عہد خود را۔" منہ

داخل کرتا ہے۔ درباریوں میں کسی کا نام ہو اور دربار میں وہ بلایا جائے تو ہو نہیں سکتا کہ نہ جائے جو نہ گیا معلوم ہوا کہ درباریوں میں اس کا نام ہی نہ تھا۔

ہمیں ست معنی کہ در بارگاہ نہ شاید شدن جز بفرمان شاہ

خود انہیں اعراب کے متعلق سورہ توبہ میں فرمایا کہ وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ، ترجمہ: ولیکن ناپسند کیا اللہ نے ان کا (آپ کے ہمراہ) جانا، لہذا ان کو سست کر دیا۔ المختصر اسی سبب سے ان اعراب کو مخلفین فرمایا جس کے معنی پیچھے کیئے ہوئے۔ مُتَخَلِّفِيْنَ نہ فرمایا جس کے معنی پیچھے رہ جانے والے سَتُدْعَوْنَ یعنی عنقریب تم بلائے جاؤ گے۔ اس خاص عنوان میں بہت سے نکات ہیں ازاں جملہ یہ کہ اگر یوں فرمایا جاتا کہ عنقریب ایک بلانے والا تم کو بلائے گا۔ تو بلانے کا فعل اس بلانے والے کی طرف منسوب ہوتا اور فعل مجہول میں کسی طرف نسبت فعل کی نہ ہوئی اور یہ بلانا خدا کا بلانا قرار پایا۔ بلانے والے کا وجود ضمناً سمجھ لیا گیا۔ یہ بھی نہ فرمایا کہ بلانے والا بعد پیغمبر کے ہوگا اس لیئے کہ ایسا فرمانے سے اس بلانے کی اہمیت گھٹ جاتی اور درحقیقت شیخین کا زمانہ بقیہ ایام نبوت تھا۔ یہ مقصد بھی فوت ہو جاتا۔

قَوْمٍ أُولِىْ بَأْسٍ شَدِيْدٍ یعنی سخت لڑائی والی قوم۔ اس لفظ سے معلوم ہوا کہ یہ قوم عرب کی نہیں ہے۔ کیوں کہ کفار عرب سے تو بہت لڑائیاں مسلمانوں کی ہو چکی تھیں۔ اگر وہ مراد ہوتے تو صرف الیھم فرمانا کافی تھا۔ پھر شدید کا لفظ بتلا رہا ہے کہ اب تک جتنی لڑائیاں جن جن لوگوں سے ہو چکی ہیں ان سب سے زیادہ سخت قوم ہو گی۔ جس کی قوت و جلادت مشہور آفاق ہے اور یہ بات اس زمانہ میں صرف رومیوں میں اور ایرانیوں میں تھی۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تمام روئے زمین پر یہی دو سلطنتیں تھیں۔ ایک روم کی جس کا مذہب عیسائی تھا اور ایک ایران کی جس کا مذہب مجوسی تھا۔ ان دو کے سوا اگر کوئی بادشاہ تھا تو یا انہیں دو میں سے کسی کا باج گزار تھا یا اس کی بادشاہت برائے نام تھی۔ بہر کیف یہ بات قطعی ہے کہ قوم اولی باس شدید سے ایرانی اور رومی مراد ہیں کوئی اور قوم مراد نہیں ہو سکتی۔ احادیث کے دیکھنے سے تاریخ

کے مطالعہ سے خصوصاً روم وایران کی لڑائیوں کے حالات پڑھنے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

کَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ اس بلانے والے کا مرتبہ اس تشبیہ سے اور زیادہ بڑھ گیا۔ اس تشبیہ سے معلوم ہوا کہ اس بلانے والے کے حکم سے انحراف کرنا رسول کے حکم سے انحراف کرنے کے مثل ہے۔ اگر نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی تو ضرور اس آیت کی پیشین گوئی کا مصداق کوئی نبی ہوتا۔ لیکن اب نبی نہیں تو سید الانبیاء کا خلیفہ خاص ہے۔ اس آیت دعوت اعراب سے حضرات شیخین کی حقیت خلافت نہایت وضاحت سے ثابت ہوتی ہے اور اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی خلافت قرآن شریف کی موعودہ خلافت تھی۔

حق تعالیٰ نے اس آیت میں خلافت راشدہ کا بیان بطور پیشین گوئی کے فرمایا اس کی حکمت ہم سابقہ تفسیروں میں بیان کر چکے ہیں۔ اگر بطور حکم شرعی کے فرمایا جاتا کہ فلاں شخص یا فلاں اشخاص کو خلیفہ بناؤ۔ تو جس طرح تمام احکام شرعیہ میں بندوں کو اختیار عمل کرنے نہ کرنے کا ہوتا ہے اس حکم میں بھی ہوتا گو صحابہ کرام کے زمانہ میں ضرور اس پر عمل ہوتا، مگر پھر بھی عنوان بیان سے عمل نہ ہونے کا احتمال مترشح ہوتا۔ اس لیے حق تعالیٰ نے پیشین گوئی کا عنوان اختیار فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت راشدہ ایک امر تقدیری ہے۔ جس کا وقوع لابدی اور ضروری ہے۔ بندوں کے اختیار کو اس میں کوئی دخل نہیں زور قضا نے اپنی مراد کے لیے لوگوں کو آلہ بنایا۔

اب دیکھو آیت دعوت اعراب میں جو پیشین گوئی ہے اس میں پانچ باتیں بیان ہوئی ہیں۔

۱. کوئی بلانے والا ان بدوؤں کو جو سفر حدیبیہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ گئے تھے جہاد کے لیے بلائے گا۔

۲. یہ بدو جس قوم سے جہاد کے لیے بلائے جائیں گے۔ وہ سخت جنگ جو قوم ہوگی۔

۳. وہ قوم عرب کے ماسوا ہوگی۔

۴. یہ جہاد دو باتوں میں سے ایک بات پر ختم ہوگا یا قتال یا اسلام یعنی یا تو حریف

و مقابل مسلمان ہو جائے گا یا اس سے قتال ہوگا۔

۵. جو اس جہاد کی طرف بلائے گا وہ اس رتبہ کا شخص ہو گا کہ اس کی فرمانبرداری سے ثواب اور اس کی نافرمانی سے عذاب ہو گا۔

پس اب ہم کو تاریخ کے واقعاتِ قطعیہ سے یہ تلاش کرنا چاہیئے کہ یہ بلانے والا کون تھا احتمال عقلی کے طور پر یہ بلانے والے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو سکتے ہیں یا تینوں خلیفہ میں سے کوئی یا حضرت علیؓ یا خلفائے بنی امیہ خلافت اموی کے بعد اس آیت کی پیشین گوئی کو تلاش کرنا عبث ہے۔ اس لیئے کہ ان بدووں کی زندگی ہی اس وقت تک نہیں رہ سکتی تو پھر پیشین گوئی کا پورا ہونا کیا۔

ان احتمالات میں سے ایک ایک کو اچھی طرح جانچو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس پیشین گوئی کا پورا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

اوّل اس وجہ سے کہ ان بدووں کو آپ کی معیت سفر سے ہمیشہ کے لیئے ممنوع کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

دوم اس وجہ سے کہ حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف چار جہاد ہوئے۔ خیبر، فتح مکہ، حنین، تبوک۔ ان چاروں میں کسی پر پیشین گوئی کے اجزاء صادق نہیں آتے۔ تبوک کے سوا تینوں جہاد عربوں ہی کی قوم سے تھے۔ قوم اولی باس شدید ان پر صادق نہیں آتا۔ علاوہ اس کے خیبر میں تو باجماع مفسرین و بدلالت آیات قرآنیہ ان بدووں کو شرکت کی ممانعت تھی۔ باقی رہا غزوۂ تبوک اس میں البتہ رومیوں سے مقابلہ تھا لیکن اس غزوہ میں قتال کی نوبت نہیں آئی نہ حریف مسلمان ہوا۔ حریف میدانِ جنگ میں آیا ہی نہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ تک مقام تبوک میں ٹھہرے رہے۔ قیصر روم کو آپ نے اطلاع بھیجی کہ ہم تجھ سے قتال کرنے کے لیئے آئے ہیں۔ قیصر پر اس قدر رعب غالب ہوا کہ اس نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ بالآخر حضور پُرنورؐ واپس تشریف لے آئے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا زمانہ مبارک بھی اس پیشین گوئی کا مصداق نہیں ہو

سکتا بچند وجہ:۔

اول یہ کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں تین لڑائیاں ہوئیں جملؔ۔ صفینؔ۔ نہروانؔ یہ تینوں لڑائیاں کلمہ گویانِ اسلام سے تھیں اولی باس اس پر صادق نہیں آتا۔ یہ لڑائیاں تو محض مسلمان باغیوں کو شکست دینے کے لیے تھیں۔

دوم یہ کہ یہ تینوں لڑائیاں عربوں ہی سے تھیں۔

سوم یہ کہ کسی روایت میں یہ مضمون نہیں ہے کہ ان بدوؤں کو حضرت علیؓ نے دعوت جہاد دی۔

بنی اُمیہ نے بھی کبھی حجاز و یمن کے بدوؤں کو دعوت جہاد نہیں دی۔ جیسا کہ کتبِ تواریخ شاہد ہیں۔

باقی رہے حضرات خلفائے ثلاثہؓ۔ تو واقعاتِ تاریخیہ بتلا رہے ہیں کہ ان کے عہد میں دنیا کی دو بڑی سلطنتوں یعنی روم و ایران سے لڑائی ہوئی اور رومیوں اور ایرانیوں کا قوم اولی باس شدید ہونا یقیناً ناقابلِ انکار ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ ان تینوں خلفاءؓ نے ان لڑائیوں میں حجاز و یمن کے بدوؤں کو دعوت دی۔ لہٰذا وہ بلانے والے قطعاً یہ تینوں خلفاءؓ خصوصاً حضرات شیخینؓ ہیں۔ پیشین گوئی کے تمام اجزاء ان پر منطبق ہیں اور جب ان کا داعی جہاد ہونا اور ان کی دعوت کی اطاعت کا فرض ہونا ثابت ہو گیا تو ان کے خلیفہ برحق ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

اگر باوجود اس پیشین گوئی کے تمام اجزاء کے منطبق ہو جانے کے کوئی شخص ان تینوں خلفاءؓ کو اس آیت کا مصداق نہ مانے تو اس کا لازم نتیجہ یہ ہے کہ آیت کی پیشین گوئی پوری نہ ہو اور کلامِ الٰہی کی تکذیب ہو جائے۔ نعوذ باللہ منہ۔۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے حضراتِ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیت خلافت بیان فرمائی ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے بھی اس آیت کی عمدہ تقریر تحفہ اثنا عشریہ میں لکھی ہے۔ لیکن حضرت مولانا الشیخ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفا میں جو تقریر اس آیت کی لکھی ہے وہ انہیں کا حصہ تھی۔ ہم اس موقع پر ازالۃ الخفا کی وہ پوری

تقریر ہدیہ ناظرین کرتا ہوں اور اسی کو خاتمہ بیان بناتا ہوں۔ میں نے جو کچھ لکھا سب انہیں کا فیض ہے ۔

شکر لطف تو مین چوں کنم اے ابر بہار　　که اگر خار و گر گل ہمہ آوردہ تست

ازالۃ الخفا مقصد اول کی تیسری فصل میں فرماتے ہیں۔

وقال تعالیٰ فی سورۃ الفتح قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ہ بگو یا محمد پس گذاشتگان را از بادیہ نشینان که عنقریب خواندہ خواہید شد بسوئے جنگ قومی خداوند کارزار سخت که جنگ کنید با ایشاں یا آنکہ ایشاں مسلمان شوند پس اگر فرمانبرداری کردید بدہد خدا تعالیٰ شمارا مزد نیک و اگر روی گردانید چنانکہ روی گردانیدہ بودید پیش ازاں دعوت عقوبت کند شمارا عقوبت درد دہندہ سبب نزول آیہ بر وفق اجماع مفسرین و دلالت سیاق و سیاق آیات و بر طبق مضمون احادیث صحیحہ آنست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سال حدیبیہ ارادہ نمودند کہ عمرہ بجا آرند پس دعوت فرمودند اعراب

اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح (چھبیسویں پارہ) میں فرمایا ہے ۔ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ہ کہہ دو اے محمدؐ! پیچھے چھوڑے ہوؤں کو (جو) بادیہ نشینوں سے (ہیں) کہ عنقریب بلائے جاؤ گے تم ایک ایسی قوم (کی لڑائی) کی طرف (جو) سخت لڑنے والی (ہوگی) تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے پس اگر اطاعت کرو گے تم تو دے گا خدا تم کو اچھا بدلہ اور اگر منہ پھیرو گے تم جیسے منہ پھیرا تھا اس بلانے سے پہلے تو عذاب کرے گا تم پر درد دینے والا عذاب ۔

اس آیت کا سبب نزول باجماع مفسرین اور بدلالت سیاق و سباق آیات اور موافق مضمون احادیث صحیحہ کے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال ارادہ کیا کہ عمرہ بجا لائیں و

واہل بوادی را تا دریں سفر بر کاب آن جناب صلی اللہ علیہ وسلم سعادت اندوز باشند زیرا کہ احتمال قوی بود کہ قریش از دخول مکہ مانع آیندہ بہ سبب کینہا ئے کہ از جہت قتلیٰ بدر و احد و احزاب در قلوب ایشاں متمکن بود متعرض بحرب شوند و دریں ہنگام بحسب تدبیر عقل لابدست از استصحاب جمعے کثیر تا از شر قریش امنی حاصل شود۔

بسیارے از اعراب دعوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گوش نکردہ ازیں سفر تخلف نمودند و بعض باشغال ضروریہ در اہل و مال تعلل کردند و مخلصین مسلمین کہ سرتاپا بہ بشاشت ایمان ممتلی بودند مرافقت و موافقت را سعادت دانستہ صحبت اختیار نمودند چوں نزدیک بحدیبیہ رسیدہ شد قریش بحمیت جاہلیت مبتلا گشتہ مستعد قتال و جدال شدند بعد اللتیا و التی صلح مغلوبانہ در اینجا اتفاق افتاد و بیرون مکہ دم احصار ادا کردند و باز گشتند چوں دریں سفر اخلاص مخلصاں مبرہن گشت و بر خواطر ایشاں کرب عظیم مستولی شدہ بود بہ سبب فوت عمرہ و از جہت صلح مغلوبانہ حکمت الٰہی تقاضا فرمود کہ جبر قلوب ایشاں نماید بمغانم خیبر کہ عنقریب بدست

لہٰذا آپ نے اعراب (یعنی، بادیہ نشینوں کو بُلایا تاکہ وہ بھی اس سفر میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کی سعادت حاصل کریں کیونکہ قوی احتمال تھا کہ قریش مکہ کے اندر داخل ہونے سے روک لیں گے اور بدر و اُحد و احزاب میں جو اُن کے عزیز و اقارب مارے گئے تھے اس کا کینہ اُن کے دلوں میں بھرا ہوا تھا، لہٰذا آمادۂ جنگ ہو جائیں گے۔ اس وقت بمقتضائے تدبیر عقل ایک بڑی جماعت کا ساتھ لے جانا ضروری تھا تاکہ قریش کے شر و فساد کا خوف نہ رہے بہت سے اعراب نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بُلانے کا کچھ خیال نہ کیا اور اس سفر (مقدس) سے پیچھے بیٹھ رہے اور بعض اپنے خانگی اور مالی کاموں کا بہانہ کر کے ہٹ گئے۔ صرف اُن با اخلاص مسلمانوں نے جو سر سے پیر تک بشاشت ایمان سے لبریز تھے آپ کی ہمرکابی و معیت کو سعادت سمجھ کر رفاقت اختیار کی۔

جب یہ حضرات مقام حدیبیہ میں پہنچے تو قریش اپنی حمیت جاہلیت میں مبتلا ہو کر آمادۂ جنگ ہو گئے۔ بعد بہت کچھ جد و کد کے (مسلمانوں کو) مغلوبانہ صلح وہاں کرنی پڑی اور (انجام یہ ہوا کہ) مکہ سے باہر احصار کی قربانی دے کر لوٹ آئے۔ چونکہ اس سفر میں مخلصوں کا اخلاص بالکل کھل گیا اور اُن کے دلوں پر بے چینی بھی بہت

ایشان شدند و آن مغانم را خاص بحاضرین
حدیبیہ گردانند غیر ایشاں را اذن خروج
ندادند و دراں مغانم شریک نہ گردانید
قَالَ اللّٰہ تعالیٰ سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا
انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا
ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا
كَلَامَ اللّٰهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ
قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۔ و باخبار رضائے
خود ازاں جماعہ کہ در حدیبیہ بیعت نمودند
قَالَ اللّٰہ تعالیٰ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ
عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ
الشَّجَرَةِ الآیۃ ہیچ کس از حاضران
حدیبیہ ازیں بیعت تخلف نکرد الاجد بن
قیس منافق تنہا و اخرج البغوی وغیرہ
عن جابرؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ
علیہ وسلم قال لا یدخل النار
احدٌ ممن بایع تحت الشجرۃ و
ایں مشہد یکے از مشاہد خیر ست کہ صحابہ
کرامؓ دراں مشہد بہ مقامات عالیہ فائز
گشتند و بمغانمی کہ بعد مہلتے بدست ایشاں
شدند مانند غنائم حنین و بمغانم اخرے کہ
گاہے عرب براں قادر نشدہ بودند و
آں مغانم فارس و روم ست کہ بہ سبب

غالب تھی عمرہ کے فوت ہو جانے کی وجہ سے اور
صلح مغلوبانہ کے سبب سے لہٰذا حکمتِ الٰہی نے
چاہا کہ اُن کے دلوں پر مرہم رکھے۔ غنائم خیبر سے
جو عنقریب اُن کے ہاتھ میں آئیں گی اور ان غنیمتوں
کو حاضرین حدیبیہ کے ساتھ خاص کر دے لہٰذا حق
تعالیٰ نے غزوۂ خیبر میں جانے کی اجازت حاضران
حدیبیہ کے سوا کسی کو نہ دی اور خیبر کی غنیمت میں
کسی کو حصہ نہ دیا چنانچہ (اس آیت سے پہلے)
فرمایا ہے سیقول المخلفون الخ (ترجمہ) عنقریب
(اے نبی) کہیں گے پیچھے چھوڑے ہوئے (اعراب
مسلمانوں سے) جب چلو گے تم مال غنیمت کی
طرف تاکہ لو اس کو ہمیں بھی اجازت دو ہم بھی تمہارے
ساتھ چلیں یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی بات کو بدل
دیں (اے نبی) کہہ دو کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہ آؤ اللہ
نے پہلے سے ایسا فرما دیا ہے اور (حکمتِ الٰہی نے
چاہا کہ ان کے دلوں پر مرہم رکھے) اپنی خوشنودی بیان
کر کے ان لوگوں سے جنہوں نے حدیبیہ میں بیعت
کی چنانچہ (اسی سورت میں ہے) لقد رضی اللّٰہ عن
المؤمنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ بیشک اللہ
راضی ہو گیا مومنوں سے جبکہ وہ بیعت کر رہے تھے
(اے نبی) تم سے درخت کے نیچے حاضران حدیبیہ میں
سے اس بیعت سے کسی نے تخلف نہ کیا سوا جد بن
قیس منافق کے فقط۔ اور بغوی وغیرہ نے حضرت جابرؓ

قوت و شوکت و کثرت عدد و عدد
ایشاں اصلا غلبہ براں جماعہ و اخذ مغانم
از ایشاں در خیال عرب نمیگذشت۔
قال اللہ تعالیٰ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ
مَغَانِمَ كَثِيْرَةً مغانم عرب ست
حنین و مانند آن فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ
مغانم خیبر ست کہ متصل حدیبیہ بدست
ایشاں آمدہ وَ اُخْرٰى لَمْ
تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا مغانم فارس و روم
ست و نیز حکمت الٰہیہ تقاضا نمود کہ
تہدید متخلفین و تفضیح حال ایشاں کردہ
شود قال اللہ تعالیٰ قل للمخلفین
الآیہ واز آنکہ دعوت ایشاں
است برائے قتال اولی باس شدید
اعلام کردہ آید تا پیش از وقوع
واقعہ تامل وافی در عواقب قبول دعوت
و عدم قبول آن کردہ باشند۔ و چوں
روئے دید بر بصیرت باشند از اں و
احتمالات عقلیہ مشوش حال ایشاں نگردد
فلذلک قولہ سَتُدْعَوْنَ بطریق
اقتضا ازیں کلمہ مفہوم شد کہ در زمان
مستقبل داعیے خواہد بود اعراب
را بسوئے جہاد کفار و از یں دعوت

سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا نہ داخل ہوگا دوزخ میں اُن لوگوں میں سے کوئی
جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی یہ واقعہ حدیبیہ
ایک (عظیم الشان) مشہد ہے مشاہد خیر سے کہ صحابۂ کرامؓ
اس مشہد میں اعلیٰ درجہ کے مراتب پر پہنچ گئے اور (حکمت
الٰہی نے چاہا کہ ان کے) دلوں پر مرہم رکھے ان غنیمتوں
میں سے جو کچھ دیر کے بعد ان کو حاصل ہوں گی مثل غنائم
حنین کے اور (نیز مرہم رکھے) ان غنیمتوں سے جن پر
اہل عرب کو کبھی قدرت نہ ملی تھی اور وہ غنائم فارس و
روم ہیں کی قوت و شوکت اور کثرت افواج و آلات
حرب کی وجہ سے ان پر غالب آجانے کا خیال بھی اہل
عرب کو نہ ہوتا تھا چنانچہ (اسی سورت میں ہے) وعدکم
اللہ مغانم کثیرۃ (یعنی اللہ نے تم سے بہت غنیمتوں
کا وعدہ کیا ہے) اس سے ملک عرب کی غنیمتیں مراد
ہیں مثل غنیمت حنین کے فعجل لکم ھٰذہٖ (یعنی یہ غنیمتیں
تم کو علی الفور دیں) مراد اس سے غنائم خیبر ہیں جو حدیبیہ کے
بعد علی الاتصال ان کو ملیں واخریٰ لم تقدروا علیہا
یعنی کچھ غنیمتیں اور ہیں جن پر تمہیں دادا پردادا کے وقت
سے آج تک کبھی قابو نہیں ملا) مراد اس سے فارس و روم
کی غنیمتیں ہیں نیز حکمت الٰہیہ نے چاہا کہ جو لوگ حدیبیہ
میں شریک نہیں ہوئے ان کی تہدید کی جائے اور ان
کی حالت کی خرابی بیان کی جائے (لہذا) فرمایا قل
للمخلفین الخ (یہی اس بات کا سبب نزول ہے) اس

تکلیف شرعی متحقق خواہد شد اگر قبول
دعوت کنند ثواب آن بیابند و اگر رد
کنند معاقب شوند و این لازم بین خلیفہ
راشد ست و دعوت بسوئے جہاد اعظم
صفات خلیفہ ست پس ازیں آیت
وعدۂ وجود داعی بسوئے جہاد و اثبات
خلافت او مفہوم شد در تفتیش آنیم کہ ایں
داعیان کہ بودند ایں اوصاف بر کدام
شخص منطبق شد یکے ازاں اوصاف
آن ست کہ دعوت برائے اعراب
باشد کہ بادیہ نشیناں اند گو اہل
شہر را نیز دعوت کنند دوم آں کہ
دعوت بقتال کفار اولی

باس شدید باشد و معنی اولی
باس شدید آن ست کہ از
جماعۂ کہ مستعد قتال شدہ اند.
داعیان و مدعوان ہمہ شدت باس
بیشتر داشتہ باشند و الا شدت
و ضعف امر نسبتے است۔ ہر
ضعیفے شدید ست بہ نسبت اضعف
از و ولیکن عرف عام با مستعدان
قتال می سنجد اگر بہ نسبت ایں
مستعداں اکثر و اقوی و با اسباب

آیت میں) آگے چل کر سخت لڑنے والی قوم سے لڑنے کے
لیئے اُن کو بُلائے جانے کا ذکر اس لیئے کر دیا گیا کہ اس
واقعہ کے ظہور سے پہلے بُلانے کے منظور کرنے یا نہ
کرنے کے انجام پر غور کر رکھیں تاکہ جب وہ واقعہ پیش
آئے (اور وہ بُلائے جائیں) تو نا واقف نہ رہیں اور
احتمالاتِ عقلیہ اُن کے دل کو پریشان نہ کریں یہی مضمون
ستدعون سے بیان ہو رہا ہے ستدعون سے بطور
اقتضاء (النص) کے یہ بھی سمجھا گیا کہ زمانۂ آیندہ میں کوئی
بلانے والا اعراب کو جہادِ کفار کی طرف بُلائے گا اور
اس کے بُلانے سے تکلیف شرعی قائم ہو جائے گی یعنی
اگر وہ لوگ اس کے بُلانے کو مان جائیں گے تو ثواب
پائیں گے ورنہ عذاب کیا جائے گا یہ (وصف) خلیفۂ
راشد کا لازم بین ہے اور جہاد کی طرف بلانا خلیفہ کے
اعظم صفات سے ہے لہٰذا اس آیت سے جہاد کی طرف
بُلانے والے کے ظہور کا وعدہ ہے اور اس سے بلانے والے
کی خلافت کا ثبوت مفہوم ہوتا ہے اب ہم یہ دیکھنا
چاہتے ہیں کہ یہ بُلانے والے کون تھے اور یہ (چاروں)
اوصاف کس میں پائے گئے **ایک** وصف یہ کہ اعراب
(جہاد کے لیئے ضرور) بلائے جائیں خواہ اہل شہر بھی بلائے
گئے ہوں یا نہیں، **دوسرا** وصف یہ کہ جن کفار سے
لڑنے کے لئے بُلائے جائیں وہ اولی باس شدید ہوں
اولی باس شدید کا مطلب یہ ہے کہ جس قدر لڑائیاں
اس سے پہلے ہو چکی ہیں اُن لڑائیوں کے فریقین سے قوت

تربا شند اولی باس شدید گویند و الا بمعنی اولی باس شدید آنست کہ بمقتضائے قیاس و بحکم عقل مفطورہ در بنی آدم اقرب بغلبہ دیدہ شود اگرچہ بفضل الٰہی بخرقِ عادات آں جموع مجموعہ را بدست اولین برہم زنند۔

سوم آنکہ دعوات برائے غیر قریش باشد زیرا کہ تنکیر قوم می فہماند کہ ھم غیر الاولین الذین دعا الیھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الحدیبیۃ ودر صورتے کہ مدعو الیہم قریش باشند نظم کلام چنیں باید ساخت ستدعون الیھم مرۃ اخریٰ گفتہ نشود ستدعون الیٰ قوم چہارم آنکہ ایں دعوت برائے قتالی باشد کہ منتہی نہ گردد الا بہ اسلام یا قتال این قوم اولی باس نہ دعوت برائے احکام خلافت خلیفہ و شکست بغاۃ مسلمین چنانکہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

و شوکت زیادہ رکھتے ہوں اگر یہ مطلب نہ لیا جائے تو اولی بلس شدید کی کوئی ایک حد نہ ہوگی کیونکہ) قوت وضعف امر نسبتی ہے کمزور آدمی بھی بہ نسبت اپنے سے کمزور کے قوی کہا جا سکتا ہے لیکن عرف عام یہی ہے کہ جسقدر لڑائیاں اب تک ہو چکی ہیں اُن کے فریقین کے بہ نسبت جمعیت میں زیادہ اور قوی ہوں اور آلات حرب زیادہ رکھتے ہوں تو اولی باس شدید کہا جائے گا ورنہ نہیں اولی باس شدید کی پہچان یہ نہیں ہے کہ بزدلی کی وجہ سے کسی قوم کی دہشت غالب ہو جائے اور اس کو اولی باس شدید کہہ دیا جائے بلکہ اولی باس شدید) وہ قوم ہے کہ بمقتضائے قیاس اور بحکم عقل خالص جو بنی آدم میں پیدا کی گئی ہے (میدان جنگ میں) اس قوم کے غالب ہو جانے کے قرائن زیادہ ہوں یہ دوسری بات ہے کہ (انجام کار) فضل الٰہی بطور خرق عادت کے اس پر شوکت قوم کو ان کمزوروں کے ہاتھ سے درہم برہم کر دے۔ تیسرا وصف یہ کہ وہ کافر جن سے لڑنے کے لیے اعراب بلائے جائیں قریش کے علاوہ ہوں کیونکہ قوم کا (بقاعدہ علم نحو) نکرہ لانا بتا رہا ہے کہ یہ قوم علاوہ ان لوگوں کے ہے جن کی لڑائی کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں بلایا تھا اگر اس قوم سے جس کی طرف بلائے جانے کا ذکر اس آیت میں ہے قریش مراد ہوتے تو عبارت یوں ہونی چاہیے تھی ستدعون الیھم مرۃ اخریٰ (یعنی تم پھر دوبارہ ان (کی لڑائی) کی طرف بلائے جاؤ گے) یہ نہ کہا جاتا کہ سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ (یعنی تم کسی ایسی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے) چوتھا وصف یہ ہے کہ بلانا

دعوت فرمود اہل مدینہ را یا
دعوت برائے ترسانیدن دشمن
و چوں ہیبت افتاد باز گردند
بدون قتال چنانکہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم در تبوک دعوت
فرمودند بر خروج بسوی روم
و چوں قیصر از جائے خود حرکت
نکرد باز گشتند و در آنجا قتلے
واقع نشد چوں ایں مقدمہ دانستہ
شد باید دانست کہ ایں داعی
صادق است بر خلفائے ثلثہ
لا غیر زیرا کہ بحسب احتمالات
عقلیہ ایں داعی یا جناب مقدس
نبوی ست صلی اللہ علیہ وسلم
یا خلفائے ثلثہ یا حضرت مرتضی
رضوان اللہ علیہم یا بنی امیہ یا
بنی عباس یا اتراک کہ بعد دولت
عرب سر بر آوردند لا یتجاوز
الامر عن ذلک از آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم دعوت کذا
واقع نشد زیرا کہ نزول آیت
در قصۂ حدیبیہ ست و غزوات
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد حدیبیہ

ایسے جہاد کے لیئے ہوگا جو بغیر اسلام لائے یا بغیر قوم
اولی باس شدید سے جنگ ہوئے ختم نہ ہوگا یہ بلانا
خلافت مضبوط کرنے یا مسلمان باغیوں کو شکست دینے
کے لیئے نہ ہوگا جیسا کہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اہل
مدینہ کو اپنی خلافت مضبوط کرنے کے لیئے اور جمل اور
صفین والوں کو شکست دینے کے لیئے بلایا تھا لیکن اس
بلانے کا انجام یہ نہ ہوگا کہ دشمن ہیبت سے ڈر جائے
اور پھر نوبت جنگ نہ آنے پائے اور مسلمان لوٹ آئیں
جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں اہل روم
سے لڑنے کے لیئے بلایا تھا مگر (انجام یہ ہوا کہ) قیصر
(روم) نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی اور مسلمان لوٹ آئے
لڑائی نہ ہوئی۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب جاننا
چاہیے کہ یہ بلانے والے خلفائے ثلثہ تھے ان کے سوا
کوئی نہ تھا کیونکہ موافق احتمالات عقلیہ کے یہ بلانیوالے
یا جناب مقدس نبوی صلی اللہ علیہ ہوں گے یا خلفائے ثلثہ
یا حضرت مرتضیٰ یا بنی امیہ یا بنی عباس یا ترک جنہوں نے
سلطنت عرب کے ختم ہو جانے کے بعد سر اٹھایا تھا ان
(چھ احتمالوں) سے زیادہ کوئی احتمال نہیں نکلتا اب دیکھو
خلفائے ثلثہ کے سوا جس قدر احتمال ہیں سب باطل ہیں
کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا بلانا کبھی
ظاہر نہیں ہوا اس لیے کہ یہ آیت حدیبیہ میں نازل ہوئی۔
اور حدیبیہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات
گنتی کے ہیں اور معلوم ہے کہ ان میں سے کسی میں اس قسم

محصور و معلوم نیست بر ہیچ یک
دعوت کذا صادق نمی آید۔ متصل
حدیبیہ غزوہ خیبر واقع شد و ہیچ کس
را از اعراب دران غزوہ
دعوت نہ فرمودند بلکہ غیر حاضرین
حدیبیہ ممنوع بودند از حضور
دران مشہد کما قال قُلْ لَّنْ
تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ
مِنْ قَبْلُ و بعد ازاں غزوۃ
الفتح پیش آمد فی الجملہ دعوتے
واقع شد اما نہ برائے قتال قوم
اولی بأس شدید زیرا کہ ایشاں
ہماں بودند کہ دعوت حدیبیہ
برائے ایشاں بود و نظم کلام
دلالت بر تغایر ایں دو قوم می
نماید و غزوہ حنین نیز مراد
نیست زیرا کہ ہوازن اقل و
اذل بودند ازاں کہ بہ نسبت
دوازدہ ہزار مرد جنگی کہ در
رکاب شریف حضرت نبوی
صلی اللہ علیہ وسلم از مہاجرین
و انصار و اعراب و مسلمۃ الفتح
مہفت کردہ بودند ایشاں را

کا بُلانا نہیں حدیبیہ کے بعد ہی علی الاتصال غزوہ خیبر ہوا۔
اس غزوہ میں اعراب کے کسی متنفس کو آپ نے نہیں
بُلایا بلکہ اس غزوہ میں تو سوا اُن لوگوں کے جو حدیبیہ میں
شریک تھے کسی اور کا شریک کرنا منع تھا جیسا کہ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا ہے قل لن تتبعونا کذٰلکم قال اللہ
من قبل (یعنی اے نبی (اعراب سے) کہہ دو کہ تم (خیبر
میں) ہمارے ساتھ نہ آؤ تمہارے متعلق پہلے ہی اللہ نے
ایسا فرما دیا ہے) خیبر کے بعد غزوہ فتح پیش آیا اس غزوہ
میں کچھ اعراب بلائے گئے مگر اہل مکہ قوم اولی باس
شدید نہ تھے کیونکہ یہ وہی لوگ تھے جن سے لڑنے کے لیے
حدیبیہ میں بلائے جا چکے تھے اور الفاظ بتا رہے ہیں کہ
قوم اولی باس شدید سے اہل مکہ کے علاوہ کوئی
دوسری قوم مراد ہے۔ غزوہ حنین بھی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ
اہل ہوازن (جن سے اس غزوہ میں لڑائی تھی) بہت ہی
قلیل و ذلیل تھے۔ ایسے نہ تھے کہ ان کو بارہ ہزار مردان
جنگی کے مقابلہ میں (جو (حنین میں) ہم رکاب حضرت
نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھے یعنی مہاجرین و انصار و مسلمین
فتح کے) اولی باس شدید کہا جائے یہ دوسری بات
ہے کہ حکمت الٰہی نے میدان جنگ میں بوجہ اس کے
کہ مسلمانوں کو اپنی کثرت پر کچھ ناز پیدا ہو گیا تھا دوسرا
رنگ دکھا دیا۔ غزوہ تبوک بھی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ
وہاں تقاتلونهم او یسلمون نہیں پایا جاتا (یعنی
اس غزوہ کا سامنا ہی نہیں ہوا کہ حریف اسلام لاتا یا اس

اولی باس شدید گفته شود هر چند که حکمت الٰہی در مقابلۂ اعجبتکم کثرتکم جملتے در کار ایشاں کردہ باشد و غزوۂ تبوک مراد نیست زیرا کہ تقاتلونهم او یسلمون در انجا متحقق نشد غرض آنجا ایقاع ہیبت بود در قلوب شام و روم چوں ہرقل جنبش نکرد و فوجے نفرستاد باز مراجعت فرمودند و بنو امیہ و بنو عباس و من بعد ایشاں گاہے اعراب حجاز و یمن را بقتال کفار نخواندہ اند کما ھو معلوم من التاریخ قطعا ایں دعوت مقیدہ دریں مدد متطاولہ غیر از خلفائے ثلثہ متحقق نہ گشت قال الواقدی لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استخلف ابوبکر رضی اللہ عنہ تقتل فی خلافتہ مسیلمۃ الکذاب ابن قیس الذی ادعی النبوۃ وقاتل بنی حنیفۃ وقتل ایضا سجاح و الاسود العنسی وھرب طلیحۃ الی الشام و فتح الیمامۃ واطاعت العرب لابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فعول عند ذلک ان یبعث

سے جنگ کی نوبت آتی) مقصود (الٰہی) اس غزوہ سے صرف اہل شام و روم کے دلوں میں ہیبت کا پیدا کر دینا تھا جب ہرقل نے جنبش نہ کی اور فوج نہ بھیجی تو مسلمان لوٹ آئے رہا تی سب حضرت مرتضیٰ) اور بنو امیہ اور بنو عباس اور ان کے بعد والے تو ان لوگوں نے حجاز اور یمن کے اعراب کو کافروں سے لڑنے کے لیئے بلایا ہی نہیں جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے۔ **یقیناً** یہ خاص قسم کا بلانا جس میں چاروں مذکورہ اوصاف پائے جائیں اتنی طویل مدت میں سوائے خلفائے ثلثہ کے اور کسی سے ظہور میں نہیں آیا۔ واقدی نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے ان کے عہد میں مسیلمہ کذاب ابن قیس مارا گیا جس نے دعوئے نبوت کیا تھا اور انہیں نے بنو حنیفہ سے قتال کیا نیز انہیں کے زمانہ میں سجاح اور اسود عنسی مارے گئے اور طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور انہیں نے یمامہ کو فتح کیا اور تمام عرب ان کا مطیع ہو گیا اس وقت انہوں نے ارادہ کیا کہ ملک شام پر لشکر کشی کریں اور ان کی توجہ غزوۂ روم کی طرف مائل ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسجد (نبوی) میں جمع کیا اور (منبر پر) کھڑے ہو کر

الی الشام وصرف وجهه الی
قتال الروم فجمع الصحابة رضی
الله عنهم فی المسجد وقام فيهم
فحمد الله واثنی عليه وذكر النبی
صلی الله عليه وسلم ثم قال
ايها الناس اعلموا ان الله تعالیٰ
قد فضلكم بالاسلام وجعلكم
من امة محمد عليه الصلوٰة و
السلام وزادكم ايمانا ويقينا
ونصركم نصرا مبينا فقال فيكم
اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ
اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ
لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا واعلموا ان
الرسول صلی الله عليه وسلم
كان بوجهه وهمته الی الشام
فقبضه الله تعالیٰ واختار له ما
لديه صلی الله عليه وسلم الا
وانی عازم ان اوجه المسلمين
باهاليهم واموالهم الی الشام
فان رسول الله صلی الله عليه
وسلم امرنی بذلك قبل موته
فقال زويت لی الارض
مشارقها ومغاربها وسيبلغ

اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کیا۔
اس کے بعد فرمایا کہ اے لوگو تم کو واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ
نے تم کو اسلام کے سبب سے فضیلت دی ہے اور
تم کو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں کیا ہے اور تمہارے
ایمان اور یقین کو ترقی دی ہے اور کھلم کھلا تمہاری مدد
کی ہے اور تمہارے ہی حق میں فرمایا ہے کہ الیوم
اکملت یعنی آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لیئے دین
تمہارا اور پوری کر دی میں نے تم پر نعمت اپنی اور پسند
کیا میں نے اسلام کو تمہارے لیئے دین۔ اور یہ بھی تم کو
واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اور
ہمت ملک شام کی طرف تھی مگر اللہ نے ان کو اٹھا لیا
اور ان کے لیئے اپنا قرب پسند کیا۔ صلی اللہ علیہ
وسلم لہذا اب میں ارادہ رکھتا ہوں کہ تمام مسلمانوں
کو جمع کر کے شام کی طرف بھیجوں کیونکہ رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے (اشارۃً)
مجھے اس کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ زمین کی مشرق و
مغرب سب میرے لیے لپیٹ دی گئی ہے اور
جس قدر حصہ زمین کا میرے لیئے لپیٹا گیا وہاں تک
میری امت کی سلطنت پہنچے گی پس اب تم لوگ
(اس بارہ میں) کیا کہتے ہو اللہ تم پر رحم کرے۔ ان
لوگوں نے کہا کہ یا خلیفہ رسول اللہ ہمارا کہنا آپ
کے سامنے کیا مناسب ہے آپ اپنے حکم سے
ہمیں اطلاع دیں اور جہاں چاہیں ہمیں بھیج دیں۔

ملك امتى ما زوى لى منها فما تولكم
فى ذلك رحمكم الله قالوا يا خليفة
رسول الله صلى الله عليه وسلم
مرنا بامرك ووجهنا حيث شئت
فان الله عز وجل فرض طاعتك
علينا فقال تعالى وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ
مِنْكُمْ قال ففرح ابو بكر رضى
الله عنه بقولهم وسر سرورا
عظيما ونزل عن المنبر فكتب
الكتاب الى ملوك اليمن وامراء
العرب والى اهل مكة وكانت الكتب
كلها يومئذ نسخة واحدة بسم الله
الله الرحمن الرحيم من عبد الله
عتيق ابن ابى قحافة الى سائر المسلمين
سلام عليكم فانى احمد الله الذى لا
اله الا هو ونصلى على نبيه محمد
صلى الله عليه وسلم وانى قد عزمت
على ان اوجهكم الى الشام لتاخذها
من ايدى الكفار فمن عول منكم على
الجهاد فليبادر على طاعة الله وطاعة
رسوله ثم كتب انفروا خفافا وثقالا
الاية ثم بعث الكتاب اليهم واقام

کیونکہ اللہ عزوجل نے آپ کی ... فرض
کی ہے چنانچہ فرمایا ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا
الرسول واولی الامر منکم یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ
خوش ہوئے اور بہت مسرور ہوئے اس کے بعد
منبر سے اتر آئے اور بادشاہان یمن اور سرداران
عرب اور اہل مکہ کے نام خطوط لکھے ان تمام خطوط
کا مضمون یہ تھا بسم اللہ الرحمن الرحیم عبد اللہ
(ملقب بہ) عتیق ابن ابی قحافہ کی طرف سے تمام
مسلمانوں کو واضح ہو۔ سلام ہو تم پر۔ میں اللہ کی
تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے
اور درود پڑھتا ہوں اس کے نبی محمد صلی اللہ
علیہ وسلم پر۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ تم کو ملک
شام کی طرف بھیجوں تاکہ تم لوگ اس کو فتح کرو۔
پس جو شخص تم میں سے جہاد کا ارادہ کرے اس
کو چاہیئے کہ سبقت کرے (کیونکہ) طاعت
خدا و طاعت رسول (اسی پر) موقوف ہے۔
(خط کے) آخر میں یہ آیت لکھی تھی انفروا خفافاً
وثقالاً بعد اس کے یہ خطوط سب کے پاس بھیج
دیئے اور اس کے جواب کا انتظار کیا سب
سے پہلے جو شخص یمن بھیجا گیا وہ حضرت انسؓ
بن مالک تھے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے
خادم تھے صداقدی کا کلام ختم ہوا حضرت صدیق
رضی اللہ عنہ کا اس بلانے میں مثل جارحہ کے ہونا

منتظر جوابهم وتقدهو منهم كان اول
من بُعث الى اليمن انس بن مالك
خادم رسول الله صلى الله عليه وسلم
انتهى كلامه و برہان بر بودن حضرت
صدیق رضی اللہ عنہ کالجارحہ دریں دعوت
وظہور سر حدیث قدسی کہ در مخاطبہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم واقع است ابعث
جیشا نبعث خمسۃ مثلہ دریں واقعہ
ظاہر و باہر بود ایں نامہ در دل مردم
کارے کرد کہ از میزان عقل معاشی بیرون
ست تا آنکہ در غزوہ یرموک چہل ہزار
کس مجتمع شد و کوشش عجیب از دست
ایشاں بر روئے کار آمد و فتح کہ ہیچگاہ
از زماں حضرت آدمؑ تا ایں دم واقع
نشدہ بود ظہور نمود کشود کار اضعافاً مضاعف
از کوشش و اہتمام ظاہر گردید و ایں
فعل حضرت صدیق دستور العمل فاروق
اعظم شد رضی اللہ عنہما ہمیں اسلوب در
واقعہ قادسیہ دعوت اعراب فرمود
فی کتاب روضۃ الاحباب عند ذکر
غزوۃ القادسیۃ چوں خبر رسید کہ
عجم یزدگرد را بادشاہی بر داشتند و
امور خود مہیا ساختند امیر المؤمنین عمر

اور ان کا اس واقعہ میں اس حدیث قدسی
کا مظہر ہونا جو اللہ تعالیٰ نے بخطاب آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائی کہ تم ایک لشکر
بھیجو تو ہم ویسے ویسے پانچ لشکر بھیج
دیں گے بالکل کھلا ہوا ہے چنانچہ (ان کے)
اس خط نے لوگوں کے دلوں میں ایسا اثر
کیا جو دنیاوی عقل سے بالاتر ہے یہاں
تک کہ غزوہ یرموک میں چالیس ہزار آدمی
جمع ہو گئے اور ان کے ہاتھ سے عجیب
کوشش ظاہر ہوئی اور ایسی فتح حاصل
ہوئی جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ
سے اس وقت تک کبھی نہ ہوئی تھی مقابلہ
کوشش اور اہتمام کے دوگنا چوگنا نتیجہ
حاصل ہوا۔ حضرت صدیقؓ کا یہی کام فاروق
اعظمؓ کے لیے دستور العمل بن گیا انہوں نے
اسی طریقہ سے غزوہ قادسیہ میں اعراب
کو دعوت دی روضۃ الاحباب میں ذکر
غزوہ قادسیہ میں لکھا ہے کہ جب یہ خبر ملی
کہ اہل عجم نے یزدگرد کو بادشاہ بنایا ہے
تو انہوں نے اپنے عمال کو اس مضمون کا
خط بھیجا کہ ان اطراف میں جس کو تم جانتے
ہو کہ اس کے پاس گھوڑا اور ہتھیار ہے
اور ہمت اور شجاعت بھی رکھتا ہے

رضی اللہ عنہ بہر یک از عمال خود نامہ
نوشت بدیں مضمون کہ باید دراں ناحیہ
ہر کرا داند کہ اسپ و سلاح دارد و از
اہل نجدت و شجاعت و مقاتلہ بود ساختگی
نمودہ بتعجیل تمام بجانب مدینہ رواں سازد
وہم چنیں دعوت امیر المؤمنین عثمانؓ
برائے کمک عبد اللہؓ بن ابی سرح چوں
در افریقہ با ملک آنجا مقاتلہ در پیش کرد
مشہور است چوں ثابت شد کہ ایں خلفا
داعی بودند بدعوت موصوفہ فی القرآن
ثابت شد کہ خلفائے راشدین بودند دعوت
ایشاں موجب تکلیف ناس شد بقبول آں
مستحق ثواب و بہ عدم قبول مستوجب
عذاب گشتند۔

اور فن حرب سے بھی واقف ہے اس کو
فوراً سامان درست کر کے مدینہ بھیج دو اسی
طرح حضرت عثمانؓ نے بھی عبد اللہ بن ابی سرح
کی کمک کے لیے جب کہ انہوں نے وہاں
(افریقہ) کے بادشاہ سے جنگ چھیڑی لوگوں
کو بلایا اور یہ واقعہ مشہور ہے جب ثابت
ہو گیا کہ وہ بلانا جس کا ذکر قرآن میں ہے انہیں
خلفائے ثلاثہؓ سے ظاہر ہوا تو ثابت ہو گیا
کہ وہ خلیفۂ راشد تھے اور ان کا لوگوں
کی طرف بلانا موجب تکلیف شرعی
تھا یعنی ان کا حکم ماننے سے مستحق ثواب اور
ان کا حکم نہ ماننے سے مستوجب عذاب
ہوئے۔

ازالۃ الخفا کی پاکیزہ عبارت تمام ہوئی اب
تحفہ اثنا عشریہ کی عبارت دیکھو

تحفہ اثنا عشریہ کے ساتویں باب میں جہاں آیات سے حقیت
خلافت کا ثبوت پیش فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں :-

وقولہ تعالیٰ قُل لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ

اور آیت قل للمخلفین الخ جس کا

سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ
تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِیْعُوْا
یُؤْتِکُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا
کَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا
اَلِیْمًا ○ ترجمہ. بگو پس ماندگاں را از اعراب
عنقریب خوانده شود شمارا بسوے قومی
صاحب جنگ قوی. قتال خواہید کرد.
باایشاں یا ایشاں مسلمان شوند پس اگر
اطاعت خواہید کرد باایشاں بدہد
خدا ثواب نیک و اگر خواہید برگشت
چنانکہ برگشتید پیشتر عذاب کند شما را
عذاب دردناک.

مخاطب دریں آیہ بعضی قبائل
اعراب اند مثل اسلم و جہینہ و مزینہ و
وغفار و اشجع کہ در سفر حدیبیہ رفاقت
پیغمبر نہ کردند و اجماع مؤرخین طرفین
ست کہ بعد از نزول این آیت قتالے
در زمان آن سرورؐ واقع نہ شده کہ
دراں اعراب را دعوت کرده باشند
مگر غزوه تبوک و آں غزوه بریں آیت
منطبق نیست زیرا کہ فرموده است
کہ قتال خواہید کرد با حریفاں خود یا اسلام
خواہند آورد پس معلوم شد کہ آں غزوه

ترجمہ یہ ہے کہ کہہ دیجئے اے نبی پیچھے
چھوڑے ہوئے اعراب سے کہ عنقریب
تم کو بلایا جائے گا. ایک سخت لڑائی والی
قوم کی طرف تم اس قوم سے قتال کروگے
یا وہ مسلمان ہو جائے گی. پس اگر تم اطاعت
کروگے تو خدا تم کو اچھا ثواب دے گا
اور اگر پھر جاوگے جیسا کہ پہلے پھر گئے تھے
تو خدا تم کو دردناک عذاب کرے گا.

اس آیت میں اعراب کے بعض
قبیلوں سے خطاب ہے مثل قبیلہ اسلم اور
جہینہ اور مزینہ اور غفار اور اشجع کے
جنہوں نے سفر حدیبیہ میں پیغمبر (صلی اللہ
علیہ وسلم) کی رفاقت نہ کی تھی اور فریقین
کے مؤرخوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ
اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرۃ
علیہ السلام کے زمانہ میں کوئی قتال ایسا نہیں
ہوا جس میں اعراب کو دعوت دی گئی ہو۔
فقط غزوہ تبوک ہوا مگر یہ غزوہ اس آیت
پر منطبق نہیں ہے کیونکہ فرمایا ہے کہ اس
غزوہ میں اپنے حریفوں سے قتال کروگے
یا وہ مسلمان ہو جائیں گے. پس معلوم ہوا
کہ یہ غزوہ (جس کا آیت اعراب میں ذکر
ہے غزوہ تبوک کے سوا) کوئی اور غزوہ

دیگر ست زیرا کہ در تبوک یکے ازیں
دو چیز واقع نہ شد نہ قتال و نہ اسلام مخالفین۔
پس لا بد ایں داعی خلیفہ ایست از
خلفائے ثلثہ کہ در وقت ایشاں اعراب
را دعوت بہ قتال مرتدین واقع شد
در زمان خلیفہ اول، و بہ قتال اہل فارس
و روم در زمان او و در خلیفہ ثانی۔ و بر
ہر تقدیر خلافت خلیفہ اول صحیح شد
زیرا کہ بر اطاعت و قبول دعوت او
وعدہ اجر نیک و بر عدم اطاعت
او وعید عذاب الیم مرتب کردہ اند
و ہر کہ واجب الاطاعت بود امام
است۔

و دریں آیہ شیخ ابن مطہر
حلی دست و پائے زدہ جوابے بر
آوردہ ست کہ داعی آنحضرت ست
و جائز ست کہ آنحضرت در غزوات
دیگر کہ دراں قتال ہم واقع شدہ دعوۃ
نمودہ باشند اما منقول نہ شدہ و
رکاکت ایں جواب پوشیدہ نیست
زیرا کہ در باب اخبار و سیر و تواریخ
بہ مجرد احتمالات تمسک کردن شانِ
عقلا نیست و الا در ہر مقدمہ احتمالے

ہے کیونکہ تبوک میں ان دو باتوں میں سے
ایک بات بھی نہیں ہوئی نہ قتال ہوا، نہ
مخالفین اسلام لائے۔ پس ضروری ہے۔ کہ
(آیت کی موعودہ) دعوت کا دینے والا
حضرات خلفائے ثلثہ میں سے کوئی خلیفہ ہے۔
انہیں کے وقت میں اعراب کو دعوت دی
گئی حضرت صدیقؓ کے زمانہ قتال مرتدین کا
اور صدیقؓ اور فاروقؓ دونوں کے زمانہ میں
قتال اہل فارس و روم کی دعوت دی گئی ہے بہر
تقدیر خلیفہ اول کی خلافت کا صحیح ہونا ثابت
ہو گیا کیونکہ ان کی اطاعت اور ان کی
دعوت کے قبول کرنے پر اچھے ثواب کا وعدہ
اور اطاعت نہ کرنے پر سخت عذاب کی وعید مرتب
فرمائی ہے اور جو شخص (شرعاً) واجب الاطاعۃ
ہو (اور نبی نہ ہو) وہ امام (برحق) ہے۔

اس آیت میں شیخ ابن مطہر حلی نے ہاتھ
پیر مار کر ایک جواب دیا ہے کہ اس دعوت
موعودہ کے دینے والے آنحضرت تھے
اور ہو سکتا ہے کہ آنحضرت نے کسی اور
غزوہ میں جس میں قتال بھی ہوا ہو (اعراب
کو) دعوت دی ہو مگر (کتابوں میں) منقول نہیں
ہوئی اس جواب کا رکیک ہونا پوشیدہ نہیں
ہے کیونکہ سیر اور تاریخ کی خبروں میں محض

توان برآورد چنانکہ گوئیم کہ جائز ست کہ بعد از غدیر خم آنحضرتؐ امامت علیؓ را موقوف کردہ نص بر امامت صدیقؓ نمودہ باشند و مردم را بریں امر تاکید و اہتمام فرمودہ اما منقول نہ شدہ و علی ہذا القیاس۔ و بعضے از شیعہ گویند کہ داعی حضرت امیر ست بسوی قتال ناکثین و قاسطین و مارقین و دریں جواب ہم آنچہ ہست پوشیدہ نیست زیرا کہ قتال حضرت امیرؓ برائے طلب اسلام نبود بلکہ محض برائے انتظام امامت بود و در عرف قدیم و جدید ہرگز منقول نشدہ کہ اطاعت امام را اسلام و مخالفت او را کفر گویند و معہذا خود شیعہ بروایات صحیحہ نقل کردہ اند کہ پیغمبرؐ در حق امیرؓ فرمود انك یا علی تقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیله۔ ترجمہ۔ ہر آئینہ تو اے علی قتال خواہی کرد بر تاویل قرآن چنانکہ قتال کردہ ام بر تنزیل او و ظاہر ست کہ مقاتلہ

احتمال سے کام لینا عقلمند کا کام نہیں ہے ورنہ ہر بات میں کوئی نہ کوئی احتمال نکالا جا سکتا ہے مثلاً ہم کہیں کہ اچھا بالفرض خم غدیر میں حضرت علیؓ کا خلیفہ بنایا جانا ہم تسلیم بھی کریں تو ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی امامت موقوف کر کے حضرت صدیق رضؓ کی امامت معین فرمائی ہو اور لوگوں کو اس کی تاکید اور اس کا اہتمام فرمایا ہو لیکن کتابوں میں منقول نہیں ہوا و علیٰ ہذا القیاس اور بعضے شیعہ کہتے ہیں کہ اس دعوت کے دینے والے جناب امیرؓ ہیں انہوں نے اپنی بیعت کے توڑنے والوں اور فاسقوں اور عہد سے نکل جانے والوں کے قتال کے لیئے اعراب کو بلایا ہے اس جواب میں بھی جو کچھ (کمزوری) ہے پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ (اول تو حضرت امیرؓ نے ان اعراب کو ان لڑائیوں میں نہیں بلایا دوسرے) جناب امیرؓ کی لڑائیاں مسلمان بنانے کے لیئے نہ تھیں بلکہ محض اپنی خلافت کے مضبوط کرنے کے لیئے تھیں اور کسی زمانہ کا یہ محاورہ نہیں ہے کہ خلیفۂ وقت کی اطاعت کو اسلام اور اس کی مخالفت کو کفر کہا جائے باایں ہمہ شیعوں نے خود بھی بروایات صحیحہ نقل کیا ہے کہ جناب پیغمبرؐ نے جناب امیرؓ کے حق میں فرمایا کہ اے علیؓ تم قرآن کی تاویل کے لیئے قتال کروگے

بر تاویل قرآن بعد از قبول تنزیل
قرآن ست از مخالفین و قبول تنزیل
قرآن بدول اسلام مقبول نیست
بلکہ عین اسلام ست بس مقاتلہ بر
تاویل قرآن با مقاتلہ بر اسلام جمع
نمی تواند شد وھو ظاھر
جداً۔

جیسا کہ میں نے اس کی تنزیل کے نہ ماننے پر قتال کیا
اور ظاہر ہے کہ تاویل کے لیئے قتال اس وقت
ہو سکتا ہے جب اس کی تنزیل کو مخالفین قبول کر چکے
ہوں، اور قرآن کی تنزیل کا قبول کرنا بغیر اسلام کے
نہیں ہو سکتا بلکہ یہی عین اسلام ہے (بس ظاہر ہو گیا)
کہ اسلام کے لیئے لڑنا اور تاویل کے لیئے لڑنا ایک
ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ یہ بات کھلی ہوئی ہے۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ

تحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو

تفسیر آیت رضوان

جسمیں

سورہ انا فتحنا کی آیہ کریمہ لقد رضی اللہ عن المؤمنین کی تفسیر سے یہ بات ثابت کیگئی ہے کہ حضرات خلفائے ثلثہ اور تمام اصحاب حدیبیہ قطعی جنتی ہیں دنیا ہی میں خدا نے اُن سے اپنی رضامندی کا اعلان کر کے اُن کے حال و مآل کی خیریت سے تمام اہل ایمان کو آگاہ کر دیا اور اُن کی خلافت کے منکروں کی راہ بند کر دی

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳۔ روڈ نمبر ۷۔ سب بلاک اے، بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدوس
ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔ فون نمبر: ۶۶۰۱۴۴۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ حمداً کثیراً کما یحب و یرضیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ المصطفیٰ و علیٰ الہ وصحبہ نجوم الھدیٰ۔

امابعد بعونہ تعالیٰ تفسیر آیات خلافت کے سلسلہ میں ابتک جسقدر رسائل ہو چکے ہیں وہ ہدایت کے لئے بہت کافی ہیں جنکا ایمان قرآن مجید پر ہے اور وہ اس بات کو جانتا ہو کہ قرآن مجید کے ایک حرف میں بھی شک کرنا کفر ہے وہ کبھی قرآن مجید کے خلاف کسی تعلیم کو قبول نہیں کرسکتا نہ کوئی روایت اسکو صراط مستقیم سے ہٹا سکتی ہے نہ کسی کا قول، اور جن لوگوں کے دلونیں قرآن شریف کیطرف سے چور ہے وہ طرح طرح کے حیلے نکالکر احکام قرآنی کو پس پشت ڈالدیتے ہیں اور ہدایت قرآنی سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

اسوقت آیت رضوان کی تفسیر ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے یہ آیت رسالہ تفسیر آیت دعوت اعراب میں ضمنی طور پر آچکی ہے مگر اب بالاستقلال کچھ شرح و بسط سے اسکے لکھنے کا ارادہ ہے۔ واللہ الموفق

آیت رضوان سورۂ فتح۔ پارۂ چھبیسواں۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰہُ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَیَهْدِیَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۝ وَّاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰہُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰہُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ۝ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ

الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۔ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۔

ترجمہ

تحقیق راضی ہوگیا اللہ ایمان والوں سے جبکہ (اے نبی) وہ تجھ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے پس معلوم کیا اللہ نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا، پھر اتارا اللہ نے سکینہ ان پر اور بدلہ میں دی ان کو فتح قریب اور بہت سی غنیمتیں جن کو وہ لوگ لیں گے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اللہ نے تم لوگوں سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جن کو تم لو گے پس اس نے جلدی دی تم کو یہ غنیمت اور روک دیا لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے اور یہ اس لئے کیا کہ ہو جائے یہ ایک نشانی ایمان والوں کے لئے اور اللہ تم کو صراط مستقیم کی ہدایت کرے۔ اور کچھ اور غنیمتوں کا (بھی) اللہ نے وعدہ کیا ہے (جن پر تم نے (کبھی) قابو نہیں پایا) اللہ نے ان کو گھیر لیا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اگر کافر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر نہ پائیں گے کوئی یار نہ مددگار، یہ اللہ کا قانون ہے جو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور تم اللہ کے قانون میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے۔

تفسیر

یہ کئی آیتیں جو نقل کی گئی ہیں ان میں سب سے پہلی آیت آیۂ رضوان کے نام سے موسوم ہے اور اسی کی تفسیر اس وقت مقصود ہے، باقی آیتیں محض توضیح مراد کے لئے نقل کی گئی ہیں۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے حدیبیہ کی بیعت کا تذکرہ فرمایا اور جو لوگ اس بیعت میں تھے ان کے حسب ذیل فضائل بیان فرمائے:

(۱) حق تعالیٰ نے ان کو مومنین فرمایا اس سے بڑھ کر ان کے ایمان کی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو شخص اس بیعت کے شرکاء کو مومن نہ کہے اس کا مکذب قرآن ہونا کس قدر واضح ہے۔

(۲) حق تعالیٰ نے ان سے اپنا راضی ہونا بیان فرمایا اور وہ بھی حرف تاکید یعنی لقد کے ساتھ، ظاہر ہے کہ خدا جس سے راضی ہو گیا اور اپنی رضامندی کا اعلان بھی فرما دیا اس کا انجام یقیناً بخیر ہوگا اور اب کبھی اس سے خلاف مرضی الٰہی کوئی کام صادر نہیں ہو سکتا

کیونکہ خدا عالم الغیب ہے اگر آیندہ ان لوگوں سے کوئی فعل خلاف مرضی الٰہی صادر ہونیوالا ہوتا تو وہ ان کی اس بیعت سے ہرگز راضی نہ ہوتا چہ جائیکہ رضامندی کا اعلان ہم لوگ جو آج کسی سے کسی بات پر خوش ہو جاتے ہیں اور کل اسکی کسی خلاف مزاج حرکت پر ناخوش ہو جاتے ہیں اسکا سبب یہ ہے کہ ہمکو آیندہ کا علم نہیں۔ اگر ہمکو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص جو آج ہماری مرضی کے مطابق کام کر رہا ہے کل ہماری مخالفت پر کمربستہ ہو جائے گا تو ہم اسکی کسی بات پر ہرگز خوش نہوں چہ جائیکہ اپنی خوشنودی کا اعلان کریں۔ لہٰذا شیعوں کا یہ کہنا کہ خدا اس وقت ان کی بیعت سے خوش ہو گیا مگر بعد وفات پیغمبر کے جب انھوں نے احکام خداوندی کی خلاف ورزی شروع کر دی تو خدا ان سے ناخوش ہو گیا خدا کے عالم الغیب ہونے کا کھلا ہوا انکار ہے۔

(۳) حق تعالیٰ نے انکے دلوں کی حالت کا علم بیان فرما کر ان کی نیک نیتی اور انکے اخلاص کی گواہی دی۔ گویا منکرین کے اس وسوسہ کا پہلے ہی جواب دے دیا کہ ہم صرف انکے ظاہری فعل کو دیکھ کر راضی نہیں ہوئے بلکہ ہم کو انکے دل کا حال معلوم ہے اسی لئے ہماری رضامندی انکے شامل حال ہوئی۔

(۴) حق تعالیٰ نے ان پر سکینہ نازل فرمایا، ظاہر ہے کہ جس پر سکینہ نازل ہو جاتا ہے اسکے ایمان کو پھر جنبش نہیں ہوتی اور نہ اسکی استقامت میں فرق آسکتا ہے یہ ایک بڑا انعام خداوندی ہے جو ان کو حاصل ہوا۔

(۵) حق تعالیٰ نے ان کو دنیا میں تین چیزوں کے دینے کا وعدہ فرمایا اوّل فتح قریب دوم مغانم کثیرہ سوم کچھ اور مغانم جو عرب کے احاطۂ قدرت سے باہر تھے۔ فتح قریب اور مغانم کثیرہ سے فتح مکہ اور خیبر کا مال غنیمت مراد لیا گیا ہے اور یہی ہونا بھی چاہیے کیونکہ فتح کے ساتھ قریب کی لفظ اور مغانم کثیرہ کے بعد عجّل کی لفظ اسی کو بتا رہی ہے کہ یہ دونوں چیزیں جلد اور بہت جلد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں ہونا چاہیں چنانچہ فتح خیبر تو حدیبیہ سے لوٹتے ہی حاصل ہو گئی۔ ذی الحجہ ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آئے اور محرم ۷ھ میں خیبر فتح ہو گیا اور مال غنیمت بکثرت ہاتھ آیا۔

لیکن تیسری چیز یعنی وہ مغانم جن کو عرب کے احاطۂ قدرت سے باہر فرمایا گیا ہے اس کا مصداق رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں پایا گیا خیبر کے بعد کوئی غنیمت ایسی نہیں حاصل ہوئی جسکو غنائم خیبر کے مقابلہ میں اتنی اہمیت دیجائے کہ عرب کے احاطۂ قدرت سے اسکو باہر کہا جائے بلا محالہ اس تیسری چیز سے فارس و روم کے فتوحات مراد لئے جائیں گے کیونکہ ان دونوں سلطنتوں کی فتح البتہ ایک ایسی چیز تھی کہ عرب کے احاطۂ قدرت کیا معنی وہم گمان سے بھی بالاتر تھی۔

یہ تیسری چیز خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے زمانۂ خلافت میں حاصل ہوئی اور خدا کا یہ وعدہ انھیں تینوں کے ہاتھ پر پورا ہوا۔

(۶) فتح قریب اور مغانم کثیرہ کو اثابھم کے تحت میں بیان فرما کر اس امر کو ظاہر فرما دیا کہ یہ انعام اس بیعت کا معاوضہ ہے، جو لوگ اس بیعت میں شریک نہیں ہیں انکا کوئی حصہ اس انعام میں نہیں ہے چنانچہ خیبر کی غنیمتوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص کر دیا تھا کسی اور کو اس میں سے کوئی حصہ نہیں ملا تیسری نعمت کو اگرچہ کسی جماعت کے لئے مخصوص نہیں کیا مگر اسکو اہل حدیبیہ کے ہاتھ پر پورا کرنا ہزار ہا خصوصیتوں سے بڑھ کر ہے۔

(۷) فرمایا کہ اب کوئی جماعت کافروں کی تمہارے مقابلہ میں مظفر و منصور نہو گی بلکہ جو تمہارے مقابلہ میں آئے گا پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اصحاب حدیبیہ کے مقابلہ میں کبھی کسی کافر کو فتح نصیب نہوئی حتی کہ ایران و روم جیسی زبردست سلطنتوں سے جب ان کا مقابلہ ہوا اس وقت خدا کی قدرت سب کو نظر آ گئی اور یہ دونوں سلطنتیں دم کی دم میں زیر و زبر ہو گئیں۔

(۸) ان انعامات کے وعدوں کے بعد فرمایا کہ یہ ہمارا قدیم قانون ہے اور ہمارے قانون میں تبدیلی نہیں ہوتی اشارہ ہے اس قانون خداوندی کی طرف جو انبیا علیہم السلام اور انکے متبعین صادقین کے فتح و نصرت کے متعلق ہے جسکا بیان دوسری آیتوں میں بہت وضاحت کے ساتھ ہے قولہ تعالیٰ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ

انهم لهم المنصورون وان جندنا لهم الغلبون ۔ یعنی ہمارا وعدہ اپنے رسولوں سے پہلے ہی ہو چکا ہے کہ انھیں کو فتح ملے گی اور بہ تحقیق ہمارا لشکر غالب رہیگا۔

(۹) بیعت حدیبیہ کی عزت افزائی کی انتہا یہ ہے کہ دوسری بیعتوں سے ممتاز کرنے کیلئے اُس درخت کا بھی ذکر فرمایا جس کے نیچے یہ بیعت ہوئی تھی۔

(۱۰) فتح مکہ اور فتح خیبر کو ایمان والوں کے لئے نشانی فرمایا یعنی یہ دونوں فتوحات آئندہ فتوحات کی دلیل ہیں یہ دونوں فتوحات یقین دلاتی ہیں کہ آیندہ فتوحات بھی اسی طرح پوری ہوں گی معلوم ہوا کہ اصل مقصود تو فارس و روم کی فتوحات کا وعدہ ہے اور اُن کی علامت و نشانی کی طور پر یہ فتوحات عطا ہوئی ہیں۔ اس سے فاتحان فارس و روم کی شان اظہر من الشمس ہو رہی ہے۔

(ف) اس آیت سے اصحاب حدیبیہ کا مومن بلکہ کامل الایمان اور پسندیدۂ خدا ہونا اس صفائی اور وضاحت کے ساتھ ظاہر ہو رہا ہے کہ کسی قسم کی تاویل اور چون و چرا کی گنجائش نہیں اور یہ بات بھی بلا شک و شبہ باتفاق فریقین ثابت ہے کہ تینوں خلفا اس بیعت میں شریک تھے اور جن لوگوں نے انکا انتخاب خلافت کے لئے کیا اور ان کو اپنا امام مانا وہ بھی اس بیعت میں شریک تھے لہذا اس آیت کی رو سے وہ سب پسندیدۂ خدا اور مومن مخلص ہوئے اور جو ایسا ہو اسکی خلافت یقیناً خلافت راشدہ ہے، ایسے لوگوں کی خلافت کو ظلم و جور کی خلافت کہنا کلام الٰہی کی تکذیب کرنا ہے۔

شیعہ بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ گئے کہ کوئی تاویل اس آیت کی نہیں ہو سکتی اور اصحاب حدیبیہ کے فضائل کا انکار بغیر اس آیت کی تکذیب کئے ہوئے ممکن نہیں لہذا انھوں نے اپنے اسی آخری کید سے یہاں بھی کام لیا ہے جس کو انھوں نے ہدایات قرآنی سے سرتابی کے لئے بڑے اہتمام سے تصنیف فرمایا ہے یعنی **کہتے ہیں** کہ یہاں تحریف ہو گئی ہے، خدا نے اپنی رضامندی اس شرط کے ساتھ بیان کی تھی کہ مرتے دم تک اسی بیعت پر قائم رہیں اگر وہ لوگ قائم نہ رہے لہذا رضامندی بھی جاتی رہی لیکن صحابہ نے شرط کے مضمون کو اس آیت سے نکال کر کہیں اور لگا دیا اور **اس آیت کو** بغیر شرط

کے کر دیا جس سے مفہوم کلام کا بدل گیا (دیکھو تفسیر قمی صـ۳۲۶ اور مولوی مقبول احمد کا ترجمۂ قرآن صفحہ ۸۱۵)

شیعہ تحریف قرآن کا عذر کرکے سمجھتے ہوں گے کہ اس آیت رضوان سے انکی گلو خلاصی ہوگئی اور اس آیت سے جو فضائل اصحاب حدیبیہ کے ثابت ہوتے تھے اُن کا جواب ہوگیا مگر خدا کی قدرت ہے کہ اس کا فرانہ جواب سے بھی انکو رہائی نہیں مل سکتی۔ اولاً اس لئے کہ اگر اس آیت کے ساتھ کوئی شرط ہوتی اور بقول شیعہ وہ شرط پوری نہیں ہوئی تو ضرور خدا کو پہلے ہی سے اس شرط کے پورے نہ ہونے کا علم ہوتا کیونکہ خدا کو تمام آیندہ ہونے والی چیزوں کا علم ہے پس اس صورت میں نعوذ باللہ فریب دہی کا الزام خدا پر قائم ہوتا ہے کہ ایک ناشدنی شرط کے ساتھ مشروط کرکے اپنی رضامندی کا اعلان دینا فریب نہیں تو اور کیا ہے۔ شاید خدا بھی تقیہ کرتا ہو اور جھوٹی باتوں سے صحابہ کرام کو خوش کرکے اپنا کام نکالنا چاہتا ہو۔

ثانیاً۔ اس لئے کہ آیت میں سب صیغے ماضی کے ہیں رضی، انزل، اثاب یعنے خدا ان سے راضی ہوگیا پھر سکینہ ان پر اتارا پھر بدلے میں ان کو فتح قریب وغیرہ دی حالانکہ اگر کسی شرط کے ساتھ یہ چیزیں مشروط ہوتیں تو بجائے ماضی کے مستقبل کے صیغے ہونے چاہیے تھے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت کے ساتھ کوئی شرط ہرگز نہ تھی۔

ثالثاً اسلئے کہ اگر کوئی شرط اس آیت میں ہوتی تو وہ رضامندی اور انزال سکینہ اور فتح قریب وغیرہ سب کے ساتھ لگتی اور بغیر اس شرط کے جسطرح رضامندی انکو حاصل نہوتی اسیطرح انزال سکینہ اور فتح قریب وغیرہ کی نعمتیں بھی ان کو نہ ملتیں حالانکہ فتح قریب وغیرہ کی نعمتیں باتفاق فریقین نعمان کو ملیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہرگز کوئی شرط اس آیت کے ساتھ نہ تھی اور بالفرض اگر تھی تو وہ پوری ہوئی۔

رابعاً۔ اس لئے کہ اگر خدا کی رضامندی کسی ناشدنی شرط کے ساتھ مشروط ہوتی تو جملہ علم ما فی قلوبھم بالکل لغو ہوا جاتا ہے معاذ اللہ منہ کیونکہ اس جملہ کا مقصود تو یہ ہے کہ خدا اپنی رضامندی کی وجہ ظاہر فرما رہا ہے کہ چونکہ ہم دلوں کی حالت سے واقف ہیں

اسلئے اُن سے راضی ہوئے حالانکہ صورت مذکورہ میں رضامندی کا وجود ہی نہیں ہوا۔
المختصر آیت کے الفاظ اور اُس کا مضمون اسکی پیشین گوئی کا ظہور بتا رہا ہے کہ ہرگز اس آیت میں کوئی شرط نہ تھی اور اگر تھی تو وہ پوری ہوگئی اور خدا نے جس طرح فتح قریب مغانم کثیرہ وغیرہ کا وعدہ اُن سے پورا کیا اسی طرح قطعًا و یقینًا خدا کی رضامندی بھی اُن کو حاصل ہوئی اور سکینہ بھی اُن پر نازل ہوا۔

بعضے شیعہ گھبرا کر یہ بھی کہدیتے ہیں کہ خدا نے تو اُن مومنوں سے جو اس بیعت میں شریک تھے اپنی رضامندی بیان فرمائی ہے نہ منافقین سے لہٰذا جو منافق اس بیعت میں تھے ان سے خدا کا راضی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ قبلہ شیعہ مولوی فرمان علی نے اسی جواب کو پسند کیا ہے چنانچہ اپنے ترجمہ قرآن کے ۸۱۳ میں اسی آیت رضواں کے حاشیہ پر لکھتے ہیں :-

اس سے یہ شبہہ نہ ہو کہ ان تمام بیعت کرنے والوں سے خدا ہمیشہ کیلئے راضی ہوگیا اور یہ لوگ جنتی بن گئے کیونکہ اول تو خدا نے تمام بیعت کرنیوالوں سے خوشنودی کا اظہار کیا نہیں بلکہ صرف مومنین سے اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ وہ تو اس وقت خوش ہوا جس وقت ان لوگوں نے بیعت کی اب رہی آیندہ کی حالت تو جیسی کرنی ویسی بھرنی تو خلاصہ مطلب اس آیت کا یہ ہوا کہ خدا سچے ایمان داروں کے اس فعل سے ضرور خوش ہوا۔

مولوی فرمان علی نے یہ تو مان لیا کہ خدا کی رضامندی ضرور اس آیت سے ثابت ہوتی ہے لیکن اسکے ساتھ دو باتیں فرماتے ہیں **اوّل** یہ کہ خدا کی رضامندی ہمیشہ کے لئے نہ تھی بلکہ وقتی تھی بعد میں جب انھوں نے خلاف شرع کام کیئے تو رضامندی جاتی رہی۔ **دوم** یہ کہ خدا نے سب بیعت کرنے والوں سے رضامندی ظاہر نہیں کی بلکہ صرف مومنین سے
جواب پہلی بات کا ہم اوپر دے چکے ہیں مولوی فرمان علی نے خدا کو اپنے اوپر قیاس کیا ہے۔ اجی حضرت! خدا عالم الغیب ہے جس شخص سے آیندہ خدا کی خلاف مرضی حرکات صادر ہونے والی ہیں خدا کو پہلے ہی سے اُس کا علم ہے لہٰذا خدا اس شخص کی کسی ایسی ویسی بات سے ہرگز ہرگز خوش نہیں ہو سکتا اور اپنی خوشی کا اعلان دے کر لوگوں کو دھوکے میں نہیں ڈال سکتا اہل سنت کا اعتقاد تو یہی ہے مگر شیعہ جو خدا کیلئے بدا کے قائل ہیں

اُن کے مذہب کی بنا پر یہ بات ممکن ہے کہ ایک وقت خدا ان سے راضی ہو گیا اور اپنی رضامندی کا اعلان بھی کر دیا مگر بعد میں جب اُن لوگوں نے بُرے کام کئے تو خدا کو بدا ہوا اور خدا کی رائے بدل گئی اور وہ ناراض ہو گیا۔ استغفر اللہ۔

رہی دوسری بات تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح آیت میں خدا نے ایمان والوں سے اپنی رضامندی بیان فرمائی ہے اسی طرح فتح قریب اور مغانم کثیرہ کو بدلہ بھی ایمان والوں ہی کا قرار دیا ہے لہٰذا جس طرح خدا کی رضامندی ایمان والوں کے ساتھ مخصوص ہے اسیطرح خیبر کا مال غنیمت بھی ان کے لئے مخصوص ہونا چاہئے۔ حالانکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام بیعت کرنے والوں کو غنیمت خیبر میں حصہ دیا اس سے معلوم ہوا کہ وہ سب مومن تھے اور سب کو خدا کی رضامندی حاصل ہوئی اور یقیناً سب جنتی ہو گئے۔ اگر کہا جائے کہ غنیمت خیبر میں رسول نے بوجہ خوف کے منافقوں کا حصہ لگایا اگر ایسا نہ کرتے تو منافق لڑ بیٹھتے تو جواب اس کا یہ ہے کہ اگر اسی طرح رسول کو خوف کی وجہ سے احکام خداوندی کا خلاف کرنے والا قرار دیا جائے تو دین بازیچہ طفلاں بنجائے گا پھر دوسری بات یہ ہے کہ جسطرح حدیبیہ میں نہ آنے والوں کو رسول نے غنیمت خیبر سے حصہ نہ دیا اور کوئی فتنہ نہ برپا ہوا اسی طرح حسن مدبیر سے ان منافقوں کو بھی علیحدہ کر سکتے تھے اور کوئی فتنہ نہ ہوتا۔

بہرحال شیعوں کے بنائے کوئی بات بنتی نہیں اور آیت برملا ندا دے رہی ہے کہ جن لوگوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی ان سب سے خدا راضی ہو گیا سب پر سکینہ اترا اور سب قطعی جنتی ہیں من شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر۔

اسی آیت رضوان کی اور خدا کے رضامندی کی تفسیر ہیں وہ احادیث جن میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اصحاب حدیبیہ کی نسبت فرمایا کہ انتم الیوم خیر اھل الارض یعنی آج تم تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہو نیز فرمایا کہ لن یلج النار احد ممن بایع تحت الشجرۃ یعنی جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی شخص ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا یہ دونوں حدیثیں وہی خاص مضمون بیان کر رہی ہیں جو آیت میں ہے جس سے خدا راضی ہے اسکے بہتر ہونے

میں کیا شک اور اسکے دوزخی نہونے میں کیا تردد۔

آیت کی تفسیر تو ہو چکی اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ حدیبیہ کے مختصر حالات بیان کردیئے جائیں تاکہ آیت کی تفسیر میں پوری بصیرت حاصل ہو۔

واقعہ حُدیبیہ کے کچھ مختصر حالات

سنہ ہجری میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ مع اپنے اصحاب کرام کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور سب نے کعبۃ اللہ کا طواف کیا ہے اسکے بعد کسی نے سر کے بال منڈوائے ہیں اور کسی نے کتروائے ہیں اس خواب کو آپ نے اپنے اصحاب کرام سے بیان فرمایا سب نہایت خوش ہوئے کیونکہ انبیا علیہم السلام کا خواب بھی از قسم وحی الٰہی ہوتا ہے اس خواب کا تذکرہ بھی قرآن مجید کی اسی سورت میں ہے۔

پھر اسی سال کے آخر میں یعنی ذیقعدہ کے مہینے میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بارادۂ عمرہ مکہ معظمہ کا سفر فرمایا ایک بڑی جماعت صحابہ کرام کی آپ کے ہمراہ ہوئی جن کا شمار بنا بر روایات صحیحہ چودہ سو اور پندرہ سو کے درمیان میں تھا بعض روایات میں اٹھارہ سو بھی وارد ہوا ہے۔

مقام ذوالحلیفہ میں پہونچکر سب نے احرام باندھا اور احرام کا لباس زیب تن کیا قدسیوں کی یہ جماعت مقام حدیبیہ تک پہونچی تھی کہ کفار مکہ کی طرف سے مزاحمت ہوئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو اپنا سفیر بنا کر مکہ معظمہ بھیجا کہ کفار مکہ کو سمجھائیں کہ ہم لڑنے کی نیت سے نہیں آئے کعبہ کا طواف کرکے واپس جائیں گے چنانچہ حضرت عثمان نے جاکر بہت سمجھایا مگر ضد اور شرارت کا بُرا ہو کفار مکہ نے کسی طرح اس کو منظور نہ کیا۔

حضرت عثمان کے روانگی کے بعد کسی صحابی نے کہا کہ عثمان کی قسمت اچھی ہے وہ تو مکہ جا رہے ہیں کعبہ کا طواف کرلیں گے مگر ہم لوگوں کو معلوم نہیں کہ کفار اجازت دیں یا نہ دیں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جو اس بات کو سنا تو فرمایا کہ عثمانؓ کی طرف ہم کو ایسا وہم

بھی نہیں ہے کہ بغیر ہمارے کعبہ کا طواف کر لیں گے۔ اللہ اکبر حضرت عثمان کے اخلاص پر کیسا اعتماد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا اور ویسا ہی ان سے ظہور میں آیا جب حضرت عثمان مکہ میں ابو سفیان سردار مکہ سے بات کر رہے تھے تو ابو سفیان نے کہا کہ اے عثمان اگر تم چاہو تو میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ کعبہ کا طوف کر لو لیکن یہ نا ممکن ہے کہ تمہارے نبی طواف کے لئے آئیں اور اپنی شان و شوکت ہمکو دکھائیں۔ حضرت عثمان نے کہا کہ بغیر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے تو ہم ہرگز طواف نہ کریں گے۔ اس جواب پر ابو سفیان نے حضرت عثمان کو اور دس صحابی جو ان کے ساتھ تھے ان سب کو قید کر دیا۔

یہ واقعہ اسی طرح کتب شیعہ میں بھی ہے چنانچہ حملہ حیدری میں جو مذہب شیعہ کی نہایت معتبر تاریخ اور مولوی سید محمد مجتہد اعظم کی مصدقہ ہے یہ واقعہ اسطرح نظم کیا گیا ہے:۔

بپوسید عثمان زمیں در زماں   بمقصد رواں شد چو تیر از کماں
چو او رفت اصحاب روزے دگر   بگفتند چندے بخیر البشر
خوشا حال عثمان با احترام   کہ شد قسمتش حج بیت الحرام
رسول خدا چوں شنید ایں سخن   بپاسخ چنیں گفت با انجمن
بعثماں نداریم ما ایں گماں   کہ تنہا کند طوف آں آستاں

اسکے بعد پھر آگے چل کر ابو سفیان اور حضرت عثمان کی گفتگو اسطرح نظم کی ہے۔

بجوشید زش انکہ بدل مہر خوں   بعثماں چنیں گفت آں سرنگوں
کہ گر میل داری تو طوف حرم   بکن مانعت نیست کس زیں حشم
ولیکن محال ست ایں بے گزاف   کہ آید محمد برائے طواف
چو بشنید عثماں از وایں سخن   چنیں داد پاسخ بآں اہرمن
کہ طوف حرم بے رسول خدا   نباشد بر پیر دانش روا
ازیں گفتہ سفیاں برآشفت بیش   بگرداند از سوئے او روئے خویش
بفرمود پس با دگر مشرکاں   کہ عثمان وآں دہ کس از پیرواں
نیابند رفتن بہ نزد رسول   اگر شاد باشند ازیں گر ملول

چو عثمان ازد این حکایت شنید — علاجے بجز صبر کردن ندید

مقید نمودندش اعدائے دیں — بیان نجاتش کنم بعد ازیں

حضرت عثمان کے قید ہو جانے کے بعد کسی نے یہ غلط خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچائی کہ حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں کو کفار مکہ نے شہید کر دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر سے بڑا صدمہ ہوا اور آپ اٹھ کر ایک درخت کے نیچے جو اس میدان میں تھا تشریف لے گئے اور اپنے اصحاب سے آپ نے موت کی بیعت لی اثنائے بیعت میں آپ کو خبر ملی کہ حضرت عثمان اور ان کے ساتھی زندہ ہیں تو آپ نے اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیکر حضرت عثمان کی طرف سے بیعت[1] فرمائی اسی بیعت کا تذکرہ آیت رضوان میں ہے اور اسی آیت کی وجہ سے اس بیعت کو بیعۃ الرضوان کہتے ہیں۔

یہ عظیم الشان بیعت حضرت عثمان ہی کے طفیل میں ہوئی اور سب سے زیادہ فضیلت بھی اس بیعت میں انہیں کی ظاہر ہوئی۔

اس کے بعد رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ کسی طرح کافروں کے کچھ لوگوں کو بھی گرفتار کر لو چنانچہ ایسا ہی ہوا جب چند کفار مسلمانوں کی قید میں آ گئے تو کافروں نے مجبور ہو کر حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں کو رہا کیا اور ان کے عوض میں اپنے قیدیوں کو رہائی دلائی۔

اس سفر میں ایک معجزہ پانی کا ظہور میں آیا حدیبیہ میں جو کنواں تھا اس میں پانی بہت کم تھا

---

[1] حضرت عثمان کی طرف سے بیعت کرنے کا ذکر کتب شیعہ میں بھی ہے کافی کتاب الروضہ ص۱۵۱ میں ہے وبایع رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ المسلمین وضرب باحدی یدیہ علی الاخری بعثمان اور حیات القلوب جلد دوم ص۲۰۲ میں ہے بروایت شیخ طبرسی چوں مشرکان عثمان را حبس کردند خبر بحضرت رسید کہ او را کشتند حضرت فرمود کہ ازینجا حرکت نمی کنم تا با ایشاں قتال کنم و مردم را بسوے بیعت دعوت نمایم و برخاست و پشت مبارک بدرخت داد و تکیہ کرد و صحابہ با آنحضرت بیعت کردند کہ با مشرکاں جہاد کنند و گریز ند و بروایت کلینی حضرت یک دست خود را بر دست دیگرے زد و برائے عثمان بیعت گرفت ۲

تھوڑی دیر میں وہ سب پانی خرچ ہو گیا اور ہر طرف العطش العطش کی آواز بلند ہوئی، رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک تیر اپنے ترکش سے نکال کر ایک صحابی کو دیا کہ اس تیر کی نوک کنوئیں کی تہ میں پہونچا دو۔ ایسا ہی کیا گیا جیسے ہی اس تیر کی نوک تہ میں گڑی کنوئیں سے فوارہ پانی کا اُبلنے لگا اور پھر وہ پانی آخر تک کام دیتا رہا۔

اِسی سفر میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ کفار مکہ کی طرف سے عروہ بن مسعود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی حالت جانچنے کے لئے آئے انھوں نے یہاں آکر جو حالت دیکھی اس کا بڑا اثر اُن کے دل پر ہوا جو اطاعت و جان نثاری صحابۂ کرام کی اور جو محبت و ارادت اُن کی عُروہ کے مشاہدہ میں آئی اس سے ان کی عقل متحیر ہو گئی کیونکہ تاریخ عالم میں کوئی مثال ان چیزوں کی نہیں مل سکتی۔ حملۂ حیدری کا مصنف باوجود متعصب رافضی ہونے کے لکھتا ہے۔

پس آں گاہ در مجلس شاہ دیں   نشست و لوز مانے دگر در کمیں
کہ اصحاب او را کند امتحاں   بہ بیند کہ چون ست اخلاص شاں
بظاہر گرہ کرد ابرو ز خشم   نہانی ہمی دید از زیر چشم
چو اکرام و تعظیم و فرماں بری   ارادت شعاری عقیدت دری
ز اصحاب نسبت بسالار دیں   بیا بید آں مرد وز دیدہ بیں
ازاں طور آمد شگفتش بسے   کزاں پیش دیدہ نبود از کسے

اب دیکھنا ہے کہ پھر مکہ پہونچکر اپنی قوم میں عروہ نے جو خیالات اپنے ظاہر کئے وہ کیا ہیں عروہ نے کہا

کہ من انجہ دیدم ز یاران او   ازاں رسم جاں نثارانِ او
در ایران و در روم و در زنگبار   ندیدم ز نیک و بد آں دیار
کہ دارند پاس شہِ خود چنیں   بسایند بر نقش پایش جبیں
محمد گر انداز و آبِ دہن   براں آب خوں مے کنند انجمن
گرگیرند و مالند بر چشم درد   دراں آب تازہ کنند آبرو
دگر ہر کرا . مینی از مہتراں   کند نقش او پاک چوں کہتراں

برآب وضوئش ترا ئے کنند　　کہ خواہند سرہائے ہم بشکنند
غرض اے دلیران با نام و ننگ　　ندارد برائے شما مرفہ جنگ
کہ ایشاں زما برنتابد بدرد　　بجاہائے نازک رسد گفتگو
ہماں بہ کہ ایں قصہ کوتہ کنید
ازاں پیش کو رہ کند رہ دہید

آخر کفار مکہ نے مجبور ہوکر صلح کی اور یہ قرار پایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس سال واپس جائیں اور آیندہ سال پھر آکر کعبہ شریف کا طواف کریں۔

اس صلح میں جو شرطیں کفار کی طرف سے پیش ہوئیں ان میں بظاہر مسلمانوں کا پہلو نہایت مغلوب تھا مثلاً ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہوکر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے تو آپ اسکو مکہ واپس کردیں اور اگر کوئی مسلمان خدانخواستہ مرتد ہوکر مکہ میں آجائے تو کفار مکہ اسکو واپس نہ کریں گے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ان تمام شرائط کو قبول فرمالیا اور صلح ہوگئی۔

اس مغلوبانہ صلح سے تمام صحابہ کرام کو نہایت صدمہ ہوا اور سب سے زیادہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو (جو اول روز سے دینی غیرت و حمیت میں ضرب المثل تھے) ہوا۔ آخر اُن سے ضبط نہ ہوسکا اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے جاکر اُنھوں نے کہا حضرت کیا آپ اللہ کے سچے نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر اُنھوں نے کہا کیا ہم حق پر ہیں اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے آپ نے فرمایا ہاں پھر انھوں نے کہا کہ پھر ہم کیوں مغلوبانہ صلح کریں۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اُسکے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرسکتا اور وہ میرا پروردگار ہے پھر یہی گفتگو حضرت عمر نے حضرت ابوبکر صدیق سے کی اور انھوں نے بھی یہی جوابات دیئے۔ اگرچہ حضرت عمر کی یہ گفتگو محض دین کی حمیت سے تھی مگر پھر بھی اُن کو بعد میں تنبہ ہوا اور اسکے کفارے میں نمازیں پڑھیں روزے رکھے صدقہ دیا غلام آزاد کیا۔

چند روز سے شیعوں نے اس موقع پر ایک طعن حضرت عمر پر تصنیف کیا ہے کہتے ہیں کہ حضرت عمر کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک ہوگیا تھا اور اسکی تائید

یں ایک روایت میزان الاعتدال کی پیش کرتے ہیں کہ خود حضرت عمر نے اقرار کیا کہ مجھے
نبوت میں ایسا شک کبھی نہیں ہوا۔

جواب یہ ہے کہ **اوّل** تو میزان الاعتدال کی یہ روایت صحیح نہیں خود مصنف نے
س روایت کے ساتھ اس کا مجروح ہونا بھی بیان کر دیا ہے **دوسرے** یہ کہ اس روایت
یں نبوت کا لفظ نہیں ہے یہ شیعوں کا خالص افترا ہے صرف یہ مضمون ہے کہ "مجھے ایسا
ک کبھی نہیں ہوا" اس شک سے مراد نبوت میں شک کسی طرح نہیں ہو سکتا کیونکہ
سی روایت میں حضرت عمر نے بجواب حضرت صدیق فرمایا ہے کہ انا اشہد انہ
رسول اللہ بلکہ اس صلح کے مفید ہونے میں اسکے مصالح میں شک مراد ہے گویا اپنی
ک سیاسی غلطی کا اظہار فرمایا ہے (دیکھو فتح الباری جلد پنجم ص۲۵۵ مطبوعہ مصر)

واقعی صلح حدیبیہ میں کچھ ایسے پوشیدہ مصالح علم خداوندی میں تھیں کہ اس وقت کسی کو
ی ان کا احساس نہ ہوا مگر بعد میں سب کی آنکھیں کھل گئیں کہ یہ مغلوبانہ صلح نہ تھی بلکہ
مبین کا پیش خیمہ تھی۔

صلحنامہ لکھا جا رہا تھا کہ ابو جندل جو مشرف باسلام ہو چکے تھے مگر کسیطرح انکو ہجرت کا
ع نہ ملتا تھا کفار مکہ نے ان کو قید کر رکھا تھا اور بڑے ظلم ان پر کرتے تھے اور یہ سب مظالم
ے کے باپ سہیل کے ہاتھ سے ان پر ہوتے تھے ایک روز موقع پا کر قید سے نکل آئے
حدیبیہ میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچے کفار نے مطالبہ کیا تو آپنے
کر ان کے باپ کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ اے ابو جندل خدا تم کو ان کے شر سے
ے گا۔ تم پریشان مت ہو اسکے بعد پھر ابو بصیر مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہونچے آنحضرت
ے اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی برتبہ معاہدہ کے واپس کیا اثنائے راہ میں انھوں نے
ں کافر کو جو ان کے لینے کے لئے آیا تھا قتل کر دیا اور پھر مدینہ منورہ آئے آپنے پھر انکو
ں کیا۔ ابو بصیر مدینہ منورہ سے تو چل دیئے لیکن مکہ نہ گئے بلکہ ساحل دریا کی طرف
ں نامی ایک مقام میں قیام کر لیا اور مکہ معظمہ میں جو لوگ ابو جندل کی طرح مسلمان
لئے ان سب کو اپنے پاس بلا لیا ستر آدمیوں کی جماعت ان کے پاس جمع ہو گئی یہ مقام

تجارتی قافلوں کا گذرگاہ تھا اب ان لوگوں نے یہ کام شروع کیا کہ کفار قریش کا جو قافلہ ادھر سے گزرتا اس کو لوٹ لیتے کئی قافلے اس طرح تباہ و برباد ہوئے لوگ بھی قتل کئے گئے اور مال بھی لٹ آخر میں مجبور ہوکر خود کفار قریش نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یہ شرط صلحنامہ سے نکالدی جائے اور آپ اُن لوگوں کو اپنے پاس بلا لیجئے چنانچہ آپ نے حضرت ابوبصیر کے نام خط بھیجا کہ تم لوگ مع اپنی جماعت کے میرے پاس چلے آؤ لیکن یہ خط ایسے وقت پہونچا کہ حضرت ابوبصیر حالت نزع میں تھے نامۂ مبارک کا مضمون انھوں نے سنا اور آنکھوں سے لگایا اور دنیا سے رخصت ہو گئے مسلمانوں نے وہیں ان کی تجہیز و تکفین کی اور اس کے بعد سب لوگ مدینہ منورہ چلے گئے۔

یہ درخت جس کے نیچے بیعۃ الرضوان ہوئی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک موجود تھا لوگ وہاں جمع ہوتے تھے اور نماز پڑھتے تھے یہ خبر حضرت فاروق اعظم کو ملی تو آپ نے حکم دیا کہ وہ درخت کاٹ دیا جائے (فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ہفتم ص ۳۴۵)

حدیبیہ کا واقعہ باختصار بیان ہو چکا اور آیت رضوان کی تفسیر بھی ہو چکی۔ حق تعالے قبول فرمائے اور ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی نبی الامین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ: بے تحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے
اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو

تفسیر آیت معیّت

جس میں

سورۂ فتح کی آیتِ معیّت یعنی آیۂ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ سے حضرات خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کا خلیفہ برحق اور محبوب پروردگار ہونا اور ان کی خلافتوں کا قرآن کریم کی موعودہ خلافت ہونا ثابت کر کے منکرین پر حجت قائم کی گئی ہے

فللہ الحجۃ البالغۃ

از علامہ امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی قدس سرہٗ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
مکان نمبر ۳۔ روڈ نمبر ۲۔ سب بلاک اے، بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدوسیہ
ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔ فون نمبر : ۶۶۰۱۴۴۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

امابعد. اس سے پہلے تفسیر آیات خلافت کے سلسلہ میں دس آیتوں کی تفسیر النجم میں شائع ہو چکی ہے آیۂ تطہیر، آیۂ استخلاف، آیۂ مودۃ القربیٰ، آیۂ تمکین، آیۂ قتال مرتدین، آیۂ ولایت، آیۂ مباہلہ، آیت میراث ارض، آیۂ دعوت اعراب، تفسیر آیۂ اولی الامر اور آج یہ گیارہویں آیت کی تفسیر ہے۔ جو بعونہ تعالیٰ شروع کی جاتی ہے۔ (ذلک من فضل اللہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لایشکرون۔

گیارہویں آیت آیت معیت سورہ فتح چھبیسواں پارہ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ۝

ترجمہ۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ہمراہ ہیں کافروں پر سخت ہیں اور اپنے آپس میں مہربان ہیں۔ دیکھتا ہے تو ان کو رکوع کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہوئے، چاہتے ہیں وہ بخشش اللہ کی طرف سے اور اس کی خوشنودی. نشانی (ان کے مقبول ہونے کی) ان کے چہروں میں نمودار ہے سجدہ

کے اثر سے یہ ان کی مثال ہے توریت میں اور ان کی مثال انجیل میں یہ ہے کہ وہ مثل اس کھیتی کے ہیں جس نے اپنا انکھوا نکالا پھر ان کو مضبوط کیا پھر وہ موٹا ہوا اور اپنی ڈنڈی کے بل کھڑا ہو گیا خوش کرتا ہے کسانوں کو (یہ مثال بیان کی) تاکہ غصہ دلائے بسبب ان کے کافروں کو۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیے بخشش اور بڑے ثواب کا۔

توضیح

یہ آیت قرآن مجید کی اس صفائی و صراحت کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب بیان کر رہی ہے جس کا قرآن مجید پر ایمان ہو جو قرآن مجید کو کلام خدا جانتا ہو اس کو صحابہ کرام کے عظمت و فضیلت میں ذرا برابر شک نہیں ہو سکتا اور یقیناً اس آیت کے سننے کے بعد ان کے تقدس کا انکار کرنے کو وہ بدترین کفر سمجھے گا۔

اگر یوں اعتبار نہ ہو تو کسی ایسے غیر مسلم کو جو شیعوں کے وجود اور ان کے اختلافات سے واقف نہ ہو اس آیت کا ترجمہ سنا دو پھر اس سے کہو کہ کلمہ گویان اسلام میں ایک فرقہ ایسا ہے جو پیغمبر اسلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا منکر ہے بلکہ ان کو بدترین خلق جانتا ہے پھر دیکھو کہ وہ غیر مسلم کس قدر متحیر ہوتا ہے۔ یقیناً وہ کبھی اس کو باور نہ کرے گا وہ صاف کہہ دے گا کہ قرآن مجید پر مسلمانوں کے دین و ایمان کی بنیاد ہے۔ میں اس کو نہیں مان سکتا کہ جو بات قرآن مجید میں اس قدر صاف بیان کی گئی ہو۔ اس کے خلاف کسی مسلمان کا عقیدہ ہو سکتا ہے۔

یہ آیت اسی سورۂ فتح کی آخری آیت ہے جس کی ایک آیت (دعوت اعراب) کی تفسیر پہلے ہو چکی ہے اس میں مفصل بیان کر چکا ہوں کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی، صلح حدیبیہ کی مغلوبانہ صلح سے چونکہ صحابہ کرام کے دل بے چین ہو گئے تھے لہذا اس پوری سورت میں شروع سے آخر تک عجب عجب طریقے سے ان کی دلداری اور دلدہی

کی گئی ہے۔ کہیں ان کے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں، کہیں ان کو فتح و نصرت کے وعدے دیئے گئے۔ ان کے دشمنوں کو ان کے ہاتھوں سے ذلیل کرنے کی خوشخبری سنائی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ ان بدؤں کو تہدید و تنبیہہ بھی کی گئی جو سفر حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب نہ گئے تھے۔

آیت دعوات اعراب کی تفسیر میں جو تفصیل اس مضمون کی بیان کی گئی ہے اور جو آیتیں اس سورت کی فضائل صحابہ کے متعلق نقل کی گئی ہیں ان کو اس موقع پر پھر دوبارہ ذکر کرنا بے ضرورت ہے۔ لیکن ناظرین کو چاہیئے کہ پہلے اس کو دیکھ لیں، اس کے بعد تفسیر ہذا کا مطالعہ کریں۔

تفسیر

اس آیت میں حق تعالیٰ نے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لے کر آپ کی صفت رسالت کو بیان فرمایا اس کے بعد آپ کے صحابہ کرامؓ کے فضائل بیان فرمائے۔ شان نزول سے جو اوپر مذکور رہے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ فضائل ان صحابہ کرامؓ کے ہیں جو سفر حدیبیہ میں آپ کے ہمراہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں اختصار سے کام لیا گیا اور صحابہ کرام کے فضائل میں خوب طول دیا گیا، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ لفظ رسول اللہ اگرچہ مختصر ہے مگر تمام فضائل و کمالات کے دریا اس کوزہ میں بند ہیں کوئی تطویل بھی اس اختصار کو نہیں پا سکتی اور یا یہ وجہ ہے کہ اس امر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ جس استاد کے شاگردوں کے یہ فضائل ہیں بھلا اس استاد کے فضائل کی تفصیل تم کیا سمجھ سکتے ہو۔

یا یوں سمجھو کہ اصل مقصود تو صحابہ کرامؓ کی تعریف ہے۔ مگر مقتدیوں کی تعریف سے پہلے ان کے امام کی تعریف کر دی گئی ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ ان مقتدیوں کے کمالات اس امام کے طفیل میں ہیں۔

ایک لطف اس آیت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے

کی بڑی بھاری زبردست دلیل عجیب حسن بیان کے ساتھ بیان فرمائی۔ گویا محمد رسول اللہ ایک دعوے اور اَلَّذِیْنَ مَعَہٗ سے لے کر اخیر تک اس دعویٰ کی دلیل ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر قرآن مجید میں چار قسم کے دلائل ذکر فرماتے ہیں۔ اگلی پیشین گوئیاں، آپ کے معجزات، آپ کی پاکیزہ تعلیمات، آپ کے شاگردوں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کمالات۔ اس آیت میں یہی چوتھی قسم کی دلیل بیان ہو رہی ہے۔

درحقیقت ایک پیغمبر کے اصحاب کا با کمال ہونا بڑی زبردست دلیل اس پیغمبر کی پیغمبری کی ہے۔ ہر خاص و عام اس دلیل سے یکساں نتیجہ نکال سکتا ہے۔ عامی سے عامی شخص کسی استاد کو کسی علم و فن کی کتابیں پڑھاتے ہوئے کسی امر کی تعلیم دیتے ہوئے دیکھے اور جو لوگ اس کے زیر تعلیم ہوں ان میں کمال محسوس کرے تو اس کو بلا تردد یقین ہو جاتا ہے کہ یہ استاد اپنے فن میں کامل ہے۔

یا پیغمبر کو ایک روحانی طبیب سمجھو، ایک گنوار سے گنوار شخص بھی کسی کو مریضوں کا علاج کرتے ہوئے دیکھ کر جتنے مریض اس کے زیر علاج آئے سب شفا پا گئے یقین کر لیتا ہے کہ بلاشک یہ علاج کرنے والا طبیب حاذق اور اپنے فن کا بڑا کمال اور دست رس رکھتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل اس آیت میں دونوں قسم کے بیان فرمائے ان کے معاملات جو اپنے بنی نوع کے ساتھ ہیں پھر وہ معاملات جو خدا کے ساتھ ہیں۔ پہلے قسم کے معاملات میں فرمایا کہ کافروں پر سخت ہیں اور ایمان والوں پر مہربان ہیں۔ بظاہر دو جزئی فضیلیں معلوم ہوتی ہیں اور ان میں بھی کچھ زیادہ اہمیت نظر نہیں آتی لیکن غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ جزئی فضیلت نہیں ہے۔ بہت بڑی بات ہے جو بیان فرمائی گئی انسان میں دو قوتیں ہیں ایک قوت غضبیہ دوسری قوت شہوانیہ، جتنے حرکات و سکنات انسان سے صادر ہوتے ہیں وہ انہیں دو قوتوں میں سے کسی قوت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اس آیت میں یہ بتلایا گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ دونوں قوتیں شریعت کے قبضہ میں ہیں۔ خدا کا حکم ہے کہ قوت غضبیہ سے کافروں کے مقابلہ میں کام لیا جائے۔ یہ حضرات [illegible] کرتے ہیں کافروں پر سخت ہیں اور خدا کا حکم ہے کہ قوت شہوانیہ ایمان والوں کے لیے کام [illegible]

یہ حضرات ایسا ہی کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب کسی انسان کی دونوں قوتیں شریعت کی محکوم ہوگئی ہوں اس سے پھر خلاف شریعت کسی کام کا صادر ہونا مشکل ہے۔

بتقریر دیگر یوں سمجھو کہ دو چیزیں ہیں غصہ اور محبت جو کم کسی انسان کے قبضہ میں آتی ہیں، بلکہ بڑے سے بڑا طاقت ور انسان ان دونوں سے ایسا مغلوب ہوجاتا ہے کہ ہر امر ناکردنی کر گزرتا ہے۔ غصہ کی تعریف میں سعدی کہتے ہیں ؎

ندیدم چنیں دیو زیر فلک کہ از وے گریزند چندیں ملک

اور محبت کی طاقت و فرماں روائی کو تمام دنیا جانتی ہے۔ بہت بڑی بات ہے کہ کوئی شخص ان دونوں چیزوں پر قابو پا جائے۔ اپنے باپ یا اپنے پیارے بیٹے کے قاتل کو پائے اور اس پر غصہ نہ کرے اس لیئے کہ یہ اب مسلمان ہو گیا ہے، اپنے بھائی یا بیٹے سے نفرت و شدت کا برتاؤ کرے محض اس لیئے کہ وہ کافر ہیں۔ اور اگر کوئی انسان ان دونوں چیزوں پر حاوی ہو جائے، غصہ اور محبت کی حالت میں بھی اس سے خلاف شریعت فعل صادر نہ ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ دوسری حالتوں میں بدرجہ اولیٰ پیروی شریعت کرے گا۔

ان دونوں صفتوں کی تخصیص اس لیے بھی فرمائی کہ ان کے استحقاق خلافت کا بھی اظہار ہو جائے۔ خلافت کا بڑا مقصد اقامت جہاد ہے اور جہاد کا انتظام اور اس کی کامیابی انہیں دو صفتوں پر موقوف ہے کہ دشمنوں کو مرعوب و مقہور کرے اور اپنوں کے دلوں میں اپنی محبت و الفت کو قائم کرے۔

دوسرے قسم کے معاملات جو خدا کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں جن کو اصطلاح شریعت میں عبادات کہتے ہیں، ان میں جو سب سے بڑی چیز ہے اس کو منتخب فرمایا یعنی ان کی نماز کی کثرت اور اس عبادت میں اس کی مشغولیت بیان فرمائی کہ جب یہ عبادت ان کی ایسی پسندیدہ ہے تو دوسری عبادات ان کی بدرجہ اولیٰ کامل و مکمل ہوں گی۔ نماز کے اجزا میں دو رکن اعظم یعنی رکوع و سجود کو ان کے تذکرہ میں مخصوص فرمایا کہ جس کا رکوع و سجود عمدہ ہو گا۔ اس کے باقی ارکان کو کیا پوچھنا۔

ذرا دیکھو تو یہ قسمت کس بندے کی ہو سکتی ہے کہ مالک اس کے رکوع و سجود کو پسند فرمائے اور پسند بھی اس درجہ کہ اپنی کتاب پاک میں اس کا ذکر فرمائے جو رات دن تلاوت کی جائے اور تمام کائنات میں اس کا اعلان ہوتا رہے کہ کچھ بندے خدا کے اس زمین پر ایسے بھی تھے جن کی عبادت مالک کو اس قدر پسند تھی۔ اب یہ دولت کس کو نصیب ہو سکتی ہے۔ اے اصحاب نبی یہ خداداد انعام آپ کو مبارک ہو۔ طُوْبٰی لَکُمْ ثُمَّ طُوْبٰی لَکُمْ۔

دونوں قسم کے فضائل جو کہ اعمال سے تعلق رکھتے ہیں بیان فرما کر ان کے خلوص نیت کی بھی گواہی دی ہے۔ کیونکہ کوئی عبادت کیسی ہی اعلیٰ سے اعلیٰ کیوں نہ ہو بغیر خلوص نیت کے بے کار ہے لہٰذا فرمایا کہ ان کی نیت سوا ہماری بخشش اور خوشنودی حاصل کرنے کے کچھ نہیں ہے۔

اب بیان فضائل کا تو کامل ہو چکا کوئی بات اب باقی نہیں ہے لیکن طرز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے محاسن اور کمالات کے بیان کرنے سے حضرت متکلم جل شانہ کو کسی طرح سیری نہیں ہوتی۔ لہٰذا ارشاد ہوتا ہے کہ ان کے محبوب الٰہی اور مقرب بارگاہ ایزدی ہونے کی علامت ان کے چہروں میں نمودار ہے گویا فرمایا گیا کہ صورت ببیں حالت مپرس۔

مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر موضح القرآن میں اس آیت کے تحت میں لکھتے ہیں کہ "جب کوئی صحابی کسی مجمع میں بیٹھتے دور سے پہچان لئے جاتے اپنے چہرہ کے نور سے۔"

پھر ایک نفیس بات یہ ہے کہ ان کے چہروں کے نورانی ہونے کا سبب ان کی صحابیت یا ہجرت یا قتال فی سبیل اللہ یا کسی اور فضیلت کو قرار نہ دیا گیا، بلکہ ان کے مخلصانہ سجدہ کو اس کا نورانی منشا قرار دیا۔ ان کی پیشانی میں دروازہ نور کا کھول دیا کہ آج بھی جس کا جی چاہے اپنے چہرہ کو نورانی بنا لے۔ مگر جیسا سجدہ ہو ویسا ہی نور چہرہ میں پیدا ہوگا۔ نہ صحابہ کرامؓ کا جیسا مخلصانہ سجدہ اب کسی کو نصیب ہو سکتا ہے نہ وہ نور

مل سکتا ہے جیسی دوا ہوگی ویسا اثر ہوگا۔

یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ سجدہ سے یا خدا کے ذکر اور عبادت سے جو نور پیدا ہوتا ہے وہ باطن میں ہوتا ہے اس کو چہرہ سے کیا تعلق جواب اس کا یہ ہے کہ بیشک یہ بات سچ ہے، نور عبادت کا تعلق باطن ہی سے ہے، مگر انتہائی حالت میں جبکہ باطن انوارِ عبادت سے لبریز ہو چکتا ہے تو پھر کچھ حصہ ان انوار کا موجزن ہو کر ظاہر پر بھی آجاتا ہے۔ جب کوئی خدا کا مخلص بندہ اس رتبہ پر پہنچتا ہے تو اس کو اپنے حق میں یہ کہنا زیبا ہے کہ ؎ ظاہر و باطن ہمہ نذر و نیاز عشق شد

اس کے بعد آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے ان برگزیدہ بندوں کے فضائل توریت وانجیل میں بیان کیے ہیں مقصود یہ ہے کہ یہ لوگ آج سے ہمارے محبوب نہیں ہوئے بلکہ روز ازل سے ہمارے منظور نظر ہیں ہم ان کے دنیا میں آنے سے صدیوں پہلے توریت وانجیل میں ان کا تذکرہ کر چکے ہیں ؎

کس شکر گزاردچوں ایں دولت سرمد را
درد ت زازل آمد تا عمر آید باید

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (روز ازل میں) تمام بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی تو سب سے اچھا پایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو لہٰذا ان کو چن لیا اور اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا پھر دوبارہ خدا نے بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی تو سب دلوں سے بہتر آپ کے اصحابؓ کے دلوں کو پایا۔ لہٰذا ان کو اپنے نبی کا وزیر بنایا تاکہ وہ آپ کے دین کی طرف سے قتال کریں۔ (ازالۃ الخفاء)

ان سب باتوں کے بعد صحابہ کرامؓ کے بتدریج ترقی کرنے کو کھیتی سے تشبیہ دی کھیتی کی چار حالتیں بیان فرمائیں پہلی حالت دانہ سے اکھوے کا نکلنا۔ یہ حالت آغاز وجود کی ہے اور نہایت کمزوری کی حالت ہے۔ یہی حالت صحابہ کرام قبل ہجرت تھی۔ دوسری حالت اس اکھوے کا مضبوط ہونا جس سے امید پیدا ہو کہ اکھوا ضائع نہ ہوگا بلکہ درخت بنے گا۔ یہ حالت بعد ہجرت پیدا ہوئی؛ ہجرت کرنے سے ظالموں کے ظلم

سے رہائی ملی اور آئندہ امیدوں کے اسباب پیدا ہوئے۔ تیسری حالت اس درخت کا موٹا ہونا۔ یہ حالت شیخین کی خلافت میں حاصل ہوئی کہ کسریٰ اور قیصر کی سلطنت اور بڑے بڑے ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ چوتھی حالت اس درخت کا اپنی ڈنڈی پر کھڑے ہونا۔ یہ انتہائی کمال کی حالت ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حاصل ہوئے کہ اطراف وجوانب کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر بھی اسلام کا قبضہ ہو گیا اور ہر جگہ باقاعدہ معلم اور قاضی مقرر ہو گئے۔ مساجد بھی حسب ضرورت بن گئیں۔ غرضیکہ کوئی حالت منتظرہ کمال کی باقی نہ رہ گئی۔

کھیتی کی مثال بیان فرمانے سے دو باتیں ظاہر ہوئیں۔ **اول** یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ترقی بتدریج ہو گی۔ **دوم** یہ کہ یہ ترقی منتہائے کمال تک پہنچنے کے بغیر نہ رکے گی۔ اس مثال کے بعد فرمایا کہ کسان اپنی کھیتی کو اس طرح ترقی کرتا ہوا دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اس کھیتی (یعنی اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کا کسان حق تعالیٰ ہے اور ہو سکتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوں۔ پھر فرمایا کہ کفار کو غیظ وغصہ دلانا مقصود ہے کیونکہ اس مثال کو سن کر وہ سمجھ لیں گے کہ اہل اسلام کی ترقی کوئی معمولی ترقی نہ ہو گی بلکہ وہ ترقی ہو گی جو ترقی کا آخری درجہ ہے۔

یہ ترقی چونکہ دنیاوی ترقی تھی، اس لیے ضروری ہوا کہ ان کے اخروی انعامات بھی بیان فرما دیئے جائیں۔ لہٰذا ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان سے دو چیزوں کا وعدہ کیا ہے **اول** مغفرت کا یعنی اگر ان سے کوئی خطا سرزد ہو جائے گی تو وعدہ ہے کہ ہم اس کو بخش دیں گے۔ **دوم** اجر عظیم کا کہ آخرت میں بڑے بلند مراتب عطا کریں گے۔ گناہ معاف نیکیاں قبول۔ یہ وعدہ قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں صحابہ کرامؓ سے کیا گیا ہے، مہاجرین وانصار دونوں مخاطب بنائے گئے ہیں اور کہیں صرف مہاجرین۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (سورۂ آل عمران)

ترجمہ۔ ضرور ضرور معاف کروں گا میں ان سے خطائیں ان کی اور ضرور ضرور داخل کروں گا میں ان کو باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

شرح الفاظ

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اس لفظ کے معنی تو بالکل ظاہر ہیں۔ صرف یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ معیت کی حقیقی معنی ہیں دو شخصوں یا کئی اشخاص کا ایک جگہ میں ہونا، لہٰذا ضروری ہے کہ اس آیت میں کوئی جگہ مراد لی جائے کہ اس جگہ میں یہ لوگ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ اب خواہ بوجہ شان نزول کے یا بقرینہ سباق مقام حُدَیبیہ کی ہمراہی مراد لی جائے اور خواہ عام رکھا جائے کوئی تخصیص حدیبیہ کی نہ جائے۔ بعض شیعوں کا یہ کہنا کہ یہاں معیت سے مراد معیت دینی ہے۔ یعنی جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دین میں متفق ہوں تاکہ اس آیت کا مصداق حضرت امام مہدی کو قرار دیں بالکل لغو ہے۔ یہ معنی معیت کے مجازی ہیں اور جب تک حقیقی معنی ممکن ہوں مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں کھیتی کی مثال بھی اس قول کو رد کرتی ہے جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

بعض مفسرین نے وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ کی تفسیر میں حضرت ابوبکرؓ کو اور اَشِدَّآءُ کی تفسیر میں حضرت عمرؓ کو اور رُحَمَآءُ کی تفسیر میں حضرت عثمانؓ کو اور رُکَّعًا سے حضرت علیؓ کو یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا کی تفسیر میں حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو ذکر کیا ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ الفاظ انہیں حضرات کے ساتھ مخصوص ہیں اور ایک ایک لفظ سے ایک ایک بزرگ مراد ہیں بلکہ اس قسم کی تفسیریں محض بطور مثال کے ہوتی ہیں جس میں جو صفت غالب دیکھی اس صفت کے تحت میں اس بزرگ کا تذکرہ کر دیا۔

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ مراد اس سے یہ نہیں ہے کہ کافروں پر ظلم کرتے ہیں بلکہ شدت سے مراد یہ ہے کہ ان کو مرعوب و مقہور رکھتے ہیں یا بقرینہ مقام کفار سے حربی کافر مراد ہیں۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ بعض مفسرین نے تورات پر وقف کیا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اوپر والا مضمون توریت میں ہے اور کھیتی والی مثال انجیل میں ہے۔ آج بائبل کے موجودہ نسخے اسی کی تائید کرتے ہیں اور بعض مفسرین نے انجیل پر وقف کیا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ کھیتی والی مثال توریت و انجیل دونوں میں ہے۔

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ ۔ یہ ضمیر مِنْهُمْ کی اَلَّذِیْنَ مَعَهٗ کی طرف نہیں پھر سکتی ورنہ معاذ اللہ کلام میں تعارض ہو جائے گا۔ کیوں کہ اَلَّذِیْنَ مَعَهٗ کے جو اوصاف اوپر بیان فرمائے ہیں وہ بتا رہے ہیں کہ وہ سب کے سب مومن صالح تھے۔ یہ غیر ممکن ہے کہ ان میں کچھ لوگ صالح ہوں کچھ غیر صالح، بلکہ یہ ضمیر اس جماعت کی طرف پھر رہی ہے جس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو بعد میں داخل اسلام ہوئے۔ کھیتی کی مثال سے اسلام کی ترقی اور نئے لوگوں کا اسلام میں داخل ہونا مفہوم ہو رہا ہے۔

استدلال

اس آیت سے ہمارا استدلال خلافت پر دو طرح سے ہے۔

استدلال اوّل۔ ان اوصاف سے جو اس آیت میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جن کے یہ اوصاف ہوں وہ ظالم و غاصب نہیں ہو سکتے۔ ان کی خلافت ضرور خلافتِ حقہ ہوگی، جن کو خدا فرمائے کہ وہ آپس میں مہربان تھے نا ممکن ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کا حق غصب کریں۔ خلافت کا مستحق کوئی ہو اور خلیفہ بن بیٹھے کوئی۔ اب رہا یہ کہ کیوں کر معلوم ہو کہ یہ اوصاف حضرات خلفائے ثلاثہ کو بھی شامل ہیں اس کے لیئے صرف اسی قدر کافی ہے کہ تینوں خلیفہ کا سفر حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہونا اور اس معرکہ میں اوّل سے آخر تک شریک رہنا قطعی اور یقینی ہے، مخالف موافق سب کو بلا اختلاف تسلیم ہے۔

اس استدلال سے نہایت سہولت کے ساتھ تینوں خلافتوں کا حق ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن ان کی خلافت کا خلافت موعودہ ہونا اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت بھی اس آیت سے ثابت ہوتی ہے۔

استدلال دوم کھیتی کی مثال سے ہے اور اس استدلال سے نہ صرف حق ہونا خلافت کا بلکہ موعودہ ہونا اور نہ صرف مَوْعُوْدَۂ قرآن بلکہ موعودۂ توریت و انجیل ہونا بھی ثابت ہے۔ فَنِعْمَالَکَ مِنْ شَرَفٍ۔

تقریر استدلال کے تین مقدمات پر موقوف ہے۔

پہلا مقدمہ یہ کہ کھیتی کی مثال سے تین باتیں سمجھی جاتی ہیں۔ (۱) اصحاب پیغمبر کی یا دین اسلام کی ترقی بتدریج ہو گی جس طرح کھیتی کی ترقی بتدریج ہوتی ہے۔ (۲) یہ ترقی انتہائے کمال کو پہنچے گی جس طرح کھیتی میں جب درخت کو استوار کی صفت حاصل ہوجاتی ہے تو نمو کامل ہوجاتا ہے اور اس کے بعد نمو نہیں ہوتا۔ (۳) یہ ترقیات عَلَی الْاِتِّصَال ہوں گی درمیان میں سکون یا تنزل کا زمانہ نہ ہو گا جس طرح کھیتی کی ترقی کی حالت ہوتی ہے۔

دوسرا مقدمہ یہ کہ ترقی کے یہ سب مدارج رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حاصل نہیں ہوئے۔ آپ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو اسلام نے جزیرۃ العرب سے باہر قدم نہ رکھا تھا کہ دو بڑی پُرشوکت سلطنتیں کفر کی قائم تھیں ایک ایران کی اور ایک روم کی۔ دنیا میں کفر کی قوت ایسی تھی کہ قرآن مجید کی اسی سورت میں اس کو اُولِیْ بَأْسٍ شَدِیْدٍ فرمایا۔ ہاں ترقی کا آغاز بے شک آپ کے عہد مبارک میں ہو چکا تھا۔ پس ضروری ہوا کہ ترقی کے باقی مدارج آپ کے زمانے کے بعد پورے ہوں اور اس طور پر پورے ہوں کہ ترقی کا سلسلہ رُکنے نہ پائے۔

تیسرا مقدمہ یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عَلَی الْاِتِّصَال یہ تین خلافتیں قائم ہوئیں اور تینوں میں اسلام و مسلمین کا غلبہ ترقی کرتا گیا۔ روم و ایران کی سلطنت مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔ کوئی طاقت کفر کی ایسی باقی نہ رہی جو اسلام کی شوکت کے سامنے سرنگوں نہ ہوئی ہو۔ اور تیسری خلافت کے اختتام پر وہ ترقی رک گئی۔

ان تینوں مقدمات سے جن میں پہلا مقدمہ تو آیت مَذْکُوْرَہ سے ثابت ہوتا ہے اور آخری دونوں مقدمات تاریخ کے واقعات مُسَلَّمَۃُ الْکُل سے ثابت ہوتے ہیں یہ نتیجہ صاف ظاہر ہو گیا کہ آیت اور اس کی پیشین گوئی جو کھیتی کے مثال کے ضمن میں ہے جبھی صادق ہوسکتی ہے ان تینوں خلافتوں کو خلافت حقہ مانا جائے اور ان کے زمانے میں جو ترقی اسلام کو ہوئی اس کو موعودہ ترقی تسلیم کیا جائے۔

اعتراضاتِ شیعہ

شیعوں نے جو اعتراضات اس استدلال پر کیے ہیں ان میں سے اکثر کا ماحصل یہ ہے کہ وہ اس آیت کی تکذیب کرنا چاہتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اہل حدیبیہ میں یہ اوصاف موجود تھے، یہ اوصاف موجود تھے جو آیت میں مذکور ہیں۔ ان میں باہم خونریز لڑائیاں ہوئیں، قتل و قتال کا بازار گرم ہوا پھر وہ کیوں کر رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کے مصداق کہے جا سکتے ہیں۔ حضرت علیؓ کی خلافت میں دو جنگیں جمل اور صفین کی پیش آئیں جن میں دونوں طرف صحابہ کرام خصوصًا اہل حدیبیہ موجود تھے۔

جواب اس کا اولاً یہ کہ اگر شیعوں کو قرآن مجید کی تکذیب منظور نہ تھی تو چاہیے تھا کہ اس آیت کا مصداق وہ خود بتاتے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں میں کسی اور جماعت کا نام لیتے جو ان اوصاف کی مصداق ہوتی اور پھر اس کو ترقی و غلبہ بھی حاصل ہوا ہوتا جو کھیتی کی مثال میں مذکور ہے۔ **ثانیاً** یہ کہ اہل حدیبیہ کے باہم لڑائی کے واقعات صحیح بھی ہوں تو ان میں اتنی طاقت کہاں کہ قرآن شریف کا مقابلہ کر سکیں۔ ایک سچے ایمان دار کو مشاہدات تو خود قرآن کریم سے ہٹا نہیں سکتے روایات کا ذکر کیا۔

ثالثاً یہ کہ اہل حدیبیہ کی باہم لڑائی کا صرف ایک ہی واقعہ ہے (جنگ جمل کا) جنگ صفین میں باہم اہل حدیبیہ کا مقابلہ نہ تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اہل حدیبیہ میں نہیں ہیں جنگ جمل کے متعلق تاریخی کتابوں میں دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑائی دھوکہ دھوکہ میں شروع ہوئی تھی لڑنے کا ارادہ طرفین میں سے کسی کا بھی نہ تھا، پھر اس اتفاقی لڑائی سے ان کی صحبتوں میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ حضرت علیؓ کا حضرت زبیرؓ کے قاتل ابن جرموز کو دوزخ کی بشارت سنانا اور یہ کہنا کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ اے علیؓ زبیرؓ کے قاتل کو دوزخ کی بشارت دینا۔ نیز حضرت علیؓ کا حضرت طلحہؓ کی لاش مبارک پر پہنچ کر یہ فرمانا کہ اے کاش میں آج سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا اور حضرت طلحہؓ کے ہاتھ کو

کو چومنا اور یہ فرمانا کہ یہ وہ ہاتھ ہے جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سے مصائب کو دفع کیا ہے۔ غرضکہ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ اس اتفاقی لڑائی نے ان کی باہمی محبتوں میں کوئی خلل نہیں ڈالا۔ سچ یہ ہے کہ ان دو لڑنے والوں میں جو محبت و الفت تھی آج دو حقیقی بھائیوں میں بھی نہیں مل سکتی۔ کیا سچ کہا ہے کہ ؎

جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا　　　خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا۔

شیعہ اس آیت میں بہت حیران ہیں کہ کیا کریں، ان کے مذہب کی ساری بنیاد اسی پر ہے کہ اہل حدیبیہ میں باہم بغض و عداوت ثابت ہو۔ حضرت علی اور حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم میں دشمنی اور سخت دشمنی تسلیم کی جائے لیکن یہ آیت اس بنیاد کو نیست و نابود کیے دیتی ہے۔ عجیب مذہب ہے جس کی بنیاد دوسروں کی عداوت پر ہے۔ عجب ملت ہے جس کی بھلائی دوسروں کی برائی پر موقوف ہے۔

آیت کی تفسیر ختم ہو چکی اب ہم چاہتے ہیں کہ حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت اس تفسیر کے متعلق ہدیۂ ناظرین کر دیں۔ ممدوح ازالۃ الخلفاء صـ۱۴۱ ج۱ میں فرماتے ہیں:۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ سُوْرَةِ الْفَتْحِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى

(چھٹی آیت) اللہ تعالیٰ نے (اسی) سورہ فتح (چھبیسویں پارہ) میں فرمایا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر خدا ہیں اور جو لوگ ان کے ہمراہ ہیں سخت ہیں کافروں پر مہربان ہیں باہم (اے دیکھنے والے) تو دیکھتا ہے ان کو رکوع کرنے والا اور سجدہ کرنے والا اور طلب کرتے ہیں بخشش کو خدا سے اور خوشنودی کو۔ علامت ان (کے نیک ہونے) کی ان کے چہروں میں (ظاہر) ہے سجدوں کے نشان سے یہ (جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے) ان کی (وہ) حالت ہے جو توریت

عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ
بِھِمُ الْکُفَّارَ۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ
مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا۝

میں دبیان ہوئی) اوران کی (وہ) حالت ہے (جو)
انجیل میں (بیان ہوئی) ہے (یہ لوگ) مثل اس کھیتی
کے ہیں جس نے نکالا اپنا انکھوا پھر اس کو قوی کیا اس
نے پھر وہ فربہ ہوگیا پھر کھڑا ہوگیا اپنی ڈنڈی پر کاشت
کاروں کو خوش کرتا ہے (غلبۂ اسلام کی حالت) کا
انجام یہ ہے کہ غصہ میں لائے خدا بسبب ان کے کافرول
کو وعدہ فرمایا ہے خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ایمان
لائے اور انہوں نے نیک کام کیئے امتِ محمدیہ سے
بخشش کا۔

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر خدا است
و آنکہ ہمراہ اویند سخت اند بر کافران ،
مہربان اند درمیان خود ہا، می بینی اے
بنیدا ایشاں را رکوع کنندہ و سجدہ نمائندہ
می طلبند بخشائش از خدا و خوشنودی را ،
علامت صلاح ایشاں در رو ہائے
ایشاں ست از اثر سجدہ، آنچہ مذکور
می شود داستان ایشاں ست در توریت
و داستان ایشاں ست در انجیل، ایشاں
مانند زراعتی ہستند کہ بر آوردہ است
گیاہ سبز خود را پس قوت داد آں را
پس سطبر شد پس بایستاد بر ساقہا ئے
خود بہ شگفت می آرد، زراعت کنندگان
را، عاقبت حال غلبۂ اسلام آنست کہ

یہ کلام خاص انہیں مخلصوں کی بزرگی ظاہر کرنے
کے لیئے ہے جو سفر حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے ہمراہ تھے اور ان کے تمام فرقوں پر غالب
آجانے کی بشارت بھی ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔
جب اس گروہ کی تعریف کی جاتی ہے تو اس گروہ کے
سردار کا ذکر بھی ضروری ہے لہٰذا ابتدا آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے کی گئی) اور آپ کی تعریف
میں صرف ایک کلمہ رسول اللہ پر قناعت کی گئی جس
سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ کوئی فضیلت ایسی نہیں
ہے جو (لفظ) رسول اللہ کے ضمن میں نہ آگئی ہو (مثل
ہے کہ) جتنے شکار ہیں سب گورخر کے پیٹ میں
ہیں (یعنی گورخر کے مقابلہ میں حقیر ہیں اسی طرح وصف
رسالت کے مقابلہ میں باقی اوصاف کی حالت)۔
وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ مراد اس سے وہی لوگ ہیں جو سفر

بخشم آرد خدائے تعالیٰ بسبب ایشاں
کافراں را، وعدہ دادہ است خدائے
تعالیٰ آناں راکہ ایمان آوردہ اند وکارہائے
شائستہ کردند ازیں امت آمرزش
بزرگ، سُوق کلام برائے تشریف آں
مخلصاں است کہ در سفر حدیبیہ ہمراہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بودند و بشارت
بغلبۂ ایشاں بر جمیع امم قولہ تعالیٰ
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ چوں سخن در
ستائش ایں قوم افتاد لازم شد اولاً
ذکر امام ایشاں و در ستودن پیغامبر صلی
اللہ علیہ وسلم بہمیں کلمہ اکتفا کردہ شد کہ
محمد رسول اللہ یعنی کدام فضیلت ست
کہ در ضمن رسول اللہ نیامدہ وَکُلُّ
الصَّیْدِ فِیْ جَوْفِ الْفَرَا قولہ وَ
الَّذِیْنَ مَعَہٗ مراد ازیں جماعت آناند
کہ در سفر حدیبیہ ہمراہ آنجناب بودند
صلی اللہ علیہ وسلم زیرا کہ سُوق کلام برائے
تشریف ایں جماعت است و حقیقت
معیت معیت در جائے است یا
در سفرے و معیت دینیہ مثلاً مجازست
لَا یُلْتَفَتُ اِلَیْہِ مَادام للحقیقۃ مساغ
در حدیث مستفیض فضیلت اہل حدیبیہ

حدیبیہ میں آنجناب کے ہمراہ تھے کیونکہ (اول) تو اوپر سے
کلام انہیں لوگوں کی تعریف میں چلا آرہا ہے (دوسرے)
معیت کے معنی حقیقی کسی مقام میں ساتھ ہونے یا کسی
سفر میں ساتھ ہونے کے ہیں (اس کے علاوہ دوسرے
قسم کی معیت) مثلاً معیت دینیہ معنی مجازی ہیں اور
جب تک حقیقی معنی بن سکیں مجازی معنی مراد نہیں لیے
جاتے (تیسرے) حدیث مستفیض میں اہل حدیبیہ کی
فضیلت بھی وارد ہوئی ہے اَشِدَّآءُ (یہاں سے
ان لوگوں کے فضائل کا آغاز ہے) فضائل دو قسم
کے ہوتے ہیں (اول) اس معاملہ کا اچھا ہونا جو باہم
بنی نوع میں ہوتا ہے اور (دوسرے) اس معاملہ کا
اچھا ہونا جو اپنی تہذیب نفس کے لیے ہے خدائے
تعالیٰ نے دونوں قسم کے فضائل ان حضرات کے
لیے جمع کر دیئے ہیں (اَشِدَّآءُ اور رُحَمَآءُ میں
قسم اول کے فضائل کی طرف اشارہ ہے) یہ
اپنے ہم جنسوں سے اس طرح کا معاملہ کرتے ہیں
کہ اپنے غصہ کو بھی انہوں نے غضب الٰہی کا تابع
کر لیا ہے اور اپنی مہربانی اور نرمی کو بھی انہوں
نے رحمت الٰہی کا تابع کر دیا ہے جو اس کا مردود
ہے اس پر ان کا بھی غصہ رہتا ہے اور جو اس کا
مقبول ہے اس پر ان کی بھی مہربانی رہتی ہے۔ یہ
اخلاق الٰہی سے متصف ہونے کا اعلیٰ درجہ ہے
اور (تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا) سے قسم دوم

آمده قوله اَشِدَّآءُ فضائل مجموع اند در
دو نوع حسن معامله که درمیان ابنائے جنس
خود باشد وحسن معامله که در تهذیب نفس
خود بود خدائے تعالیٰ هر دو قسم را برائے
ایشاں جمع می فرمایند، درمیان ابنائے
جنس خود بایں وضع معامله میکنند که قوت
غضبیه را مقتدی بغضب الٰہی ساخته
اند ورحمت ورافت را موافق رحمتِ
الٰهیه گردانیده اند هر که مردودِ اوست
شدت غضب ایشاں بر وست وهر
که مقبول اوست رافت و رحمت
ایشاں برائے اوست وَهٰذَا كَمَالُ
التَّخَلُّقِ بِاَخْلَاقِ اللهِ تَعَالٰی وبرائے
تهذیب فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللهِ باکثار
صلوات مشغول اند که الصلوٰة معراج
المؤمنین يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا بیان کمال
اخلاص ایشاں است باطن ایشاں
موافق بظاهر ست سِيْمَاهُمْ فِیْ
وُجُوْهِهِمْ یعنی خشوع دنیایش
ایشاں در بارگاه الٰهی نه خطره ایست
که از یک طرف می آید وطرف دیگر
می رود بلکه ملکه ایست راسخه که عمرے
در تحصیل ایں صفت صرف کرده اند

کے فضائل کی طرف اشارہ ہے کہ) یہ اپنے اور خدا
کے درمیان میں جو معاملات ہیں ان کی درستی کے
لیئے نمازوں کی کثرت میں مشغول ہیں کہ نماز مومن
کی معراج ہے يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا ان کے کمال اخلاص
کا بیان ہے کہ ان کا ظاہر و باطن یکساں ہے سِيْمَاهُمْ
فِیْ وُجُوْهِهِمْ یعنی ان (اصحاب حدیبیہ) کا خشوع
اور خضوع بارگاہِ الٰہی میں ایسا نہیں ہے کہ عارضی
طور پر ایک وقت ہو جائے اور دوسرے وقت
باقی نہ رہے بلکہ وہ ایک مضبوط ملکہ ہے جس کے
حاصل کرنے میں انہوں نے عمریں خرچ کر دی ہیں۔
ان کے دلوں نے ان کی نمازوں سے حظ کامل
اٹھایا ہے اور ان کی مناجات کے رنگ نے
ان کے باطن کو ایسا گھیر لیا ہے کہ ان کے باطن کا کچھ
حصہ ان کے دل سے جوش زن ہو کر ان کے چہروں
پر آ گیا ہے اور ان کے باطن کا پرتو ان کے ظاہر
میں بھی آشکار ہے (مثل ہے) کہ ہر ظرف سے
وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ ذٰلِكَ
(اسم) اشارہ، وکلمہ گذرچکا جو اس کے بعد مذکور
ہے اس کا مُشَارٌ اِلَيْهِ ہے اسم اشارہ کا مشارٌ الیہ سے
پہلے آنا برابر رائج ہے حتیٰ کہ خود کلام پاک میں
ہے مثل قول حق تعالیٰ کے وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ
الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ
(یہاں بھی ذٰلِكَ کا مشار الیہ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ الخ

ودلہائے ایشاں از صلوات ایشاں حظ
وافر گرفتہ در رنگ مناجات محیط بواطن
ایشاں شدہ تا آنکہ بر چہرۂ ایشاں طفاحہ
از دل ایشاں جوشید و پرتوے از
انوار باطن ایشاں بظاہر افتادہ کہ کل
اناء یترشح بما فیہ قولہ تعالیٰ
ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ
فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ وَذٰلِكَ اینجا
اشارہ است بکلمۂ کزرع کقولہ
تعالیٰ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ
اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ
قولہ تعالیٰ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ
اینجا چہار کلمہ گفتہ شد اول دلالت
می کند ابتدائے امر آخر دلالت می
نماید بر کمال نمو تا کہ بعد از آں نموی
نیست کہ انتقال آنحضرت علیہ السلام
از حالے بحالے تدریجا بوقوع آمد
بوجہے کہ چہار مرتبہ ضبط آں عدد کثیر
می نماید لا محالہ مراد اینجا انتقالات کلیہ
ست کہ در چہار عدد محصور شود اینست
دلالت لفظ و چوں ما صدق ایں کلام
را تامل کنیم انتقالات کلیہ چہار عدد
می یابیم اول آنکہ حضرت محمد صلی اللہ

ہے جو بعد اس کے ہے کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ یہاں
چار باتیں بیان کی گئی ہیں سب سے پہلی بات (یعنی
کھیتوں کا انکھوا نکلنا) کام کے آغاز پر دلالت کرتی
ہے اور اخیر بات (یعنی درخت کا ڈنڈی پکڑا
ہوجانا) اس کام کی انتہائی ترقی پر دلالت کرتی ہے
جس کے بعد پھر کوئی زینہ ترقی کا باقی نہیں رہتا اور
اس میں شک نہیں کہ آنحضرت علیہ السلام کی ترقیاں
بتدریج اس قدر ہیں کہ صرف چار درجے ان کے
لیے کافی نہیں ہو سکتے لا محالہ یہاں بڑی بڑی
ترقیاں مراد ہیں اور بڑی ترقیوں کے چار درجے
نکلتے ہیں (جس طرح کھیتی کی ترقی کے بے شمار مدارج
ہیں پھر آن میں اس کو نئی ترقی حاصل ہوتی ہے مگر
بڑی بڑی ترقیاں اس کی یہی چار ہیں جو آیت
میں بیان ہوئیں) یہ تو الفاظ کے معنی تھے اب
جو ہم مصداق اس کلام کا تلاش کرتے ہیں تو بڑی
بڑی تبدیلیوں کے چار درجے پاتے ہیں۔ اول
حالت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مبعوث
ہوئے تمام اہل مکہ مشرک تھے اور اپنے باپ
دادا کی تحریفات پر قناعت کئے ہوئے تھے وہ
سب لوگ مخالفت اور ضرر رسانی پر آمادہ ہو
گئے اس وقت گویا اسلام نیا پیدا ہوا اور
اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ کا مرتبہ ظہور میں آیا (حضرت اس
کے ظاہر کرنے پر بھی قادر نہ تھے۔ دوسری

علیہ وسلم در مکہ مبعوث شدند و
اہل مکہ ہمہ مشرک بودند بتحریفات
آبائی خود مطمئن گشتہ بانکار و اصرار
برخاستند اینجا اسلام نو پیدا شد بر
اظہار آن قادر نبودند. دوم آنکہ
از دست مشرکین خلاص شدہ بمدینہ
ہجرت کردند جہاد اعداء اللہ مشغول
شدند بقتال قریش قصداً و بقتال
غیر ایشان تبعاً تا آنکہ فتح مکہ نمودند و
تمام حجاز در اطاعت آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم راست گشت اینجا
صورت بادشاہی ناحیۃ از نواحی زمین
پیدا شد در انتہائے ایں حال آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم از دار دنیا برفیق
اعلی انتقال فرمودند حرکت سوم آں
بود کہ شیخین یا دو بادشاہ ذو
شوکت کہ بر تمام عالم غالب بودند
کسری و قیصر قصد جہاد نمودند تا آنکہ
ہر دو دولت پامال شوکت اسلام
گشت و از آنہا نامے ونشانے
نماند حرکت چہارم خرد کاریہا کہ
ملوک نواحی را کہ در اصل باج دہ
کسری و قیصر بودند در حد ذات خود

وہ حالت تھی کہ مشرکوں کے ہاتھ سے رہائی پاکر آپ نے مدینہ
کی طرف ہجرت کی اور دشمنانِ خدا سے جہاد کرنے میں مشغول ہوئے قریش
سے قصداً اور غیر قریش سے تبعاً آپ نے جہاد
کیا یہاں تک کہ مکہ فتح کر لیا اور تمام حجاز آپ کی اطاعت
میں اچھی طرح آ گیا اس وقت ایک چھوٹی سی ریاست
کی صورت پیدا ہو گئی (اور فَآزَرَہٗ کا درجہ حاصل ہوا)
مگر اسی حالت کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے دنیا سے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرمایا. تیسری
حالت وہ تھی کہ شیخینؓ نے دو پر شوکت بادشاہوں سے
جو تمام دنیا پر غالب تھے یعنی کسریٰ و قیصر سے قصد جہاد
کیا یہاں تک کہ یہ دونوں سلطنتیں شوکت اسلام سے
پامال ہو گئیں اور ان کا نام ونشان باقی نہ رہا (اب
فَاسْتَغْلَظَ کا درجہ حاصل ہوا) چوتھی حالت وہ
تھی کہ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی فتح ہو گئیں اطراف وجوانب
کے بادشاہ جو در اصل کسریٰ و قیصر کے باج گزار تھے
اور اپنی جگہ پر خود انہوں نے قوت و شوکت حاصل
کر لی تھی درہم برہم کر دیئے گئے اور اسلام کا رواج
مفتوحہ شہروں میں پیدا ہو گیا اور ہر شہر میں مسجدیں بن
گئیں اور قاضی مقرر ہو گئے اور حدیث کے راوی
اور فقہ کے مفتی سکونت پذیر ہوئے (اور فَاسْتَوٰی
عَلٰی سُوْقِہٖ کا درجہ حاصل ہو گیا) پس جب ہم
نے اس مثال کو جو آیت میں مذکور ہے اسلام کے
ساتھ بڑی بڑی تبدیلیوں میں مطابق پایا تو معلوم ہوا

نیز قوتے شوکتے بہم رسانیدہ بودند
برانداختہ شود و رواج اسلام در بلاد مفتوحہ
پدید آید و در ہر شہرے مساجد بنا شوند و
قضات منصوب گردند و رواتِ حدیث
و مفتیان فقہ مسکن گیرند چوں خبر را با
مخبر عنہ در انتقالات کلیہ مطابقت یافتیم
معلوم شد کہ مطمح اشارات قرآن ہمیں
انتقالات بودہ است چوں ایں مقدمہ
واضح شد باید دانست کہ خلفاء از جملہ
وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ بودند بالقطع پس اَشِدَّآءُ
عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ وصف
ایشاں باشد و ایں یکے از لوازم خلافت
خاصہ است و مطمح اشارت فَاسْتَغْلَظَ
خلافت شیخین است و مرمٰی بصر در
فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ خُرد کارہا است
کہ در زمان حضرت عثمانؓ بوقوع آمدہ
و نیز آنچہ بعد ذہاب فرقہ مسلمین در وجود
اجتماع کلمہ ایشاں بقصد خلیفۂ وقت یا بغیر
قصد او بمجرد تدبیر الٰہی صورت گرفتہ
است اینجا معلوم شد فخامت شان
خلفاء در رسوخ قدم ایشاں در تائید
اسلام و آنکہ بدست ایشاں جہاد
اعداء اللہ و اعلائے کلمۃ اللہ بوجہے

گیا کہ قرآن کے اشارات انہیں تبدیلیوں کی طرف
تھے جب یہ بات واضح ہو گئی تو اب جاننا چاہیئے
کہ خلفاءؓ کا اَلَّذِیْنَ مَعَہٗ (یعنی ہمراہیان حدیبیہ)
سے ہونا قطعی ہے لہٰذا اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ اور
رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ بھی ان کا وصف ہوگا اور یہ بات
(یعنی کافروں پر سخت اور مومنوں پر نرم ہونا)
خلافت خاصہ کے لوازم سے ہے اور یہ بھی
واضح ہو گیا کہ) فَاسْتَغْلَظَ خلافت شیخینؓ کی
طرف اشارہ ہے اور فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ
کا اشارہ ان چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کی طرف ہے جو
حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں واقع ہوئیں نیز ان
فتوحات کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانوں کے
کسی مقام پر جانے اور ان کے باہمی اتفاق سے
حاصل ہوئیں بقصد خلیفۂ وقت یا بغیر قصد خلیفۂ وقت
محض فضل الٰہی ہے۔

اس آیت سے خلفاءؓ کی شان کی عظمت اور
تائید اسلام میں ان کا راسخ القدم ہونا بھی معلوم ہوا اور
یہ کہ ان کے ہاتھ سے دشمنان خدا پر جہاد اور
کلمۂ خدا کی بلندی اس طرح واقع ہوگی کہ جناب
پروردگار میں مقبول ہوگی اور عمدہ تعریف کی مستحق
قرار پائے گی یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ کا لفظ اللہ کی
کمال خوشنودی پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ
اسلام کی کھیتی کا کاشت کار وہی معبود برحق

واقع شد کہ مقبول جناب ربوبیت باشد و
موجب ثنائے جمیل گردد قولہ تعالیٰ یُعْجِبُ
الزُّرَّاعَ اشارہ بکمال رضاست زیرا کہ
در قصۂ مسلمین زارع حضرت الوہیت
است قولہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ ضمیر منہم راجع
ست بآنچہ از فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی
عَلٰی سُوْقِهٖ مفہوم گشت یعنی اسلام غالب
خواہد آمد و جمعی کثیر در اسلام داخل خواہند
شد وعدہ کردہ است خدائے مرجمعے را کہ
ازیں جماعہ ایمان آوردند و عمل صالح نمودند
اجر عظیم کہ نعیم مقیم ست۔

ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
مِنْهُمْ۔ مِنْهُمْ کی ضمیر (مجرور متصل) اس جماعت
کی طرف پھرتی ہے جو فَاٰزَرَهٗ اور فَاسْتَغْلَظَ
اور فَاسْتَوٰی سے سمجھی جاتی ہے۔ مطلب یہ
ہوا کہ اسلام جب غالب ہو جائے گا اور
بہت بڑی جماعت اسلام میں داخل ہو
جائے گی تو خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ
اس بڑی جماعت میں سے جو لوگ ایمان
اور عمل صالح کے ساتھ موصوف ہوں گے
ان کو بڑا اچھا بدلہ یعنی ہمیشگی کی نعمت
عنایت فرمائے گا۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

تحقیق یہ قرآن ایسے راستہ کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو

تفسیر

آیت استخلاف

جسمیں

سورۂ انبیا کی آیۂ کریمہ ولقد کتبنا فی الزبور (الآیہ) کی تفسیر کی گئی ہے اور بعونہ تعالیٰ روز روشن کی طرح ثابت کر دیا گیا ہے کہ حضرت خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت قرآن شریف کی اور کتب الٰہیہ سابقہ کی موعودہ خلافت تھی اور یہ کہ ان حضرات کی خلافت بہترین انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص فاضلہ کی کامل ترین مظہر ہے

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳۔ روڈ نمبر ۷۔ سب بلاک اے' بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدوسیہ

ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔ فون نمبر : ۶۶۰۱۴۴۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدًا و مصلیًا

اَمّا بعد حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے آٹھ آیتوں کی تفسیر اس سے پہلے شائع ہو چکی ہے اب آج نویں آیت کی تفسیر زیب رقم کیجاتی ہے۔

تفاسیر سابقہ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ آیات قرآنیہ میں حق تعالیٰ نے خلفائے راشدین کی خلافت کو بصیغۂ امر بیان نہیں فرمایا یعنی یوں نہیں فرمایا کہ فلاں فلاں اشخاص کو تم لوگ خلیفہ بنا بلکہ انکی خلافت کو بصورت خبر بطور پیشین گوئی کے بیان فرمایا ہے جو بصیغۂ امر اگر بیان ہوا ہوتا تو بندوں کو اختیار رہتا چاہتے تو اُن اشخاص کو خلیفہ بنا کر مستحق ثواب بنتے اور چاہتے تو ان کو خلیفہ نہ بناتے اور نافرمانی کر کے مستحق عذاب بنتے۔ لیکن پیشین گوئی کی صورت میں یہ خطرہ باقی نہ رہا اور معلوم ہوا کہ اُن حضرات کی خلافت تقدیر الٰہی میں مصمم ہو چکی ہے لہٰذا اسکا ظہور ضروری ولا بدی ہے۔

اس وقت جس آیت کی تفسیر لکھنا منظور ہے اُس آیت میں بھی ایک زبردست پیشین گوئی ہے جو شخص حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو خلیفہ برحق نہیں مانتا یا تو اسکو اس آیت کی تکذیب کرنی پڑیگی یا کلام الٰہی میں فریب دغا کا عیب ماننا پڑیگا۔ نعوذ باللہ منہ

نویں آیت

آیت میراث ارض۔ سورۂ انبیا۔ رکوع آخری۔ پارہ سترھواں

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ

اور تحقیق ہم لکھ چکے ہیں زبور میں بعد نصیحت کے

اِنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ ط

کہ زمین کے وارث ہونگے میرے نیک بندے۔

اس آیت کی تفسیر کرنے سے پہلے ایک بات کا سمجھ لینا مفید بصیرت معلوم ہوتا ہے
وہ یہ کہ قرآن مجید کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے افضل ترین خصوصیات میں سے ایک چیز یہ ہے کہ آپ پر ایمان لانیوالوں آپ کی پیروی
کرنیوالوں کو دونوں جہان کی اعلیٰ ترین نعمتوں کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

یہ خوشخبری قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں مذکور ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی اس خصوصیت کا غلغلہ قرون اولیٰ میں بھی بلند ہو چکا تھا اور اگلی آسمانی کتابوں میں بھی
اسکا تذکرہ تھا۔ سورہ اعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ بارگاہ الٰہی میں مناجات
کی کہ اکْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ یعنی اے پروردگار ہمارے لئے لکھدے
اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بتحقیق ہم راہ پا گئے ہیں تیری طرف یعنی تیرے دروازہ پر بھیک
مانگنے کیلئے آ گئے ہیں۔ بارگاہ الٰہی سے اس مناجات کا جواب جو کچھ ملا اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ انکی درخواست
منظور نہیں کی گئی اور انکو خبر دی گئی کہ یہ انعام یعنی دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی ایک دوسری امت
کیلئے میں لکھونگا جسکا ظہور آیندہ زمانہ میں ہونیوالا ہے اور اس امت کا بیان ان الفاظ میں کیا گیا کہ اَلَّذِيْنَ
يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ یعنی یہ وہ
لوگ ہیں جو پیروی کرینگے اس رسول نبی امی کی جسکو وہ لوگ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے پاس توریت انجیل میں۔ یہ
خصوصیت حضرت سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد آیات قرآنیہ میں بیان فرمائی گئی ہے اور احادیث میں
تو اسکا دفتر کا دفتر ہے جو سنی شیعہ دونوں کی کتب میں منقول ہے۔ اہلسنت کی کتابوں میں بخاری مسلم اور
دوسری کتب حدیث میں ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے قبل ہجرت مکہ میں خطبہ پڑھا اور اس
خطبہ میں آپنے فرمایا کہ والذی نفسی بیدہ لتنفقن کنوز کسریٰ وقیصر ثم لتنفقنہا فی
سبیل اللہ یعنی قسم ہے اُسکی جسکے قبضہ میں میری جان ہے کہ ضرور ضرور تم لوگ ایران و روم کے خزانے پر قبضہ
پاؤگے اور تم انکو راہ خدا میں صرف کر دوگے۔ اور کتب شیعہ میں حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۵ میں ہے۔

حق تعالیٰ امر فرمود آنحضرت را باظہار دعوت خود | حق تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو حکم فرمایا کہ اپنی دعوت ظاہر کریں

پس حضرت بمسجد آمد و بر حجر اسمٰعیل ایستاد و بصدائے بلند آواز داد کہ اے گروہ قریش و اے طوائف عرب شمارا میخوانم بسوی شہادت بوحدانیت خدا و ایمان آوردن بر پیغمبری من و امر میکنم شمارا کہ ترک کنید بت پرستی را و اجابت نمائید مرا در انچہ شمارا بآن میخوانم تا پادشاہان عرب گردید و گروہ عجم شمارا فرمانبرداران گردند و در بہشت پادشاہان باشید۔

پس آپ کعبہ میں گئے اور حجر اسمٰعیل پر کھڑے ہوکر آپنے باواز بلند پکارا کہ اے گروہ قریش اور اے قبائل عرب میں تمکو بلاتا ہوں خدا کی وحدانیت اور اپنی پیغمبری کی گواہی دینے کی طرف اور تمکو حکم دیتا ہوں کہ بت پرستی چھوڑ دو اور میری بات مانو اس چیز میں جسکی طرف میں تمکو بلاتا ہوں تاکہ تم عرب کے بادشاہ ہو جاؤ اور عجم کے لوگ تمہارے محکوم ہو جائیں اور بہشت میں بھی تم بادشاہ بنو۔

المختصر یہ مضمون حد تواتر کو پہونچگیا ہو کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی اطاعت کرنیوالوں کو دونو عالم کی اعلے سے اعلے نعمتوں کی خوشخبری سنائی گئی ہو آیات قرآنیہ میں بھی اور احادیث صحیحہ میں بھی۔

پس اب واضح ہو کہ اس آیت یعنی آیت میراث ارض میں حق تعالیٰ نے یہی خوشخبری رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرام کو سنائی ہو۔ سلسلۂ کلام کئی آیت اوپر سے شروع ہوا ہو۔ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی سے آیت مبحوثہ تک اُخروی نعمتوں کی بشارت ہو اور آیت مبحوثہ میں دنیا کی نعمت یعنی بادشاہت کی خوشخبری ہو اور وہ بھی اس عنوان سے کہ اس خوشخبری کو ہم اگلی کتابوں میں لکھ چکے ہیں۔ دونوں قسم کی نعمتوں کی خوشخبری سنا کر آیت مبحوثہ کے بعد فرمایا اِنَّ فِیْ هٰذَا الْبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ یعنی اس خوشخبری میں عبادت گزار لوگوں کیلئے بڑی کامیابی ہو اسکے بعد فرمایا کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمنے آپ کو تمام عالم کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہو۔ اس سلسلۂ بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونیکا مطلب خوب واضح ہوگیا کہ چونکہ آپنے اپنے متبعین کو دونوں جہان کے نعمتوں کی خوشخبری سنائی اسلئے آپ اس لقب کے مستحق ہوئے۔

اس تمہید کے بعد اب آیت کی تفسیر کیطرف توجہ کرنی چاہئے جسکو تین فصلوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

فصل اوّل میں آیت کے الفاظ کی شرح کیجائیگی۔

فصل دوم میں حقیت خلافت پر استدلال کیا جائیگا۔

فصل سوم میں کچھ روایتیں ذکر کیجائینگی جو اس آیت کی تفسیر سے تعلق رکھتی ہیں۔

فصل اوّل

زبور۔ لغت میں کتاب کو کہتے ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کا نام بھی ہے۔
یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔

ذکر۔ لغت میں بمعنی نصیحت ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب یعنی توریت مقدس کا لقب بھی ہے، یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ زبور سے اگر مطلق کتاب اور ذکر سے توریت مراد ہو تو معنے یہ ہونگے کہ "ہم توریت کے بعد سب صحیفوں میں لکھ چکے ہیں" اور اگر زبور سے خاص داؤد علیہ السلام کی کتاب اور ذکر سے نصیحت یا توریت مراد ہو تو معنی یہ ہونگے کہ زبور میں نصیحت کے مضامین کے بعد ہم لکھ چکے ہیں یا توریت کے بعد زبور میں بھی ہم لکھ چکے ہیں۔ بہر صورت مطلب یہ ہوا کہ ہم اگلی کتب مقدسہ میں یہ پیشین گوئی بیان فرما چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہونگے۔

الارض اس لفظ کے معنے زمین کے ہیں مگر الف لام جو اس پر ہے وہ بتلا رہا ہے کہ کوئی خاص زمین مراد ہے اور وہ زمین ملک شام کی ہے اور ہو سکتا ہے کہ ایران بھی اس میں شامل کیا جائے تحقیق اسکی انشاء اللہ تعالیٰ فصل دوم میں ہوگی۔

یرثھا۔ اصل میں میراث اسکو کہتے ہیں کہ اگلوں کا ترکہ پچھلوں کو بوجہ رشتۂ قرابت کے ملے چونکہ زمین موعود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مملوک تھی اور اہل عرب اُنکی اولاد میں تھے اسوجہ سے میراث کا اطلاق ہوا اور کبھی مطلق ملکیت کو بھی میراث کہدیتے ہیں۔

عبادی الصالحون لفظی معنی نیک بندے اور مراد اس سے صحابہ کرام ہیں اسلئے کہ انھیں کو خوشخبری سنانے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب خصائص سے ازالۃ الخفا میں منقول ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت ہے کہ اُنھوں نے فرمایا اللہ سبحانہ نے توریت اور زبور میں اپنے علم ازلی سے جو اسکو آسمان و زمین کی پیدائش سے بھی پہلے حاصل تھا فرمایا کہ امت محمدیہ کو سر زمین میں وارث بناؤنگا اور حضرت ابو الدرداء صحابی سے روایت ہے کہ انھوں نے اس آیت کو پڑھکر فرمایا کہ وہ نیک بندے ہمیں لوگ ہیں پھر سیوطی نے لکھا ہے کہ میں نے زبور کا ایک نسخہ دیکھا اسمیں ایک سو پچاس

سوتیں ہیں چوتھی سورت میں یہ مضمون تھا کہ اے داؤد جو کچھ میں کہتا ہوں سنو اور سلیمان کو حکم دو کہ ہمارے بعد لوگوں سے بیان کردیں کہ زمین میری ہے میں اسکا وارث محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور انکی امت کو بناؤنگا۔ یا چیز کہتا ہے کہ زبور کا جو نسخہ آجکل ہندوستان میں ملتا ہے اس میں بھی ایکسو پچاس سورتیں ہیں اور ہر سورت کا نام زبور ہے یوں لکھا ہے کہ زبور ا زبور ۲ زبور ۳ مگر چونکہ اس میں یہ مضمون نہیں جو علامہ سیوطی نے نقل کیا ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ علامہ کو کوئی قدیم غیر محرف نسخہ ملگیا تھا لیکن اب بھی موجودہ زبور میں آیت مبحوثہ کا مضمون موجود ہے چنانچہ زبور ۳۷ کی چند آیتیں حسب ذیل ہیں۔

"لیکن وے جو خدا کے منتظر ہیں زمین کو میراث میں لینگے، لیکن وے جو حلیم ہیں زمین کے وارث ہونگے جنہیں اسکی برکت ہے زمین کے وارث ہونگے اور ابد تک اس پر بسینگے" مجموعہ بائبل عہد نامہ قدیم مطبوعہ لدھیانہ صفحہ ۶۹۱۔

توریت میں صاف صاف تصریح اس زمین کی بھی ہے چنانچہ توریت کتاب پیدائش باب ۱۷ کی آٹھویں آیت بخطاب حضرت ابراہیم یہ ہے "میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعاں کا تمام ملک جسمیں تو پردیسی ہے دیتا ہوں کہ ہمیشہ کیلئے ملک ہو اور میں انکا خدا ہوں" کنعاں کے تمام ملک سے مراد ملک شام ہے کیونکہ کنعاں سرزمین شام میں ہے۔

فصل دوم

اس آیت سے بھی حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے خلیفہ برحق ہونے پر استدلال نہایت واضح ہے کیونکہ الفاظ آیت سے بغیر کسی روایت کے ملائے ہوئے یہ بات ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے کچھ لوگوں کے وارث زمین یعنی بادشاہ ہونیکی پیشینگوئی فرمائی ہے اور ان متبعین کو اپنا نیک بندہ فرماکر انکے جامع اوصاف حمیدہ ہونے کو ظاہر فرمایا ہے اور ایسی ہی بادشاہت کو خلافت راشدہ کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ پیشین گوئی صحابہ کرام ہی کے زمانہ میں پوری ہو جائے کیونکہ قرآن کریم کے تمام خطابات کے اول مخاطب یہی حضرات ہیں لہذا اس آیت میں جو خوشخبری ہے اور جسکا مقصد یہ ہے کہ سننے والے خوش ہوں ان میں استقامت فی الدین ترقی کرے مصائب موجودہ کے اطمینان میں خلل انداز نہ ہوں دوسرے لوگوں کو اسلام کی رغبت پیدا ہو اس خوشخبری کو بھی پہلے

مخاطب صحابہ کرام ہی ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ کسی ایسی جماعت کو کوئی ایسی خوشخبری سنا کر خوش کرنا جسمیں اس جماعت کے کسی فرد کا کچھ حصہ نہو سوا دغا و فریب کے اور کسی نام سے نہیں یاد کیا جا سکتا نعوذ باللہ منہ۔

ان دونوں باتوں کے معلوم ہو جانیکے بعد یعنی یہ کہ آیت میں مومنین صالحین کو بادشاہت ملنے کی پیشینگوئی ہے اور یہ کہ اس پیشین گوئی کا صحابہ کرام کے زمانہ میں پورا ہونا ضروری ہے اب ہمیں صرف اس بات کا معلوم کرنا باقی ہے کہ صحابہ کرام میں سے کس کس کے ہاتھ پر یہ پیشین گوئی پوری ہوئی تاکہ جسکے ہاتھ پر پوری ہوئی ہو اسکو ہم خلیفہ برحق سمجھیں یعنی اسکی خلافت کو ہم اس آیت کی موجودہ خلافت یقین کریں اور اس شخص کو ہم خدا کے عباد صالحین میں شمار کریں۔

اس بات کے معلوم کرنے کیلئے ہمیں اسکی تحقیق کرنا چاہئے کہ اس آیت میں زمین سے کیا مراد ہے تو واضح ہو کہ زمین سے تمام زمین یعنی پورا ربع مسکون تو مراد ہو نہیں سکتا کیونکہ اب تک پورے ربع مسکون پر مومنین صالحین کی بادشاہت نہیں ہوئی لا محالہ کوئی خاص زمین مراد ہے اس تخصیص کی تائید ارض کے معرف باللام ہونے سے بھی ہوتی ہے۔ اسکے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں۔

قول اول یہ کہ زمین سے مراد ملک شام کی زمین ہے۔

قول دوم یہ کہ زمین سے مراد روم و ایران کی زمین ہے۔

قول سوم یہ کہ زمین سے مراد جنت کی زمین ہے۔

تیسرا قول بالکل بے دلیل اور نہایت بعید از فہم ہے نہ قرآن شریف میں کوئی نظیر اسکی ملسکتی ہے نہ حدیث میں کہ زمین بول کر جنت مراد لی گئی ہو۔ نہ کوئی روایت اسکی تائید کرتی ہے نہ کوئی قرینہ ایسا ہے جس سے یہ معنی مفہوم ہو سکیں۔

اب رہا پہلا اور دوسرا قول یہ البتہ صحیح ہیں اور قطعًا و یقینًا مراد الٰہی ان دونوں سے باہر نہیں ہے پہلا قول مراد ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ جن کتب سابقہ الٰہیہ کا حوالہ آیت میں ہے وہ انبیائے بنی اسرائیل کی کتابیں ہیں جنکا مسکن ملکِ شام تھا لہذا یہ بہت بڑا قرینہ زمین سے زمین شام مراد لینے کے لئے ہے اسکی مزید تائید توریت کے دیکھنے سے ہوتی ہے کہ اسمیں کنعان کی تصریح موجود ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ملک شام کی زمین کو ارض مقدس اور ارضِ مبارک فرمایا ہے لہذا مطلق زمین بول کر فردِ کامل ہونے کی وجہ سے زمینِ شام

مراد لینا قرین قیاس ہے۔

دوسرا قول مراد ہونے کے لیے بھی متعدد دلائل ہیں از انجملہ یہ کہ نزول قرآن کے وقت دنیا میں یہی دو زمینیں ایران و روم کی مقر سلطنت تھیں کوئی تیسری سلطنت اس وقت روئے زمین پر نہ تھی پس جب زمین کی بادشاہت کا وعدہ فرمایا گیا تو ذہن ان ہی دونوں زمینوں کیطرف سبقت کرتا ہے یہ دوسرا قول پہلے قول کو شامل ہے کیونکہ زمین شام روم کی سلطنت میں داخل تھی۔

شیخ ولی اللہ محدث دہلوی، ازالۃ الخفا مقصد اول صفحہ ۲۱۰ میں فرماتے ہیں۔

فقیر گوید در معنی آیت جمعے زمین جنت مراد داشتہ اند و ہیچ جا شاہدے آں نخواہی یافت کہ در قرآن یا سنت لفظ ارض گفتہ باشند و جنت عدن ارادہ کردہ بلکہ معنی صحیح آن ست کہ از ارض اراضی معتدلہ صالحہ برائے نشاء اشخاص معتدلۃ الاخلاق ارادہ کردہ آید یا ارض شام تنہا بسبب آنکہ انبیائے بنی اسرائیل در شام بودند و ذکر وقائع ارض شام پیش ایشاں مہم بود و ایں سخن بداں میماند کہ تاجر از لفظ مال سرمایۂ خود را میخواہد و راعی مواشی و زارع زراعت خود مراد می گیرد و چندیں آثار بریں معنی دلالت میکند۔

یہ فقیر کہتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اس آیت کے معنی میں جنت کی زمین مراد لی ہے مگر اس کی نظیر تم کہیں نہ پاؤ گے کہ قرآن یا حدیث میں زمین کا لفظ فرمائی ہو اور جنت مراد لی ہو۔ بلکہ صحیح معنی یہ ہیں کہ زمین سے وہ زمینیں مراد ہیں جو معتدل ہوں جہاں معتدل اخلاق کے انسان پیدا ہوتے ہوں یا صرف زمین شام مراد ہے اسلئے کہ انبیا بنی اسرائیل شام میں تھے اور شام کے واقعات کا ذکر انکے سامنے بڑا مقصود تھا یہ بات ویسی ہی ہے کہ تاجر جب مال کا لفظ بولیگا تو اپنا سرمایہ مراد لیگا اور چرواہا مال سے مویشی اور کسان مال سے کھیتی مراد لیتا ہے اور بہت سی روایات بھی اس مراد پر دلالت کرتی ہیں

پس جب متحقق ہو گیا کہ زمین سے مراد یا ملک شام ہے یا ملک روم و ایران اور تاریخ کے واقعات متواترہ سے ثابت ہے کہ یہ زمینیں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے قبضہ میں آئیں انمیں کچھ حصہ تو بیر سے مفتوح ہوئیں بیت المقدس خاص حضرت فاروق اعظم کے زمانہ میں بغیر لڑائی کے ایک عجیب طریقہ سے محض اگلی پیشینگوئیوں کی بنا پر مسلمانوں کے قبضہ میں آیا لہٰذا مہر نیمروز کی طرح ظاہر ہو گیا کہ یہ دونوں بزرگوار خدا کے اس عہد کے مطابق خلیفہ ہوئے اور ان ہی کو خدا نے اس آیت میں عباد صالحین فرمایا ہے

...بیت المقدس کا واقعہ بھی ایک عجیب واقعہ ہے جو بجائے خود بھی ایک مستقل دلیل حضرت فاروق اعظم کے خلیفہ موعود ہونیکی کہا جا سکتا ہے لہذا بالاختصار وہ واقعہ اس مقام پر لکھا جاتا ہے

فتح بیت المقدس کا واقعہ

حضرت عمرو بن عاص نے جب ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو علمائے نصاریٰ نے کہا کہ تم لوگ بیفائدہ تکلیف اٹھاتے ہو تم بیت المقدس کو فتح نہیں کر سکتے فاتح بیت المقدس کا حلیہ اسکی علامات ہمارے یہاں لکھی ہوئی ہیں اگر تمہارے امام میں وہ سب باتیں موجود ہیں تو بغیر لڑائی کے بیت المقدس انکے حوالہ کر دینگے اس واقعہ کی خبر حضرت فاروق اعظم کو دیگئی اور آپ بیت المقدس تشریف لے گئے۔

یہ واقعہ تاریخ عالم میں ہمیشہ زریں حروف میں چمکتا رہیگا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا زادِ راہ اس سفر میں جو اور چھوہارے کے سوا کچھ نہ تھا ایک اونٹ آپکے پاس تھا جس پر آپ اور آپکا غلام نوبت بنوبت سوار ہوتے تھے آپکے کرتہ میں پیوند لگے ہوئے تھے مسلمان جب آپکی پیشوائی کو آئے اور آپکو اس حال میں دیکھا تو سب نے اصرار کرکے آپکو عمدہ لباس پہنایا اور ایک گھوڑے پر سوار کیا چند قدم چلنے کے بعد آپنے فرمایا میرے نفس پر اسکا برا اثر پڑتا ہے۔ پھر وہی پیوند لگا ہوا کرتہ پہن لیا اور گھوڑے سے اتر پڑے رومیوں نے اس عرب و عجم کے فرمانروا اس روحانی بادشاہ کو جسکے نام سے تمام عالم میں زلزلہ پڑا ہوا تھا دیکھا تو کہا کہ بیشک فاتح بیت المقدس یہی ہیں اور دروازہ آپ کیلئے کھولدیا۔

حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا مقصد دوم صفحہ ۶۰ میں تاریخ یافعی سے نقل کرتے ہیں

نزل عمر رضی الله عنه علی بیت المقدس	حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس تشریف لیگئے
وکان المسلمون قد حاصروا	وجہ یہ ہوئی کہ مسلمانوں نے اس شہر مقدس مبارک کا
تلك المدينة المقدسة المباركة	محاصرہ کیا اور محاصرہ کو بہت طول ہوا تو وہاں کے
وطال حصارهم فقال لهم اهلها	لوگوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم لوگ مت تکلیف اٹھاؤ
لاتتعبوا فلن يفتحها الا رجل	بیت المقدس کو سوا اس شخص کے جسکو ہم پہچانتے ہیں
نعرفه علامته عندنا فان	اسکی پہچان ہمارے پاس ہے کوئی فتح نہیں کرسکتا
كان امامكم به تلك العلامة	اگر تمہارے امام میں وہ علامت موجود ہے تو ہم انکو
سلمناها له من غير قتال	بغیر لڑائی کے بیت المقدس حوالہ کر دیں گے

فارسل المسلمون الى عمر يخبرونه
بذلك فركب رضي الله عنه راحلته
وتوجه الى بيت المقدس وكان معه
غلام له يعاقبه في الركوب نوبة بنوبة
وقد تزود شعيرا وتمرا وزيتا وعليه
مرقعة لم يزل يطوي القفار الليل والنهار
الى ان قرب من بيت المقدس فتلقاه
المسلمون وقالوا له ما ينبغي ان يرى
المشركون امير المومنين في هذه الهيئة
ولم يزالوا به حتى البسوه لباسا غيرها
واركبوه فرسا فلما ركب وجد بالفرس
داخله شئ من العجب فنزل عن الفرس و
نزع اللباس ولبس المرقعة وقال قيلوني
ثم سار في هذه الهيئة الى ان وصل فلما
راه المشركون من اهل الكتب كبروا و
قالوا هذا هو وفتحوا له الباب ـ

مسلمانوں نے یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجی پس آنجناب رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور بیت المقدس کی طرف روانہ ہو گئے آپ کے ساتھ آپ کا غلام تھا جو نوبت بنوبت آپ کے اونٹ پر سوار ہوتا تھا زاد راہ آپ کا جو اور چھوہارے اور روغن زیتون تھا آپ کا لباس میں پیوند لگے ہوئے تھے رات دن جنگلوں کو طے کرتے ہوئے آپ چلے جب بیت المقدس کے قریب پہونچے تو مسلمان آپ سے ملے اور انھوں نے آپ سے کہا کہ زیبا نہیں ہے کہ کفار امیر المومنین کو اس حالت میں دیکھیں اور بہت اصرار کیا یہاں تک کہ انکو ایک دوسرا لباس پہنایا اور ایک گھوڑے پر آپکو سوار کیا۔ جب آپ سوار ہوئے اور گھوڑے نے خوشخرامی کی تو آپ کے دل میں کچھ عجب داخل ہوا لہذا آپ گھوڑے سے اتر پڑے اور وہ لباس بھی اتار دیا اور فرمایا کہ مجھے میرا لباس لباس دو چنانچہ وہی پیوند لگا ہوا لباس پہن لیا اور اسی ہیئت میں چلے یہاں تک کہ بیت المقدس پہونچے جب کفار اہل کتاب نے آپکو دیکھا تو کہا یہ وہی شخص ہیں اور آپ کیلئے دروازہ کھول دیا۔

اس واقعہ فتح بیت المقدس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ کتب سابقہ میں حضرت فاروق اعظم کا فاتح بیت المقدس ہونا موعود تھا اور آپ کے اوصاف و علامات مذکور تھے اور اس قدر مکمل و مفصل تھے کہ علمائے اہل کتاب نے شکل مبارک دیکھتے ہی پہچان لیا تو ہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ خود حضرت فاروق اعظم کو بھی اپنی بابت پورا علم اس امر کا تھا ورنہ اطلاع ملتے ہی سفر کیلئے تیار ہو جانا اور تشریف لیجانا ہرگز نہ ہوتا۔ ایران و روم کی لڑائیوں میں خود آپکو اپنے جانے کی ضرورت محسوس ہو اور صحابہ کرام سے مشورہ لیں حضرت علی مرتضی آپ کو دشمن کے مقابلہ میں خلاف مصلحت قرار دیکر آپ کو اصرار کے ساتھ روکیں اور آپ اپنا ارادہ ملتوی کر دیں لیکن سفر

بیت المقدس کیلئے آپ اسلحہ آمادہ ہو جائیں اور کوئی بھی نہ رد کے ضرور ہے کہ آپکو معلوم تھا اور دوسرے صحابہ بھی جانتے تھے کہ یقیناً بیت المقدس آپکے جانے سے فتح ہو جائیگا اور لوگ آپکو دیکھتے ہی پہچان لینگے کہ یہی وہ خلیفہ موعود ہیں جنکے ہاتھ پر فتح بیت المقدس مقدر ہو۔

شیعہ کہتے ہیں

کہ اس آیت میں ارض سے مراد تمام روئے زمین ہے اور یہ پیشین گوئی امام مہدی کے زمانہ میں پوری ہوگی علامہ محسن کاشی تفسیر صافی میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

یرثہا عبادی الصالحون قال (ای القمی) القائم واصحابہ وفی المجمع عن الباقر فی قولہ ان الارض یرثہا عبادی الصالحون قال اصحاب المہدی فی آخر الزمان۔

یرثہا عبادی الصالحون کے متعلق قمی نے کہا ہو کہ قائم یعنی امام مہدی اور انکے اصحاب مراد ہیں اور تفسیر مجمع البیان میں امام باقر سے ان الارض یرثہا عبادی الصالحون کے متعلق منقول ہے کہ اس سے مراد امام مہدی کے اصحاب ہیں جو آخر زمانے میں ہونگے۔

اسکے سوا اس آیت میں شیعہ صاحبان کے پاس اور کچھ جواب نہیں ہو۔

اہل سنت کہتے ہیں

کہ اس آیت میں کوئی لفظ یا کوئی قرینہ ایسا نہیں ہو جس سے یہ مفہوم ہو سکے کہ یہ وعدہ آخر زمانے میں پورا ہوگا بلکہ آیت کا سیاق وسباق بتا رہا ہے کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو خوشخبری دینے کیلئے نازل ہوئی ہو اور ظاہر ہو کہ کسی ایسی چیز کی خوشخبری لوگوں کو سنانا جو ان میں سے کسی کو ملنے والی نہیں بلکہ صدیوں بعد اسکا ظہور مقرر ہو سخت فریب دینا ہو جس سے کلام الٰہی پاک ہے۔ یہ خرابی اسوجہ سے پیش آئی کہ لفظ ارض سے پوری زمین[1] مراد لی گئی حالانکہ یہ مراد قطعاً غلط ہے۔ قرآن مجید میں بیسوں جگہ ایسے مواقع پر لفظ ارض آیا ہو اور اس سے مراد تمام زمین نہیں ہو بلکہ بقرینہ مقام خاص خاص زمینیں مراد ہیں چند آیات ملاحظہ ہوں سورہ یوسف میں ہو وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا

[1] تفسیر امام ابن جریر طبری میں امام المفسرین حضرت عبداللہ عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہو کہ وہ فرماتے تھے اجلہ

لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ یعنی ہمنے یوسف کو زمین میں تمکین دی یہاں تمام زمین کسی طرح مراد نہیں ہو سکتی بلکہ بالاتفاق بقرینہ مقام مصر کی زمین مراد ہے۔

سورہ قصص میں ہے وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَھُمْ اَئِمَّۃً وَّنَجْعَلَھُمُ الْوٰرِثِیْنَ وَنُمَکِّنَ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ یعنی ہم یہ چاہتے ہیں کہ جو لوگ زمین میں کمزور سمجھے گئے ہیں انپر احسان کریں اور انکو امام بنائیں اور انکو وارث بنائیں اور زمین میں انکو جگہ دیں۔ اس آیت میں بھی مراد زمین مصر ہے کیونکہ قرینہ مقام اسی کو چاہتا ہے۔

سورہ اعراف میں ہے وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَھَا الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْھَا یعنی ہمنے اُس قوم کو جو کمزور سمجھی جاتی تھی (یعنی بنی اسرائیل کو) زمین کی مشرقوں اور مغربوں کا وارث بنا دیا جسمیں ہمنے برکت دی تھی۔ یہاں بھی زمین سے مراد مصر کی زمین ہے۔

آیۂ استخلاف اور آیۂ تمکین میں بھی ارض کی لفظ ہے اور وہاں زمین سے مراد ایران و روم کی زمین ہے جیسا کہ آیۂ استخلاف میں ہم تفاسیر شیعہ سے نقل کر چکے ہیں۔

پس اسی طرح آیت مبحوثہ میں بقرینہ مقام لفظ ارض سے ملک شام کی زمین مراد ہونی ضروری ہے اور وہ قرینہ یہ ہے کہ زبور اور توریت جس سرزمین میں نازل ہوئی تھیں وہاں کے لوگ زمین کے لفظ سے اپنی ہی زمین سمجھ سکتے تھے۔

اچھا ہم اس سب سے درگذر کرتے ہیں اور شیعوں کو اختیار دیتے ہیں کہ لفظ ارض سے جو زمین چاہیں مراد لیں مگر کلام الٰہی کو ذرا کذب کے عیب سے محفوظ رکھکر کوئی ایسا مطلب آیت کا بیان کر دیں جس سے حضرات خلفائے ثلثہ میں سے کوئی مصداق اس آیت کا نبنے مگر یہ بات حضرات شیعہ کے امکان سے باہر ہے۔ چاہے کلام الٰہی کی تکذیب ہو جائے چاہے کیسا ہی اعتراض کلام الٰہی پر آجائے مگر حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت ثابت نہ ہو۔ معاذ اللہ من ذلک العدوان۔

یہ آیت میراث ارض آیت معیت یعنی آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی ہم مضمون ہے اس آیت میں بھی حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ہمنے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا تذکرہ توریت و انجیل میں کیا ہے۔

فصل سوم

روایات جو اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیجا سکتی ہیں بہت ہیں جنکا ایک بڑا ذخیرہ حضرت شیخ ولی اللہ

حضرت دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفا میں ذکر فرمایا ہے اُسی سے منتخب کرکے چند روایات یہاں لکھی جائینگی پہلے ایک تاریخی واقعہ لکھا جاتا ہے۔

ایک تاریخی واقعہ

جب حضرت فاروق اعظمؓ بیت المقدس تشریف لے گئے تو ایک عیسائی عالم آپ کے پاس آیا اور ایک تحریر آپکو دی جسکے جواب میں آپ نے فرمایا کہ یہ مال نہ عمر کا ہے نہ عمر کے بیٹے کا. حاضرین کی سمجھ میں یہ جواب نہیں آیا اور نہ آسکتا تھا لہٰذا حضرت ممدوح نے پورا واقعہ اُنکو سنایا فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں ایک تجارتی قافلہ کے ہمراہ میں ملک شام گیا تھا میں اپنی کوئی چیز بھول گیا اسکے لینے کیلئے واپس ہوا پھر گیا تو قافلہ کو نہ پایا۔ ایک پادری نے مجھے ملا اور ایک گرجا میں مجھے لے گیا کچھ مٹی ایک مقام پر ڈھیر تھی اُسنے مجھے اک پھاوڑا دیا اور اک ٹوکری دی اور کہا کہ اس مٹی کو یہاں سے اُٹھا کر وہاں ڈالدو۔ یہ کہہ کر گرجا کا دروازہ باہر سے بند کرکے چلا گیا مجھے بہت بُرا معلوم ہوا اور میں نے کچھ کام نہیں کیا جب وہ دوپہر کو آیا اور اُسنے مجھے دیکھا کہ میں نے کچھ کام نہیں کیا تو اُسنے ایک گھونسہ میرے سر میں مار دیا میں نے بھی اُٹھ کر پھاوڑا اس کے سر پر دے مارا جس سے اسکا بھیجا نکل آیا اور میں وہاں سے چل دیا بقیہ دن چلتا رہا اور رات بھر چلتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوئی تو اک گرجا کے سامنے میں اُسکے سایہ میں آرام لینے کے لئے بیٹھ گیا یہ شخص اُس گرجا سے باہر نکلا اور مجھ سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آئے ہو میں نے کہا کہ میں اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا ہوں پھر یہ شخص میرے لئے کھانا اور پانی لایا اور سر سے پیر تک خوب غور سے مجھے دیکھا اور کہا کہ تمام اہل کتاب جانتے ہیں کہ آج مجھ سے بڑا کوئی عالم کتب سابقہ کا روئے زمین پر نہیں ہے۔ میں اس وقت یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ وہی شخص معلوم ہوتے ہیں جو اس گرجا سے ہمیں نکالیگا اور اس شہر پر قابض ہوگا میں نے کہا کہ اے شخص تیرا خیال نہ معلوم کہاں چلا گیا پھر اُسنے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے میں نے کہا عمر بن خطاب تو یہ کہنے لگا کہ اللہ کی قسم آپ ہی وہ شخص ہیں اسمیں کچھ شک نہیں لہٰذا آپ مجھے ایک تحریر لکھدیجئے اس گرجا کو میرے نام واگذار کر دیجئے۔ میں نے کہا کہ اے شخص تو نے میرے ساتھ احسان کیا ہے اُسکو مسخرابن کرکے ضائع مت کر مگر اُس نے نہ مانا آخر میں نے اسکو ایک تحریر لکھدی اور مہر کر دی آج یہ اسی تحریر کو لیکر میرے پاس آیا ہے اور کہتا ہے کہ اپنا وعدہ پورا کیجئے۔ میں نے اسکا جواب دیا کہ یہ مال نہ میرا ہے نہ میرے بیٹے کا میں کیسے دیسکتا ہوں (ازالۃ الخفا بحوالہ دینوری و ابن عساکر) اب دو ایک روایات دیکھئے

(۱) اخرج ابن عساکر فی تاریخ دمشق عن
کعب قال کان اسلام ابی بکر الصدیق
سببه بوحی من السماء وذلک انه کان
تاجراً بالشام فرای رویا
فقصها علی بحیرا الراهب فقال له
من این انت قال من مکة
قال من ایها قال من قریش
قال فای شیء انت قال تاجر قال
صدق الله رویاك فانه یبعث نبی
من قومك تکون وزیره فی حیاته
وخلیفته بعد موته فاسرها
ابو بکر حتی بعث النبی صلی الله
علیه وسلم فجاءه فقال یا
محمد ما الدلیل علی ما تدعی
قال الرویا التی رایت بالشام
فعانقه وقبل ما بین عینیه وقال
اشهد انك رسول الله۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں کعب احبار سے روایت
کی ہے کہ انھوں نے کہا حضرت ابو بکر صدیق کی اسلام
کا سبب ایک وحی آسمانی تھی وہ ملک شام میں
تجارت کیا کرتے تھے اُنھوں نے وہاں ایک خواب دیکھا
جسکو بحیرا راہب سے بیان کیا اُس نے پوچھا آپ
کہاں کے رہنے والے ہیں حضرت صدیق نے فرمایا
مکہ اُس نے پوچھا کس قبیلہ کے آپ نے فرمایا قریش کا
اس نے پیشہ پوچھا آپ نے فرمایا تاجر تو اُسنے کہا
اللہ نے آپ کو سچا خواب دکھلایا آپ کی قوم میں ایک
نبی مبعوث ہونگے اُنکی زندگی میں آپ اُن کے وزیر
ہونگے اور اُنکی وفات کے بعد آپ اُنکے خلیفہ ہونگے
حضرت ابو بکر نے اسکو پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ابو بکر آپکے پاس گئے
اور پوچھا کہ اے محمد آپ کے دعوے کی کیا دلیل ہے
حضور نے فرمایا کہ وہ خواب جو تم نے ملک شام میں دیکھا یہ
سنکر حضرت ابو بکر نے معانقہ کیا اور آپکی پیشانی کا بوسہ
لیا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں

اسی مضمون کو شیعہ راویوں نے بھی روایت کیا ہے صرف اسقدر تصرف کیا ہے کہ راہب کے بجائے ان لوگوں نے کاہن کر دیا ہے چنانچہ علامہ باذل شیعی اپنی کتاب حملۂ حیدری میں حضرت ابو بکر صدیق کے اسلام کے بیان میں لکھتے ہیں۔

ابا بکر ازاں پس رہ یا گزاشت — کہ گفتار کاہن بدل یاد داشت
باو کاہنے دادہ بود ایں خبر — کہ مبعوث گردد یکے نامور
ز بطحا نہ من در ہمیں چند گاہ — بود خاتم انبیائے الٰہ

تو با خاتم انبیا گردی — چو او بگزرد جانشینش شوی
زکاہن چو بردش بیا داین زید — بیاور دایان نشان چون بدید
وزاں پس بتدریج چندے دگر — نبی را لقرآں نہاد ند سر

(۲) اخرج ابو یعلی والطبرانی فی الاوسط و ابن العساکر والحسن بن عرفۃ فی جزئہ المشہورۃ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیلۃ عرج بی الی السماء ما مررت بسماء الا وجدت اسمی فیھا مکتوبا محمد رسول اللہ وابوبکر الصدیق خلفی۔

ابو یعلی اور طبرانی نے معجم اوسط میں اور ابن عساکر اور حسن بن عرفہ نے اپنے جزء مشہور میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شب کو مجھے معراج ہوئی جس آسمان پر میرا گذر ہوا میں نے اُس میں اپنا نام لکھا ہوا پایا محمد رسول اللہ اور اپنے نام کے پیچھے ابوبکر صدیق کا نام دیکھا۔

(۳) اخرج الدارقطنی فی الافراد والخطیب وابن العساکر عن ابی الدرداء عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال رایت لیلۃ اسری بی فی العرش فرندۃ خضراء فیھا مکتوب بنور ابیض لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق۔

دارقطنی نے افراد میں اور خطیب اور ابن عساکر نے حضرت ابو الدرداء سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شب مجھے معراج ہوئی میں نے عرش میں ایک سبز جواہر دیکھا جس میں سفید نور سے لکھا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق۔

(۴) اخرج الحاکم عن ابن عباس عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ قال اللھم اعز الاسلام بعمر۔

حاکم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی کہ یا اللہ اسلام کو عمر سے عزت دے۔

ع۵ یہ دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بروایات مستفیضہ متعدد صحابہ سے منقول ہے از انجملہ حضرت عائشہ سے ابن ماجہ میں اور حضرت ابن عمر سے ترمذی میں اور حضرت ابن مسعود سے مستدرک حاکم میں مروی ہے

(۵) عن ابن مسعود ما زلنا اعزۃ منذ اسلم عمر وفی روایۃ

ابن مسعود سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ہم لوگوں کی عزت بڑھتی گئی جب سے عمر اسلام لائے۔

والله ما استطعنا ان نصلي عند الكعبة ظاهرين حتى اسلم عمر (مستدرك حاكم)

اللہ کی قسم ہم کعبہ کے پاس علانیہ نماز بھی نہ پڑھ سکتے تھے یہاں تک کہ عمر اسلام لائے (مستدرک حاکم)

(٦) اخرج ابن ماجة من حديث عوام بن حوشب عن ابن عباس قال لما اسلم عمر نزل جبرئيل فقال يا محمد لقد استبشر اهل السماء باسلام عمر۔

ابن ماجہ نے عوام بن حوشب سے انھوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب عمر اسلام لائے تو جبرئیل نازل ہوئے اور انھوں نے کہا کہ اے محمد آسمان والے عمر کے مسلمان ہونے سے خوش ہوئے۔

(٧) عن ابن عمر و ابی هريرة قالا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بينا انا نائم رايتني على قليب عليها دلو فنزعت منها ما شاء الله ثم اخذها ابو بكر فنزع ذنوبا او ذنوبين و في نزعه ضعف والله يغفر له ثم جاء عمر فاستقى فاستحالت غربا فلم ار عبقريا من الناس يفري فريه حتى ضرب الناس و ضربوا بعطن۔ (صحيحين)

حضرت ابن عمر اور ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں اپنے کو ایک کنویں پر دیکھا اور اسمیں سے جسقدر ڈول خدا کو منظور تھا بھرے پھر اس ڈول کو ابو بکر نے لیلیا اور ایک ڈول یا دو ڈول انھوں نے بھرے اور بھرنے میں کچھ کمزوری تھی اللہ اسکو معاف کرے پھر عمر آئے اور بھرنے لگے وہ ڈول انکے ہاتھ میں جاکر بڑا بنگیا میں نے کسی طاقتور کو نہیں دیکھا انکے مثل طاقت سے کام کرتا ہوا یہاں تک کہ لوگ سیراب ہوگئے (صحیح بخاری صحیح مسلم)

یہ حدیث خلافت کی پیشینگوئی ہے حضرت ابو بکر کی کمزوری سے اشارہ انکی نرم دلی کیطرف ہے واللہ علم

(٨) عن سعد بن ابی وقاص قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا ابن الخطاب والذي نفسي بيده ما لقيك الشيطان سالكا فجا الا سلك فجا غير فجك (صحيحين)

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب قسم ہے اسکی جسکے قبضہ میں میری جان ہے کہ جب تمکو شیطان کسی راہ میں چلتا ہوا دیکھتا ہے تو اس راستہ کو چھوڑکر دوسرے راستہ میں چلنے لگتا ہے

(٩) عن عقبة بن عامر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو كان بعدي نبي لكان عمر اخرجه الترمذي والحاكم

حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا عمر ہوتے (ترمذی۔ حاکم)

تمت

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ۔ بتحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اُس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو

تفسیر آیت اظہار دین

جس میں

قرآن کریم کی آیہ مبارکہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی مدلل ومفصل تفسیر بیان کر کے روز روشن کی طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت قرآن شریف کی موعودہ خلافت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت کا تتمہ وتکملہ تھیں اور مذہب شیعہ خود ان کے اقرار کے مطابق اس آیت کریمہ کے خلاف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصود بعثت کے منافی ہے۔

از امام اہلسنت حضرت مولانا علامہ عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی قدس سرہٗ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ
(رجسٹرڈ)
مکان نمبر ۳۔ روڈ نمبر ۷۔ سب بلاک اے
بلاک نمبر ا نزد مسجد قدوسیہ
ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔ فون نمبر ۶۶۰۱۴۴۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی الہ وصحبہ ومن والاہ

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آیات خلافت کے سلسلہ میں آج بارہویں آیت کی تفسیر زیب رقم کی جاتی ہے۔ یہ النجم کی پانچویں جلد کا پہلا نمبر ہے اور آیت وہ ہے جس میں دین الٰہی کے ظہور اور غلبہ کا بیان ہے۔ لہٰذا ایک فال نیک حاصل ہوتی ہے کہ انشاء اللہ النجم کا ظہور و غلبہ حد کمال کو پہنچنے والا ہے۔

بارہویں آیت سورۃ توبہ دسواں پارہ

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ یَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ ۹ : ۳۲، ۳۳

ترجمہ۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک کر) بجھا دیں اور اللہ انکار کرتا ہے مگر اس بات سے کہ اپنے نور کو کامل کرے اگرچہ کافر ناپسند کریں۔ وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

یہ مضمون قرآن مجید میں تین جگہ بیان ہوا ہے جس سے اس کا مُہتَم بالشان ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ ایک تو یہی ہے جو ہم بیان کر چکے۔

دوسری جگہ سورۃ فتح میں ہے جس کے الفاظ کریمہ یہ ہیں۔ هُوَ الَّذِیْۤ

رسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ وکفی باللہ شہیدا ○

ترجمہ۔ وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اللہ گواہی کے لیئے کافی ہے۔

تیسری جگہ سورۃ صف میں ہے جس کے الفاظ کریمہ یہ ہیں۔ یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون ○ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ○

ترجمہ۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک کر) بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو کامل کرنے والا ہے اگرچہ کافر ناپسند کریں۔ وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

ان تینوں مقامات میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ ایک ہی مضمون بیان ہو رہا ہے اور جن الفاظ پر ہمارے استدلال کی بنیاد ہے ان میں تو کچھ تبدیلی بھی نہیں ہوئی۔

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے مقصود دو ہیں۔ **اول**۔ یہ ظاہر فرمانا کہ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سارے جہان کو شامل ہے، تمام مذاہب آپ کے مبعوث ہوتے ہی منسوخ ہو گئے، انبیائے سابقین علیہم السلام کی طرح آپ کی نبوت کسی بستی یا کسی قوم کے لیئے مخصوص نہیں ہے، یہ مقصود کل ادیان کو ذکر کر کے ظاہر فرما دیا۔ **دوم**۔ یہ بتلانا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد کیا ہے۔

پیغمبروں کے بھیجنے سے خدا کے مقاصد مختلف تھے، کسی کے بھیجنے سے مقصود یہ تھا کہ کسی سرکش قوم پر خدا کی حجت قائم ہو جائے اور اس قوم پر عذاب نازل ہو، کسی کے بھیجنے سے مقصود یہ تھا کہ کسی خاص قوم کو یا چند افراد قوم کو ہدایت حاصل ہو جائے۔ کسی نبی

کے بھیجنے سے یہ مقصود تھا کہ کسی نبی سابق کی تقویت و تائید ہو۔ انبیاء علیہم السلام کے کارناموں کے دیکھنے سے ہر ایک کی بعثت کا مقصد ظاہر ہوتا ہے ہر نبی کی کوشش سے وہی نتائج حاصل ہوتے جو مراد الٰہی تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حق تعالیٰ نے نتائج کے ظہور سے اپنی مراد ظاہر فرما دی تاکہ وہ پیشین گوئی کی صورت میں ایک معجزہ قاہرہ آپ کی نبوت کا ہو اور تاکہ آپ کے اصحاب کرامؓ کو جو اس وقت نہایت کمزوری کی حالت میں تھے خوشخبری[1] اور تسلی کا سبب بنے۔

ارشاد فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے مقصود یہ ہے کہ دین برحق تمام دینوں پر غالب کر دیا جائے۔ بس اس آیت میں اگر سمجھنے کی کوئی چیز ہے تو یہ ہے کہ غالب کر دینے سے مراد کیا ہے۔ غلبہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک یہ کہ دلیل میں غالب کیا جائے یعنی دین برحق کی حقانیت پر اور دوسرے دینوں کے بطلان پر ایسی دلیل قائم کی جائے جس کا رد نہ ہو سکے۔ دوسرے یہ کہ تیغ و سنان کے ذریعہ سے غالب کیا جائے یعنی دین برحق کی شوکت و سطوت کے سامنے تمام مذاہب کو سرنگوں کر دیا جائے۔
ہم کہتے ہیں کہ دونوں قسم کا غلبہ مراد ہے۔ پہلے قسم کا مراد ہونا تو ظاہر ہے اس لیے کہ دین برحق کا دلائل میں غالب ہونا بدیہیات میں سے ہے۔ رہا دوسرے قسم کا غلبہ اس کے مراد ہونے پر حسب ذیل دلائل ہمارے پاس ہیں:۔

۱۔ قرآن مجید میں کوئی تخصیص نہیں فرمائی کہ کس قسم کا غلبہ مراد ہے اور جب تخصیص

---

[1] چنانچہ صحابہ کرامؓ جب ان خوشخبریوں پر خوش ہوتے تھے تو کفار مکہ تمسخر و استہزار کرتے تھے کہ یہ عجیب لوگ ہیں کہ بایں ہمہ بے سر و سامانی و کمزوری ان کو فتح روم و ایران سنائی جاتی ہے اور یہ اس کو مان لیتے ہیں۔ احد میں جب شکست ہوئی تو منافقوں نے بھی کہا کہ جو وعدے خدا اور رسول نے ہم سے کیے تھے وہ سب دھوکے کے تھے۔
نعوذ باللہ من ذالک منہ

نہیں فرمائی تو غلبہ کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں سب مراد لی جائیں گی۔

۲۔ دلیل و برہان سے غالب ہونا دین برحق کے لیے لازم دائمی ہے۔ اس میں نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص کی کوئی وجہ نہ اس کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت۔

۳۔ غلبہ کی نمایاں قسم دوسری ہی قسم ہے اور غلبہ کے نتائج پورے طور پر دوسری ہی قسم سے حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کا مراد نہ ہونا خلاف ظاہر ہے جو بغیر دلیل کے مقبول نہیں ہو سکتا۔

۴۔ دوسری آیات اور احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں کہ غلبہ سے مراد دوسری قسم کا غلبہ ہے۔ بے شمار آیاتِ قرآنیہ ہیں جن میں حق تعالیٰ نے کافروں کے مغلوب و مقہور رہنے اور مسلمانوں کے مظفر و منصور ہونے کے وعدے فرمائے ہیں۔ فتوحات اور غنائم کی خوشخبریاں سنائی ہیں اور احادیث تو دفتر کی دفتر ہیں، یہ سب آیات و احادیث دلیل اس بات کی ہیں کہ اس آیت میں اظہار سے مراد وہ غلبہ ہے جو سیف و سنان سے حاصل ہو۔

۵۔ ہر نبی وہی کام کرتا ہے جس کے لیے اس کی بعثت ہوئی ہو اور ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف و سنان کے ساتھ بھی کفار سے جہاد فرمایا۔ اور فتوحات حاصل کیں لہٰذا معلوم ہوا کہ سیف و سنان سے کفار کا مغلوب کرنا بھی آپ کی بعثت کے مقاصد میں سے ہے، جن انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے خدا کا مقصود اس قسم کا غلبہ نہ تھا انہوں نے کبھی تلوار نہیں اٹھائی۔ ان پر طرح طرح کے ظلم ہوتے لیکن انہوں نے مدافعانہ کارروائی بھی نہیں کی جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

۶۔ خود اس آیت کا سیاق بھی یہی چاہتا ہے کہ غلبہ کی دوسری قسم مراد ہو۔

سورۂ توبہ میں یہ آیت اس موقع پر ہے کہ اس سے پہلے مسلسل احکام جہاد کے بیان ہو رہے ہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ الآية ترجمہ پوری آیت کا یہ ہے کہ جو لوگ اللہ پر اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور خدا اور

رسول کی حرام کی ہوئی چیز حرام نہیں کہتے اور دین برحق کو قبول نہیں کرتے اُن سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ دینا قبول کریں،، اس کے بعد یہود و نصاریٰ کی شرارتوں کا مختصر بیان ہے۔ پھر یہ آیت ہے جس کی تفسیر ہم لکھ رہے ہیں۔ یہ سیاق صاف بتا رہا ہے کہ غلبہ سے مراد وہ غلبہ ہے جو جہاد میں حاصل ہوتا ہے حکم جہاد کے بعد یہ آیت گویا وعدہ ہے کہ جہاد میں تم غالب رہو گے کیونکہ ہمارا مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے یہی ہے کہ دین برحق کو تمام دینوں پر غالب کیا جائے۔

اور سورۂ فتح میں اس آیت سے پہلے یہ بیان فرمایا ہے کہ رسول نے جو خواب دیکھا ہے وہ سچا ہے تم ضرور امن و اطمینان کے ساتھ مکہ میں داخل ہو گے اور اس کے بعد تمہارے لیئے فتح قریب خدا نے رکھی ہے۔ اس کے بعد آیت مَبْحُوثَہ ہے، امن اور فتح کا وعدہ دے کر غلبہ کا ذکر فرمانا صاف طور پر بتا رہا ہے کہ غلبہ سے مراد دوسری قسم کا غلبہ ہے ورنہ امن و فتح سے پہلے قسم کے غلبہ کو کچھ ربط نہیں۔

اور سورۂ صف میں اس آیت سے پہلے بھی قتال کا تذکرہ ہے اور آیت کے بعد بھی یہی تذکرہ ہے، اور مسلمانوں کو فتوحات کی خوشخبری سنائی ہے کہ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ یہ سیاق و سباق بھی بتا رہا ہے کہ غلبہ سے مراد دوسری قسم کا غلبہ ہے۔

ابھی اور دلائل بھی اس کی تائید میں ہیں لیکن اب زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں۔

پس اب مطلب آیت کا بالکل ظاہر ہو گیا کہ وہ کافر چاہتے ہیں کہ نور الٰہی کو اپنے منہ کی پھونک سے بجھا دیں یعنی دین اسلام کو اپنی انسانی تدبیروں سے نیست و نابود کر دیں، مگر یہ ناممکن ہے کیونکہ خدا اپنے دین کے کامل کرنے کا ارادہ کر چکا ہے اور جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لیئے مبعوث فرمایا ہے کہ دین اسلام کو تمام دینوں پر ہر قسم کا غلبہ دیا جائے، دلیل و برہان سے بھی اور سیف و سنان سے بھی دین اسلام کا ظہور کامل ہو گا اور اس کی شوکت و قوت کے سامنے تمام اُدیان موجودہ کی قوتیں سرنگوں کر دی جائیں گی،،

یہ ایک بڑی زبردست پیشین گوئی ہے جس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ روئے زمین کی تمام سلطنتوں کے جھنڈے اسلام کے عَلَم کے سامنے جھک جائیں گے اور ایک عظیم الشان بادشاہت کی باگ اسلام کے ہاتھ میں ہوگی، یہ وہ پیشین گوئی ہے جو اسباب ظاہرہ سے بالکل تعلق نہیں رکھتی بلکہ اسباب ظاہری اس کے خلاف تھے۔ کافر اس قسم کی پیشین گوئیوں پر تمسخر کرتے تھے۔ لیکن صحابہ کرامؓ کا ایمان ظاہر تھا کہ سبحان اللہ۔

استدلال

اس آیت سے بھی حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیت خلافت پر استدلال نہایت سَہلُ الحُصُول ہے۔ صرف دو امر کی تحقیقات پر استدلال کی بنیاد ہے۔ اول یہ کہ آیت میں جو پیشین گوئی ہے یعنی جس چیز کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصود فرمایا ہے اس کے پورے ہونے کی کیا صورت ہے۔ دوم یہ کہ وہ پیشین گوئی کس کے زمانہ میں پوری ہوئی۔

امر اول کی تحقیق یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جو مذاہب دنیا میں موجود تھے ان میں دو مذہب صاحب تخت و تاج تھے۔ ایک عیسائیوں کا، دوسرا آتش پرستوں کا۔ روم میں عیسائیوں کی سلطنت تھی اور ایران میں آتش پرستوں کی۔

حضرت مولانا شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ازالۃ الخفاء[1] میں لکھتے ہیں کہ اُس وقت روئے زمین پر یہی دو سلطنتیں تھیں۔ ایک ایران کی اور دوسری روم کی۔ ان دونوں بادشاہوں کی سُطُوت و جَبَرُوت نے ساری دنیا کو گھیر رکھا تھا اور دوسرے مذاہب سب ان کی قوت کے سامنے مُضمَحِل ہو رہے تھے۔ روم اور روس اور فرنگستان اور جرمنی، اور افریقہ اور شام اور مصر اور بعض بلادِ مغرب اور زنجبار میں عیسائیت کا دور دورہ

[1] ازالۃ الخفاء فارسی صہ ۴۲

تھا اور خراسان اور ترکستان اور زابلستان اور باختر وغیرہ میں آتش پرستی کا زور تھا۔

ملک عرب میں بت پرستی کا زور تھا اور کچھ قدر قلیل عیسائی اور یہودی بستے تھے مگر عرب بھی ایک طرح سے ایران کا ماتحت تھا۔

ان حالات پر نظر ڈالنے کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ دین اسلام کے تمام دینوں پر غالب آنے کی کوئی صورت سوا اس کے نہیں ہو سکتی کہ روم و ایران کی سلطنت درہم و برہم ہو جائے اور یہ دونوں پُرشوکت بادشاہتیں اسلام کے قبضہ میں آجائیں۔ بغیر ان دونوں سلطنتوں کے مفتوح و مغلوب کیے ہوئے کوئی صورت اسلام کی تمام دینوں پر غالب آنے کی نہیں ہو سکتی۔

امر دوم کی تحقیق یہ ہے کہ یہ پیشین گوئی قطعاً رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پوری نہیں ہوئی۔ آپ کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ یہ کہ دین اسلام کو بت پرستوں پر غلبہ حاصل ہوا تھا اور بس۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ آپ کے بعد کسی ایسے شخص یا اشخاص کے ہاتھ پر یہ پیشین گوئی پوری ہو جن کے ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ کہا جا سکے اور جن کے ہاتھ پر اس پیشین گوئی کا پورا ہونا مقصد نبوت کا پورا ہونا کہا جا سکے۔ اور یہ صفت جس میں پائی جائے گی یقیناً وہ آپ کا نائب و خلیفہ ہو گا۔

اب اس کے بعد تاریخ عالم تم کو بتائے گی کہ یہ پیشین گوئی حضرات خلفائے ثلاثہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُم کے ہاتھوں پر پوری ہوئی، انہیں کے زمانہ میں انہیں کی کوششوں سے سلطنت روم و ایران زیر و زبر ہوئی اور اسلام کا فاتحانہ قبضہ ان دونوں ملکوں پر ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ۱۳ھ ہجری میں مُثَنّٰی بن حَارِثَہ شَیْبَانی رضی اللہ عنہ کو پھر حضرت خالدؓ بن وَلید کو ملک ایران کی طرف بھیجا۔ کئی لڑائیاں ہوئیں اور بہت مال غنیمت مسلمانوں کو ملا۔ مگر کوئی شہر ایران کا مفتوح نہیں ہونے پایا کہ قیصر روم کی طرف توجہ کرنی پڑی یرموک کی وہ عظیم الشان لڑائی پیش آئی۔ جس کے کارناموں نے رستم و اسفندیار کی لڑائیوں کو بازیچہ اطفال بنا دیا۔ ۵

گو جنگ یرموک حشرے دگر — گو جنگ بل یک جہاں کینہ ور

یرموک کی لڑائی میں مسلمانوں کو بڑی نمایاں فتح ملی اور دمشق بھی ان کے وقت میں فتح ہوا۔

ان لڑائیوں میں ایک بڑی کرامت کا بھی ظہور ہوا۔ ایک مرتبہ مسلمانوں نے قیصر روم کے محل کے قریب کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھا جس کے پڑھنے سے محل میں جنبش پیدا ہو گئی۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد کے فتوحات تو حد شمار سے باہر ہیں، ملک روم و ایران و مصر وغیرہ وغیرہ اس کے زمانہ میں فتح ہوئے، اِزالۃ الخفا میں ہے کہ ایک ہزار چھتیس شہر مع ان کے مضافات کے مفتوح ہوئے اور چار ہزار مسجدیں بنیں اور چار ہزار گرجے ویران ہوئے اور نو سو منبر مسجدوں میں بنائے گئے یعنی نو سو جامع مسجدیں بنیں فتوحات اسلامیہ کا ایک دریا تھا جو موجیں لے رہا تھا ؎

بلا کے نبرد اور غضب کے فتوح — نہاں اس کے خنجر میں طوفان نوح

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بعض ملک جو باغی ہو گئے تھے پھر از سر نو فتح کیے گئے مثلاً ہمدان، رَے، اسکندریہ، فارس، خراسان، آذربیجان اور کچھ ممالک جدید مفتوح ہوئے مثلاً افریقہ جو بڑی عظیم الشان لڑائی کے بعد فتح ہوا اور جزیرۂ قبرص اور اس کے مضافات جو بڑی معرکہ خیز بحری جنگ کے بعد فتح ہوئے، قسطنطنیہ بھی انہیں کے زمانہ میں فتح ہوا اور ہرقل انہیں کے زمانہ میں فی النار ہوا اور حدیث کی یہ پیشین گوئی کہ لیہلکن قیصر فلا قیصر بعدہ انہیں کے ہاتھ پر پوری ہوئی۔

لہٰذا ثابت ہو گیا کہ وہ تینوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ برحق تھے۔ خدا کے وعدے ان کے ہاتھوں پر پورے ہوئے اور مقصد نبوت تکمیل کو پہنچا۔ اگر وہ تینوں خلیفہ برحق نہ مانے جائیں تو ظاہر ہے کہ ان کے کارنامے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے اور ان کے فتوحات وعدہ الٰہی کے مصداق نہیں کہے جا سکتے جس کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہوگا کہ اس آیت کی پیشین گوئی پوری نہ ہوئی۔

اور خدا نے جو مقصد اپنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں قرار دیا تھا خدا اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔

شیعہ

۹) اس آیت سے بہت حیران ہیں اور اسی آیت پر کیا موقوف قرآن کریم نے ان کو ہر ہر قدم پر مبہوت و متحیر کر دیا ہے اسی وجہ سے وہ تحریف قرآن کے قائل ہو کر یہود و نصاریٰ سے بھی سبقت لے گئے۔

اس آیت میں کبھی تو کہتے ہیں کہ اظہار سے مراد سیف و سنان کا غلبہ نہیں ہے بلکہ حجت و برہان کا غلبہ ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ اس آیت کی پیشین گوئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پوری ہو گئی اور کہتے ہیں کہ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ جو وعدے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے گئے ہوں وہ آپ کی حیات میں پورے نہ ہوں۔ کہتے ہیں کہ دین اسلام کو تمام دینوں پر غلبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں حاصل ہو گیا تھا۔ فتح مکہ سے مشرکین عرب پر غلبہ ظاہر ہے کہ نجران کے عیسائیوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا تھا۔ فتح خیبر وغیرہ سے یہودیوں پر غلبہ بھی واضح ہے۔ لہٰذا تمام دینوں پر غلبہ ہو گیا اور کبھی کہتے ہیں کہ امام مہدی کے زمانہ میں اس آیت کی پیشین گوئی پوری ہو گی۔ ان کے زمانہ میں تمام کفار نیست و نابود کر دیئے جائیں گے اور تمام روئے زمین پر اسلام پھیل جائے گا۔

جواب ان تینوں اقوال فاسدہ کا

حسب ذیل ہے: قول اول یعنی اظہار سے مراد غلبہ بالسنان نہیں بلکہ غلبہ بالدلیل ہے۔ اوپر ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ آیت میں دونوں قسم کا غلبہ مراد ہے لیکن اس سے قطع نظر کر کے شیعوں کے لیے یہ قول کیا مفید ہو سکتا ہے کیونکہ اصول موضوعہ کی بنا پر قرن اول[۵]

---

۵ یعنی اسلام کے ابتدائی دور میں۔

میں اصلی دین عام طور پر ظاہر بھی نہیں کیا گیا۔ غالب اور مغلوب ہونا پیچھے کی بات ہے۔ ان کے مذہب میں تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اصحاب سے تقیہ کرتے رہے اور اصحاب کا خوف اس قدر غالب تھا کہ بہت سی آیات قرآنیہ کی تبلیغ آپ نے نہ کی (دیکھو مولوی دلدار علی کی کتاب عماد الاسلام) حضرت علیؓ بھی اپنے زمانۂ خلافت میں تقیہ کرتے رہے انتہا ہو گئی کہ تراویح جیسی بُری چیز عام طور پر رائج اس کو وہ نہ روک سکے متعہ جیسی عمدہ عبادت حرام کر دی گئی تھی اس کے حلال ہونے کا لفظ زبان سے نہ نکال سکے۔

المختصر بنا پر اصول شیعہ، دین برحق قرن اول میں مخفی و مستور رہا، نہ ظاہر و منصور، لہٰذا بہرصورت مذہب شیعہ کا بطلان اس آیت سے واضح ہو گیا آیت نے صاف بتلادیا کہ جو دین قرن اول میں عام طور پر ظاہر ہوا وہی دین برحق تھا اور اسی دین کے ساتھ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے اور جو دین اس زمانے میں مخفی و مستور رہا وہ باطل محض ہے اور جناب رسول اللہ علیہ وسلم اس دین کے ساتھ ہرگز مبعوث نہیں ہوئے۔

شیعہ اگر سمجھیں تو یہیں سے اُن کے مذہب کا بطلان خود انہیں کے اقرار کے مطابق واضح ہو جاتا ہے لیکن سمجھنے کا قصد ہی نہ کریں تو اس کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔

قول دوم یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس پیشین گوئی کا پورا ہو جانا۔

یہ ایک ایسی بات ہے کہ واقعات سے بھی کبھی اس کی تائید نہیں ہو سکتی مشرکین پر غلبہ تو بے شک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حاصل ہو چکا تھا۔ لیکن نصاریٰ اور مجوس پر ہرگز نہیں۔ چند نصرانیوں یا چند مجوسیوں کا مغلوب ہو جانا درصورتیکہ ان کی مغلوبیت کا کوئی اثر ان دونوں کی زبردست سلطنت پر کچھ نہ تھا اس آیت کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ آیت میں یہ ہے کہ تمام دینوں پر دین اسلام غالب ہو جائے گا۔ نصاریٰ و مجوس کی سلطنتیں جب تک مغلوب نہ ہوں یہ وعدہ پورا نہیں کہا جا سکتا۔

اب رہا یہ کہ وہ وعدہ تھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اور پورا ہو آپ کے

بعد تو یہ چیز بلاشبہ قابل اعتراض ہو سکتی تھی۔ اگر قرآن مجید میں اسکی تصریح نہ کر دی گئی ہوتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں یہ آیت تین جگہ ہے[1] اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ۔ یعنی جو وعدے حق تعالیٰ نے فرمائے ہیں وہ سب کے سب آپ کے سامنے پورے نہ ہوں گے۔ بعضے وعدے آپ کو دکھلائے جائیں گے اور بعض آپ کی وفات کے بعد پورے ہوں گے۔

قول سوم یعنی یہ کہ پیشین گوئی حضرت امام مہدی کے زمانہ میں پوری ہوگی بچند وجہ مردود ہے **اوّل** یہ کہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اب تک باوجود زائد از ہزار برس گزر جانے کے پورا نہ ہو۔ مَعَاذَ اللہ مِنْ ذٰلِکَ کسی فعل کا کوئی مقصد بیان کیا جائے تو یقیناً اس مقصد کو اس فعل کے بعد عَلَی الاِتِّصَال پایا جانا چاہیئے اور اگر کچھ فاصلہ بھی ہو تو وہ فاصلہ نہایت قلیل ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی طبیب کہے کہ میں نے فلاں دوا اس لیئے دی ہے کہ مواد فاسدہ کا تنقیہ ہو جائے تو یقیناً اس دوا کے پینے کے بعد ہی اسہال شروع ہو جانا چاہیئے۔ اگر عَلَی الْفَوْر نہ شروع ہو تو دو چار گھنٹہ بعد سہی۔ لیکن اگر دوا پینے کے دس بیس برس کے بعد اسہال ہو تو کون کہے گا کہ وہ طبیب اپنے قول میں سچا یا اپنے مقصد میں کامیاب تھا۔

اگر شیعہ کہیں کہ تمہارے قول کے مطابق بھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد آپ کے سامنے پورا نہ ہوا آپ کے بعد پورا ہوا تو جواب یہ ہے کہ اوّلاً تو ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت کے سامنے ہی سلسلہ اس مقصد کے حصول کا شروع ہو گیا تھا، تکمیل بعد آپ کے ہوئی اور جب سے سلسلہ شروع ہوا منقطع نہیں، بخلاف شیعوں کے کہ وہ کہتے ہیں سلسلہ شروع نہیں ہوا یا شروع ہو کر منقطع ہو گیا اور اب تک منقطع ہے ثانیاً آپ کے عَلَی الاِتِّصَال مقصد بعثت کے پورا ہو جانے میں اور

---

[1] سورۂ یونس رکوع ۵، سورہ الرعد رکوع ۶، سورۂ المؤمن رکوع ۸۔

ہزاروں برس کے بعد پورا ہونے میں بڑا فرق ہے دونوں کو یکساں کہنا صریح مکابرہ ہے۔

دوسری خرابی اس قول سوم میں یہ ہے کہ اس آیت میں مسلمانوں کو خوشخبری سنائی گئی ہے اور ان کو تسلی دی گئی کہ دشمنوں کا غلبہ زائل ہو جائے گا۔ تم کو امن کامل ملے گا۔ جیسا کہ سورۃ فتح کی آیت کا سیاق بتا رہا ہے۔ پس اگر یہ پیشین گوئی صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں پوری نہ ہو بلکہ ہزاروں برس کے بعد پوری ہو تو یقیناً بڑی فریب دہی کا الزام خدا کے ذمہ عائد ہو گا۔ کسی جماعت کو ایسی خوشخبری سنانا جو ان کے بعد ہزاروں برس تک پوری ہونے والی نہ ہو فریب نہیں تو کیا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔

خلاصۃ الکلام

یہ کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ دین برحق کو تمام اُدیان پر ہر قسم کا غلبہ ملے گا اور یہی مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ہے۔ اور یہ وعدہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر پورا ہوا لہذا ضروری ہوا کہ وہ تینوں حضرات آپ کے نائب اور خلیفہ برحق ہوں اور ان کی خلافت تکملۂ مقاصد نبوت ہو۔ وہو المطلوب۔

فریقین کی چند حدیثیں

۱۔ عن ثوبان قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم زوی لی الارض فرأیت مشارقہا ومغاربہا وان امتی سیبلغ ملکہا ما زوی لی منہا واعطیت الکنز الاحمر والابیض۔ (مسلم)	حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے وہ کہتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہ تحقیق اللہ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا میں نے زمین کی مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا اور بہ تحقیق میری امت کی بادشاہت عنقریب وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین میرے لیے سمیٹی گئی اور مجھے سونے اور چاندی کے خزانے دیئے گئے۔

٢- عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم هلك كسرى ثم لا يكون كسرى بعده وقيصر ليهلكن ثم لا يكون قيصر بعده ولتقسمن كنوزهما في سبيل الله۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسریٰ ہلاک ہوجائے گا پھر اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور قیصر بھی ہلاک ہوجائے گا پھر اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اور ضرور ضرور تم لوگ ان کے خزانوں کو راہ خدا میں صرف کرو گے۔

٣- عن البراء قال امر رسول الله صلى الله عليه وسلم بحفر الخندق قال عرض لنا صخرة لا ياخذ فيه المعاول فذكروا ذلك الى النبي صلى الله عليه وسلم قال فاخذ المعول قال واحسب قال ووضع ثوبه فضرب ضربة وقال بسم الله فكسر ثلث الصخرة ثم قال الله اكبر اعطيت مفاتيح الشام اني لانظر الى قصورها الحمر من مكاني هذا ثم قال بسم الله وضرب اخرى فكسر ثلثيها وقال الله اكبر اعطيت مفاتيح فارس والله اني لانظر الى المدائن وقصورها الابيض من مكاني هذا ثم قال بسم الله وضرب اخرى فكسر بقية الحجر وقال الله اكبر اعطيت مفاتيح اليمن والله اني لانظر

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (غزوۂ احزاب میں) خندق کھودنے کا حکم دیا اس خندق میں ایک پتھر ایسا نکل آیا جس میں کدالیں کچھ اثر نہ کرتی تھیں اس کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تو آپ نے کدال لی اور میرا خیال ہے کہ براءؓ نے کہا کہ آپ نے اپنی چادر بھی اتاری پھر بسم اللہ کہہ کر ایک ضرب آپ نے ماری تو ایک تہائی پتھر ٹوٹ گیا پس آپ نے کہا اللہ اکبر مجھے شام کی کنجیاں دی گئیں میں وہاں کے سرخ محل اپنی اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے بسم اللہ کہہ کر دوسری ضرب ماری تو دو تہائیاں اس پتھر کی ٹوٹ گئیں اور آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک فارس کی کنجیاں دی گئیں اللہ کی قسم میں مدائن اور اس کے سفید محلوں کو اپنی اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے بسم اللہ کہہ کر تیسری ضرب لگائی تو بقیہ پتھر بھی ٹوٹ گیا اور آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں اللہ کی قسم میں صنعا کے دروازوں

الی مفاتیح صنعاء من مکانی ھذا۔ کو یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔"

(مسند ابو یعلی)

یہ تینوں روایتیں کتب اہل سنت کی تھیں اب ایک روایت کتب شیعہ کی بھی دیکھئے تیسری روایت جو کتب اہلسنت سے منقول ہوئی کتب شیعہ میں بھی ہے روضہ کافی ص۲۱۶ میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ:۔

لَمَّا حَضَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ الْخَنْدَقَ مَرُّوْا بِکُدْیَۃٍ فَتَنَاوَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ الْمِعْوَلَ مِنْ یَدِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَوْ مِنْ یَدِ سَلْمَانَ فَضَرَبَ بِہَا فَتَفَرَّقَتْ بِثَلٰثِ فِرَقٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ لَقَدْ فُتِحَتْ عَلَیَّ فِیْ ضَرْبَتِیْ ھٰذِہٖ کُنُوْزُ کِسْرٰی وَقَیْصَرَ۔	جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے خندق کھودائی اور ایک پتھر سخت نکل آیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے کدال امیر المومنینؑ کے ہاتھ سے یا سلمانؓ کے ہاتھ سے لے لی اور اس پر پتھر مارا تو اس کے تین ٹکڑے ہو گئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ بہ تحقیق اس ضرب میں کسریٰ اور قیصر کے خزانے میرے اوپر کھول دیئے گئے۔

اسی حدیث کے مضمون کو علامہ باذل (ایرانی شیعہ نے) حملہ حیدری میں اس طرح نظم کیا ہے:۔

چنیں گفت راوی کہ در عین کار — زخندق یکے سنگ شد آشکار
چناں سخت کز وے نگشت دور — بصد ضرب یک ذرہ چوں چشم مور
زخارا شکن تیشہا دم بریخت — زبس ضرب بازوی مردان گسیخت
نمی شد چو آہن بر آں کارگر — نمودند خیر البشر را خبر
بیامد بدولت خود آنجا نبی — یکے تیشہ بستد ز دست یکے
چنیں گفت دانندہ ایں خبر — کہ قحطے دراں سال بد بیشتر
سہ روز و سہ شب بد کہ خیر الانام — نہ نوشیدہ بود از رغیف و طعام
دلے بہراں کاہل شرک و نزاع — نیابند بر حال او اطلاع

بروی شکم لیک زیر قبا | یکے سنگ بستہ بداں مقتدا
بداں فاقہ و ضعف سالار دین | ستد تیشہ از دست انصار دین
چو برداشت فولاد خارا شگاف | درآمد بزنہار ازاں کوہ قاف
بنام خدای جہاں آفرین | بزد تیشہ را سید المرسلین
کہ یک گوشہ سنگ از ہم شکست | دراں وقت برقی ازاں سنگ جست
بزد تیشہ را سید المرسلین | برآورد تکبیر خیر الانام
بضرب دوم ضلع دیگر شکست | و دراں وقت برقی ازاں سنگ جست
بفرمود تکبیر بار دوم | بزد پس براں سنگ ضرب سوم
دریں بار ہم جست برقی چناں | نبی شد بہ تکبیر رطب اللساں
شد ایں بار آں سنگ زیر و زبر | نماند احتیاجش بضرب دگر
دراں دم باو گفت سلماں چنیں | کہ اے خاک راہت سپہر بریں
ندیدیم ہرگز کہ گردد پدید | بدینگونہ برقے ز سنگ و حدید
چہ بود ایں و باشد چہ تعبیر آں | بہ تکبیر چوں بر کشودی زباں
بپاسخ چنیں گفت خیر البشر | کہ چوں جست برق نخست از حجر
نمودند ایوان کسرے بمن | دوم قصر روم و سوم از یمن
سبب را چنیں گفت روح الامین | کہ بعد از من اعوان و انصار دیں
براں مملکت ہا مسلط شوند | بآئین من اہل آں بگروند
بدیں مژدہ و شکر لطف خدا | بہر بام تکبیر کردم ادا
شنیدند آں مژدہ چوں مومناں | کشیدند تکبیر شادی کناں

شیعوں کی ان روایتوں کو دیکھو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کس خوشی کے ساتھ کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کا اپنے قبضہ میں آنا بیان فرما رہے ہیں اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے قبضہ میں کسریٰ اور قیصر کے خزانے آئے وہ کوئی ایسا تعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکھتے تھے کہ ان کا قبضہ آپ کا قبضہ تھا اور یہ تعلق سوا خلافت

کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ فتح روم وایران آپ کی بعثت کے متعدد نتائج میں سے تھا۔

حملۂ حیدری کی روایت میں فاتحانِ روم وایران کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دین کا ناصر و مددگار فرما کر ان کا خلیفہ برحق ہونا اور زیادہ واضح کر دیا۔

چند نفیس نکتے

۱۔ جتنی آیتوں کی تفسیر اس سلسلہ میں لکھی جا چکی اس کے دیکھنے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہو گی کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں خلافت راشدہ کا ذکر پیشین گوئی کی صورت میں کیا ہے۔ احکام شرعیہ کے طور پر کہیں نہیں فرمایا کہ اے مسلمانو! فلاں فلاں اشخاص کو خلیفہ بناؤ۔ اس میں ایک حکمت تو وہ ہے جو ہم سابقہ تفسیرات میں بیان کر چکے ہیں کہ حکم شرعی اگر ہوتا تو بندوں کو اختیار ہوتا چاہتے اس پر عمل کرتے یا نہ کرتے۔ لہذا حق تعالیٰ نے اس کو اوامر شرعیہ کی حد سے نکال کر امور تقدیریہ میں داخل کر دیا جو ٹل نہ سکے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ امر شرعی اگر ہوتا تو لوگوں کو یہ وہم پیدا ہوتا کہ خلیفہ کا تقرر منجانب اللہ ہوتا ہے اور اس میں بڑا حرج لازم آتا جیسا کہ ظاہر ہے۔

۲۔ قرآن مجید میں جتنی پیشین گوئیاں خلفائے راشدینؓ کے متعلق ہیں اُن میں ان کے فتوحات و فرمانروائی کے ساتھ دینداری اور اقامت دین کا ذکر ضرور فرمایا گیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہدیٰ اور دین حق کا ذکر ہے۔ اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ ان کے فتوحات اور ان کی فرمانروائی بادشاہانہ رنگ میں نہ ہو گی۔ بلکہ خلافت پیغمبر کے رنگ میں ہو گی۔ اصل مقصود ان کا اقامت دین ہو گا۔

۳۔ قرآن مجید کی انہیں پیشین گوئیوں کی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانشینی کا انتظام اس طور پر نہ کیا کہ کسی کو نامزد کر دیتے اور لوگوں میں اعلان دے دیتے کہ فلاں شخص میرا جانشین ہے ورنہ ممکن نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس شفقت و رافت کے جو امت پر آپ کو تھی۔ سفر آخرت کے وقت امت کو فراموش کر دیتے اور ان کو بے والی چھوڑ دیتے

دنیا کے چھوٹے چھوٹے سفر آپ کو پیش آتے تھے، غزوات میں آپ تشریف لے جاتے تھے تو مدینہ میں کسی نہ کسی کو آپ اپنا قائم مقام بنا کر جاتے تھے، مگر ان خداوندی پیشین گوئیوں نے آپ کو مطمئن کر دیا اور اس آخری سفر میں آپ نے اس تصریح کی ضرورت نہ سمجھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو امام نماز بنا دینا گو خلیفہ بنانے ہی کے برابر تھا، مگر پھر بھی تصریح میں جو بات ہوتی ہے وہ کہاں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی عادت ہوتی ہے جب کسی معاملہ میں وحی الٰہی سے ان کو تقدیر خداوندی کا حال معلوم ہو جاتا ہے پھر اس معاملہ میں اسباب ظاہری کو بالکل ترک کر دیتے ہیں۔ اگر سیرت قدسیہ پر کوئی شخص نظر ڈالے تو بیسیوں مثالیں اس کی ملیں گی۔ مثلاً جس وقت سے یہ آیت نازل ہوئی کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اس وقت سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حفاظت کے اسباب ظاہری کو بالکل موقوف کر دیا، دروازے سے دربان وغیرہ ہٹا دیے۔

ایک اعتراض اور اُس کا جواب

آج کل یورپ کے سیاسی اغوا نے یہ اعتراض پیدا کیا ہے کہ دنیا میں اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا۔ ہماری اس تفسیر کو دیکھ کر شاید کسی کے خیال میں یہ بات آئے کہ اس اعتراض کی اس سے تائید ہوتی ہے، کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصود یہ قرار پایا کہ دین برحق کو تلوار کے زور سے دین اسلام پھیلایا جائے۔

جواب اس اعتراض کا یہ ہے کہ دین اسلام کا بذریعہ تلوار کے غالب کیا جانا اور چیز ہے اور بذریعہ تلوار کے پھیلانا اور چیز ہے دونوں میں بیّن فرق ہے۔ بذریعہ تلوار کے غالب کیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی مخالف طاقتیں جو اسلام اور مسلمانوں کے فنا کرنے کی درپے تھیں جس کو آیہ کریمہ میں فرمایا کہ خدا کے نور کو منہ سے پھونک کر بجھانا چاہتے ہیں ان طاقتوں کو مغلوب کر دیا جائے تاکہ اسلام کے مٹانے پر ان کو قدرت نہ رہے اور اسلام کے بزور شمشیر پھیلانے کا یہ مطلب ہے کہ لوگوں سے یہ کہا جائے کہ مسلمان ہو جاؤ ورنہ مار ڈالے

جاؤ گے۔ تو یہ بات کبھی نہیں ہوئی۔ نہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نہ آپ کے خلفاء راشدین کے زمانہ میں۔ قرآن شریف میں صاف فرمایا کہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ یعنی زبردستی کرنا دین میں جائز نہیں ہے۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ دنیا میں ہر بادشاہ اپنے باغیوں کو فنا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی اس کو معیوب نہیں سمجھتا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ خداوند عالم جل شانہ جو سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس کے باغیوں کو انبیاء علیہم السلام تہ تیغ کریں اس پر اعتراض کیا جائے خصوصاً جب کہ وہ باغی اس قدر آمادہ شرارت ہو گئے ہوں کہ فرمانبرداروں کی زندگی تلخ کر دیں اور ان کی عافیت کو خطرہ میں ڈال دیں۔

الحمد للہ کہ تفسیر آیت اظہار دین تمام ہو گئی اب صرف پانچ چھ آیتوں کی تفسیر اور باقی ہے اس کے بعد احادیث کا سلسلہ انشاء اللہ تعالیٰ شروع ہو گا۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

تمت

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

تحقیق یہ قرآن ایسے ستر راہ ہے اس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے مومنین کو

تفسیر آیاتِ متفرقہ

جسمیں

قرآن مجید کی اُن دس آیات متفرقہ کی تفسیر ہے جن سے فضائل صحابۂ کرام کا استدلال پہلے کسی نے نہیں کیا ان آیات سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ مذہب شیعہ نے جو عقیدہ صحابۂ کرام کے متعلق تعلیم دیا ہے وہ قرآن مجید کے بالکل خلاف ہے

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳ - روڈ نمبر ۔ - سب بلاک اے بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدوسیہ
ناظم آباد - کراچی ۴۶۰۰ - فون نمبر: ۶۶۰۱۴۴۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ حمداً کثیراً کما امر والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید البشر سیدنا ومولٰنا محمد ذی النور الانور وعلیٰ آلہ وصحبہ الیٰ یوم المحشر۔

اما بعد حق تعالیٰ کی عنایت بے غایت کا شکر کسی طرح ادا نہیں ہو سکتا کہ تفسیر آیات خلافت کا سلسلہ آج ایک حد تک اتمام کو پہونچا ہے اور یہ رسالہ اس سلسلہ کا آخری نمبر ہے۔

شیعوں کی پیش کردہ آیات میں سے چھ کی تفسیر ہو چکی باقی آیات اس لئے چھوڑ دی گئیں کہ اُن کو شیعوں کے مقصد سے دُور کا لگاؤ بھی نہیں ہے۔ شیعوں کے امام اعظم شیخ حلی نے منہاج الکرامہ میں چالیس آیتیں پیش کی ہیں مگر ان کا استدلال دیکھکر ہر شخص کہے گا کہ بے شک وہ شیخ حلی ہی تھے پوری تفصیل کسی کو دیکھنا ہو تو منہاج السنہ کا مطالعہ کرے۔

اِس وقت جو چند متفرق آیات کی تفسیر ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے اس سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو گی کہ قرآن مجید کو کس قدر اہتمام صحابۂ کرام کی تقدیس وتطہیر کا مدنظر ہے اور کیوں نہو اِس آخری شریعت کے راوی اور ناقل اور پاسبان ونگہبان وہی حضرات ہیں۔ قرآن مجید کے اس اہتمام بلیغ کا یہ اثر ہے کہ کلمہ گویان اسلام میں بہت سے فرقے ہو گئے جن میں باہم دِگر بہت سخت اختلاف ہے مگر صحابۂ کرام کی عظمت وجلالت پر سب متفق ہیں کسی نے اُن کے تقدس میں کلام نہیں کیا سوا ایک فرقۂ شیعہ

کے جس کا اصل مقصد قرآن مجید کو مشکوک بنانا ہے اور جس کو اصل عداوت قرآن مجید سے ہے اور اسی وجہ سے قرآن مجید کا یہ تمام اہتمام اس کی نظر میں کچھ وقعت نہیں رکھتا۔

قرآن مجید کے سامنے شیعوں کی حیرانی و پریشانی قابل تماشا ہے کبھی تو وہ قرآن مجید کو محرف کہہ کر اپنی گلو خلاصی کرنا چاہتے ہیں اور بے تامل صاف کہہ دیتے ہیں کہ اس قرآن میں کفر کی باتیں بھری ہوئی ہیں اور اس قرآن کے مضامین سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں اور کبھی قرآن کو معما اور پہیلیاں کہہ کر پیچھا چھوڑانا چاہتے ہیں غرضکہ عجیب مخمصہ میں ہیں کچھ بنائے نہیں بنتی۔ مجتہدین شیعہ نے میری تفاسیر میں دو ایک کا جواب لکھ کر اپنی عاجزی و سراسیمگی کا اچھی طرح اظہار کر دیا ہے کہ اب کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ والحمد للہ علی ذلک۔

واضح رہے کہ قرآن مجید میں علاوہ اُن آیات کے جن میں صحابۂ کرام کی مدح وصفت اصلی مقصد کے طور پر بیان کی گئی ہے بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن میں ضمناً وتبعاً اُن کی تعریف ہے اور تعریف بھی ایسی جس سے مذہب شیعہ کا ساختہ و پرداختہ گم و ندہ بالکل مٹ جاتا ہے نمونے کے طور پر چند آیات اس مقام پر زیب رقم کی جاتی ہیں ۔
واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

پہلی آیت

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ‏ آل عمران پارہ ۴

ترجمہ بتحقیق احسان کیا اللہ نے ایمان والوں پر جبکہ بھیجا اُن میں ایک رسُول انھیں کے جنس سے جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سُناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

ف اِس آیت میں حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو اپنا احسان قرار دیا ہے اور جو فوائد آپ کی ذات مُبارک سے مخلوق خدا کو حاصل ہوئے اُن کو بیان فرمایا ہے جن میں ایک فائدہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو پاک کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ پاک کرنا ظاہر جسم کا پاک کرنا نہ تھا اور نہ ظاہر جسم کا پاک کرنا کوئی ایسی چیز ہے۔ جو سید الانبیا صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں ذکر کی جائے اور خداوند عالم جل شانہ اس کو اپنے انعامات واحسانات میں شمار فرمائے۔ ظاہر جسم کی پاکی تو ہر شخص خود وضو یا غسل سے حاصل کر سکتا ہے، بلکہ یہ پاک کرنا باطن کا تھا کہ آپ کی صحبت سے آپ کی توجہ سے لوگوں کے قلوب پاک ہوتے تھے لوگوں کے نفوس سے بُرے عادات وخصائل کفر وشرک کی ظلمت ونجاست کا ازالہ ہوتا تھا۔ احادیث میں سیکڑوں واقعات اس قسم کے ملتے ہیں کہ کوئی کافر آپ کی خدمت میں آیا جو شرک وکفر کی نجاست میں سر سے پاؤں تک ڈوبا ہوا اور اسلام کی عداوت سے اس کا سینہ بھرا ہوا ہوتا تھا اور چشم زدن میں آپ کی توجہ اُس میں انقلاب عظیم پیدا کر دیتی تھی اور وہ مسلمان ہو کر دین الٰہی کی محبت میں سرشار ہو جاتا تھا۔

اسی آیت کے وجہ سے اہل سنت کا یہ اعتقاد ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے کل نہایت مقدس اور نہایت زکی تھے اور زمانہ ما بعد کا کوئی بُرے سے بڑا ولی بھی اُن کے رُتبہ کو نہیں پا سکتا وہ سب خدا کے رسُول کے پاک کئے ہوئے تھے۔

اگر کوئی روایت اُن کے تقدس کے خلاف ملے تو یقیناً وہ روایت جعلی ہو اور قرآن مجید کے خلاف ہونے کے باعث سے مردود ہے۔

مگر مذہب شیعہ کی تعلیم کے موافق اگر تینوں خلیفہ اور اُن کے ساتھیوں کو منافق و مرتد اور ظالم وغاصب مان لیا جائے (معاذ اللہ) تو پھر یہ صفت تزکیہ کی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم میں باقی نہیں رہتی بلکہ اس آیت کی تکذیب لازم آتی ہے۔

اگر شیعہ کہیں کہ اس آیت میں جمع کے الفاظ سے صرف ایک حضرت علی کی ذات مراد ہے انھیں کو رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے پاک کیا تھا اور وہی ایک مقدس

فر کی تھے تو جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت علی بقول شیعہ کبھی گمراہی میں نہ تھے اور یہ آیت بتا رہی ہے کہ جو لوگ صریح گمراہی میں تھے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اُن کو پاک کرتے تھے۔

حضرت علی کے علاوہ چار اشخاص کو اور بھی شیعہ مومن کہتے ہیں[1] لیکن اول تو اُن کا ایمان حسب روایات شیعہ کامل نہ تھا دوسرے یہ کہ چار پانچ اشخاص کی پاکی کوئی ایسی غیر معمولی اہمیت نہیں رکھتی جس کا ذکر اس اہتمام سے کیا جائے خصوصاً جبکہ ایک بڑا گروہ جو ہر وقت آپ کی صحبت میں رہتا تھا اُسکو آپ مطلق پاک نہ کر سکے جس طبیب کے زیر علاج ایک لاکھ مریض ہوں اُن میں اگر تین چار مریض شفا پائیں اور باقی سب اسیطرح اپنے مرض میں مبتلا رہ کر ہلاک ہو جائیں تو وہ طبیب ہرگز لائق تعریف نہیں ہو سکتا اور ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ اُسکے ہاتھ میں شفا ہے۔

صحابۂ کرام کے علم کی عظمت بھی اس آیت سے معلوم ہوتی ہے جنکو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قرآن کی تعلیم دی ہو اُنکی برابر کس کا علم ہو سکتا ہے۔

جو مضمون اس آیت میں بیان فرمایا ہے وہی مضمون قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں ہے از انجملہ سورۂ جمعہ میں تو الفاظ بھی قریب قریب متحد ہیں۔

دوسری آیت

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا۔

[1] حیات القلوب جلد دوم ص۲۲۳ میں ہے "شیخ کشی بسند معتبر روایت کردہ است کہ ہیچ یک از صحابہ نبود کہ بعد از حضرت رسول حرکتے نکند مگر مقداد بن اسود" پھر اسی کتاب کے اسی صفحہ میں ہے "کشی بسند حسن از حضرت امام باقر روایت کردہ است کہ صحابہ بعد از حضرت رسول مرتد شدند مگر سہ نفر سلمان و ابوذر و مقداد راوی گفت عمار چہ شد حضرت فرمود کہ اندک میلے کرد و برگردید برگشت پس فرمود کہ اگر کسی را خواہی کہ ہیچ شک نکرد و شبہہ او را عارض نشد او مقداد است"

(آل عمران پارہ ۴)

ترجمہ اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جبکہ تم باہم دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی پس تم خدا کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے خدا نے تمکو اس سے نجات دی۔

یہی مضمون ایک دوسری آیت میں اسطرح ہے۔

هُوَالَّذِیٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْاَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

(انفال پارہ ۱۰)

ترجمہ وہی اللہ ہے جس نے اے نبی آپ کو اپنی مدد سے اور ایمان والوں سے قوت دی اور اُن کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اگر آپ تمام روئے زمین کی دولت خرچ کر دیتے تو بھی اُن کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے، لیکن اللہ نے ان میں باہم الفت پیدا کر دی بیشک وہ غالب حکمت والا ہے۔ اے نبی اللہ آپ کے لئے کافی ہے اور جو ایمان والے آپ کے پیرو ہو چکے ہیں۔

ف ان دونوں آیتوں میں صحابہ کرام کے متعلق وہ باتیں بیان فرمائی ہیں کہ اُنکے مان لینے کے بعد مذہب شیعہ قطعًا فنا ہو جاتا ہے۔

ایک مضمون اُن دونوں آیتوں میں مشترک ہے اور ایک ایک غیر مشترک۔

مشترک مضمون یہ ہے کہ خداوند کریم نے خبر دی کہ صحابہ کرام میں قبل اسلام باہم ایسی سخت عداوت تھی کہ اُس کا دُور کر دینا انسانی طاقت سے بالاتر تھا حتیٰ کہ سید الانبیا صلے اللہ علیہ علیہ وسلم کی بابت فرمایا کہ آپ بھی تمام دنیا کی دولت خرچ کر کے اُن کی عداوت زائل نہ کر سکتے تھے خداوند کریم نے اپنی قدرت کاملہ سے اُس عداوت کو دور کر کے اُن میں باہم الفت پیدا کر دی کہ وہ بھائی بھائی ہو گئے۔ اُن کی اس باہمی الفت کو خدا نے اپنی نعمت فرمایا۔

اس مضمون سے دو نتیجہ برآمد ہوئے **اوّل** یہ کہ قرآن شریف یہ بتاتا ہے کہ صحابۂ کرام میں باہم الفت و محبت تھی اور ایسی اُلفت و محبت جو خدا کی قدرت کاملہ کا ایک نمونہ تھی۔ اُن کی اس باہمی محبت کو ایک اور آیت میں رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ کی لفظ سے تعبیر فرمایا اور ایک اور آیت میں اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کی لفظ سے۔ غرضکہ جابجا مختلف کلمات میں اس کو بیان فرمایا ہے مگر مذہب شیعہ یہ بیان کرتا ہے کہ صحابۂ کرام کی وہ دیرینہ عداوتیں بدستور قائم تھیں کہ بنی اُمیہ اور بنی ہاشم میں باہم وہی بغض و عناد اپنا کام کر رہا تھا۔ اور اسی بغض و عناد کی وجہ سے حضرت علی کو پہلی خلافت نہ مل سکی اور اُنپر طرح طرح کے ظلم ہوئے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

دوم یہ کہ قرآن شریف یہ بتاتا ہے کہ صحابہ مخلصین کی ایک بڑی جماعت تھی مگر مذہب شیعہ کی تعلیم یہ ہے کہ صرف چار پانچ اشخاص مخلص تھے باقی سب منافق تھے یہ تعلیم کھلم کھلا قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ ان چار پانچ اشخاص میں نہ تو پہلے سے کوئی عداوت تھی نہ چار پانچ اشخاص میں الفت پیدا کر دینا کوئی ایسا بڑا کام ہے جسکو اس اہتمام سے بیان کیا جائے اور اسکو خدا کی قدرت کا کرشمہ کہا جائے۔

تینوں خلفا کو مومن کامل اور خلیفۂ برحق نہ ماننے سے شیعوں کو یہ دو صریح مخالفتیں قرآن کی کرنی پڑیں لیکن وہ مخالفت قرآن کی کچھ پروا نہیں کرتے ختم اللہ علی قلوبھم کوئی شیعہ خدا کے لیے بتلادے کہ وہ کون لوگ تھے جن میں باہم عداوت تھی اور ایسی عداوت کہ کسی طرح زائل نہو سکتی تھی اور خدا نے ان کی عداوت کو دُور کر کے انکو بھائی بھائی بنا دیا۔ یقیناً قیامت تک کوئی شیعہ اپنے مذہب کی رو سے اسکو نہیں بتا سکتا۔

اگر شیعہ کہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بیشک انکی عداوتیں زائل ہو گئی تھیں اور وہ باہم ایک دوسرے کے دوست بنگئے تھے لیکن آپکی وفات کے بعد اُن میں وہ عداوتیں پھر عود کر آئیں لہذا آیت کا مضمون سچا ہے اور مذہب شیعہ کی تعلیم اسکے خلاف نہیں ہے۔ جواب اسکا یہ ہے کہ اول تو یہ بات مسلمات مذہب شیعہ کے خلاف ہے کیونکہ شیعہ صحابۂ کرام کو اول روز سے مومن نہیں مانتے لکھتے ہیں کہ منافقانہ ایمان لائے تھے۔

دوسرے یہ کہ جو نعمت اسقدر قلیل مدت کے لئے اُن کو ملی تھی اور پھر ان سے لیگئی اُسکا احسان رکھنا خداوند عالم الغیب کی شان سے بعید اور بہت بعید ہے۔

غیر مشترک مضمون یہ ہے کہ پہلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اے اصحاب نبی تم دوزخ کے گڑھے کے کنارہ پر تھے خدا نے تم کو اس سے نجات دی اور دوسری آیت میں فرمایا کہ اے نبی آپ کی مدد کے لئے وہ مومنین کافی ہیں جو آپ کے پیرو ہو چکے ہیں۔ ان دونوں مضمونوں کی تصدیق مذہب شیعہ کی تعلیم پر ناممکن ہے اس لئے کہ تینوں خلیفہ کے مومن اور خلیفہ برحق نہ ہونے سے تمام صحابہ کرام کو باستثناء چار پانچ اشخاص کے منافق و مرتد ماننا پڑتا ہے لہٰذا وہ دوزخ سے نجات یافتہ نہیں ہوسکتے یا بعبارت دیگر خدا جسکے نجات یافتہ ہونے کی خبر دے وہ منافق و مرتد نہیں ہوسکتا۔

نیز جبکہ تمام صحابہ مرتد قرار دیئے گئے منافق مانے گئے تو چار پانچ اشخاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لئے کسی طرح کافی نہیں ہوسکتے اور حضرت علی تنہا اگر مدد کیلئے کافی ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے یار و مددگار رہنے کی وجہ سے حضرت صدیق کے ہاتھ پر بیعت کیوں کر لیتے۔

مذہب شیعہ کا عجب حال ہے کبھی تو وہ حضرت علی کو اتنا بڑا شجاع اور اتنا بڑا طاقتور ظاہر کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا کے مقابلہ میں وہی اکیلے کافی تھے اور کبھی وہ انکو ایسا کمزور اور مغلوب اور بزدل بناتا ہے کہ وہ کلمہ کہہ ہی نہ سکتے تھے اُنکی خلافت چھن گئی اُنکی بیٹی غصب کر لیگئی سارا دین تباہ کر دیا گیا مگر وہ بول بھی نہ سکے۔

تیسری آیت

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (حجرات پارہ ۲۶)

ترجمہ اور (اے مسلمانو) جان لو کہ بہ تحقیق تمہارے درمیان میں اللہ کا رسول ہے اگر اگر وہ اکثر باتوں میں تمہارا کہنا مان لیا کرے تو تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اسکو تمہارے دلوں میں رچا دیا ہے اور کفر و فسق و نافرمانی سے تمکو متنفر کر دیا ہے۔ یہی لوگ راشد یعنی ہدایت یافتہ ہیں اللہ کی بخشش اور احسان سے اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

پھر ایک اور آیت میں اسی کے مثل یوں ارشاد ہوتا ہے۔

فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلٰى رَسُولِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (فتح پارہ ۲۶ آیت ۲۶)

ترجمہ پھر اللہ نے اپنا سکینہ اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر نازل کیا اور صفت تقویٰ اُن کے لئے لازم کر دی اور وہ اس انعام کے سب سے زیادہ مستحق اور سزاوار تھے اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

ف اِن دونوں آیتوں میں حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کے لئے اور دوسری آیت میں خصوصیت کے ساتھ اہل حدیبیہ کیلئے چند ایسی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں جن کی نظیر کسی اور کیلئے مل نہیں سکتی اُن فضائل کو مذہب شیعہ کے لئے سم قاتل کہا جائے تو بجا ہے۔

(۱) اُن کو ایمان سے قلبی محبت ہے۔

(۲) ایمان اُن کے دلوں میں بس گیا ہے۔

(۳) کفر و فسق اور ہر قسم کے گناہ سے ان کو دلی نفرت ہے۔

(۴) وہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

(۵) اُن پر سکینہ نازل ہوا۔

(۶) صفت تقویٰ اُن کے لئے لازم ہے یعنی ان سے جدا نہیں ہو سکتی۔

(۷) وہ لوگ اس عظیم الشان انعام کے سب سے زیادہ مستحق اور سزاوار تھے۔

قرآن شریف میں جن کے ایسے عظیم الشان اوصاف بیان کئے گئے ہوں بھلا کوئی ایمان دار اس بات کو مان سکتا ہے کہ اُن سے کوئی حرکت ایمان اور تقویٰ کے خلاف صادر

اگر کوئی شخص ناانصافی پر کمر باندھ کر یہ کہے کہ ان تمام اوصاف کے مصداق صرف ایک حضرت علی تھے تو جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت علی کو شیعہ معصوم مانتے ہیں اور ان آیتوں میں یہ صفات ان لوگوں کے بیان ہوئے ہیں جن کا غیر معصوم ہونا بھی انھیں آیتوں سے ظاہر ہے پہلی آیت میں فرمایا کہ رسول اگر اکثر باتوں میں تمھارا کہنا مان لیں تو تم تکلیف میں پڑ جاؤ اگر وہ معصوم ہوتے تو انکا کہنا مان لینے سے کبھی کوئی خرابی نہ پیش آتی۔

ان آیتوں کے ہوتے ہوئے اگر لاکھوں روایتیں کیسی ہی صحیح السند صحابۂ کرام سے خلاف ایمان و خلاف تقوی کسی حرکت کا صادر ہونا بیان کریں تو ایمان دار کا فرض ہے کہ ان روایتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے قرآن مجید کے خلاف کوئی روایت اور کوئی چیز مقبول نہیں ہو سکتی۔

چوتھی آیت

فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝

(انعام پارۂ ۷)

ترجمہ اگر یہ لوگ یعنی کفار مکہ نبوت کا انکار کریں (تو کچھ پروا نہیں) بہ تحقیق ہم نے اس پر اس قوم کو مقرر کیا ہے جو اسکے ساتھ کفر کرنے والی نہیں ہے۔

ف اس آیت میں ایک قوم کی خدا نے تعریف کی ہے اور اپنا مقرر کیا ہوا ان کو فرمایا ہے اور فرمایا کہ وہ قوم انبیا کی نبوت کا کفر کرنے والی نہیں ہے۔ اب رہی یہ بات کہ مراد اس قوم سے کون لوگ ہیں یہ بالکل ظاہر ہے اسلئے کہ یہ سورۂ انعام مکی ہے قبل ہجرت کے نازل ہوئی ہے معلوم ہوا کہ لفظ قوم سے مراد مہاجرین کی جماعت ہے جو قبل ہجرت ایمان لا چکے تھے اور ہو سکتا ہے کہ انصار بھی مراد لئے جائیں کیونکہ وہ بھی ہجرت سے پہلے ہی مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ حق تعالیٰ نے مہاجرین و انصار کو اپنا مقرر کیا ہوا اسلئے فرمایا کہ اس سعادت عظمیٰ کی توفیق ان کو خدا ہی کی طرف سے ملی تھی۔

پانچویں آیت

اِنَّ رَبَّکَ یَعۡلَمُ اَنَّکَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ وَ نِصۡفَہٗ وَ ثُلُثَہٗ وَ طَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَکَ (مزمل پارہ ۲۹)

ترجمہ بہ تحقیق (اے نبی) آپ کا پروردگار جانتا ہے کہ آپ قریب دو تہائی رات کے خدا کی عبادت کرتے ہیں اور کبھی ایک تہائی رات اور ایک گروہ اُن لوگوں میں سے جو آپ کے ساتھ ہیں۔

ف حق تعالیٰ نے اِس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت عبادت کا تذکرہ فرمایا ہے اور آپ کے ساتھ والوں میں سے دو چار نہیں بلکہ ایک گروہ کو اس صفت میں آپ کے ساتھ شامل کیا۔ سورۂ مزمل مکی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ تعریف اصحاب مہاجرین کی بیان ہو رہی ہے حالانکہ از روئے مذہب شیعہ مہاجرین میں سوا حضرت علی کے اور کوئی بھی لائق نہ تھا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زہد اور کثرت عبادت کی صفت حضرت ابوبکر صدیق میں سب سے زیادہ تھی۔ خدا کی قدرت ہے کہ کتب شیعہ میں بھی یہ اقرار موجود ہے۔ فروع کافی جلد دوم صفحہ ۴۸ میں ایک طولانی حدیث اس مضمون کی ہے کہ کچھ صوفی لوگ امام جعفر صادق کے پاس آئے، امام ممدوح نے اُن کو کچھ نصیحتیں کیں اسی سلسلہ میں حضرت سلمان اور حضرت ابوذر اور حضرت ابوبکر صدیق کا ذکر کیا اور فرمایا کہ مَنۡ اَزۡهَدُ مِنۡ هٰٓؤُلَآءِ وَقَدۡ قَالَ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ مَا قَالَ یعنی ان لوگوں سے بڑھ کر زاہد کون ہو سکتا ہے اور بہ تحقیق رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حق میں فرمایا ہے جو کچھ فرمایا ہے۔

حق تعالےٰ نے صحابہ کرام کی کثرت عبادت کا تذکرہ متعدد آیات میں کیا ہے آیت معیت میں تراھم رکعا سجدا فرمایا آیت میراث ارض میں قوم عابدین فرمایا آیت استخلاف میں یعبدوننی ارشاد فرمایا آیت تمکین میں، اقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ فرمایا وغیرہ وغیرہ۔

چھٹی آیت

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ فِي صُحُفٍ مُكَرَّمَةٍ مَرْفُوعَةٍ مُطَهَّرَةٍ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ط (عبس پارہ ۳۰)

ترجمہ۔ بتحقیق یہ ایک نصیحت ہے جو چاہے اس کو یاد کرے اُن باعزت صحیفوں میں جو بلند مرتبہ اور پاکیزہ ہیں اور بزرگ نیکوکار لکھنے والوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں۔

ف اس آیت میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کی تعریف ہے انکو بزرگ اور نیکوکار فرمایا گیا ہے یہ اُن صحابۂ کرام کی بابت ہے جو قرآن مجید کی کتابت کرتے تھے جیسے حضرت عثمان حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اس آیت کی تفسیر میں سفرۃ کرام بررہ سے فرشتوں کو مراد لینا سیاق قرآن کے مطابق نہیں ہے خداوند کریم جل شانہ نے فرمایا ہے کہ یہ نصیحت اُن پاکیزہ ورقوں میں ملے گی جو بزرگ نیکوکار لوگوں کے ہاتھ میں ہیں فرشتوں کے ہاتھ میں جو چیز ہے وہ انسانوں کی نظر سے غائب ہے اس سے نصیحت کیونکر حاصل کیجا سکتی ہے۔

ساتویں آیت

وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ط (نصر۔ پارہ ۳۰)

ترجمہ اور دیکھا اے نبی آپنے لوگوں کو کہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج کی فوجیں۔

ف اس سورت میں حق تعالیٰ نے اپنے دو انعام ذکر فرمائے ہیں اول فتح کہ دوم لوگوں کا کثرت دین الٰہی میں داخل ہونا۔ پھر ان انعامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شکر ادا کرنیکا حکم دیا ہے ظاہر ہے کہ مذہب شیعہ کی بنا پر کسی طرح یہ آیت صادق نہیں ہو سکتی کیونکہ آیت بتا رہی ہے کہ فوجوں کی فوجیں دین الٰہی میں داخل ہوئیں اور مذہب شیعہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ صرف معدودے چند صدق دل سے مسلمان ہوئے تھے باقی سب منافقانہ طور پر اظہار اسلام کرتے تھے اور بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مرتد ہو گئے تھے (معاذ اللہ منہ) بھلا کوئی کہہ سکتا ہے کہ معدودے چند

لوگوں کو افواج کی لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یا منافقانہ طور پر اظہار اسلام کرنیکو دین الٰہی میں داخل ہونا کہا جا سکتا ہے اور پھر یہ منافقانہ اسلام اور وہ بھی چند روز کیلئے انعام الٰہی میں شمار ہو سکتا ہے۔ حاشا ثم حاشا۔

آٹھویں آیت

قرآن مجید میں کہیں کہیں صحابہ کرام پر تعلیمی طرز میں کچھ عتاب کیا گیا ہو بالکل اسی رنگ میں جیسا کہ انبیائے سابقین علیہم السلام کے متعلق بھی ہوتا رہا ہے مگر ان عتاب کی آیتوں میں بھی صحابہ کرام کی فضیلت بھی ایسی کہ مذہب شیعہ کے قلع و قمع کرنے کے لئے کافی ہے چنانچہ دو ایک آیتیں اس قسم کی بھی ملاحظہ ہوں۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (آل عمران پارہ ۴)

ترجمہ اور یاد کیجئے اے نبی جب آپ اپنے گھر سے چلے اور ایمان والوں کو لڑائی کی صف میں کھڑا کر رہے تھے اور اللہ سننے والا ہے جب تم میں سے دو گروہوں نے ارادہ کیا کہ سستی کریں اور اللہ ان دونوں گروہوں کا ولی یعنی کارساز ہو اور اللہ ہی پر چاہئے کہ ایمان والے بھروسہ کریں۔

ف اس آیت میں اُحد کی لڑائی کا بیان ہے۔ ارشاد فرمایا کہ تم میں سے دو گروہوں نے ہمت ہار دی تھی اور اللہ ان دونوں کا ولی تھا معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مومنین کی بہت بڑی جماعت تھی اور اس جماعت کے دو گروہوں نے ہمت ہار دی تھی ان ہمت ہارنے والوں کا بھی اللہ ولی تھا ہمت نہ ہارنے والوں کا بدرجۂ اولیٰ اور یہ بات قرآن مجید کی دوسری آیات سے ثابت ہے کہ اللہ ایمان والوں ہی کا ولی ہوتا ہے چنانچہ تلک الرسل میں ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اب خیال کرو کہ مذہب شیعہ کی تعلیم کہ اس زمانہ میں صرف چار پانچ مومن تھے۔ اس آیت سے غلط ہو گئی یا نہیں اور مذہب شیعہ کا قلع و قمع ہو گیا یا نہیں۔

نویں آیت

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ۔

(انفال پارہ ۹)

ترجمہ جسطرح آپ کو اے نبی آپکے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ نکالا اور بہ تحقیق ایک فریق ایمان والوں میں سے اس نکلنے کو ناپسند کرتا تھا۔

ف اس آیت میں غزوۂ بدر کا بیان ہے کہ ایمان والوں میں ایک گروہ اس سفر کو ناپسند کرتا تھا۔ معلوم ہوا کہ اُس وقت بھی ایمان والوں کی بڑی تعداد تھی جن میں سے کچھ لوگ اس سفر کے خلاف تھے حالانکہ مذہب شیعہ کی رو سے اس وقت چار یا پانچ مومن بھی نہ تھے کیونکہ سلمان فارسی بھی اسوقت تک مشرف باسلام نہوئے تھے

شیعوں نے اپنی کتابوں میں یہ بھی لکھ دیا کہ جن لوگوں کو اس آیت میں سفر کا مخالف ظاہر کیا گیا ہے وہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر تھے۔ حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۲۲۹ میں ہے کہ " موافق روایات سابق معلوم است کہ ایں کنایات با بوبکر و عمر ست کہ کارہ بودند جہاد را" مگر اتنا نہ سمجھے کہ حضرت ابوبکر و عمر کو کارہین میں داخل کرنے سے ان کا مومن ہونا بھی ثابت ہو جائیگا۔ کیونکہ خدا نے کارہین کو فریقا من المومنین فرمایا ہے۔

دسویں آیت

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ۔ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا

ترجمہ۔ اور جبکہ نبی نے اپنی کسی بی بی سے راز کی بات کہی پھر جب اُس بی بی نے وہ راز ظاہر کر دیا اور اللہ نے نبی کو اس بات پر اطلاع دی تو نبی نے اس راز کے بعض حصہ کی بازپرس کی اور بعض سے چشم پوشی کی جب نبی نے اس بی بی سے اسکو بیان کیا تو اس بی بی

نے کہا کہ آپکو کسنے خبر دی۔ نبی نے کہا کہ مجھے دانائے باخبر یعنی اللہ نے خبر دی۔ اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کر لو تو بہتر ہی اسلئے کہ تم دونوں کے دل جھک گئے ہیں۔

ف ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کا تذکرہ روایات میں ہے کہ سنہ ۹ھ کا واقعہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ سے کوئی راز بیان فرمایا اور انھوں نے وہ راز حضرت عائشہ سے کہدیا اور بذریعہ وحی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو افشائے راز کی خبر دی گئی اور آپ نے حضرت حفصہ سے اسکا ذکر کیا اسی پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

وہ راز کی بات کیا تھی اسکے متعلق روایات مختلف ہیں ایک روایت یہ ہی کہ مغافیر ایک قسم کا شہد ہوتا ہے حضرت اسکا استعمال فرمایا کرتے تھے اور آپ کی ازواج مطہرات کو پسند نہ تھا حضرت حفصہ سے آپ نے فرمایا کہ اب میں اس شہد کا کبھی استعمال نہ کروں گا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت حفصہ کے مکان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ سے خلوت فرمائی یہ امر حضرت حفصہ کو ناگوار گزرا تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ اچھا اب میں ماریہ کو اپنے اوپر حرام کیے دیتا ہوں۔ اور ایک روایت میں ہی کہ آپنے حضرت حفصہ سے یہ بیان کیا تھا کہ میرے بعد ابو بکر خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد عمر بن خطاب۔ ان تینوں روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے ممکن ہے کہ یہ تینوں باتیں ایک ساتھ پیش آئی ہوں۔

یہ روایت حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے خلافت کی سنی و شیعہ دونوں کی کتابوں میں متعدد سندوں سے منقول ہے چنانچہ کتب اہل سنت کے چند حوالے حسب ذیل ہیں ازالۃ الخفا مقصد اول صفحہ ۳۰ میں ہی۔

عن بن عباس قال واللہ ان امارۃ ابی بکر وعمر لفی کتاب اللہ قال اللہ تعالیٰ واذا اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا قال لحفصۃ ابوک و	ابن عباس سے روایت ہی وہ کہتے تھے کہ خدا کی قسم ابو بکر و عمر کی خلافت کا ذکر اللہ کی کتاب میں ہی دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہی واذا اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا وہ بات یہی تھی کہ آپنے حضرت حفصہ سے فرمایا کہ تمھارے والد

ابو عائشۃ اولیاء الناس بعدی
فایاک ان تخبری بہ احدا اخرجہ
الواحدی ولہ طرق ذکر بعضہا فی
الریاض النظرۃ ۔

اور عائشہ کے والد میرے بعد خلیفہ ہوں گے خبردار
اسکو کسی سے بیان نہ کرنا۔ اس حدیث کی تخریج
واحدی نے کی ہے اسکی سندیں متعدد ہیں جن میں بعض
ریاض النظرۃ میں مذکور ہیں۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲۴۹ میں ہے۔

عن عائشۃ فی قولہ واذ اسر النبی الی
بعض ازواجہ حدیثا قال اسر الیہا
ان ابا بکر خلیفتی من بعدی وعن علی
وابن عباس قالا واللہ ان امارۃ
ابی بکر وعمر لفی الکتاب واذ اسر
النبی الی بعض ازواجہ حدیثا قال
لحفصۃ ابوک وابو عائشۃ والیا الناس
بعدی فایاک ان تخبری بہ احدا۔
وعن میمون بن مہران فی قولہ
واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا
قال اسر الیہا ان ابا بکر خلیفتی
من بعدی وعن حبیب بن ابی
ثابت واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ
حدیثا قال اخبر عائشۃ ان اباہا
الخلیفۃ من بعد ابیہا وعن
الضحاک فی قولہ واذ اسر النبی
الی بعض ازواجہ حدیثا قال
الی حفصۃ بنت عمر ان الخلیفۃ

حضرت عائشہ سے واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ
حدیثا کی تفسیر میں منقول ہے کہ وہ راز یہ تھا کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ابوبکر میرے بعد
میرے خلیفہ ہونگے۔ اور علی اور ابن عباس سے روایت ہے
کہ وہ دونوں کہتے تھے اللہ کی قسم ابوبکر و عمر کی خلافت قرآن
میں مذکور ہے واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ سے فرمایا کہ تمہارے
والد اور عائشہ کے والد میرے بعد لوگوں کے والی
ہوں گے، خبردار اسکو کسی سے بیان نہ کرنا۔ اور
میمون بن مہران سے واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ
حدیثا کی تفسیر میں منقول ہے کہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ابوبکر میرے بعد خلیفہ ہوں گے
اور حبیب بن ابی ثابت سے واذ اسر النبی الی
بعض ازواجہ حدیثا کی تفسیر میں منقول ہے کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو خبر دی تھی کہ تمہارے
والد میرے بعد خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد حفصہ کے والد
اور ضحاک سے واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا
کی تفسیر میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ

من بعدہ ابوبکر ومن بعد ابی بکر عمر وعن مجاھد فی قولہ عرف بعضہ واعرض عن بعض قال الذی عرف امر ماریۃ واعرض عن قولہ ان اباک وابا ھا یلیان الناس من بعدی مخافۃ ان یفشو۔	بنت عمر سے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکر خلیفہ ہوں گے۔ اور بعد ابوبکر کے عمر۔ اور مجاہد سے عرف بعضہ واعرض عن بعض کی تفسیر میں منقول ہے کہ جس بات پر آپ نے بازپرس کی وہ ماریہ کا معاملہ تھا اور جس بات سے آپ نے چشم پوشی کی وہ یہ تھی کہ اے حفصہ تمہارے والد اور عائشہ کے والد میرے بعد لوگوں کے والی ہوں گے۔ یہ چشم پوشی اسلئے کی کہ بات زیادہ مشہور نہو۔

اور کتب شیعہ میں اُن کی سب سے زیادہ معتبر تفسیر قمی مطبوعۂ ایران صفحہ ۳۵۴ میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ سے کہا۔

ان ابا بکر یلی الخلافۃ بعدی ثم من بعدہ ابوک فقالت من اخبرک بھذا قال اللہ اخبرنی۔	بتحقیق ابوبکر والی خلافت ہونگے میرے بعد پھر انکے بعد تمہارے والد حضرت حفصہ نے پوچھا کہ آپ کو یہ خبر کسنے دی تو آپنے فرمایا کہ اللہ نے مجھے خبر دی ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرات شیخین کی خلافت کی خبر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پہلے ہی سے دے گئے تھے اور یہ خبر آپ نے اپنی بی بی کو خوش کرنے کیلئے سنائی تھی اور یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی ناجائز چیز کی خبر سناکر آپ اپنی بی بی کو خوش کریں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب مشیت الٰہی کا حال معلوم ہو چکا اور خدا آپ کو خبر دے چکا کہ آپ کے بعد شیخین خلیفہ ہوں گے تو یہ ممکن نہیں کہ آپ نے حضرت علی کی خلافت کے متعلق کوئی ارشاد فرمایا ہو جس قدر روایتیں کتب شیعہ میں اس کے متعلق ہیں ان سب کا غلط ہونا اسی سے ظاہر ہے۔

ف ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو نصیحت فرمائی ہے اور تعلیمی طرز

ف مقبول احمد نے اپنے ترجمۂ قرآن صفحہ ۹۰۴ میں اسی روایت کو نقل کیا ہے مگر ترجمہ میں بڑی خیانت کی لکھتا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکر خلیفہ بن بیٹھے گا۔ لفظ یلی کا ترجمہ بن بیٹھے گا۔ کی بڑی جرأت ہے۔ اللہ اکبر۔

میں اُن پر عتاب کیا ہے اور توبہ کا حکم دیا ہے شیعہ اس پر بہت خوش ہوتے ہیں۔ اور حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ کی برائی ثابت کرنے کے لئے اسی آیت کو پیش کر دیا کرتے ہیں۔ اسکے جواب میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر اس قسم کی تعلیمی باتوں سے طعن قائم ہو سکے تو پھر اسی قرآن مجید سے نبیوں کی مذمت بھی ثابت ہو سکے گی خصوصاً سید الانبیا صلے اللہ علیہ وسلم کی جن کے متعلق اسی صورت میں فرمایا کہ لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک یعنی اے نبی آپ حلال چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں کیا آپ اپنی بیبیوں کی رضامندی تلاش کرتے ہیں اور ایک دوسری جگہ فرمایا کہ اتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ یعنی کیا آپ آدمیوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ اللہ سے آپ کو ڈرنا چاہیے دوسری بات یہ ہے کہ شیعہ جس لفظ پر زیادہ کود تے ہیں یعنی فقد صغت قلوبکما خدا کی قدرت یہ ہو کہ اسی لفظ سے ازواج مطہرات کی منقبت بھی ثابت ہوتی ہے اس لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ اس افشائے راز کی وجہ سے اُنکے دل مائل ہوگئے اس سے پہلے مائل نہ تھے حالانکہ حسب عقائد شیعہ وہ پہلے ہی سے منافق تھیں اور انکے دل پہلے ہی سے نفاق کے مائل تھے معاذاللہ من ذلک اس لفظ سے انکے نفاق کی نفی ایسی واضح ہے کہ اسکا انکار نہیں ہو سکتا۔ رہا دل کا مائل ہو جانا وہ کوئی ایسی بڑی چیز نہیں ہی خود رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ لولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئاً قلیلا۔

ازواج مطہرات کو ان آیتوں میں توبہ کا حکم دیا گیا یوں تو ہر توبہ کے قبول فرمانیکا وعدہ ہی مگر جسکو خصوصیت کیساتھ توبہ کا حکم دیا جائے اسکی توبہ کے قبول ہونیکا تو کوئی شک ہی نہیں ہو سکتا لہذا تائبین کے جو فضائل قرآن مجید میں ہیں ان کیلئے ثابت ہوگئے۔

اب رہی یہ بات کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ اُنھوں نے توبہ کی یا نہیں اُسکا ثبوت بھی قرآن مجید ہی سے ہوتا ہے کیونکہ اس کے بعد ازواج مطہرات کی سخت آزمائش کی گئی ایک طرف انکو غیر محدود متاع دنیا کا وعدہ دیا گیا اور دوسری طرف رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجیت رکھی گئی ہے جب اس امتحان میں وہ کامل اُتریں اور اس غیر محدود متاع کو انھوں نے ٹھکرا کر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کو اختیار کیا تو پھر

انکی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔ انکو تمام ایمان والوں کی ماں کا خطاب دیا گیا اور اُن کو تمام جہاں کی عورتوں سے افضل فرمایا گیا اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی دائمی زوجیت کی خبر ان کو دی گئی اسطرح کہ رسول کو ان کے طلاق دینے سے ممنوع کر دیا گیا۔ یہ سب مضامین آیات قرآنی میں مذکور ہیں (دیکھو تفسیر آیت تطہیر) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر انھوں نے توبہ نہ کر لی ہوتی تو یہ فضائل ان کے ہرگز نہ بیان فرمائے جاتے۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش درنظر

ایک لطیفہ

قرآن مجید میں علاوہ تصریحات کے لطیف اشارات میں بھی صحبت نبوی کے اثرات کو بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ایک لطیفہ اُن لطائف میں سے ہدیۂ ناظرین ہو۔

سورۂ نمل میں ذیل قصہ حضرت سلیمان علیہ السلام ارشاد ہوا ہے قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کی فوج جب چیونٹیوں کے جنگل میں داخل ہوئی تو ایک چیونٹی دوسری سے کہنے لگی کہ دیکھو تم سب اپنے اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ کہیں ایسا نہو کہ سلیمان اور انکی فوج کے لوگ نادانستگی میں تم کو کچل ڈالیں۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے نبی کی صحبت کا اثر بتایا ہے کہ چیونٹی بھی یہ جانتی تھی کہ سلیمان کے لشکر کے لوگ دیدہ و دانستہ ایک چیونٹی کو بھی نہ کچلیں گے ہاں نادانستگی میں چیونٹی انکے پاؤں کے نیچے کچل جائے تو ہو سکتا ہے۔ لشکری اور فوجی لوگ عموماً بے رحم اور سفاک ہوتے ہیں مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی صحبت نے اُن میں بھی یہ بات پیدا کر دی ہے کہ اگر چیونٹی بھی ان کے پاؤں کے نیچے کچل جائے تو لا یشعرون کی حالت میں دیدہ و دانستہ وہ ایسا نہیں کر سکتے۔

امام ممدوح فرماتے ہیں کہ جو لوگ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کو

ظالم کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے نبی کی بیٹی پر ظلم کیا اور ظلم بھی ایسا جسکی نظیر دنیا میں کم ہوگی یعنی ان کو ملا بیٹا حمل گرادیا وغیرہ وغیرہ درحقیقت وہ ایک چیونٹی سے بھی عقل میں کمتر ہیں۔ مورچہ سلیمان بھی اصحاب نبی کا اس قدر ادب کرتی ہو کہ ایک چیونٹی کے کچل جانے کو بھی انکی طرف منسوب کرتی ہے تو لایشعرون کی قید لگاتی ہے اور یہ لوگ اس قسم کے سنگین مظالم کو صحابہ کرام کی طرف منسوب کرتے ہوئے ذرا باک نہیں کرتے وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام حتی کہ آپ کی ازواج مطہرات کی اسقدر عیب جوئی و بدگوئی صاف بتارہی ہو کہ مذہب شیعہ کو جو کچھ عداوت ہے وہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ اپنے خانہ ساز ائمہ اور اُنکے گھر والوں کیساتھ وہ برتاؤ نہیں کرتے۔ اصحاب ائمہ میں باہم لڑائیاں بھی ہوئیں ہیں ایک نے دوسرے سے ترک کلام بھی کردیا ہے مگر دونوں فریق کو شیعہ مانتے ہیں دونوں کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ اصحاب رسول پر تو معائب کا افترا کرتے ہیں اور اصحاب ائمہ کے واقعی معائب پر بھی پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اصحاب رسول و ازواج رسول کے جو جو فضائل قرآن مجید میں وارد ہوئے ہیں اُنکی کوئی تاویل شیعوں سے نہیں ہوسکتی اسلئے اُنھوں نے قرآن مجید کو محرف کہا معاذ اللہ اور خدا کے لئے بدا تجویز کیا یہ سب کچھ ہوا مگر کوئی بات ان کی عقل سلیم کے نزدیک قابل قبول نہ ہوئی۔

هٰذا اٰخر الکلام والحمد للہ رب العٰلمین ،

والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ اٰلہ اجمعین ،

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

تفسیر آیات مدح مہاجرین

جس میں قرآن مجید کی دس آیتوں کی صحیح تفسیر بیان کر کے قطعی طور پر یہ بات ثابت کر دی گئی ہے کہ قرآن مجید پر ایمان رکھنے والا صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرات مہاجرینؓ کے افضل امت اور محبوب رب العزت ہونے میں کبھی شک نہیں کر سکتا اور جماعت مہاجرین میں جو حضرات خلیفہ ہوئے ان کے امام برحق اور خلیفہ راشد ہونے کا ہرگز منکر نہیں ہو سکتا۔

از حضرت مولانا علامہ عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی قدس سرہٗ

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳۔ روڈ نمبر ۔ سب بلاک اے بلاک نمبر ا نزد مسجد قدوسیہ
ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔ فون نمبر ۶۶۰۱۴۴۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَدَدَ نَعْمَائِہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ اَنْبِیَائِہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَخُلَفَائِہٖ۔ خداوندکریم کی ذرہ نوازی ہے کہ قرآن مجید کے مقاصد عالیہ کی نشرو اشاعت کا کام اس حقیر سے لیا۔ اور اس خدمت کا ایک خاص تحفہ عطا فرمایا۔ فللہ الحمد کما یحب ویرضیٰ۔

اما بعد: اس سلسلہ میں اب تک قرآن مجید کی گیارہ آیتوں کی تفسیر شائع ہو چکی ہے۔ اب اس نمبر میں دس آیتوں کی تفسیر شائع کی جاتی ہے۔ ان آیات سے بے نظیر فضائل حضرات مہاجرین ظاہر ہوتے ہیں اور اس سے یہ قطعی نتیجہ نکلتا ہے کہ جن کے یہ فضائل ہوں، ان کی خلافت ہرگز ناحق نہیں ہو سکتی۔

ان آیات کے شروع کرنے سے چند فوائد ضروریہ کا بیان مناسب معلوم ہوتا ہے۔

فائدہ اول۔ صحابی اس کو کہتے ہیں جس نے ایمان کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حاصل کی ہو۔ اور ایمان پر اس کا خاتمہ ہوا ہو۔ مہاجرین ان صحابہ کرام کو کہتے ہیں۔ جو مکہ کے رہنے والے تھے اور قبل ہجرت ایمان لائے تھے، پھر انہوں نے اللہ و رسول کے لیئے اپنے وطن اور اعزہ و اقارب کو چھوڑ دیا اور مکہ سے ہجرت کی۔ یہ کل ایک سو چودہ مرد عورت تھے۔ انصار ان صحابہ کرام کو کہتے ہیں۔ جو مدینہ کے رہنے والے تھے۔ اور انہیں کی درخواست پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے

گئے۔ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مہاجرین کو اپنے شہر میں جگہ دی اور آپ کی ہر قسم کی مدد کی۔ سابقین اولین ان مہاجرین کو کہتے ہیں جنہوں نے غزوۂ بدر یا تحویل قبلہ سے پہلے ہجرت کی۔ غزوۂ بدر رمضان ۲ھ میں ہوا اور تحویل قبلہ شعبان ۲ھ میں اور بقول بعض رجب ۲ھ میں ہوئی۔

فائدہ دوم قرآن مجید کے دیکھنے سے بلاشبہ یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ جماعت انبیاء علیہم السلام کے بعد بارگاہ الٰہی میں جو رتبہ ہے۔ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام خصوصاً مہاجرینؓ و انصارؓ کا ہے۔ قرآن مجید کی تصریحات کو دیکھ کر ایک خالی الذہن شخص کبھی اس بات کو نہیں مان سکتا۔ کہ کوئی مسلمان ایسا بھی ہو سکتا ہے جو مہاجرین و انصار کے فضائل کا منکر ہو۔

فائدہ سوم شیعوں کے لیے قرآن مجید سم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ قرآن مجید کے سامنے ایک بات ان کی نہیں چلتی۔ روایتوں میں تو کہیں کہیں ان کو کچھ گنجائش مل جاتی ہے۔ اس وجہ سے کہ شیعہ راویوں نے تقیہ کر کے اور طرح طرح کے فریب دے کر اپنی بعض روایتیں ہمارے یہاں داخل کرا دی ہیں۔ اگرچہ اصول حدیث کے ذریعہ سے ان کی یہ کارروائی سرسبز نہیں ہونے پاتی۔ مگر قرآن مجید میں تو کہیں ان کو ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں ملتی۔ اسی وجہ سے انہوں نے قرآن مجید کو مشکوک بنانے کی کوشش کی۔ اور پھر اس کو معمہ چیستاں بھی قرار دیا۔

فائدہ چہارم قرآن مجید معمہ و چیستاں نہیں ہے، نہ اپنی مراد اور اپنا مفہوم سمجھانے میں روایات کے ملانے کا محتاج ہے، البتہ جس طرح ہر کلام میں قواعد زبان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کے سمجھنے کے لیے قواعد زبان کی ضرورت ہوتی ہے اور بس جس طرح اور کلاموں میں اگر کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو اس واقعہ کے جاننے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں اگر کوئی آیت کسی واقعہ کے متعلق ہے تو اس واقعہ

کے معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

قرآن مجید کا مطلب بغیر انضمام اخبار احاد کے بیان کرنا تفسیر بالرائی نہیں ہے جیسا کہ ہم مقدمہ تفسیر میں بیان کر چکے ہیں بلکہ اخبار احاد کے ملانے سے جو مطلب قرآن مجید کی کسی آیت میں پیدا ہوگا وہ ہمیشہ ظنی ہوگا۔ روایات سے مطالب قرآنیہ کی مزید توضیح یا مزید تائید البتہ ہو سکتی ہے۔

ان چار فوائد کے بعد اب ہم آیات کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ

پہلی آیت

سورۃ آل عمران ۳/۱۱۰

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ، وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ، مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

ترجمہ: تم ان سب اُمتوں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لیئے دنیا میں ظاہر کی گئیں۔ تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیئے بہتر ہوتا۔ کچھ لوگ ان میں سے مومن ہیں اور اکثر لوگ ان میں سے بدکار ہیں۔

یہی ایک آیت قرآن مجید کی مذہب اہلسنت کی تصدیق اور مذہب شیعہ کی تکذیب کے لیئے کافی ہے۔ دنیا بھر کے شیعہ مل کر اپنے مذہب کے رو سے اس آیت کی صداقت ثابت نہیں کر سکتے۔

حق تعالیٰ نے اس آیت میں ان مسلمانوں کو جو اس آیت کے نزول کے وقت میں موجود تھے یعنی صحابہ کرامؓ کو بہترین امت فرمایا۔ ان کو اچھی باتوں کا حکم دینے والا بُری

باتوں سے روکنے والا ارشاد کیا، ان کو اللہ پر ایمان رکھنے والا فرمایا، اور فرمایا کہ تم اور لوگوں کے لیے یعنی اصلاح عالم کے لیے دنیا میں بھیجے گئے ہو۔ لیکن مذہب شیعہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ لوگ ان اوصاف کے ساتھ موصوف نہیں تھے۔ بلکہ ہر بد سے بدتر تھے۔ معاذ اللہ نہ ان میں ایمان تھا، نہ کسی قسم کی خوبی ان میں تھی، بڑے بڑے ظلم انہوں نے کیے۔ خلیفہ برحق سے خلافت چھین لی، ان کی گردن میں رسی ڈال کر بجبر ان سے اپنی بیعت لی، فدک غصب کر لیا، نماز تراویح جیسے گناہِ عظیم کو رائج کیا، متعہ جیسی بے نظیر عبادت سے لوگوں کو روک دیا، قرآن کو تحریف کر ڈالا، اور اس محرف قرآن کے سوا جس قدر نسخے اصلی قرآن کے تھے سب کو جلا کر خاک کر دیا، تمام لوگوں کو بے دین اور گمراہ کر دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایک بڑی لمبی چوڑی فہرست ان کے مظالم کی شیعوں کی کتابوں میں ملتی ہے، اور ہر شیعہ کو بچپن میں یاد کرائی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ قرآن مجید کی یہ آیت بالکل غلط اور جھوٹی ہے۔

(معاذ اللہ)

اگر کوئی شیعہ کہے کہ ہم آیت کی تکذیب نہیں کرتے، بلکہ اس کی تاویل کرتے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ بسم اللہ شوق سے تاویل کرو۔ چشم ما روشن و دل ما شاد۔ مگر ایسی تاویل نہ ہو کہ آسمان کے معنی زمین اور دریا کے معنی خشک جنگل۔

پہلی تاویل یہ ہے کہ اس آیت میں جن لوگوں کی تعریف ہے وہ امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ کے لوگ ہیں۔ انہیں میں یہ اوصاف پائے جائیں گے۔ صحابہ کرام ہرگز مراد نہیں ہیں۔

جواب یہ ہے کہ آیت میں تمام صیغے حاضر کے ہیں اور لغت میں بلکہ اصول فقہ میں بھی یہ بات طے ہو چکی ہے۔ کہ حاضر کے صیغہ سے حاضر ہی مراد ہوتا ہے۔ غائب ہرگز مراد نہیں ہو سکتا۔ ہاں آیات احکام میں بضرورت حاضرین کے ساتھ غائبین بھی شامل کر لیے جاتے ہیں۔ لہذا آیت مذکورہ میں امام مہدی علیہ السلام کے زمانے کے لوگوں کو مراد لینا لغت اور اصول دونوں کے خلاف ہے۔ دنیا کی کسی زبان میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ کہ حاضر کے صیغے بول کر حاضرین میں سے ایک شخص بھی مراد نہ لیا جائے اور محض غائب مراد

ہوں اور غائب بھی وہ جو سیکڑوں برس کے بعد ہونے والے ہوں۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ اس آیت کے مخاطب و مصداق حضرت علی مرتضیٰؓ ہیں وہی ان اوصاف کے ساتھ موصوف تھے۔

جواب یہ ہے کہ آیت میں جمع کے صیغے ہیں اور امت کا لفظ ہے، شخص واحد کے لیئے نہ جمع کے صیغے آ سکتے ہیں، نہ امت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ لیکن ہم اس سے چشم پوشی کر کے کہتے ہیں کہ از روئے مذہب شیعہ حضرت علی مرتضیٰؓ میں ان اوصاف کا سایہ بھی نہ تھا۔ انہوں نے ڈر کر ظالموں کے ہاتھ پر بیعت کر لی، ان کے سامنے قرآن میں تحریف کی گئی، اصلی قرآن جلا کر معدوم کیا گیا، فدک غصب ہوا، حضرت فاطمہؓ کی سخت بے عزتی کی گئی، معاذ اللہ مار پیٹ تک نوبت پہنچی، متعہ حرام کیا گیا، تراویح رائج کی گئی، یہ سب کچھ ہوتا رہا، مگر انہوں نے زبان تک نہ ہلائی، بھلا ایسے شخص میں امر معروف و نہی منکر کی صفت کہاں سے آئی، پھر غضب تو یہ ہے کہ اپنے زمانۂ خلافت میں بھی ان کی یہی حالت رہی، شیعوں کی سب سے زیادہ معتبر کتاب روضہ کافی ص ۲۹ میں خود حضرت علی مرتضیٰ کی زبان سے منقول ہے کہ

قد عملت الولاة قبلي اعمالا خالفوا فيها رسول الله متعمدين لخلافه ناقضين لعهده مغيرين لسنته ولو حملت الناس على تركها وحولتها الى مواضعها والى ما كانت في عهد رسول الله صلى الله عليه وآله لتفرق عني جندي الى ان قال ولو رددت فدك الى ورثة فاطمة عليها السلام واقطعت قطائع اقطعها رسول الله صلى الله عليه وآله باقوام لم تمض لهم ولم تنفذ ورددت قضايا

مجھ سے پہلے جو خلفاء تھے، انہوں نے کچھ کام ایسے کیے ہیں جن میں رسول اللہ کی مخالفت سے عمداً ان کے خلاف کیا، ان کے عہد کو توڑا ہے، ان کی سنت کو بدلا ہے، اگر میں آمادہ کروں لوگوں کو ان امور کے ترک پر اور ان کو پھر ان کی اصلی حالت پر لے جاؤں۔ یعنی جس حالت پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کے زمانہ میں تھے۔ تو یقیناً میرا لشکر مجھ سے جدا ہو جاتے۔ اگر میں فدک کو واپس کروں وارثان فاطمہ علیہا السلام کو اور دے دوں وہ جاگیریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

مِنَ الْجَوْرِ يُقْضٰى بِهَا وَنَزَعْتُ نِسَاءً تَحْتَ رِجَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ فَرَدَدْتُهُنَّ اِلٰى اَزْوَاجِهِنَّ وَحَمَلْتُ النَّاسَ عَلٰى حُكْمِ الْقُرْاٰنِ وَمَحَوْتُ دَوَاوِيْنَ الْعَطَايَا وَاَعْطَيْتُ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يُعْطِيْ بِالسَّوِيَّةِ وَحَرَّمْتُ الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ اِذًا لَّتَفَرَّقُوْا عَنِّيْ وَاللّٰهِ لَقَدْ اَمَرْتُ النَّاسَ اَنْ لَّا يَجْتَمِعُوْا فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ اِلَّا فِيْ فَرِيْضَةٍ وَاَعْلَمْتُهُمْ اَنَّ اجْتِمَاعَهُمْ فِي النَّوَافِلِ بِدْعَةٌ فَتَنَادٰى بَعْضُ اَهْلِ عَسْكَرِيْ مِمَّنْ يُقَاتِلُ مَعِيَ يَا اَهْلَ الْاِسْلَامِ غُيِّرَتْ سُنَّةُ عُمَرَ يَنْهَانَا عَنِ الصَّلٰوةِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ تَطَوُّعًا.

و آپ نے کچھ لوگوں کو دی تھیں. اور وہ ان کو نہیں دی گئیں، اور نہ وہ احکام نافذ کیے گئے۔ اور ظلم کے جو فیصلے کیے گئے ہیں ان کو رد کر دوں اور کچھ عورتیں جو لوگوں کے پاس ناجائز طور پر ہیں. ان کو نکال کر ان کے شوہروں کے حوالے کر دوں. اور لوگوں کو حکم قرآنی پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کروں اور وظائف کے رجسٹروں کو مٹا دوں اور سب کو برابر دیا کروں. جس طرح رسول اللہ برابر برابر دیتے تھے. اور موزوں پر مسح کرنے کو حرام کر دوں تو لوگ مجھ سے جدا ہو جائیں. اللہ کی قسم میں نے لوگوں کو حکم دیا کہ رمضان کے مہینے میں سوا فرض کے اور کسی نماز میں جماعت نہ کیا کرو، اور میں نے ان کو آگاہ کر دیا کہ نوافل کی جماعت کرنا بدعت ہے تو میرے ہی لشکر کے بعض لوگوں نے جو میرے ساتھ ہو کر لڑتے ہیں. آپس میں شور کیا کہ اے اہل اسلام دیکھو عمر کی سنت بدلی جاتی ہے یہ شخص ہم کو رمضان کے مہینہ میں نفل نمازوں کے پڑھنے سے منع کرتا ہے۔

پس جس کی یہ حالت ہو کہ حکومت ملنے کے بعد صاحب فرج وعلم ہونے کے بعد بھی ظلم وجور کے احکام کو اسی طرح جاری رکھے نہ حقوق العباد کی پرواہ کرے، نہ حقوق اللہ کی، نہ بدعات کو روکے، نہ سنت کی ترویج کرے، اور عذر یہ بیان کرے

کہ اگر میں ایسا کروں تو میرا لشکر مجھ سے جدا ہو جائے یعنی حکومت و خلافت جاتی رہے۔ نہ جان کا خوف نہ عزت و آبرو کا۔ ایسے شخص میں امر معروف نہی منکر کی صفت ماننا شب تاریک کو روز روشن کہنے سے بھی بدتر ہے۔ اسی واسطے علماء شیعہ نے یہ بات بنائی ہے۔ کہ جناب امیر کو خلافت برائے نام ملی تھی۔ وہ اپنی خلافت کے زمانے میں بھی معذور و مجبور رہتے۔

قاضی نور اللہ شوستری "احقاق حق" میں لکھتے ہیں:

وَالْحَاصِلُ اَنَّ اَمْرَالْخِلَافَةِ مَا وَصَلَ اِلَيْهِ اِلَّا بِالْاِسْمِ دُوْنَ الْمَعْنٰى۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ خلافت کا منصب جناب امیر کو برائے نام ملا تھا نہ درحقیقت۔

بلکہ مذہب شیعہ کی عینک سے اگر حضرت علیؓ کو دیکھا جائے تو تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ کی صفت سے بھی قطعاً ان کی ذات معرّیٰ نظر آتی ہے۔ امر معروف و نہی منکر کی صفت تو بہت دور رہی۔

تیسری تاویل یہ ہے۔ کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اس وقت بے شک صحابہ کرامؓ کی یہی حالت تھی۔ آیت کے مذکورہ اوصاف سب ان میں موجود تھے۔ لہذا آیت بالکل سچی ہے۔ لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب کہ انہوں نے امام منصوص کی امامت کا انکار کیا۔ اور ان کی خلافت غصب کی۔ اس وقت یہ صفات ان میں نہ رہیں۔

جواب اس کا اولاً یہ ہے۔ کہ از روئے مذہب شیعہ شروع ہی سے حضرات خلفائے ثلاثہؓ منافقانہ ایمان لائے تھے۔ لہذا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ کی صفت کسی وقت بھی ان میں نہ تھی۔ ثانیاً یہ کہ یہ اس تاویل کی بناء پر لازم آتا ہے۔ کہ خدا کو علم غیب نہ ہوا اور وہ اس بات سے بے خبر ہو کر کہ آئندہ یہ لوگ بڑے بڑے ظلم کریں گے اور یہ صفات ان میں نہ رہیں گی۔ یا باوجود غیب دانی کے خدا نے ایسا فرمایا۔ تو سخت تلبیس و فریب اس کے کلام میں لازم آئے گا۔ کیونکہ جب خدا کو یہ علم تھا کہ آگے چل کر یہ لوگ ایسے ایسے ظلموں کا ارتکاب کریں گے۔ تو ان کی تعریف کرنا عمداً لوگوں کو گمراہ بنانا ہے۔ ہم

لوگ جو کسی کی حالت موجودہ کو دیکھ کر اس کی تعریف کردیتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم غیب دان نہیں ہیں ہم کو آئندہ کی خبر نہیں۔ اگر خبر ہو جائے تو ہم کبھی ایسے شخص کی تعریف نہ کریں جو آئندہ چل کر معاصی و مظالم کا ارتکاب کرنے والا ہے۔

چوتھی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صحابہ کرامؓ کے بارے میں بدا ہو گیا۔ جیسا کہ امام جعفر صادق کے وقت میں اسماعیل کے متعلق اور امام تقی کے وقت میں محمد کے متعلق ہوا تھا اور اس کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً خدا کو بدا ہوتا رہتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ اس تاویل کا ماحصل یہ ہے کہ خدا کو آئندہ کے حالات کا علم نہیں ہے۔ ایسا بے علم خدا شیعوں کو مبارک رہے، ہمارا خدا وہ ہے جس کا علم ازلی و ابدی ہے جس کے علم سے ذرہ برابر کوئی چیز باہر نہیں۔ مَا یَعْزُبُ عَنْ رَبِّکَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّۃٍ۔ ہمارے خدا کو بدا نہیں ہوتا ہے۔

قدرت خداوندی دیکھو! شیعوں نے اپنی کتابوں میں عقیدہ بدا پر بڑا زور دیا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے ائمہ معصومین سے روایت کیا۔ کہ جب تک بدا کا اقرار نہیں لے لیا گیا کسی نبی کو نبوت نہیں دی گئی۔ یہ عقیدہ بدا کا ایسی ہی مشکلوں کے حل کرنے کے لیے ایجاد کیا گیا تھا۔ لیکن علمائے اہلسنت کی گرفتوں سے گھبرا کر آخر علمائے شیعہ کو کہنا پڑا۔ کہ ہم کو بدا کا عقیدہ نہ رکھنا چاہیئے۔ اس سے خدا کا جاہل ہونا لازم آتا ہے۔ شیعوں کے قبلۃ المجتہدین اُن کے آیۃ اللہ فی العالمین اپنی کتاب اساس الاصول مطبوعہ لکھنو ص۲۱۹ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔

اِعْلَمُوْا اَنَّ الْبَدَا لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَقُوْلَ بِہٖ اَحَدٌ لِاَنَّہٗ یَلْزَمُ مِنْہُ اَنْ یَتَّصِفَ الْبَارِیْ تَعَالٰی بِالْجَھْلِ کَمَا لَا یَخْفٰی۔	جاننا چاہیئے کہ بدا اس قابل نہیں کہ کوئی شخص اس کا قائل ہو۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ باری تعالیٰ جاہل ہو جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

پانچویں تاویل یہ کہ قرآن کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ ہم نہیں جانتے کہ قرآن کے کس لفظ کے کیا معنی ہیں قرآن، امام کے سمجھنے کے لیئے نازل ہوا ہے نہ ہمارے لیئے۔

جواب یہ ہے کہ یہ تاویل نہیں ہے۔ بلکہ یہ سخت توہین کلام اللہ کی ہے کہ اس کو

ایسا معمّہ اور چیستان قرار دیا جائے کہ اس کے صاف صاف الفاظ کو کہہ دیا جائے کہ ان کے معنی کوئی نہیں سمجھ سکتا اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر شیعہ کیوں کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل قرآن شریف سے ثابت ہو سکتی ہے۔

اس قسم کی تاویلات پر خود مصنفین مذہب شیعہ کو بھی اطمینان نہ تھا، جانتے تھے کہ یہ باتیں چلنے کی نہیں، لہذا انہوں نے عقیدہ تحریف قرآن کا تصنیف فرما کر پورے قرآن سے رہائی حاصل کر لی اور خاص خاص آیتوں کے متعلق خاص خاص الفاظ بھی انہوں نے گھڑ دیئے۔ کہ یہ آیت یوں تھی۔ چنانچہ آیت مبحوثہ کے متعلق تفسیر قمی میں جس کا مصنف کلینی کا استاد اور امام حسن عسکری کا شاگرد خاص ہے۔ ایک بڑی نفیس روایت ہے۔ مولوی مقبول احمد اپنے ترجمہ قرآن صنا کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔

تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ کہ کسی نے ان کے سامنے پڑھا كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ تو حضرت نے فرمایا۔ کہ آیا وہ امت خیر امت ہے۔ جس نے جناب امیر المؤمنین و حسنین علیہما السلام کو قتل کیا؟ اس پڑھنے والے نے عرض کیا کہ میں آپ پر فدا ہوں یہ آیت کیوں کر نازل ہوئی تھی۔ فرمایا اس طرح نازل ہوئی تھی۔ اَنْتُمْ خَيْرَ اَئِمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ کیا تو نہیں[ل] دیکھتا کہ اللہ ان کی مدح اس طرح فرماتا ہے کہ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔

ل امام جعفر صادق نے اس امت کی خیریت کا انکار کر کے آیت میں دو غلطیاں بتائیں۔ (۱) كُنْتُمْ کے بجائے اَنْتُمْ تھا (۲) اُمَّةٍ کے بجائے اَئِمَّةٍ تھا۔ پھر اس کو یوں بھی مدلل کیا کہ دیکھو اللہ ان کی مدح میں امر معروف و نہی منکر کو بیان کرتا ہے یعنی جو کام منصب امامت سے تعلق رکھتے ہیں ان کا بیان کرنا دلیل ہے۔ اس بات کی کہ یہاں لفظ اُمَّةٍ نہ تھا۔ بلکہ ائمہ تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ امر معروف و نہی منکر دلیل ہے اس بات کی کہ اس آیت میں خدا نے اصحاب نبی کی خلافت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس کے جواب میں ہم صرف اس قدر کہنا کافی سمجھتے ہیں۔ کہ قرآن مجید نہ تمہارے کہنے سے محرف ہو سکتا ہے نہ تمہارے ائمہ کے کہنے سے۔ البتہ اس سے ظاہر ہو گیا۔ کہ قرآن کریم کے سامنے تم سخت عاجز ہو۔

دوسری آیت ـــــ سورہ توبہ ۹/۴۰

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

ترجمہ۔ اگر تم لوگ ہمارے نبی کی مدد نہ کرو گے تو (کچھ پرواہ نہیں) اللہ نے ان کی مدد کی۔ جب کہ کافروں نے اس کو مکہ سے نکالا اس حال میں کہ وہ دو میں کا دوسرا تھا (یعنی نبی کے ساتھ اس سفر میں صرف ایک رفیق ان کا تھا) جب نبی اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ رنج نہ کر۔ بہ تحقیق اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اپنی تسکین اس پر اتاری اور اللہ نے اس کی مدد کی ایسے لشکروں سے جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا۔ اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کر دی۔ اور اللہ ہی کی بات (سب سے) بالا ہے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

اس آیت میں اصحاب مہاجرین کے سردار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت حق تعالیٰ نے ایسی خصوصیت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ اس کا عُشر عَشیر بھی کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔

فَطُوبَىٰ لَهُ ثُمَّ طُوبَىٰ لَهُ

اس آیت میں اُن منافقوں پر عتاب ہو رہا ہے۔ جو غزوہ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ گئے تھے۔ فرمایا کہ اپنے نبی کی مدد کو خدا کافی ہے۔ اس سلسلہ

میں اپنی مدد کے دو واقعات ذکر فرمائے۔ ایک سفر ہجرت کا دوسرا غزوۂ بدر کا۔

سفر ہجرت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہ تھا۔ اس سفر میں جبل ثور کے غار میں تین شب وروز حضرت نے قیام فرمایا تھا۔ اسی واقعہ کا بیان آیت میں ہے۔ اب دیکھو کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے کیسے اعلیٰ مناقب اس آیت سے ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ حق تعالیٰ کو اس مقام میں صرف اس امر کا ظاہر کرنا مدنظر تھا کہ ہم نے پیغمبر کی اس نازک وقت میں مدد کی تھی جب وہ غار میں تھا۔ اب اس سے زیادہ جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت کا ذکر فرمایا۔ وہ محض ان کی فضیلت بیان کرنے کے لیئے۔ معلوم ہوا کہ حضرت حق سبحانہ کا مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے ساتھ آپ کے صدیق کے ذکر خیر کی بھی تلاوت کی جائے۔ حضرت صدیق کو اس سفر کی جاں نثاری کا یہ بہترین صلہ دیا گیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بڑے نازک اور مشکل وقت میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت کا ذکر کرکے یہ ظاہر کر دیا کہ ان کی شجاعت اور ان کے اخلاص وکمال، وفاداری اور دانشمندی پر خدا اور رسول کو کامل اعتماد تھا، کیوں کہ بغیر اس اعتماد کے ایسے وقت میں کسی کو رفیق سفر بنانا ہو نہیں سکتا، یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت تک جس قدر لوگ ایمان لا چکے تھے، ان سب میں بلحاظ ان صفات کے حضرت صدیق ہی قابل انتخاب تھے۔

۳۔ فرمایا کہ پیغمبر دو میں کا دوسرا تھا۔ معلوم ہوا کہ اس وقت جو مصیبت تھی وہ انہیں دونوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ کوئی تیسرا اس میں شریک نہ تھا۔ لہذا جو کچھ اجر اس مشکل عمل کا ہوگا اس میں بھی پیغمبر کے ساتھ سوائے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔

۴۔ فرمایا کہ کافروں نے پیغمبر کو نکالا تھا۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کسی نے نکالا نہ تھا۔ انہوں نے از خود وطن اور آرام وراحت کو چھوڑ کر اپنے کو گرفتار مصائب کیا۔ اس سے زیادہ ایمان اور اخلاص اور محبت رسول کا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے۔

۵۔ صَاحِبِہٖ کے لفظ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر سفر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھی تھے۔ لہذا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والوں کے جو فضائل قرآن مجید میں بیان ہوتے ہیں مثلاً مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ وغیرہ میں یہ فضائل جس وثوق اور یقین کے ساتھ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے لیئے ثابت ہیں کسی اور کے لیئے ثابت نہیں کیوں کہ اوروں کے لیے پیغمبر کے ساتھی ہونے کا ثبوت قرآن سے نہیں ہے۔ بلکہ اخبار و روایات سے ہے۔

فائدہ۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں ایک عجیب نکتہ اس مقام پر زیب رقم فرمایا ہے، (حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو لوگ خلیفۂ رسول اللہ کہتے تھے) ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تواضعاً اپنے لیئے امیر المؤمنین کا لفظ تجویز کیا چنانچہ خلفائے مابعد سب امیر المومنین کہے گئے، خلیفہ رسول اللہ کہہ کر کوئی نہیں پکارا گیا، علامہ فرماتے ہیں۔ کہ اس کا سبب یہ تھا کہ خدا نے نبی کا صاحب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو فرمایا، کسی اور کو نہیں فرمایا، لہذا زبان خلق نقارۂ خدا، صحابیت کا اثر یہ ہوا کہ جب ان کو کوئی پکارتا تھا۔ تو لفظ رسول اللہ ساتھ ساتھ ہوتا تھا۔ ذات بھی ساتھ تھی، نام بھی ساتھ رہا، قبر میں بھی ساتھ ہوا۔

۶۔ لَا تَحْزَنْ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت صدیقؓ کے ساتھ کمال محبت تھی، اور ان کا رنجیدہ غمگین ہونا حضرت گوارا نہ تھا۔ اور حضرت اُن کو تسلی و تسکین دینے لگے۔ اس کلمہ کے ذکر نے سے خدا کا مقصود سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے۔ کہ قرآن مجید میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا محب و محبوب رسول ہونا قیامت تک کے لیئے قائم کر دیا جائے۔ فَيَالَهٗ مِنْ مَنْزِلَةٍ۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا محب و محبوب ہے وہ حق تعالیٰ کا محب و محبوب ہے۔ یہی رمز ہے کہ آیت قتال مرتدین میں خدا نے جس قوم کی تعریف فرمائی ہے۔ کہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ یعنی خدا ان سے محبت کرتا ہے اور وہ خدا سے محبت کرتے ہیں۔ اس قوم کے مصداق حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے خدام قرار پائے اور قتال مرتدین کی مہم ان کے دست حق پرست سے انجام کو پہنچی۔

۷۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ نَا متکلم مع الغیر کی ضمیر ہے۔ جو حسب قاعدہ یہ چاہتی ہے کہ

متکلم کے ساتھ کم از کم ایک شخص اور ہو۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی معیت اپنے لیے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے دونوں کے لیے بیان فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کی معیت کے مراتب و مدارج بہت ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہر مومن، ہر متقی، ہر صابر کے لیے اپنی معیت بیان فرمائی ہے۔ اس آیت نے وہ معیت عام نہیں، بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس معیت میں شامل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھی۔ سبحان اللہ کتنی بڑی فضیلت ہے کہ حق تعالیٰ کا جو معاملہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ وہی معاملہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ فرق یہ ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ معاملہ بطفیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے۔ جیسے کوئی شخص اپنے دوست کی دعوت کرے اور اس دوست کی خاطر اس کے دوست کو بھی مدعو کرلے۔ دسترخوان ایک، دونوں کے سامنے کھانا ایک، دونوں کے ساتھ میزبانی کے کرامات ایک، جو کچھ فرق ہے وہ اصلی اور طفیلی ہونے کا ہے۔ جس کا کسی غیر کو احساس بھی نہیں ہو سکتا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی تسکین کے لیے اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمانا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کمال ایمانی کی دلیل ہے، ورنہ اس کلمہ سے ان کو ہرگز تسکین نہیں ہوتی۔

فائدہ۔ قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مماثل قرار دیا ہے۔ اس لیے حالات بہت ملتے جلتے ہیں۔ از آں جملہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے ہجرت کی تھی، اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کی۔ فرق یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تمام قوم بنی اسرائیل تھی، اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ایک رفیق جاں نثار تھا۔ جس طرح فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کیا تھا، اسی طرح کفار مکہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا۔ جس طرح فرعون اور اس کے لشکروں کو اپنے تعاقب میں دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب گھبرا گئے تھے، اسی طرح کفار مکہ کو لب غار پر دیکھ کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ گھبرا گئے۔ فرق یہ تھا کہ اصحاب موسیٰ علیہ السلام کی گھبراہٹ اپنے لیے تھی، اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی گھبراہٹ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھی۔ قرآن مجید

میں ہے۔ کہ قَالَ اَصْحَابُ مُوْسٰی اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے کہا کہ اب ہم پکڑے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ۔ واحد متکلم کی ضمیر استعمال فرمائی ہے کہ میرے ساتھ میرا رب ہے۔ وہ مجھے بچالے گا۔ اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کی معیت صرف اپنے لیئے بیان فرمائی اور حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے رفیق دونوں کے لیے خدا کی معیت ارشاد فرمائی۔

۷۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ۔ حضرت ابوبکر صدیق رض کے رنج کو بیان کر کے اللہ نے ان پر اپنا سکینہ نازل کرنے کو ارشاد فرمایا۔ معلوم ہوا کہ جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا رنج وغم شاق تھا۔ اسی طرح حق تعالیٰ کو بھی ان کی رنجیدگی گوارا نہ ہوئی۔ اور سکینہ ان پر نازل فرمایا۔ سکینہ ایک عجیب چیز ہے۔ جس پر سکینہ نازل ہوجاتا ہے اس کے پائے استقامت کی لغزش کا اندیشہ نہیں رہتا۔

۸۔ حضرت ابوبکر صدیق رض کے اس عمل خیر کو ذکر فرما کر کوئی کلمہ ایسا نہ فرمایا۔ جس سے اس عمل خیر کی تقلیل یا تحقیر ظاہر ہوتی ہو۔ معلوم ہوا کہ یہ کام ان کا نہایت اعلیٰ درجہ کا اور بہت مقبول ہوا۔

اس سفر ہجرت میں حضرت ابوبکر صدیق رض کی خدماتِ جلیلہ اور ان کی جان نثاریوں متعصب دشمنوں سے بھی اقرار کرالیا۔ چنانچہ حملہ حیدری کے چند اشعار اس مقام پر درج کیے جاتے ہیں۔

ؔ

لـہ اللہ نے جس طرح اصحاب موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ظاہر کر دیا۔ کہ ان کی گھبراہٹ اپنے لیے تھی۔ اسی طرح اگر حضرت صدیق رض کا رنج اپنے لیئے ہوتا۔ تو اس کو بھی ظاہر فرما دیتا۔ خدا کو کس کا ڈر تھا۔

اشعار

چنین گفت راوی کہ سالار دیں — چو سالم بحفظ جہاں آفریں
نہ نزدیک آں قوم پر مکر رفت — بسوے سرائے ابو بکر رفت
پے ہجرت او نیز آمادہ بود — کہ سابق رسولش خبر دادہ بود
نبی بر درِ خانہ اُش چوں رسید — بگوشش ندائے سفر در کشید
چوں بو بکر زاں حال آگاہ شد — زخانہ بروں رفت و ہمراہ شد
گرفتند پس راہ یثرب بہ پیش — نبی کند نعلین از پائے خویش
بسر پنجہ آں راہ رفتن گرفت — پے خود ز دشمن نہفتن گرفت
چو رفتند چندے بداماں دشت — قدوم فلک سائے مجروح گشت
ابو بکر آنگہ بدوشش گرفت — و لے زیں حدیث ست جا گفت
کہ درکس چناں قوت آید پدید — کہ بارِ نبوت تواند کشید
برفتند القصہ چندے دگر — چو گردید پیدا نشانِ سحر
بجستند جائے کہ باشد پناہ — زچشم کساں دور یک سوز راہ
بدیدند غارے دراں تیرہ شب — کہ خواندے عرب غارِ ثورش لقب
گرفتند در جوف آں غار جائے — و لے پیش بو بکر بنہاد پائے
بہر جا کہ سوراخ یا رخنہ دید — قبارا بدرید و آں رخنہ چید
بدیں گونہ تا شد تمام آں قبا — یکی رخنہ نگرفتہ ماند از قضا
براں رخنہ گویند آں یار غار[1] — کف پائے خود را نمود استوار

[1] یار غار کی مثل دنیا میں حضرت صدیق کی وجہ سے رائج ہوئی. جب سے صدیق نے غار میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یاری کا حق ادا کیا. اس وقت سے یہ بات ضرب المثل ہو گئی کہ کوئی کسی کا بڑا دوست ہوتا ہے تو کہتے ہیں وہ میرا یار غار ہے

نیامد جز او این شگرف از کسے
که دور از خردمی نماید بسے

بغار اندروں در شب تیرہ فام
چساں[1] دید سوراخہا را تمام

دراں تیرہ شب یک بیک چوں شمرد
یکے کا مدافزوں بردپا فشرد

نیامد چنیں کارے از غیر اُو
بدنیاں چوں پرداخت از فتِ رد

در آمد رسول خدا ہم بغار
نشستند یک جا بہم ہر دو یار

الیٰ ان قال

بغار اندروں تا سہ روز و سہ شب
بسر برد آں شہ بفرمان رب

شدے پور بوبکر ہنگام شام
رساندے دراں غار آب و طعام

نمودے ہم از حال اصحاب شر
حبیب خدائے جہاں را خبر

کہ ہستند در جستجو آں گروہ
شب و روز در شہر و صحرا و کوہ

دگر راعیے بود عامر بنام
کہ کردے شبانی بہ بیت الحرام

کہ او نیز اسلام آوردہ بود
زابریق توفیق مئے خوردہ بود

شدے شب بہ نزد بشیر و نذیر
بہ بردے برش ہدیہ جامی زشیر

جز ایشاں دگر از صدیق و عدو
نبد ہیچ کس واقف از راز اُو

نبی گفت پس پور بوبکر را
کہ اے نے چوں پدر اہل صدق و صفا

دو جمازہ باید کنوں راہوار
کہ ما را رساند بہ یثرب دیار

[1] یہ اعتراض غلط ہے سوراخوں کو آنکھ سے دیکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ ہاتھ سے ٹٹول کر معلوم کر سکتے ہیں۔

اب دیکھیئے کہ شیعہ صاحبوں نے اس آیت سے سرتابی کے کیا کیا راستے نکالے ہیں۔

۱۔ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ نہیں لیا تھا بلکہ وہ راستے میں مل گئے اور ساتھ ہو لیئے۔

جواب یہ ہے کہ یہ قول بالکل واقعات کے خلاف ہے۔ اسی وجہ سے خود محققین شیعہ کو کہنا پڑا کہ حضرت ابو بکرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی اپنے ساتھ لیا تھا۔ قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین مطبوعہ ایران ص۲۱۲ میں اپنے شیخ اجل عبد الجلیل قزوینی سے نقل کی ہے کہ:۔

جناب شیخ در جواب نوشتہ کہ این کلمات نہ مذہب علمائے شیعہ ست بلکہ عوام و اوباش بطریق استہزاء گویند اگر رسول شب غار از ابو بکر می ترسید از عمر و عثمان ہم می ترسید۔ پس بایستے کہ ہر سہ را با خود بردے پس چنانکہ پیغمبر پنہانی دیگراں میرفت پنہانی ابو بکر نیز میرفت و بہمہ حال رفتن محمد و بردن ابو بکر بے فرمان خدا نبودہ۔

شیخ نے (ایک سنی کو) جواب میں لکھا کہ یہ الفاظ (کہ حضرت ابو بکر از خود ساتھ ہو گئے تھے یا رسول اللہ ان سے افشار راز کا اندیشہ کرتے تھے) علمائے شیعہ کا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ عوام و اوباش بطور تمسخر کے کہتے ہیں، اگر رسول اللہ شب غار ابو بکر سے ڈرتے تھے تو عمر و عثمان سے بھی ڈرتے تھے، پس چاہیئے تھا کہ تینوں کو اپنے ہمراہ لے جاتے اور جس طرح پیغمبر دوسروں سے چھپکر گئے تھے، ابو بکر سے بھی چھپ کر جا سکتے تھے۔ بہر حال محمدؐ کا جانا اور ابو بکر کو ساتھ لے جانا بے حکم خدا نہ ہو گا۔

یہ تو ایک عالم کا قول تھا۔ اب روایت لیجیئے تفسیر الحسن عسکری جس کو شیعہ تفسیر اہلبیت کہتے ہیں، اور اس کو نہایت معتبر اور بغایت مستند مانتے ہیں، ص۱۶۴ مطبوعہ ایران میں ہے کہ جبریل امین وحی الٰہی لے کر بوقت ہجرت آئے۔ کہ:۔

وَاَمَرَكَ اَنْ تَسْتَصْحِبَ اَبَا بَكْرٍ اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ابو بکر کو اپنے ساتھ

فَإِنَّهُ إِنْ آنَسَكَ وَسَاعَدَكَ وَ
وَازَرَكَ وَثَبَتَ عَلَى مَا يُعَاهِدُكَ
وَيُعَاقِدُكَ كَانَ فِي الْجَنَّةِ مِنْ
رُفَقَائِكَ وَفِي غُرُفَاتِهَا مِنْ
خُلَصَائِكَ.

لے جائیے۔ وہ اگر آپ سے مانوس ہو جائیں اور
آپ کی موافقت اور مدد کریں اور جو کچھ آپ سے
عہد اور معاملہ کریں۔ اس پر قائم رہیں تو وہ جنت
میں آپ کے رفیقوں میں سے ہوں گے اور جنت
کے بالاخانوں میں آپ کے مخصوص لوگوں میں سے
ہوں گے۔

پھر بلا فاصلہ چند سطر اسی صفحہ میں ہے :۔

ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَآلِهِ لِأَبِي بَكْرٍ أَرَضِيتَ أَنْ تَكُونَ
مَعِي يَا أَبَا بَكْرٍ تُطْلَبُ كَمَا أُطْلَبُ
وَتُعْرَفُ بِأَنَّكَ أَنْتَ الَّذِي تَحْمِلُنِي
عَلَى مَا أَدَّعِيهِ فَتَحْمِلُ عَنِّي أَنْوَاعَ
الْعَذَابِ. قَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا رَسُولَ
اللهِ أَمَا أَنِّي لَوْ عِشْتُ عُمُرَ
الدُّنْيَا أُعَذَّبُ جَمِيعَهَا أَشَدَّ
عَذَابٍ لَا يَنْزِلُ عَلَيَّ مَوْتٌ
مُرِيحٌ وَلَا فَرَجٌ مُتِيحٌ وَكَانَ
ذَلِكَ فِي مَحَبَّتِكَ لَكَانَ ذَلِكَ
أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَنَعَّمَ فِيهَا وَ
أَنَا مَالِكٌ لِجَمِيعِ مَمَالِكِ مُلُوكِهَا
فِي مُخَالَفَتِكَ وَهَلْ أَنَا وَمَالِي
وَوَلَدِي إِلَّا فِدَاؤُكَ
فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے ابوبکر سے فرمایا
کہ تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اے ابوبکر تم میرے
ساتھ رہو۔ اور جس طرح میرا تعاقب کیا جائے تمہارا
بھی کیا جائے اور لوگوں میں یہ چرچا ہو کہ تمہیں مجھے
دعوائے نبوت پر آمادہ کرتے ہو اور میری وجہ سے
تم پر طرح طرح کی تکالیف پیش آئیں۔ ابوبکر نے
کہا، یا رسول اللہ اگر میں اختتام دنیا تک زندہ
رہوں اور ساری عمر مجھے سخت تکلیف دی
جائے۔
نہ مجھے موت آئے۔ جو اس مصیبت سے نجات
دے، اور نہ اور کسی قسم کی کشائش جو اس سے
رہائی دے اور یہ سب کچھ آپ کی محبت میں
ہو۔ تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس
کے کہ میں دنیا میں خوش حال رہوں اور دنیا کے
تمام بادشاہوں کی سلطنتوں کا مالک بن جاؤں
آپ کی مخالفت میں اور میں اور میرا مال اور میری

قَالَ لَهُ لَا جَرَمَ إِنَّ اللّٰهَ اَطْلَعَ عَلٰى قَلْبِكَ وَوَجَدَ مَا فِيْهِ مُوَافِقًا لِمَا جَرٰى عَلٰى لِسَانِكَ جَعَلَكَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَالرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ وَبِمَنْزِلَةِ الرُّوْحِ مِنَ الْبَدَنِ۔

اولاد سب آپ پر فدا ہیں تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ یقیناً اللہ تمہارے قلب کی حالت پر مطلع ہے۔ اور اس نے تمہارے دل کو تمہاری زبان کے موافق پایا ہے۔ اس لیے اللہ نے تم کو میرے ساتھ وہ تعلق دیا ہے جو کان اور آنکھ اور سر کو جسم کے ساتھ ہوتا ہے اور جو تعلق کہ روح کو بدن کے ساتھ ہوتا ہے۔

فائدہ۔ اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوا۔ کہ خدا کی طرف سے حضرت صدیقؓ کو سفر ہجرت میں ساتھ لے جانے کا حکم ہوا تھا، وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقؓ کے دل و زبان کے موافق ہونے کی خبر دی، اور ان کا تعلق اپنے ساتھ ایسا بتلایا جیسے کان اور آنکھ اور سر کا تعلق جسم سے اور روح کا تعلق بدن سے ہوتا ہے۔

اسی موقع پر ایک روایت تفسیر قمی مطبوعہ ایران ص۱۵۷ کی قابل ذکر ہے۔

فَاِنَّهُ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ بَعْضِ رِجَالِهِ رَفَعَهُ اِلٰى اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ لَمَّا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهِ فِي الْغَارِ قَالَ لِاَبِيْ بَكْرٍ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى سَفِيْنَةِ جَعْفَرٍ وَاَصْحَابِهِ تَقُوْمُ فِي الْبَحْرِ وَاَنْظُرُ اِلَى الْاَنْصَارِ مُحْتَبِيْنَ فِيْ اَفْنِيَتِهِمْ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ تَرَاهُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَرِنِيْهِمْ فَمَسَحَ عَلٰى عَيْنَيْهِ

امام حسن عسکریؒ فرماتے ہیں۔ مجھے میرے والد نے اپنے بعض راویوں سے روایت کر کے فرمایا کہ امام جعفر صادقؑ فرماتے تھے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ غار میں تھے۔ تو آپ نے ابو بکرؓ سے فرمایا کہ گویا میں دیکھ رہا ہوں جعفر (طیار) اور ان کے ساتھیوں کی کشتی کو کہ وہ دریا میں ٹھہری ہوئی ہے اور انصار کو دیکھ رہا ہوں۔ کہ وہ مکانات میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ابو بکر نے کہا آپ ان کو دیکھ رہے ہیں۔ یا رسول اللہ آپ نے فرمایا ہاں۔ ابو بکر نے کہا مجھے بھی دکھا دیجئے آپ

فَرَاهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ اَنْتَ الصِّدِّيْقُ۔ آپ نے ان کی آنکھ پر ہاتھ پھیرا۔ تو انہوں نے بھی دیکھ لیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ تم صدیق ہو۔

فائدہ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو لقب صدیق کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اسی سفر ہجرت میں ملا۔

۲. شیعہ صاحبان فرماتے ہیں۔ کہ حضرت ابو بکر کا رنجیدہ ہونا اپنے کسی مقصد کے فوت ہو جانے کے سبب سے تھا، اور وہ مقصد یہ تھا کہ وہ رسول کو کافروں کے ہاتھ گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ اس کا موقع جاتا رہا۔ نیز یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے باواز بلند رونا شروع کیا تھا۔ تاکہ جو کافر لب غار پر کھڑے تھے۔ ان کو پتہ چل جائے، اور رسول کو گرفتار کر لیں۔

جواب یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں محض افتراء اور اٹکل پچو ہیں۔ جس کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں ہے، اگر حضرت صدیقؓ کا خیال معاذ اللہ ایسا ہوتا۔ تو بہت سے مواقع ان کے ہاتھ میں تھا، جب کافر لب غار پر پہنچ گئے تھے۔ اس وقت ان سے کہہ دیتے یہ بھی نہ سہی۔ ان کے بیٹے روزانہ غار میں کھانا لے کر جاتے تھے، ان کے ذریعہ سے کافروں کو خبر کرا دیتے اور با آواز بلند رونا قرآن مجید کے خلاف ہے۔ قرآن شریف میں حزن کا تذکرہ ہے، حزن رونے کو نہیں کہتے۔

شیعوں کے قبلہ مولوی مقبول احمد متوفی اپنے ترجمہ قرآن ص۳۸۲ پر لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر کے ہاتھ سے کوئی بر نکل گئی تھی۔ اور ان کا کوئی منصوبہ بگڑ گیا تھا۔ اس پر ان کو افسوس ہوتا تھا۔ اور روئے دیتے تھے۔ اور اس کی دلیل یہ بیان کی ہے۔ کہ حزن گذشتہ واقعات سے تعلق رکھتا ہے اور آئندہ ہونے والے واقعات کے متعلق جو غم ہوتا ہے اس کو حزن نہیں کہتے، بلکہ خوف کہتے ہیں، اگر آنحضرتؐ کے لیئے ان کا یہ غم ہوتا تو بجائے لاتحزن کے لاتخف ہونا چاہیئے تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح اٹکل پچو باتوں سے کسی کا مافی الضمیر ثابت نہیں

ہو سکتا ہے شک حضرت ابوبکرؓ کا یہ غم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے لیے تھا۔ اور کافروں کا لب غار پر پہنچ جانا آئندہ کا واقعہ نہ تھا، بلکہ زمانہ گذشتہ ہی کا واقعہ تھا۔

۳۔ شیعہ صاحبان فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کا رنجیدہ ہونا معصیت تھا، کیوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمایا، اور شریعت جس چیز کو منع کرے۔ وہ معصیت ہوتی ہے، اس اعتراض کو شیعوں کے قبلۃ القبلات مولوی حامد حسین نے استقصاء الافحام میں بھی ذکر کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ اول تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رنجیدگی سے منع کرنا ازراہ شفقت تھا، ایسی ممانعت سے معصیت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی کی رنجیدگی ممانعت سے پہلے کی ہے، ممانعت کے بعد رنجیدہ ہوتے۔ تو کچھ کہنے کی گنجائش بھی تھی، اور اگر شیعوں کا مقصود یہ ہے کہ جس چیز کی شارع کی طرف سے ممانعت ہو اس کا ارتکاب قبل ممانعت بھی معصیت ہوتا ہے تو بالکل غلط ہے، کیا شراب کا استعمال قبل ممانعت بھی معصیت تھا کیا بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا قبل ممانعت بھی معصیت تھا اگر یہی بات ہے تو پھر بیسیوں باتوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتکب معصیت ہونا لازم آئے گا نعوذ باللہ منہ۔

۴۔ شیعہ صاحبان فرماتے ہیں۔ کہ فَاَنْزَلَ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ میں عَلَيْهِ کی ضمیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے، نہ کہ حضرت ابوبکر کی طرف۔ یعنی سکینہ رسول پر نازل ہوا تھا، نہ حضرت ابوبکر پر۔

جواب اس کا یہ ہے کہ رسول پر سکینہ نازل کرنا تحصیل حاصل تھا۔ ان کے دل میں سکینہ تو پہلے ہی سے تھا، اسی وجہ سے تو وہ نہایت سکون واطمینان میں تھے۔ البتہ سکینہ کی ضرورت حضرت صدیق رضی کو تھی۔ کہ ان کو حزن لاحق تھا، علاوہ اس کے قاعدہ ہے۔ کہ ضمیر کا مرجع قریب کو چھوڑ کر بعید کو حتی الامکان نہیں بناتے، اور یہاں قریب حضرت ابوبکر کا ذکر ہے۔ اگر کہا جائے۔ کہ اس سے پہلے کی جو ضمیریں ہیں۔ وہ رسول کی طرف پھرتی ہیں۔

اور اس کے بعد اَیَّدَہٗ کی ضمیر بھی رسول کی طرف پھرتی ہے۔ لہٰذا یہ درمیانی ضمیر اگر حضرت ابوبکر کی طرف پھیری جائے گی۔ تو انتشار ضمائر ہو جائے گا۔ جو خلاف قاعدہ ہے تو جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے کی سب ضمیریں رسول کی طرف نہیں پھرتیں۔ دیکھو سَکِیْنَتَہٗ کی ضمیر اللہ کی طرف پھر رہی ہے۔ رہی بعد کی ضمیر یعنی اَیَّدَہٗ کی ضمیر تو بے شک رسول کی طرف پھرتی ہے۔ مگر وہ جملہ ہی علیحدہ ہے۔ "اَیَّدَہٗ" کا عطف "نَصَرَہٗ" پر ہے۔ "اَیَّدَہٗ" کا تعلق واقعہ غار سے نہیں ہے، بلکہ غزوۂ بدر سے ہے۔ اور اگر خواہ مخواہ واقعہ غار ہی سے اس کا تعلق دلایا جائے۔ تو اس ضمیر کو بھی حضرت ابوبکر کی طرف پھیرنے سے کوئی مانع نہیں ہے اور مطلب یہ ہوگا۔ کہ حضرت ابوبکر پر اللہ تعالیٰ نے سکینہ نازل کیا اور ان کی مدد کے لیے یعنی ان کے دل میں سکینہ ڈالنے کے لیے فرشتوں کا لشکر بھیجا گیا۔

شیعوں نے جب دیکھا کہ اس قسم کے شبہات سے کام نہیں چلتا اور قرآن کریم کے سامنے ان کی کوئی بات بنائے نہیں بنتی، لہٰذا انہوں نے اس آیت غار میں بھی تحریف کا راگ گانا شروع کر دیا۔ چنانچہ کافی کی کتاب الروضہ صفحہ ۱۲۷ میں ہے:۔

عَنِ الرِّضَا عَلَیْہِ السَّلَامُ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلٰی وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا قُلْتُ ھٰکَذَا قَالَ ھٰکَذَا نَقْرَؤُھَا وَھٰکَذَا تَنْزِیْلُھَا۔

امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے یہ آیت اس طرح پڑھی۔ "فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلٰی" یعنی اللہ نے اپنا سکینہ اپنے رسولؐ پر اور علیؓ پر نازل کیا اور اس کی مدد کی ایسے لشکروں سے جن کو تم نے نہیں دیکھا۔ راوی کہتا ہے میں نے کہا یہ آیت اس طرح ہے۔ امام نے فرمایا: ہاں اسی طرح ہم اس کو پڑھتے ہیں۔ اور اسی طرح نازل ہوئی ہے۔

اس تحریف کا صرف اتنا نتیجہ نکلا کہ سکینہ رسول پر اور علی پر اترا تھا۔ حضرت ابوبکر پر نہیں اترا تھا۔ لیکن اور مناقب حضرت ابوبکرؓ کے جو اس آیت سے ثابت ہو رہے ہیں بدستور قائم رہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے شیعوں کو سخت عاجز کر دیا ہے۔ اپنا

مذہب ان سے چھوٹا نہیں جاتا۔ لہذا وہ مجبور ہیں کہ قرآن شریف کو محرف کہہ کر یا جس طرح بھی ہو سکے بالائے طاق کریں، مگر یاد رہے کہ قرآن مجید اُن کے کہنے یا اور کسی کے کہنے سے محرف نہیں ہو سکتا۔ البتہ ان کے ایمان کی حقیقت سب پر ظاہر ہو گئی۔

اس آیت غار نے حضرت ابو بکر صدیق عنہ کے فضائل و کمالات کو ظاہر کر کے یہ بات بتا دی۔ کہ جس طرح اس سفر ہجرت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کے لیے تمام جماعت صحابہ میں وہ منتخب کیے گئے تھے۔ اسی طرح رسول کی پہلی خلافت کے لیے بھی انہیں کا انتخاب ہونا چاہیئے۔ حضرت ابو بکر صدیق کے اس شرف کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ابو بکر صدیق سفر ہجرت کی خدمات اور واقعہ ردت کے کارنامے مجھے دے دیں اور میری ساری عمر کے کام مجھ سے لے لیں تو میں ہی فائدہ میں رہوں گا۔ حضرت علی مرتضیٰ رض سے کسی نے پوچھا۔ کہ آپ کو حضرت صدیق رض کی خلافت سے کچھ انکار ہے۔ تو انہوں نے فرمایا: انا نری[1] ابی بکر احق الناس بہا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لصاحب الغار وثانی اثنین وانا لنعلم بشرفہ وکبرہ ولقد امرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالصلوٰۃ بالناس وھو حی۔

اور گروہ انصار نے جب اپنی جماعت سے ایک خلیفہ کے انتخاب کی درخواست کی اور ان سے حضرت عمر نے کہا۔ کہ کیا تم ابو بکر پر مقدم ہونا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ [2] نعوذ باللہ ان نتقدم ابا بکر

---

[1] ترجمہ۔ ہم ابو بکر رض کو سب سے زیادہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکومت کا مستحق سمجھتے ہیں۔ وہ صاحب غار ہیں اور ثانی اثنین ہیں اور ان کی بزرگی اور بڑائی کا یقین رکھتے ہیں۔ ان کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں امام نماز بنا دیا تھا۔

[2] ہم اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ابو بکر پر مقدم ہونا چاہیں۔

تیسری آیت ـــــــ سورۃ البقرہ ۲/۲۱۸

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

ترجمہ۔ بتحقیق جو لوگ ایمان لائے اور جن لوگوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیے۔ وہ لوگ اللہ کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو اپنی رحمت کا امیدوار قرار دیا۔ یعنی ان کو اپنی رحمت کا مستحق ارشاد فرمایا[ل] اس سے زیادہ نص صریح مہاجرین کی فضیلت میں اور کیا ہوگی۔

لیکن اگر مذہب شیعہ کی تعلیمات کو صحیح تسلیم کیا جائے تو معاذ اللہ یہ آیت غلط ہوئی جاتی ہے۔ کیونکہ اول تو آیت کے الفاظ کا عموم اور ان کی وسعت کا تقاضا یہ ہے کہ پوری جماعت مہاجرین کی اس صفت کے ساتھ موصوف ہو۔ پوری نہ ہو، دو چار دس بیس اشخاص کسی دلیل شرعی کی وجہ سے خارج کر دیئے جائیں، مگر مذہب شیعہ یہ کہتا ہے کہ مہاجرین کی ساری جماعت گمراہ تھی۔ تینوں خلفاء کے ہاتھ پر سب نے برضا و رغبت بیعت کی تھی احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران ص۴۸ میں ہے۔ ما من الامة احد بایع مکرها غیر علی ـــــ و اربعتنا۔ یعنی امت میں کوئی نہ تھا جس نے بغیر دلی رغبت کے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی ہو سوا علی اور ہمارے چار شخصوں کے۔ تو یہ چار شخص بھی سب مہاجرین نہیں ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری جماعت مہاجرین کی باستثناء دو تین شخصوں کے گمراہ ہوگئے اور خدا

[ل] ایک با اختیار بادشاہ کسی کو کسی چیز کا اُمیدوار فرمائے۔ تو یہ اس کے استحقاق کی سند ہے۔ علاوہ اس کے یہ ان کے مومن کامل ہونے کی شہادت بھی ہے جس کا ایمان ٹھیک نہ ہو۔ اس کو خدا ہی کا یقین نہیں ہوتا۔ رحمت کی اُمید کیا۔

کی رحمت کے مستحق نہ رہے۔ بھلا اس آیت کو دیکھ کر کون سمجھ سکتا ہے کہ ان وسیع الفاظ کے مصداق صرف دو تین اشخاص ہیں۔ دوسرے یہ کہ مذہب شیعہ کو غائر نظر سے دیکھیے تو یہ دو تین اشخاص بھی مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔ خلفائے ثلاثہؓ اور ان کے ساتھ والے تو ظلم اور اعانت ظلم کی وجہ سے مستحق رحمت نہ رہے اور حضرت علیؓ اور ان کے تین چار ساتھی اس وجہ سے مستحق رحمت نہ رہے کہ حضرت علیؓ نے باوجود قدرت کے ان مظالم کو نہ روکا۔ اپنے زمانہ خلافت میں ان مظالم کو قائم رکھا اور وصیت آسمانی کے خلاف حضرت ام المومنینؓ و طلحہؓ و زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ سے جنگ کی۔ بلکہ خوارج سے جو جنگ کی۔ وہ بھی خلاف وصیت تھی۔ لہذا مہاجرین میں سے ایک شخص بھی مستحق رحمت نہ رہا۔

ایک بات یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ آیت میں مہاجرین کا عنوان قائم کر کے فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ وصف عنوانی یعنی ہجرت اس فضیلت کا سبب ہے۔ لیکن شیعہ صاحبان حضرت علیؓ کے جو کچھ فضائل بیان کرتے ہیں۔ ان کا سبب ہجرت کو نہیں قرار دیتے۔ بلکہ دوسری باتیں بیان کرتے ہیں۔ لہذا آیت تو بہر صورت غلط قرار دی جائے گی۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

حضرت شیخ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ازالۃ الخفا میں اس آیت کے تحت میں لکھتے ہیں :-

اگر متعصبی گوید کہ ایں ہمہ کلمات عموم است محتمل کہ مراد بعض افراد دیگر باشند۔ گوئیم قصر عام بر بعض افراد حدے دارد۔ اما آنانکہ دراں وصف ابلغ واشہر باشند و از ہمہ پیش قدم و در اول سماع کلام نظر مخاطبان بر آنان افتد عزل ایں جماعت از میان عموم لغت عرب نیست و

اگر کوئی متعصب کہے کہ یہ سب الفاظ عام ہیں ممکن ہے کہ ان سے مراد بعض دوسرے افراد ہوں۔ تو ہم کہیں گے کہ لفظ عام کو بعض افراد میں منحصر کرنے کی کوئی حد ہوتی ہے۔ اور جو لوگ اس صفت میں سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ پیش قدم ہوں اور اس صفت کو سنتے ہی مخاطب کی نظر انہیں کی طرف اٹھتی ہو۔ ان لوگوں کو اس لفظ عام سے نکال دینا لغت

نمی گوید آں را مگر غیر بلیغ و نہ فہمد آں را مگر ہیچ سبحانك هذا بهتان عظیم و اگر متعصب عود کند گوید اول ایں ہمہ فضائل ثابت بود بعد ازاں حبط گشت . بسبب بعض سیآت . گویم ایں بدتر است از اول از ابتدائے نشو و نمائے اسلام تا قیام قیامت ایں آیات در صلوات و محافل و محاضر تلاوت میکنند . و خواہند کرد اگر ظاہر متبادر او مراد نہ باشد تدلیس عظیم در ہر زمان و ہر طبقہ پیدا میشود . تعالیٰ اللہ عن ذلك علوا کبیرا .

عرب کے خلاف ہے ایسی بات نہ کہے گا مگر گروہ جو بلیغ نہ ہو اور اس بات کو نہ سمجھے گا مگر وہ جو بے وقوف ہو۔ سبحانک ہذا بہتان عظیم۔ اور اگر متعصب یوں کہنے لگے کہ ابتداء میں یہ سب فضائل ان میں تھے۔ بعد اس کے زائل ہو گئے بعض گناہوں کے باعث سے تو ہم کہیں گے کہ یہ پہلے سے بھی بد تر ہے۔ اسلام کے نشو و نما کے آغاز سے قیام قیامت یہ آیتیں نمازوں میں اور محفلوں اور مجمعوں میں پڑھی جاتی ہیں اور پڑھی جائیں گی۔ اگر ان کا مفہوم ظاہری مراد الٰہی نہیں ہے۔ تو ہر زمانے میں اور ہر طبقہ میں بڑا فریب لازم آیا۔ اللہ برتر ہے اس سے کہ فریب دے بڑی برتری کر کے۔

چوتھی آیت ——— سورۃ آل عمران ۲۰/۴

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي
وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

ترجمہ ۔ پس جن لوگوں نے ہجرت کی ۔ اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے ۔ اور انہوں نے قتال کیا اور قتل کیے گئے ضرور ضرور مٹا دوں گا میں ان

۱؎ یہ نہ کہا جائے کہ یہ فضائل ان مہاجرین کے ہیں جو شہید ہو چکے ہیں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سے ان کے گناہوں کو اور ضرور ضرور داخل کروں گا میں ان کو ان باغہائے بہشت میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہ بدلا ہے ان کا اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ کے پاس اچھا بدلا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کی فضیلت کئی طرح بیان فرمائی۔

اوّل یہ کہ اُن پر خاص لطف و عنایت کا اظہار فرمایا اور اس کے اظہار کے لیئے کئی عنوان اختیار کیئے۔ ایک یہ کہ ہاجروا کے بعد اُخرجوا من دیارہم فرمایا۔ تاکہ اُن کی مظلومیت خوب آشکارا ہو جائے کہ انہوں نے ہجرت بے وجہ نہیں کی۔ بلکہ ان کو مجبور کیا گیا اور مجبور کر کے اُن کا گھر ان سے چھڑایا گیا۔ دوسرے یہ کہ فرمایا۔ "میری راہ میں ستائے گئے"۔ یہ وہ لطف ہے کہ دنیا جب سے قائم ہے۔ آج تک کسی عاشق کو نصیب نہیں ہوا۔ عشاق اس کی تمنا کرتے کرتے مر گئے۔ مگر یہ دولت کسی کو نصیب نہیں ہوئی کہ معشوق نے اقرار کیا ہو کہ عاشق پر یہ مصیبتیں میرے لیئے آئی ہیں۔ قال قائلهم۔

ہزار عمر فدائے دمی کہ من از شوق
بخاک و خون طپم و گوئی از برائے من است

یہ دولت اگر ملی اور بے مانگے ملی، تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین کو کہ ان کے محبوب جل شانہ نے فرمایا۔ "یہ لوگ میری راہ میں ستائے گئے"۔ یہ وہ دولت ہے کہ دست تمنا بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ سچ ہے ؎

حریفاں بادہا خوردند و رفتند | تہی خمخانہا کردند و رفتند

دوم۔ یہ کہ ان کی خطاؤں کے معاف کرنے اور ان کے جنتی ہونے کو دو دو

(بقیہ) اس لیے کہ آیت کا یہ مطلب ہے کہ بعض ان میں سے قتل کیئے گئے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا۔ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا۔ یعنی ان میں بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کر دی اور بعض وہ ہیں جو منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ ٭

حرف تاکید کے ساتھ بیان کرکے ایمان والوں کو یہ سبق دیا کہ دیکھو ان مہاجرین کا کوئی کبیرہ سے کبیرہ گناہ روایت میں نہیں. بلکہ آنکھوں سے تم کو دکھا دے. تو بھی ان کی بزرگی میں شک نہ کرنا اور یقین کرنا کہ ان کا وہ گناہ معاف ہو چکا ہے اور ان کا جنت میں داخل ہونا قطعی ہے۔

شیعوں کو چاہیئے کہ آنکھ کھول کر اس آیت کو دیکھیں اور اپنی اس لایعنی حرکت پر نادم ہوں کہ وہ ہمارے سامنے مہاجرین کے مطاعن (وہ بھی روایات اخبار آحاد میں جن کی صحت بھی محل نظر ہوتی ہے۔ اور وہ بھی ایسے کہ گناہ کی حد تک نہیں پہنچتے. بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک قسم کی لغزش کہے جا سکتے ہیں) پیش کرکے اسبات کے متوقع ہوتے ہیں. کہ ہمارے اعتقاد میں فرق آجائے اور ہم قرآن کے ممدوحین کی طرف سے بدظن ہو جائیں۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

جن کا ایمان قرآن مجید پر ہے اور اس آیت میں مہاجرین کے متعلق یہ وعدۂ خداوندی دیکھ چکے ہیں. ان کے سامنے تم مہاجرین کے اشد کبیرہ گناہ اخبار آحاد میں نہیں، متواتر روایات میں نہیں، بلکہ آیت قرآنی میں دکھا دو. قسم ہے قرآن کے نازل کرنے والے کی ان کے اعتقاد میں فرق نہیں آسکتا۔ وہ صاف کہہ دیں گے کہ اگر یہ گناہ ہے تو معاف بھی ہو چکا ہے. اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادِ. مگر شیعوں کا ایمان چوں کہ قرآن پر نہیں ہے لہذا وہ ہماری اس وابستگی کا جو قرآن کریم کے ساتھ ہم کو ہے احساس بھی نہیں کر سکتے ہے

چوں دل بمہر نگارے نہ بستہ اے ماہ

ترا از سوز دروں و نیاز ما چہ خبر

سوم یہ کہ اپنے انعامات بیان کرکے فرمایا کہ یہ ان کے اعمال کا بدلا ہے اپنے انعام محض کو بدلہ کہنا کس قدر لطف وکرم کی بات ہے۔

ع لے بقربانت چہ نیکو داوری

چہارم یہ کہ وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الثَّوَابِ فرما کر انعامات اخروی کی تفصیل

کر مبہم کر دیا۔ انعام کے مبہم رکھنے میں جو لطف ہے۔ وہ اصحاب ذوق خوب جانتے ہیں۔

پانچویں آیت ——— سورۃ انفال

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے۔ اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (نبیؐ کو) اپنے شہر میں جگہ دی اور مدد کی۔ وہی لوگ سچے ایمان والے ہیں۔ ان کے لیے بخشش ہے اور روزی عزت کی۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مہاجرین کے ساتھ انصار کے فضائل بھی بیان فرمائے ہیں اور دونوں گروہوں کے متعلق تین تین باتیں ارشاد فرمائیں۔

۱. وہ سچے مومن ہیں۔ ۲. ان کے لیے گناہوں کی مغفرت۔

۳. ان کے لیے عزت کی روزی ہے۔

ان تین صفتوں میں پہلی صفت اصل ہے اور باقی دو اسی کے نتائج ہیں پہلا نتیجہ آخرت سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ گناہوں کی بخشش کا ظہور وہیں ہو گا اور دوسرا نتیجہ عام ہے روزی دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی معلوم ہوا کہ دونوں جہان میں ان کو روزی عزت سے ملے گی۔ اس سے زیادہ دنیا میں کیا عزت ہوگی کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کی گردنیں ان کے سامنے جھک گئیں اور اپنے ذلیل ہونے کا اقرار کر کے غیروں نے ان کے سامنے جزیہ پیش کیا۔ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صَاغِرُوْنَ[1]

[1] یہ قرآن مجید کی آیت کا ٹکڑا ہے۔ فرمایا ہے کہ جن کافروں پر جزیہ مقرر ہو۔ وہ اپنی ذلت کا اظہار کرتے ہوئے جزیہ دیا کریں۔

اس آیت کے بعد بھلا مہاجرین و انصار کے مومن کامل ہونے میں یا اُن کے مَغْفُوْرُ الذنوب ہونے میں کوئی مسلمان شک کر سکتا ہے۔ اور کیا کوئی بڑی سے بڑی روایت ان کی طرف سے بدظنی پیدا کر سکتی ہے۔ حَاشَا ثُمَّ حَاشَا۔

شیعوں کو دیکھو کہ قرآن مجید کی ضد میں انہوں نے ممدوحین قرآن کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ یک دم تمام مہاجرینؓ و انصارؓ کے مومن ہونے کا انکار کر دیا۔ حضرت علیؓ اور ان کے دو چار ساتھیوں کے مومن ہونے کا بظاہر اقرار بھی کیا۔ تو اس طرح کہ ان کے لیئے وہ سامان اپنی کتابوں میں جمع کر دیا کہ مومن ہونا تو بڑی چیز ہے۔ ان کا کوئی مذہب ہی نہیں متعین ہو سکتا۔

بھلا ان مہاجرین و انصار کی بابت کوئی کہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہؓ کا گھر جلا دیا۔ یا جلانے کا ارادہ کیا۔ ان کو مارا۔ حمل گرایا، فدک غصب کیا، خلافت غصب کی، تو کون مسلمان ان باتوں کو مان سکتا ہے۔ قسم ہے خدا کے عزت و جلال کی، اگر کوئی فرشتہ بھی ان خرافات کو بیان کرے۔ تو جس کا ایمان قرآن شریف پر ہے کبھی ان باتوں کو نہیں مان سکتا۔ سدھ صاف کہہ دے گا کہ یہ سب جھوٹ ہے اور بالفرض یہ سچ بھی ہو تو جن سے خدا نے مغفرت کا وعدہ کیا اور کچھ تخصیص کسی گناہ کی نہ فرمائی۔ ایسے ایسے لاکھوں گناہ ہوں۔ تو ان کے رتبے میں فرق نہیں آ سکتا۔

اگر کوئی کہے کہ وعدہ مغفرت سے ان کا گنہگار ہونا تو ثابت ہو گیا۔ کیونکہ گناہ نہ ہوں تو مغفرت کیسی۔

تو جواب یہ ہے۔ کہ اگر گنہگار ہونے کا ثبوت بھی ہوا تو مغفرت کے ساتھ۔ لہذا اس میں کوئی منقصت لازم نہ آئی اور حقیقت میں تو اس سے گنہگار ہونے کا ثبوت بھی نہیں ہوتا۔ مغفرت کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ اگر ان سے کوئی گناہ بھی ہو جائے گا تو معاف کر دیا جائے گا۔ اور اگر اس مطلب میں کسی کو تردد ہو۔ تو قرآن مجید کی اس آیت کو دیکھیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے۔ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ کیا وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گنہگار ہونے کو بھی تسلیم کر لے گا۔

معاذ اللہ۔

چھٹی آیت

سورۃ برارۃ ۳/۱۰

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۔ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۔

ترجمہ ، جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور جان سے جہاد کیا۔ وہ (سب سے) زیادہ بڑے ہیں درجہ میں اللہ کے نزدیک اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ خوشخبری سناتا ہے ان کو پروردگار ان کا اپنی رحمت اور رضامندی کی۔ اور ان باغہائے بہشت کی جن میں ان کے لیئے باقی رہنے والی نعمتیں ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیش ان باغوں میں رہیں گے۔ بہ تحقیق اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین فضیلتیں مہاجرین کی بیان کی ہیں ،

۱۔ خدا کے نزدیک ان کا رتبہ سب سے زیادہ ہے۔

۲۔ وہ کامیاب ہونے والے ہیں۔

۳۔ خدا ان کو اپنی رحمت و رضامندی اور جنت کی خوشخبری سناتا ہے۔

اس آیت کے بعد کیا کوئی مسلمان کسی مہاجر کے برابر غیر مہاجر کا رتبہ کہہ سکتا ہے۔ حَاشَا ثُمَّ حَاشَا۔

مگر شیعوں کو دیکھو کہ اپنے ائمہ کو جن میں سوا حضرت علیؓ کے کوئی مہاجر نہیں ہے ان کو مہاجرین سے اعلیٰ و افضل کہتے ہیں۔ مہاجرین تو مہاجرین انبیاء سے ان کو افضل مانتے ہیں ،۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ هٰذِهِ الْهَذَيَانَاتِ

قرآن مجید کو دیکھو کہ ہجرت کو کیسے عظیم الشان فضائل کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ پھر مذہب شیعہ دیکھو کہ وہاں اگر کسی کے فضائل بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ تو ہجرت کے سبب سے نہیں بلکہ اور باتوں کے سبب سے۔ ہجرت تو ان کے ہاں کوئی چیز ہی نہیں۔

کلمہ گویان اسلام میں قرآن مجید سے اس قدر بے تعلق تعلیمات اسلامیہ سے اس قدر اجنبی کوئی فرقہ سوائے شیعوں کے نہیں ہے۔ ایک یہی فرقہ ہے جس کے مذہب سراپا بنیاد مخالفت قرآن پر ہے۔

ساتویں آیت ــــــــ سورۂ براءۃ ۱۱/۱

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

ترجمہ۔ اور سبقت کرنے والے اگلے مہاجرین و انصار اور جن لوگوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ اور اللہ نے ان کے لیئے باغہائے بہشت تیار کیے ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ہمیشہ ہمیش ان باغوں میں رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے سابقین اولین مہاجرین و انصار کے فضائل بغیر کسی شرط کے بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ ان کو مابعد والوں کا مقتدا اور متبوع قرار دیا۔ اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ میں صحابۂ کرامؓ جو سابقین اولین کے بعد ہوں وہ بھی داخل ہیں اور ان کے بعد کے مسلمان بھی تا قیامت یک داخل ہیں۔ غرضکہ سابقین اولین تمام امت کے مقتدا و پیشوا ہیں۔

۲۔ فرمایا خدا اُن سے راضی وہ خدا سے راضی۔ ۳۔ فرمایا ان کے لیئے جنت کے باغ تیار کیے گئے ہیں یعنی جنت کے مخصوص طبقات ان کے لیئے ہیں۔

۴۔ ان کی حالت کو فوزِ عظیم فرمایا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مہاجرین و انصار کی اتباع و اقتدا، من جانب اللہ تمام امت پر فرض ہے، یہ ہے اصلی امامت اور حقیقی افتراض طاعت جس پر سیکڑوں، خانہ ساز امامتیں قربان ہیں۔

مولانا جامیؒ سلسلۃ الذہب میں انہیں آیات کا ترجمہ نظم کہتے ہیں۔ کہ

رضی اللہ عنہم از سورِ حق — پے ایشاں بشارت مطلق
وز رضوا عنہ منصب ایشاں — برتر انداز ہمہ رضا کیشاں
چوں ہمہ مرضی خدا دند — چہ غم از عمر و زید نہ پسند
ہر کہ باشد پسند خالق پاک — گر نہ باشد پسند خلق چہ باک

باحسان کی قید جو اس آیت میں ہے شیعوں کے دل میں نشتر کی طرح چبھتی ہو گی کیونکہ یہ قید بتا رہی ہے کہ مہاجرین و انصار جن کی تعریف بیان ہو رہی ہے۔ پیغمبر کی طرح معصوم نہیں ہیں۔ ان کی اتباع صرف نیکی میں ہونی چاہیئے۔ لہذا شیعہ کسی طرح اس جماعت مہاجرین میں حضرت علیؓ کو داخل بھی نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ وہ حضرت علیؓ کو معصوم کہتے ہیں۔ نعوذ باللہ منہ

آٹھویں آیت

سورۃ براءۃ پارہ ۱۱

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ إِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ٥

ترجمہ: بہ تحقیق مہربانی کے ساتھ رجوع کیا اللہ نے نبی پر اور مہاجرین و انصار پر جنہوں نے نبی کی پیروی کی سختی کے وقت میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل ڈگمگا جائیں۔ بہ تحقیق اللہ ان کے ساتھ نرمی کرنے والا مہربان ہے۔

یہ آیت غزوہ تبوک میں نازل ہوئی۔ یہ لڑائی بادشاہ روم سے تھی۔ جو دنیا کی دو بڑی سلطنتوں میں سے ایک کا مالک تھا۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ اس وقت مسلمانوں کے پاس پیسہ نہ تھا۔ بڑی سختی اور تنگی کی حالت تھی۔ یہاں تک کہ اس لشکر کا نام ہی جَیْشُ الْعُسْرَۃ رکھا گیا کہ اس آیت میں بھی حق تعالیٰ نے اس غزوہ کو ساعت عسرت کے ساتھ تعبیر کیا۔ انہیں وجوہ سے بعض لوگوں کے دلوں میں کچھ تردد و انتشار پیدا ہوا ہوگا جس کو فرمایا کہ قریب تھا کہ کچھ لوگوں کے دل ڈگمگا جائیں۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے مہاجرین و انصار دونوں کی فضیلت، کئی طرح سے بیان فرمائی۔

۱. ایک ہی سلسلہ میں اپنے نبی کے ساتھ ساتھ مہاجرین و انصار کا ذکر فرمایا۔

۲. ان پر اپنی مہربانی کی تصریح فرمائی۔

۳. قوت ایمانی یا قوت قلبی کے لحاظ سے ان میں باہم تفاوت تھا۔ باوجود اس تفاوت کے ساری جماعت پر اپنی رحمت بیان فرمائی۔

۴. آخر آیت میں پھر فرمایا کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ نرمی اور مہربانی کرتے ہیں یعنی مہاجرین و انصار کے ساتھ ہمارا وہ برتاؤ نہیں ہے۔ جو اوروں کے ساتھ ہے۔ یہ لوگ مزید عنایت کے ساتھ مخصوص ہیں۔

نکتہ. کَادَ یَزِیْغُ سے معلوم ہوا کہ ڈگمگائے نہ تھے۔ ڈگمگانے کے کچھ آثار پیدا ہو چلے تھے۔ اس لفظ نے شیعوں کو سخت پریشان کر دیا ہے۔ ہر جگہ مہاجرین کی تعریف کی آیتوں کو حضرت علیؓ اور ان کے دو ایک ساتھیوں کے لیے مخصوص بنانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اس لفظ کو چونکہ حضرت علیؓ کے رتبہ کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اس لیے حضرت علیؓ کو مصداق نہیں بناتے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہاجرین و انصار کی بڑی جماعت تھی۔ اس جماعت کے چند لوگوں کی یہ حالت تھی۔ جس کو کَادَ یَزِیْغُ سے تعبیر فرمایا ہے۔ مگر خدا کی رحمت سب پر تھی۔

نویں آیت ——— سورہ نحل ۶/۱۴

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

: اور جن لوگوں نے اللہ کے لیئے ہجرت کی. بعد اس کے کہ وہ ستائے گئے ضرور ضرور ہم ان کو جگہ دیں گے دنیا میں اچھی اور یقیناً آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے کاش وہ اس کی تفصیل کو جانتے۔

اس آیت میں بلا کسی شرط زمانہ کے مہاجرین سے دنیا اور آخرت دونوں جہان کی نعمتوں کا وعدہ فرمایا۔ دنیا میں اچھی جگہ دینے کا وعدہ دنیا کی ہر قسم کی بھلائی کو شامل ہے۔ پس اب دنیا میں جن مہاجرین کو سب سے زیادہ عزت اور رفعت ملی۔ ان کو بُرا سمجھنا یقیناً اپنے ایمان کو خیر باد کہنا ہے۔ ہر مسلمان کو جماعت مہاجرین کے متعلق یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ دنیا میں جو عزت و شوکت ان کو ملی۔ وہ اسی آیت کے مطابق ملی اور آخرت میں ان کو بہت بڑا ثواب ملے گا۔

تمام جماعت مہاجرین میں حضرات شیخین رض کو دنیا میں سب سے زیادہ اچھی جگہ ملی کہ خاص اس روضۂ مبارک میں مدفون ہوئے۔ جہاں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب گاہ ہے۔ جو روئے زمین میں سب سے اشرف و اعلیٰ مقام ہے اور سچ یہ ہے کہ۔

اگر فردوس بر روئے زمین است   ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

خلافت و حکومت بھی ان کی سب سے زیادہ منظم و کامیاب ہوئی۔ ان کی عظمت و جلالت بھی اہل ایمان کے قلوب میں بے نظیر قائم ہوئی۔ لہٰذا یہ آیت ہم کو سبق دے رہی ہے کہ آخرت میں بھی ہم ان کو سب سے فائق مانیں۔

صاحب ازالۃ الخفا اس آیت میں لکھتے ہیں۔

ایں آیت نقل است در وعد   یہ آیت نص ہے مہاجرین کے ساتھ دنیا کی

مہاجرین بحسنہ دنیا و اجر آخرت بعد ازاں گویا بچشم دیدیم. کہ جماعت را از مہاجرین حسنہ دنیا بہم آمد و یقین کردیم. کہ ایں جماعہ در آخرت اجر عظیم خواہند یافت. و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در حدیث مستفیض تعین اسمائے آں جماعت نمودند. وھو الصادق المصدوق فیما قال وھو المبین لکلام الملك المتعال.

بھلائی اور آخرت کے ثواب کا وعدہ کرنے میں بعد اس کے بعد گویا ہم نے آنکھ سے دیکھا کہ مہاجرین کی ایک جماعت کو دنیا کی بھلائی حاصل ہوئی۔ اور ہم نے یقین کیا۔ کہ یہ لوگ آخرت میں بھی اجر عظیم پائیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مستفیض میں ان لوگوں کے نام بھی متعین فرما دیئے۔ اور جو کچھ آپ فرماتے تھے اسمیں آپ سچ کہتے تھے اور آپ کو سچی خبر ملتی تھی۔ اور کلام خداوند برتر کے توضیح کرنے والے آپ ہی تھے۔

دسویں آیت ـــــــ سورۃ حشر ۱/۲۸

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

ترجمہ: وہ مال غنیمت (جو بطور فئی[1] کے ہاتھ آئے) ان فقرائے مہاجرین کے لیے

[1] فئی اس مال غنیمت کو کہتے ہیں۔ جو بغیر لڑائی کے قبضے میں آجائے۔ فدک (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکالے گئے۔ اس حال میں کہ وہ چاہتے ہیں۔ اللہ کی بخشش اور رضامندی کو اور مدد کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسولوں کی یہی لوگ سچے ہیں اور وہ (مال) ان لوگوں کے لیئے جنہوں نے دار[1] (الہجرت) اور ایمان کو مہاجرین کے آنے سے پہلے اپنا قیام گاہ بنایا تھا۔ (یعنی انصار کے لیئے) محبت کرتے ہیں ان لوگوں سے جو ان کی طرف ہجرت کرکے آتے ہیں۔ اور نہیں پاتے ہیں اپنے دلوں میں کوئی حاجت اس مال کی جو انہیں دیا گیا۔ اور ترجیح دیتے ہیں اپنی ذات پر (مہاجرین کو) اگرچہ خود ان پر تنگی کی حالت ہو اور جو لوگ نفس کے لالچ سے بچائے گئے وہی کامیاب ہونے والے ہیں اور (وہ مال) ان لوگوں کے لیئے ہے جو ان کے بعد آئیں یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے رب بخش دے ہم کو اور ہمارے اُن بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان کی طرف سبقت کر چکے۔ اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں کینہ ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔ اے ہمارے پروردگار بہ تحقیق تو نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔

ان آیتوں میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے مہاجرین کی عجیب شان بیان فرمائی۔ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ خلاصۂ امت مرحومہ وہی ہیں۔ اس خوانِ نعمت پر جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچھایا ہے۔ اصلی مہمان مہاجرین ہیں۔ باقی سب اُن کے طفیلی ہیں۔ جس کو ان کے طفیلی بننے سے انکار ہو۔ وہ اس خوانِ نعمت کی خوشبو بھی نہیں پا سکتا۔

فکن[2] طفیلیھم علی ادب — فلا اری شافعا سوی الادب

(بقیہ) بھی اسی قسم کا مال تھا۔ جس کو شیعہ حضرات فاطمہ زہرا کا حق بتاتے ہیں کبھی میراث کے ذریعہ سے کبھی ہبہ کے ذریعہ سے۔ مگر یہ آیت بتا رہی ہے کہ مالِ فئی کے حقدار یہ سب لوگ ہیں۔ ۱۲

[1] حضرت شیخ دہلویؒ جذب القلوب میں لکھتے ہیں کہ دار اور ایمان دونوں مدینہ منورہ کے نام ہیں۔ ۱۲

[2] پس اے سعادت مند مہاجرین کا طفیلی بن جا ادب کے ساتھ۔ سوا ادب کے کوئی سفارش کرنے والا مجھے نظر نہیں آتا۔ ۱۲

ان آیتوں میں مہاجرین کے حسب ذیل فضائل بیان فرمائے گئے۔

۱. مال فئے کا مستحق ان کو کہا گیا۔

۲. ان کی ہجرت کی تفصیل فرمائی گئی کہ ان سے ان کا وطن مالوف بھی چھڑا لیا گیا اور مال بھی۔

۳. ان کے اخلاص نیت کی گواہی دی کہ ان کا مقصود و مطلوب صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے۔

۴. ان کو خدا اور خدا کے رسول کا مددگار فرمایا۔

۵. ان کو صادقون یعنی سچا فرمایا۔ اس کے ساتھ اس آیت کو ملاؤ۔ کہ کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ. تو صاف یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ صادقین یہی مہاجرین کی جماعت ہے۔ خدا نے انہیں کے اتباع کا حکم دیا ہے۔

۶. انصار کے جو فضائل بیان فرمائے۔ ان میں بڑی بات یہ ہے۔ کہ وہ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں۔ اور ان کی ایسی خدمت کرتے ہیں کہ ان کو اپنی ذات پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انصار کی جو بڑی فضیلت ہے۔ وہ خادم مہاجرین ہونے کی وجہ سے ہے۔

۷. مہاجرین و انصار کے بعد قیامت تک جو مسلمان پیدا ہوں۔ ان کا وظیفہ یہ ارشاد فرمایا کہ وہ مہاجرین و انصار کا ذکر خیر اور ان کے لیئے دعائے مغفرت کرتے رہیں۔ اور ان کی عداوت سے خدا کی پناہ مانگیں۔ معلوم ہوا کہ مہاجرین و انصار کی عداوت بڑی بد بلا ہے۔

قرآن مجید میں اس صراحت کے ساتھ مہاجرین کے ایسے عظیم الشان فضائل کے دیکھنے کے بعد بھی دنیا میں کوئی قوت ہے جو مسلمانوں کی طرف سے بدگمان بنا سکے قسم ہے قرآن مجید کے متکلم جل شانہ کی کہ ابلیس اور ابلیس کی ساری ذریت اپنی ساری طاقت تمرد فریب کی ختم کر دے۔ مگر ایک مسلمان کا ان ممدوحین قرآن کی طرف سے بدعقیدہ ہونا ممکن نہیں۔ ہاں جن کا ایمان قرآن شریف پر نہ ہو۔ وہ مہاجرین کو جیسا چاہیں سمجھیں۔ اور جو چاہیں

کہیں صاحب ازالۃ الخفاء اس آیت کے تحت میں ایک نفیس نکتہ لکھتے ہیں۔

فرماتے ہیں:۔

چوں فئے برائے جماعہ غیر محصورین مقرر شد ملک یمین کسی نباشد بلکہ ہر کی را قدر ما یحتاج او باید داد۔ و معنی خلیفہ نیست الا آنکہ تصرف کند در بیت المال مسلمین بموافقت سنت آں حضرت صلی اللہ علیہ و سلم بہ نیابت او علیہ الصلوۃ و السلام پس خلیفہ متصرف در فئے باشد۔ و آں فئے ملک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبود تا مبحث میراث دراں جاری باشد۔ و نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شخصے را از اقارب خود ہبہ نتواند کرد۔ وہو المقصود۔

جب کہ مال فے ایک غیر محدود جماعت کے لیے مقرر ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ کسی کی ملک نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص کو اس کی حاجت کے مطابق دینا چاہیئے اور خلیفہ کے معنی یہی ہیں کہ بیت المال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کیمطابق تصرف کرے آپ کا نائب بن کر پس مال فے میں بھی خلیفہ تصرف کرے گا۔ اور مال فے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک نہ تھا۔ کہ اس میں میراث کا قصہ چل سکے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قرابت والوں میں کسی کو وہ مال ہبہ کر سکتے تھے۔

اس کے بعد صاحب ازالۃ الخفاء نے چند روایات ذکر فرمائیں۔ ان میں سے چند کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

۱۔ حضرت قتادہ سے آیت مذکورہ کی تفصیل میں منقول ہے۔ کہ انہوں نے کہا۔ یہ مہاجرین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے وطن کو چھوڑا، مال چھوڑا، عزیز و اقارب چھوڑے اور اللہ و رسول کی محبت میں اپنے وطن سے چلے گئے۔ اور اسلام کو نہایت سختیوں کی حالت میں اختیار کیا۔ یہاں تک کہ بھوک کے سبب سے وہ لوگ اپنے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے تاکہ کمر سیدھی جائے۔ اور جاڑوں میں گڑھے کھود کر ان میں رہتے تھے۔ اوڑھنے کی چادر بھی ان کے پاس نہ تھی۔ اور یہ گروہ انصار اپنے وطن میں اسلام لائے تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے سے دو برس پہلے مسجدیں بھی بنائیں۔ اللہ تعالی نے ان کی اس بارہ میں تعریف فرمائی۔ یہ دونوں گروہ یعنی مہاجرین و انصار اس امت میں

سب سے افضل ہیں۔ خدا نے ان کا حصہ فے میں قائم کیا۔ پھر تیسرے گروہ کا ذکر کیا۔ اور اس کو حکم دیا۔ کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے استغفار کرے۔ بُرا کہنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

۲۔ حضرت سعد بن اُبیؓ وقاصؓ فرماتے ہیں۔ کہ خدا نے لوگوں کے تین درجے قائم کیئے ہیں۔ پہلا درجہ مہاجرین کا ہے جو ختم ہو چکا۔ اب کسی کو نہیں مل سکتا۔ دوسرا درجہ انصار کا ہے وہ بھی ختم ہو چکا۔ اب کسی کو نہیں مل سکتا۔ تیسرا درجہ اُن لوگوں کا ہے جو مہاجرین و انصار کے بعد ہوں اور ان کے لیئے استغفار کریں۔ یہ درجہ باقی ہے اور تمہاری بہترین حالت یہ ہے۔ کہ اس درجہ میں داخل ہو جاؤ۔

۳۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے استغفار کریں مگر برعکس اس کے لوگ برا کہتے ہیں۔

۴۔ حضرت ابن عمرؓ نے ایک شخص کو سنا کہ وہ مہاجرین میں سے کسی کی بدگوئی کر رہا تھا۔ انہوں نے اس کے سامنے یہی آتیں پڑھیں اور فرمایا کہ کیا تو مہاجرین میں سے ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ پھر فرمایا۔ کیا تو انصار میں سے ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا پھر کیا تو اس تیسرے گروہ میں سے ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ اُمید ہے کہ اس گروہ میں سے ہوں حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا۔ جو شخص مہاجرین و انصار کو بُرا کہے وہ تیسرے گروہ میں سے بھی نہیں ہو سکتا۔

خاتمۃ الایمان

الحمد للہ کہ قرآن مجید کی دس آیتوں کی تفسیر ختم ہو چکی۔ اگرچہ اس تفسیر میں بہ نسبت تفاسیر سابقہ کے اختصار سے کام لیا گیا ہے لیکن کوئی شخص اچھی طرح یاد کرلے۔ تو انشاء اللہ بڑے سے بڑے مجتہد شیعہ کو مبہوت و سکوت کر سکتا ہے وَاللہُ الْمُسْتَعَانُ۔

ان دس آیتوں میں پہلی آیت عموماً تمام صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب کی ہے جس

میں ان کو خیر الامم کا خطاب دیا گیا ہے۔ اور دوسری آیت خاص حضرت ابوبکر صدیق رض کے مناقب میں ہے جس میں ان کی رفاقت خاص سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیان فرما کر ان کے مدارج عالیہ ظاہر فرمائے گئے ہیں۔ باقی آیتیں عامۃً تمام مہاجرین کی شان میں ہیں۔ ان میں بعض آیات میں انصار کے مناقب بھی ہیں۔

ان آیتوں میں مہاجرین کے لیے حسب ذیل فضائل ارشاد فرمائے گئے ہیں۔

۱. رحمت الٰہی کے مستحق۔
۲. اللہ کی راہ میں ستائے ہوئے۔
۳. مغفور الذنوب۔
۴. قطعی جنتی۔
۵. جنت کے مخصوص درجات ان کے لیے۔
۶. سچے مومن۔
۷. عند اللہ بڑے رتبہ والے۔
۸. کامیابی والے۔
۹. نزول رحمت میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی۔
۱۰. امت کے مقتدائے واجب الاطاعت۔
۱۱. ان کے لیے خصوصیت کے ساتھ خدا کا رؤف رحیم ہونا۔
۱۲. دونوں جہان کی نعمتوں کے مَوعُودُ لَہُم۔
۱۳. خدا ان سے راضی وہ خدا سے راضی۔
۱۴. خدا کی بخشش و رضامندی ہی ان کا مطلوب ہے۔
۱۵. خدا اور خدا کے رسول کے مددگار۔
۱۶. صادق۔
۱۷. انصار کے محبوب و مخدوم۔
۱۸. قیامت تک ہونے والے مسلمانوں پر ان کے لیے دعائے خیر کرنا اور ان کی عداوت

سے خدا کی پناہ مانگنا واجب ہے۔ ان عظیم الشان فضائل مناقب کے بعد کیا اس میں کسی مسلمان کو تردد ہو سکتا ہے کہ یہ جماعت جس کو اپنا امام بنائے وہ خدا کا پسندیدہ امام اور خلیفہ برحق ہے۔

قرآن کریم کی انہیں آیتوں کی وجہ سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کو بیعت مہاجرین و انصار سے ثابت کیا اور فرمایا کہ مہاجرین و انصار کا منتخب کیا ہوا امام خدا کا پسندیدہ ہے۔ مہاجرین و انصار کے منتخب کیے ہوئے خلیفہ کا ماننا سب مسلمانوں پر واجب ہے۔ جو نہ مانے۔ وہ واجب القتل ہے۔

نہج البلاغہ قسم دوم مطبوعہ مصر ص ۷ میں ہے:۔

وَمِنْ كِتَابٍ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى مُعَاوِيَةَ

ایک خط ہے جناب امیر علیہ السلام کا بنام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

إِنَّهُ بَايَعَنِي الْقَوْمُ الَّذِينَ بَايَعُوا أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ عَلَى مَا بَايَعُوهُمْ عَلَيْهِ فَلَمْ يَكُنْ لِلشَّاهِدِ أَنْ يَخْتَارَ وَلَا لِلْغَائِبِ أَنْ يَرُدَّ وَإِنَّمَا الشُّورَى لِلْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ فَإِنِ اجْتَمَعُوا عَلَى رَجُلٍ وَسَمَّوْهُ إِمَامًا كَانَ ذَلِكَ لِلَّهِ رِضًى فَإِنْ خَرَجَ مِنْ أَمْرِهِمْ خَارِجٌ بِطَعْنٍ أَوْ بِدْعَةٍ رَدُّوهُ إِلَى مَا خَرَجَ مِنْهُ فَإِنْ أَبَى قَاتَلُوهُ عَلَى اتِّبَاعِهِ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ وَوَلَّاهُ اللَّهُ مَا تَوَلَّى۔

بہ تحقیق مجھ سے ان لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ سے بیعت کی تھی اس شرط پر جس شرط پر ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی لہذا نہ حاضر کو جائز ہے کہ وہ کسی اور کو پسند کرے اور نہ غائب کو کہ وہ میری خلافت کو رد کرے۔ اور سوا اس کے نہیں کہ انتخاب خلافت کا مشورہ مہاجرین و انصار کا حق ہے۔ اگر وہ لوگ کسی شخص پر اتفاق کر لیں اور اس کو امامت کے نامزد کریں وہ خدا کا پسندیدہ امام ہے پھر اگر ان کے اتفاق سے کوئی شخص باہر نکل جائے کوئی اعتراض کر کے یا کوئی نئی بات نکال کر۔ تو مسلمان اس کو واپس لائیں اس چیز کی طرف جس چیز سے وہ نکل گیا۔ پھر اگر وہ نہ مانے تو اس سے قتال کریں۔ اس بنا پر کہ اس نے ایمان والوں کی راہ کے خلاف راہ اختیار کی اور اللہ اس کو اسی طرف پھیرے گا جدھر سے پھرا۔

اب یہ سمجھ لو کہ حق تعالیٰ نے مہاجرین کے مناقب میں اس قدر اہتمام کیوں کیا۔
اُنہوں نے راہِ خدا میں محض دینِ اسلام قبول کرنے کے لیئے بڑی بڑی مصیبتیں اُٹھائیں۔
تیرہ برس قبل ہجرت کی تاریخ دیکھو تو عقل متحیر ہو جائے کہ بھلا انسان ایسے مصائب تحمل کر سکتا ہے۔ قبل ہجرت اسلام قبول کرنا آسان کام نہ تھا۔ کلمہ طیبہ کا منہ سے ادا کرنا گویا اژدہے کے منہ میں ہاتھ ڈالنا یا آگ کے بھرے ہوئے تنوروں میں اپنے کو گرانا تھا۔ ؎

دوش در عشق تو آزردہ و ناشاد کہ بود
من نبودم ہدف ناوک بیداد کہ بود

۲۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دلائل نبوت کی چشم دید گواہی دینے والے وہی تھے۔ قبل ہجرت کی گواہی تو انہیں پر منحصر تھی۔ اور بعد ہجرت کے واقعات بھی بغیر ان کی سعی مشکور کے دنیا کے سامنے نہیں آسکتے تھے۔ کیونکہ خلافت وحکومت کی باگ انہیں کے ہاتھ میں تھی۔

۳۔ قرآن مجید کے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیمات کے راوی و ناقل وہی تھے۔ قبل ہجرت کی تعلیمات تو انہیں کے لیئے مخصوص تھیں۔ اور بعد ہجرت کی تعلیمات بھی بغیر ان کی مدد اور کوشش کے نشر و اشاعت میں نہیں آسکتی تھیں۔ کیونکہ سب انہیں کے تابع و محکوم تھے اور سب کے متبوع اور حاکم تھے۔

۴۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کے بہترین نمونہ وہی تھے شاگردوں سے بہتر استاد کے کمالات کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔ پھر جو شاگرد استاد کی خدمت میں جتنا زیادہ رہا ہو اس کے حالات سے اتنا ہی زیادہ استاد کے کمالات کا علم ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مہاجرین کے برابر طویل الصحبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باش کوئی نہ تھا۔ تیرہ برس قبل از ہجرت وہی تھے کوئی اور تھا ہی نہیں۔ شمع جمال محمدی کے پروانہ تھے تو وہ تھے۔ گلدستہ محمدی تھے تو وہ تھے۔

تفسیر آیت تقسیم فیٔ

از امام اہلِ سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

سورۂ حشر کی آیہ کریمہ والذین جاء ومن بعد ھم یقولون کی مکمل تفسیر کر کے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح کر دی گئی ہے کہ قرآن مجید نے مدح صحابہ کرامؓ خصوصاً مع مہاجرین و انصار کو تاقیام قیامت تک ہر مسلمان کیلئے ایک ضروری وظیفہ قرار دیا ہے اسکے علاوہ اور بھی بہت سے نفیس معارف بیان میں آ گئے ہیں مثلاً قصہ فدک کا قرآنی فیصلہ وغیرہ وغیرہ۔

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳۔ روڈ نمبر ۲۔ سب بلاک اے' بلاک نمبر ا نزد مسجد قدوسیہ
ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔ فون نمبر: ۶۶۰۱۴۴۹

آیاتِ تقسیم فَے

اگرچہ ہمارا مقصود اس وقت صرف آخری آیت سے تعلق رکھتا ہے مگر سلسلہ کلام ظاہر کرنے کیلئے اوپر کی دو آیتیں بھی نقل کی جاتی ہیں۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا

یہ مال فَیٔ ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لئے ہے جو نکالے گئے

مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا

اپنے گھروں سے اور (جدا کئے گئے) اپنے مالوں سے اس حال میں کہ وہ

مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ

چاہتے ہیں بخشش اللہ کی طرف اور (اسکی) رضامندی اور مدد کرتے ہیں اللہ

وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

کی اور اس کے رسول کی۔ یہی لوگ ہیں سچے۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ

اور (یہ مال فَیٔ) ان لوگوں کے لئے ہے جو اس گھر میں اور ایمان میں

قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا

مہاجرین (کے آنے) سے پہلے جاگزیں ہو چکے تھے۔ وہ محبت کرتے ہیں ہر اس

يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا

شخص سے جو ہجرت کر کے آئے ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے دلوں میں

أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ

کوئی خواہش اس چیز کی جو ان کو دی گئی ۔ اور ترجیح دیتے ہیں (دوسروں کو) اپنی

كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ

جانوں پر اور اگرچہ خود ان کو تکلیف ہو ۔ اور جو لوگ اپنے نفس کی (بری صفت)

فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَالَّذِينَ جَآءُو

حرص سے محفوظ کر دیئے جائیں تو وہ لوگ فلاح پانے والے ہیں ۔ اور (یہ مال فی) ان

مِنۢ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

لوگوں کے لیے ہے جو مہاجرین و انصار کے بعد اسلام میں آئیں کہتے ہوئے کہ ہمارے

وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ

پروردگار بخش دے ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے سابق تھے

وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا

اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں عداوت ان لوگوں کی جو ایمان لائے ۔

رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (سورہ حشر پ۲۸)

اے ہمارے پروردگار یقیناً تو نرمی کرنے والا اور مہربان ہے ۔

ان آیات کی تفسیر تین فصلوں پر تقسیم کی جاتی ہے ۔

فصل اوّل میں ان آیات کے فارسی اور اُردو مستند ترجمے سنی شیعہ دونوں کے۔
فصل دوم: میں سورہ حشر کے بعض نفائس کا بیان ہے اور آیات کے کلمات کی شرح اور جو تعلیمات حاصل ہورہی ہیں ان کا بیان۔
فصل سوم میں ان آیات کے متعلق حضرت مولانا الشیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر اور اس کا ترجمہ۔
اخیر میں ایک تتمہ ہے جس میں کچھ بصیرت افروز مضامین اس سلسلہ تفسیر کے متعلق ہیں۔
امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس تفسیر سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی کہ قرآن مجید ہر معاملہ میں ہمارے لئے مشعل راہ ہے اور وہی ہمارا بہترین ہادی اور بہترین امام ہے

فصل اوّل

اس میں آیت مذکورہ کے فارسی اور اُردو مستند تراجم شیعہ وسنی حضرات درج کئے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ تراجم عوام کے لئے چنداں ضروری نہیں تھے البتہ اہل علم کے لئے زیادہ بصیرت افروز ہیں۔ اس لئے انہیں نیچے حاشیہ میں درج کرنا مناسب خیال کیا گیا۔
قرآن مجید کے ترجمے تو اب بہت ہوگئے ہیں اور سنیوں کی دیکھا دیکھی شیعہ بھائیوں نے بھی ترجمے قرآن مجید کے اُردو میں شائع کئے ہیں۔ جن کے دیکھنے سے یہ چیز صاف طور پر نظر آتی ہے کہ قرآن مجید نے ہمارے ان بھائیوں کو بہت زیادہ پریشان کر دیا ہے قرآن مجید اُن کے لئے گڑھا اچھیا رہے اگر اُس کو چھوڑتے ہیں تو گرا جاتا ہے۔ یعنی

کلمہ گویان اسلام کی فہرست سے نام خارج ہوتا ہے اور اگر نگلتے ہیں یعنی اُس کے ماننے اور اس پر عمل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو تمام پیٹ اور پیٹ کے اندر کے تمام اعضاء جن پر مدارِ حیات ہے قیمہ ہو جاتے ہیں یعنی مذہب شیعہ کی اصل و بنیاد کا قلع وقمع ہو جاتا ہے۔ بیچارے حیران ہیں کچھ بنائے نہیں بنتی مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ لَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ

اب آیات مذکورہ کے تراجم ملاحظہ کیجیے۔

تراجم اہل سُنّت

اہل سنّت کے دو ترجمے (ایک فارسی میں حضرت مولانا شیخ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمہ اللہ کا دوسرا اُردو میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدّث دہلوی رحمہ اللہ) یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ یہ دونوں ترجمے قدیم اور متداول ہیں اور ان کا مسلم الکل ہونا متفق علیہ ہے۔

فارسی ترجمہ حضرت مولانا شیخ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمہ اللہ

آں نے فقیران ہجرت کنندہ راست آنانکہ بیرون کردہ شد ایشاں را از خانہائے ایشاں و اموال ایشاں می طلبند نعمت را از پروردگار خویش وخوشنودی را و نصرت میدہند خدا را و پیغامبر او را ایں جماعت ایشانند راست وعدہ۔ و نیز آناں راست کہ جائے گرفتند بدار الاسلام[1] و جائی پیدا کردند در ایمان پیش از مہاجران دوست میدارند ہر کرا کہ ہجرت کند بسوئے ایشاں و نمی یابند در خاطر خود دغدغہ از طرف آنچہ دادہ شد، مہاجران را و دیگراں را اختیار می کنند بر خویشتن و اگرچہ باشد ایشاں

[1] یعنی بمدینہ

با احتیاج دہر کہ نگاہ داشتہ شد از حرص نفس خود شں پس آں جماعت ایشاں مددگاراں و نیز آناں راست کہ آمدند بعد از مہاجران و انصار می گویند اے پروردگار ما بیامرز ما را و برادران ما را کہ سبقت کردند بر ما بہ ایمان آوردن و پیدا مکن در دل ما ہیچ کینہ بہ نسبت آنانکہ ایمان آوردند اے پروردگار ما ہر آئینہ تو بخشایندہ[1] مہربانی ۔

اُردو ترجمہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی

واسطے اُن مفلسوں، وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور مالوں سے ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور رضامندی اور مدد کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ لوگ وہی ہیں سچے اور جو جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے محبت کرتے ہیں ۔ اُس سے جو وطن چھوڑ آئے ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے دل میں غرض اُس چیز سے جو اُن کو ملا اور اوّل رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر بھوک اور جو بچایا گیا ۔ اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے اور واسطے ان کے جو آئے ہیں ان سے پیچھے کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے آگے پہنچے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دل میں بیر ایمان والوں کا اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان ۔

تراجم شیعہ

شیعوں کا ایک ترجمہ فارسی کا ملا فتح اللہ کاشانی کا ہے جو بغرض اختصار حذف کیا جاتا ہے اور اُردو میں اُن کے کل دو ہی ترجمہ ہیں ۔ جن

[1] مترجم گوید از یں آیہ معلوم شد کہ در نفے ہر مسلمان راحق است پس احوج فالاحوج را باید داد تا آں کہ مال نے کفایت کند ۔

میں سے یہاں مولوی مقبول احمد کا نقل کیا جاتا ہے۔

اُردو ترجمہ مولوی مقبول احمد شیعی

(یہ مال فے) ہجرت کرنے والوں میں سے ان ضرورت مندوں کا حق بھی ہے جو اپنے گھروں سے بھی نکالے گئے اور اپنے مالوں سے بھی الگ کیے گئے تاہم خدا تعالیٰ کے فضل اور اسکی خوشی کے خواستگار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی نصرت کیے جاتے ہیں وہی تو سچے ہیں اور (اُن کا حق بھی ہے) جو ہجرت کرنے والوں کے پہلے سے دارالہجرت میں مقیم اور ایمان پر قائم ہیں اور جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان ہجرت کرنے والوں کو دیا جائے اُس کی اپنے دلوں میں خواہش نہیں پاتے اور گو انہیں خود ضرورت موجود ہو تاہم دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں اور جو شخص اپنے نفس کے حرص سے بچا لیا جائے تو ایسے ہی لوگ تو (پوری پوری) فلاح پانے والے ہیں اور (ان کا حق بھی ہے) جو ان مہاجر و انصار کے بعد یہ عرض کرتے ہوئے آئے کہ اے ہمارے پروردگار تو ہمارے (گناہوں) اور ہمارے بھائیوں کے گناہوں کو جنہوں نے ایمان میں ہم پر سبقت کی ہے بخش دے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کوئی کینہ نہ رہنے دے۔

تراجم ختم ہوئے۔

تراجم مذکورۂ بالا سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو گئی کہ سنی شیعہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ ان آیتوں میں تین جماعتوں کو اللہ تعالیٰ نے مال فے کا مستحق قرار دیا ہے اوّل مہاجر دوّم انصار سوّم وہ مسلمان جو مہاجرین و انصار کے بعد ہوں جن کا سلسلہ قیامت تک رہے گا مگر ان کیلئے

ایک شرط لگا دی گئی ہے کہ وہ مہاجرین و انصار کے لیے دعائے خیر کرتے ہوں اور اُن کو سابق الایمان کہہ کر ان کی مدح و ثنا کرتے ہوں۔ اور نیز ہر مسلمان کی عداوت سے اللہ کی پناہ مانگتے ہوں۔ مہاجرین و انصار کی جیسی بلند تعریف ان آیات میں ہے اور جو تعلیمات ہیں وہ فصل دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

فصل دُوم

اِس سورۃ کا نام سورۂ حشر اس وجہ سے ہوا کہ اس میں یہودیوں کے حشر یعنی اُن کی جلاوطنی کا تذکرہ ہے۔

اس صورت کے مضامین اور ان کی ترتیب ایک عجیب اسلوب پر رکھی گئی ہے جس سے صاحبانِ عقل بہت عبرت حاصل کر سکتے ہیں چند باتیں بطور مثال کے یہاں زیب رقم کی جاتی ہیں۔

ازاں جملہ یہ کہ اس صورت کا آغاز بھی اپنی تسبیح و تقدیس سے فرمایا اور اختتام بھی تسبیح و تقدیس پر اور خاتمہ سورۃ پر اپنے صفات کاملہ اس قدر ذکر فرمائے ہیں کہ اس قدر صفات یک جا قرآن مجید کی کسی دوسری سورۃ میں نہیں ہیں۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس سُورۃ میں کچھ ایسے خاص مضامین بیان کئے گئے ہیں جو قدرت کاملہ اور حکمتِ بالغہ پر زیادہ واضح دلالت کرتے ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ یہودیوں کی جزیرۂ عرب سے جلاوطنی کی ایک زبردست پیشین گوئی فرمائی گئی ہے اور وہ بھی ایک عجیب عنوان سے۔ یہودی جزیرۂ عرب سے دو مرتبہ جلاوطن کئے گئے ایک مرتبہ عہد نبوی میں جس کا بیان اس سورت میں ہے اور دوسری مرتبہ امیر المومنین فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں جس کی پیشین گوئی اسی صورت میں ہے اس طرح کہ عہد نبوی کی جلاوطنی کو اوّل کے ساتھ موصوف کر دیا فرمایا هُوَ الَّذِيٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ یعنی وہی اللہ ہے جس نے ان یہودیوں کو ان کے وطن سے پہلی بار نکالا۔ یہ پہلی بار کا لفظ پیشین گوئی کر رہا ہے کہ اس کے بعد پھر ان کی جلاوطنی ہونے والی ہے۔

کسی چیز کو اوّل کہنا دلیل ہے اس بات کی کہ اس کے لئے کوئی ثانی بھی ہے۔ چنانچہ یہ زبردست پیشین گوئی کس جلال و جبروت کے ساتھ پوری ہوئی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایسا جلاوطن کیا کہ جزیرہ عرب میں یہودیوں کا نام و نشان نہ باقی رہا اس ضمن میں حضرت فاروق اعظمؓ کی ایک فضیلت بھی ثابت ہوئی کہ قرآن مجید کی پیشین گوئی ان کے ہاتھ پر پوری ہوئی۔

از انجملہ یہ کہ بسلسلہ تقسیم مال فئے مسلمانوں کی تین قسموں کا بیان فرما کر منافقوں کا ذکر فرمایا جو اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا سے شروع ہوتا ہے اس ترتیب بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی تینوں قسموں سے منافق بالکل علیحدہ اور ممتاز کر دیئے گئے تھے۔ لہٰذا مہاجرین و انصار میں سے کسی کو منافق کہنا قرآن مجید کی صریح مخالفت ہے۔

از انجملہ یہ کہ قرآن مجید کی قوتِ تاثیر کو اس سورۃ میں بڑے اہتمام سے بیان فرمایا۔ فرمایا کہ یہ کتاب پتھر پر بھی اپنا اثر دکھانے والی ہے چونکہ اس سورۃ میں کافروں سے قتال اور ان کی جلاوطنی کا بیان ہے اس لئے شاید کسی کو شبہ ہوتا کہ اسلام کی اشاعت جبر و قہر سے ہوئی اس شبہ کا قرار واقعی قلع قمع کر دیا کہ اسلام کی اشاعت قرآن مجید کی تاثیر سے ہوئی ہے نہ کسی اور ذریعہ سے۔

اس قسم کے نفائس اس سورۃ میں اور بھی ہیں۔ اب آیاتِ مبحوثہ کے کلمات کی شرح ملاحظہ ہو۔

فَیْءٌ اصل لغت میں تو اس لفظ کے معنی ہیں بازگشتن یعنی لوٹنا اور اصطلاح شریعت میں فئے اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر لڑائی کے اور بغیر فوج کشی کے کافروں سے حاصل ہو جائے گویا وہ مال ناجائز قبضہ سے نکل کر اپنے اصلی مستحقوں کے پاس لوٹ کر آ گیا۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی دولت کے اصلی مستحق مسلمان ہی ہیں جیسا کہ آیۂ کریمہ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے

ظاہر ہے اور عقل بھی اسی کو چاہتی ہے کہ بادشاہ کے انعام کے مستحق اس کے فرماں بردار ہوں نہ کہ باغی۔

حکومت اسلامیہ کو جو مال حاصل ہوتے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔ زکوٰۃ وصدقات مالِ غنیمت۔ مالِ فئے۔ ان تینوں قسم کے مالوں کے مصارف قرآن مجید میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں مالِ فئے کی تقسیم کا بیان ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ اس کلمہ سے صرف ان کے مستحق ہونے کا بیان مقصود نہیں بلکہ یہ ایک خاص لقب جس کی قدر وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کا دل ذوقِ محبت سے آشنا ہو۔ وہی اس بات کو جانتے ہیں کہ کوئی محبوب اپنے محب کو اپنی گلی کا فقیر کہہ دے تو اس میں کس قدر لذت محب کو ملتی ہے۔ پھر دیکھو تاجِ فقر اُن کے زیب سر کرنے کے بعد مہاجرین کا لقب انکو دیا گیا گویا اس تاج میں چار چاند لگا دیئے گئے۔ مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے اللہ کے سوا سب کو چھوڑ دیا۔

اُخْرِجُوْا اس کلمہ سے ان کی مظلومیت کا اظہار ہو رہا ہے اور خاص لطف یہ ہے کہ پہلے اُن کو فقیر فرمایا تھا۔ اب ان کے دیار و اموال کا ذکر کر کے یہ بتا دیا کہ وہ پہلے فقیر نہ تھے۔ ان کے پاس گھر بھی تھا اور مال بھی تھا۔ یہ تو اب میرے لیے اس حالت کو پہنچ گئے۔

گدایانے از بادشاہی نفور ۔۔۔ بامیدش اندر گدائی صبور[1]

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گواہی اس بات کی ہے کہ ان مہاجرین کا مطلوب و مقصود سوا رضائے الٰہی کے اور کچھ نہیں ہے۔

---

[1] ایسے فقیر کہ ظاہری بادشاہی سے کوسوں بھاگتے ہیں وصالِ الٰہی کی امید میں فقیری پر صبر کرتے ہیں

ترکیب نحوی کے لحاظ سے یہ جملہ حالیہ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ان کا کوئی جرم و قصور سوا اس کے نہ تھا کہ یہ میری رضا کے طلبگار تھے۔ یہ بالکل ویسا ہی مضمون ہے جیسا سورۂ حج میں انہیں مہاجرین کے حق میں فرمایا اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۔ یعنی یہ مہاجرین اپنے گھروں سے نکالے گئے بغیر کسی جُرم کے سوا اس کے (انکا کوئی جرم نہ تھا) کہ یہ لوگ ربنا اللہ کہتے تھے۔

یہی کلمہ یعنی یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا الخ بعینہٖ آیت معیت میں کل صحابہ رضؓ کرام کی شان میں وارد ہوا ہے مگر فرق یہ ہے کہ آیتِ معیت میں ان کے رکوع و سجود کے ذکر کے بعد یہ کلمہ ارشاد ہوا ہے جس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ صرف ان کے رکوع و سجود کی بابت یہ شہادت دی جارہی ہے کہ ان کا مقصود سوا رضائے الٰہی کے کچھ نہیں ہے اور یہ کلمہ کسی فعل خاص کے ذکر کے بعد نہیں ہے جس سے صاف نتیجہ یہ ظاہر ہورہا ہے کہ ان کے کسی خاص فعل کی تخصیص نہیں بلکہ ان کے تمام افعال و اعمال ایسے ہی ہیں کہ کسی کا مقصود سوا رضائے الٰہی کے کچھ نہیں ہے۔

یَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یہ بھی انتہائی عزت افزائی کا کلمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دین اسلام کا نہیں بلکہ اپنا اور اپنے رسولؐ کا مددگار فرمایا۔ پھر یہ بھی دیکھو کہ قرآن مجید میں وعدہ ہے کہ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ اس وعدہ کو کلمۂ مذکورہ سے ملاؤ تو .... ایک زبردست پیشین گوئی نکل رہی ہے کہ یہ مہاجرین ہمیشہ مظفر و منصور رہیں گے اور اسی پیشین گوئی کے مطابق ظہور بھی ہوا۔

هُمُ الصّٰدِقُوْنَ مہاجرین کی جماعت کو صادق فرمایا اور ان کے صدق کو کسی خاص چیز کے ساتھ مخصوص نہ کیا معلوم ہوا کہ ان کی ہر

بات سچی اور واجب القبول ہے اب اس کے ساتھ وہ آیت ملاؤ۔ جس میں سچوں کے ساتھ رہنے یعنی ان کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قولہ تعالےٰ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جماعت مہاجرین اس امت کی مقتدا ہے ان کی پیروی از روئے قرآن امت پر واجب ہے۔ چنانچہ چاروں خلفائے راشدین مہاجرین ہی میں سے ہیں۔

الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ دار سے باتفاق مفسرین مدینہ طیبہ مراد ہے۔ بجائے دارالاسلام یا دارالہجرت کے مدینہ منورہ کو صرف دار فرمانا ایک عظیم الشان فضیلت اس شہر مقدس کی ہے معلوم ہوا کہ روئے زمین پر انسانوں کا گھر ہے تو صرف مدینہ ہے ؎

اگر فردوس بر روئے زمین ست[1]
ہمیں ست وہمیں ست وہمیں ست

علمائے محققین لکھتے ہیں کہ ایمان سے بھی مدینہ منورہ ہی مراد ہے۔ چنانچہ مدینہ کے ناموں میں سے ایک نام ایمان بھی بیان کیا گیا ہے اور سند میں یہی آیت پیش کی گئی ہے اور کلمہ مِنْ قَبْلِهِمْ اس کے بعد ہے وہ اس مراد کا روشن قرینہ بھی ہے۔ کیونکہ ایمان سے مراد اگر مدینہ منورہ نہ ہو بلکہ صفت ایمان مراد لی جائے تو مِنْ قَبْلِهِمْ کسی طرح نہیں بنتا۔ مہاجرین سے پہلے انصار کا صفت ایمان سے موصوف ہونا خلاف واقع ہے۔

یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ یہ انصار کی تعریف ہے۔ انصار کے فضائل میں مہاجرین کا محب ہونا بیان فرما کر مہاجرین کا رتبہ دوبالا کر دیا۔ جن کا

---

[1] اگر روئے زمین پر کہیں جنت الفردوس جیسی جگہ کوئی ہے تو بس یہی مدینہ طیبہ ہے۔

محب ہونا فضائل میں شمار کیا جائے گا ان محبوبین کا رتبہ کیا ہوگا۔

مِمَّآ اُوْتُوْا۔ اوتو کی ضمیر مہاجرین کیطرف بھی پھیری جاسکتی ہے۔ اور انصار کی طرف بھی، مہاجرین کی طرف پھیرو تو مطلب یہ ہوگا کہ مہاجرین کو اگر کچھ مال مل جاتا ہے تو انصار اُن پر حسد نہیں کرتے اور انصار کی طرف پھیرو تو مطلب یہ ہوگا کہ انصار کو کچھ مال مل جاتا ہے تو اس مال سے ان کو محبت نہیں ہوتی کہ اس کے خرچ کرنے میں بخل کریں ایک مطلب کی بنا پر انصار کی جماعت کا حسد سے پاک ہونا ثابت ہوا اور دوسرے مطلب کی بنا پر بخل سے اور آگے فرمایا کہ جو شخص حسد یا بخل سے پاک ہوگیا ہر قسم کی فلاح اس کو حاصل ہوگئی۔

ف ۔ حسد اور بخل دونوں دنیا کی محبت سے پیدا ہوتے ہیں، لہٰذا جس شخص میں یہ دونوں چیزیں نہ ہوں سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا قلب دُنیا کی محبت سے پاک ہے اور جب دُنیا کی محبت سے کسی کا قلب پاک ہوجاتا ہے تو اُسی کو قلب سلیم کہتے ہیں اور ایسے قلب کو صحیح تعلق اپنے مولا جل شانہٗ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ جَآءُوْ ۔ مہاجرین و انصار کے ذکر کے بعد اب ایک تیسری جماعت کا بیان فرمایا جاتا ہے جس میں قیامت تک ہونے والے سب مسلمان شامل ہیں۔

یَقُوْلُوْنَ ترکیب نحوی میں یہ جملہ حالیہ ہے جس سے مطلب یہ نکلتا ہے کہ اس تیسری جماعت کو اسلام میں داخل ہوتے ہی مہاجرین و انصار کی فضیلت کا اعتقاد اور ان کا ذکرِ خیر کرنا چاہیئے۔

سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ایمان کی سبقت سے مراد یہ نہیں ہے کہ زمانہ سابق میں ایمان لائے محض زمانے کا مقدم ہونا شرعًا کوئی فضیلت نہیں ہے بلکہ سبقت ایمان سے مراد یہ ہے کہ شخص سابق مابعد والوں کے اسلام کا سبب بنا ہو اور دینی تعلیمات اُسی کے نقل و روایت سے مابعد والوں کو

حاصل ہوئی ہوں۔ یہ صفت عموماً تمام صحابہ کرام میں خصوصاً مہاجرین و انصار میں اظہر من الشمس ہے سو یہی تمام دنیا میں اسلام کی اشاعت کا سبب ہوئے اسلامی تعلیمات انہیں کی نقل و روایت سے ما بعد والوں کو ملیں۔ نَجْزَاهُمُ اللّٰهُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَاَهْلِهٖ خَیْرَ الْجَزَاءِ۔

لَا تَجْعَلْ بجائے اس کے کہ یوں فرمایا جاتا کہ اس تیسری جماعت کے دل میں مہاجرین و انصار کی عداوت نہیں ہے یوں فرمایا گیا کہ وہ لوگ ہم سے دعا مانگتے ہیں کہ مہاجرین و انصار سے عداوت رکھنا بڑی بدبلا ہے۔ اس بلا سے نجات بغیر فضل خداوندی کے نہیں ہو سکتی۔

علم الٰہی میں چونکہ ایک فرقہ ایسا پیدا ہونے والا تھا جو مہاجرین و انصار کی عداوت کو عظیم الشان عبادت قرار دینے والا تھا اس لیے اس مضمون کو اتنی اہمیت دی گئی ورنہ کچھ ضرورت نہ تھی۔ یہ تو فطرت انسانی کا تقاضا ہے کہ اخلاف اپنے اسلاف کی عزت کریں اور اُن کے کارناموں کی یاد تازہ کرتے رہیں۔

آج ہر یہودی کی زبان پر یہ لفظ ہے کہ ہماری امت میں سب سے بہتر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب تھے ہر عیسائی کو یہ کہتے ہوئے سنو گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا مرتبہ سب سے فائق ہے۔

لے بلکہ اصلی بات یہ ہے کہ مابعد میں جس نے بھی اسلام قبول کیا اس کے ایمان کی بنیاد انہیں حضرات کی چشم دید گواہی پر ہے انہیں حضرات نے تمام دنیا میں اس بات کا اعلان کیا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ان کے معجزات و دلائل کا مشاہدہ کیا ہے اور دین کی تعلیم بلاواسطہ اُن سے پائی ہے شیعہ بھی مجبور ہو کر اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ مابعد والوں کے ایمان کی بنیاد پیغمبروں کے اصحاب کی شہادت پر ہوتی ہے۔ دیکھو احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران صہ میں امام رضا کا قول ہے۔

علی نبینا ہیری قوموں کا بھی یہی حال ہے سب اپنے اسلاف کی
بزرگی کے گیت گاتے ہیں۔ مگر مشیت الہٰی کہ قرنِ صحابہ کے آخر میں
کلمہ گویان اسلام میں ایک فرقہ روافض کا پیدا ہوا جو فطرتِ انسانی
کے خلاف اسلاف کرام کو بدترین امت کہتا ہے اور جن کی بدولت کلمہ
اسلام نصیب ہوا۔ ان سے عداوت رکھتا ہے۔ جس وقت اس فرقہ
کا ظہور ہوا کچھ کچھ صحابہؓ کرام موجود تھے ان کو اس فرقہ کے اقوال سُن کر
سخت تعجب ہوا اور انہوں نے ان کا بطلان اچھی طرح ظاہر فرمایا،
ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی فرمایا۔ اور بعض دوسرے صحابہ
کرام کے اقوال انشاء اللہ آئندہ فصل میں آئیں گے۔

تعلیمات و فوائد

ان آیتوں میں جو تعلیمات ہیں اب ان کی طرف
توجہ کرنا چاہیئے۔

(۱) مہاجرین کے متعلق تین عقیدوں کی تعلیم دی گئی اوّل یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ
کے نہایت خالص و مخلص بندے تھے حتیٰ کہ ان کا مقصود و مطلوب سوا
رضائے الٰہی کے کچھ نہ تھا اور اس مقصود کے حاصل کرنے میں ان کو طرح
طرح کی ایذائیں دی گئیں لیکن وہ ثابت قدم رہے دوّم یہ کہ وہ اللہ اور
اس کے رسول کے مددگار تھے اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ
قیامت کے دن ہر محب اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔ سوّم یہ کہ وہ
صادق تھے اور صادق ہونے کی وجہ سے واجب الاقتداء تھے۔

(۲) انصار کے متعلق بھی تین عقیدوں کی تعلیم دی گئی اوّل یہ کہ وہ
مہاجرین کے محب تھے۔ دوّم یہ کہ ان کے نفوس ایسے مزکیٰ تھے کہ
حرص و حسد کا ان کے پاس گذر نہ تھا۔ حتیٰ کہ باوجود صاحب حاجت ہونے
کے مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔ سوّم یہ کہ وہ فلاح پانے

والے تھے۔ فلاح آخرت کی تخصیص نہ فرمائی، لہٰذا دنیا و آخرت دونوں کی فلاح اُن کے لیے لازم ہوگئی۔

(۳) مہاجرین و انصار کے بعد جو مسلمان ہوں اُن کو یہ تعلیم دی گئی کہ وہ مہاجرین و انصار کے مرتبے کو پہنچانیں اور ان کے لیے استغفار یعنی دُعائے خیر کرتے رہیں۔ اور ان سے بغض و عداوت نہ رکھیں۔

استغفار کے لفظ سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ بالفرض مہاجرین و انصار سے کوئی گناہ بھی سرزد ہوا ہو تو مابعد والوں کو اس پر طعن و تشنیع کرنا جائز نہیں بلکہ ان کے لئے استغفار کرنا چاہیئے۔

ف اہلسنت کے عقائد کی کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ نَکُفُّ عَنْ ذِکْرِ الصَّحَابَۃِ اِلَّا بِخَیْرٍ۔ یعنی ہم صحابہ کرام کا ذکر سوا بھلائی کے کسی دوسری طرح نہیں کرتے۔ اس کی بنیاد اسی قسم کی آیتوں[1] پر ہے۔

---

[1] اور احادیث میں تو یہ مضمون بہت صراحت کے ساتھ ہے چنانچہ طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ثوبانؓ سے اور ابن عدیؒ نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا ذُکِرَ اَصْحَابِیْ فَاَمْسِکُوْا یعنی جب میرے اصحاب کا ذکر کیا جائے تو ان کی بدگوئی سے زبان کو روکو۔ یہی مضمون شیعوں کی معتبر کتابوں میں حضرت امام زین العابدین سے منقول ہے۔ چنانچہ کشف الغمہ مطبوعہ ایران صہ ۱۹۹ میں ہے۔

قَالَ سَعِیْدُ بْنُ مَرْجَانَۃَ کُنْتُ	سعید بن مرجانہ کہتے ہیں کہ میں ایک روز امام
یَوْمًا عِنْدَ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ	زین العابدینؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کچھ لوگ
اِلٰی اَنْ قَالَ وَقَدِمَ عَلَیْہِ	عراق کے رہنے والے اُن کے پاس آئے
نَفَرٌ مِّنْ اَھْلِ الْعِرَاقِ فَقَالُوْا	اور انہوں نے ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ
فِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ	عنہم کی شان میں کچھ (نازیبا) کلام
رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ فَلَمَّا فَرَغُوْا	کیا جب وہ اپنی بات ختم کر چکے تو امام نے
مِنْ کَلَامِھِمْ قَالَ لَھُمْ اِلَّا	ان سے فرمایا کہ مجھے بتاؤ کہ تم لوگ اُن مہاجرین

اس آخری آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام بالخصوص مہاجرین وانصار کی مدح کرنا اُن کے فضائل ومناقب کا چرچا کرنا مابعد والوں کے فرائض میں سے ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷)

تُخْبِرُوْنِیْ اَنْتُمُ الْمُهَاجِرُوْنَ	اوّلین میں سے ہو (جن کے حق میں اللہ
الْاَوَّلُوْنَ الَّذِیْنَ	نے فرمایا کہ وہ اپنے گھروں سے اور اپنے
اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ	مالوں سے نکالے گئے اس حال میں کہ وہ
وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلاً	اللہ کی بخشش اور رضامندی چاہتے
مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ	ہیں اور اللہ کی اور اس کے رسول کی
اللهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ	مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں۔ ان لوگوں
الصّٰدِقُوْنَ قَالُوْا لَا قَالَ	نے جواب دیا کہ نہیں امام نے فرمایا کہ کیا
فَاَنْتُمُ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ	تم ان لوگوں میں سے ہو (جن کے حق
وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ	میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا) کہ انہوں نے
مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ	دار میں اور ایمان میں مہاجرین سے
فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً	پہلے سکونت اختیار کی تھی اور محبّت
مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ	رکھتے تھے ان لوگوں سے جو ان کے
عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ	پاس ہجرت کر کے آئے اور نہیں پاتے
بِهِمْ خَصَاصَةٌ قَالُوْا	اپنے سینوں میں کوئی حاجت اُس چیز
لَا قَالَ اَمَّا اَنْتُمْ قَدْ	کی طرف سے جو ان کو دی گئی اگرچہ اُن
تَبَرَّاْتُمْ اَنْ تَكُوْنُوْا	پر تنگی ہو ان لوگوں نے جواب دیا کہ
مِنْ اَحَدِ هٰذَیْنِ الْفَرِیْقَیْنِ	نہیں امام نے فرمایا کہ آگاہ ہو ان دونوں
وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّكُمْ لَسْتُمْ	گروہوں میں سے نہ ہونے کا تو تم کو خود

ایک بڑی چیز ان آیتوں میں اور بھی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مال فی کا مستحق تین جماعتوں کو قرار دیا اوّل مہاجرین دوّم انصار سوم وہ مسلمان جو مہاجرین وانصار کے مدّاح اور دُعا گو ہوں اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ مہاجرین و انصار کے مدّاح نہ ہوں بلکہ ان کی بدگوئی کریں وہ مال فی کے

(بقیہ حاشیہ ص۱۸)

مِنَ الَّذِيْنَ قَالَ اللّٰهُ فِيْهِمْ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اُخْرُجُوْا عَنِّيْ فَعَلَ اللّٰهُ بِكُمْ۔

اقرار ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اس تیسرے گروہ میں سے بھی نہیں ہو (جن کے حق میں اللہ نے فرمایا) کہ وہ دُعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار بخش دے ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے سبقت لے گئے ایمان میں اور نہ کر ہمارے دلوں میں کینہ ایمان والوں کا (تم تو بجائے دُعائے خیر کے ان کی بدگوئی کرتے ہو لہٰذا تم مسلمانوں کی تینوں قسموں سے خارج ہو میرے پاس سے نکل جاؤ اللہ تمہارے ساتھ برائی کرے۔

حضرت امام زین العابدین نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی بدگوئی کرنے والوں کو کس صفائی کے ساتھ بتا دیا کہ قرآن مجید نے جو تین قسمیں مسلمانوں کی سورہ حشر میں بیان فرمائی ہیں تم ان تینوں قسموں سے خارج ہو۔

دوسرے ائمہ کرام سے بھی اسی قسم کے کلمات منقول ہیں چنانچہ حضرت امام محمد باقر نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی بدگوئی کرنے والوں کو فرمایا کہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُرَّاقُ یعنی یہ لوگ دین سے خارج ہیں۔ ۱ھ

ان تینوں میں اس کے بعد یہ چیز قابل غور ہے کہ مال فئی کا مستحق کون ہے جیسا کہ ان روایات سے جو آئندہ فصل میں منقول ہوں گی ظاہر ہوتا ہے لہذا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن مجید میں مسلمانوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ اور مہاجرین وانصار کی بدگوئی کرنے والے ان تینوں قسموں سے خارج ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنۃ جلد اول ص ۱۵۳ میں انہیں آیتوں کو لکھ کر فرماتے ہیں:-

هٰذِهِ الْآيَاتُ تَتَضَمَّنُ الثَّنَاءَ عَلَى الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ لَهُمْ وَيَسْأَلُوْنَ اللّٰهَ أَنْ لَا يَجْعَلَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ غِلًّا لَهُمْ وَتَتَضَمَّنُ أَنَّ هٰؤُلَاءِ الْأَصْنَافَ هُمُ الْمُسْتَحِقُّوْنَ لِلْفَيْءِ وَلَا رَيْبَ أَنَّ هٰؤُلَاءِ الرَّافِضَةَ خَارِجُوْنَ مِنَ الْأَصْنَافِ الثَّلَاثَةِ فَإِنَّهُمْ لَمْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلسَّابِقِيْنَ وَفِيْ قُلُوْبِهِمْ غِلٌّ عَلَيْهِمْ فَفِي الْآيَاتِ الثَّنَاءُ عَلَى الصَّحَابَةِ وَعَلَى أَهْلِ السُّنَّةِ الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهُمْ وَإِخْرَاجُ الرَّافِضَةِ مِنْ ذٰلِكَ وَهٰذَا يَنْقُضُ مَذْهَبَ الرَّافِضَةِ۔

یہ آیات مہاجرین اور انصار اور ان لوگوں کی تعریف پر شامل ہیں جو مہاجرین وانصار کے بعد آئیں اور ان کیلئے استغفار کریں اور اللہ سے یہ دعا مانگیں کہ ہمارے دلوں میں ان کا کینہ نہ ہو نیز ان آیتوں میں یہ مضمون بھی ہے کہ مال فئی کے مستحق بھی تین جماعتیں ہیں اور اسمیں کچھ شک نہیں کہ روافض ان تینوں قسموں سے خارج ہیں اسلئے کہ وہ سابقین کیلئے استغفار نہیں کرتے اور ان کے دلوں میں ان کا کینہ ہے۔ پس ان آیات میں تعریف ہے صحابہ کی اور اہل سنت کی جو صحابہ سے محبت رکھتے ہیں اور روافض کا اس سے اخراج کیا گیا ہے۔ یہ بات مذہب روافض کو بالکل چاک کر دیتی ہے۔

اس کے بعد شیخ الاسلام موصوف نے کچھ اقوال صحابہ کرام کے اسی مضمون کی تائید میں نقل کئے ہیں اسی سلسلہ میں امام مالکؒ اور دوسرے اکابر فقہاء سے اس کی تصریح نقل کی ہے کہ سلف صالحین کی بدگوئی کرنے والے کا مال فے میں کچھ حق نہیں۔

فصل سوم

حضرت مولنا شیخ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی عدیم النظیر کتاب ازالۃ الخفاء مقصد اوّل فصل ششم میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ سُوْرَۃِ الْحَشْرِ
مَا اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ
اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ
وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی
وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ

خدائے تعالیٰ در نص قرآن چیزے راکہ بفے حاصل شد یعنی بغیر ایجاف خیل ورکاب وبدون مباشرت قتال معین میگرداند برائے مصارف مذکورہ کہ خدا و رسول و ذو قرابت رسول و یتامیٰ و مساکین و ابن سبیل باشند۔ بعد ازاں مے فرماید للفقرآ یعنی آں فے برائے فقرائے مہاجرین ست و برائے انصار و برائے تابعان ایشاں باحسان کہ بوصف نصیحت و خیر خواہی و دعائے خیر برائے پیشینیاں متصف اند۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ حشر میں فرمایا کہ
مَا اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ
اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَ
لِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی
وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ

خدائے تعالیٰ نص قرآن میں اس مال کو جو بطور فی کے حاصل ہو یعنی بغیر گھوڑوں اور اونٹوں کے دوڑانے (یعنی بغیر فوج کشی) کے اور بغیر لڑائی کرنے کے مل جائے ان مصارف کے لیے معین کرتا ہے جو آیت میں مذکور ہیں۔ یعنی خدا اور رسول اور رسول کے قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے اس کے بعد فرماتا ہے لِلْفُقَرَآءِ یعنی وہ مال فے فقراء مہاجرین کے لیے اور انصار کے لیے اور ان

لوگوں کے لئے جو نیکی میں مہاجرین اور انصار کے پیرو ہوں اور اگلوں کے لئے خلوص اور خیر خواہی اور دعائے خیر کرتے ہوں۔

چوں فئ برائے جماعت غیر محصورین مقرر شد ملک معین کسے نباشد بلکہ ہر یکے را قدر ما یحتاج او باید داد۔ و معنی خلیفہ نیست الا آنکہ تصرف کند در بیت المال مسلمین بموافقت سنت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بہ نیابت او علیہ الصلوٰۃ والسلام پس خلیفہ متصرف در فئ باشد و آں فئ ملک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبود تا مبحث میراث دراں جاری باشد نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تخصے خاص را از اقارب خود ہبہ او نتواند کرد۔ وہو المقصود۔

جب مال فئ ایک غیر محدود جماعت کے لئے قرار پایا تو (معلوم ہوا کہ) یہ مال کسی کی مِلک نہیں ہوتا بلکہ (اس کو مسلمانوں کے بیت المال میں رکھنا چاہیئے اور اسمیں سے) ہر مسلمان کو اس کی ضرورت کے موافق دینا چاہیئے اور (یہ بات سب کو مسلم ہے کہ) خلیفہ کا (بڑا) کام یہ ہے کہ مسلمانوں کے بیت المال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے مطابق آپ کے نائب ہونے کی حیثیت سے تصرّف کرے (لہٰذا ثابت ہوگیا کہ) خلیفہ فئ میں تصرف کریگا (یعنی اسکو اپنی صوابدید سے صرف کریگا اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ) مال فئ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مِلک نہ تھا کہ اسمیں[1] وراثت کی بحث پیدا

---

[1] ان چند جملوں میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے قصۂ فدک کو ایسا ختم کر دیا کہ باید و شاید فدک کا از قسم فئ ہونا مسلم الکل ہے اور جب نص قرآنی سے یہ ثابت ہوگیا کہ مال فئ

[illegible]

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ
كَانَتْ اَمْوَالُ بَنِي النَّضِيْرِ مِمَّا
اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِمَّا
لَمْ يُوْجِفِ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَيْهِ
مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَكَانَتْ
لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ خَاصَّةً وَكَانَ يُنْفِقُ
عَلٰى اَهْلِهٖ مِنْهَا نَفَقَةَ سَنَةٍ
ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ فِي الْكُرَاعِ
وَالْكُرَاعِ عُدَّةً فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ
عَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسِ بْنِ
الْحَدَثَانِ قَالَ قَرَأَ عُمَرُ بْنُ
الْخَطَّابِ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ
لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ حَتّٰى
بَلَغَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ثُمَّ قَالَ
هٰذِهٖ لِهٰؤُلَآءِ ثُمَّ قَرَأَ وَ

ہو اور جب ملک نہ تھا۔ تو آپ اپنے
قرابت داروں میں سے کسی کو ہبہ بھی
نہ کر سکتے تھے وہو المقصود۔
حضرت عمرؓ بن خطاب سے منقول ہے
کہ انہوں نے فرمایا قبیلہ بنی نضیر
کے مال از قسم فے تھے کیونکہ ان مالوں
کے حاصل کرنے میں مسلمانوں نے نہ
گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ یہ
مال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کے لئے مخصوص تھے آپ اپنے
گھر والوں کو سال بھر کا خرچ اسی
میں سے کرتے تھے پھر جو باقی رہتا
تھا اس کو اللہ کی راہ میں اسلحہ وغیرہ
کے خریدنے میں صرف کرتے تھے۔
مالکؓ بن اوس بن حدثان سے روایت
ہے کہ وہ کہتے تھے (ایک روز)
حضرت عمرؓ بن خطاب نے یہ آیت پڑھی
اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ
وَالْمَسَاكِيْنِ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲)

کسی کی ملک نہیں ہوتا تو اب فدک میں خواہ میراث کی بحث ہو خواہ ہبہ کی کچھ جان باقی نہ رہی اور سارا طومار خاکستر ہو گیا۔ فالحمد للہ

اعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ
فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ الْآيَةَ
ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ لِهٰؤُلَاءِ ثُمَّ
قَرَأَ مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ
مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى حَتّٰى بَلَغَ
لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ إِلٰى اٰخِرِ
الْآيَةِ ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ
لِلْمُهَاجِرِيْنَ ثُمَّ تَلَا وَالَّذِيْنَ
تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ
قَبْلِهِمْ إِلٰى اٰخِرِ الْآيَةِ
فَقَالَ هٰذِهٖ لِلْأَنْصَارِ ثُمَّ
قَرَأَ وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ
بَعْدِهِمْ إِلٰى اٰخِرِ الْآيَةِ
ثُمَّ قَالَ اسْتَوْعَبَتْ هٰذِهٖ
الْمُسْلِمِيْنَ عَامَّةً وَلَيْسَ
أَحَدٌ إِلَّا لَهٗ فِيْ هٰذَا
الْمَالِ إِلَّا مَا تَمْلِكُوْنَ مِنْ
رَقِيْقِكُمْ ثُمَّ قَالَ لَئِنْ
عِشْتُ لَيَأْتِيَنَّ الرَّاعِيَ
وَهُوَ بِسَرْوِ حِمْيَرَ نَصِيْبُهٗ
مِنْهَا لَمْ يَعْرَقْ جَبِيْنُهٗ۔

تک پھر فرمایا کہ یہ (قسم مال کی) ان
لوگوں کیلئے ہے (جن کا ذکر آیت
میں ہے) بعد اس کے یہ آیت پڑھی
وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ
فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ الْآيَةَ پھر یہ فرمایا
کہ یہ (قسم مال کی) ان لوگوں کے لئے
ہے (جن کا ذکر اس آیت میں ہے)
فرمایا کہ یہ قسم مال کی) ان لوگوں
کے لئے ہے پھر اسکے بعد یہ آیت پڑھی
مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ
اَهْلِ الْقُرٰى لِلْفُقَرَاءِ
الْمُهَاجِرِيْنَ تک اور فرمایا کہ یہ
مال مہاجرین کے لئے ہے۔ پھر
وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ
وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ کی تلاوت
کر کے فرمایا یہ مال انصار کے لئے ہے۔
پھر وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ
اخیر آیت تک پڑھ کر فرمایا کہ یہ
لفظ تمام مسلمانوں کو شامل ہے کوئی
مسلمان ایسا نہیں جس کا حق اس مال
میں نہ ہو سوا ان غلاموں کے جو تمہارے
ملک میں ہوں اس کے بعد فرمایا کہ اگر
میں (کچھ دنوں) زندہ رہ گیا تو ایک

چہرہ آئینے کو مقام بسر و جمیر میں اس
کا حصہ پہنچ جایا کرے گا (جس کے
حاصل کرنے میں) اسکی پیشانی پر
پسینہ بھی نہ آئے گا۔

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ
اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ
الْخَطَّابِ يَقُوْلُ اِجْتَمِعُوْا لِهٰذَا
الْمَالِ فَانْظُرُوْا لِمَنْ تَرَوْنَهُ
ثُمَّ قَالَ اِنِّيْ اَمَرْتُكُمْ
اَنْ تَجْتَمِعُوْا لِهٰذَا الْمَالِ
فَتَنْظُرُوْا لِمَنْ تَرَوْنَهُ
وَاِنِّيْ قَرَأْتُ اٰيَاتٍ مِّنْ
كِتَابِ اللّٰهِ فَكَفَتْنِيْ سَمِعْتُ
اللّٰهَ يَقُوْلُ مَا اَفَآءَ اللّٰهُ
عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى
فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِلٰى قَوْلِهٖ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ
وَاللّٰهِ مَا هُوَ لِهٰؤُلَآءِ وَحْدَهُمْ
وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ
وَالْاِيْمَانَ اِلٰى قَوْلِهٖ الْمُفْلِحُوْنَ
وَاللّٰهِ مَا هُوَ لِهٰؤُلَآءِ وَحْدَهُمْ
وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا اِلٰى

زید بن اسلم سے روایت ہے وہ
اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ وہ
کہتے تھے کہ میں نے حضرت عمر بن
خطابؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ
اے لوگو (ایک دن) سب جمع
ہو کر اس مال کے متعلق غور کرو کہ
کس کو دیا جائے۔ اس کے بعد فرمایا
کہ میں نے تم لوگوں سے جمع ہو کر
اس مال کے متعلق غور کرنے کا
حکم دیا تھا لیکن اب میں نے کتاب
اللہ میں کچھ آیتیں پڑھیں وہ میرے
لئے کافی ہیں میں نے اللہ کو یہ فرماتے
ہوئے سُنا کہ مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى
رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى
فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ هُمُ
الصّٰدِقُوْنَ تک معلوم ہوا کہ
یہ مال ان لوگوں کا حق ہے مگر نہ
صرف ان کا (کیوں کہ آگے فرمایا)
وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ

قَوْلِهٖ رَحِيْمٌ وَاللّٰهِ مَا اَحَدٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا لَهٗ حَقٌّ فِيْ هٰذَا الْمَالِ اُعْطِيَ مِنْهُ اَوْ مُنِعَ مِنْهُ حَتّٰى رَاعٍ بِعَدَنَ .

اِلٰى قَوْلِهٖ الْمُفْلِحُوْنَ تک معلوم ہوا کہ اس مال میں ان کا بھی حق ہے مگر نہ صرف ان کا کیونکہ آگے فرمایا وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا اِلٰى قَوْلِهٖ رَحِيْمٌ معلوم ہوا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کا حق اس مال میں نہ ہو اب خواہ اسکو دیا جائے یا نہ دیا جائے یہاں تک کہ عدن (جیسے دور دراز مقام) میں ایک چرواہا رہتا ہے اس کا بھی حق ہے۔

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَسَمَ عُمَرُ ذَاتَ يَوْمٍ قَسْمًا مِّنَ الْمَالِ فَجَعَلُوْا يُثْنُوْنَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا اَحْمَقَكُمْ لَوْ كَانَ لِيْ مَا اَعْطَيْتُكُمْ مِنْهُ دِرْهَمًا.

سعید بن مسیب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت عمرؓ نے کچھ مال تقسیم کیا تو لوگ (خوش ہو کر) ان کی تعریف کرنے لگے حضرت عمرؓ نے فرمایا تم لوگ کس قدر احمق ہو۔ اگر یہ مال میرا ہوتا تو میں تم کو اسمیں سے ایک درہم بھی نہ دیتا۔

عَنْ سَمُرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اَنْ يَّمْلَاَ اللّٰهُ اَيْدِيَكُمْ مِنَ الْعَجَمِ ثُمَّ يَجْعَلُهُمْ

حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ عجم کے مال سے بھر دیگا۔ پھر

الْعَدُوَّ لَا يَفِرُّونَ فَيَقْتُلُونَ
جُمُوعًا يُقَاتِلُكُمْ وَيَأْكُلُونَ
فَيْئَكُمْ

اللہ ان کو اسلام سے مشرف کر
کے ایسا بنا دیگا کہ لڑائی سے فرار
نہ کریں گے اور تمہارے دشمنوں کو
قتل کریں گے اور تمہارے فے کو وہ بھی
کھائیں گے۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ
قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ
يَقُولُ وَالَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا
هُوَ ثَلٰثًا مَا مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ
إِلَّا لَهُ فِي هٰذَا الْمَالِ
حَقٌّ أُعْطِيَهُ أَوْ مُنِعَهُ وَمَا
أَحَدٌ أَحَقَّ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا
عَبْدٌ مَمْلُوكٌ وَمَا أَنَا فِيهِ
إِلَّا كَأَحَدِهِمْ وَلٰكِنَّا
عَلٰى مَنَازِلِنَا مِنْ كِتَابِ
اللهِ وَقَسْمِنَا مِنْ رَسُولِ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَالرَّجُلُ وَبَلَاؤُهُ فِي
الْإِسْلَامِ وَالرَّجُلُ وَقِدَمُهُ
فِي الْإِسْلَامِ فَالرَّجُلُ وَ
غِنَاهُ فِي الْإِسْلَامِ وَالرَّجُلُ
وَحَاجَتُهُ وَاللهِ لَئِنْ بَقِيتُ
لَيَأْتِيَنَّ الرَّاعِيَ بِجَبَلِ

حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے،
وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ کو سنا کہ
تین مرتبہ انہوں نے اسطرح قسم کھا کر
کہ قسم اس اللہ کی جس کے سوا کوئی
معبود نہیں فرمایا کہ کوئی شخص ایسا
نہیں جسکا حق اس مال میں نہ ہو اب
خواہ حق دیا جائے یا نہ دیا جائے اور
اس حق میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں
سوا غلام کے کہ اس کا البتہ کوئی حق
اس مال میں نہیں میں بھی اس معاملہ
میں مثل اور لوگوں کے ہوں۔ ہاں ہم
لوگوں کے جو مدارج کتاب اللہ میں ہیں
اور جو حصہ ہم کو رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے دیا ہے وہ بجائے خود
ہے پس ہر شخص اپنے اس درجہ میں ہے
جو مصائب اس نے اسلام میں برداشت
کئے اور جو رسوخ اس نے اسلام میں
حاصل کیا اور جو فوائد اس سے اسلام

بصنعاء حظه من هذا المال وهو بمكانه۔

کو پہنچے اور ہر شخص کی حاجت کا بھی لحاظ کیا جائیگا۔ واللہ اگر میں زندہ رہ گیا تو ایک چرواہے کو جو صنعاء کے پہاڑ میں رہتا ہو اس کا حصہ اُسکے گھر میں پہنچ جایا کرے گا۔

وعن الحسن قال كتب عمر الى حذيفة أن أعط الناس أعطيتهم وأرزاقهم فكتب اليه انا قد فعلنا وبقي شيء كثير فكتب اليه عمر انه فيئهم الذي أفاء الله عليهم ليس هو لعمر ولا لآل عمر اقسمه بينهم۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے، کہ حضرت عمرؓ نے حذیفہؓ کو یہ لکھ کر بھیجا کہ لوگوں کو ان کے گزارے اور روزینے دیدو حضرت حذیفہؓ نے جواب بھیجا کہ دینے کے بعد بھی بہت سا مال بچ رہا حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں لکھا کہ یہ فیٔ کا مال ہے نہ عمرؓ کا ہے نہ عمرؓ کی اولاد کا لہٰذا کل تقسیم کر دو۔

عن قتادة في قوله للفقراء المهاجرين الذين أخرجوا من ديارهم الى اخر الاية قال هؤلاء المهاجرون تركوا الديار والاموال والاهلين والعشائر وخرجوا حبا لله ولرسوله واختاروا الاسلام على ما كانت فيه من شدة حتى ذكر لنا

قتادہؓ سے لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰيَةِ کی تفسیر میں منقول ہے، کہ یہ مہاجرین کا بیان ہے جنہوں نے گھر اور مال اور بی بی بچوں اور اعزہ واقارب کو چھوڑ دیا۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں اپنے وطن سے نکل گئے۔ اور باوجود سختیوں کے اسلام کو اختیار کیا یہاں تک کہ

أَنَّ الرَّجُلَ كَانَ يَعْصِبُ الْحَجَرَ عَلٰى بَطْنِهٖ لِيُقِيْمَ بِهٖ صُلْبَهٗ مِنَ الْجُوْعِ وَكَانَ الرَّجُلُ يَتَّخِذُ الْحُفْرَةَ فِي الشِّتَاءِ مَالَهٗ دِثَارٌ غَيْرُهَا۔

ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ یہ حال تھا کہ وہ لوگ بھوک کے سبب سے اپنے شکم پر پتھر باندھتے تھے تاکہ اپنی پیٹھ کو سیدھا رکھ سکیں اور جاڑے میں گڑھے کھود کر اُن میں رہتے تھے۔ کوئی کپڑا ان کے پاس نہ ہوتا تھا۔

وَعَنْ قَتَادَةَ فِيْ قَوْلِهٖ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ قَالَ هُمْ هٰذَا الْحَيُّ مِنَ الْاَنْصَارِ اَسْلَمُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ وَابْتَنَوُا الْمَسَاجِدَ قَبْلَ قُدُوْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَنَتَيْنِ وَاَحْسَنَ اللّٰهُ الثَّنَاءَ عَلَيْهِمْ فِيْ ذٰلِكَ وَهَاتَانِ الطَّائِفَتَانِ الْاُوْلَيَانِ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَخَذَتَا بِفَضْلِهِمَا وَاَثْبَتَ اللّٰهُ حَظَّهُمَا فِيْ هٰذَا الْفَيْءِ ثُمَّ ذَكَرَ الطَّائِفَةَ الثَّالِثَةَ فَقَالَ وَالَّذِيْنَ جَاؤُا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا اِلٰى

نیز قتادہؒ سے وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَۃِ کی تفسیر منقول ہے کہ یہ بیان قبیلۂ انصار کا ہے۔ وہ اپنے وطن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے دو برس پہلے اسلام لائے اور مسجدیں بنائیں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس کام کی تعریف فرمائی اور اس امت کے یہ دونوں اگلے گروہ اپنی اپنی فضیلت لے گئے اور اللہ نے ان دونوں کا حصہ مال فے میں قائم کر دیا اور اُن کے بعد اللہ نے تیسرے گروہ کا ذکر فرمایا اور فرمایا وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَۃِ (یہ آیت پڑھ کر) قتادہ

اٰخِرِ الْاٰيَةِ قَالَ اِنَّمَا اُمِرُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِاَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُؤْمَرُوْا بِسَبِّهِمْ۔

نے کہا کہ لوگوں کو یہ حکم دیا گیا کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استغفار کریں ان کی بدگوئی کا حکم نہیں دیا گیا۔

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُهَاجِرِيْنَ عَلَى الْاَنْصَارِ فَلَمْ يَجِدُوْا فِيْ صُدُوْرِهِمْ قَالَ الْحَسَدَ۔

حسن بصریؒ سے روایت ہے، کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو انصار پر فضیلت دی مگر انصار کو ان پر حسد نہ ہوا۔

عَنْ عُمَرَ اَنَّهُ قَالَ اُوْصِي الْخَلِيْفَةَ بَعْدِيْ بِالْمُهَاجِرِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ اَنْ يَّعْرِفَ لَهُمْ حَقَّهُمْ وَيَحْفَظَ لَهُمْ حُرْمَتَهُمْ وَاُوْصِيْهِ بِالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّهَاجِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّقْبَلَ مِنْ مُّحْسِنِهِمْ وَيَعْفُوَ عَنْ مُّسِيْئِهِمْ۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا میں اپنے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کا خیال کرے ان کی حق شناسی کرے اور ان کی عزت کی حفاظت کرے اور انصار کے لئے بھی وصیت کرتا ہوں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے سے پہلے اس گھر میں اور ایمان میں جگہ لی تھی۔ کہ ان کے نیکوکاروں کی نیکی قبول کرے اور انکے خطاکاروں سے درگزر کرے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ النَّاسُ عَلٰى ثَلٰثِ مَنَازِلَ قَدْ مَضَتْ مَنْزِلَتَانِ وَبَقِيَتْ مَنْزِلَةٌ فَاَحْسَنُ مَا اَنْتُمْ كَائِنُوْنَ عَلَيْهِ اَنْ تَكُوْنُوْا

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا لوگوں کے (یعنی مسلمانوں کے) تین طبقہ ہیں دو طبقہ تو گذر چکے اب صرف ایک باقی

بِهٰذِهِ الْمَنْزِلَةِ الَّتِیْ
بَقِیَتْ ثُمَّ قَرَأَ لِلْفُقَرَآءِ
الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا
مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ
الْاٰیَةَ ثُمَّ قَالَ هٰؤُلَاءِ
الْمُهَاجِرُوْنَ وَهٰذِهِ مَنْزِلَةٌ
وَقَدْ مَضَتْ ثُمَّ قَرَأَ وَالَّذِیْنَ
تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ
مِنْ قَبْلِهِمْ الْاٰیَةَ ثُمَّ
قَالَ هٰؤُلَاءِ الْاَنْصَارُ وَهٰذِهِ
مَنْزِلَةٌ وَقَدْ مَضَتْ ثُمَّ
قَرَأَ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ
بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا
اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ
سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ قَدْ مَضَتْ
هَاتَانِ الْمَنْزِلَتَانِ وَبَقِیَتْ
هٰذِهِ الْمَنْزِلَةُ فَاَحْسَنُ

ہے پس تمہاری بہترین حالت یہ ہے
کہ جو طبقہ باقی رہ گیا ہے اس میں
داخل ہو جاؤ اس کے بعد انہوں
نے لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ
اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ
اَمْوَالِهِمْ الْاٰیَةَ کی تلاوت کی
اور کہا کہ یہ مہاجرین کا طبقہ ہے اور
یہ طبقہ گذر چکا اسکے بعد وَالَّذِیْنَ
تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ
قَبْلِهِمْ الْاٰیَةَ کی تلاوت کی اور
کہا کہ یہ انصار کا طبقہ ہے یہ بھی گزر
چکا اس کے بعد وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ
مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا
اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ
سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ کی تلاوت
کی اور کہا کہ وہ دونوں طبقے تو گذر چکے
اب بھی ایک طبقہ باقی ہے۔ لہٰذا

مَا اَنْتُمْ کَائِنُوْنَ عَلَیْهِ اَنْ
تَکُوْنُوْا بِهٰذِهِ الْمَنْزِلَةِ۔

تمہاری بہترین حالت یہ ہے کہ اس
تیسرے طبقہ میں تمہارا شمار ہو جائے۔

عَنِ الضَّحَّاكِ وَالَّذِیْنَ
جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ الْاٰیَةَ
اُمِرُوْا بِالْاِسْتِغْفَارِ لَهُمْ وَ
قَدْ عَلِمَ مَا اَحْدَثُوْا۔

ضحاکؒ سے وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا
مِنْ بَعْدِهِمْ کی تفسیر میں منقول ہے
کہ لوگوں کو حکم ملا تھا کہ صحابہؓ کیلئے
استغفار کریں مگر اب دیکھو لوگ

کیسی بدعت کر رہے ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ أُمِرُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِأَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبُّوهُمْ ثُمَّ قَرَأَتْ هٰذِهِ الْآيَةَ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ۔

حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے کہا لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ اصحابؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استغفار کریں مگر لوگوں نے (بجائے استغفار کے) ان کی بدگوئی شروع کر دی یہ کہہ کر انہوں نے بھی آیت وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ۔ پڑھی۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا وَهُوَ يَتَنَاوَلُ بَعْضَ الْمُهَاجِرِينَ فَقَرَأَ عَلَيْهِ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الْآيَةَ ثُمَّ قَالَ هٰؤُلَاءِ الْمُهَاجِرُونَ أَفَمِنْهُمْ أَنْتَ قَالَ لَا ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْهِ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ الْآيَةَ قَالَ هٰؤُلَاءِ الْأَنْصَارُ أَفَمِنْهُمْ أَنْتَ قَالَ لَا ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْهِ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ الْآيَةَ

حضرت ابن عمر رضؓ سے روایت ہے، کہ انہوں نے ایک شخص کو سنا کہ مہاجرین میں سے کسی پر اعتراض کرتا ہے تو انہوں نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الْآيَةَ اور اس سے فرمایا کہ یہ مہاجرین کا بیان ہے کیا تو اس گروہ میں سے ہے اُس نے کہا نہیں پھر یہ آیت پڑھی وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ الْآيَةَ اور فرمایا کہ یہ انصار کا بیان ہے کیا تو اس گروہ میں سے ہے۔

قَالَ أَفَمِنْ هٰؤُلَاءِ أَنْتَ
قَالَ أَرْجُوْ قَالَ لَا لَيْسَ
هٰؤُلَاءِ مَنْ سَبَّ هٰؤُلَاءِ

اس نے کہا نہیں پھر یہ آیت پڑھی
وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ
اَلْاٰيَةَ اور فرمایا کہ کیا تو اس گروہ
میں سے ہے اس نے کہا ہاں امید
تو ایسی رکھتا ہوں فرمایا کہ نہیں اس
گروہ میں سے وہ شخص نہیں ہو سکتا
جو پہلے دونوں گروہوں کی بدگوئی
کرے۔

وَمِنْ وَجْهٍ اٰخَرَ عَنْ
ابْنِ عُمَرَ أَنَّهٗ بَلَغَهٗ أَنَّ
رَجُلًا نَالَ مِنْ عُثْمَانَ فَدَعَاهُ
فَأَقْعَدَهٗ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَرَأَ
عَلَيْهِ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ
قَالَ مِنْ هٰؤُلَاءِ أَنْتَ قَالَ
لَا ثُمَّ قَرَأَ وَالَّذِيْنَ
تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ
اَلْاٰيَةَ ثُمَّ قَالَ أَمِنْ
هٰؤُلَاءِ أَنْتَ قَالَ لَا ثُمَّ
قَرَأَ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ
مِنْۢ بَعْدِهِمْ اَلْاٰيَةَ
قَالَ أَمِنْ هٰؤُلَاءِ أَنْتَ قَالَ
أَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ مِنْهُمْ قَالَ لَا
وَاللّٰهِ لَا يَكُوْنُ مِنْهُمْ مَنْ

ایک دوسری سند سے حضرت
ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کو
یہ خبر ملی کہ کوئی شخص حضرت عثمانؓ پر
اعتراض کرتا ہے آپ نے اسکو بلایا
اور اپنے سامنے بٹھلایا اور اسکے
سامنے یہ آیت پڑھی لِلْفُقَرَآءِ
الْمُهَاجِرِيْنَ اور پوچھا کہ کیا تو ان
میں سے ہے اس نے کہا نہیں پھر
یہ آیت پڑھی وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ
اور پوچھا کیا تو ان میں سے ہے۔ اس
نے کہا نہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی:۔
وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ اور
پوچھا کہ کیا تو ان میں سے اس نے کہا ہاں
امید تو ایسی رکھتا ہوں کہ میں انہیں سے
ہوں۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا نہیں اللہ

تَنَاوَلَهُمْ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهِ الْغِلُّ عَلَيْهِمْ۔ (ازالۃ الخفا)

کی قسم وہ شخص ان میں سے نہیں ہو سکتا۔ جو مہاجرین وانصار پر اعتراض کرے اور اس کے دل میں ان کی عداوت ہو۔

ازالۃ الخفا کی عبارت ختم ہو گئی اور چونکہ تفاسیر موجودہ میں اس قدر جامع عبارت کسی میں نہ تھی لہذا اس وقت صرف اسی عبارت پر اکتفا کی گئی۔

تتمہ

یہ سلسلہ آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر کا بظاہر نظر صحابۂ کرام کے فضائل و مناقب کے بیان کرنے کے لئے شروع کیا گیا تھا لیکن درحقیقت اصلی نتیجہ اس مبحث کا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل کا مظاہرہ ہے۔

ایک مرتبہ قرآن مجید کو شروع سے آخر تک اس نظر سے دیکھنے کی توفیق ملی کہ جن آیات میں دلائل نبوت کا بیان ہوا ان کو منتخب کرلیا جائے۔ اس مطالعہ سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں چار قسم کے دلائل آپ کی نبوت پر قائم فرمائے گئے ہیں۔

پہلی قسم کی دلیل آپ کی نبوت کی انبیائے سابقین علیہم السلام کی اور کتب الٰہیہ سابقہ کی پیشین گوئیاں ہیں جو متعدد آیتوں میں مختلف عنوانوں اور عبارتوں میں پیش فرمائی گئی ہیں۔ مثلاً ایک آیت میں فرمایا[1] اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ اور دوسری جگہ فرمایا:۔

اَلنَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ اور ایک جگہ فرمایا[2] اَوَ لَمْ یَکُنْ لَّھُمْ اٰیَۃً اَنْ یَّعْلَمَہٗ عُلَمٰٓؤُا

---

[1] ترجمہ: جن کو ہم نے کتاب دی ہے یعنی علمائے یہود و نصاریٰ وہ ہمارے نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ۔

دوسری قسم کی دلیل آپ کی نبوت کی آپ کے حالات ہیں جن میں آپ کی تعلیم بھی شامل ہیں قرآن مجید میں اس چیز کا بیان تو اصل مقصد ہی ہے۔لہٰذا اس کے متعلق کسی خاص آیت کا حوالہ دینا ضروری نہیں۔

تیسری قسم کی دلیل آپ کی نبوت کی آپ کے معجزات ہیں قرآن مجید میں اگرچہ چند ہی معجزات کا بیان ہے مگر کلی طور پر آپ کے معجزات کی بے نظیر کثرت بیان فرما کر ایک طرح سے .... تمام جزئیات کا احاطہ کر لیا ہے سورۂ قمر میں ارشاد ہوا۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔

چوتھی قسم کی دلیل آپ کی نبوت کی آپ کے شاگردوں یعنی آپ کے صحابہ کرام کے کمالات ہیں۔

اس قسم کو قرآن مجید نے بہ نسبت پہلی تین قسموں کے زیادہ اہتمام سے بیان کیا ہے اس لئے کہ یہ ایسی زبردست دلیل ہے جس کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶

۱؎ ترجمہ: وہ نبی امی جس کو اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

۲؎ ترجمہ: کیا اہل مکہ کے لیے یہ دلیل کافی نہیں ہے۔ کہ بنی اسرائیل یعنی علمائے یہود و نصاریٰ ہمارے نبی کی نبوت کو جانتے ہیں۔ ۳؎ ترجمہ قریب آگئی قیامت اور پھٹ گیا چاند اور جب یہ کافر کوئی نشانی یعنی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے مستمر۔

(ف) اس آیت میں معجزہ شق القمر کا بیان ہے۔ مستمر اس چیز کو کہتے ہیں۔ جس کا سلسلہ کہیں درمیان سے قطع نہ ہوا ہو معلوم ہوا کہ معجزات کا مسلسل سلسلہ تھا کہ دشمن اسکو مستمر کہتے تھے۔

آگے بے انصاف مخالفوں کے سر بھی جھک جاتے ہیں اور یہ دلیل ایسی ہے کہ اسی سے تمام دُنیا میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت کا اعلان ہُوا اور اس دلیل نے تمام عالم کو طوعاً و کرہاً اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ بخلاف دلائل سابقہ کے کہ جب کوئی باختیار خود ان کی طرف توجہ کرے تو کچھ نتیجہ نکلے۔

صحابہ کرامؓ:۔ بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تمام دُنیا میں پھیل گئے اور بڑی سلطنتیں ان کے قبضہ میں آئیں ملوگوں نے ان کے حالات وکمالات کا مشاہدہ کیا اور سب کی آنکھیں کھُل گئیں، بے اختیار بول اٹھے کہ جس اُستاد کے شاگرد ایسے باکمال ہیں اُس اُستاد کے کمال میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔ نمونہ کے طور پر دو چار اقوال منکرین کے درج ذیل ہیں۔ یورپ کے مشہور مورّخ گبن نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

پہلے چار وں خلیفوں کے اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھے۔ ان کی سرگرمی و دلدہی اخلاص کے ساتھ تھی اور ثروت و اختیار پاکر بھی انہوں نے اپنی عمریں ادائے فرائض اخلاقی و مذہبی میں صرف کیں۔ ایسے ہی لوگ محمدؐ کے ابتدائی جلسے کے شریک تھے جو بیشتر اس سے کہ اس نے اقتدار حاصل کیا یعنی تلوار پکڑی اُس کے جانبدار ہو گئے یعنی ایسے وقت میں کہ وہ ہدف آزار ہوا اور جان بچا کر اپنے ملک سے چلا گیا۔ اُن کے اوّل ہی اوّل تبدیل مذہب کرنے سے ان کی سچائی ثابت ہوتی ہے اور دنیا کی سلطنتوں کے فتح کرنے سے ان کی لیاقت کی ثبوت معلوم ہوتی ہے۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:۔ اس صورت میں کوئی یقین کر سکتا ہے کہ ایسے شخصوں نے ایذائیں سہیں اور اپنے ملک سے جلا وطنی گوارا کی۔ اور اس سرگرمی سے اُسکے پابند ہوئے اور یہ سب اُمور ایک ایسے شخص کی خاطر ہوئے ہوں جس میں ہر طرح کی برائیاں ہوں اور اس سلسلہ فریب اور سخت عیاری کے لئے ہوں جو ان کی تربیت کے خلاف ہو اور ان کی ابتدائی زندگی کے تعصبات کے بھی مخالف ہو اس پر یقین نہیں ہو سکتا

یہ خارج از حیطۂ امکان ہے۔"

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں :۔ عیسائی اس بات کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مسائل نے اس درجہ نشۂ دینی اس کے پیروؤں میں پیدا کیا جس کو عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے اور اس کا مذہب اس تیزی کے ساتھ پھیلا جس کی نظیر دین عیسوی میں نہیں چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت سی عالیشان اور سرسبز سلطنتوں پر غالب آگیا۔ جب عیسیٰ کو سولی پر لے گئے تو اسکے پیرو بھاگ گئے اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں چھوڑ کر چل دیئے اگر بالغرض اس کی حفاظت کرنے کی ان کو ممانعت تھی تو موجود رہتے اور صبر سے اسکے اور اپنے ایذا رسانوں کو دھمکاتے برعکس اسکے محمد کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد و پیش رہے اور اسکے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر اس کو غالب کر دیا۔

گاڈفری ہیگنس اپنی کتاب اپالوجی فار محمد میں لکھتے ہیں کہ :۔

باوجودیکہ عیسیٰ کی ابتدائی سوانحعمری میں ایسے حالات ہیں جن میں عجیب مشابہت پائی جاتی ہے۔ لیکن بہت سے ایسے ہیں جن میں بالکل اختلاف ہے مثلاً عیسیٰ کے اول بارہ مریدوں کو ناتربیت یافتہ اور کم رتبہ مانا گیا ہے بخلاف محمد کے اول مریدوں کے بجز اس کے غلام کے سب لوگ بڑے ذی وجاہت تھے اور جب وہ خلیفہ اور افسر فوج اسلام ہوئے تو اس زمانہ میں جو کچھ انہوں نے کام کئے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں اول درجہ کی لیاقتیں تھیں اور غالباً ایسے نہ تھے کہ آسانی دھوکہ کھا جاتے عیسیٰ کے اول مریدوں کی کم رتبگی کو موشیم صاحب دین عیسائی کی خوبی سمجھتے ہیں مگر سچ پوچھو تو میں مجبوری مقر ہوں کہ اگر لاک اور نیوٹن جیسے اشخاص مذہب عیسوی کے اول معتقدین میں سے ہوتے تو مجھ کو بھی اطمینان کامل ویسا ہی ہوتا۔"

سر ولیم اپنی کتاب لائف آف محمد میں لکھتے ہیں :۔

ہجرت سے تیرہ برس پہلے مکہ ایک ذلیل حالت میں بیجان پڑا تھا۔ مگر ان تیرہ برسوں میں کیا ہی اثر عظیم پیدا ہوا کہ سیکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد

کی پرستش اختیار کی اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الہٰی کی ہدایت کے مطیع و منقاد ہو گئے۔ اسی قادرِ مطلق سے بکثرت و بشدت دعا مانگتے تھے اسی کی رحمت پر مغفرت کی امید رکھتے اور حسنات اور خیرات اور پاکدامنی اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ اب انہیں شب و روز اسی قادرِ مطلق کی قدرت کا خیال تھا اور یہی کہ وہ رزاق ہماری ادنیٰ حوائج کا بھی خبر گراں ہے۔ ہر ایک قدرتی اور طبعی عطیہ میں ہر ایک امر متعلقہ زندگانی میں اور اپنی خلوت و جلوت کے ہر ایک حادثہ اور تغیر میں اسی کے یدِ قدرت کو دیکھتے تھے اور اس سے بڑھ کر اس نئی روحانی حالت کو جس میں خوشحال اور محو رکناں رہتے تھے۔ خدا کے فضل خاص اور رحمت یا اختصاص کی علامت سمجھتے تھے اور اپنے کور باطن اہل شہر کے کفر کو خدا کے تقدیر کئے ہوئے خذلان کی نشانی جانتے تھے محمد کو جو ان کی ساری امیدوں کے ماخذ تھے اپنا حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے اور ان کی ایسی کامل طور پر اطاعت کرتے تھے جو ان کے رتبہ عالی کے لائق تھی۔ ایسے تھوڑے ہی زمانہ میں مکہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا جو بلالحاظ قبیلہ و قوم ایک دوسرے کے درپئے مخالفت و ہلاکت تھے مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل و شکیبائی سے برداشت کیا اور گو یا ایسا کرنا انکی ایک مصلحت تھی مگر پھر بھی ایسی عالی ہمتی کے ساتھ بردباری کرنے کی وجہ سے وہ تعریف کے مستحق ہیں۔

سر ولیم نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ عبرت آموز ہے چنانچہ چند فقرات کا اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے۔

موصوف اپنی کتاب اوائل خلافت میں حضرت ابوبکر صدیق کے متعلق لکھتے ہیں:-

آپ کا عہد مختصر تھا مگر رسول اللہ کے بعد اور کوئی ایسا نہیں ہوا جس کا اسلام کو ان سے زیادہ ممنون اور مرہونِ احسان ہونا چاہیے چونکہ ابوبکرؓ کے دل میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اعتقاد نہایت راسخ طور پر متمکن تھا اور یہی عقیدہ خود رسول اکرم کے خلوص اور سچائی کی زبردست شہادت ہے، لہذا میں نے آپ کی حیات و صفات کے تذکرہ کے لیے کچھ جگہ زیادہ وقف کی ہے۔ اگر حضرت محمدؐ کو ابتدا سے اپنے کذاب ہونے کا یقین ہوتا تو کبھی ایسے شخص کو دوست اور عقیدتمند نہ بنا سکتے جو نہ صرف دانا و ہوشمند تھا بلکہ سادہ

مزاج اور صفائی پسند بھی تھا۔ ابوبکرؓ کو نفسانی عظمت و شوکت کا کبھی خیال نہیں آیا۔ انہیں شاہانہ اقتدار حاصل تھا اور وہ بالکل خود مختار تھے مگر وہ اس طاقت و اقتدار کو صرف اسلام کی بہتری اور کافہ انام کے فائدے پہنچانے کی خاطر عمل میں لایا کئے۔ ان کی ہوشمندی اس امر کی مقتضی نہ تھی کہ خود فریب کھالیں اور وہ خود ایسے متدین تھے کہ کسی کو دھوکا نہ دے سکتے تھے۔

پھر حضرت فاروقؓ کی نسبت لکھتے ہیں:۔

۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو عمرؓ نے ساڑھے دس برس کی عہد حکومت کے بعد انتقال فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلطنت اسلام میں سب سے بڑے شخص عمرؓ تھے کیونکہ یہ انہیں کی دانائی و استقلال کا ثمرہ تھا کہ ان دس سال کے عرصہ میں شام مصر اور فارس کے ملک تھے جن میں اُس وقت سے اسلام کا قبضہ رہا ہے تسخیر ہوگئے۔ ابوبکرؓ نے مشرک اقوام کو مغلوب تو کر لیا تھا۔ لیکن ان کے عہد میں افواج اسلام صرف شام کی سرحد تک ہی پہنچی تھیں۔ عمرؓ جب مسند خلافت پر بیٹھے تو اس وقت ان کے قبضہ میں صرف عرب تھا مگر جب آپ نے انتقال فرمایا تو آپ ایک بڑی سلطنت کے خلیفہ تھے جو فارس مصر، شام، با شان جیسی سلطنتوں کے بعض نہایت ہی زرخیز اور دلکشا صوبوں پر مشتمل تھی مگر باوجود ایسی عظیم الشان سلطنت کے فرمانروا ہونے کے آپکو کبھی اپنی فراست اور قوت فیصلہ کی متانت کی میزان میں پاسنگ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ آپ نے سردار عرب کے سادہ اور معمولی لقب سے کسی زیادہ عظیم الشان لقب سے اپنے آپکو ملقب نہیں کیا۔ دُور دراز صوبوں سے لوگ آتے اور مسجد نبوی کے صحن کے چاروں طرف نظر دوڑا کر استفسار کرتے کہ خلیفہ کہاں ہیں۔ حالانکہ شاہنشاہ سادہ لباس میں ان کے سامنے بیٹھے ہوتے تھے۔" یہ چند اقوال منکرینِ اسلام کے آیات بینات حصہ فدک کے دیباچہ سے نقل کئے گئے جو نمونہ کے لئے کافی ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں اس چوتھی قسم کی دلیل نبوت یعنی صحابہ کرام کے فضائل و مناقب کو اس قدر زیادہ اہتمام سے بیان فرمایا گیا ہے۔

قرآن مجید کو دیکھو تو معلوم ہو کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت

پر جو اعتراضات کفار مکہ کی طرف سے ہوتے تھے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر کے جواب میں صحابہ کرام ہی کو پیش کیا گیا ہے۔

مثلاً کفار مکہ نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہا۔ اس کے جواب میں صحابہ کرام ہی کو پیش فرمایا گیا۔ ارشاد ہوا کہ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ یعنی شعراء کے متبعین گمراہ ہوا کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر ہمارے نبی کے متبعین گمراہ ہوتے تو تمہارا یہ اعتراض صحیح ہوتا۔ کفار مکہ میں بھی کسی بے حیا کی جرأت نہ ہوئی کہ اس کے بعد لب کشائی کرتا اور کہہ دیتا کہ حضرت کے متبعین گمراہ تو ہیں۔

المختصر قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ کے مناقب و فضائل کا بیان محض اس لئے ہے کہ ان کے کمالات ان کے استاد برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل و مکمل ہونے کی دلیل ہیں۔ اہل سنت کو صحابہ کرامؓ کے فضائل کی اشاعت پر اسی لئے اصرار ہے کہ [illegible] ایک بڑی زبردست دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ہیں۔

جو لوگ صحابہ کرامؓ کے فضائل کا انکار کرتے ہیں وہ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک بڑی روشن دلیل کو بجھانا چاہتے ہیں۔ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ؎۱

اگر مذہب شیعہ کے مصنف کسی غلط فہمی کا شکار ہوئے ہوتے تو مزدوران کے سامنے حضرت سعدیؒ کے یہ شعر پیش کر دیئے جاتے ؎۲

یکے بر سر شاخ وبن می برید ٭ خداوند بستان نگہ کرد و دید
بگفتا گر این مرد بد می کند ٭ نہ با من کہ با نفس خود می کند

هٰذَا آخِرُ الْكَلَامِ فِي هٰذَا الْمَقَامِ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِينَ ۔

۱؎ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کی روشنی اپنے منہ سے اور اللہ کو پورا کرنی ہے اپنی روشنی اور پڑے برا مانیں منکر ۱۲

۲؎ ایک شخص درخت کی شاخ کے اوپر بیٹھ کر اسکی جڑ کاٹ رہا تھا۔ باغ کے مالک نے [illegible] دیکھ کر کہا کہ یہ شخص برا کر رہا ہے۔ لیکن میرے ساتھ ہی نہیں بلکہ اپنے ساتھ برا کر رہا ہے۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

بیشک یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی کہ

تفسیر آیات حفاظت قرآن

جس میں قرآن عزیز کی آیات اِنَّا نحن نزلنا الذکر اور اِنَّ علینا جمعہ و قرآنہ اور اِنَّہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل الآیۃ سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ قرآن مجید ہر قسم کی تحریف لفظی و معنوی سے پاک ہے نیز یہ امر روز روشن کی طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں کسی قسم کی بھی تحریف ناممکن ہے جو قرآن کا ایک زندہ معجزہ ہے

از حضرت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی قدس سرہٗ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳۔ روڈ نمبر ۲۔ سب بلاک اے، بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدوسیہ
ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔ فون نمبر: ۶۶۰۱۴۴۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً

امابعد۔ حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے تفسیر آیاتِ قرآنیہ کے سلسلہ میں اُنیس رسالے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ جن سے نہ صرف خلافت کے مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہوتا ہے۔ بلکہ اُن میں اور معارفِ دینیہ بھی ہیں۔

اس وقت چند دوسری آیات کی تفسیر ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے جس کو مسئلہ خلافت سے توچنداں تعلق نہیں ہے۔ مگر ایک ایسے مسئلہ کا قطعی فیصلہ اس سے ہوتا ہے جو سُنی شیعہ کے تمام اختلافات کی اصل بنیاد ہے۔ یعنی قرآن مجید کا ہر قسم کے تغیرات وتحریفات سے محفوظ ہونا۔

یہ مسئلہ نہ صرف شیعوں کے مقابلہ میں بلکہ تمام مخالفینِ اسلام کے مقابلہ میں اسلام کا ایک زبردست معجزہ ہے۔

خیال تھا کہ اُنیسواں رسالہ جس کا نام "تفسیر آیاتِ متفرقہ" ہے اس سلسلہ کا آخری نمبر قرار دیا جائے چنانچہ تفسیر مذکور کے دیباچہ میں اس کا اظہار بھی ہو چکا ہے مگر حق تعالیٰ کے مزید احسان و توفیق سے اس وقت یہ بیسواں رسالہ اس سلسلہ میں اور اضافہ کیا جاتا ہے جس کا نام "تفسیر آیاتِ حفاظتِ قرآن" ہے۔ فالحمد للہ اولاً و آخراً۔

ناچیز

محمد عبدالشکور عافاہ مولاہ

۱۰ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ

پہلی آیت

سورۃ حجر آغاز پارہ ۱۴ رکوع اول میں ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ۝

ترجمہ۔ بلاشک وشبہ (ہاں) ہم نے نازل کیا اس ذکر کو اور یقیناً ضرور ہم اُس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

ف۔ یہ آیت نص صریح ہے قرآن مجید کے ہمیشہ ہمیشہ محفوظ رہنے پر ہر قسم کی تحریف سے اور تمام نقائص سے اور تمام اُن چیزوں سے جو اس کے ثبوت یا اس کی دلالت مقصودہ کی نوعیت میں خلل انداز ہوں۔ کیوں کہ خداوند قادر و قوی نے اس کی حفاظت بصیغۂ استمرار اپنے ذمہ لی ہے اور خدا کی ذمہ داری میں تخلف محال ہے، لہٰذا تحریف کا ناممکن اور محال ہونا ثابت ہو گیا۔

چونکہ یہ آیت اس مبحث میں اصل عظیم ہے، لہٰذا اس کی مفصل و مبسوط بحث تیسری آیت کے بعد مستقل طور پر انشاء اللہ آئے گی۔

دوسری آیت

سورۃ حم سجدہ پارہ ۲۴، رکوع ۴ میں ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالذِّکْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ وَاِنَّهٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ ۝

ترجمہ۔ یقیناً جن لوگوں نے اس ذکر کے ساتھ کفر کیا (وہ سخت سزا پائیں گے) اور یقیناً وہ ذکر بلاشبہ ایک عزت والی کتاب ہے جس کے پاس باطل نہیں آسکتا۔ نہ اس کے سامنے سے نہ اس کے پیچھے سے۔ اتاری ہوئی ہے حکمت والے تعریف والے کی طرف سے۔

ف۔ یہ آیت بھی مثل آیت سابقہ کے ہر قسم کی تحریف کے ناممکن اور محال ہونے پر صراحۃً دلالت کرتی ہے۔

ذرا لطف بیان تو دیکھو! آیت کو ایک مرتبہ غور سے پڑھ جاؤ۔ دیکھو کہ دل قابو میں رہ سکتا ہے۔ سچ ہے۔ ؎

مخدرات سرا پردہ ہائے قرآنی
چہ دلبرند کہ دل مے برند پنہانی

دیکھو! پہلے قرآن کے منکروں کو بلیغ تہدید فرمائی اور قرآن کو ذکر کے نام سے یاد کیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ قرآن مجید کا اصلی مقصد ذکر ہے۔ اور جو لوگ قرآن کے منکر ہیں وہ ذکر کا انکار کر رہے ہیں۔ ذکر کے معنی اللہ کی یاد بندوں کے دلوں میں ہونا۔ ذکر ضد ہے غفلت کا۔

اس کے بعد قرآن مجید کی شان اعجازی کو بیان فرمایا تاکہ قرآن کی حقانیت کا یقین راسخ ہو اور انکار کی قباحت روشن ہو جائے۔ اور وہ شان اعجازی یہ ہے کہ "وہ عزت والی کتاب ہے باطل اس کے پاس نہیں آسکتا"۔ قرآن مجید کا باعزت ہونا بیان کر کے باطل کے قریب نہ جا سکنے کو بیان فرمانا قضایا قیاساتہا معہا۔ یعنی دعویٰ مع الدلیل کا عجیب لطف پیدا کر رہا ہے۔ کیونکہ قرآن کا باعزت ہونا ہی کافی ضمانت اس بات کی ہے کہ باطل (جو ایک ذلیل شئے ہے) اس کے پاس نہیں جا سکتا۔ عزت والوں کے قریب ذلیل چیزوں کی رسائی کہاں۔

پھر یہ جو فرمایا کہ باطل اس کے سامنے سے بھی نہیں آسکتا اور پیچھے سے بھی نہیں آسکتا۔ سامنے اور پیچھے کی مراد میں مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ مگر

"آنچہ ساقی ازل بجام ماریخت"

[ہ]وتے کے نورانی انعکاس نے جو خاص بات ذہن میں ڈالی: وہ یہ ہے کہ سامنے سے [مراد] عالم قدس ہے۔ جہاں سے وہ کتاب آئی اور پیچھے سے مراد یہ عالم کون و فساد ہے جہاں [یہ] کتاب پہنچی۔ پس سامنے کا مطلب یہ ہوا کہ دربار الٰہی سے حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم [تک] جن واسطوں سے یہ کتاب پہنچی، وہ واسطے نہایت معتبر ہیں۔ سہو و نسیان اور ہر قسم کے [تص]رفات سے خواہ عمداً ہوں یا خطاءً اور ہر قسم کے شیطانی دسترس سے مامون و محفوظ ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کے فرشتے ہیں اور پیچھے کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کی آئندہ نسلوں تک جن واسطوں سے یہ کتاب پہنچی اور قیامت تک پہنچتی رہے گی وہ واسطے بھی نہایت معتبر اور نہایت امین و مامون ہیں۔ کیوں کہ سلسلہ کے آغاز میں بہترین انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کاتبانِ وحی ہیں۔ جن کے تقدس اور نیکو کاری پر خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتمادِ کامل ہے اور صحابہؓ کے بعد تواتر نے سلسلہ کو واجب الاعتماد بنا دیا ہے۔

یہ مطلب سامنے اور پیچھے کا جو بیان کیا گیا۔ اس کی روشن تائید دوسری آیات کریمہ سے ہوتی ہے۔ مثلاً سورۂ تکویر میں عالم قدس کے واسطوں کا معتبر ہونا اس عنوان سے بیان فرمایا گیا کہ:

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ۔

ترجمہ: پس قسم کھاتا ہوں میں پیچھے ہٹ جانے والے[2] چلنے والے چھپ جانے والے اور

---

[1] یہ کہنے والے حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں روح اللہ روحہ و نفعنا بفتوحہ
[2] پانچ تارے ہیں عطارد زہرہ مشتری زحل مریخ کہ یہ جاتے جاتے پیچھے چلنے ہوتے دکھائی دیتے ہیں پھر آگے چلنے لگتے ہیں۔ پھر نظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے علم ہیئت والے ان کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔

کی اور رات[1] کی جب وہ ختم ہونے لگے اور صبح کی جب وہ شروع ہو کہ یقیناً وہ قرآن کلام خدا نقل کیا ہوا ہے۔ ایک عزت والے قاصد (یعنی جبریل) کا ہے جو قوت والا ہے صاحب عرش کے پاس جگہ پانے والا ہے (بہت سے فرشتوں کا) افسر ہے اور اس دربار میں امانت والا ہے۔

اور مثلاً سورۂ عبس میں عالم کون و فساد کے واسطوں کا معتبر ہونا اس عنوان سے بیان فرمایا ہے کہ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ فِي صُحُفٍ مُكَرَّمَةٍ مَرْفُوعَةٍ مُطَهَّرَةٍ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ

ترجمہ۔ پس جو چاہے اس نصیحت کو یاد کرے۔ عزت دیئے ہوئے بلند رتبہ پاکیزہ صحیفوں میں یا جو ہاتھوں میں ہیں نیکو کار لکھنے والوں کو۔

یہ قرآن مجید کا اہتمام شان ہے کہ وہ جن جن واسطوں سے بندوں تک پہنچا۔ خواہ وہ واسطے عالم قدس کے ہوں یا اس عالم دنیا کے ان تمام واسطوں کا تزکیہ اور ان کی تقدیس خود قرآن مجید میں نازل ہوئی تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ

پیراں نمی پرند و مریداں می پرانند

سامنے اور پیچھے کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سامنے سے مراد زمانہ موجود لیا جائے۔ یعنی نزول قرآن کا زمانہ اور پیچھے سے مراد زمانہ بعد نزول یعنی قرن صحابہ سے لے کر قیامت تک کا زمانہ۔ حاصل یہ ہوا کہ وقت نزول (یعنی عہد نبوی) میں بھی باطل قرآن مجید کے پاس نہیں آ سکتا۔ اور وقت مابعد نزول یعنی رحلت نبوی کے بعد سے قیامت تک بھی باطل اس کے پاس نہیں آ سکتا۔

باطل خلاف حق کو کہتے ہیں۔ لہذا جو جو چیزیں خلاف حق کہی جا سکتی ہیں۔ وہ کوئی

---

[1] رات کا آخری حصہ اور صبح کا ابتدائی حصہ بہت مقبول ہے۔ اسی وجہ سے ان دونوں وقتوں میں دو نمازیں رکھی گئی ہیں۔ اول میں تہجد اور دوسرے میں نماز فجر اسی مقبولیت کے باعث ان دونوں کی قسم ارشاد ہوئی۔

قرآن مجید کے قریب نہیں جاسکتیں اور ظاہر ہے کہ تحریف بھی خلاف حق ایک چیز ہے۔
اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ تحریف قرآن مجید کے قریب نہیں جاسکتی۔ خداوند قادر
کے اس فرمانے کے بعد تحریف کا تعلق محال ہونا محل کلام نہ رہا۔

آخر آیت میں ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب ہماری طرف سے نازل ہوئی ہے اور اپنی ذات اقدس کو دو صفتوں کے ساتھ موصوف فرمایا حکیم اور حمید۔ یہ دونوں صفتیں اس مقام پر عجیب تناسب رکھتی ہیں اور مضمون سابق کے لیئے دلیل کا فائدہ دے رہی ہیں۔ حکیم کا دلیل ہونا اس لیئے کہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء اور قرآن مجید کو خاتم الکتب قرار دیا گیا تو قرآن مجید ہر زمانہ میں تا قیام قیامت موجود اور محفوظ رکھا جائے اور حمید کا دلیل ہونا اس لیئے کہ حمید اسی کو کہتے ہیں جس کی ذات میں کوئی صفت ذم نہ پائی جائے اور ظاہر ہے کہ ختم نبوت کے بعد قرآن مجید کی حفاظت نہ کرنا خصوصاً جب کہ حفاظت کا وعدہ بھی ہو چکا اور وعدہ بھی پیشین گوئی کی شکل میں اعلیٰ درجہ کا نقص اور ذم ہے۔ تعالی اللہ عن ذلك۔

لطف بیان ظاہر کرنے میں کچھ طول ہو گیا، مگر پھر بھی میں خیال کرتا ہوں کہ وہ وجدانی اور ذوقی حالت بیان میں نہ آسکی۔ ؎

گر مصوّر صورت آں دلستاں خواہد کشید
حیرتے دارم کہ نازش راچساں خواہد کشید

تیسری آیت

سورۂ قیامہ پارہ ۲۹ میں ہے لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَإِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ۔

ترجمہ۔ نہ جنبش دیجئے اے نبی اپنی زبان کو اس لیئے کہ جلد یاد کرلیں قرآن کو بہ تحقیق ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرا دینا مصاحف میں اور اس کا پڑھانا۔ لہذا جب ہم اس کو

پڑھیں (یعنی وحی نازل کریں) تو اس کے پڑھنے کا اتباع کیجئے (یعنی سنیئے۔ سننے کے وقت خود تلاوت نہ کیا کیجئے) پھر بہ تحقیق ہمارے ذمہ ہے اس کا واضح کرنا۔

ف جب وحی الٰہی نازل ہوتی تھی اور خدا کا فرشتہ قرآن مجید لے کر آتا تھا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس ڈر سے کہ کہیں کوئی لفظ یاد کرنے سے رہ نہ جائے فرشتہ کی تلاوت کے ساتھ ساتھ خود بھی تلاوت کرتے جاتے تھے۔ جس کی وجہ سے بیک وقت دو کام آپ کو کرنا پڑتے تھے۔ ایک فرشتے کی تلاوت کا سننا، دوسرے زبان سے تلاوت کو ادا کرنا۔ ظاہر ہے کہ اس میں بڑی مشقت آپ کو ہوتی تھی۔ حق تعالیٰ کو آپ کی تکلیف گوارا نہ ہوئی اور کئی آیتوں میں آپ کو اس مشقت سے روکا گیا۔ ایک آیت میں فرمایا۔ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ[1]، اور ایک اور آیت میں فرمایا۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى[2] یہی مضمون آیت مجوزہ میں بھی فرمایا گیا۔ مگر بہت اہتمام کے ساتھ کہ اے نبی آپ مذکورہ بالا مشقت نہ اٹھایئے۔ قرآن مجید کے متعلق تو قیامت تک کی ضروریات کا اہتمام ہم اپنے ذمہ لے چکے[3]۔ اس کا مصحف میں جمع کرا دینا ہمارے ذمہ، اس کے درس[4] و تدریس کا دنیا میں

---

[1] ترجمہ۔ نہ عجلت کیجئے قرآن کے ساتھ (یعنی اس کے یاد کرنے میں) قبل اس کے کہ اس کی وحی ختم ہو۔ ۱۲

[2] ترجمہ۔ ہم آپ کو پڑھا دیں گے (یعنی ہمارا فرشتہ تلاوت کر دے گا) تو آپ نہ بھولیں گے۔ ۱۲

[3] ذرا ایک عبرت آمیز نظر اس بات پر ڈالو کہ خداوند قادر توانا نے اپنی ذمہ داری کو کس شکل میں پورا کیا۔ تو عجیب و غریب نظارے قدرت کاملہ کے تمہارے سامنے آجائیں گے۔

ع جلوہ مفت است اگر دیدہ بینائے ہست

انشاء اللہ کچھ بیان اس کا پہلی آیت کی بحث میں آئے گا فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔ ۱۲

[4] یہ ایک بڑی چیز ہے قرآن مجید کے تواتر کا بے مثال حصن حصین اسی درس و تدریس کی بدولت قائم ہے اور اس درس و تدریس کے قائم رکھنے کے لیے حق تعالیٰ نے اپنے ہزار کا سب سے بڑا آلہ جارحہ امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو قرار دیا۔

کما سیجئ ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۲

قائم رکھنا تمہارے ذمہ، اس کے مطالب کی توضیح[1] و تفسیر کا قائم رکھنا ہمارے ذمہ۔ مطلب یہ کہ جس کتاب کے وہ وہ اہتمامات ہم اپنے ذمہ لے چکے، جن کی ضرورت مستقبل قریب و بعید میں پیش آنے والی ہے اس کی حفاظت کے لیئے آپ کو اس قدر پریشان ہونے کی حاجت نہیں۔

اس آیت سے بھی قرآن مجید کا ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور تحریف کی رسائی قرآن تک محال و ناممکن ثابت ہوتی ہے، کیونکہ جب قرآن کا مصحف میں جمع کرانا اور اس کے درس کا دنیا میں قائم رکھنا خدا نے اپنے ذمہ لیا اور ظاہر ہے کہ یہ سب ذمہ داریاں اصلی قرآن کے لیئے ہیں، لہذا ناممکن ہے کہ وہ محرف صورت میں جمع ہو۔ محرف درس قائم رہے ورنہ خلف وعد لازم آئے گا۔

اس آیت کی بہترین تفسیر مسند الوقت حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ عدیم المثال کتاب ازالۃ الخفاء مقصد اول فصل سوم میں ہے۔ جو ہدیہ قارئین کی جاتی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ فی سورۃ الحجر انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ ہر آئینہ ما فرو آوردیم قرآن را وہر آئینہ را مانگاہدارندہ او ئیم۔ وقال فی سورۃ القیامۃ لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ

اللہ تعالیٰ نے سورہ حجر میں فرمایا "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" بہ تحقیق ہم نے اتارا ہے قرآن کو اور بہ تحقیق ہم اس کی نگہبانی کرنے والے ہیں اور سورہ قیامت میں فرمایا کہ لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ

[1] اس کی بھی بڑی ضرورت تھی اور اس کام کو سوا خدا کے کوئی کر بھی نہ سکتا تھا۔ اس عالم کون و فساد کا خاصہ لازمہ ہے کہ کوئی زبان اور اس کے محاورات دنیا میں ہمیشہ قائم نہیں رہتے اور جس وقت وہ زبان رخصت ہوتی ہے اس زبان کی کتابیں معمٰی اور چیستان بن جاتی ہیں مگر ایک قرآن اور صرف ایک قرآن ہے کہ اس کی زبان اور اس کے محاورات تیرہ سو برس گزرنے پر بھی زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ فنعم قادراً اللہ

وقرآنه فاذا قرأناه فاتبع قرآنه ثم ان علینا بیانه. یعنی مجنبان بقرآن زبان خود را تا شتابی کنی بحفظ آن هر آئینه وعده است بر ما بهم آوردن وخواندن آن پس چون بخوانیم قرآن را یعنی نازل گردانیم آن را پس در پے رَو قرارت او را یعنی استماع آن کن باز هر آئینه بر ما وعده ست واضح ساختن او را.

وقرآنه فاذا قرأناه فاتبع قرآنه ثم ان علینا بیانه. یعنی مت جنبش دیجیے قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو تاکہ جلدی کریں آپ اس کے یاد کرنے میں بہ تحقیق وعدہ ہے ہمارے ذمہ اس کے جمع کرا دینے اور پڑھانے کا پس جب پڑھیں ہم قرآن کو یعنی نازل کریں اس کو تو اس کی قرأت کی پیروی کیجیے یعنی اس کو سنیے پھر (ہم کہتے ہیں کہ) بہ تحقیق ہمارے ذمہ وعدہ ہے اس کے واضح کرنے کا۔

اخرج مسلم فی حدیث عیاض بن حمار عن النبی صلی الله علیه وسلم عن ربه تبارک وتعالی انزلت علیک قرآنا لا یغسله الماء.

مسلم نے عیاض بن حمار کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ اپنے پروردگار تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے فرمایا اے نبی میں نے تم پر ایک قرآن اُتارا ہے جس کو پانی دھو نہیں سکتا۔

این کنایه است از آنکه اگر مساعی بنی آدم صرف شود در محو قرآن قادر نه شوند بر آن و این تفسیر حفظ قرآن ست باز در آیه دیگر صورت حفظ بیان فرمود.

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمام بنی آدم کی کوششیں قرآن کے فنا کرنے میں صرف ہو جائیں تو بھی لوگ اس پر قادر نہ ہوں گے۔ یہ حدیث حفظ قرآن (یعنی آیہ انا لہ لحافظون) کی تفسیر ہے پھر دوسری آیت یعنی (انا علینا جمعہ) میں حفاظت (موعودہ) کی صورت بیان فرمائی۔

اخرج البخاری عن ابن عباس فی قوله عز وجل لا تحرک به لسانک الآیة قال کان رسول الله

(اگر کوئی کہے کہ) بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ عزوجل کے قول لا تحرک به لسانک الآیة کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ابن عباسؓ کہتے تھے کہ

صلی اللہ علیہ وسلم یعالج من التنزیل شدۃ وکان مما یحرك شفتیہ فانزل اللہ عزوجل لا تحرك بہ لسانك لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرآنہ قال جمعہ فی صدرك ونقرأہ۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن کے وقت بہت مشقت کرتے تھے۔ ازاں جملہ یہ کہ آپ جلدی جلدی اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے تو اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری کہ اپنی زبان کو جلدی یاد کرنے کے لیے حرکت نہ دیجئے بہ تحقیق ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع اور اس کا قرآن جمع سے مراد حضرت کے سینہ میں جمع کر دینا اور قرآن سے مراد آپ کو پڑھا دینا۔

فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ قال فاستمع لہ وانصت ثم ان علینا بیانہ ثم ان علینا ان نقرئہ فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ذلك اذا اتاہ جبرئیل استمع فاذا انطلق جبرئیل قرأہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما قرأ۔

پھر جب ہم اس کو پڑھیں تو اس کے پڑھنے کی آپ پیروی کیجئے یعنی سنئے اور چپ رہیے اس کے بعد بہ تحقیق ہمارے ذمہ ہے اس کا بیان یعنی ہمارے ذمہ ہے کہ ہم آپ کو پڑھا دیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور یہ ہو گیا کہ اس کے بعد جبریل آپ کے پاس آتے تو آپ خاموشی سے سنتے اور جب جبریل چلے جاتے تو ان کے پڑھنے کے مطابق آپ پڑھتے۔

مرفوع دریں حدیث قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم است فقط۔ وتفسیر جمعہ لے جمعہ فی صدرک تفقہ ابن عباس

اس روایت میں مرفوع صرف اتنا ہی حصہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ہے اور جمع کی تفسیر سینہ میں جمع کرنا یہ ابن عباس کی اپنی[لہ]

لہ اس سے یہ اصول تفسیر کا معلوم ہوتا ہے کہ مفسرین جو تفسیر بیان کرتے ہیں اگرچہ وہ تفسیر حقیقتاً یا حکماً مرفوع نہ ہو تو اس کا اتباع لازم نہیں بلکہ قوت دلیل کو دیکھنا چاہیئے۔

ست [illegible]

سمجھ کی بات ہے۔

فقیر میگوید درین تفسیر نظر ست زیرا کہ سہ کلمہ را بر معانی متقاربہ حمل کردن بعید می نماید آرے در تفسیر سنقرئک فلا تنسی ایں را تقریر کردن گنجائش میداد باز فرو آوردن ثم ان علینا بیانہ بر معنی کہ بغیر تراخی معتدبہ واقع شدہ باشد بُعدے دارد۔

فقیر کہتا ہے کہ اس تفسیر میں اعتراض ہے کیونکہ تین لفظوں (یعنی جمع اور قرآن اور بیان) سے یکدم ایک ہی معنیٰ[1] مراد لینا بعید از بلاغت معلوم ہوتا ہے۔ ہاں سنقرئک فلا تنسی کی تفسیر میں اس مضمون کے بیان کرنے کی گنجائش ہے۔ پھر ثم ان علینا بیانہ کے ایسے معنی لینا جو پہلے دونوں لفظوں کے معنی کے ساتھ بغیر معتدبہ تاخیر کے پائے جائیں (جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر میں ہو رہا ہے) اور زیادہ بعید ہے۔

اوجہ در تفسیر آیت آں می نماید کہ معنی ان علینا جمعہ آں ست کہ لازم ست وعدہ جمع کردن قرآن بر ما در مصاحف و قرآنہ یعنی توفیق دہیم قرائ امت آں حضرت را صلی اللہ علیہ وسلم وعوام ایشاں را بر تلاوت آں تا سلسلہ تواترہ از ہم گسستہ نشود۔ خدائے تعالیٰ می فرماید کہ در فکر آں مباش کہ قرآن از دل تو فراموش شود و مشقت تکرار آں مکش دیگے از خرق عوائد است کہ

زیادہ مدلل قول آیت کی تفسیر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان علینا جمعہ کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے ذمہ قرآن کو مصاحف میں جمع کرا دینے کا وعدہ ہے اور قرآنہ کے معنی یہ ہیں کہ ہم توفیق دیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے قرا اور ان کے عوام کو اس کے تلاوت کی تاکہ تواتر کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔ خدا تعالیٰ عالی فرماتا ہے کہ اے نبی آپ اس فکر میں نہ رہیئے کہ قرآن آپ کے دل سے فراموش نہ ہونے پائے اور اس کے تکرار کی مشقت نہ اٹھایئے (یہ بھی منجملہ

---

[1] اس سے یہ اصول تفسیر کا معلوم ہوتا ہے کہ متعدد لفظوں کو حتی الامکان علیحدہ علیحدہ معانی پر محمول کرنا چاہیئے۔ التاسیس اولی من التاکید۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صعوبت تکرار
کہ جمہور مسلمین در حفظ قرآن می کشند نمی
کشیدند و بمجرد تبلیغ جبرئیل بخاطر مبارک
متمکن می شود) چہ جائے ایں فکر کہ ما بر
خود لازم گردانیدہ ایم۔ انچہ بمراتب
از تبلیغ تو متاخر ست و آں جمع قرآن
ست در مصاحف و خواندن امت
است آں را چہ خواص و چہ عوام پس
خاطر خود را مشغول مشقت حفظ آں مگر
داں بلکہ چوں ما بر زبان جبرئیل تلاوت
کنیم در پے استماع آں باش۔ باز بر
ماست توضیح قرآن در ہر عصرے جمعی
را موفق بشرح غریب قرآن و بیان
سبب نزول آں فرمایم تا ما صدق حکم
آں بیان کنند و ایں ہمہ بمراتب متاخر
ست از حفظ تو و تبلیغ تو آں را۔

معجزات کے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکرار
کی محنت جیسا کہ جمہور اہل اسلام قرآن کے حفظ
میں کرتے ہیں نہ کرتے تھے۔ جبریل سے سنتے
ہی آپ کے دل میں جاگزیں ہو جاتا تھا۔ اس فکر
کی کیا ضرورت ہے ہم نے ان چیزوں کو اپنے
ذمہ لے لیا ہے جو آپ کی تبلیغ سے بھی کئی درجہ
پیچھے کی ہیں اور وہ قرآن کا مصاحف میں۔ جمع
کرا دینا اور امت کے خاص و عام سب کا اس
کو پڑھنا لہذا آپ اپنے دل کو اس کے حفظ کی
مشقت میں مشغول نہ کیجئے، بلکہ جب ہم جبریل کی
زبان سے تلاوت کریں تو اس کے سننے کے
درپے رہیئے۔ پھر ہمارے ذمہ قرآن کی توضیح
بھی ہے۔ ہر زمانے میں ایک جماعت کو ہم لغات
قرآنیہ کی شرح اور نزول آیات کے اسباب بیان
کرنے کی توفیق دیتے رہیں گے تاکہ اس حکم کا
مصداق بیان کریں یہ سب کام آپ کے حفظ
اور آپ کی تبلیغ سے کئی درجہ بعد کے ہیں۔

چوں آیات قرآن متشابہ اند بعض آں
مصداق بعض ست و آں حضرت صلی
اللہ علیہ وسلم مبین قرآن عظیم ست حفظ
قرآن کہ موعود حق است بایں صورت
ظاہر شد کہ جمع آں در مصاحف کنند
و مسلماناں توفیق تلاوت آں شرقاً و

چونکہ تمام آیات قرآنیہ ایک دوسرے سے
ملتی جلتی ہیں یعنی ایک آیت دوسری آیت کی
مصداق ہے اور اصلی مفسر قرآن عظیم کے آنحضرت
ہیں لہذا ہر آیت کا وہ مطلب مراد لینا چاہیئے
جس کی تائید دوسری آیات اور سنت سے
ہوتی ہے جیسا کہ ہمارا بیان کیا ہوا مطلب۔ ایسا

غرباً و بیلاً و نهاراً پیاپند و ہمیں ست معنی لا یغسله الماء

ہی ہے۔ قرآن کی حفاظت جس کا وعدہ خدا نے (انا له لحافظون میں) کیا ہے وہ اس شکل میں پورا ہوا (جس کو آیۂ ان علینا جمعه الخ بیان کر رہی ہے) کہ مصاحف میں لوگ اس کو جمع کریں اور مسلمانان مشرق و مغرب رات دن اس کی تلاوت کی توفیق پائیں حدیث لا یغسله الماء (جو بحوالہ صحیح مسلم نقل ہو چکی اس کے معنی بھی یہی ہیں (لہذا کتاب اور سنت دونوں سے ہماری تفسیر مطابق ہو گئی)۔

یا ز جمعه و قرآنه یک جا ایراد فرمودن و در وعد بیان کلمۂ ثم که برائے تراخی ست ذکر نمودن می فہماند که در وقت جمع قرآن در مصاحف اشتغال به تلاوت آں شائع شده و تفسیر آں من بعد بظہور آمد و در خارج ہم چنیں متحقق شد. اول شروع حفظ از جانب ابی بن کعبؓ و عبد اللہ بن مسعودؓ بوده ست در زمان حضرت عمر رضی اللہ عنه و اول اشتغال بتفسیر از ابن عباسؓ واقع شد بعد انقضای ایام خلافت.

پھر جمعه و قرآنه ذکر واو عطف کے ساتھ) یک جا ذکر فرمانا اور بیان کے وعدے میں لفظ ثم جو تاخیر کے لیے آتا ہے ارشاد فرمانا یہ بتا رہا ہے کہ جس وقت قرآن مصاحف میں جمع ہوا اسی وقت سے اس کی تلاوت کا شغل بھی جاری ہو گیا، مگر تفسیر قرآن کا شغل اس وقت کے بعد شروع ہوا اور واقعہ بھی اس طرح ہے کہ سب سے پہلے حفظ قرآن کا درس اُبی بن کعبؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ سے حضرت عمر رضی اللہ عنه کے زمانہ میں شروع ہوا اور درس تفسیر کا آغاز حضرت ابن عباسؓ سے ہوا بعد گزر جانے خلافت راشدہ کے۔

پہلی آیت اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ کی مکمّل بحث

اس آیت کو اللہ تعالیٰ کا بابرکت نام لے کر چار مباحث پر تقسیم کیا جاتا ہے اور انہیں معرکۃ الآراء مباحث کو پیش نظر رکھ کر اس رسالہ کو بھی تفاسیر آیات خلافت کا سلسلہ کا ایک نمبر قرار دے دیا گیا۔

مبحث اول میں آیت کی صحیح تفسیر اور مراد الٰہی کی توضیح سیاق و سباق سے اور دوسری آیات و احادیث سے۔ اور آیت کے کلمات کے فوائد و لطائف۔

مبحث دوم میں اس آیت سے متعلق موجودہ تفاسیر کی عبارتیں۔

مبحث سوم میں اس آیت کے متعلق شیعوں کی حیرانی و سرگردانی کا ایک عجیب منظر۔

مبحث چہارم میں آیت مذکورہ کے وعدہ کے پورے ہونے کی صورت جو بجائے خود حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بے نظیر کرشمہ اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہے۔

مبحث اوّل

کسی آیت کی صحیح تفسیر کے لیے اس کے سیاق و سباق کا دیکھنا اہم المہمات میں سے ہے۔ اس لیے ہماری آیت مبحوثہ جس رکوع میں ہے وہ پورا رکوع نقل کیا جاتا ہے۔ اور یہ رکوع سورہ حجر کا پہلا رکوع ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ رُبَمَا يَوَدُّ

یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور قرآن واضح کی۔ کبھی آرزو

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ○ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا

کرینگے وہ لوگ جنہوں نے (اس کتاب کا) انکار کیا کہ کاش مسلمان ہوگئے ہوتے۔ چھوڑ دیجیے انکو (اے نبی) تاکہ کھالیں

وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○

اور فائدہ اٹھالیں اور غافل کرے ان کو امید[1] پس عنقریب (نتیجہ اس کا) معلوم کریں گے

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ○

اور نہیں ہلاک کی ہم نے کوئی بستی مگر اس حال میں کہ اس کے (ہلاکت کے) لیئے ایک (وقت کی) لکھا ہوا مقرر تھا

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ○ وَ

نہیں آگے بڑھ سکتی کوئی امت اپنی (ہلاکت کے) مقرر وقت سے اور نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے[2] اور

قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ○

ان کافروں نے (ہمارے رسول کو) یہ کہا کہ اے وہ شخص جس پر یہ ذکر (یعنی قرآن) اتارا گیا ہے یقیناً تو مجنون ہے

[1] انسان امیدوں کے بھلاوے میں غافل ہو کر بہت ڈھٹائی کرتا ہے اگر یہ بھلاوا نہ ہو تو ہرگز اتنی ڈھٹائی نہ کرے امید میں اس بات کی کہ ابھی تو ہماری عمر بہت ہے جب موت کا وقت قریب آئے گا تو اچھے کام کرلیں گے۔ [2] مطلب یہ کہ کفار مکہ کی ہلاکت کا بھی ایک وقت لکھا ہوا مقرر ہے۔ وہ وقت تم نے دو جلدی کیوں کرتے ہو۔

لَوْمَا تَأْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○

کیوں نہیں لے آتا تو ہمارے پاس فرشتوں[1] کو اگر ہے تو سچوں میں سے

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ○

(جواب یہ ہے کہ) نہیں اتارتے ہم فرشتوں کو مگر کام[2] سے اور نہ ہوں گے یہ لوگ اسوقت مہلت دیئے ہوئے[3]

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ وَ

بہ تحقیق ہم نے (ہاں) ہم نے اتارا ہے اس ذکر کو اور بہ تحقیق ہم اس کی حفاظت کرنیوالے ہیں اور

لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَمَا يَاْتِيْهِمْ

بہ تحقیق بھیجا ہم نے (پیغمبروں کو) آپ سے پہلے اگلے شیعوں (یعنی فرقوں) میں اور نہیں آتا تھا

[1] کفار مکہ کا ایک شریرانہ قول یہ بھی تھا جو دوسرے مقام کی آیتوں میں منقول ہے کہ فرشتے ہم کو کیوں نہیں دکھائی دیتے فرشتے خود ہم سے آپ کی نبوت کی تصدیق کر دیں قرآن ہمارے پاس خود ہی لے آیا کریں اسی قول کو یہاں ذکر فرما کر جواب ارشاد فرمایا ہے۔

[2] یعنی فرشتے بیکار تو بھیجے نہیں جاتے نبیوں کے پاس وحی لے کر جاتے ہیں ایمان والوں کو بشارت سنانے کے لیے جاتے ہیں کتابت اعمال کے لیے جاتے ہیں اور کافروں کے پاس عذاب لے جاتے ہیں۔

[3] مطلب یہ کہ تمہارے پاس فرشتوں کے جانے کا مقصد سوا عذاب کے اور کچھ نہیں ہو سکتا اور عذاب آگیا تو پھر اتنی مہلت بھی نہیں مل سکتی کہ تم ایمان لاؤ۔

مِن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ○ كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ

ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ لوگ اس کے ساتھ مسخراپن کرتے تھے اسی طرح ہم ڈال دیتے ہیں شرارت

فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ○ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ

دلوں میں مجرموں کے نہ ایمان لائیں گے یہ لوگ اس ذکر (یعنی قرآن) پر اور بہ تحقیق گزر چکا ہے طریقہ[1]

الْأَوَّلِينَ ○ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا

اگلوں کا اور اگر ہم (ان کا کہنا مان کر) کھول دیں ان پر ایک دروازہ آسمان سے پھر یہ لوگ سارے دن

فِيهِ يَعْرُجُونَ ○ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا

اس میں چڑھتے رہیں تو بھی ایمان نہ لائیں گے اور یقیناً کہیں گے کہ سوا اس کے کچھ نہیں ہے باندھ دی گئی ہیں ہماری نگاہیں

[1] یہ ترجمہ ہے سنۃ الاولین کا۔ اس کا ترجمہ دو طرح ہو سکتا ہے۔ اول سنت کی اضافت فاعل کی طرف ہو مطلب یہ ہوگا کہ اگلے کافروں نے جو طریقے کفر و شرارت کے اختیار کیے تھے وہی یہ بھی کر رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ سنت کی اضافت مفعول کی طرف ہو یعنی اگلوں کے ساتھ جو طریقہ عذاب کا ہم نے اختیار کیا تھا وہ ان لوگوں کو معلوم ہے پھر بھی نہیں ڈرتے۔ [2] کفار مکہ کا ایک تمسخر آمیز مقولہ یہ بھی تھا جو دوسرے مقام کی آیات میں مذکور ہے کہ آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھئے اور وہاں سے لکھی لکھائی کتاب ہم پر اتار دیجئے اسی بیہودہ مقولہ کا یہاں جواب ہے کہ بجائے نبی کے ہم تمہارے لیے آسمان پر چڑھنے اترنے کی سبیل پیدا کر دیں اور تم دن بھر چڑھو اترو تب بھی نہ اترو گے

بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ○

بلکہ ہم لوگوں پر جادو کردیا گیا ہے۔

اس پورے رکوع کو پڑھ جانے کے بعد مطلب خودبخود واضح ہوجاتا ہے۔ یہی شان اس کتاب کی ہے۔ اسی لیئے اس کو قرآن مبین فرمایا اور اسی لیئے فرمایا لاریب فیہ اور اسی لیئے فرمایا قرآنا عربیا غیر ذی عوج۔

پورے رکوع کو پڑھ جاؤ تو اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا کہ شروع سے آخر تک صرف ایک مضمون بیان فرمایا گیا ہے اور وہ مضمون کیا ہے؟ قرآن مجید کی عظمت و حقانیت۔ مگر یہ مضمون کچھ ایسے حکیمانہ اور معجزانہ انداز سے بیان فرمایا گیا ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں بے اختیار قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کا یقین پیدا ہوجاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دو متضاد ولولے دل میں موجزن ہوجاتے ہیں۔ ایک اس کے جلال و جبروت کے سامنے خوف و خشیت کے ساتھ سر جھکا دینے کا، دوسرے اس کے حسن و کمال اور اس کی دلبری نہیں، دلدہی کے سامنے فدائیانہ محبت و جاں نثاری کا اور ان دونوں ولولوں کے آثار بھی بڑی قوت کے ساتھ نمایاں ہونے لگتے ہیں۔

دیکھو! شروع فرمایا قرآن مجید کی تعریف سے۔ پھر فرمایا کہ کفار ایک دن پچھتائیں گے کہ قرآن مجید پر ایمان کیوں نہ لائے۔ پھر فرمایا کہ اے نبی ان کافروں کو تھوڑے دن کی مہلت دیجیئے ابھی ان کی ہلاکت کا وقت جو ہم نے مقرر کر رکھا ہے نہیں آیا۔ مطلب یہ کہ انکار قرآن موجب ہلاکت ہے مگر ہلاکت فی الفور نہیں آتی، وقت مقرر کا انتظار ہوتا ہے۔ اس کے بعد کفار جن گستاخانہ الفاظ میں قرآن کی تکذیب کرتے تھے اس کو بیان فرمایا اور دو شبہ ان کے ذکر فرمائے۔ ایک یہ کہ (معاذاللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجنون ہیں۔ دوسرے یہ کہ فرشتے خود ہمارے پاس کیوں نہیں آتے۔ اس کے بعد کس بلاغت و حکمت سے کام لیا کہ دوسرے شبہ کا جواب دیا اور پہلے شبہ کو بظاہر بے جواب چھوڑ کر نا قابل توجہ

قرار دیا اور حقیقت میں وہ ایسا ہی بدیہی البطلان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و احوال کا مشاہدہ کرنے کے بعد کون ہے جو آپ کو مجنون کہہ سکے پھر ایک حیثیت سے دیکھو تو جواب ہر بھی گیا جس عنوان سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا (یعنی اے وہ شخص کہ جس پر ذکر نازل کیا گیا ہے) یہ عنوان ہی اس شبہ کے ابطال کے لیے برابر ہزار ہا دلائل کے لیے ہے بھلا کسی مجنون کی زبان سے ایسی پاکیزہ اور ایسی جامع اور ایسی مفید اور ایسی سریع التاثیر نصیحتیں ادا ہو سکتی ہیں حاشا ثم حاشا۔

اس کے بعد وہ آیت مبحوثہ ہے جس کی تفسیر مقصود ہے اس آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ذکر ہمارا نازل کیا ہوا ہے اور ہم ضرور ضرور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس کا ربط ماقبل کے ساتھ ظاہر ہے کفار نے قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا تھا لہذا اس انکار کے مقابلہ میں اس کے منزل من اللہ ہونے کی تصریح فرمائی اور قرآن کی حفاظت کا تذکرہ اس مقام میں عجیب لطف دے رہا ہے۔ ایک زبردست پیشین گوئی پر شامل ہونے کے سبب سے اس کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل بھی ہے اور ان کے مجنون کہنے کا رد بھی ہے۔ کیوں کہ مجنون کی زبان سے ایسی زبردست پیشینگوئی کا ظاہر ہونا جو اس عالم کون و فساد کی فطرت کے خلاف ہو اور پھر اس کا اس طرح علی الرغم پورا ہونا ممکن نہیں۔ اور مجنون کے کلام کا اس طرح محفوظ رہنا بھی ناممکن ہے۔

اس آیت مبحوثہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور کافروں کی تہدید کے لیے رسالات سابقہ کی تکذیب اور مکذبین کی تعذیب بیان فرمائی گئی۔ اور سب کے آخر میں یہ ظاہر فرمایا کہ کیسے ہی زبردست معجزات ان کافروں کو دکھائے جائیں مگر ان سے ایمان کی امید نہ رکھنا چاہیے یہ اس لیے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ قرآن میں جس جانفشانی کے ساتھ کوشش فرماتے تھے اسی کی مشقت کیا کم تھی کہ اس پر یہ اضافہ ہوتا تھا کہ آپ کی امید پوری نہ ہوتی تھی اور وہ لوگ ہدایت پر نہ آتے تھے جس سے آپ کی دل شکستگی ناقابل برداشت[۵]

۵ جیسا کہ آیت لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین سے ظاہر ہے۔

ہوتی تھی۔ حق تعالیٰ کو یہ گوارا نہ ہوا اور اس اُمید کا سدباب کر دیا۔

یہ اہم مضمون ہیں جو بڑے تسلسل کے ساتھ اس رکوع میں بیان فرمائے گئے ہیں اب آیت مجوزہ پر پھر ایک نظر ڈالو تین باتیں ضروری سمجھنے کی ہیں۔

پہلی بات۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا یہ وعدہ کس چیز سے حفاظت کا ہے اور وہ چیز بیان کیوں نہ فرمائی۔

سنو۔ اوّل تو قرینہ سے یہ بات سمجھ لی جاتی ہے کہ تمام ان چیزوں سے حفاظت مراد ہے جو قرآن مجید کی شان کے لائق نہ ہوں اور ظاہر ہے کہ اُن نالائق چیزوں میں ایک چیز تحریف بھی ہے۔ دوسرے یہ کہ سورہ حم سجدہ کی آیت وانہ لکتاب عزیز لایاتیہ الباطل اس کو صاف ظاہر کر رہی ہے کہ ہر قسم کے باطل سے حفاظت مراد ہے اور تحریف کا از قسم قسم باطل ہونا اظہر من الشمس ہے۔

دوسری بات۔ قرآن مجید کی محفوظیت کو حق تعالیٰ نے دو حروف تاکید کے ساتھ ذکر فرمایا۔ ایک اِنَّ دوسرا لَہ اور علم بلاغت میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تاکید انکار کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور جس درجہ کا انکار ہو اسی درجہ کی تاکید ہوتی ہے۔ پس یہاں چونکہ انکار دو درجہ کا تھا لہٰذا تاکید کے بھی دو حرف لائے گئے۔

ایک درجہ تو کفار مکہ کے انکار کا تھا جو پیش آ چکا تھا۔

اور **دوسرا درجہ** ابن سبا کی ذریت کے انکار کا ہے جو علم الٰہی میں پیش آنے والا تھا۔ بلکہ انصاف یہ ہے کہ ذریت ابن سبا کا انکار کفار مکہ کے انکار سے زیادہ شدید ہے۔ کیوں کہ کفار مکہ کا قبل ہجرت مسلمانوں کی قلت اور کمزوری کو دیکھتے ہوئے یہ خیال تھا کہ قرآن زمانہ مستقبل میں چند روز کے بعد خود بخود فنا ہو جائے گا یا یہ خیال تھا کہ ہم جب چاہیں گے فنا کر دیں گے۔ جس کا جواب حق تعالیٰ نے یہ دیا کہ فنا ہو جانا یا فنا کر دیا تو بڑی بات ہے ہم قرآن کے نگہبان ہیں۔ کوئی باطل اس کے قریب نہیں آ سکتا۔ مگر ابن سبا کا فرقہ اس بات کا معتقد ہے کہ زمانہ مستقبل ہی نہیں بلکہ زمانہ ماضی میں قرآن[1] فنا ہو چکا اور فنا بھی

---

[1] عنقریب اسی فصل دوم میں جہاں شیعوں کا عقیدہ قرآن مجید کے متعلق بیان ہو (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کسی غیر کے ہاتھ سے نہیں بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں کے ہاتھ۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ کفارِ مکہ ہجرت کے بعد اپنے خیال کی غلطی محسوس کرکے اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ قرآن کو کوئی فنا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ انہوں نے کھلے لفظوں میں اس کا اقرار کیا اور اپنے قصائد میں[1] اس اقرار کو نظم کیا۔ مگر ابن سبا کا فرقہ صدیاں گزر جانے پر بھی آج تک اپنے اسی اعتقاد پر قائم ہے کہ قرآن فنا ہوگیا۔

تیسری بات یہ کہ قرآن کی محفوظیت کو حق تعالیٰ نے جملہ اسمیہ کے ساتھ بیان فرمایا۔ جملہ فعلیہ کے ساتھ بیان نہ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم بلاغت میں طے ہو چکا ہے کہ جملہ اسمیہ استمرار کے لیئے ہوتا ہے، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ہم قرآن کی ہمیشہ ہمیشہ حفاظت کرتے رہیں گے۔ ہماری حفاظت کبھی قرآن سے جدا نہ ہوگی۔

بعونہٖ تعالیٰ آیت کی صحیح تفسیر بیان ہو چکی اور یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوگئی کہ یہ آیت قرآنی بآوازِ بلند بڑی تاکید کے اعلان کر رہی ہے کہ قرآن مجید ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے اور تا قیام قیامت محفوظ رہے گا۔ کیا طاقت کسی کی کہ اس میں ایک حرف بھی گھٹا سکے یا بڑھا سکے یا اس کے کسی حرف کو بدل سکے۔ یا اس کی ترتیبِ کلام کو اُلٹ پلٹ کر دے۔

امنا باللہ وکلماتہ التامات۔

اس مقام پر دل چاہتا تھا کہ سورۂ حجر کی جو آیتیں نقل کی گئی ہیں اُن سے

(بقیہ) گا اور ان کی کتابوں کی عبارتیں نقل کی جائیں گی۔ یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان کے نزدیک اصلی قرآن فنا ہوگیا۔ آج دنیا میں کہیں اصلی قرآن کا وجود نہیں۔ صرف ایک نسخہ اصلی قرآن امام غائب کے پاس ہے۔

[1] مثال کے طور پر دیکھو سارقہ کا وہ قصیدہ جس میں اس نے ابوجہل کو مخاطب کیا ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے۔ ؎ ابا حکم واللہ لو کنت شاھدًا ٭ لامر جرادی اذا تسوخ قوائمہ۔

اس قصیدہ میں صاف اقرار موجود ہے۔

جو فوائد[1] حاصل ہو رہے ہیں کچھ بیان کیے جائیں۔ مگر چونکہ اس بحث سے چنداں تعلق نہیں رکھتے اور ان کے بیان میں طول بھی ہو گا اس لیئے اس بحث کو یہیں ختم کیا جاتا ہے۔

مبحث دوم

۱۔ تفاسیر موجودہ میں سب سے قدیم اور اقوال ائمہ تفسیر کو مع الاسناد لکھنے میں سب سے فائق تفسیر طبری ہے۔ اس کے مصنف امام محمد بن جریر کی وفات ۳۱۰ھ میں ہے لہذا سب سے پہلے انہیں کی عبارت لکھی جاتی ہے۔ اس آیت کے تحت میں فرماتے ہیں:۔

---

[1] مثلاً شیع الاولین کے تحت میں لفظ شیعہ پر کچھ لکھا جاتا کیونکہ شیعہ بڑے ناز و افتخار سے کہتے ہیں کہ ہمارا مذہبی نام قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے قولہ تعالیٰ وان من شیعتہ لابراھیم۔ ترجمہ۔ بہ تحقیق نوح کے شیعہ یعنی گروہ میں سے ابراہیم تھا اور ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارے مذہبی نام اہلسنت وجماعت کا کہیں سے ثبوت نہیں ملتا۔ جواب اس کا یہ ہے "اہلسنت وجماعت" کا ثبوت کتب اہلسنت میں احادیث نبویہ سے اور کتب شیعہ میں مثلاً نہج البلاغت اور احتجاج طبرسی میں ارشادات علویہ سے ہوتا ہے (دیکھو ہماری کتاب ابوالائمہ کی تعلیم) باقی رہا ان کا استدلال آیہ وان من شیعتہ لابراھیم سے یہ بالکل غلط استدلال ہے حضرت ابراہیم کا مذہبی نام شیعہ نہ تھا انہوں نے خود اپنا یہ نام رکھا نہ خدا نے ان کا یہ نام بتایا۔ بلکہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا مذہبی نام حنیف مسلم رکھا ہے۔ قولہ تعالیٰ ولکن کان حنیفا مسلما اور انہوں نے اپنے متبعین کا نام مسلم رکھا تھا۔ قولہ تعالیٰ ھو سماکم المسلمین من قبل قرآن مجید سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ دین میں تفرق و تشیع خدا کو نہایت ناپسند ہے۔ قولہ تعالیٰ ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شیء یعنی جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور شیعہ ہو گئے یعنی فرقے فرقے بن گئے اے نبی ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں اس آیت کے بعد لفظ شیعہ کو مذہبی نام کے طور پر استعمال کرنا مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا۔

یقول تعالیٰ ذکرہ انا نحن نزلنا الذکر وھو القرآن وانا لہ لحافظون من ان یزاد فیہ باطل مالیس منہ وینقص عنہ مما ھو منہ من احکامہ وحدودہ و فرائضہ والھاء فی قولہ من ذکر الذکر و بنحو الذی قلنا فی ذلک قال اھل التاویل۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بہ تحقیق ہم نے نازل کیا ذکر کو اور وہ ذکر قرآن ہے اور بہ تحقیق ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں اس بات سے کہ اس میں کوئی خلاف حق بات جو اس میں نہیں ہے بڑھا دی جائے اور جو چیز اس میں ہے وہ گھٹائی جائے۔ یعنی اس کے احکام اور اس کے حدود اور اس کے فرائض۔ اور لہٗ کی ضمیر ذکر کی طرف پھرتی ہے جو کچھ ہم نے اس بارہ میں کہا مفسرین نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔

ذکر من قال ذلک

حدثنی محمد بن عمرو قال بنا ابو عاصم قال بنا عیسیٰ وحدثنی الحارث قال بن الحسن قال بنا الورقاءُ وحدثنی الحسن قال بنا سبابہ قال بنا ورقاء وحدثنی المثنیٰ قال بنا ابو حذیفۃ قال بنا شبل عن ابی نجیح عن مجاھد فی قولہ وانا لہ لحافظون قال عندنا۔

اُن لوگوں کا نام جنہوں نے اس کو بیان کیا۔

مجھ سے محمد بن عمرو نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ابو عاصم نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے عیسیٰ نے بیان کیا نیز مجھ سے حارث نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے حسن نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ورقاء نے بیان کیا نیز مجھ سے حسن نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے سبابہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے ہم سے ورقا نے بیان کیا نیز مجھ سے مثنیٰ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ابو حذیفہ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شبل نے ابو نجیح سے انہوں نے مجاہد سے نقل کیا کہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے پاس[1] حفاظت کریں گے۔

---

[1] اپنے پاس حفاظت کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوح محفوظ میں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حدثنا القاسم قال ثنا الحسین قال حدثنی حجاج عن ابن جریج عن مجاهد مثلہ۔

ہم سے قاسم نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے حسین نے بیان کیا وہ کہتے تھے مجھ سے حجاج نے ابن جریج سے انہوں نے مجاہد سے اسی کے مثل نقل کیا۔

حدثنا بشیر قال ثنا یزید قال ثنا سعید عن قتادہ قولہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون قال فی اٰیۃ اخریٰ لایاتیہ الباطل والباطل ابلیس من بین یدیہ ولا من خلفہ فانزل اللہ ثم حفظہ فلا یستطیع ابلیس ان یزید فیہ باطلا ولا ینقص منہ حقا حفظہ اللہ من ذلک۔

ہم سے بشیر نے نقل کیا وہ کہتے تھے ہم سے یزید نے بیان کیا کہ ہم سے سعید نے قتادہ سے روایت کر کے بیان کیا انا لہ لحافظون کا وہی مطلب ہے جو دوسری آیت یعنی لایاتیہ الباطل کا ہے۔ اور باطل سے مراد ابلیس ہے اللہ نے قرآن کو نازل کیا پھر اس کی حفاظت کی پس ابلیس کی یہ طاقت نہیں ہے کہ قرآن میں کوئی غلط بات بڑھا دے اور نہ یہ طاقت ہے کہ اس سے کوئی حق بات کم کر دے اللہ نے اس سے قرآن کی حفاظت کی ہے۔

حدثنی محمد بن عبد الاعلیٰ قال ثنا محمد بن ثور عن معمر عن قتادہ وانا لہ لحافظون قال حفظہ اللہ من ان یزید فیہ الشیطان باطلا او ینقص منہ

مجھ سے محمد بن عبد الاعلیٰ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن ثور نے معمر سے انہوں نے قتادہ سے روایت کر کے بیان کیا کہ انا لہ لحافظون کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے قرآن کی حفاظت اس بات سے کی ہے کہ شیطان

(بقیہ) قرآن کی حفاظت کی جائے گی لوح محفوظ میں تو توریت و انجیل اور تمام کتابیں محفوظ ہیں لوح محفوظ میں تو انسانوں کی بنائی ہوئی کتابیں بھی محفوظ ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے پاس سے یعنی غیب سے قرآن کی حفاظت کا سامان مہیا کریں گے۔

حقائق

وقیل الہاء فی قولہ وانا لہ لحافظون من ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بمعنی وانا لمحمد حافظون ممن ارادہ بسوء من اعدائہ۔

اس میں کوئی خلاف حق بات بڑھادے یا کوئی حق بات اس سے کم کر دے۔ اور کہا گیا ہے کہ لہ کی ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے اور معنی یہ ہیں کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے والے ہیں ان دشمنوں سے جو اُن کے ساتھ برائی کرنا چاہیں۔ (تفسیر طبری مطبوعہ مصر جلد ۱۴ ص۶)

ف لہ کی ضمیر کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرنا اور بجائے قرآن کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت مراد لینا ابن جریر طبری کے نزدیک اس قدر لغو ہے کہ اس کو آخر میں ذکر کیا اور قائل کا نام بھی نہ بتایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ ایک مجہول قول ہے اور بہت ممکن ہے کہ یہ قول کسی شیعہ راوی کا ہو۔

۲۔ تفسیر جلالین میں جو ایک ملتزم الصحۃ تفسیر ہے اس آیت کے تحت میں ہے۔

انا نحن تاکید لاسم ان او فصل نزلنا الذکر القرآن وانا لہ لحافظون من التبدیل والتحریف والزیادۃ والنقص۔

انا نحن یہ لفظ یا تو ان کے اسم کی تاکید ہے یا ضمیر فصل ہے نزلنا الذکر ذکر سے مراد قرآن ہے انا لہ لحافظون یعنی ہم قرآن کی تبدیل وتحریف اور بیشی اور کمی سے حفاظت کرنے والے ہیں۔

۳۔ تفسیر مدارک التنزیل میں ہے:۔

انا نحن نزلنا الذکر القرآن و انا لہ لحافظون وھو رد لانکارھم واستھزاءھم فی قولھم یا ایھا الذی نزل علیہ الذکر ولذلک قال انا نحن فاکد علیھم انہ ھو المنزل علی القطع وانہ ھو الذی

بہ تحقیق ہم نے نازل کیا ذکر یعنی قرآن کو اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، یہ رد ہے کافروں کے انکار اور تمسخر کا جو انہوں نے کہا تھا کہ اے وہ شخص جس پر ذکر اتارا گیا (تو مجنون ہے) اس لیئے انا نحن فرمایا یعنی تاکیدی طور پر فرمایا کہ یقیناً وہی اللہ اس کتاب کا نازل

نزلہ محفوظا من الشیاطین و ہو حافظہ فی کل وقت من الزیادۃ والنقصان والتحریف و التبدیل بخلاف الکتب المتقدمۃ فانہ لم یتول حفظہا و انما استحفظہا الربانیین والاحبار فاختلفوا فیما بینہم بغیا فوقع التحریف ولم یکل القرآن الی غیر حفظہ وقد جعل قولہ وانا لہ لحافظون دلیلا علی انہ منزل من عند اٰیۃ اذ لو کان من قول البشر او غیر اٰیۃ لتطرق علیہ الزیادۃ والنقصان کما یتطرق علی کل کلام سواہ. او الضمیر فی لہ لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کقولہ واللّٰہ یعصمک.

کرنے والا ہے اور وہی اللہ نے جس نے قرآن کو شیاطین سے محفوظ کر کے نازل کیا اور وہی اس قرآن کا ہر وقت میں محافظ ہے زیادتی اور کمی اور تحریف اور تبدیل سے بخلاف اگلی کتابوں کے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت اپنے ذمہ نہیں لی تھی بلکہ ربانیین اور احبار کو ان کی حفاظت[1] کا ذمہ دار بنایا تھا۔ لہذا ان میں باہم بغاوت سے اختلاف پیدا ہوا اور تحریف پیدا ہو گئی۔ مگر قرآن کو خدا نے سوا اپنے حفاظت کے کسی کے سپرد نہ کیا اور اللہ نے اس حفاظت کی پیشین گوئی کو اس کے منزل من اللہ اور معجزہ ہونے کی دلیل قرار دیا۔ کیونکہ اگر وہ بشر کا کلام یا کلام اللہ ہوتا مگر معجزہ نہ ہوتا تو ضرور اس میں کمی بیشی ہو جاتی۔ جیسا کہ دوسرے کلاموں میں ہوتی رہتی ہے یا ضمیر لہ کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے اس صورت میں اس آیت کا مضمون واللّٰہ یعصمک من الناس کے مثل ہو جائے گا۔

ف صاحب جلالین نے تو اس قول مردود کو کہ لہ کی ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے ذکر ہی نہ کیا۔ کیونکہ وہ اپنے دیباچہ میں اپنا التزام ظاہر کر

---

[1] قرآن مجید کی کئی آیتوں میں اس کا بیان ہے کہ ہم نے تورات نازل کی اور علمائے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم اس کتاب کو حفاظت سے رکھو۔ ۴

چکے ہیں کہ اقوال ناپسندیدہ کو ذکر نہ کروں گا۔ مگر صاحب مدارک نے بوجہ عدم التزام مذکور کے اس قول کو ذکر تو کیا۔ مگر اس کو مؤخر اور آیت سے غیر مرتبط کر کے اس کی مرجوحیت ظاہر کر دی۔

۴۔ تفسیر رحمانی جلد اول صفحہ ۴۰۵ میں علامہ مہائمی لکھتے ہیں:۔

انا نحن نزلنا من مقام عظمتنا الذكر المعجز للجن والانس ويدل عليه امتناع تبديله انا له لحافظون اذ يظهر تبديله لكل ذكي.

بہ تحقیق ہم نے اپنے مقام عظمت سے اس ذکر کو جو جن و انس سب کو عاجز کر دینے والا ہے نازل کیا ہے اور اس کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں تبدیلی محال ہے کیونکہ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں اگر کوئی اس میں تبدیلی کرے تو ہر سمجھ دار پر ظاہر ہو جائے گی۔

۵۔ تفسیر معالم التنزیل میں امام محی السنۃ بغوی محدث لکھتے ہیں:۔

انا نحن نزلنا الذكر يعني القرآن وانا له لحافظون اي نحفظ القرآن من الشياطين ان يزيدوا فيه او ينقصوا او يبدلوا بغيره قال الله تعالى لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه والباطل هو ابليس لا يقدر ان يزيد فيه ما ليس منه ولا ان ينقص منه ما هو منه. وقيل الهاء في له راجعة الى محمد اي انا لمحمد لحافظون

بہ تحقیق ہم نے نازل کیا ذکر کو یعنی قرآن کو اور بہ تحقیق ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں یعنی ہم قرآن کی حفاظت کریں گے شیاطین (جن و انس) سے کہ وہ اس میں بڑھا دیں یا گھٹا دیں یا اس کے الفاظ و حروف کو بدل دیں (یہ آیت مثل اس دوسری آیت کے ہے کہ) فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ باطل قرآن کے پاس نہیں آسکتا نہ اس کے سامنے سے اور نہ اس کے پیچھے سے اور باطل سے مراد ابلیس ہے وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ قرآن میں وہ بات بڑھا دے جو قرآن میں نہیں ہے اور نہ یہ کہ قرآن کے کسی لفظ کو کم کر دے اور کہا گیا ہے کہ لہ کی ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے

ممن ارادہ بسوء کما قال جل ذکرہ واللہ یعصمک من الناس۔
یعنی ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کریں گے اُن لوگوں سے جو ان کے ساتھ برائی کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ اللہ جل ذکرہ نے فرمایا واللہ یعصمک من الناس یعنی اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔

۶۔ حافظ ابن کثیر محدث اپنی تفسیر مشہور بہ تفسیر ابن کثیر میں لکھتے ہیں :۔

ثم قرأ تعالیٰ انه هو الذی انزل علیه الذکر وهو القرآن وهو الحافظ له من التغییر والتبدیل ومنهم من اعاد الضمیر فی قوله تعالیٰ له لحافظون علی النبی صلی الله علیه وسلم کقوله والله یعصمك من الناس والمعنی الاول اولیٰ وهو ظاهر السیاق۔
پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ وہی اللہ ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ذکر یعنی قرآن نازل فرمایا۔ اور وہی اس ذکر کا تغییر و تبدیل (یعنی ہر قسم کی تحریف) سے محافظ ہے اور بعض اشخاص نے لہ کی ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیری ہے اور اس آیت کو مثل واللہ یعصمک من الناس کے قرار دیا ہے مگر پہلے معنی زیادہ بہتر ہیں اور ظاہر سیاق کے مناسب ہیں۔

ف۔ حافظ ابن کثیر نے تو اُس قول مجہول مردود کا مرجوح ہونا عبارت میں ظاہر کر دیا۔

۷۔ علامہ زمخشری جو لغت عرب کے مسلم الکل امام ہیں تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں :۔

ولذلك قال انا نحن فاکد علیهم انه هو المنزل علی القطع والبتات وانه هو الذی بعث به جبریل الی محمد صلی الله علیه وسلم وبین یدیه ومن خلفه رصدا حتی نزل بلغ محفوظا من الشیاطین وهو حافظه فی کل
اور اس لیے فرمایا کہ انا نحن یعنی تاکید فرمایا کہ اللہ ہی قرآن کا نازل کرنے والا ہے قطعاً و یقیناً اور وہی ہے جس نے جبریل کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور ان کے سامنے اور ان کے پیچھے نگہبان مقرر کیے یہاں تک کہ وہ نازل ہوئے اور انہوں نے قرآن کو شیاطین سے محفوظ ہونے کی حالت میں پہنچایا

وقت من كل زيادة ونقصان و تحريف وتبديل بخلاف الكتب المتقدمة فانه لم يتول حفظها وانما استحفظها الربانيين و الاحبار فاختلفوا فيما بينهم بغيا وكان التحريف ولم يكل القرآن الى غير حفظه فان قلت فحين كان قوله انا نحن نزلنا الذكر ردا لانكارهم واستهزائهم فكيف اتصل به قوله وانا له لحافظون قلت قد جعل ذلك دليلا على انه منزل من عنده اية لانه لو كان من قول البشر او غير اية لتطرق عليه الزيادة والنقصان كما تطرق على كل كلام سواه وقيل الضمير في له لرسول الله صلى الله عليه وسلم.

دیا اور وہی اللہ ہر وقت قرآن کا محافظ ہے ہر زیادتی اور کمی اور تحریف و تبدیل سے بخلاف اگلی کتابوں کے کہ اللہ نے اُن کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی اور صرف ربانیوں اور احبار سے اس کی حفاظت کرائی تھی تو ان میں باہم سرکشی سے اختلاف ہوا اور اسی اختلاف کی وجہ سے کتاب اللہ میں تحریف ہو گئی، مگر قرآن کو اللہ نے سوا اپنے حفظ کے کسی کے سپرد نہ کیا۔

اگر تم کہو کہ انا نحن نزلنا الذکر کفار کے انکار اور استہزاء کے جواب میں ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ قرآن کی حفاظت بیان کرنے کا کیا جوڑ ہے تو میں جواب دوں گا اللہ نے قرآن کی حفاظت کی پیشین گوئی اس کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل قرار دیا۔ کیونکہ اگر یہ انسان کا کلام ہوتا یا معجزہ نہ ہوتا تو یقیناً اس میں بیشی اور کمی ہو جاتی۔ جیسا کہ قرآن کے سوا دوسرے ہر کلام میں ہوتی رہتی ہے۔ اور کہا گیا کہ لہ کی ضمیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے۔

٨. تفسیر بیضاوی میں اسی آیہ کریمہ کے تحت میں ہے:۔

انا له لحافظون اى من التحريف والزيادة والنقص بان جعلناه معجزا مباينا لكلام البشر

بہ تحقیق ہم قرآن کے محافظ ہیں تحریف سے اور بیشی اور کمی سے اس طور پر کہ ہم نے اس کو معجزہ قرار دیا ہے انسانی کلام سے بالکل جدا

بحیث لا یخفی تغییر نظمه علی اهل الدین او نفی تطرق الخلل الیه فی الدوام لضمان الحفظ له کما نفی ان یطعن فیه بانه المنزل له وقیل الضمیر فی له للنبی صلی الله علیه وسلم.	ہے کہ اگر اس کی عبارت میں ذرا بھی تغیر کر دیا جائے تو اہلِ دین سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا یا (مطلب یہ ہے کہ) اللہ نے اس امر کی نفی فرمائی کہ کوئی خلل قرآن میں کبھی نہیں آ سکتا۔ کیونکہ ہم اس کے حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ جیسے کہ قرآن پر اعتراض کرنے کی نفی فرمائی۔ یہ کہہ کر ہم اس کے نازل کرنے والے ہیں اور کہا گیا ہے کہ لہ کی ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے۔

۹۔ تفسیر خازن میں اسی آیہ کریمہ کے تحت میں ہے:۔

وانا له لحافظون یعنی من الزیادة فیه والنقص منه و التغییر والتبدیل والتحریف فالقرآن العظیم محفوظ من هذه الاشیاء کلها لا یقدر واحد من جمیع الخلق من الجن والانس ان یزیدوا فیه او ینقصوا حرفا واحدا او کلمة واحدة وهذا مختص بالکتاب العزیز بخلاف سائر الکتب المنزلة فانه دخل علی بعضها تلك الاشیاء ولما تولی الله عزوجل حفظ ذلك الکتاب بقی مصونا علی الابد محروس من الزیادة والنقصان.	یقیناً ہم قرآن کے محافظ ہیں یعنی بیشی اور کمی اور تغیر و تبدل اور (ہر قسم کی) تحریف سے۔ پس قرآن عظیم ان تمام چیزوں سے محفوظ ہے تمام مخلوقات میں کوئی شخص خواہ انسان ہو یا جن نہ قرآن میں ایک حرف یا ایک کلمہ بڑھا سکتا ہے اور نہ گھٹا سکتا ہے اور یہ بات صرف اسی عزت والی کتاب کے ساتھ مخصوص ہے بخلاف دوسری آسمانی کتابوں کے کہ ان میں سے بعض میں یہ سب باتیں ہوئیں۔ اور چونکہ اللہ عزوجل نے اس کتاب کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی۔ اس لیئے یہ کتاب ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے بیشی اور کمی سے محفوظ اور محروس ہے۔

ثم قال بعد بیان القول بان الضمیر فی لہ یعود الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا ان القول الاول اصح واشہر وھو قول الاکثرین لانہ اشبہ بظاھر التنزیل ورد الکنایۃ الی اقرب مذکور اولی وھو الذکر واذ قلنا ان الکنایۃ عائدۃ الی القرآن وھو الاصح فاختلفوا فی کیفیۃ حفظ اللہ عزوجل للقرآن فقال بعضھم حفظہ بان جعلہ معجزا باقیا مباینا لکلام البشر فعجز الخلق عن الزیادۃ فیہ و النقصان منہ لانھم لو ارادوا الزیادۃ فیہ والنقصان منہ لتغیر نظمہ وظھر لکل عالم عاقل وعلموا ضرورۃ ان ذلک لیس بقرآن۔

پھر صاحب تفسیر خازن نے اس قول مردود کو کہ لہ کی ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے بیان کر کے لکھا ہے مگر پہلا قول زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے اور اکثر مفسرین اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ ظاہر عبارت قرآن کے مناسب وہی ہے اور ضمیر کا پھیرنا قریب سے قریب ذکر کی ہوئی چیز کی طرف اولیٰ ہے اور وہ قریب سے قریب چیز ذکر ہے اور بعد اس بات کے طے ہو جانے کے کہ ضمیر قرآن کی طرف پھرتی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ اللہ عزوجل قرآن کی حفاظت کس طرح کرتا ہے بعض کا قول ہے کہ حفاظت کی صورت یہ ہے کہ اللہ نے اس کو باقی رہنے والا معجزہ بنا دیا جو بشر کے کلام سے جدا ہے لہذا مخلوق اس میں بڑھانے گھٹانے سے عاجز ہو گئی۔ کیونکہ اگر کوئی اس میں بڑھانے گھٹانے کا ارادہ کرے تو اس کا نظم متغیر ہو جاتا ہے اور ہر عقلمند علم والے پر اس کا اظہار ہو جاتا ہے اور سب لوگ یقیناً جان لیتے ہیں کہ یہ قرآن نہیں ہے۔

۱۰۔ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔

الضمیر فی قولہ لہ لحافظون الی ماذا یعود فیہ قولان

لہ لحافظون کی ضمیر کس طرف پھرتی ہے اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ ذکر کی

ول انه عائد الى الذكر يعني نا نحفظ ذلك الذكر من التحريف الزيادة والنقصان ونظيره وله تعالى في صفة القرآن ياتيه الباطل من بين يديه لا من خلفه۔

طرف پھرتی ہے مطلب یہ ہے کہ ہم اس ذکر کی حفاظت کریں گے تحریف سے اور بیشی اور کمی سے اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا وہ قول ہے جو قرآن کی تعریف میں بیان فرمایا ہے کہ باطل اس کے پاس نہیں آسکتا نہ اس کے سامنے سے نہ اُس کے پیچھے سے۔

فان قيل لما اشتغلت الصحابة بجمع القرآن في المصحف وقد وعد الله تعالى بحفظه وما حفظه الله فلاخوف عليه الجواب ان جمعهم للقرآن كان من اسباب حفظه تعالى اياه فانه تعالى لما ان قيضهم لذلك۔

اگر کہا جائے کہ صحابہؓ قرآن کو مصحف میں جمع کرنے میں کیوں مشغول ہوئے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا جس چیز کی حفاظت خدا کرے اس کے لیے کیا خوف ہو سکتا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کا قرآن کو جمع کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی حفاظت[۱] کے اسباب میں تھا کیونکہ حفاظت کا وقت آیا تو اللہ نے ان کو اس کام پر آمادہ کر دیا۔

[۱] اہل اللہ کی عادت تدبیر یہ ہے کہ جب تک حق تعالیٰ کی طرف سے کسی معاملہ میں یہ ہدایت نہ ہو کہ اس معاملہ میں کسی تدبیر ظاہری کی ضرورت نہیں اس وقت تک اس عالم اسباب میں تدابیر ظاہری کو ترک نہیں کرتے حفاظت قرآن کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ خدا نے وعدہ حفاظت کا فرمایا مگر ترک تدبیر کا حکم نہیں دیا۔ جیسے دین اسلام کی ترقی و حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ مگر ترک تدبیر کا حکم نہ دیا۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تدابیر ظاہری کو ترک نہ فرمایا اور اخیر وقت تک کوشاں رہے یا جیسے حق تعالیٰ نے ہر جاندار کے لیے رزق کا ذمہ لیا۔ مگر ترک تدبیر کا حکم نہیں دیا۔ وغیر ذلک من الامثال الکثیرہ۔

(ثم قال بفصل يسير بعد بيان القول المجهول بان الضمير يعود اليه صلى الله عليه وسلم)

(پھر اس قول مجہول کو بیان کر کے کہ ضمیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے لکھتے ہیں کہ)

الا ان القول الاول ارجح القولين واحسنهما مناسبة بظاهر التنزيل والله اعلم.

مگر پہلا قول زیادہ قوی اور قرآن کی ظاہر عبارت کے زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

المسألة الثالثة اذا قلنا الكناية عائدة الى القران فاختلفوا فى انه تعالى كيف يحفظ القران قال بعضهم حفظه بان جعله معجزا مباينا لكلام البشر فعجز الخلق عن الزيادة فيه و النقصان عنه لانهم لو زادوا فيه او نقصوا عنه لتغير نظم القران فيظهر لكل العقلاء ان هذا ليس من القران فصار كونه معجزا كاحاطة السور بالمدينة لانه يحصنها ويحفظها وقال اخرون انه تعالى صانه وحفظه من ان يقدر احد من الخلق على معارضته وقال اخرون اعجز الخلق عن ابطاله و افساده بان قيض جماعة يحفظونه

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ بعد اس بات کے طے ہو جانے کے کہ ضمیر قرآن کی طرف پھرتی ہے اس میں اختلاف ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کی حفاظت کس طرح کرتا ہے بعض کا قول یہ ہے کہ حفاظت کی صورت یہ ہے کہ اللہ نے اس کو معجزہ قرار دیا اور انسانی کلام سے اس کو ممتاز کر دیا۔ لہذا مخلوق اس میں بیشی کمی کرنے سے عاجز ہو گئی کیونکہ اگر لوگ اس میں بیشی کمی کریں تو قرآن کا نظم بیان بدل جائے اور تمام عقلمندوں پر یہ بات کھل جائے کہ یہ قرآن نہیں ہے۔ لہذا اس کا معجزہ ہونا ایسا ہے جیسے شہر کے گرد شہر پناہ کہ وہ شہر کی حفاظت کرتی ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ اللہ نے قرآن کی حفاظت اس طرح کی کہ کوئی شخص اس کے مثل بنانے پر قادر نہ رہا اور بعض کا قول یہ ہے کہ اللہ نے مخلوقات کو قرآن کے فنا کرنے اور بگاڑنے سے عاجز کر دیا اس طریقے سے

ويد رسونه ويشهرونه فيما بين
الخلق الى اخر بقاء التكليف وقال
اخرون المراد بالحفظ هو ان احدا
لو حاول تغييره بحرف او نقطة
لقال له اهل الدنيا هذا كذب
وتغيير لكلام الله تعالى
حتى ان الشيخ المهيب لو اتفق
له لحن او هفوة فى حرف من
كتاب الله تعالى لقال له
كل الصبيان اخطاءت ايها الشيخ
وصوابه كذا وكذا فهذا
هو المراد بقوله وانا له
لحافظون واعلم انه
لم يتفق لشئ من الكتب مثل هذا
الحفظ فانه لا كتاب الا و
قد دخله التصحيف والتحريف
والتغيير اما فى الكثير منه او فى
القليل وبقاء هذا الكتاب مصونا
عن جميع جهات التحريف مع

کہ ایک جماعت کو اس بات پر آمادہ کر دیا
کہ وہ قرآن کو حفظ کرے اور اس کا درس
دے اور مخلوقات میں آخر دنیا تک اس
کی اشاعت کرتی رہے۔ اور بعض کا قول یہ
ہے کہ حفاظت سے مراد یہ ہے کہ اگر
کوئی شخص قرآن کے کسی حرف یا نقطہ کے
بدلنے کا ارادہ کرے تو ساری دنیا کے لوگ
کہہ دیں گے کہ یہ جھوٹ ہے اور اللہ تعالیٰ
کے کلام کی تبدیلی ہے یہاں تک کہ اگر کسی با
ہیبت استاد سے اتفاقاً کوئی غلطی یا لغزش
کتاب اللہ کے کسی حرف میں ہو جائے تو تمام
بچے کہہ دیں گے کہ اے استاد آپ نے غلطی کی
صحیح اس طرح ہے یہی مطلب اللہ تعالیٰ کے
قول وانا لہ لحافظون کا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اس
قسم کی حفاظت کسی کتاب کی نہیں ہوئی۔ کوئی
کتاب ایسی نہیں جس میں تصحیف و تحریف اور
تبدیلی نہ ہوئی ہو خواہ زیادہ خواہ کم اور اس
کتاب (یعنی قرآن مجید) کا تمام اقسام تحریف
سے محفوظ رہنا باوجودیکہ ملحدوں اور یہود و نصاریٰ[له]

له یہود و نصاریٰ اور دوسرے ملحدین قابو پاتے تو قرآن میں تحریف کرتے یا نہ کرتے مگر شیعہ اگر موقعہ پاتے تو
ضرور تحریف کر دیتے۔ وہ اپنی یا اپنے ائمہ کی تحریفات کو جو آج ان کی کتب میں موجود ہیں ضرور رائج کرتے
ہ گربہ مسکین اگر پر داشتے   تخم گنجشک از جہاں برداشتے

ن دواعی الملحدة والیهود والنصاری متوفرة علی ابطاله وافساده من اعظم المعجزات وایضا اخبر الله تعالیٰ عن بقائه محفوظا عن التغییر والتحریف وانقضی الآن قریبا من ستمائة سنة فکان هذا اخبار عن الغیب فکان ذلک ایضا معجزا قاهرا.

کی کوششیں اس کے مٹانے اور بگاڑنے پر بہت زیادہ ہیں بہت بڑا معجزہ ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے باقی رہنے کی اور تغییر و تحریف سے محفوظ رہنے کی خبر دی اور اب تک کہ قریب چھ سو برس کے گزر چکے یہ پیشین گوئی ایسی ہی وقوع میں آئی، لہٰذا یہ بھی ایک معجزہ قاہر ہے۔

ف. راقم الحروف کہتا ہے کہ اب تک تیرہ سو برس سے زائد گزر چکے اور کسی کو اس پیشین گوئی میں کلام کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

امام رازی نے اس کے بعد اس آیت سے شیعوں کے مقابلہ میں استدلال کرنے سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

المسألة الرابعة احتج القاضی بقوله انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون علی فساد قول الامامیة فی ان القرآن قد دخله التغییر والزیادة والنقصان، قال لانه لوکان الامر کذلک لما بقی القرآن محفوظا وهذا الاستدلال ضعیف لانه یجری مجری اثبات الشئ بنفسه فالامامیة الذین یقولون

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ قاضی نے اللہ تعالیٰ کے قول انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون سے استدلال کیا ہے فرقہ امامیہ کے اس قول کے فاسد ہونے پر کہ قرآن میں تبدیلی اور بیشی اور کمی ہو گئی ہے۔ قاضی نے کہا ہے کہ اگر ایسی بات تسلیم کر لی جائے تو پھر قرآن کا غیر محفوظ ہونا لازم آتا ہے۔ (جو اس آیت کے خلاف ہے) یہ استدلال صحیح نہیں کیوں کہ یہ اثبات شئے بنفسہ کے مثل ہے۔ یعنی قرآن کو قرآن

ان القرآن قد دخله التغيير و الزيادة والنقصان لعلهم يقولون ان هذه الآية من جملة الزوائد التي الحقت بالقرآن فثبت ان اثبات هذا المطلوب اثبات الشئ بنفسه وانه باطل والله اعلم۔

سے ثابت کرنا ہے۔ جو امامیہ[۱] کہ قرآن میں تبدیلی اور بیشی اور کمی کے قائل ہیں۔ شاید وہ یہ کہتے ہوں کہ یہ آیت منجملہ ان عبارتوں کے ہے جو قرآن میں بڑھائی گئی ہیں۔ لہذا اس مدعا کا اس آیت سے ثابت کرنا اثبات الشئ بنفسہ ہے۔ اور یہ استدلال[۲] غلط ہے۔

۱۱۔ تفسیر روح المعانی میں اسی آیہ کریمہ کے تحت میں ہے:۔

وانا له لحافظون اى من كل ما يقدح فيه كالتحريف والزيادة والنقصان وغير ذلك حتى ان الشيخ المهيب لو غير نقطة يرد عليه الصبيان ويقول له

بے تحقیق ہم قرآن کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ یعنی تمام ان چیزوں سے جو قرآن میں قدح کرنے والی ہوں۔ جیسے تحریف اور زیادتی اور کمی اور اس کے علاوہ جو چیز بھی ایسی ہو (قرآن کی محفوظیت کی یہ شان ہے کہ) اگر کوئی

۱؎ امام رازی کو بھی اس کی تحقیق نہ تھی کہ امامیہ کل کے کل قائل تحریف ہیں۔ یہ عقیدہ ان کا متفق علیہ عقیدہ ہے اور کیسے تحقیق ہوتی۔ جبکہ امامیہ اپنے مذہب کو اس کوشش کے ساتھ چھپاتے تھے جس کو سب جانتے تھے۔

۲؎ امام رازی صرف اسبات کو غلط کہہ رہے ہیں کہ امامیہ کے مقابلہ میں اس آیت سے استدلال کیا جائے نہ اسبات کو کہ اس آیت سے بطلان تحریف ثابت نہیں ہوتا۔ نہ یہاں یہ بحث ہے کہ عقیدہ تحریف کفر ہے یا نہیں۔ پھر جس چیز کو امام ممدوح غلط کہتے ہیں۔ اس کو بھی اس لیئے غلط کہتے ہیں کہ امامیہ اس آیت کو شاید کلام اللہ نہ مانتے ہوں۔ لیکن جب کہ وہ اس آیت کے الحاقی نہ ہونے کو تسلیم کرتے ہیں تو یہ استدلال بھی درست ہے۔

من كان الى رباب كتبها اوكذا
ثم قال بعد فصل) وقال
الحسن حفظه بابقاء شريعته الى
يوم القيامة وجوز غير واحد ان
يراد حفظه بالاعجاز فى كل
وقت كما يدل عليه الجملة
الاسمية من كل زيادة ونقصان
وتحريف وتبديل ولم يحفظ
سبحانه كتابا من الكتب كذلك
بل استحفظها جل وعلا
الربانيين والاحبار فوقع فيها
ما وقع وتولى حفظ القرآن
بنفسه فلم يزل محفوظا اولا
واخرا۔

باہیبت استاد ایک نقطہ کا بھی فرق کر دے
تو بچے اس پر اعتراض کر دیں گے اور ہر شخص
کہہ دے گا کہ صحیح یوں ہے (پھر چند سطور
کے بعد لکھتے ہیں کہ) حسن (بصری) نے کہا
ہے کہ قرآن کے حفاظت کی صورت یہ ہے
کہ اس کی شریعت قیامت تک باقی رکھی جائے
گی اور متعدد مفسرین نے بیان کیا ہے کہ قرآن
کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ بزور اعجاز
ہر وقت میں اس کی حفاظت کی جائے گی ہر
زیادتی اور کمی اور تحریف و تبدیل سے چنانچہ
جملہ اسمیہ اس پر دلالت کرتا ہے حق سبحانہ
نے اس طرح کسی کتاب کی حفاظت نہیں کی
بلکہ اگلی کتابوں کا محافظ خدا نے ربانیوں اور
احبار کو بنایا تھا، لہذا ان میں ہوا جو کچھ ہوا اور
قرآن کی حفاظت خود اپنے ذمہ لی، لہذا وہ
ہر زمانہ میں (ہر آفت سے) محفوظ رہا۔

ثم قال بعد فصل) ويعلم
مما قررنا ان ضمير له للذكر
واليه ذهب مجاهد وقتادة
والاكثرون وهو الظاهر۔

(پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں) ہماری تقریر
سے معلوم ہو گیا کہ له کی ضمیر ذکر کی طرف پھرتی
ہے یہی قول ہے مجاہد اور قتادہ اور اکثر
مفسرین کا اور یہی ظاہر ہے۔

۱۲۔ تفسیر سراج المنیر میں اسی آیہ کریمہ کے تحت میں ہے۔

انا نحن بما لنا من العظمة و
القدرة نزلناه اى بالتدريج على

بہ تحقیق ہم نے اپنی عظمت و قدرت کے ساتھ
نازل کیا یعنی بتدریج جبریل علیہ السلام کی زبان

لسان جبریل علیہ السلام الذکر القرآن وانا لہ لحافظون ای من التحریف والزیادۃ والنقصان ونظیرہ قولہ تعالیٰ ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا. فالقرآن العظیم محفوظا من ھٰذہ الاشیاء کلھا لا یقدر احد من جمیع الخلق من الجن والانس ان یزیدوا فیہ او ینقصوا منہ کلمۃ واحدۃ او حرفا واحدا ھٰذا مختص بالقرآن العظیم بخلاف سائر الکتب المنزلۃ فانہ قد دخل علی بعضھا التحریف و التبدیل والزیادۃ والنقصان

پر ذکر کو یعنی قرآن کو اور بہ تحقیق ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں یعنی تحریف اور زیادتی اور کمی سے اس کی نظیر حق تعالیٰ کا یہ قول ہے ولو کان من عند غیر اللہ. یعنی اگر قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت اختلاف ملتا۔ پس قرآن عظیم ان تمام چیزوں سے محفوظ ہے۔ کوئی شخص تمام مخلوقات میں سے جن ہو یا انسان یہ قدرت نہیں رکھتا کہ قرآن میں کوئی لفظ یا کوئی حرف بڑھا دے یا کوئی لفظ یا حرف گھٹا دے۔ یہ بات قرآن عظیم کے ساتھ مخصوص ہے بخلاف باقی کتب سماوی کے کہ بعض میں تحریف اور تبدیل اور بیشی کمی (سب کچھ) ہو گئی۔

(الی ان قال) وقیل الضمیر فی لہ راجع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والمعنی وانا لہ لحافظون ممن اراد بہ سوء.

(اس کے بعد لکھتے ہیں کہ) لہ کی ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے اور معنی یہ ہیں کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کرنے والے ہیں ان لوگوں سے جو ان کے ساتھ برائی کرنا چاہیں۔

۱۳۔ تفسیر غرائب القرآن میں ہے:۔

ثم انکر علی الکفار استھزائھم فی قولھم یا ایھا الذی نزل علیہ الذکر فقال علی سبیل التوکید انا

پھر اللہ نے کافروں کے اس استہزاء کا رد کیا جو یا ایھا الذی نزل علیہ الذکر میں ہے اور بطور تاکید کے فرمایا کہ بہ تحقیق ہم نے اس ذکر

نحن نزلنا الذکر ثم دل علی
کونه آیة منزلة من عنده
تعالی فقال وانا له لحافظون لانه
لو کان من قول البشر اولم یکن
آیة لم یبق محفوظا من التغییر
والاختلاف وقیل الضمیر فی له
لرسول الله صلی الله علیه وسلم
کقوله والله یعصمك من
الناس والقول الاول اوضح ووجه
حفظ القرآن قیل هو جعله معجزا
مباینا لکلام البشر حتی لو زاد
فیه شیئا ظهر ذلك للعقلاء
ولم یخف فلذلك بقی مصونا
عن التحریف وقیل حفظه
بالدرس والبحث ولم یزل
طائفة یحفظونه ویدرسونه
ویکتبونه فی القراطیس
باحتیاط بلیغ وجد کامل حتی
ان الشیخ المهیب لو اتفق له لحن
فی حرف من کتاب الله تعالی

کو نازل کیا ہے پھر اللہ نے یہ بتایا کہ قرآن
ایک معجزہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترا
ہے فرمایا کہ بہ تحقیق ہم اس کے محافظ ہیں کیونکہ
اگر وہ انسان کا کلام ہوتا یا معجزہ نہ ہوتا تو تغیر
اور اختلاف سے محفوظ نہ رہتا۔ اور کہا گیا
ہے کہ لہ ضمیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی
طرف پھرتی ہے۔ اس صورت میں مطلب وہی
ہوگا جو واللہ یعصمك من الناس کا ہے۔
مگر پہلا قول زیادہ واضح ہے اور قرآن کے
حفاظت کی صورت بعض مفسرین نے یہ بیان
کی ہے کہ اللہ نے اس کو معجزہ بنایا اور انسانی
کلام سے ممتاز کر دیا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی
اس میں کچھ بڑھا دے تو ضرور عقلمندوں پر
یہ بات ظاہر ہو جائے گی پوشیدہ نہ رہے
گی اسی وجہ سے قرآن تحریف سے محفوظ رہا۔
اور بعض نے کہا ہے کہ قرآن کے حفاظت کی
صورت یہ ہوئی کہ خدا نے اس کے پڑھنے اور
اس کی بحث و تحقیقات کا سلسلہ قائم کر دیا ہمیشہ
کچھ لوگ ایسے رہے جو قرآن کو حفظ کریں اور پڑھائیں۔
اور کاغذوں میں بڑی احتیاط اور بڑی محنت [1]

---

[1] اب چھاپے خانوں کی وجہ سے لکھنے کی وہ محنت تو نہ رہی مگر تصحیح کی محنت اب اس سے بھی زائد ہے۔ کاپی اور پروف اور مطابق کی تصحیح دو دو مرتبہ کی جاتی ہے یعنی ہر ورق کی تصحیح کم از کم چھ مرتبہ ہوتی ہے۔

لقال له بعض الصبيان اخطات
ومن جملة اعجاز القرآن و
صدقه انه سبحانه اخبر عن
بقائه محفوظا عن التغيير و
التحريف وكان كما اخبر
بعد تسع مائة سنه فلم يبق
للموحد شك فى اعجازه و
ههنا نكتة هى انه سبحانه تولى
حفظ القرآن ولم يكله الى غيره
فبقى محفوظا على مر الدهور
بخلاف الكتب المتقدمة فانه
لم يتول حفظها وانما استحفظها
الربانيين والاحبار فاختلفوا فيما
بينهم و وقع التحريف۔

سے لکھیں (قرآن کی محفوظیت) یہاں تک
ہے کہ اگر کوئی باہیبت استاد اتفاقاً کسی حرف
میں غلطی کرے تو بچے اس سے کہہ دیں گے کہ
تم سے غلطی ہوئی۔ اور قرآن کے معجزات اور
اس کی سچائی کی ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ
نے اس کے باقی رہنے اور تغیر و تحریف
سے محفوظ رہنے کی پہلے ہی سے خبر دے
دی اور آج نوسو برس گزرنے پر بھی وہ پیشین
گوئی سچی ہے لہٰذا موحد کو قرآن کے اعجاز
میں کوئی شک نہیں ہو سکتا یہاں ایک نکتہ
ہے کہ اللہ نے قرآن کی حفاظت خود اپنے
ذمہ لی اور اس کو اپنے غیر کے سپرد نہ کیا لہٰذا
وہ قرنہا قرن کے بھی بعد بھی محفوظ رہ گیا بخلاف
اگلی کتابوں کے اللہ نے ان کی حفاظت اپنے
ذمہ نہ لی ربانیوں سے اور احبار سے ان کی
حفاظت طلب کی لہٰذا ان میں باہم اختلاف
پڑا اور (اس اختلاف کی وجہ سے) تحریف ہوگئی۔

۱۴۔ تفسیر روح البیان میں ہے:۔

انا نحن نزلنا الذكر ذلك
الذكر الذى انكروه و انكروا
نزوله ونسبوك بذلك الى الجنون
وعموا منزله حيث بنوا الفعل
للمفعول ايماءً الى انه امر لا

بے تحقیق ہم نے نازل کیا اس ذکر جس کے یہ
لوگ منکر ہیں اور اس کے نزول کے بھی منکر ہیں
اور اسی وجہ سے آپ کو جنون کی طرف
منسوب کرتے ہیں اور اس کے نازل کرنے
والے کو گمنامی میں ڈال کر فعل مجہول کا استعمال

مصدر له فعل لا فاعل له
قال الکاشفی وذکر بمعنی
شرف نیز می آید یعنی این کتاب
موجب شرف خوانندگان است
یعنی فی الدنیا والآخرة کما قال تعالیٰ
بل آتیناهم بذکرهم اے بما فیه شرفهم
وعزتهم وهو الکتاب وانا له
لحافظون فی کل وقت من کل ما
لا یلیق به کالطعن فیه والمجادلة
فی حقیقته والتکذیب له و
الاستهزاء به والتحریف والتبدیل
والزیادة والنقصان و
نحوها وأما الکتب المتقدمة
فلما لم یتول حفظها واستحفظها
الناس تطرق الیها الخلل وفی
التبیان او حافظون له من
الشیاطین من وساوسهم
وتخالیطهم یعنی شیطان نتواند
که درو چیزے از باطل بیفزاید یا
چیزے از حق کم کند۔

کیا اس بات کو ظاہر کرنے کے لیئے کہ یہ ایک ایسا
کام ہے جس کا کوئی صادر کرنے والا نہیں اور ایک
ایسا فعل ہے جس کا کوئی فاعل نہیں۔ کاشفی نے بیان
کیا ہے کہ ذکر بزرگی کے معنی میں آتا ہے یعنی یہ
کتاب پڑھنے والوں کے لیئے بزرگی کا سبب
ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی جیسا کہ دوسری
آیات میں فرمایا بل آتیناھم بذکرھم یعنی ہم نے
ان کو وہ چیز دی جس میں ان کی بزرگی اور عزت
ہے اور وہ چیز کتاب اللہ ہے اور بہ تحقیق ہم
اس کے حفاظت کرنے والے ہیں ہر وقت
میں تمام اُن چیزوں سے [illegible] کے لائق نہ
ہوں۔ مثلاً اعتراضات سے اس کی حفاظت۔
اس کی حقانیت میں جھگڑنے سے حفاظت
تکذیب و استہزاء سے حفاظت تحریف اور
تبدیل اور بیشی اور کمی اور اسی کے مثل دوسری
چیزوں سے حفاظت۔ لیکن اگلی کتابوں کی
حفاظت چونکہ خدا نے اپنے ذمہ نہیں لی تھی
بلکہ لوگوں کو ان کا محافظ بنایا تھا اس لیئے ان
میں خلل آگیا۔ اور تبیان میں ہے کہ شیاطین سے
اور ان کے وسوسوں سے اور ان کے خلط
ملط کرنے سے حفاظت مراد ہے یعنی شیطان
یہ قدرت نہیں رکھتا کہ اس میں کوئی چیز از قسم
باطل بڑھا دے یا کوئی چیز از قسم حق اس میں

قال فی بحر العلوم حفظه ایاه	سے کم کر دے بحر العلوم میں ہے کہ قرآن کی
بالصرفة علی معنی ان الناس	حفاظت خدا نے اس طور پر کی کہ لوگ اس کی
کانوا قادرین علی تحریفه	تحریف اور کمی بیشی پر قادر رہتے جیسا کہ تورات
ونقصانه کما حرفوا التورٰیة	وانجیل میں انہوں نے تحریف کی مگر اللہ نے
والانجیل لکن الله صرفهم	اس کو اس سے باز رکھا یا اس طور پر حفاظت کی
عن ذلك او بحفظ العلماء و	کہ علماء کو حفاظت کی اور ان کتابوں کے تصنیف کرنے کی
تصنیفهم الکتب التی صنفرها	توفیق دی جو قرآن کے الفاظ معانی کی شرح میں
فی شرح الفاظه ومعانیه ککتب	تصنیف کی گئی ہیں مثل کتب تفسیر وقرأت
التفسیر والقراءة وغیر ذلك	وغیرہ کے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے
عن ابی هریرة قال رسول الله صلی	روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
الله علیه وسلم ان الله یبعث لهٰذه	فرمایا کہ اللہ اس امت کے لیئے ہر صدی کے
الامة علی رأس کل سنة	شروع میں ایسے شخص کو مقرر کرتا رہے گا
من یجدد لها دینها ذکره ابو داود	جو دین کی تجدید کرے اس حدیث کو ابو داؤد
فی سننه وفیما ذکر اشارة	نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے اور اس
الی ان القرآن ما دام بین الناس	میں اشارہ اسبات کی طرف ہے کہ قرآن
لا یخلوا وجه الارض عن المهرة	کو لوگوں کے درمیان میں ہمیشہ رہے گا اور
من العلماء والقراء والحفاظ وروی	کبھی روئے زمین قرآن کے علماء وقراء وحفاظ
انه یرفع القرآن فی آخر	سے خالی نہ ہوگا مروی ہے کہ اخیر زمانے
الزمان من المصاحف فیصبح	میں قرآن مصاحف سے اٹھا لیا جائے گا صبح
الناس فاذا الورق ابیض بلوح	کو لوگ دیکھیں گے تو یکایک مصحف کے
لیس فیه حرف ثم ینسخ القرآن	اوراق بالکل صاف ہوں گے مثل اس تختی کے
من القلوب فلا یذکر منه	جس پر کوئی حرف نہ ہو اس کے بعد قرآن
کلمة ثم یرجع الناس الی	دلوں سے بھی نکال لیا جائے گا کہ ایک کلمہ

الاشعار والاغانی واخبار الجاهلیة کما فی فصل الخطاب فعلی العاقل التمسک بالقرآن وحفظه نظماً ومعنی فان النجاة فیه۔

بھی اس کا یاد نہ ہوگا اس کے بعد لوگ اشعار کی طرف اور گانے بجانے کی چیزوں اور جاہلیت کی خبروں کی طرف متوجہ ہو جائیں گے یہ سب مضامین فصل الخطاب میں ہیں پس عقلمند کو لازم ہے کہ قرآن کے ساتھ تمسک کرے اور اس کی عبارت اور معنی کو یاد کرے نجات اس میں ہے۔

وفی الحدیث من استظهر القرآن خفف عن والدیه العذاب وان کان مشرکین وفی حدیث اقرؤا القرآن واستظهروه فان الله لا یعذب قلبا وعی القرآن۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص قرآن کو حفظ کرے اس کے والدین پر عذاب کی تخفیف ہو جاتی ہے اگرچہ وہ مشرک ہوں اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ قرآن کو پڑھو اور اس کو حفظ یاد کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دل کو عذاب نہ دے گا جس میں قرآن ہو۔

۱۵۔ علامہ ابوسعود اپنی تفسیر مشہور بہ تفسیر ابوسعود میں لکھتے ہیں:۔

انا نحن نزلنا الذکر رد لانکارهم التنزیل واستهزاءهم برسول الله صلی الله علیه وسلم بذلک وتسلیة له ای نحن بعظم شاننا وعلو جنابنا نزلنا ذلک الذکر الذی انکروه وانکروا نزوله علیک ونسبوک بذلک الی الجنون وعموا منزله حیث بنوا الفعل للمفعول ایماء الی انه

بہ تحقیق ہم نے نازل کیا ذکر کو۔ یہ رد ہے کافروں کی اسبات کا کہ وہ قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا انکار کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کی وجہ سے تمسخر کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے تسلّی ہے (مطلب آیت کا یہ ہے کہ) ہم نے اپنی عظمت شان اور برتری بارگاہ کے ساتھ اس ذکر کو جس کے یہ لوگ منکر ہیں اور آپ کے اوپر اس کے نزول کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ سے آپ کو جنون کی طرف منسوب

امر لا مصدر له وفعل لا فاعل له وانا له لحافظون من كل ما لا يليق به فيدخل فيه تكذيبهم له واستهزاءهم به دخولا اوليا فيكون وعيدا للمستهزئين واما الحفظ عن مجرد التحريف والزيادة والنقص وامثالها فليس بمقتضى المقام فالوجه الحمل على الحفظ من جميع ما يقدح فيه من الطعن فيه والمجادلة في حقيته ويجوز ان يراد حفظه بالاعجاز دليلا على التنزيل من عنده تعالى اذ لو كان من عند غير الله لتطرق عليه الزيادة والنقص والاختلاف.

کرتے ہیں اور اس کے نازل کرنے والے کا نام پوشیدہ کر کے فعل مجہول کا استعمال کرتے ہیں اس بات کے ظاہر کرنے کے لیے کہ یہ ایک ایسا کام ہے جس کا کوئی صادر کرنے والا نہیں اور ایک ایسا فعل ہے جس کا کوئی فاعل نہیں اور یقیناً ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں یعنی تمام ان چیزوں سے جو اس کے لائق نہ ہوں۔ ان نالائق چیزوں میں سب سے پہلی چیز تو ان کی تکذیب اور ان کا تمسخر ہے لہذا یہ آیت تمسخر کرنے والوں کے لیے وعید ہے اور صرف تحریف اور بیشی اور کمی اور اسی قسم کی چیزوں سے حفاظت مراد لینا اس مقام کے مناسب نہیں پس بہتر یہ ہے کہ تمام ان چیزوں سے حفاظت مراد لی جائے جو قرآن کے لیے موجب اعتراض اور اس کی حقانیت میں جھگڑنے کا باعث ہوں اور ہو سکتا ہے کہ قرآن کی حفاظت بذریعہ اعجاز کے مراد لی جائے تاکہ یہ حفاظت اس کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل ہو جائے کیونکہ اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو ضرور اس میں بیشی اور کمی اور اختلاف ہو جاتا۔

وفي سياق الجملتين من الدلالة على كمال الكبرياء والجلالة وعلى فخامة شان التنزيل ما لا يخفى وفي ايراد

ان دونوں جملوں کے سیاق میں حق تعالیٰ کی کمال کبریا اور جلالت اور قرآن مجید کی شان کی عظمت کا اظہار ہے یہ بات مخفی نہیں ہے — اور دوسرے جملہ کو جملہ اسمیہ لانے میں دلیل

الثانية بالجملة الاسمية دلالة
على دوام الحفظ والله سبحانه
اعلم وقيل الضمير المجرور
للرسول صلى الله عليه
وسلم كقوله والله يعصمك من

اس بات کی ہے کہ قرآن کی حفاظت ہمیشہ
ہمیش رہے گی۔ واللہ سبحانہ اعلم۔ اور کہا گیا
ہے کہ ضمیر مجرور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
کی طرف پھرتی ہے۔ اس صورت میں مطلب
وہ ہوگا جو واللہ یعصمک من الناس کا ہے۔

۱۶۔ علامہ قرطبی[1] اپنی تفسیر جامع احکام القرآن کی جلد ۹ ورق ۱۰۱ میں فرماتے ہیں:۔

انا نحن نزلنا الذكر يعني
القرآن وانا له لحافظون من
ان يزاد فيه او ينقص منه قال
قتادة وثابت البناني حفظه
الله من ان تزيد فيه
الشياطين باطلا وتنقص منه
حقا فتولى سبحانه حفظه فلم
يزل محفوظا وقال في غيره بما
استحفظوا فوكل حفظه اليهم
فبدلوا وغيروا۔ وقيل انا له
لحافظون اي لمحمد من
ان يتقول علينا او يتقول عليه

بہ تحقیق ہم نے نازل کیا اس ذکر کو یعنی قرآن کو
اور بہ تحقیق ہم اس کی حفاظت کرنے والے
ہیں اس بات سے کہ اس میں بڑھایا جائے
یا اس سے گھٹایا جائے۔ قتادہ اور ثابت
بنانی نے کہا ہے کہ اللہ نے اس کی حفاظت
کی ہے اس بات سے کہ شیاطین اس میں
کوئی خلاف حق بات بڑھا سکیں یا اس سے
کوئی حق بات گھٹا سکیں۔ حق سبحانہ نے قرآن
کی حفاظت خود اپنے ذمہ لی، لہٰذا وہ ہمیشہ
کے لیے محفوظ رہا۔ قرآن کے سوا دوسری
کتابوں کے لیے اللہ نے فرمایا بما استحفظوا
یعنی ان کتابوں کی حفاظت انسانوں کے سپرد

---

[1] تفسیر قرطبی کا ایک قلمی نسخہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے کتب خانہ دار العلوم ندوہ میں ہے اور سنا گیا ہے کہ ایک نسخہ اس کا دنیا میں اور ہے۔

اذا نالہ لحافظون من ان یوذی او یقتل نظیرہ واللہ یعصمک من الناس۔

کی گئی الہٰذا انہوں نے ان میں تغیر و تبدل کر دیا اور کہا گیا ہے کہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ ہیں اس بات سے کہ وہ ہم پر افترا کریں یا اس بات سے کہ ان پر افترا کیا جائے یا اس بات سے کہ ان کو ایذا پہنچائی جائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں۔ اس کی نظیر واللہ یعصمک من الناس ہے۔

۱۷۔ علامہ طنطاوی اپنی تفسیر الجواہر[1] کے جلد ۸ صفحہ ۱۰ میں لکھتے ہیں:۔

انا نحن نزلنا الذکر الخ انما انتم قوم مکذبون ضالون مستھزؤن بنبینا فلیس استھزاءکم بضارہ لاننا نحن نزلنا القرآن ونحن حافظوہ تقولوا انہ مجنون و نقول انا نحفظ الکتاب الذی انزلناہ علیہ من الزیادۃ و النقص والتغییر والتبدیل و والتحریف والمعارضۃ وابطالہ وانسادہ وسنقیض لہ علماء فی الاجیال المقبلۃ یتولون

بتحقیق ہم نے نازل کیا اس ذکر کو تم لوگ تکذیب کرنے والے اور گمراہ اور ہمارے نبی کے ساتھ تمسخر کرنے والے لوگ ہو مگر تمہارا تمسخر ان کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں تم ان کو مجنون کہو مگر ہم کہتے ہیں کہ ہم اس کتاب کی حفاظت کریں گے جو ہم نے ان پر نازل کی ہے زیادتی اور کمی اور تغیر و تبدل اور ہر قسم کی تحریف سے۔ اور اس بات سے کہ کوئی اس کے مثل بنا سکے اور اس کو فنا کر سکے یا اس کو بگاڑ سکے۔ اور عنقریب ہم علماء کو آئندہ نسلوں میں آمادہ کریں گے کہ اس کی حفاظت کا کام کریں اور لوگوں کو

[1] یہ تفسیر قریب زمانہ کی لکھی ہوئی ہے یورپ کے علوم رائج الوقت کو مدنظر رکھ کر یہ تفسیر لکھی گئی مصر میں چھپ رہی ہے۔ تیرہ جلدیں چھپ کر آ چکی ہیں جن میں سورۂ یوسف تک کی تفسیر ہے۔

حفظه ویذبون عنه ویدعون	اس کی طرف دعوت دیں اور لوگوں کے لئے
الناس الیه وسیخرجون	ان علوم کو ظاہر کریں جو اس میں پوشیدہ ہیں۔ تاکہ
للناس ماکمن فیه من العلوم	(قرآنی تعلیم) زمانہ حال کے مناسب ہو جائے
لیناسب العصر الذی هو فیه	اور تاکہ روشن خیال بننے والے لوگ اس کی
لیقبل علیه المتنورون ویقرأه	طرف متوجہ ہوں اور بے علم لوگ اور علم حاصل
الجهلاء والمتعلمون فیما تیمة	کرنے والے لوگ اس کو پڑھیں پس (اب
نبتکم ایاه للجنون فلا	بتاؤ کہ) تم نے جو اس کو مجنون کہا۔ اس کہنے کی
تبتئس یا محمد بما یقولون۔	کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے لہذا اے محمد (صلی
	اللہ علیہ وسلم) آپ ان کی باتوں سے رنجیدہ نہ
	ہوں۔

بالفعل صرف ان سترہ تفسیروں کی عبارتوں پر اکتفا کی جاتی ہے ساابھی بہت سی تفسیریں مشہور و غیر مشہور باقی ہیں جن میں اکثر عربی میں ہیں اور بعض فارسی یا اردو میں جن کو بخیال طول نہیں لیا گیا۔

تفاسیر منقولہ کی عبارتوں سے حسب ذیل امور معلوم ہوئے۔

۱۔ ذکر سے باجماع مفسرین قرآن مجید مراد ہے۔

۲۔ له لحافظون میں له کی ضمیر ائمہ مفسرین نے ذکر کی طرف پھیری ہے۔

۳۔ له کی ضمیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرنا ایک قول مجہول و مردود ہے۔

۴۔ آیت مذکورہ باجماع مفسرین قرآن مجید کے آخر بقائے دنیا تک تمام ان اشیاء سے محفوظ رہنے پر دلالت کرتی ہے جو اس کی شان کے لائق نہ ہوں جن میں ایک چیز تحریف بھی ہے۔

۵۔ باجماع مفسرین قرآن مجید کا تحریف وغیرہ سے محفوظ رہنا ایک معجزہ ہے۔ جو قرآن مجید کے ساتھ مخصوص ہے۔

۶۔ صورت حفاظت میں مفسرین کے اقوال مختلف و متعدد ہیں یعنی یہ کہ قرآن مجید کی حفاظت حق تعالیٰ نے کس طریقہ سے کی۔ انشاء اللہ اس کے متعلق قول فیصل مبحث چہارم میں بیان ہوگا۔

مبحث سوم

شیعہ صاحبان کو قرآن مجید سے کچھ ایسی عداوت اور نفرت ہے کہ قرآن مجید کے نام ہی سے ان کو پریشانی پیدا ہو جاتی ہے۔ بالکل وہی حالت ہے کہ اہل مکہ اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے، مگر اللہ کے ذکر سے ان کو بہت بے چینی[1] ہوتی تھی۔

یہی سبب ہے کہ شیعوں نے قرآن مجید کے محرّف و مشکوک بنانے کے لیے صدیوں تک اپنی متفقہ قوتیں اور بے نظیر تدبیریں صرف کیں جن کا ناکام[2] رہنا خدا کی قدرت

---

[1] سورۂ زمر میں اسی بے چینی کا بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ اذا ذکر اللہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لایومنون واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون۔ *

[2] اس ناکامی کے بعد شیعوں نے یہ کوشش کی کہ قرآن کو معمّی اور چیستاں قرار دیا جائے اور یہ باور کرایا جائے کہ قرآن کا سمجھنا صرف امام معصوم کا کام ہے کہ کوئی غیر معصوم قرآن کو کسی طرح سمجھ ہی نہیں سکتا۔ مگر حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کوشش کو بھی رائیگاں کر دیا قبلۃ المجتہدین مولوی دلدار علی اساس الاصول کے صد۱۹ پر علامہ محمد تقی کا قول نقل کرتے ہیں کہ استشھد المصنف بالآیات تبعا للاصحاب وان لم یکن من داب الاخباریین فان الظاھر من کلامھم انھم یقولون ما نفھم کلام اللہ تعالیٰ حتی نستدل بہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کو ہم نہیں سمجھتے نہ اس سے استدلال کر سکتے ہیں۔ اس عبارت میں یہ قول اخباری شیعوں کا بیان کیا گیا ہے مگر درحقیقت یہ قول اخباری اور اصولی دونوں قسم کے شیعوں کا ہے۔ چنانچہ سہیل لکھنؤ نہ معلوم کتنی مرتبہ لکھ چکا ہے کہ قرآن کا سمجھنا انہیں لوگوں کا کام ہے جن کے گھر قرآن اترا۔ *

کے سوا اور کچھ نہیں کہا سکتا۔

خصوصیت کے ساتھ دو مضمون کی آیتوں سے ان کو بہت ہی پریشانی اور نہایت ہی بے چینی ہوتی ہے۔ اوّل وہ کہ جن میں سرور انبیار صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا مضمون ہے یا بالفاظ دیگر آپ کی ذاتِ اقدس کو قیامت تک کے لیے افتراض طاعت اور قیام حجتِ الٰہیہ کا واحد مرجع قرار دیا گیا ہے اور آپ کے اتباع کو نجاتِ آخرت اور خوشنودیٔ رب العزت کے لیئے کافی فرمایا گیا۔ دوم وہ کہ جن میں قرآن مجید کا عام فہم اور واجب الاتباع ہونا یا تا قیام قیامت اس کے موجود اور تمام آفات و تفریحات سے محفوظ رہنے کی پیشین گوئی کی گئی ہو۔ کیونکہ ان دونوں قسم کی آیتوں سے اُن کے مذہب کو ضرب[لہ] شدید پہنچتی ہے۔

(لہ) اس لیئے کہ مذہب شیعہ کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ ان دو چیزوں کو اگرچہ شیعہ تولّا[۱] اور تبرّا[۲] کی خوبصورت لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر حقیقت شناس لوگ جانتے ہیں۔ کہ ان دو لفظوں کے اندر کیسا زہر ہلاہل پوشیدہ ہے۔ مسئلہ تولّا کا مقصدِ اصلی ختم نبوت کا انکار ہے۔ اور مسئلہ تبرّا کا مقصدِ اصلی قرآن مجید سے بغاوت و انحراف ہے۔ تولّا کے پردہ میں محبتِ اہلبیت کا نام لے کر بارہ اشخاص کو اس قدر بڑھایا جاتا ہے اور ان کی اس قدر مدح سرائی کی جاتی ہے کہ وہ ہر بات میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسر اور ہم رتبہ ہو جاتے ہیں اور ختم نبوت ایک لفظِ بے معنی رہ جاتا ہے۔ دیکھو ہمارا رسالہ الخامس من المائتین اور تبرّا کے پردہ میں صحابہ کرام کو (جو قرآن مجید کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دلائل نبوت اور تعلیماتِ نبوت کے چشم دید گواہ ہیں غیر معتبر قرار دے کر) قرآن مجید کو مشکوک و ناقابل اعتبار بنایا جاتا ہے۔ پس جب مذہب شیعہ کی بنیاد ختم نبوت کے انکار اور قرآن مجید کی عداوت و بغاوت پر ہے تو جن آیتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت اور قرآن مجید کے وجوب اطاعت کا ثبوت ہوتا ہے۔ ان سے مذہب شیعہ پر ضرب لگنا ضروری ہے۔ ۵

الغرض الذکر مضمون کی آیتوں میں ایک آیت یہ بھی ہے۔ لہٰذا اس کے متعلق اُن کی حیرانی و پریشانی جس قدر بھی ہو حق بجانب ہے۔ اگر موافق اس آیت کے قرآن مجید کو ہر قسم کی تحریف و تبدیل سے محفوظ مانتے ہیں۔ تو مذہب شیعہ ہاتھ سے جاتا ہے اور اگر آیت کا انکار کرتے ہیں تو اسلامی فرقوں کی فہرست سے نام خارج ہوتا ہے کچھ بنائے نہیں بنتی۔ اسی وجہ سے اس آیت کی تفسیر میں اُن کے اقوال اس قدر پراگندہ اور اس قدر متضاد ہیں کہ بہت حیرت ہوتی ہے۔

کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جو حفاظت قرآن مجید کی بیان کی گئی ہے اُس سے مراد یہ ہے کہ لوحِ محفوظ میں قرآن مجید کی حفاظت کی جائے گی۔

کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ غار میں امام غائب کے پاس قرآن مجید بحفاظت موجود ہے یہی حفاظت اس آیت میں مراد ہے۔

کوئی صاحب ان سب سے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ آیت میں قرآن کی حفاظت کا تذکرہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت مراد ہے ذکر سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے۔

غرضکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ یہ تمام مختلف اقوال شیعوں کی تفسیروں اور اُن کے مجتہدین کی تصنیفات میں موجود ہیں۔ اور دورِ قدیم میں ایڈیٹران "الشمس" "النجم" کے مقابلہ میں پیش کر چکے ہیں۔

قبلہ شیعہ مولوی فرمان علی نے اپنے ترجمۂ قرآن کے حاشیہ میں ان سب اقوال کو جمع کر دیا ہے۔ لہٰذا یہاں صرف انہیں کی عبارت کا نقل کر دینا کافی ہے:۔

ملاحظہ ہو ترجمہ فرمان علی مطبوعہ لکھنؤ ص ۴۱۷ میں اسی آیت کے حاشیہ پر ہے:۔

"ذکر سے ایک تو قرآن مراد ہے جس کو میں نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے۔ تب نگہبانی کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کو ضائع و برباد نہ ہونے دیں گے پس اگر تمام[1] دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا اپنی اصلی حالت پر باقی ہو تب

---

[1] قبلۂ شیعہ کا مطلب یہ ہے کہ امام غائب کے پاس ایک نسخہ اصلی قرآن کا (بقیہ ص ۵۲ پر)

بھی یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ محفوظ ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ
اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ ظاہر[۱] ہے کہ اس
زمانہ تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات[۲] ہو گئے کم سے کم اس میں تو شک[۳] ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱) اپنی اصلی حالت پر موجود ہے اور امام غائب اسی دنیا میں ہیں۔ لہذا وعدہ خداوندی کے پورا ہونے کے لیئے اسی قدر کافی ہے۔ مگر اس کا کیا جواب ہے کہ امام غائب کا موجود ہونا نہ ہونا مخلوق کے حق میں یکساں ہے وجود بے سود سے بے منفعت چوں عدم کسی کی رسائی نہ ان کے پاس تک نہ ان کے قرآن تک ؎

غضب کے ہیں لیے مومنو یہ مصائب امام اور قرآن دونوں ہیں غائب

لہذا لوح محفوظ کے اندر موجود ہونے میں اور ایسے امام غائب کے پاس موجود ہونے میں کوئی فرق نہیں اور آیت میں ایسی حفاظت ہرگز مراد نہیں ہو سکتی جس کا کوئی نفع نہ ہو۔ ایسی حفاظت کا تذکرہ کفار کے سامنے کیا معنی رکھتا ہے اور ایسی حفاظت تو تمام کتب کی ہے قرآن کی کیا تخصیص۔ توریت بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سینۂ اقدس میں محفوظ ہے۔ توریت کو چھوڑیئے قرآن مجید بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ انور میں محفوظ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اپنی قبر اطہر میں مسلمانوں کے نزدیک امام غائب جیسے سیکڑوں کے وجود سے اعلیٰ و ارفع ہے

حواشی صفحہ ھذا

[۱] آپ سچ کہہ رہے ہیں اپنی اپنی نظر ہے۔ آپ کے نزدیک یہ ظاہر ہے۔ مگر مسلمانوں کے نزدیک بلکہ با انصاف غیر مسلموں کے نزدیک بھی قطعاً خلاف واقع ہے۔ بلکہ قرآن مجید کا ہر قسم کے تغیرات سے محفوظ رہنا ظاہر بلکہ اظہر ہے۔ ۱۲

[۲] اللہ اکبر ایک تغیر نہیں بلکہ تغیرات بصیغۂ جمع۔ نعوذ باللہ من ھذا الکفر الفضیح۔ ۱۲

[۳] ایمان کے خلاف جتنی باتیں ہیں خواہ وہ کیسی ہی بے بنیاد ہوں آپ کے فرقہ کو ان میں شک کیسے ہو سکتا ہے۔ بقول خواجہ حافظ ؎

ما مریداں رو بسوی کعبہ چوں آریم چوں رو بسوی خانہ خمار دارد پیر ما ۱۲

نہیں کہ ترتیب بالکل[1] بدل دی گئی اور یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر ہر[2] فرد کو محفوظ رکھیں گے۔ کیونکہ اس زمانہ میں چھاپہ خانوں کی کثرت سے روزانہ سیکڑوں ہزاروں اوراق قرآن کے برباد کیئے جاتے ہیں۔ دوسرے ذکر سے مراد جناب رسالت مآب ہیں تب یہ مطلب ہوگا کہ کفار کے شر سے خدا تم کو محفوظ رکھے گا۔

اور اس لفظ ذکر سے خدا نے حضرت رسولؐ کو دوسرے[3] مقام پر یوں

---

[1] مجتہد صاحب نے بالکل کا لفظ اس لیئے بڑھایا کہ ترتیب کی چار قسمیں ہیں۔ ترتیبؐ سور ترتیبؐ آیات۔ ترتیبؐ کلمات۔ ترتیبؐ حروف ان چاروں قسم کی ترتیب کا بدل جانا اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

[2] ایسا خلاف عقل مطلب نہ کسی نے کبھی مراد لیا اور نہ لے سکتا ہے۔ ایسی فرضی باتوں کے ابطال میں کوشش کرنا خاص شیوہ اہل باطل کا ہے۔

[3] قبلۂ شیعہ کا استدلال بتا رہا ہے کہ اس دوسرے مقام میں لفظ ذکر سے رسولؐ کا مراد ہونا متفق علیہ ہے۔ حالانکہ یہ خالص فریب ہے اہلسنت نے وہاں بھی لفظ ذکر سے رسولؐ کو مراد نہیں لیا نہ کوئی ذی ہوش مراد لے سکتا ہے کیونکہ لفظ انزل اس کے مناسب نہیں رسولؐ کے لیئے بعث یا ارسال کا لفظ آتی ہے نہ کہ انزال کا۔ ذکر سے مراد وہاں بھی قرآن ہے اور رسول سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس۔ اب رہی یہ بات کہ ذکرا اور رسولا کے درمیان میں واو کیوں نہ آیا۔ یہ شبہ لغت عرب کی ابتدائی کتابوں سے دفع ہو جاتا ہے تعداد کے طور پر متعدد اشیاء کا ذکر بغیر حرف عطف کے ہوا کرتا ہے۔ عرب کا محاورہ ہے اشتریت دارا جاریة بساطا دیکھو تین چیزوں کا ذکر بغیر حرف عطف کے ہوگیا۔ اسی طرح آیت میں ذکرا اور رسول دو چیزوں کا تذکرہ بغیر حرف عطف وارد ہوگیا۔ لطف یہ ہے کہ خود قبلۂ شیعہ نے اس دوسری آیت کے ترجمہ میں لفظ ذکر سے قرآن ہی مراد لیا ہے چنانچہ اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں "خدا نے تمہارے پاس اپنی یاد (قرآن) اور اپنا رسول (بقیہ صفحہ ۵۴ پر)

یاد کیا ہے۔ قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا یتلوا علیکم ایت اللہ الآیۃ ۔

یہ ہے شیعوں کی سراسیمگی کا ایک عمدہ نمونہ کہ ایک صاف و صریح آیت کو کس طرح پیچ در پیچ مغالطوں میں ڈال کر خبط کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی ایک معجزہ نمایاں قرآن مجید کا ہے کہ اس آیت کا انکار نہیں کیا گیا ورنہ آیت کا انکار کر دینا بہ نسبت ان دور دراز کار تاویلات کے زیادہ سہل تھا۔

قرآن مجید کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ شیعوں کے بھی چند علماء کو اس آیت کی صحیح تفسیر اختیار کرنی پڑی۔ اگرچہ یہ لوگ ان چار اشخاص میں سے ہیں۔ جو تحریف قرآن کے منکر کہے جاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ طبرسیؒ[1] تفسیر مجمع البیان میں اسی آیت کریمہ کے تحت میں لکھتے ہیں۔

ثم زاد سبحانه فی البیان	پھر اللہ سبحانہ نے اور زیادہ صاف بیان کیا
فقال انا نحن نزلنا الذکر وانا له	اور فرمایا کہ بے شک ہم نے نازل کیا ہے ذکر
لحافظون عن الزیادة والنقصان	کو اور بے شک ہم بیشی اور کمی اور ہر قسم کی
والتحریف والتغییر عن قتادة و	تحریف و تغیر سے اس کے محافظ ہیں یہ تفسیر
ابن عباس ومثله لا یاتیه الباطل	قتادہ اور ابن عباس سے منقول ہے اور اسی
من بین یدیه ولا من خلفه و	کے مثل وہ آیت ہے کہ باطل قرآن کے پاس
قیل معناه نتکفل بحفظه الی اخر	نہیں آ سکتا نہ اس کے آگے نہ اس کے پیچھے سے

(بقیہ ص۵۳) بھیجا ہے جو تمہارے سامنے واضح آیتیں پڑھتا ہے (دیکھو ترجمہ فرمان علی ص۸۹۳ سورہ طلاق پارہ ۲۸) اب قبلۂ شیعہ سے یا ان کا نام لینے والوں سے پوچھو کہ یہ کیا ہوا تم تو کہتے تھے کہ لفظ ذکر سے مراد رسول ہیں۔ یہ ہے خدا کی قدرت کا کرشمہ۔

[1] شیعوں میں صرف چار اشخاص نے تحریف کی جمیع اقسام کا انکار کر کے اہل سنت کی طرح قرآن مجید پر اپنا ایمان ظاہر کیا ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ان چاروں کا انکار از راہ تقیہ ہے انہیں چار میں تفسیر مجمع البیان کا مصنف بھی ہے۔

الدھر علی ما ھو علیه فتنقله الامة فتحفظه عصراً بعد عصر الیٰ یوم القیامة لقیام الحجة به علی الجماعة من کل من لزمته دعوة النبی صلی الله علیه واٰله وسلم عن الحسن وقیل نحفظه من کید المشرکین فلا یمکنهم ابطاله ولا یندرس ولا ینسیٰ عن الجبائی وقال الفراء یجوز ان یکون الھاء فی له کنایة عن النبی صلی الله علیه واٰله وسلم فکانه قال انا نزلنا القراٰن وانا لمحمد لحافظون۔

اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اخیر زمانہ تک قرآن کی حفاظت کریں گے جیسا ہے ویسا ہی رہے گا امت اس کو نقل کرتی رہے گی۔ اور قرناً بعد قرن قیامت تک اس کی حفاظت کرے گی تاکہ اس سے تمام ان لوگوں پر جن کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پہنچ چکی ہے حجت قائم رہے یہ تفسیر حسن بصری سے منقول ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہم مشرکوں کے کید سے قرآن کی حفاظت کریں گے تاکہ قرآن کے مٹانے پر ان کو قدرت نہ ہو اور قرآن نہ مٹے نہ فراموش ہو یہ تفسیر جبائی سے منقول ہے اور فراء نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ لہٗ کی ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے گویا اللہ نے یوں فرمایا کہ ہم نے قرآن کو نازل کیا اور یقیناً ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ ہیں۔

ف اس مفسر نے بڑی صفائی کے ساتھ دو آیات قرآنیہ کی بابت تصریح کر دی ہے کہ وہ قرآن مجید کے جمیع اقسام تحریف سے محفوظ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ حالانکہ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اس مفسر کا بھی تحریف قرآن سے انکار مبنی بر تقیہ ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جمہور شیعہ کے عقیدہ میں یہ قرآن مجید جو آج مسلمانوں کے پاس ہے اور ہر زمانہ میں یہی قرآن مجید مسلمانوں کے پاس رہا محرف ہے اور تحریف کی جتنی قسمیں ہو سکتی ہیں سب اس قرآن میں ہوئی ہیں یعنی اس میں کمی بھی ہوئی ہے جا بجا سے آیتیں اور سورتیں نکال ڈالی گئیں اور اس میں زیادتی بھی ہوئی ہے جا بجا انسانی کلام اس میں شامل کر دیا گیا ہے اور اس میں الفاظ و حروف کی تبدیلی بھی ہوئی ہے اور

اس کی ترتیب[۱] بھی خراب کر دی گئی ہے۔ ترتیب کی چار قسمیں ہیں۔ اول ترتیب سورتوں کی۔ دوم ترتیب آیتوں کی۔ سوم ترتیب کلمات کی۔ چہارم ترتیب حروف کی۔ کتب شیعہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ چاروں قسم کی ترتیب بگاڑ دی گئی۔ اگر صرف سورتوں کی ترتیب میں کلام کیا جاتا تو چنداں خرابی نہ تھی۔ کیوں کہ ہر سورت بجائے خود مستقل چیز ہے۔ اس کے تقدم و تاخر سے مقصود کلام پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ بخلاف باقی تین ترتیبوں کے کہ کچھ ان سے مقصود کلام کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔

شیعوں کی کتابوں کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے محرف ثابت کرنے کے لیے انہوں نے جس قدر اہتمام کیا ہے اس کا عشر عشیر بھی کسی اور مسئلہ میں نہیں کیا۔ اس اہتمام کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ آج ان کی معتبر کتابوں میں ائمہ معصومین سے زائد از دو ہزار روایات تحریف قرآن منقول ہیں اور تحریف کی نفی میں ایک روایت بھی کسی امام سے ان کی کسی کتاب میں نہیں[۵]۔

پھر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شیعوں کے یہاں اختلاف روایت کی یہ شدت ہے کہ عقائد سے لے کر اعمال تک ایک مسئلہ ایسا نہیں ہے جس میں ائمہ کے مختلف فتوے منقول نہ ہوں۔ حتیٰ کہ مسئلہ امامت جس پر مذہب شیعہ کی بنیاد بیان کی جاتی ہے اور اسی وجہ سے شیعہ اپنے کو امامیہ کہلانا بہت پسند کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ بھی اختلاف سے

---

[۵] قرآن کی تعریف جن روایات میں ہے ان سے نفی تحریف ثابت نہیں ہو سکتی۔ بدو وجہ اول یہ کہ ممکن ہے کہ یہ روایات بحالت تقیہ ہوں ہر طرف مسلمانوں کی حکومت قائم تھی لہذا ائمہ نے دیکھا کہ قرآن کی تعریف نہ کی جائے تو لوگ مار ڈالیں گے۔ دوم یہ کہ ممکن ہے کہ یہ تعریفیں اسی قرآن کی ہوں جو ائمہ کے پاس تھا اور اب بقول شیعہ بارہویں امام کے پاس غار سر من رائے میں ہے اور اصلی بات یہ ہے کہ جس صراحت و صفائی کے ساتھ تحریف کا بیان ہے اسی صراحت و وضاحت کے ساتھ نفی تحریف کی روایات ہوتیں تو یہ کہنا صحیح ہوتا کہ نفی کی روایات اصلی کتب شیعہ میں ہیں۔

محفوظ نہیں۔ اس چیز کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بے شک عقیدۂ تحریف قرآن کے برابر کسی چیز کا اہتمام مذہب شیعہ میں نہیں۔ عقیدہ تحریف قرآن ہی مذہب شیعہ کی بنیاد ہے اس لیئے بنیادی چیز اختلاف سے محفوظ ہے۔

ایک دوسری چیز یہ بھی کم عجیب و غریب نہیں ہے کہ شیعوں کے یہاں علماء کا اختلاف بھی انتہائی کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اکابر علمائے شیعہ نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ "ہمارے اصحاب کا اختلاف دیکھو تو ابوحنیفہ و شافعیؒ و مالکؒ کے اختلاف سے زائد پاؤ گے،، حتیٰ کہ مسألہ امامت بھی اس اختلاف سے نہ بچ سکا اور خود اصحاب ائمہ اس میں باہم مختلف رہے۔ لیکن ایک اور صرف ایک عقیدۂ تحریف قرآن ہے جو اس اختلاف سے بھی محفوظ ہے۔

اصحاب ائمہ اس مسألہ میں ذرہ برابر اختلاف نہیں رکھتے۔ باقی رہے ان کے بعد کے علماء تو ان میں بھی آج تک سوا گنتی کے چار اشخاص کے کوئی پانچواں ایسا نہیں جو تحریف قرآن کی تمام اقسام کا منکر ہو۔

چار اشخاص یہ ہیں۔ شیخ صدوق۔ ابنؒ بابویہ قمی۔ شریفؒ مرتضیٰ۔ ابوؒعلی طبرسی مصنف تفسیر مجمع البیان۔

یہ چار اشخاص بے شک قرآن مجید کو ہر قسم کی تحریف سے پاک کہتے ہیں اور تحریف کی چاروں قسموں کے منکر ہیں مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ انکار از راہ تقیہ ہے بوجوہ ذیل :-

۱. اپنی زائد از دو ہزار روایات تحریف کا کوئی جواب نہیں دیتے۔ کہتے ہیں کہ وہ سب روایات ضعیف ہیں۔ لیکن ضعیف ہونے کی وجہ نہیں بیان کرتے۔

۲. اپنی تائید میں کوئی حدیث امام معصوم کی نہیں پیش کرتے۔ بلکہ اہل سنت کے دامن میں پناہ لے کر صحابہ کرام کی دینداری اور جاں نثاری سے استدلال کرتے ہیں اور اپنی روایات صحیحہ کے خلاف لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی جمع و ترتیب کا کام خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم انجام دے گئے تھے۔

۴۔ یہ چاروں اشخاص خود اپنے کو تو منکر تحریف قرار دیتے ہیں، مگر قائلین تحریف کو کافر نہیں کہتے۔ بلکہ ان کو اپنا پیشوا اور اپنے مذہب کا محدث مانتے ہیں۔

یہ تینوں باتیں ان چار اشخاص کے اقوال کا از راہ تقیہ ہونا پورے طور پر ظاہر کر رہی ہیں۔ اسی وجہ سے علمائے شیعہ نے ان چار اشخاص کے اقوال کو نہیں مانا۔ اور خوب رد کیا ہے۔ جیسا کہ تفسیر صافی اور فصل الخطاب کے دیکھنے سے واضح ہے۔

ایک تازہ حوالہ یہ ہے مولانا رشید الدین خاں صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شوکت عمریہ میں قرآن مجید سے متعہ کا حرام ہونا ثابت کر کے شیعوں کے اس عذر کو کہ قرآن محرف ہے۔ انہیں چار اشخاص کے اقوال سے باطل کیا تھا۔ اس کے جواب میں شیعوں کے مجتہد اعظم مولوی سید محمد ضربت حیدریہ جلد دوم ص۶۳ میں فرماتے ہیں:۔

تقلید سید مرتضیٰ غیر لازم فان الحق احق بالاتباع ولم یکن السید علم الھدایۃ معصوما حتیٰ یجب اتباعہ۔

مجتہد صاحب موصوف نے اسی سلسلہ میں یہاں تک لکھ دیا کہ اسی قرآن کی جو آیت ہمارے مسلک کے خلاف ہوگی۔ اس آیت پر ہمارے یہاں عمل کرنا جائز نہیں ان کے اصلی الفاظ ضربت حیدریہ جلد دوم ص۶۳ پر حسب ذیل ہیں:۔

"بنا بریں اگر در بعض مقامات ہرگاہ بسبب قرائن قویہ واخبار امامیہ ترتیب منافی اصل مراد باشد یا بعض آیات بر خلاف معنی متفق علیہ بین الطائفۃ الحقہ دلالت داشتہ باشد۔ دراں ہنگام تشبث وتمسک باں ترتیب وآں آیہ[1] جائز نخواہد بود۔

دیکھئے کس قدر صفائی کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ اگر بعض آیات قرآنیہ ہمارے

---

[1] اگر خدا نخواستہ اہلسنت کا کوئی عالم ایسا لفظ قرآن مجید کی شان میں لکھتا تو متفقہ فتویٰ اس کے کفر وارتداد کا ہو جاتا۔

متفق علیہ مسائل کے خلاف ہوں گے تو ان آیات پر عمل جائز نہ ہوگا۔

بھلا اہلسنت یا کسی اسلامی فرقہ کی زبان سے ایسا لفظ نکل سکتا ہے۔ حاشا وکلا ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ یقیناً ہر مسلمان کہہ دے گا کہ آیت قرآنی کے خلاف جو مسالہ بھی ہو خواہ وہ مسالہ کیسا ہی متفق علیہ کیوں نہ ہو قطعاً مردود ہے اور اس ناپاک مسالہ کا قائل یا جاہل ہے یا زندیق۔

ایک عجیب بات

شیعوں کا اصلی مذہب اور اصلی عقیدہ تو قرآن مجید کے متعلق یہی ہے جو بیان ہو چکا، مگر ایک عجیب بات یہ ہے کہ جس شیعہ سے پوچھیئے وہ یہ کہتا ہوا ملے گا کہ میں تحریف قرآن کا قائل نہیں اور میرا ایمان قرآن مجید پر ہے۔ اس چیز کو سوا اس کے کہ قرآن مجید کا ایک معجزہ کہا جائے یا قرآن مجید کا ایک رعب و دبدبہ سمجھا جائے اور کس بات پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

علمائے اہلسنت اکثر و بیشتر شیعوں کے اس زبانی اظہار سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور شیعوں کو مومن بالقرآن سمجھتے ہیں۔

لیکن خدا کی قدرت بھی عجیب درعجیب ہے۔ باوجودیکہ ہر شیعہ زبان سے اپنے کو منکر تحریف کہتا ہے پھر بھی اس کی زبان سے تحریف قرآن کا اقرار بھی اس صفائی کے ساتھ نکل جاتا ہے کہ وہ خود بھی متحیر ہو کے رہ جاتا ہے کہ یہ کیا ہوا۔ میں جس چیز سے بھاگنا چاہتا تھا اسی میں گھر گیا۔ اس کی مثال میں سید علی نقی صاحب مجتہد پیش کیے جا سکتے ہیں۔ جنہوں نے ایک خاص رسالہ اس موضوع پر لکھا ہے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی ہے اور اس رسالہ میں بڑے زور شور سے انہوں نے شیعوں کے مومن بالقرآن ہونے کا دعوے کیا ہے۔ اور شروع رسالہ میں قرآن مجید کی تعریف بھی بہت کچھ لکھی ہے۔ لیکن پھر بھی اپنا عقیدہ نہیں چھپا سکے۔

چنانچہ رسالہ مذکورہ کے صفحہ ۱۸ میں فرماتے ہیں:۔

قرآن مجید کے متعلق دو جز ایسے ہیں جو علمائے شیعہ میں نقطہ اتفاق ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن مجید میں زیادتی نہیں ہوئی ہے اور موجودہ کلام الہٰی اور وحی آسمانی ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآن کی ترتیب اصلی سلسلہ نزول کے مطابق نہیں اور اس میں تقدیم و تاخیر ہوئی ہے۔ لیکن اس کے بعد کسی اور قسم کی تحریف کے متعلق علماء کا نقطۂ خیال مختلف ہو گیا ہے۔

دیکھیے کس صفائی کے ساتھ اقرار کر لیا کہ ایک قسم کی تحریف یعنی ترتیب کا اُلٹ پلٹ ہو جانا تمام شیعوں میں متفق علیہ ہے۔ کوئی شیعہ اس کا منکر نہیں۔ لہٰذا یہ بات کیسی سچی ہو گئی کہ عقیدۂ تحریف قرآن شیعوں کا متفقہ عقیدہ ہے[ف]۔ کوئی شیعہ ایسا نہیں ہو سکتا جو تحریف کی جمیع اقسام کا منکر ہو۔

ف ایک بات اس مقام پر اور بھی ہے وہ یہ کہ جب بقول مجتہد صاحب تحریف کی ایک قسم یعنی خرابی ترتیب تمام شیعوں کا متفق علیہ عقیدہ ٹھہرا۔ تو اب تحریف کی بعض اقسام کو مختلف فیہ قرار دینا اور زیادتی کا سرے سے انکار کر جانا آپ کے لیئے کیا مفید ہو سکتا ہے۔

جو خرابیاں کمی اور تبدیلی اور زیادتی میں ہیں کیا خرابی ترتیب میں اس سے کم خرابیاں ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہی خرابیاں سب یہاں بھی ہیں۔ ایک مقام کی آیتیں دوسرے مقام پر لگادی گئیں۔ جہاں سے وہ آیتیں نکالی گئیں۔ وہاں کا مطلب بھی خراب ہوا اور جہاں وہ لگائی گئیں وہاں کا مفہوم بھی بدل گیا اور خرابی ترتیب کے مقامات معین بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا سارا قرآن مشکوک ہو گیا۔ بلکہ سچ ہے کہ اس طرح ترتیب کلام کو اُلٹ پلٹ کر دینے کے بعد ہرگز اس کو کلام الہٰی نہیں کہہ سکتے۔ ۱۲ منہ

ش

مبحث چہارم

خداوند کریم نے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ یہ ایک عظیم الشان انعام اور مخصوص امتیاز اس امتِ مرحومہ کے لیے ہے اور بوجہ ایک زبردست پیشین گوئی ہونے کے ایک معجزہ بھی ہے۔ لیکن حق تعالیٰ نے جو صورت اپنے اس وعدہ کے پورا کرنے کے لیے اختیار فرمائی وہ بہت ہی زیادہ عجیب اور بہت ہی بڑا معجزہ ہے۔

حق تعالیٰ کی قدرت میں تھا کہ اپنے وعدہ کے پورا کرنے کے لیے یہ صورت اختیار فرماتا کہ قرآن مجید کے متعدد نسخے متعدد پہاڑوں کی اونچی اور مضبوط چٹانوں پر دستِ قدرت سے کندہ ہو جاتے اور قیامت تک وہ چٹانیں باقی رہتیں۔ جب انسانی افراد یعنی قوم ثمود کے تراشے ہوئے مکانات اب تک مدائن صالح میں موجود ہیں۔ تو قدرت کے کندہ کیے ہوئے نقوش کا قیامت تک باقی رہ جانا بعید از عقل بھی نہ تھا۔ یہ بھی قدرت میں تھا کہ قرآن مجید جواہر کی تختیوں میں نقش کیا ہوا اترتا۔ جیسے توریت اتری تھی۔ اور بعد میں وہ تختیاں فضائے ہوا میں معلق ہو جاتیں اور قیامت تک معلق رہتیں۔

یہ بھی قدرت میں تھا کہ قرآن مجید فضائے ہوا میں ہم سے ہزاروں میل کے فاصلہ پر اتنے بڑے بڑے حروف میں منقش ہو جاتا کہ ضعیف البصر لوگ بھی باآسانی یہاں سے بیٹھے بیٹھے پڑھ لیتے اور رات کو ان نقوش میں ایسی چمک پیدا ہو جاتی۔ جیسی کہ آفتاب یا ماہتاب میں ہے کہ رات کو بھی قرآن مجید کی تلاوت ہو سکتی۔

یہ آخری صورت سب سے زیادہ عمدہ تھی کہ وہاں تک انسان کا ہاتھ ہی نہ پہنچتا تحریف کون کر سکتا یا فنا کون کر سکتا، مگر حق تعالیٰ نے ان جیسی تمام صورتوں کو جو تحتِ قدرۃ تھیں، ترک فرما کر وہ صورت اختیار فرمائی جو اس کے فاعل با اختیار اور مالک باقتدار ہونے پر سب سے زیادہ روشن دلیل بن سکے۔ یعنی حق تعالیٰ نے قرآن مجید کو اسی عالم کون و فساد میں انہیں انسانوں کے ہاتھ میں رکھا۔ جہاں اور جن ہاتھوں میں کسی چیز کا تھوڑے

دونوں بھی ایک حالت پر قائم رہنا گویا محالات سے ہے۔ یہاں ہر چیز کے لیئے ہر وقت تغیر لازم ہے اور اسی تغیر کو دیکھ کر بڑے بڑے حکما و فلاسفہ کو حدوث عالم کا سراغ لا جس سے منطق کی یہ شکل اول بدیہی الانتاج تیار ہوئی کہ العالم متغیر وکل متغیر حادث۔

اسی عالم میں قرآن مجید کو رکھ کر کس جلال و جبروت کے ساتھ اعلان کر دیا کہ انا له لحافظون۔ اور انہیں انسانوں کو اس کی حفاظت کا آلہ بنایا۔ یہ ہے کمال قدرت کا عجیب در عجیب ظہور ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ اند ⁂ باز مے گوئید دامن ترمکن ہشیار باش

یہ دنیا عالم اسباب ہے یہاں باستثنائے شاذ و نادر جو کام ہوتے ہیں وہ سبب و مسبب کے سلسلہ میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا حق تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کے لیئے متعدد اسباب مہیا فرمائے۔ اور ہر ہر سبب کو اس قدر قوت تاثیر عطا فرمائی کہ ایک ہی سبب ان میں سے مراد الٰہی کے پورا کرنے کے لیئے کافی تھا۔ واللہ غالب علی امرہ۔

قرآن مجید کی حفاظت کے لیئے جو اسباب وجود میں آئے۔ ان کا مطالعہ بھی بجائے خود ایک بڑی چیز ہے۔ ان میں سے چند چیزوں کا تذکرہ سرسری طور پر درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

۱۔ ازاں جملہ یہ کہ صاحب القرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وقت میں مبعوث فرمایا جب کہ کتابت اور آلات کتابت[۱] کا رواج عام[۲] تھا اور آپ کو حکم دیا کہ آپ[ؐ] کے انتخا

---

[۱] آلات کتابت سے مراد کاغذ۔ قلم۔ روشنائی۔ عہ

[۲] رواج عام کا ثبوت خود قرآن مجید سے ہوتا ہے۔ یہودیان مدینہ کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ توریت کو کاغذوں پر لکھا کرتے تھے۔ قولہ تعالیٰ تجعلونه قراطیس قرض کے معاملات کو لکھ لینے کا حکم قرآن مجید میں ہے۔ قولہ تعالیٰ ولیکتب بینکم کاتب بالعدل خود قرآن مجید کے متعلق ارشاد ہوا کہ اساطیر الاولین اکتتبها۔ اس قسم کے بہت سے آیات (بقیہ صہ ۶۳ پر)

یں جو لوگ لکھنا نہ جانتے ہوں اُن کو اس فن کی تعلیم[1] دلایئے۔

۲۔ اور از انجملہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ملک میں مبعوث فرمایا جہاں کے لوگ قوت حافظہ میں ضرب المثل تھے۔ بڑے بڑے طولانی قصیدے ایک دفعہ سننے سے اُن کو یاد ہو جاتے تھے۔ عرب کے شاخ در شاخ قبائل کے انساب کا یاد رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ مگر وہ ان کے لیئے نہایت سہل تھا۔ اس طرح یاد رکھتے تھے کہ کیا ممکن کہ کہیں غلطی ہو جائے۔ انسانوں کے انساب کا کیا ذکر، اُونٹوں اور گھوڑوں کے نسب ان کے نوک زبان پر رہتے تھے۔

۳۔ اور از انجملہ یہ کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ قرآن مجید کی کتابت کا خاص اہتمام کریں۔ کتابت[2] وحی کا ایک خاص امتیازی عہدہ قائم کیا جائے۔ نازل ہونے کے بعد لکھوانے میں ذرا بھی[3] دیر نہ فرمائیں اور لکھے ہوئے اجزاء کو روزانہ صبح اور شام دونوں وقت

(بقیہ حاشیہ ص ۶۲) قرآن مجید میں ہیں اور روایات تو حد شمار سے باہر ہیں۔ ۱۲

[۳] چونکہ انبیاء علیہم السلام جو کام کرتے ہیں حکم خداوندی سے کرتے ہیں۔ اس لیئے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کو حکم الٰہی سے تعبیر کیا ہے۔ ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] چنانچہ غزوہ بدر میں جب کفار قید ہو کر آئے تو جو لوگ ان میں لکھنا جانتے تھے ان کے لیئے آپ نے فدیہ بھی مقرر کیا کہ آپ کے اصحاب کو کتابت سکھا دیں۔ ازواج مطہرات بھی کتابت جانتی تھیں۔ ۱۲ [۲] چنانچہ کتابت وحی کا عہدہ ایک ایسا ممتاز عہدہ تھا کہ محدثین اس کو بڑے اہتمام سے فضائل صحابہ میں ذکر کرتے ہیں۔ جہ [۳] چنانچہ مسند احمد اور ابوداؤد و ترمذی اور مستدرک حاکم وغیرہ میں روایت ہے کہ فکان اذا نزل علیه الشئ یدعوا بعض من یکتب عنده فیقول ضعوا هذا فی السورة التی یذکر فیها کذا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب آپ پر کوئی وحی نازل ہوتی تو آپ جو کاتب وحی اس وقت موجود ہوتا اس سے فرماتے کہ اس کو فلاں سورت میں لکھ دو اور یہی وجہ تھی کہ اس وقت اگر کاغذ موجود نہ ہوا تو کاغذ کے منگانے کا انتظار بھی نہ کیا جاتا تھا بلکہ شانے کی ہڈی یا پتھر یا جو چیز بھی اس وقت میسر ہوتی اس پر لکھوایا جاتا تھا

خود[۱] سننے کا معمول قرار دیں اور لکھنے کے لیئے اپنے اصحاب میں ایسے لوگوں کو متعین کریں جو بہت[۲] زیادہ محتاط اور متدین اور باعزت ہوں اور یہی حکم دیا کہ متعدد[۳] اشخاص اس کام پر مقرر کیئے جائیں۔ تاکہ کوئی نہ کوئی ہر وقت آپ کے پاس موجود رہے اور نازل شدہ آیت یا سورت کے لکھنے میں کسی لکھنے والے کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ اور اپنے اصحاب کو منع کر دیں۔ کہ سوا قرآن مجید کے اور کوئی چیز از قسم احادیث وغیرہ نہ لکھیں[۴]

---

[۱] یہ بات قرآن مجید ہی سے ثابت ہے۔ قولہ تعالیٰ اکتتبہا فھی تملی علیہ بکرۃ واصیلا یعنی کفار کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلوں کے قصے لکھوا لیئے ہیں اور وہ ان کو صبح و شام سنائے جاتے ہیں۔ ۱۲

[۲] مطلق کتابت میں خواہ وہ وحی نہ ہو بلکہ خطوط وغیرہ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت دیانت دار و امانت دار شخص سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ احادیث میں ہے کہ کان لایستکتب الا امینا صادقا اور پھر کتابت وحی میں تو خاص اہتمام تھا۔ قرآن مجید میں بھی کاتبان وحی کی امانت و دیانت کی خدا نے تعریف فرمائی ہے۔ قولہ تعالیٰ فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ مطھرۃ بایدی سفرۃ کرام بررۃ یعنی یہ نصیحت ان صحیفوں میں ملے گی جو باعزت بلند مرتبہ اور پاکیزہ ہیں اور ان لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں جو بزرگ اور نیکو کار ہیں۔ ۱۲

[۳] چنانچہ متعدد کاتبان وحی آپ کے تھے جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ خلفائے اربعہ حضرت زبیرؓ بن عوام۔ حضرتؓ خالد بن سعید اور حضرتؓ خالد بن سعید۔ حضرتؓ ابی بن کعب۔ اور حضرتؓ حنظلہ ابن ربیع اور حضرتؓ زید بن ثابت اور حضرتؓ معیقیب اور حضرتؓ عبداللہ بن ارقم اور حضرتؓ شرحبیل ابن حسنہ اور حضرتؓ عبداللہ بن رواحہ اور ان کے علاوہ اور بھی ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ۱۲

[۴] مقدمہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاتکتبوا عنی الا القرآن یعنی مجھ سے سوا قرآن کے اور کچھ نہ لکھو۔ یہی وجہ تھی کہ بعض صحابہ جو آپ کی احادیث کو لکھ کر یاد کرتے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ وہ یاد کرنے کے بعد اس نوشتہ کو ضائع کر دیا کرتے تھے۔ ۱۲

تاکہ آئندہ نسلوں کو اگر کوئی نوشتہ اس وقت کا دستیاب ہو جائے تو کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو۔

۴۔ اور ازاں جملہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ قرآن مجید کے تلاوت کی خود بھی کثرت کریں اور اپنے اصحاب کو بھی کثرت تلاوت کی ترغیب دیں اور اعلان فرما دیں کہ قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب یہ ہے کہ ہر ہر حرف کی تلاوت پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں اور یہ بھی اعلان فرمادیں کہ حرف سے لفظ مراد نہیں ہے الم ایک حرف نہیں ہے بلکہ تین حرف ہیں۔

چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت تلاوت اور تلاوت کے وقت میں آپ کی محویت[ل] تعجیب چیز تھی ہی، آپ کے صحابہ کرامؓ کی کثرت تلاوت اور قرآن مجید کے ساتھ ان کا شغف اور ان کی محویت کچھ کم ولولہ آموز نہ تھی۔

۵۔ اور ازاں جملہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ قرآن مجید حفظ کرنے کی تاکید فرمائیں اور حفظ کرنے کے ثوابات کا اعلان دیں اور حفاظ قرآن کی عزت کریں زندہ کی بھی مردہ کی بھی۔

۶۔ اور ازاں جملہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ نماز جو اجل معالم دین سے

[ل] چنانچہ سفر و حضر میں جو مشغولیت آپ کو تلاوت قرآن میں ہوتی تھی احادیث سے ثابت ہے حتیٰ کہ سفر ہجرت جیسے خطرناک سفر میں بھی آپ اونٹ پر بیٹھے ہوئے تلاوت فرما رہے تھے اور اس قدر محویت کے ساتھ کہ سراقہ تعاقب کے لیئے پہنچ گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کئی بار آپؐ سے عرض کیا کہ کفار آگئے۔ مگر آپ کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ آخر میں جب حضرت صدیقؓ نے کہا کہ بالکل قریب آگئے اس وقت آپ متوجہ ہوئے۔ حضرت صدیقؓ کا شغلہ تلاوت قرآن مجید کا اپنے مکان کے سامنے چبوترہ پر قبل ہجرت بڑا عظیم الشان واقعہ ہے۔ جس پر کفار مکہ سخت مزاحم ہوئے۔ مگر حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ میں اس کام کو ترک نہ کروں گا۔ مکہ کا رہنا چھوڑ دوں گا چنانچہ وہ ہجرت کر کے جا رہے تھے۔ اثنائے راہ سے ابن الدغنہ تاجر واپس لایا۔

ہے جس کی عظمت و رفعت اور جس کی تاکید اور اہمیت کے بیان میں سات سو آیتیں قرآن مجید کی نازل ہوئیں۔ اس نماز میں زبانی تلاوت قرآن مجید کی مسلمانوں کے لیئے لازم اور ضروری قرار دیں اور تین وقت کی نماز میں امام کے لیئے بلند آواز سے تلاوت قرآن کا حکم دیں اور خود اکثر اوقات نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھا کریں۔

۷. اور ازاں جملہ یہ کہ قرآن مجید کی تعلیم میں نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے اہتمامات کا حکم دیا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر شغف کے ساتھ ان اہتماموں کو پورا کیا جس کا کوئی نمونہ دنیا میں نہیں مل سکتا۔

۸. اور ازاں جملہ یہ کہ قرآن مجید کی عبارت میں وہ سلاست اور دلبستگی رکھی کہ بے معنی سمجھے ہوئے بھی اس کا حفظ کرنا دشوار نہ رہا چہ جائیکہ معنی سمجھنے والوں کو۔

۹. اور ازاں جملہ یہ کہ قرآن مجید کی آیات میں عجیب عجیب تاثیرات رکھیں۔ ایک طرف اس کی روحانی تاثیرات کا یہ عالم کہ ملک عرب جیسے وحشی اور ناتعلیم یافتہ خطہ میں اس نے ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا اور نہ صرف ملک عرب بلکہ ساری دنیا کو ہلا دیا۔

جو لوگ بکریوں اور اونٹوں کے چرانے کا سلیقہ نہ رکھتے تھے ان میں جہانبانی اور فرماں روائی کی ایسی اعلیٰ قابلیت اور اس قدر جلد پیدا کر دی جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ ماضی و حال عاجز ہے۔ جو لوگ اپنی اولاد پر مہربانی کرنا نہ جانتے تھے اور اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کے خوگر ہو رہے تھے۔ ان میں مربی عالم بننے کی وہ بہترین صلاحیت پیدا کر دی کہ جب اس کا وقت آیا تو انہوں نے غیر مذہب والوں کے ساتھ ایسی ایسی مربیانہ مہربانیاں کیں کہ آج تک نصاریٰ کی تاریخیں اس اعتراف سے پر ہیں۔ جو لوگ اُمی تھے کسی علم و ہنر کی ہوا بھی ان کو نہ لگی تھی۔ چند ہی روز میں ان کے سینوں سے علم و حکمت کے دریا بہنے لگے کہ ساری دنیا کے کتب خانے ان کے علوم و معارف کے سامنے بیکار ہو گئے۔ اور عبادت و معرفت الٰہی میں ان کو جس ذروۂ کمال پر پہنچایا۔ اس کا تو ذکر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ دنیا والوں کے وہم و خیال کی بھی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

۹ حیف باشد شرح اُو اندر جہاں
ہم چو رازِ عشق باید در نہاں

دوسری طرف اس کی جسمانی تاثیرات کا یہ عالم کہ بیماری تو بیماری سانپ کے کاٹے ہوئے پر پڑھ کر دم کیا گیا اور موت کے پنجہ سے رہائی مل گئی۔ پھر لطف یہ کہ قرآن مجید کی ان تمام فوق الفطرت تاثیرات کا اعلان بھی پہلے ہی سے قرآن مجید میں کر دیا گیا۔

۱۰۔ اور از انجملہ یہ کہ قرآن مجید کو سید الانبیاء کی نبوت کا سب سے بڑا معجزہ قرار دیا گیا۔ اور طرح طرح کے اعجاز اس میں رکھے گئے کہ ان میں سے ہر ہر اعجاز ساری دنیا کو کیا موافق کیا مخالف اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ مثلاً اس کی فصاحت و بلاغت جس کا شغف عرب کے بچہ بچہ کو تھا اور مثلاً اس کی اخبار غیب وغیرہ وغیرہ۔

۱۱۔ اور ازاں جملہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب ایسے عطا فرمائے جو اطاعت اور فرمانبرداری اور جاں نثاری اور دین داری میں بے نمونہ اور بے مثال تھے اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ چشم فلک نے کبھی ایسی صورتیں نہیں دیکھیں۔ ایسے لائق شاگردوں نے کیا کیا تدبیریں قرآن مجید کی حفاظت اور اشاعت کے لیے کیں۔ ان کے بیان کے لیے ایک دفتر چاہیے۔

۱۲۔ اور ازاں جملہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ایک مستقل زبردست بادشاہت کا مالک بنا دیا کہ ان کو اپنی ہر خواہش کے پورا کرنے کے لیے بہتر سے بہتر سامان میسر ہو گئے۔

۱۳۔ اور ازاں جملہ یہ کہ قرآن مجید کا ایسا عشق اور اس کی ایسی محبت عامۃً تمام اُمتِ اسلامیہ کے دل میں قیام قیامت تک کے لیے پیدا کر دی کہ کسی نبی کی امت میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

یہ چند باتیں جو بر سبیل ارتجال بطور مثال کے بیان کی گئیں ان باتوں پر غور کرو تو تم کو یقین ہو جائے گا کہ یہ سب باتیں جس کتاب کے لیے جمع ہو جائیں وہ کتاب کبھی دُنیا سے مٹ نہیں سکتی۔ نہ اس میں کسی کی تحریف چل سکتی ہے۔ اور یہ ایسی باتیں ہیں کہ

دنیا میں آج تک کسی کتاب کے لیئے ان میں سے دو چار بھی نہیں پائی گئیں خصوصاً ان میں سے آخری بات پر ایک غائر نظر ڈالو تو تم کو قدرت کا ایک عجیب راز آنکھوں سے دکھائی دے گا۔

کیا یہ مشاہدہ نہیں ہے کہ اہلسنت میں آج بھی حفاظ قرآن کی تعداد حد شمار سے باہر ہے تمام دنیا نہیں اور تمام ہندوستان نہیں۔ صرف لکھنؤ میں حفاظ کرام کس قدر ہیں۔ کوئی بتا سکتا ہے یا شمار کر سکتا ہے۔ حاشا وکلا۔

اگر آج ابلیس اور اس کی تمام ذریات جن وانس متفق ہو کر کوئی ایسی تدبیر کریں کہ دنیا سے قرآن مجید کے تمام نسخوں کو معدوم کر دیں۔ تو بھی قرآن فنا نہیں ہو سکتا۔ ایک ہی دن میں ہزاروں نسخے قرآن کے حفاظ کے سینوں سے نکل کر پھر موجود ہو جائیں گے۔ کیا یہ شان دنیا میں کسی اور کتاب کی کبھی ہوئی۔

آخر اہل سنت کو اس قدر شوق اور شغف حفظ قرآن کا کیوں ہے اور ان میں اس قدر کثرت حفاظ قرآن کی کیوں ہے؟

اگر کہو کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل سنت کا یہ مسلم الکل مسالہ ہے کہ قرآن مجید کا حفظ کرنا امت پر فرض کفایہ ہے اور حفظ قرآن کا ثواب ان کے مذہب میں بے حد وبے نہایت ہے۔ نیز ان کے یہاں متفقہ مسالہ یہ بھی ہے کہ اس قدر کثرت حفاظ قرآن کی ہر زمانہ میں رہنا ضروری ہے کہ تواتر قرآن کا سلسلہ نہ ٹوٹے اور کسی دشمن کو تحریف کا موقع نہ مل سکے۔ اگر خدانخواستہ کسی زمانہ میں اس قدر کثرت حفاظ قرآن کی نہ رہے۔ تو اس زمانہ کے تمام مسلمان کیا مشرق کے رہنے والے اور کیا مغرب کے سب کے سب گنہگار ہو جائیں گے اور گنہگار مریں گے۔ یہ مسالہ نہایت عمدہ طریقہ سے اتقان کی چونتیسویں نوع میں بیان کیا گیا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں یہ مسالہ تو بے شک ہمارے یہاں مسلم الکل ہے اگر یہ مسئلہ ہرگز ہرگز کثرت حفاظ کا سبب نہیں کہا جا سکتا۔ اول تو آج مسلمان جس پستی میں ہیں اور جیسی غفلت اور بے پروائی دین اور مسائل دین کی طرف سے ان پر طاری ہے وہ اظہر

ن الشمس ہے کہ آج دنیا کے افکار و مصائب نے ان پر ایسا ہجوم کیا ہے کہ وہ اپنے دین
بالکل بھولے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے اہم فرائض ان سے ترک ہو گئے اور اوامر و نواہی
پابندی ان سے جاتی رہی۔ انتہا یہ کہ نماز جو اجل معالم دین اور اہم فرائض اسلام سے ہے ان کی پابندی ان میں نہیں رہی۔
ما شاء اللہ ایسی حالت میں حفظ قرآن جیسے باشقت مسألہ کی پابندی کی ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔

دوسرے یہ کہ اس مسألہ کی اکثر عوام بلکہ بعض خواص کو خبر بھی نہیں۔ مگر جو اس مسألہ کو
نہیں جانتے وہ بھی حفظ قرآن میں اُسی طرح سرگرم نظر آتے ہیں جس طرح اس مسألہ کے
جاننے والے۔

یقیناً اس کا سبب سوا اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ خداوند ذوالجلال والاکرام نے قرآن
مجید کی بے اندازہ محبت ہمارے دلوں میں پیدا کر دی ہے جو ہماری تمام فطریات پر غالب
کر ہمیں اسباب پر آمادہ کرتی ہے کہ ہم اس محبوب کو اپنے سینوں میں رکھیں۔ اپنی آنکھوں
سے لگائیں۔ اس کا ورد رکھیں اور اس کی تلاوت اور ہر ممکن خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد
مجید سمجھیں رہے

من نہ باختیار خود میروم از قفائے اُو
آن دو کمند عنبریں مے بردم کشاں کشاں

یہی بے اندازہ محبت ہے جس کے پردہ میں زور قضا اپنا کام کر رہا ہے اور
خدا کا سچا وعدہ انا لہ لحافظون پورا ہو رہا ہے۔

ہر ماں یہ کہاں جانتی ہے کہ بچہ کی پرورش اور اس کی حفاظت شرعاً میرے اُوپر
فرض ہے۔ مگر پھر بھی دیکھو کس سرگرمی سے اپنے بچہ کی پرورش میں مصروف رہتی ہے اس
کے پیچھے اپنی ہستی فراموش کر دیتی ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ وہی فطری محبت جو کار
پردازان قضا و قدر نے اس کے دل میں رکھی ہے۔ انسان تو انسان جانوروں میں اس
محبت کے عجیب عجیب کرشمے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔

خدا کی قدرت تو دیکھو ایک زمانہ وہ تھا کہ مسلمانوں کی سلطنت تھی اور سلطنت بھی
معمولی نہیں۔ بلکہ بڑے جاہ و جلال کی۔ اور سلطنت کی طرف سے حفاظ قرآن کی بڑی عزت

و منزلت ہوتی تھی۔ ان کو بڑے بڑے وظائف ملتے تھے۔ کوئی کہہ سکتا تھا کہ اس عزت و منزلت اور ان وظائف کی بدولت حفاظ قرآن کی یہ کثرت ہے۔ لیکن چند روز کے بعد وہ سلطنت بھی گئی اور حفاظ قرآن کی وہ عزت و منزلت بھی دنیا سے رخصت ہو گئی۔ اور وظائف کا تو ذکر ہی کیا، حفظ قرآن کا شغلہ کسب معاش میں مخل نظر آنے لگا کم از کم پانچ سال میں قرآن مجید حفظ ہوتا ہے۔ اتنی مدت کسی صنعت و حرفت کے سیکھنے میں یا کسی فن کے حاصل کرنے میں صرف کی جائے تو اچھا خاصہ ذریعہ کسب معاش کا ہو جائے۔

مگر بایں ہمہ کیا اس قدر و عزت کے زمانہ سے آج حفاظ قرآن کی کثرت میں کچھ کمی ہے۔ ہرگز نہیں اور ہرگز نہیں۔

معلوم ہوا کہ اس کثرت کا سبب سوا اس کے کچھ نہیں کہ خدا کا سچا وعدہ ہم کو اپنا آلہ و جارحہ بنا کر ہمارے پردہ میں اپنا کرشمہ دکھا رہا ہے۔

اُو بجز نائی و ما جز نے نائیم

جب یہ حالت قرآن مجید کے عشق و محبت کی آج اس گئے گزرے وقت میں ہے تو قرن صحابہ میں قرن تابعین میں زمانۂ سلف میں کیا کیفیت رہی ہوگی اور قرآن مجید کا عشق ان سے کیا کچھ کراتا ہو گا۔

ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

علامہ سیوطی نے اتقان میں اور دوسرے علماء نے تاریخ و سیر و حدیث کی کتابوں میں عجیب عجیب واقعات صحابہ و تابعین کے شغف بالقرآن کے لکھے ہیں جن کو پڑھ کر اندھے کے بھی آنکھیں ہو جاتی ہیں۔

فسبحان من یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید

تتمہ

از قلم عبد الحلیم الفاروقی غفرلہ

جہاں تک تفسیر آیات حفاظت قرآن کا تعلق ہے وہ حضرت امام اہلسنت حجۃ الاسلام مولانا محمد عبد الشکور صاحب فاروقی انار اللہ برہانہ کے قلم حقائق رقم سے پوری ہو چکی، جو کسی تتمہ و تکملہ کی محتاج نہیں ہے۔ اور جس کے مطالعہ سے آپ پر روز روشن کی طرح یہ امر واضح ہو چکا ہوگا۔ کہ کسی قسم کی تحریف و تبدیلی قرآن مجید کے اندر ہوئی ہے اور نہ ایسا ہونا کسی طرح ممکن ہے؟ مگر پھر آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ جس چیز کا محال ہونا عقلاً و نقلاً ثابت ہو چکا ہے شیعہ حضرات انتہائی دیدہ دلیری سے اسی چیز (تحریف در قرآن) کے قائل ہیں اور ان کی مذہبی کتابوں میں دو ہزار سے زائد روایات بابت تحریف قرآن موجود ہیں۔ اور آج تک کوئی شیعہ بھی تحریف قرآن سے انکار نہ کر سکا حتیٰ کہ وہ چالاک شیعہ بھی جو مستقل اسی موضوع پر رسالہ لکھتے ہیں کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی ہے۔ وہ بھی آخر آخر اقرار کر ہی جاتے ہیں کہ البتہ ہم تحریف قرآن کے قائل ہیں (جیسا کہ اسی تفسیری رسالہ میں آپ کو یہ بیان مل چکا ہوگا)

پھر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جس فرقہ کا یہ عقیدہ ہو کہ قرآن عزیز میں تحریف ہوئی ہے۔ اس فرقہ کا ایمان قرآن پر کیوں کر ہو سکتا ہے۔ قطعی ناممکن و محال ہے اور جن کا ایمان قرآن ہی پر نہ ہو وہ مسلمان کیسے؟

یہی سبب تو ہے کہ آج مسلسل ۲۵ برس سے حضرت امام اہلسنت دامت برکاتہم نہایت کامل تحقیقات کی بنا پر پے در پے یہ اعلان کرتے رہے کہ شیعوں کا ایمان قرآن پر

نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے بوجہ اس کے کہ وہ تحریف قرآن کے قائل ہیں حتیٰ کہ حضرت امام ممدوح نے یہاں تک زبردست چیلنج دیا کہ اگر کوئی شیعہ مجتہد یہ اطمینان دلادیں کہ شیعہ ہونے کے بعد قرآن پر ایمان ہو سکتا ہے تو قسم رب العرش کی میں اسی وقت فی الفور شیعہ ہونے کے لیے آمادہ ہوں۔ ان اعلانات سے سرزمین ہند کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا مگر کسی شیعہ مجتہد کی رگ حمیت کو جنبش نہ ہوئی۔ ایڈیٹر صاحبان اصلاح و الشمس زور لگاتے ہی رہ گئے اور کچھ بھی نہ ان سے بن پڑی اور نتیجہ یہ ہوا کہ خود انہوں نے گھبرا کر یہ کہہ دیا کہ "یہ قرآن چند جہلائے عرب کا جمع کیا ہوا ہے۔ اس پر اعتراض نہ ہو تو کیا ہو۔ نعوذ باللہ منہ۔

آخر آخر میں امروہہ ضلع مراد آباد کے شیعوں کو کچھ غیرت آئی اور دسمبر ۱۹۲۰ء مطابق ربیع الاول ۱۳۳۹ھ میں ایک بڑا معرکۃ الآراء مناظرہ ہوا۔ شیعوں کی طرف سے صدر الافاضل مولوی سبط حسن صاحب مجتہد وکیل تھے۔ حضرت امام اہلسنت دامت برکاتہم نے یہی قیامت خیز سوال پیش کر دیا کہ کیا شیعوں کا ایمان قرآن پر ہے یا ہو سکتا ہے؟ اور صرف سوال ہی تک نہیں رہا۔ بلکہ حضرت ممدوح نے مذہب شیعہ کا مکمل فوٹو کھینچ کر سب کے سامنے رکھ دیا کہ یہ وجوہ ہیں جن سے شیعوں کا ایمان قرآن پر نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے۔ مجتہد صاحب اس کے جواب میں چار دن تک برابر حیران و سرگرداں رہے۔ مگر جیسی شکست عظیم اعدائے قرآن کریم کو اس مناظرہ میں ہوئی وہ ایک تاریخی یادگار ہے۔ ختم مناظرہ کے بعد ایک ہی ہفتہ کے اندر اندر وہ سوال مع وجوہ کے چھاپ کر شائع کر دیا گیا، مگر آج تک صدائے برنخاست اس مناظرہ امروہہ کی مکمل روداد شائع ہو چکی ہے۔ آپ اسے ملاحظہ فرمائیں تو پورا لطف مناظرہ کا اٹھا سکتے ہیں۔

غرض یہی اعلان بمبئی، پنجاب وغیرہ تمام مشہور مقامات پر کیا گیا۔ مگر کبھی کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ لب کشائی کر سکے۔

ہاں ایک دفعہ پنجاب کے مجتہد حائری صاحب کو جوش آیا تو انہوں نے اسی مسئلہ پر وعظ کہہ ڈالے اور ان کے فرزند ارجمند نے اسے "موعظہ تحریف قرآن" کے نام

سے چھاپ کر شائع کر دیا۔ ہر چند کہ اس رسالہ میں بجز مزخرفات کے کوئی قابل اعتنا بات نہ تھی۔ پھر بھی امکان تھا کہ کم لکھے پڑھے لوگ کہیں اُسے دیکھ کر دھوکہ نہ کھا جائیں۔ اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت امام اہلسنت مدظلہ نے اس کا ایسا مکمل اور شافی جواب تحریر فرمایا کہ آج تک اس کا جواب کسی سے بن نہ آیا۔

حضرت ممدوح کا وہ جواب "تنبیہ الحائرین" کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ رودادِ مناظرۂ امروہہ کے ساتھ تنبیہ الحائرین کا اگر کوئی شخص مطالعہ کر لے تو اس پر شیعہ مذہب کی حقیقت آئینہ ہو جاتی ہے۔ اور واقعہ تو یہ ہے کہ ان کتب حقہ کے مطالعہ کے بعد ہی کچھ "تفسیر آیات حفاظت قرآن" کے مطالعہ کا لطف آسکتا ہے۔

تفسیر تو آپ ملاحظہ فرما چکے۔ کیا بہتر نہ ہوگا کہ اب آپ شیعہ حضرات کی دیدہ دلیری کا بھی نظارہ کریں کہ وہ کس طرح قرآن عزیز کے اندر تحریف کے قائل ہو کر اپنا سرمایۂ ایمان کھو چکے ہیں۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ

ترجمہ: بتحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو

تفسیر آیت بلغ

(جس میں)

سورۂ مائدہ کی آیت کریمہ یعنی یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک کی تفسیر کرکے یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ شیعوں کا اس آیت سے خلافت بلافصل پر استدلال کرنا قرآن شریف کی تحریف معنوی اور خدا اور رسولؐ کے ساتھ تمسخر کرنا ہے نیز مولوی حامد حسین مصنف عبقات کی پیش کردہ روایات کی حقیقت کما حقہ ظاہر کرکے ان کے علم و دیانت پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳ - روڈ نمبر ۔ سب بلاک اے، بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدوسیہ

ناظم آباد ۔ کراچی ۷۴۶۰۰ ۔ فون نمبر : ۶۶۰۱۴۴۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ اٰلَیْتَ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

امابعد تفسیر آیات خلافت کے سلسلہ میں دونوں قسم کی آیتوں کی تفسیر مرکوز خاطر تھی یعنی ان آیتوں کی بھی جنسے حضرات خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کی حقیت خلافت ثابت ہوتی ہے اور ان آیتوں کی بھی جن سے شیعہ اپنے مقصد فاسد یعنی خلافت بلافصل پر استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ اب تک جو تفسیریں شائع ہوئیں ان میں دونوں قسم کی آیتیں ہیں۔ آیت ولایت آیت تطہیر آیت مودۃ القربیٰ آیت اولی الامر آیت مباہلہ اسی دوسری قسم کی آیتوں میں ہیں جنکی تفسیر ہو چکی ہے اس وقت آیت تبلیغ کی تفسیر ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہے یہ بھی دوسری قسم کی آیت ہے۔

شیعوں کی حالت بھی عجیب حیرت انگیز حالت ہے ایک طرف تو قرآن مجید کی توہین وتنقیص پر کمربستہ ہیں بلکہ اصلی مقصد ان کے مذہب کا یہی ہے قرآن شریف کو محرف کہتے ہیں اسکی عبارت کو خلاف فصاحت وبلاغت بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس سے کفر کے ستون قائم ہوتے ہیں اسمیں نبی کی توہین ہے اس سے خلق اللہ گمراہ ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور دوسری طرف قرآن کریم سے استدلال بھی کرتے ہیں ؎

وجد ومنع بادہ اے زاہد چہ کافر نعمتی ست دشمن مے بودن وہمرنگ مستان زیستن

مگر ان کا استدلال دیکھکر سب حیرت برطرف ہو جاتی ہے کیونکہ ان کے استدلال میں دو باتیں صاف نظر آتی ہیں۔ اول یہ کہ ان کا استدلال محض اسلئے ہوتا ہے کہ لوگ ان کو بھی مسلمانوں کے فرقوں

میں شمار کریں۔ دوئم یہ کہ استدلال کے پردہ میں قرآن شریف کی تحریف معنوی کرتے ہیں اور کوئی نہ کوئی پہلو قرآن شریف کی مذمت کا یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا اسمیں پیدا کرتے ہیں گویا ہجو ملیح کا حق ادا کرتے ہیں۔

اور یہ بات تو ان کے ہر استدلال میں ہر شخص نمایاں طور پر دیکھ سکتا ہو کہ قرآن کو معمّی اور چیستان قرار دیتے ہیں کہ جبتک آیت کے ساتھ کچھ روایات نہ ملائی جائیں آیت کا کوئی مطلب ہی نہیں سمجھا جا سکتا۔ اسکے الفاظ کے کوئی معنی ہی نہیں معلوم ہو سکتے۔ آیت کو اگر بغیر ان روایات کے قواعد زبان عرب کے لحاظ سے دیکھو تو اس کے معنی کچھ اور ہیں مگر ان روایتوں کو ملا کر اسکے معنی کچھ اور ہو جاتے ہیں۔ اور پھر طرفہ یہ کہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر وہ روایات کیجاتی ہیں جو بالکل جعلی اور موضوع ہوتی ہیں۔

آیت ولایت میں جھوٹا قصہ سازیں انگوٹھی دینے کا ملایا اس سے بھی کام نہ چلا تو خلاف لغت عرب ولی کو معنی حاکم لیا پھر جمع کے صیغوں اور ضمیروں سے ایک شخص واحد یعنی حضرت علی کو مراد لیا آیت تطہیر میں درمیان کا ایک ٹکڑا ایکر ما قبل و ما بعد سے بالکل بے ربط کر دیا۔ آیت مودۃ القربیٰ میں وہ مطلب پیدا کیا کہ رسول کی حیثیت ایک نیا دار خود غرض مزدور کی ہو گئی۔ آیت مباہلہ میں خلاف لغت انفسنا سے حضرت علی کو اور نساءنا سے حضرت فاطمہ کو مراد لیکر آیت کو خبط کر دیا۔

اب اس آیت تبلیغ کو دیکھو جس کی تفسیر اس وقت کی جا رہی ہو کہ اسکے متعلق جو کچھ شیعہ بیان کرتے ہیں اس میں کس قدر توہین خداوند عالم جل شانہ کی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کی ہو۔ دین کو ایک بازیچہ طفلان بنایا گیا ہے۔ درحقیقت قرآن شریف سے استدلال نہیں کیا گیا بلکہ دین کے ساتھ تمسخر و استہزا کیا گیا ہے اور بس۔

چودھویں آیت، تبلیغ چھٹا پارہ، سورۂ مائدہ تیرھواں رکوع

یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ۝

ترجمہ اے رسول پہونچا دیجئے وہ باتیں جو اتاری گئیں آپ کی طرف آپکے رب کی جانب سے اور اگر آپنے ایسا نہ کیا تو نہیں پہونچائی آپنے رسالت اسکی اور اللہ بچائے گا آپ کو لوگوں سے بیشک اللہ نہیں ہدایت کرتا کافر لوگوں کو۔

آیت کی صحیح تفسیر

آیت کی صحیح تفسیر جو کہ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے جسمیں نہ کسی روایت کے ملانیکی حاجت نہ کسی اور کارروائی کی ضرورت یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دے رہا ہے کہ جو جو احکام ہماری طرف سے نازل ہوئے ہیں ان سب کو بندوں تک پہونچا دیجئے ورنہ آپ کے ذمہ فریضۂ رسالت باقی رہجائیگا اور کفار کی ایذا رسانیوں کا بالکل خیال نہ کیجئے ہم آپکے محافظ ہیں یہ مضمون یعنی احکام الٰہی کے تبلیغ کی تاکید کچھ اسی آیت کے ساتھ مخصوص نہیں اور آیات میں بھی ہے قرآن مجید میں بیسیوں آیتیں اس تاکید سے بھری ہوئی ہیں۔

اس آیت میں نہ خلافت کا تذکرہ ہے نہ حضرت علی کی کسی قسم کی فضیلت اس سے نکل سکتی ہے نہ آیت کو کسی خاص واقعہ سے کوئی تعلق ہے۔

مگر شیعہ کہتے ہیں

کہ یہ آیت حضرت علی کی خلافت بلافصل کی بڑی روشن دلیل ہے حتیٰ کہ ان کے امام اعظم شیخ حلی نے منہاج الکرامہ میں آیہ انما ولیکم اللہ کے بعد یہی آیت ذکر کیا ہے۔

شیعہ کہتے ہیں اس آیت میں جس چیز کی تبلیغ کا حکم ہے وہ حضرت علی کی خلافت ہی کا حکم تھا عام احکام کی تبلیغ مراد نہیں ہے اور اسکے ساتھ انھوں نے ایک روایت بھی گڑھی ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری حج سے واپس ہوتے ہوئے مقام غدیر خم میں پہونچے تو جبرئیلؑ آئے اور انھوں نے کہا کہ خدا کا حکم یہ ہے کہ اس مجمع میں علی کی خلافت کا اعلان کر دیجئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر کیا کہ مجھے خوف معلوم ہوتا ہے لوگ علیؓ کی خلافت سنکر آمادہ قتل و قتال ہو جائینگے جبرئیل نے واپس جاکر اللہ سے یہ سب ماجرا بیان کیا تب یہ آیت اتری کہ اے رسول اللہ کی طرف سے جو حکم نازل ہوا ہے اسکی تبلیغ کر دیجئے ورنہ آپ ادا کرنے والے فرائض رسالت کے نہ قرار پائیں گے مگر پھر بھی رسولؐ کی ہمت نہ ہوئی اور انھوں نے عذر کیا تب اللہ نے ان کی حفاظت کا وعدہ کیا مجبور ہو کر رسول خدا نے سب کو جمع کیا اور علیؓ کی خلافت کا اعلان بایں الفاظ کیا کہ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ لہذا معلوم ہوا کہ اس آیت میں خاص حضرت علی کی خلافت کے اعلان کا حکم ہے لفظ ما اس آیت میں اپنے معنی عام پر نہیں ہے پس یہ آیت حضرت علی کے خلیفہ بلا فصل ہونے کی واضح دلیل ہوگی۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ قصہ از سرتاپا غلط اور بے بنیاد ہے اہلسنت کی کتابوں میں کہیں اس کا وجود نہیں اہل سنت کی کتابوں میں صرف آخری فقرہ من کنت مولاہ منقول ہے تو اسکو بھی محدثین نے کہا کہ صحیح نہیں ہے۔ علامہ ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں:۔

اما قولہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ	لیکن یہ قول من کنت مولاہ فعلی مولاہ صحیح احادیث
فلیس فی الصحاح لکن ھو مما رواہ	میں نہیں ہے بلکہ ان چیزوں میں سے ہے جسکو علماء نے
العلماء وتنازع الناس فی صحتہ	روایت کیا ہے مگر لوگوں نے ان کی صحت میں اختلاف کیا
فنقل عن البخاری وابراھیم الحربی	ہے امام بخاری اور ابراہیم حربی اور علماء حدیث کی ایک
وطائفۃ من اھل العلم بالحدیث	جماعت سے منقول ہے کہ انھوں نے اس روایت پر جرح کی
انھم طعنوا فیہ وضعفوہ وقال	اور اسکو ضعیف کہا۔ ابو محمد بن حزم کہتے ہیں
ابو محمد بن حزم واما من کنت مولاہ	کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ بسند ثقات کسی
فعلی مولاہ فلا یصح من طریق الثقات اصلا	طرح ثابت نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں:۔

الطاعنون فی صحتہ جماعۃ من	اس حدیث کی صحت پر جرح کرنے والوں میں ایک جماعت
ائمۃ الحدیث وعدولہ المرجوع	ان ائمہ محدثین کی ہے جو بڑے معتبر ہیں اور جن پر جرح
الیھم کابی داؤد السجستانی وابی	و تعدیل کا دارومدار ہے۔ مثل ابو داؤد سجستانی اور
حاتم الرازی	ابو حاتم رازی کے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض من کنت مولاہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس میں حضرت علی کی خلافت کا اعلان کجا اشارہ تک نہیں حضرت علی کی خلافت اس حدیث سے اسوقت ثابت ہو سکتی ہے جبکہ مولی بمعنی حاکم ہو اور حدیث کا ترجمہ یہ ہو کہ میں جس کا حاکم ہوں علی بھی اسکے حاکم ہیں حالانکہ زبان عرب میں مولی بمعنی حاکم نہیں آتا قرآن مجید میں ہے فان اللہ ھو مولاہ وجبرئیل وصالح المومنین اگر مولی بمعنی حاکم ہو تو اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جبرئیل اور مومنین صالحین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاکم ہیں معاذ اللہ منہ غرض اس روایت کے صحیح مان لینے سے بھی کچھ نتیجہ نہ ہوا اور نہ اس

حدیث میں حضرت علی کی خلافت کا ذکر ثابت ہوا اور نہ یہ حدیث آیت کیساتھ کوئی تعلق پیدا کر سکی۔

شیعوں کے امام المناظرین مولوی حامد حسین نے اپنی مشہور کتاب عبقات الانوار میں بڑا زور اس بات پر دیا ہے کہ مولیٰ بمعنی حاکم آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ جب شرح احادیث کا سلسلہ شروع ہوگا اس وقت عبقات کے لفظ لفظ کا رد کر کے دکھا دیا جائیگا کہ مولیٰ بمعنی حاکم ہرگز مستعمل نہیں اور جو عبارتیں مولوی حامد حسین نے نقل کی ہیں ان کا مطلب ہی وہ نہیں سمجھے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس آیت کا بروز غدیر خم نازل ہونا بھی غلط ہے یہ آیت غدیر خم کے موقع سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھی۔

مولوی حامد حسین صاحب نے عبقات کی حدیث غدیر میں اس پر بھی بڑا زور دیا ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے موقع پر نازل ہوئی تھی اور شیعوں کو کتاب عبقات پر بڑا ناز ہے کبھی کبھی سنیوں کو طعنہ دیتے ہیں کہ تمھارے علماء نے عبقات کا جواب کیوں نہ لکھا۔

اگرچہ مولوی حامد حسین کی کتاب استقصاء الافحام اور عبقات الانوار دونوں کی کافی تنقید النجم دور قدیم میں ہو چکی ہے لیکن یہ بحث چونکہ تمام عبقات میں چوٹی کا مبحث سمجھا جاتا ہے لہذا اسکی حالت کا اظہار اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے یہ بات بھی ظاہر ہو جائیگی کہ عبقات کا جواب نہ لکھنے کی وجہ سوا اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ان خرافات کی طرف توجہ کرنا کوہ کندن و کاہ برآوردن کا مصداق ہے۔ اہل سنت کی صحیح روایات سے ثابت ہے کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں رات کے وقت نازل ہوئی تھی نہ غدیر خم میں دن کے وقت۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ترمذی وغیرہ بہت سے محدثین سے یہ روایت نقل کی ہے کہ صحابہ کرام رات کے وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کیا کرتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بالاخانہ سے سر باہر نکالا اور فرمایا کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ حق تعالیٰ نے مجھ سے حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اب کسی کے پاسبانی کی ضرورت نہیں حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

نیز انھیں حافظ ابن کثیر نے سورۂ مائدہ کی آیت یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصاری اولیاء کے تحت میں بحوالہ تفسیر طبری زہری سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت نے یہودیوں سے

دوستی قطع کردی مگر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے ان سے تعلق قائم رکھا اسوقت اللہ نے یا ایہا الذین امنوا سے واللہ یعصمک من الناس تک یہ سب آیتیں نازل فرمائیں۔

معلوم ہوا کہ یہ آیت غدیر خم سے برسوں پہلے مدینہ میں بوقت شب نازل ہوئی اور اس کے نزول کے وقت عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین بھی زندہ تھا۔

اب دیکھیے مولوی حامد حسین صاحب نے اپنے اس دعوی کے ثبوت میں کہ یہ آیت غدیر خم کے روز نازل ہوئی تھی کیا دلائل پیش فرمائے ہیں۔

واضح ہو کہ مولوی حامد حسین نے اپنی عادت شریف کے مطابق اس بحث کو طول تو بہت دیا ہے کئی جزو کا غذ سیاہ کر ڈالا ہے مگر روایتیں کل چار پیش کی ہیں اور کارروائی یہ کی ہے کہ ان روایتوں کو متعدد کتابوں سے نقل کرکے ہر ہر کتاب کے اعتبار سے اسکو ایک جداگانہ روایت قرار دیا ہے اس طور پر چار روایتوں کو بہت سی روایات بنا کر بہت کچھ ناز کیا ہے۔

پہلی روایت ابوسعید خدری کی ہے جسکو عطیہ کوفی روایت کرتا ہے عطیہ مذکور کی نسبت میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ ضعیف ہے امام احمد فرماتے ہیں بلغنی انہ کان یاتی الکلبی و کان یسألہ عن التفسیر وکان یکنیہ بابی سعید فیقول قال ابوسعید یعنی یہ عطیہ کلبی کے پاس جایا کرتا تھا اور اس سے تفسیر آیات کی پوچھا کرتا تھا اور کلبی کی کنیت اس نے ابوسعید رکھ لی تھی لہذا یہ کہا کرتا تھا کہ مجھسے ابوسعید نے یوں بیان کیا۔ نیز امام احمد فرماتے ہیں حدثنا ابواحمد الزبیری سمعت الکلبی یقول کنانی عطیۃ ابوسعید وقال ابن حبان سمع من ابی سعید احادیث فلما مات جعل یجالس الکلبی یحضر بصفتہ فاذا قال الکلبی قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فیحفظہ وکناہ اباسعید ویروی منہ فاذا قیل من حدثک بھذا فیقول حدثنی ابوسعید فیتوھمون انہ یرید اباسعید الخدری وانما اراد الکلبی لایحل کتب حدیثہ الاعلی جھۃ التعجب وقال الساجی لیس بحجۃ وکان یقدم علیا علی الکل وقال ابن عدی کان یعد مع شیعۃ اھل الکوفۃ وقال الجوزجانی مائل وقال ابوداؤد لیس بالذی یعتمد علیہ وقال ابوبکر البزار کان یعد فی التشیع ترجمہ ہم سے ابواحمد زبیری نے بیان کیا وہ کہتے تھے کہ ہمیں نے کلبی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میری کنیت عطیہ نے ابوسعید رکھی تھی ابن حبان

کہتے ہیں عطیہ نے حضرت ابوسعید خدری سے کچھ حدیثیں سنی تھیں مگر جب انکی وفات ہوگئی تو یہ جاکر کلبی کے پاس بیٹھنے لگا اور کلبی جب قال رسول اللہ کہتا تھا تو یہ اسکو یاد کرلیتا تھا اور کلبی کی کنیت اس نے ابوسعید رکھ لی تھی اور کلبی ہی سے یہ روایت کیا کرتا تھا جب اس سے کوئی پوچھتا کہ یہ حدیث تجھسے کس نے بیان کی تو کہتا تھا کہ ابوسعید سے لوگ یہ گمان کرتے تھے کہ ابوسعید خدری مراد ہیں حالانکہ یہ کلبی کو مراد لیتا تھا عطیہ کی روایت کو لکھنا جائز نہیں مگر بطور تعجب کے اور ساجی نے کہا ہے کہ عطیہ معتبر شخص نہیں ہے وہ حضرت علی کو تمام صحابہ پر مقدم سمجھتا تھا اور ابن عدی نے کہا ہے کہ عطیہ کا شمار کوفہ کے شیعوں میں تھا اور جوزجانی نے اسکو مائل بہ تشیع بیان کیا ہے اور ابوداؤد نے کہا ہے کہ عطیہ ایسا شخص نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جائے اور کہا ہے کہ ابوبکر بزار کا مرتبہ تشیع میں عطیہ کے بعد ہے۔

پس اس روایت میں دو رافضی ہوئے ایک عطیہ دوسرا کلبی جسکو دھوکا دینے کیلئے ابوسعید کہا گیا ہے تاکہ لوگ ابوسعید صحابی سمجھکر روایت کو قبول کرلیں حالانکہ وہ ابوسعید کلبی ہے اور یہ روایت اسی نے گڑھی ہے لہذا اس روایت کو اہل سنت کے سامنے پیش کرنا مولوی حامد حسین کی دیانت کا ایک نمونہ ہے اور پھر اسپر مزید یہ کہ اس روایت کو متعدد کتابوں سے نقل کرکے ہر کتاب کے لحاظ سے اسکو جداگانہ روایت قرار دیکر یہ ظاہر کرنا کہ یہ روایت بکثرت طرق سے مروی ہے مولوی حامد حسین صاحب کی چالاکی کا ایک معمولی کرشمہ ہے۔

دوسری روایت ابن عباس کی ہے جسکو کلبی نے بواسطہ ابوصالح کے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کلبی کا رافضی اور کذاب ہونا مسلم الکل ہے میزان الاعتدال میں ہے کہ امام بخاری فرماتے تھے کہ سفیان کہتے تھے کہ کلبی نے مجھسے کہا کہ جتنی روایتیں میں ابوصالح سے نقل کروں وہ سب جھوٹی ہیں۔ یزید بن زریع کہتے ہیں کہ کلبی عبداللہ بن سبا کے فرقہ کا شخص تھا ابن حبان کہتے ہیں کہ کلبی عبداللہ بن سبا کے فرقہ کا شخص تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ علی نہیں مرے اور جب بادل کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ امیرالمومنین اس میں ہیں ابوعوانہ کہتے ہیں کہ میں نے کلبی سے سنا وہ کہتا تھا کہ میں سبائی مذہب ہوں یعنی عبداللہ بن سبا کا پیرو ہوں۔ حسن بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے کلبی سے سنا کہ جبرئیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لیکر آتے تھے اور اگر نبی پاخانہ میں چلے جاتے تو اتنی دیر علی سے وحی بیان کرتے تھے۔ احمد بن زہیر کہتے ہیں میں نے امام احمد

سے پوچھا کہ کلبی کی تفسیر کو پڑھنا جائز ہے تو انھوں نے کہا کہ جائز نہیں۔ جوزجانی نے کلبی کو کذاب کہا ہے اور دارقطنی ایک جماعت نے اسکو متروک قرار دیا ہے کہا ہے ابن حبان کہتے ہیں کہ کلبی کا رفض اور کذاب ہونا ایسا ظاہر ہے کہ محتاج بیان نہیں اور کلبی بواسطہ ابو صالح کے ابن عباس سے روایت کرتا ہے حالانکہ ابو صالح نے ابن عباس کو دیکھا بھی نہیں کلبی ایسا شخص تھا کہ کتابوں میں اس کا ذکر جائز نہیں۔

کلبی کا شیعہ ہونا خود شیعوں کی کتابوں سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ اصول کافی میں کلبی کی بہت سی روایات ہیں اور اصول کافی صفحہ میں ہے فلم یزل الکلبی یدین اللہ بحب اھل ھذا البیت حتی مات یعنی کلبی ہمیشہ اللہ کی اطاعت محبت اہل بیت کے ذریعہ سے کرتا رہا یہاں تک کہ مرگیا۔

پس ظاہر ہوگیا کہ یہ روایت بھی قابل اعتبار نہیں کلبی رافضی کذاب کی گڑھی ہوئی ہے مولوی حامد حسین صاحب نے اس روایت کو اہل سنت کے مقابلہ میں پیش کرکے اپنی دیانت کا ایک عمدہ ثبوت پیش کردیا۔

اس روایت کو بھی مولوی حامد حسین نے متعدد کتابوں سے نقل کرکے ایک روایت کو متعدد بنالے کی کارروائی کی ہے۔

اگر خدانخواستہ کوئی سنی اس قسم کی کارروائی شیعوں کے مقابلہ میں کرتا تو علمائے شیعہ تو جو کچھ کرتے بعد میں کرتے پہلے علمائے اہل سنت ہی اسکو ذلیل و خوار کرتے مگر شیعہ ہیں کہ مولوی حامد حسین کی مدح و ثنا میں رطب اللسان رہتے ہیں اس کا سبب سوا اسکے کیا ہوسکتا ہے کہ شیعوں کے یہاں اس قسم کے فریب و دغا کی کارروائیاں جائز ہیں بلکہ موجب کمال ہیں۔

تیسری روایت براء بن عازب کی ہے اگر مولوی حامد حسین صاحب اسکی پوری سند بھی نقل نہیں کی کہ معلوم ہوتا کہ اسکی سند میں کون کون لوگ راوی ہیں اور ان راویوں کی بابت ائمہ جرح و تعدیل نے کیا لکھا ہے لہذا ایسی مجہول السند روایت کو پیش کرنا سوا مولوی حامد حسین صاحب ان کے ہم مذہب علما کے اور کسی سے شاید نہو سکتا۔

چوتھی روایت مولوی حامد حسین صاحب نے عبقات میں یہ بھی لکھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس آیت کو یوں پڑھتے تھے یا ایھا الرسول

بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المؤمنین. اس روایت کو مولوی حامد حسین صاحب نے استقصار الافحام میں بھی ذکر کیا ہے اور اس سے تحریف قرآن ثابت کرنیکی کوشش کی ہے پوری سند اس روایت کی بھی مولوی صاحب نے ذکر نہیں کی صرف اس قدر نقل کیا ہے کہ ابوبکر بن عیاش نے عاصم سے انھوں نے زر سے انھوں نے ابن مسعود سے اسکو نقل کیا ہے ابوبکر بن عیاش کے بعد کے راوی معلوم نہیں کیسے ہیں لہذا ایک خرابی تو اس روایت میں یہ ہوئی کہ سند اسکی مجہول ہے دوسری خرابی یہ ہے کہ ابوبکر بن عیاش مجروح ہیں میزان الاعتدال میں ہے کہ وہ حدیث میں غلطی کرتے تھے اور انکو وہم ہو جاتا تھا محمد بن عبد اللہ بن نمیر نے ان کو ضعیف کہا ہے یحیی بن سعید ان کا بالکل اعتبار نہ کرتے تھے اور جب ان کے سامنے ابوبکر بن عیاش کا ذکر ہوتا تو چیں بجبیں ہو جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ابوبکر بن عیاش میرے سامنے موجود ہوتے تو میں ان سے کچھ نہ پوچھتا۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ وہ حد سے زیادہ کثیر الغلط ہیں۔ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے ابوبکر بن عیاش سے بڑھکر حدیث پر بہت جلد جرأت کرنے والا کوئی نہیں دیکھا تیسری خرابی یہ ہے کہ ابوبکر بن عیاش عاصم سے روایت کرتے ہیں عاصم نام کے کئی راوی ہیں جن میں بعض کذاب بھی ہیں جبتک یہ نہ معلوم ہو کہ کون عاصم ہیں اس وقت تک یہ راوی بھی مجہول و ناقابل اعتبار ہے۔

پس یہ کل چار روایتیں مولوی حامد حسین صاحب نے اپنے اس دعوی کے ثبوت میں پیش کی تھیں کہ یہ آیت غدیر خم کے موقع پر نازل ہوئی تھی ان روایات کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے یہ نمونہ کافی ہے سبحان الغرفة تکفینی عن الغدیر۔

ایک عجیب لطف یہ ہے کہ شیعوں کی معتبر روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے موقع پر نہیں نازل ہوئی بلکہ عرفہ کے دن نازل ہوئی تھی جو غدیر خم سے نو دن پہلے تھا۔

اب اسکے بعد مولوی حامد حسین کے حق میں یہ کہنا بالکل بجا ہو گا کہ ع درکفر ہم ثابت نہ دلدار را رسوا مکن ٭ کیونکہ ان کی تحقیق شیعوں کے بھی خلاف نکلی۔ ملاحظہ ہو۔

اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۸۱ میں ہے کہ ابو الجارود کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ

ثم نزلت الولایۃ و انما اتاہ ذلک فی — پھر نازل ہوئی امامت علی کی اور یہ حکم نبی کے پاس جمعہ

يوم الجمعة بعرفة انزل الله عز وجل اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي وكان كمال الدين بولاية علي بن ابي طالب عليه السلام فقال عند ذالك رسول الله صلى الله عليه وآله امتي حديثو عهد بالجاهلية ومتى اخبرتهم بهذا في ابن عمي يقول قائل ويقول قائل فقلت في نفسي من غير ان ينطق به لساني فاتتني عزيمة من الله عز وجل بتلة فنزلت يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته والله يعصمك من الناس ان الله لا يهدي القوم الكافرين

کے دن عرفہ میں آیا اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ دین کا کمال علی بن ابی طالب علیہ السلام کی امامت سے ہوا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ میری امت جاہلیت سے قریب العہد ہے۔ جب میں ان کو اپنے چچا کے بیٹے (یعنی علی) کے متعلق یہ خبر دونگا تو کوئی کچھ کہیگا اور کوئی کچھ کہیگا۔ یہ خیال میں نے اپنے دل میں کیا تھا زبان سے میں نے کوئی لفظ نہ نکالی تھی کہ اللہ عزوجل کی طرف سے سخت تاکید مجھے پہونچی اور یہ آیت نازل ہوئی یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ آیت تبلیغ کا نزول غدیرخم کے دن نہیں ہوا بلکہ عرفہ کے دن ہوا علمائے شیعہ کا عجب حال ہے سنیوں کے مقابلہ میں آکر وہ اپنی کتابوں سے بھی ناواقف بنجاتے ہیں۔

تنبیہ

اس آیت کے متعلق جو قصہ شیعہ صاحبان نے جبرئیل کے بار بار آنے اور خدا کے بار بار تاکید کرنے اور رسول کے پھر پھر عذر کرنے کا بیان کیا ہے اس میں جس قدر تمسخر خدا ورسول کے ساتھ ہے ظاہر ہے۔ عجب تماشا ہے کہ توحید کے تبلیغ میں رسول نے کفار مکہ کا کچھ خوف نہ کیا اور بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ تمام اہل مکہ کے خلاف توحید کے مضامین کو بیان فرمایا خدا نے بھی قرآن مجید میں توحید کا مضمون خوب تفصیل و توضیح سے بیشمار آیتوں میں نازل فرمایا مگر حضرت علی کی خلافت خدا جانے کیسی خطرناک چیز تھی کہ خدا نے بھی اس کا بیان صاف صاف نہ کیا۔

اور رسول بھی اسکی تبلیغ میں اس قدر خائف ہوئے۔ اگر خدا حفاظت کا وعدہ نہ کرتا تو چاہے کتنی تاکیدات خدا کی طرف سے ہوتیں رسول ہرگز تبلیغ نہ کرتے۔ پھر ان سب امور کے بعد یہ بھی کچھ کم قابل حیرت نہیں کہ رسول تبلیغ کرنے کھڑے ہوئے تو ان کو حضرت علی کی خلافت کے بیان کرنے کے لئے کوئی لفظ ہی نہ ملا۔ مولی کا لفظ ارشاد فرمایا جس سے خلافت کا مفہوم کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتا۔ ایسا افصح العرب اور اس معاملہ میں اسکو کوئی صریح لفظ ہی نہ ملے العجب کل العجب۔

اچھا ہم اس تمام قصہ سے قطع نظر کریں اور صرف اتنی سی بات مان لیں کہ اس آیت میں لفظ ما سے حضرت علی کی خلافت مراد ہے تب بھی یہ اعتراض خدا پر ضرور ہوتا ہے کہ جب علی کی خلافت ایسی اہم اور ضروری چیز ہے کہ رسول کو اس کے اعلان کی اس قدر تاکید کیجا رہی کہ اس قدر تاکید نہ عقیدہ توحید کے لئے کی گئی نہ عقیدہ قیامت کے لئے نہ عقیدہ رسالت کیلئے حتی کہ اس خلافت کا اعلان نہ کرنے کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رسولوں کی فہرست سے کاٹ دینے کی وعید آئی ایسی اہم اور ضروری چیز کو خدا نے مبہم کیوں بیان فرمایا جس طرح عقیدہ توحید وغیرہ کو خدا نے صاف صاف بیان فرمایا تھا کہ آج ہر شخص ان آیات کو دیکھ کر اصل مقصود کو سمجھ لیتا ہے خلاف مقصود کا وہم بھی کسی کو نہیں ہوتا اسیطرح حضرت علی کی خلافت کو صاف صاف کیوں نہ بیان فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ خدا بھی ڈرتا تھا کہ میں اگر علی کی خلافت کو صاف صاف بیان کرونگا تو نہ معلوم میرے ساتھ اور میرے قرآن کے ساتھ مخالفان علی کیا سلوک کریں اور رسول پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہی کہ انھوں نے حکم خداوندی کی تعمیل نہ کی خدا کا حکم تو تھا کہ علی کے خلافت کا اعلان کرو انھوں نے بجائے خلافت کے علی کے مولی ہونے کا اعلان کرکے خاموشی اختیار کرلی۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔

مذہب شیعہ کی سیر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین الٰہی کا مقصود سوا حضرت علی کی خلافت کے اور کچھ تھا ہی نہیں نہ توحید کا اس قدر اہتمام ہے نہ رسالت کا نہ کسی اور چیز کا، لہذا وہ شعر مشہور اثنا عشریوں کے مذہب کے مطابق بھی بالکل صحیح ہے کہ ؎

جبرئیل کہ آمد ز بر خالق بیچوں | در پیش محمد شد و مقصود علی بود

گر رونا اس کا ہے کہ دین الٰہی کا یہ مقصود پورا نہ ہوا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سب سے زیادہ ناکام رہی کیونکہ جو مقصد اصلی آپ کی بعثت کا تھا یعنی علی کی خلافت اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی حضرت علی کو پہلی خلافت تو کیا ملتی چوتھے درجہ میں ملی بھی تو بقول شیعہ برائے نام اس کا ماتم حضرات شیعہ جس قدر کریں بجا ہے اور جتنا روئیں حق بجانب ہے۔

تتمہ بحث

آیت تبلیغ کی تفسیر پوری ہوگئی شیعوں نے ادھر اُدھر کے قصہ ملا کر بہت چاہا کہ حضرت علی کی خلافت بلا فصل کا مفہوم آیت میں پیدا ہو جائے مگر نہ ہوا۔

شیعہ خود بھی جانتے ہیں اور اول روز سے جانتے ہیں کہ قرآن مجید سے وہ کسی طرح اپنا کوئی مطلب حاصل نہیں کر سکتے چنانچہ اس معاملہ خلافت میں بھی اُن کے علماء کو چار و ناچار اس کا اقرار کرنا پڑا اور نہ صرف علماء کا اقرار بلکہ ان کے راویوں نے ائمہ معصومین کے نام سے ایسی روایتیں بھی تصنیف فرمائیں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن سے حضرت علی کی خلافت ثابت نہیں ہو سکتی۔

علامہ خلیل قزوینی صافی شرح کافی کتاب الحجۃ باب النص اللہ میں لکھتے ہیں

میل رسول آن بود کہ تصریح و تفسیر
ولایت در قرآن شود و اکتفا
بسنت نہ شود۔

رسول کی خواہش یہ تھی کہ امامت کی تصریح از تفسیر
قرآن شریف میں ہو جائے اور صرف احادیث
پر اکتفا نہ ہو۔

یہ تو علامہ قزوینی کا قول تھا اب روایت دیکھئے اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۴۸۴ میں امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے۔

قال ابو جعفر علیہ السلام ولایۃ اللہ سرہا
الی جبرئیل واسرہا جبرئیل الی محمد
صلے اللہ علیہ وآلہ واسرہا محمد الی
علی علیہ السلام واسرہا علی الی من
شاء ثم انتم تذیعون ذالک

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ولایت الٰہی یعنی امامت
کا مسئلہ خدا نے بطور راز کے جبرئیل سے بیان کیا اور جبرئیل
نے بطور راز کے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ سے کہا اور محمد نے بطور
راز کے علی علیہ السلام سے کہا اور علی علیہ السلام نے بطور
راز کے جس سے چاہا کہا مگر اب تم لوگ اس کو مشہور کر رہے ہو۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کیا معنی حدیث میں بھی کہیں امامت علی کا تذکرہ نہیں۔

مسئلہ امامت تو ایک راز تھا جو خدا نے سوا جبرئیل کے کسی فرشتہ کو نہیں بتلایا اور جبرئیل نے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی پیغمبر کو اس سے آگاہ نہیں کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوا حضرت علیؑ کے اور کسی کو اس کی اطلاع نہیں دی، لہذا معلوم ہوا کہ غدیر خم میں امامت علیؑ کے اعلان کا قصہ غلط ہے۔

پھر اصول کافی کے اسی باب میں ایک اور روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے

عن ابی عبد الله علیه السلام قال قال لی مازال سرنا مکتوما حتی صار فی یدی ولد کیسان فتحدثوا به فی الطریق والقری والسواد

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہمارا راز برابر پوشیدہ رہا یہاں تک کہ ان مکار لوگوں کے ہاتھ میں پہونچا اور انھوں نے راستوں اور بستیوں میں اور گاؤں میں اسکو بیان کردیا۔

اس مضمون کی تائید میں اصول کافی صفحہ ۴۴ پر ایک اور روایت ہے۔

عن ابی عبد الله قال لما حضرت رسول الله الوفاة دعا العباس بن عبد المطلب وامیر المومنین فقال للعباس یا عم محمد تاخذ تراث محمد وتقضی دینه وتنجز عداته فرد علیه فقال یارسول الله بابی انت وامی شیخ کثیر العیال قلیل المال من یطیقک وانت تباری الریح فاطرق رسول الله صلی الله علیه واله هنیئة ثم قال للعباس اتاخذ تراث محمد وتنجز عداته وتقضی دینه فقال بابی انت وامی شیخ کثیر العیال قلیل ... ت

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ نے عباس بن عبد المطلب کو اور امیر المومنین کو بلایا اور عباس سے کہا کہ اے چچا محمد کے کیا تم محمد کی میراث لوگے اور ان کے قرض کو ادا کروگے اور ان کے وعدوں کو پورا کروگے تو عباس نے انکار کردیا۔ اور کہا کہ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں ایک بوڑھا ہوں کثیر العیال قلیل المال آپ کے قرض ادا کرنے اور وعدوں کے پورا کرنے کی کون طاقت رکھتا ہے آپ تو سخاوت میں ہوا کی برابری کرتے ہیں تو رسول اللہ تھوڑی دیر سر جھکالیا پھر عباس سے فرمایا کہ کیا تم محمد کی میراث لوگے اور ان کے وعدوں کو پورا کروگے اور انکا قرض ادا کروگے عباس نے پھر وہی جواب دیا آپ نے فرمایا اچھا میں شخص کو

...يا عم الرحيم فقال اما اني ساعطيها	میراث دونگا جو حق کے ساتھ لیگا پھر فرمایا کہ اے علی
من ياخذها بحقها ثم قال يا علي يا اخا	اے بھائی محمدؐ کے کیا تم محمدؐ کے وعدوں کو پورا کرو گے اور ان کا
محمد اتنجز عدات محمد وتقضي	قرض ادا کرو گے اور ان کی میراث پر قبضہ کرو گے تو علی نے
دينه وتقبض تراثه فقال نعم بابي	کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ کام میرے ذمہ ہے
انت وامي ذاك علي ولي	اور میراث میرے لئے ہے۔

اس کے بعد روایت میں یہ مضمون ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگوٹھی ہتھیار وغیرہ اور سواری کے جانور حضرت علی کو دیدیئے اور یہ بھی اصول کافی کی روایتوں سے ثابت ہو کر یہ چیزیں جس کو ملیں وہی امام ہے، لہذا معلوم ہوا کہ خم غدیر میں ہرگز امامت علی کا اعلان نہیں ہوا اور نہ حضرت عباس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم امامت دینے کے لئے نہ فرماتے۔

المختصر اس مضمون کی صدہا صحیح اور معتبر روایات کتب شیعہ میں ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی کی خلافت کا تذکرہ نہ قرآن شریف میں ہے نہ کسی حدیث میں اور واقعی ہے بھی یہی بات کیونکہ حضرت علی مرتضی نے کبھی یہ دعوی نہیں کیا کہ میری خلافت پر فلاں نص قرآنی کی یا حدیث کی موجود ہے بلکہ وہ اپنے زمانہ خلافت میں بھی فرماتے رہے کہ مجھے خلافت کی بالکل خواہش نہ تھی تم لوگوں نے زبردستی مجھے خلیفہ بنایا۔

لہذا شیعوں کا آیت قرآنی یا حدیث نبوی سے حضرت علی کی خلافت کو ثابت کرنا ایک ایسی غلط کارروائی ہے جو خود ان کی روایات کے بھی خلاف ہے۔

مگر قرآن شریف کے بگاڑنے کا اور دین کے ساتھ تمسخر و استہزا کرنے کا شوق شیعوں کو اس قدر دامنگیر ہے کہ خواہ مخواہ آیات قرآنیہ سے حضرت علی کی خلافت ثابت کرنے کے پردہ میں تحریف معنوی کا حق ادا کرتے ہیں۔

ایک بات

اس جگہ یہ بھی قابل غور ہے کہ شیعہ صاحبان یہ بات تو بڑی شد و مد سے بیان کرتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام باستثناء دو چار اشخاص کے حضرت علی کی خلافت کے مخالف تھے اور ایسے مخالف تھے

کہ رسول بھی اگر ان کی خلافت کا اعلان دیتے تو وہ رسول کے بھی کھلم کھلا مخالف ہو جاتے لیکن کیا کوئی شیعہ یہ بتا سکتا ہے کہ یہ عام مخالفت حضرت علی سے کیوں تھی ۔

کاش شیعہ صاحبان اس بات پر غور کریں تو یہ بات انکی سمجھ میں آجائے کہ اس عام مخالفت کا کوئی سبب سوا اس کے کہ حضرت علی میں حکومت کرنے کی قابلیت بالکل نہ تھی اور وہ تدبر اور سیاست سے قطعاً ناآشنا تھے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا لہٰذا اس نتیجہ کو اگر حضرت علی کیلئے باعث کمال سمجھا جائے تو شوق سے اس مخالفت عامہ کے رتبے بڑھتے جائیں اور خوب نام کیا جائے ورنہ سمجھ لینا چاہیے کہ مذہب شیعہ کے تصنیف کرنے والوں کا مقصود حضرت علی کو بڑھانا نہ تھا بلکہ ان کو آسمان پر چڑھا کر گرانا چاہتے تھے مذہب شیعہ کو غیر جانبدارانہ نظر سے دیکھنے کے بعد اس مذہب کے تصنیف کرنے والوں کی نیت کا بخوبی پتہ چل جاتا ہے ؎

صیاد نے لگائے ہیں پھندے کہاں کہاں ۔ سارے پتے عیاں ہیں اسی سبز باغ میں

ھذا اخر الکلام والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ الامین وعلی الہ اجمعین

تمت

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

بے شک یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو بہت سیدھی ہے اور خوشخبری سُناتا ہے ایمان والوں کو۔

تفسیر آیاتِ امامت

جس میں

قرآن مجید کی تمام اُن آیات کی جن میں لفظ امام آیا ہے۔ صحیح تفسیر کر کے روز روشن کی طرح ظاہر کر دیا گیا ہے کہ امام کے جو معنی شیعہ بیان کرتے ہیں وہ محض اُن کے خانہ ساز معنی ہیں اور بالکل بے اصل و بے بنیاد ہیں اور یہ کہ اصلی مقصد مسئلہ امامت کی ایجاد سے عقیدۂ رسالت سے آزادی اور ختم نبوت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

از حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی قدس سرہٗ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳۔ روڈ نمبر ۔۔ سب بلاک اے ' بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدوسیہ
ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰ ۔۔ فون نمبر: ۶۶۰۱۳۴۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی بعث الانبیاء والمرسلین لہدایۃ العالمین ورضیہم قدوۃ فی الدین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الذی جعلہ خاتم النبیین وعلیٰ اٰلہ وصحبہ الذین جعلہم ائمۃ وجعلہم الوارثین وعلیٰ من تبعہم الیٰ یوم الدین۔

امابعد۔ تفسیر آیاتِ خلافت کے سلسلہ میں اب تک متعدد آیات کی تفسیریں شائع ہو چکی ہیں۔ جن سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو چکی ہے کہ حضرت خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت یقیناً قرآن مجید کی موعودہ خلافت ہے۔ بغیر ان خلافتوں کے مانے ہوئے اُن آیات کی تصدیق ہو ہی نہیں سکتی۔

آج اس وقت آیاتِ امامت کی تفسیر کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ لفظ امام کے معنی قرآن شریف میں کیا ہیں اور شیعوں نے کیا گھڑے ہیں اور شیعوں کا اصلی مقصود اس ایجاد سے کیا ہے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ مسالہ امامت اصولِ دین میں سے ہے اور اس مسالہ کی ایجاد پر ان کو اس قدر ناز ہے کہ اگر ان کو امامیہ کہا جائے تو بہت خوش ہوتے ہیں۔

اہلِ سنت کہتے ہیں کہ شیعوں کا مفروضہ مسالہ امامت دینِ الٰہی کی سخت ترین بغاوت ہے۔ ایک مسلم کے لیئے اس سے زیادہ کوئی عیب نہیں کہ وہ مسالہ امامت کا قائل ہو اور اپنے کو امامیہ کہے۔ سچ ہے۔

آں کہ فخر تست آں ننگ من است

شیعہ مسالہ امامت کی ضرورت کو بڑی ملمع سازی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور

سادہ لوحوں کو یہ دکھاتے ہیں، کہ انہوں نے بڑی احتیاط سے دینداری کو اختیار کیا ہے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ رسولؐ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اگر انہیں کا مثل کوئی معصوم دنیا میں موجود نہ ہو اور رسول کی طرح اس کی اطاعت لوگوں پر فرض نہ ہو تو لوگوں کو ہدایت کس سے حاصل ہو گی۔ غیر معصوم کی اتباع میں سوا گمراہی کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ غیر معصوم سے ہر وقت خطا کا صادر ہونا ممکن ہے۔

لہٰذا ضروری ہوا کہ رسول کے بعد ہر زمانے میں قیامت تک ایک معصوم مفترض الطاعۃ دنیا میں موجود رہے تاکہ سعادت مند لوگ اس سے دین حاصل کریں اور خدا کی حجت بندوں پر قائم رہے۔ اسی معصوم مفترض الطاعۃ کو جو ہر صفت میں رسول کا مثل اور مانند ہے امام کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کے لیے خدا کی طرف سے بارہ امام مقرر ہو چکے ہیں اور بارہویں امام پر دنیا کا خاتمہ ہے۔

اہلسنت کہتے ہیں کہ رسولؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہدایت خلق اللہ کے لیئے اور بندوں پر حجت خداوندی قائم رکھنے کے لیئے دو چیزیں کافی ہیں جو قیامت تک موجود رہیں گی۔ قرآنؐ اور سنتؐ یہی دو ثقلین ہیں۔ جن کے اتباع کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے گئے اور فرما گئے کہ ان کے اتباع کرنے سے ہرگز گمراہی تم میں نہ آئے گی۔ یہ بھی فرما گئے کہ یہ دونوں چیزیں قیامت تک دنیا میں موجود رہیں گی۔ لہٰذا آپ کے بعد نہ کسی کو آپ کا مثل اور معصوم مفترض الطاعۃ ماننے کی ضرورت اور نہ کسی غیر معصوم کے اتباع کی حاجت۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو شاہانہ اقتدار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب بن کر دین کے ان مہمات کو انجام دیتا رہے۔ جن کی انجام دہی بغیر شاہانہ اقتدار کے نہیں ہو سکتی، مگر اس شخص کے معصوم ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ رسول کی طرح دین کا ماخذ نہیں۔ قرآن و سنت کی پیروی جس طرح اور مسلمانوں پر فرض ہے بالکل اسی طرح اس شخص پر بھی ہے۔ دین میں ذرہ

برابر تغیر و تبدل کرنے کا اس شخص کو اختیار نہیں نہ حرام کو حلال کر سکتا ہے، نہ حلال کو حرام۔ اس شخص کی اطاعت بھی صرف انہیں باتوں میں ضروری ہے جو قرآن و سنت کے خلاف نہ ہوں، جیسا کہ آیت اُولی الامر میں اس کو صاف ارشاد فرمایا ہے۔ اسی شخص کو خلیفہ یا امام کہتے ہیں۔

خلیفہ یا امام کا انتخاب بھی امت کے ذمہ ہے بالکل اسی طرح جیسے امام نماز کا تقرر مقتدیوں کے ذمہ ہے۔ اگر امت کسی نالائق شخص کو خلافت کے لیئے انتخاب کرے تو گنہگار ہوگی جس طرح مقتدی کسی نالائق شخص کو امام بنا لینے سے گنہگار ہوتے ہیں۔

اگر شیعہ کہیں کہ قرآن و سنت ہدایت کے لیئے کافی نہیں ہیں۔ اس لیے کہ بہت لوگ ایسے ہوں گے جو قرآن و سنت کے مطالب معلوم کرنے کے لیئے کسی بیان کرنے والے کے محتاج ہوں گے اور وہ غیر معصوم ہوگا تو لامحالہ ان کو غیر معصوم کی اتباع کرنی پڑے گی۔ اور وہی سب خرابیاں لازم آئیں گی۔ جو غیر معصوم کے اتباع میں ہوتی ہیں تو **جواب** اس کا یہ ہے کہ اس چیز کو اگر غیر معصوم کا اتباع قرار دیا جائے تو اس سے کسی حال میں مفر نہیں ہو سکتی۔ معصوم کی موجودگی میں بھی یہ کام کرنا پڑتا ہے کیونکہ معصوم کسی ایک مقام میں ہوں گے۔ اس مقام کے بھی سب لوگ ہر ہر بات میں معصوم کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ اور دوسرے مقامات کے لوگوں کا تو ذکر کیا۔ لامحالہ ان کو کسی غیر معصوم سے معصوم کے احکام معلوم کرنا پڑیں گے۔ خواہ وہ معصوم کا نائب ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت علیؓ کو خلافت بھی حاصل ہوئی پھر بھی وہ کوئی ایسا انتظام نہ کر سکے کہ ہر معاملہ میں لوگ ان سے ہدایت حاصل کر سکتے، بلکہ خاص کوفہ میں ان کی طرف سے ایک غیر معصوم قاضی مقرر تھا جو مقدمات کے فیصلے کرتا تھا۔ کوفہ سے باہر ان کے نائب تھے۔ جو طرح طرح کی خیانتیں کرتے تھے اور لوگ مجبور تھے کہ انہیں کے احکام پر عمل کریں۔ ائمہ کی موجودگی میں اصحاب ائمہ میں باہم دینی مسائل میں اختلاف ہوتا تھا۔ اور وہ اختلاف نزاع کی اس حد تک پہنچتا تھا کہ باہم ترکِ کلام و سلام کی نوبت آجاتی تھی اور کسی طرح اس کا تصفیہ نہ ہوتا تھا۔ مجتہدین شیعہ کہتے ہیں کہ اصحاب ائمہ پر واجب نہ تھا کہ ائمہ سے یقین حاصل کریں۔ (دیکھو اساس الاصول) غرضکہ ائمہ کی

موجودگی ہی میں غیر معصوم کا اتباع برابر جاری تھا اور اب تو کسی شیعہ کو کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں۔ کیونکہ قدرت نے اس طرح ان کے خانہ ساز مسئلہ امامت کو خاک میں ملایا ہے کہ اب بھی کوئی نہ سمجھے تو کس منہ سے خدا کے سامنے جائے گا۔ شیعہ کہتے تھے کہ ہر زمانہ میں ایک معصوم کا ہونا ضروری ہے تاکہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں مگر امام حسن عسکری کے بعد جن کی وفات ۲۶۰ھ میں ہوئی، آج تک کہ ایک ہزار اٹھاسی سال ہوئے کوئی امام معصوم موجود نہیں ہے اور شیعہ بھی غیر معصومین کا اتباع کر رہے ہیں اور روایات ہی پر ان کا بھی عمل ہے اب کوئی پوچھے کہ غیر معصوم کا اتباع کر کے تم گمراہ ہوئے یا نہیں اور جب روایات ہی پر عمل کرنا ٹھہرا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات نے کیا قصور کیا ہے کہ ان کو چھوڑ کر امام باقر و امام صادق کی روایات پر عمل کیا جائے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ امام معصوم موجود ہیں، مگر وہ نظروں سے پوشیدہ ایک غار کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ لیکن جب ان کو کوئی دیکھ نہیں سکتا اور نہ ان سے ہدایت حاصل کر سکتا ہے تو ان کا وجود و عدم برابر ہے اور پھر اگر ایسا موجود ہونا کافی ہے تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی قبر اقدس و انور میں موجود ہیں اور ایسی زندگی کے ساتھ کہ اس عالم کی کروڑوں زندگیاں اس پر قربان ہیں۔

ایک لطیفہ۔ یہاں یہ بھی ہے کہ خدا نے دنیا کا خاتمہ ان بارہویں امام صاحب پر رکھا تھا اس لحاظ سے زائد از زائد چوتھی صدی ہجری میں قیامت قائم ہونی ضرور تھی مگر لوگوں کی نافرمانی اور بدکاری کی وجہ سے امام صاحب غائب ہو گئے اور خدا کو ان کی عمر دراز کرنا پڑی اور قیامت کا وقت ٹل گیا۔ خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خدا کو بدا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔

اصل حقیقت

یہ ہے کہ بانیانِ مذہب شیعہ کا مقصد اصلی دینِ اسلام کا خراب کرنا تھا اور وہ اسی لیئے مسلمانوں کے لباس میں آکر اپنی کارروائیاں کر رہے تھے، لہذا انہوں

نے ایک طرف تو قرآن کو محرف کہنا شروع کیا لد و ہزار سے زیادہ روایتیں قرآن میں ہر قسم کے تحریف کی تصنیف کریں اور دوسری طرف قرآن کو معمّے اور چیستان مشہور کیا، تیسری طرف تمام صحابہ کرامؓ کو کاذب قرار دیا تاکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور تعلیمات جو انہیں صحابہ کرامؓ سے منقول ہیں قابل اعتبار نہ رہیں اور چوتھی طرف یہ کارروائی کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ شخص آپ کے مثل معصوم اور مفترض الطاعۃ تجویز کیے اور ان کے اختیارات یہ بیان کیے کہ فہم یحلون مایشاءون ویحرمون مایشاءون (اصول کافی صفحہ ۲۷۰) یعنی یہ ائمہ جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں اور جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں تاکہ مسلمانوں کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے استغنا ہو جائے۔ یہ وہ باتیں ہیں کہ بانیانِ مذہبِ شیعہ کے اصلی مقصود کو عالم آشکارا کر رہے ہیں۔ غضب خدا کا کہا تو یہ جائے کہ ہم غیر معصوم کے اتباع سے بچنے کے لیے دوازدہ امام کو مانتے ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں چونکہ غیر معصومین سے منقول ہیں اس لیے نہیں لیتے اور پھر غیر معصومین کا اتباع بھی کیا جائے اور غیر معصومین کی نقل کی ہوئی روایات بھی لے جائیں، مگر رسول کی نہیں بلکہ ائمہ کی۔

بہر کیف اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ لفظ امام کے جو معنی شیعوں نے گھڑے ہیں۔ قرآن مجید سے کہیں ان کا ثبوت نہیں ملتا۔

قرآن مجید میں ایک دو جگہ نہیں بارہ جگہ لفظ امام کا استعمال ہوا ہے، مگر کسی جگہ بھی شیعوں کے مفروضہ معنی نہیں بنتے۔ قرآن مجید میں امام مطلق پیشوا کے معنی میں ہے خواہ اچھا ہو یا بُرا۔ نبیوں پر بھی یہ لفظ بولا گیا ہے اور کافروں، بدکاروں پر بھی۔ ملاحظہ ہو۔

پہلی آیت

فَقَاتِلُوٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ۔

(سورہ توبہ دسواں پارہ)

ترجمہ اے مسلمانو! کفر کے اماموں سے قتال کرو۔ ان کا معاہدہ اب باقی نہیں ہے تاکہ وہ (اپنی شرارتوں سے) باز آئیں۔

ف اس آیت میں حق تعالیٰ نے کافروں کے سرداروں کو امام فرمایا بوجہ اس کے وہ کافروں کے پیشوا تھے۔ کافر لوگ ان کا اتباع کرتے تھے۔

دوسری آیت

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً۔ یہ آیت دو جگہ ہے۔ اوّل سورہ ہود بارہویں پارے میں، دوسرے سورۂ احقاف چھبیسویں پارہ میں۔

ترجمہ قرآن شریف سے پہلے موسیٰ کی کتاب (یعنی توریت) امام اور رحمت تھی۔

ف اس آیت میں خدا نے کتاب کو امام فرمایا۔ اس لیئے کہ وہ لوگوں کی پیشوا ہے۔ لوگ اس اتباع کرتے ہیں۔ النجم در قدیم میں من مات ولم یعرف امام زمانہ پر ایک مبسوط مضمون شائع ہوا تھا۔ اس میں ایک مطلب اس حدیث کا یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ امام زمان سے آسمانی کتاب مراد ہو اور مطلب حدیث کا یہ ہو کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام یعنی اپنے زمانہ کی کتاب اللہ کو نہ پہچانتا ہو یعنی اس پر ایمان نہ رکھتا ہو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ تو شیعوں کے قبلہ فخر الحکماء صاحب ایڈیٹر اصلاح نے اس پر بڑا تمسخر کیا کہ پہلے امام کا اطلاق کتاب پر کس طرح ہو سکتا ہے۔ مگر جب یہ آیۃ قرآنی پیش کی گئی کہ خدا نے توریت کو امام فرمایا ہے تو مبہوت و مسکوت ہو گئے۔

تیسری آیت

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔ (سورہ حجر چودہواں پارہ)

ترجمہ۔ بے تحقیق وہ دونوں بستیاں امام مبین یعنی شارع عام پر ہیں۔
ف دو بستیوں پر خدا کا عذاب نازل ہوا تھا ان کا ذکر اس آیت میں ہے۔ اس آیت میں سڑک کو اللہ تعالیٰ نے امام فرمایا۔ اس لیئے کہ مسافر اس کا اتباع کرتے ہیں۔

چوتھی آیت

وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا۔ (سورہ انبیاء سترہواں پارہ)
ترجمہ۔ اور بنا دیا ہم نے ان کو امام کہ ہمارے حکم سے وہ لوگوں کو ہدایت کرتے تھے۔
ف۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم حضرت لوط حضرت اسحاق حضرت یعقوب علیہم السلام کو امام فرمایا۔ شیعوں کے معنی یہاں بھی نہیں ہیں یہاں امامت بمعنی نبوت ہے۔

پانچویں آیت

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ (سورہ فرقان انیسواں پارہ)
ترجمہ۔ اور وہ لوگ جو کہتے ہیں۔ کہ اے ہمارے پروردگار بخش دے ہم کو ہماری بیبیوں کو اور ہماری اولاد سے ٹھنڈک آنکھوں کی بنا دے ہم کو متقیوں کا امام۔
ف۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ ترغیب دی ہے کہ تم ہم سے یہ دعا مانگا کرو۔ اس دعا میں اپنے لیئے امامت کی درخواست بھی ہے ظاہر ہے کہ شیعوں کے مفروضہ معنی کی بنا پر اپنے لیئے امامت کی دعا مانگنا اسی طرح ناجائز ہے۔ جس طرح اپنے لیئے نبوت کی درخواست کرنا، لہٰذا یہاں بھی امامت سے مطلق پیشوائی مراد

ہے شیعوں کی اصطلاحی امامت مراد نہیں۔

اس آیت میں شیعوں کو بڑی مشکل نظر آئی کہ امامت تو ایک ایسی چیز ہوئی جاتی ہے جس کی ہر شخص تمنا کر سکتا ہے بلکہ کرنا چاہیئے، لہٰذا انہوں نے فوراً امام جعفر صادق کے نام سے ایک روایت تصنیف کرلی تفسیر قمی میں ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اس آیت میں تحریف ہوگئی ہے، اصل عبارت تفسیر مذکور کی یہ ہے:۔

قُرِئَ عَلٰی اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا فَقَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ لَقَدْ سَاَلُوا اللّٰہَ عَظِیْمًا اَنْ یَّجْعَلَھُمْ لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۔ فَقِیْلَ لَہٗ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ کَیْفَ نَزَلَتْ فَقَالَ اِنَّمَا نَزَلَتْ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنَ الْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا. تو امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اللہ سے ان لوگوں نے بڑا سوال کیا کہ ان کو متقیوں کا امام بنا دے. تو ان سے پوچھا گیا کہ اے فرزند رسول اللہ یہ آیت کس طرح نازل ہوئی تھی، امام نے فرمایا یہ آیت اس طرح تھی وَاجْعَلْ لَّنَا مِنَ الْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا، یعنی متقیوں میں سے ایک امام ہمارے لیے بنا دے۔

چھٹی آیت

وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَھُمْ اَئِمَّۃً وَّنَجْعَلَھُمُ الْوَارِثِیْنَ۔ (سورہ قصص بیسواں پارہ)

ترجمہ: اور ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور سمجھے گئے تھے اور ان کو امام بنا دیں اور ان کو (زمین کا) وارث بنا دیں۔

ف۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا ذکر کیا ہے کہ وہ زمین میں بہت کمزور تھے، لہٰذا ہم نے چاہا کہ ان پر احسان کریں اور ان کو امام بنا دیں، اس آیت میں بھی امامت مطلق پیشوائی کے معنی میں ہے جس سے مراد نبوت اور بادشاہت ہے، جیسا کہ

ایک دوسری آیت میں بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم نے تم کو بادشاہ بنایا اور انبیاً تم میں مبعوث کیے۔

ساتویں آیت

وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ (سورہ قصص بیسواں پارہ)

ترجمہ۔ اور بنا دیا ہم نے ان کو امام کہ بلاتے تھے وہ دوزخ کی طرف۔

ف۔ دیکھیئے اس آیت میں امام کو کیسے بُرے معنی میں استعمال کیا ہے۔ اس آیت میں فرعون والوں کو امام فرمایا۔

آٹھویں آیت

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۞

(سورہ سجدہ اکیسواں پارہ)

ترجمہ۔ اور بنائے ہم نے ان میں سے امام کہ ہدایت کرتے تھے ہمارے حکم سے جب کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

ف۔ اس آیت میں بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے۔ اس آیت میں امام بمعنی نبی ہے اس لیے کہ خدا کے حکم سے ہدایت کرنا نبیوں ہی کا کام ہے اور آگے چل کر ان پر وحی نازل کرنے کا بھی تذکرہ ہے۔ اس سے بھی امامت کا بمعنی نبوت ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

نویں آیت

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ

أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ ۝ (سورۂ یسین بائیسواں پارہ)

ترجمہ۔ بہ تحقیق ہم زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھتے ہیں تمام اُن کاموں کو جو لوگوں نے آگے بھیجے اور ان کی پیچھے چھوڑی ہوئی چیزوں کو اور ہر چیز کو ہم نے ایک روشن امام میں گھیر دیا ہے۔

ف۔ یہاں امام کا لفظ کتاب پر اطلاق کیا گیا ہے روشن امام سے یا تو لوح محفوظ مراد ہے یا اعمال نامہ ایک دوسری آیت سے اعمال نامہ ہی مراد ہونے کی تائید ہوتی ہے سورۂ سبا میں ہے۔ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ یعنی ہر چھوٹی بڑی چیز ایک واضح کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ اعمال نامہ کو امام اس لیئے فرمایا کہ وہ بھی ایک قسم کا پیشوا ہے اور اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا جزا و سزا ملے گی۔

دسویں آیت

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ (سورۂ بنی اسرائیل پندرھواں پارہ)

ترجمہ۔ جس دن کہ ہم بلائیں گے ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ۔

ف۔ اس آیت میں امام سے مراد پیغمبر ہیں۔ کیونکہ قیامت کے دن ہر اُمت اپنے پیغمبر کے ساتھ بلائی جائے گی جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (ترجمہ) اور ہر اُمت کے لیئے ایک رسول ہے۔ پھر جب ان کا رسول آجائے گا تو ان کے درمیان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

گیارہویں آیت

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ

اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝

(سورہ بقرہ پہلا پارہ)

ترجمہ۔ اور جب کہ ابراہیم کو ان کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور ابراہیم نے ان باتوں کو پورا کر دیا۔ تو اللہ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی (کچھ لوگوں کو امام بنا) اللہ نے فرمایا کہ میرا عہد ظالموں کو نہ پہنچے گا۔

ف۔ اس آیت میں یہ بیان ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام امتحان خداوندی میں کامیاب ہوئے تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا امام بنانا چاہتا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بھی اس نعمت میں شریک کرنا چاہا۔ تو حق تعالیٰ نے ان کو خبر دی کہ تمہاری اولاد میں ظالم اور عادل دونوں قسم کے لوگ ہوں گے۔ ظالموں کو یہ نعمت نہ ملے گی۔

شیعوں نے اس آیت میں بہت ہاتھ پیر مارے ہیں۔ اُن کے امام اعظم شیخ حلی نے منہاج الکرامہ میں اس آیت کو اپنے استدلال میں پیش کیا ہے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں شیعوں کے مفروضہ معنی امامت کا ثبوت ہوتا ہے اور یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ امامت کا مرتبہ نبوت سے بڑھ کر ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام کے لیے معصوم ہونے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت مل چکی تھی۔ اس کے بعد خدا نے فرمایا کہ میں تم کو امامت کا مرتبہ بھی دینا چاہتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امامت کا رتبہ نبوت سے زیادہ ہے۔ پھر جب حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کے لیئے امامت کی درخواست کی تو خدا نے فرمایا کہ ظالم کو یہ مرتبہ نہ ملے گا یعنی غیر ظالم کو ملے گا اور غیر ظالم اسی کو کہتے ہیں جس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو اور اسی کو معصوم بھی کہتے ہیں۔ شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس آیت سے حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کا ابطال ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ معاذ اللہ ظالم تھے اور ظالم ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے قبل از اسلام بُت پرستی کی تھی۔

جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس خطاب کا بعد نبوت
ہونا کہیں سے ثابت نہیں۔ امامت سے نبوت کے سوا کسی اور مرتبہ کا مراد لینا محض بے دلیل
ہے۔ آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم امتحان خداوندی میں کامیاب
ہو گئے۔ تو خدا نے ان سے فرمایا کہ ہم تم کو مرتبہ نبوت عطا کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت مولانا شیخ
ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

اگرچہ معنی امام پیشوا است نبی باشد خلیفہ لیکن مراد دریجا نبی است بلاشک پس معنئے کلام این است کہ خدائے تبارک و تعالیٰ حضرت ابراہیم را نبی ساخت برائے مردمان مبعوث گردانید او را بسوئے مردمان وے صلوٰت اللہ علیہ سوال نمود کہ بار خدایا از ذریت من ہم بعضی انبیاء گردان حق سبحانہ فرمود نرسد وحی من یا نبوت من ظالمان را۔

اگرچہ امام کے معنی پیشوا کے ہیں۔ نبی ہو یا خلیفہ لیکن اس جگہ بلاشک نبی مراد ہے۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدائے تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو ان لوگوں کے لیے نبی بنایا اور لوگوں کی طرف مبعوث کیا۔ حضرت ابراہیم صلوٰت اللہ علیہ نے سوال کیا کہ بار خدایا میری اولاد میں سے بھی کچھ لوگوں کو نبی بنا۔ حق سبحانہ نے فرمایا۔ کہ میری وحی یا میری نبوت ظالموں کو نہیں مل سکتی۔

اور اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ خطاب بعد نبوت کا ہے تو امامت
سے مراد یہ ہو گی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سلطنت و بادشاہت کا وعدہ اس آیت
میں دیا گیا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ملک فلسطین کی حکومت ان کو بھی عطا فرمائی۔ تفسیر معالم التنزیل
میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت کا ایک مطلب یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ
السلام کے بعد جتنے انبیاء ہوئے ان کی ذریت سے ہوئے اور ان کی ملت کے تابع
رہے یہاں تک کہ خاتم الانبیاء مبعوث ہوئے تو وہ بھی ملت ابراہیمی پر رہے بہر حال
شیعوں کی اصطلاحی امامت اس آیت سے بھی کسی طرح ثابت نہیں ہوتی۔
اور شیعوں کا یہ کہنا کہ لفظ ظالم اس کو کہتے ہیں جس نے کبھی کوئی گناہ نہ کیا ہو، بالکل
غلط و شریعت اسلامیہ کے قطعاً خلاف ہے ... اسلام میں قطعی طور پر یہ بات ثابت

ہے کہ گناہ کے بعد توبہ کرنے سے وہ بالکل معاف ہو جاتا ہے اور توبہ کرنے والا ایسا ہوتا جاتا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہے نہیں۔ بلکہ قرآن مجید میں یہاں تک فرما دیا کہ گناہ کے بعد توبہ کرنے سے وہ گناہ نیکی بن جاتا ہے۔ قولہ تعالیٰ یبدل اللہ سیاتھم حسنات۔

الحاصل قرآن مجید کی یہ کل بارہ آیتیں ہیں جن میں لفظ امام مستعمل ہوا ہے اور کہیں بھی شیعوں کے اصطلاحی معنی کسی طرح چسپاں نہیں ہوتے اور کوئی مقصود ان کا اس مسئلہ امامت سے سوا عقیدۂ نبوت کے مقابلہ اور معارضہ کے معلوم نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کو شروع سے آخر تک کوئی پڑھے تو اس کو سینکڑوں آیتیں اس مضمون کی ملیں گی کہ رسول کی اطاعت نجات کے لیئے کافی ہے اور رسول ہی کے مبعوث ہونے سے خدا کی حجت قائم ہوتی ہے خدا کی طرف سے رسول ہی کی اطاعت مخلوق پر فرض کی گئی ہے قرآن مجید میں سوا رسول کے اور کسی کی اطاعت کو خدا نے اپنی اطاعت نہیں فرمایا۔ نمونہ کے طور پر چند آیتیں جو قطرہ از بحار کے حکم میں ہیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم۔	کہہ دیجیئے اے نبی کہ اگر تم دوست رکھتے ہو اللہ کو تو میری پیروی کرو۔ محبت کرے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے گناہوں کو۔
۲۔ قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین۔	کہہ دیجیئے اے نبی کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی۔ پھر اگر منہ پھیریں یہ لوگ تو اللہ نہیں پسند کرتا کافروں کو۔
۳۔ من یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا وذلک الفوز العظیم۔	جو شخص اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو داخل کرے گا اس کو اللہ باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ رہیں گے۔ ان میں اور یہ بڑی کامیابی ہے۔
۴۔ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔	جو رسول ہم نے بھیجا وہ اسی لیئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔

۵. من یطع الرسول فقد اطاع الله۔

جس نے رسول کی اطاعت کی، بہ تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

۶. رسلا مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی الله حجة بعد الرسل۔

رسول خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تاکہ نہ رہے کوئی حجت لوگوں کی اللہ پر رسولوں کے بھیجنے کے بعد۔

۷. واطیعوا الله واطیعوا الرسول واحذروا۔

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور (نافرمانی سے) بچتے رہو۔

۸. یا معشر الجن والانس الم یاتکم رسل منکم یقصون علیکم ایاتی وینذرونکم لقاء یومکم ھذا۔

اے گروہ جنوں اور انسانوں کے کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم میں سے کہ بیان کرتے ہیں احکام اور ڈراتے تم کو اس دن کے ملنے سے۔

۹. یا بنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم ایاتی فمن اتقی واصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

اے بنی آدم آئیں گے تمہارے پاس رسول جو تمہیں میں سے ہوں گے بیان کریں گے تم سے میرے احکام پھر جو لوگ پرہیزگاری کریں گے اور اچھے کام کریں گے۔ ان پر نہ کچھ خوف ہوگا نہ وہ رنجیدہ ہوں گے

۱۰. یا ایھا الذین امنوا اطیعوا الله ورسوله۔

اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔

۱۱. لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة۔

بہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں اچھی پیروی ہے۔

۱۲. ومن یطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظیما۔

جو اطاعت کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی تو بہ تحقیق وہ بڑی کامیابی کو پہنچ گیا۔

۱۳. وقال لھم خزنتھا الم یاتکم رسل منکم۔

اور کہیں گے ان سے داروغہ جہنم کے کہ کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس رسول تم میں سے

۱۴۔ ماآتاکم الرسول فخذوہ وماننھاکم عنہ فانتھوا۔ جو حکم دیں تم کو رسول اس پر عمل کرو اور جو منع کریں اس سے باز رہو۔

الغرض قرآن مجید میں ہر جگہ رسول کی ہی اطاعت کا حکم ہے انہیں کی اوامر و نواہی کو واجب الاتباع قرار دیا گیا ہے۔ انہیں کی اطاعت پر فوز عظیم اور جنت کا وعدہ ہے قبر سے لے کر حشر تک انہیں کی اطاعت کا سوال ہوگا انہیں کی اطاعت بعینہا خدا کی اطاعت قرار دی گئی ہے قرآن مجید کی ان آیات کو دیکھ کر کون مسلمان اس بات کو مان سکتا ہے کہ رسول کے سوا کوئی اور بھی مثل رسول کے واجب الاطاعت ہو سکتا ہے یا کسی اور سے بھی خدا کی حجت قائم ہو سکتی ہے ایک مسلمان کے لیئے تو یہ بس۔ بڑی بات ہے کہ اگر مسئلہ امامت کی کچھ اصلیت ہوتی اور امام کی اطاعت بھی مثل اطاعت رسول کے فرض ہوتی تو جس طرح خدا نے رسولوں کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح اماموں کی اطاعت کا بھی حکم دیتا اگر رسولوں کی اطاعت کے متعلق دو سو آیتیں ہیں۔ تو اماموں کے متعلق دس بیس آیتیں ہوتیں نہ سہی ایک ہی آیت قرآن مجید میں ہوتی۔

ایک آیت خدا نے رسول کی اطاعت کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت کا بھی حکم دیا تو اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ اگر تم میں اور اولی الامر میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ خدا اور رسول سے کراؤ جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اولی الامر کی اطاعت اسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ کوئی حکم خلاف شریعت نہ دے۔

مگر شیعوں کے پاس اس کا نہایت شافی جواب موجود ہے کہتے ہیں کہ خدا قرآن میں مسئلہ امامت کو کیسے ذکر کرتا اور امام کی اطاعت کا حکم کیسے دیتا امامت تو ایک راز تھی۔ جس کا پوشیدہ رکھنا ضروری تھا اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۴۸۵ میں ہے۔

قال ابوجعفر علیہ السلام ولایۃ اللہ اسرھا الی جبریل واسرھا جبریل امام باقر علیہ السلام نے فرمایا اللہ کی ولایت (یعنی مسئلہ امامت) پوشیدہ طور پر خدا نے جبریل سے

الی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ و — بیان کیا اور جبریل نے اس کو پوشیدہ طور پر
اسرھا محمد الی علی علیہ السلام — محمد صلی اللہ علیہ وآلہ سے بیان کیا اور محمد نے علی
واسرھا علی الی من شاء ثم انتم — علیہ السلام سے اس کو پوشیدہ طور پر بیان کیا۔ مگر
تذیعون ذلک۔ — تم اس کو مشہور کر رہے ہو۔

امام باقر علیہ السلام کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ مسئلہ امامت ایک ایسا راز ہے جس کو خدا نے صرف جبریل سے بیان کیا۔ کسی فرشتہ کو بھی اس کی خبر نہ دی اور جبریل نے بھی صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس راز کو بیان کیا اور کسی نبی کو اس کی اطلاع نہیں ہونے پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صرف جناب امیر علیہ السلام سے اس پوشیدہ راز کو بیان کیا فاطمہ اور حسنین کو بھی اس کی خبر نہیں ہونے دی۔ جناب امیر نے البتہ جن کو اہل سمجھا ان سے بیان فرمایا، مگر امام باقر علیہ السلام کے نا اہل شاگردوں نے اس راز کو طشت از بام کر دیا۔

پس جب مسئلہ امامت ایسا راز سربستہ تھا تو خدا قرآن میں اس کو کیسے بیان کرتا لہٰذا قرآن میں صرف رسولوں کے بیان پر قناعت کی گئی۔

اس مضمون کی روایتیں کتب شیعہ میں بہت ہیں۔ اصول کافی کے اسی باب کی ایک اور روایت ملاحظہ ہو۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

مازال سرنا مکتوما حتی صار فی — ہمارا راز یعنی مسئلہ امامت ہمیشہ پوشیدہ رہا۔
یدی ولد کیسان فتحدثوا بہ — یہاں تک کہ مکر و فریب کی اولاد کے ہاتھوں میں
فی الطرق وقری السواد. — پہنچا اور انہوں نے اس کو راستوں میں اور عراق کی بستیوں میں بیان کرنا شروع کیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ مسئلہ امامت اگلے پیغمبروں کے وقت میں کوئی نہ جانتا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی کو اس کی خبر نہ تھی۔ حضرت علی و حسنین اور زین العابدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں کسی کو اطلاع نہ تھی مگر امام موصوف نے اپنے اور اپنے والد کے شاگردوں کو گالی دے کر فرمایا کہ انہوں نے اس

کا چرچا کر دیا۔

کتب شیعہ میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ خاندان نبوت کے لوگ بھی اس مسئلہ امامت سے ناواقف ہوتے تھے ائمہ اپنی اولاد سے بھی اس مسئلہ کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ حتی کہ جب کوئی امام زادے اس مسئلہ کو سنتے تھے تو بہت تعجب کرتے تھے۔

اصول کافی ص۱۷۱ میں ایک طولانی روایت ہے کہ حضرت امام زین العابدین کے فرزند حضرت زید شہید سے احول نے اس مسئلہ امامت کو بیان کیا تو حضرت زید شہید نے فرمایا کہ اے احول تعجب ہے کہ میرے والد حضرت زین العابدین مجھ سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ جب میں ان کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھتا تھا تو لقمے ٹھنڈے کر کے مجھے کھلاتے تھے، مگر دوزخ کی آگ کا میرے لیئے کچھ خیال نہ کیا کہ دین کی باتیں مجھ کو بتا دیں اور مجھے نہ بتائیں۔ اس موقع کا فقرہ یہ ہے۔ ولم یشفق علی من حر النار اذ اخبرک بالدین ولم یخبرنی بہ۔

الغرض مسئلہ امامت ایک ایسا راز ہے کہ خدا نے اس کو راز رکھا، رسول نے اس کو راز رکھا، ائمہ نے اس کو راز رکھا، لہذا قرآن میں اس کی تصریح کس طرح ہوتی۔ شیعہ اگر اس راز کو طشت از بام نہ کرتے تو آج کسی کو خبر بھی نہ ہوتی لو گر بے چارے کیا کرتے۔ نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا۔ مگر یہاں پر ایک عقدہ لاینحل یہ ہے کہ آخر مسئلہ امامت میں کیا بات تھی جو اس طرح پردہ راز میں رکھا گیا۔ جتنا بھی غور کیا جائے یہ عقدہ حل نہیں ہو سکتا۔

اگر دشمنوں کے خوف سے یہ مسئلہ چھپایا گیا تو کیا توحید کے دشمن نہ تھے کہ رسالت کے دشمن نہ تھے، بلکہ توحید و رسالت کے دشمن تو بہت زیادہ تھے۔ پھر نہ معلوم فرشتوں سے کیا اندیشہ تھا جو سوا جبرئیل کے سب فرشتوں سے بھی یہ مسئلہ چھپایا گیا۔ علاوہ نبیوں سے کیا خطرہ تھا جو سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی نبی کو بھی یہ مسئلہ نہ بتایا گیا۔ شاید فرشتوں اور نبیوں سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ اس مسئلہ کو سن کر حسد کریں گے اور نہ معلوم اس حسد کے کیا کیا نتائج نکلیں۔ فرشتوں نے حضرت آدم کی خلافت سن کر اعتراض کیا ہی تھا۔ اور حضرت

آدم علیہ السلام نے ائمہ کے نام ساق عرش پر دیکھ کر حسد کیا ہی تھا اور اسی حسد کی سزا میں جنت سے نکالے گئے۔

خیر ہم اس عقدۂ لاینحل کے حل کرنے کے پیچھے پڑ کر کاغذ سیاہ کرنا نہیں چاہتے۔ شیعہ جانیں اور اُن کے ائمہ ہمیں اس سے کچھ مطلب نہیں۔

دوسرا جواب۔ شیعوں کے پاس یہ ہے کہ قرآن میں تحریف ہو گئی ہے اصلی قرآن میں مسئلہ امامت بڑے اہتمام اور بڑی تصریح کے ساتھ مذکور تھا۔ حتیٰ کہ بارہ اماموں کا تذکرہ نام بنام اس میں تھا۔ اس جواب کے متعلق ہم کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

ہمارا مقصود صرف یہ تھا کہ امام کے جو معنی اور امام کی جو ضرورت شیعہ بیان کرتے ہیں وہ سب اُن کی خانہ ساز باتیں ہیں قرآن شریف سے ان چیزوں کا ثبوت نہیں ہو سکتا اور یہ کہ اس مسئلہ کی ایجاد کا مقصد صرف عقیدہ نبوت کو بے کار کرنا اور انبیاء علیہم السلام کی شان کو گھٹانا ہے۔ یہ مقصود پورا ہو گیا۔

هٰذَا اٰخِرُ الْكَلَامِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔
وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ۔

تمت

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ

تحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے مومنین کو

تفسیر آیاتِ مذمتِ منافقین

جس میں

قرآن مجید کی سات آیتوں کی تفسیر بیان کیگئی ہے جن میں منافقین کا تذکرہ ہوا ہے
یہ بات اچھی طرح واضح کر دیگئی ہے کہ حضرات خلفائے ثلٰثہ اور انکے رفقا رضی اللہ عنہم
کو منافق کہنے والے قرآن شریف کے مکذب ہیں اور جس جرم میں خود آلودہ ہیں اس کا
اتہام پاک اور مقدس حضرات پر لگا کر اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرتے ہیں

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
مکان نمبر ۳۔ رو نمبر ۷۔ سب بلاک اے ' بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدوسیہ
ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔ فون نمبر: ۶۶۰۱۴۴۹

اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ كَالۡمُجۡرِمِیۡنَ مَا لَكُمۡ كَیۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ

کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کے مانند کر دیں تم لوگوں کو کیا ہو گیا کیسی باتیں کرتے ہو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ جاعل الامتیاز بین المسلمین والمجرمین ناصر للمومنین وخاذل للمنافقین والصلوٰۃ والسلام علی النبی الامین المامور بجہاد الکفار والمنافقین وعلی آلہ وصحبہ الذین جعلوا شہداء علی من بعدھم اجمعین۔

امّا بعد تفسیر آیات خلافت کے سلسلہ میں آیات مذمت منافقین کی آیتوں کی تفسیر اس لیے کی جاتی ہے کہ یہ بات سب پر روشن ہو جائے کہ صحابہ کرام کی عظمت و رفعت کے اظہار میں قرآن مجید کو کس قدر اہتمام منظور ہے ان کے مناقب و فضائل کے بیان کرنے کے بعد انکی خلافت کی پیشین گوئیوں اور موعودہ خلافت کی علامتوں کے ذکر کرنے کے بعد یہ بھی کیا گیا کہ جن آیتوں میں منافقوں کا تذکرہ ہے ان میں کچھ ایسی باتیں بھی ارشاد فرما دیں کہ کوئی باغی جب تک قلم کھلا قرآن مجید کو اعلان جنگ نہ دے صحابہ کرام اور خلفائے راشدین پر نفاق کی تہمت نہیں لگا سکتا۔

اس حقیقت کا اظہار بار بار ہو چکا ہے کہ مذہب شیعہ کو جو کچھ عداوت ہے وہ قرآن کریم سے ہے جو کچھ بغض و نفرت ہے وہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور خاص کر ختم نبوت سے ہے۔ مگر بانیان مذہب شیعہ نے تقاضائے مصلحت اس حقیقت کو پردہ میں رکھا اور بڑی ہوشیاری سے اپنے نصاب تعلیم میں سب سے اول نمبر پر مسئلہ امامت کو قائم کیا اور اس مسئلہ کے دو بازو قرار دیے۔ ایک یہ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بلا فصل جناب علی مرتضیٰ خلیفہ تھے اس سے

بلکہ گیارہ قریشی اشخاص کو مثل رسول کے معصوم اور مفترض الطاعۃ مانا جائے۔ دوسرے یہ کہ صحابۂ کرام کو ان بارہ اماموں کا دشمن اور معاذ اللہ منافق و مرتد و غاصب حق اہلبیت قرار دیکر خوب سب و شتم کیا جائے۔ پہلی چیز کا نام تولا اور دوسری کا نام تبرا رکھا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں چیزوں سے مذہب شیعہ کا مقصد کما حقہ پورا ہو جاتا ہے کیونکہ تولا کی زد براہ راست ختم نبوت پر پڑتی ہے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو آپ کے مانند معصوم اور واجب الاطاعۃ اور تحلیل و تحریم کا مختار مان لیا گیا تو ختم نبوت کی حقیقت ایک لفظ بے معنی سے زیادہ کیا رہ گئی۔

پھر تولا سے بہت سی شاخیں پھوٹی ہیں از انجملہ ایک شاخ اسکی تقیہ ہے جسکی ضرورت بیان یہ کیجاتی ہے کہ یہ بارہ معصوم سوا شیعوں کے اور کسی کے سامنے اپنا اصلی مذہب ظاہر نہ کرتے تھے نہ اپنے کو معصوم و مفترض الطاعۃ کہتے تھے نہ رسول کی مثلیت کا دعوی کرتے تھے نہ قرآن پر حملہ کرتے تھے بلکہ جو شخص مذہب شیعہ کی کوئی بات انکی طرف منسوب کرتا تھا اسکی تکذیب کر دیتے تھے اسپر لعنت بھیجتے تھے اور شیعوں کو تنہائی میں سمجھا دیتے تھے کہ ہم تقیہ کرتے ہیں اور فرماتے تھے کہ ہمارا تمھارا مذہب ہی ایسا ہے کہ جو اسکو ظاہر کریگا خدا اسکو ذلیل کریگا۔

تقیہ کی ایجاد کا ظاہری سبب تو یہی تھا لیکن اصلی بات یہ ہے کہ اس سے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اور قرآن مجید پر حملہ مقصود ہے کیونکہ جب اہل بیت کا شیوہ

سلہ اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ ص۲۳ میں امام صادق سے مروی ہے کہ انھوں نے اس آیت کو جو رسول ؐ کی شان میں تھی لیعنی ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا حضرت علی پر منطبق کیا اور کہا کہ علی جو احکام لائے ہیں میں ان پر عمل کرتا ہوں اور جس بات سے وہ منع کردیں اس سے پرہیز کرتا ہوں اور فرمایا کہ جری لہ من الفضل مثل ما جری لمحمد علیہ السلام یعنی علی کی بزرگی وہی ہے جو محمد علیہ السلام کی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ تمام ائمہ کی بزرگی اسی طرح کی ہے۔

سلہ اصول کافی ص۲۷۸ میں ہے کہ امام محمد تقی علیہ السلام کے سامنے ایک مرتبہ شیعوں کے باہمی اختلافات کا ذکر ہوا تو آپ نے اس اختلاف کا سبب یہ بیان کیا کہ ائمہ کو خدا نے تحلیل و تحریم کا اختیار دیا ہے فھم یحلون ما یشاؤن ویحرمون ما یشاءون یعنی ائمہ جس چیز کو چاہتے ہیں حلال کر دیتے ہیں اور جسکو چاہتے ہیں حرام کر دیتے ہیں مطلب یہ کہ شیعوں کا اختلاف اسی وجہ سے ہے ہے۔ سلہ ان تمام مضامین کی روایتیں کتب شیعہ سے الشافی من لما تین میں نقل

جھوٹ بران ٹھہرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی نبوت و دلائل نبوت کے متعلق اور قرآن شریف کے متعلق جو شہادت وہ دیتے تھے مشکوک ہو گئی۔

باقی رہا تبرا اُس سے جو حملہ قرآن شریف پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی نبوت پر ہوتا ہے وہ ایسا واضح ہے کہ ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے اسلئے کہ قرآن مجید کی اور نبوت کی معتبر شہادتیں انھیں دو جماعتوں سے حاصل ہوتی ہیں ایک حضرت علی اور ان کے ساتھیوں کی جماعت جس میں گنتی کے پانچ آدمی بیان کیے گئے ہیں اور دوسری جماعت حضرات خلفائے ثلاثہ اور اُن کے ساتھیوں کی جنکا شمار ایک لاکھ سے زیادہ ہے اس چھوٹی جماعت کو تقیہ نے کاذب قرار دے کر مجروح اور مردود الشہادۃ بنا دیا اور بڑی جماعت کو مسئلہ تبرا نے کسی کام کا نہ رکھا غرضکہ مقصود حاصل ہو گیا کہ قرآن شریف کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی نبوت کی کوئی معتبر شہادت قابل اعتبار نہ رہی۔

مگر افسوس کہ اسطرح ضمناً مقصود کے حاصل ہو جانے پر مذہب شیعہ کو قناعت نہ ہوئی اور زائد از دو ہزار روایات قرآن شریف کے محرف ہو جانے کی تصنیف کی گئیں اور قرآن مجید کا محرف ماننا بھی ضروریات مذہب میں قرار دیا گیا۔

مذہب شیعہ کی یہ حقیقت اُن لوگوں پر خوب روشن ہے جنھوں نے اس مذہب کی کتابوں کو دیکھا ہے [3]

---

[1] دیکھو احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران صفحہ ۴۸ حضرت ابوبکر صدیق کے متعلق لکھا ہے کہ تمام اُمت نے برضا و رغبت ان کے ہاتھ پر بیعت کی سوا علی کے اور چار شخصوں کے اصل الفاظ یہ ہیں ما من الامۃ احد بایع مکرھا غیر علی و اربعتنا [2] ان زائد از دو ہزار روایات میں ہر قسم کی تحریف قرآن شریف کی بیان کی گئی ہے کمی بیشی بھی تبدل الفاظ و حروف بھی خرابی ترتیب بھی اور اسکے ساتھ ہی علمائے شیعہ کو ان روایات کے متواتر ہونے اور تحریف قرآن پر صراحۃً دلالت کرنے کا بھی اقرار ہے یہ روائتیں اور یہ اقوال اگر مفصل دیکھنا ہیں تو ہماری کتاب تنبیہ الحائرین اور الاول من المائتین دیکھنا چاہیے [3] دیکھو شیعوں کے قبلہ و کعبہ مجتہد اعظم مولوی دلدار علی کی کتاب اساس الاصول صفحہ ۲۸۱

صیاد نے لگائے ہیں پھندے کہاں کہاں
سارے پتے عیاں ہیں اسی سبز باغ میں

مذہب شیعہ کی یہ حقیقت جو یہاں بالاجمال بیان کیگئی اسکی غایت صرف یہ ہے کہ تبرا کو جو شیعوں نے اپنے مذہب کا جزو اعظم بنا رکھا ہے اور حضرات خلفائے ثلثہ اور اُنکے ساتھیوں کو معاذ اللہ منافق کہہ کر اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرتے ہیں اسکا اصلی سبب ظاہر ہو جائے اور یہ بات بھی سب کو معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں کو تبرا سے اس قدر نفرت کیوں ہو اور حضرات خلفائے ثلاثہ اور ان کے ساتھیوں کی حمایت میں اس قدر شغف کس لیئے ہے۔ وهذا اوان الشروع فی المقصود۔

شیعہ کہتے ہیں کہ تینوں خلیفہ اور ان کے ساتھی جو تمام مہاجرین و انصار تھے منافقانہ طور پر مسلمان ہوئے تھے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ سب مرتد ہو گئے تھے صرف وہی تین چار اشخاص دین پر قائم رہ گئے تھے جو صرف حضرت علی کے ساتھی تھے۔

یہ مضمون شیعوں کی کتابوں میں بلا اختلاف مذکور ہے کسی خاص کتاب کا حوالہ دینے یا عبارت نقل کرنے کی ضرورت نہیں اسی پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے۔

شیعوں کا یہ عقیدہ عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے فطرت انسانی اسکے بطلان پر شہادت دیتی ہے بھلا کون کہہ سکتا ہے کہ ہجرت سے پہلے ایمان لانیوالوں میں کوئی منافق تھا۔ منافقانہ طور پر کسی کام کا کرنا یا بوجہ خوف کے ہو سکتا ہے یا بوجہ طمع کے مگر ہجرت سے پہلے جو حالت ضعف و غربت اسلام کی تھی وہ ظاہر ہے ایسے مظلوموں اور غریبوں سے نہ کسی کو کوئی خوف ہو سکتا ہے نہ کوئی طمع بلکہ اس وقت کی حالت دیکھ کر ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ جو کچھ خطرہ تھا وہ دین اسلام کے قبول کرنے میں تھا اسوقت کلمۂ اسلام کا زبان سے نکالنا اپنے آپ کو لقمۂ اجل بنانے کے مرادف تھا جو شخص مسلمان ہوتا تھا اور اپنے اسلام کا اعلان کرتا تھا وہ یقینی طور پر اپنی جان مال عزت آبرو ہر چیز سے ہاتھ دھو کر اس کوچہ میں قدم رکھتا تھا۔

کسی شیعہ کا انصاف و حیا کو بالائے طاق رکھکر یہ کہدینا کہ ہجرت سے پہلے جو لوگ

مسلمان ہوتے تھے اسوقت اگرچہ بظاہر وہ اپنے کو خطرہ میں ڈالتے تھے لیکن آئندہ کیلئے ان کو بڑی بڑی امیدیں تھیں انکو نجومیوں اور کاہنوں سے یہ خبریں مل چکی تھیں کہ آئندہ چلکر بڑی بڑی بادشاہتیں اسلام کے قبضہ میں آئینگی اور مسلمانوں کی شان و شوکت جاہ و حشمت کا جھنڈا آسمان سے اونچا ہو جائیگا۔ حملہ حیدری میں جو مذہب شیعہ کی ایک معتبر تاریخ ہے رقمطراز ہے:-

نبودے اثر گفتہ اش گاہ گاہ — کہ بگذاشتی یک دو کس با براہ
ولیکن نہ جملہ زراہ یقین — یکے بہر دنیا یکے بہر دین
بناداں رسد گر بگیرد خطا — کہ دنیا کجا بود با مصطفا
چنین است دنیا بود آں زماں — دلے بود آیندہ منظور شاں
خبر دادہ بود ند بروں کاہناں — کہ دین محمد بگیرد جہاں
ہمہ پیروانش بعزت رسند — تمام اہل انکار ذلت کشند

یہ ایک ایسی بات ہے کہ سوا شیعوں کے اور کسی کی زبان سے نہیں نکل سکتی بھلا خیال تو کرو بالفرض نجومیوں اور کاہنوں نے ایسی پیشین گوئیاں کیں بھی تو وہ ایسی یقینی کہاں سے ہو سکتی ہیں کہ انکی امید پر آدمی اپنے کو ایسی ہلاکت میں ڈال دے جس سے جانبری کی امید نہیں نفع موہوم کے امید پر ضرر عاجل میں اپنے کو مبتلا کر دینا کسی صاحب عقل کا کام نہیں ہو سکتا۔

الغرض مہاجرین میں سے کسی کا منافق ہونا قطعاً عقل اور فطرت کے خلاف ہے اور یہی وجہ ہے کہ مکی سورتوں اور مکی آیتوں میں نفاق اور منافق کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ لیکن اسوقت ہمارا مقصود یہ ہے کہ ہم قرآن مجید کی اُن آیتوں کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ ان آیتوں میں مخلصین اور منافقین میں کیا کیا امتیازات بیان فرمائے گئے ہیں۔

پہلی آیت

المنافقون والمنافقات بعضهم من بعض ط يأمرون بالمنكر وينهون عن المعروف ويقبضون ايديهم ط

ترجمہ ۔ منافق مرد اور منافق عورتیں باہم ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہیں خلاف شریعت بات کا حکم دیتے ہیں اور موافق شریعت بات سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو سمیٹے رہتے ہیں ۔

ف اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقوں میں ۲ دو نشانیاں ضرور ہوتی ہیں ۔

اول ۱ یہ کہ وہ خلاف شریعت امور کی لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں اور موافق شریعت باتوں سے روکتے ہیں ۔

دوم ۲ یہ کہ بخیل ہوتے ہیں ، مگر جن کو شیعہ منافق کہتے ہیں ان میں یہ دونوں نشانیاں مفقود بلکہ ان کی ضد ان میں موجود ہیں حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق خود شیعوں نے باآں بغض و عداوت ان دونوں باتوں کا اقرار کیا ہے یعنی یہ کہ وہ احکام شرعی کو قائم رکھتے تھے اور بخیل نہ تھے ۔

علامہ ابن میثم بحرانی شرح نہج البلاغہ میں اس شبہ کے جواب میں کہ جناب امیر علیہ السلام نے حضرت معاویہ سے تو جنگ کی لیکن خلفائے ثلثہ سے کیوں نہ کی لکھتے ہیں کہ ۔

ان الفرق بين الخلفاء الثلثة وبين معاوية فى اقامة حدود الله والعمل بمقتضى اوامره ونواهيه ظاهر

بہ تحقیق خلفائے ثلثہ اور معاویہ کے درمیان میں اللہ کی حدوں کے قائم رکھنے اور اوامر و نواہی شریعت کے مطابق عمل کرنے میں جو فرق تھا وہ ظاہر ہے ۔

اور علامہ محقق جیلانی فتح البل میں لکھتے ہیں ۔

کہ نفوس خود را از اموال باز داشتند و شیوۂ زہد در دنیا پیش گرفتند و رغبت بدنیا و زینت آں را ترک کردند و قناعت بہ قلیل و اکل خشن و لباس کرباس ملک خود ساختند در حالیکہ اموال برائے ایشاں حاصل و دینار و کردہ بود و آں را درمیان قوم قسمت میکردند و خود را باآں اصلاً آلودہ نمی کردند ۔

تینوں خلیفہ نے اپنے آپکو مال دنیا سے علیحدہ رکھا اور دنیا میں زہد کا طریقہ اختیار کیا اور دنیا کی طرف رغبت اور اسکی زینت کو ترک کردیا اور تھوڑی چیز پر قناعت کرنا اور موٹا کھانا اور ٹاٹ پہننا اختیار کیا جس وقت کہ مال انکے لئے موجود تھے اور دنیا انکی طرف متوجہ ہوئی اسکو لوگوں پر تقسیم کردیتے تھے اور اپنے کو اسکے ساتھ آلودہ نہ کرتے تھے ۔

دوسری آیت

ومِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ۔

ترجمہ اور بعض وہ بدوی لوگ جو تمہارے (شہر مدینہ کے) آس پاس رہتے ہیں منافق ہیں اور کچھ لوگ مدینہ کے رہنے والوں میں سے سخت ہیں نفاق پر اے نبی آپ انکو نہیں جانتے ہیں ان کو جانتے ہیں ہم ان کو دو مرتبہ عذاب کریں گے پھر اسکے بعد وہ ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

ف اس آیت سے منافقوں کے متعلق چند نہایت واضح باتیں معلوم ہوئیں۔

اوّل یہ کہ منافقوں کو خدا نے دو قسموں میں منحصر کر دیا ایک وہ بدوی لوگ جو مدینہ منورہ کے آس پاس کی بستیوں میں رہتے تھے دوسرے خاص مدینہ کے رہنے والے ان کو بھی سب کو منافق نہیں فرمایا بلکہ ان میں سے بعض کو معلوم ہوا کہ مہاجرین میں سے کوئی بھی منافق نہ تھا لہذا مہاجرین پر نفاق کا شبہہ کرنا اس آیت کے خلاف ورزی کرنا ہے بلکہ سچ پوچھو تو اس آیت کی تکذیب کرنا ہے۔

دوم یہ کہ منافقوں کا نفاق اس قدر مخفی تھا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم باوجود اس فراست کاملہ کے اور باوجود اس روشن ضمیری کے ان کے نفاق سے واقف نہ تھے۔ معلوم ہوا کہ شیعہ جن کو منافق کہتے ہیں وہ ہرگز منافق نہ تھے کیونکہ بقول شیعہ ان کا نفاق اسقدر ظاہر تھا کہ اول روز سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ان کے نفاق سے باخبر تھے سفر ہجرت میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق کو اسی لئے ہمراہ لیا تھا کہ کہیں وہ افشائے راز نہ کردیں (معاذ اللہ منہ)

سوم یہ کہ منافقوں کو عذاب آخرت سے پہلے دو مرتبہ دنیا میں عذاب ہونا ضروری ہے کیونکہ عذاب عظیم سے مراد بلا شبہہ آخرت کا عذاب ہے لہذا اس سے پہلے جو دو مرتبہ عذاب

کرنے کو فرمایا وہ لامحالہ دنیا میں ہے اس کی تصریح بھی دوسری آیتوں میں وارد ہو گئی ہے جیسا کہ عنقریب معلوم ہو گا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ دنیا میں دو مرتبہ عذاب کرنے سے مراد یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کا نفاق ظاہر کر کے ان کی فضیحت کی جائے گی اور دوسری مرتبہ ان کو قتل کی سزا ملے گی۔ بہرکیف شیعہ جن کو منافق کہتے ہیں ان میں یہ بات نہیں پائی جاتی دنیا میں ان کو عذاب کا ملنا کوئی نہیں ثابت کر سکتا بلکہ دنیا میں تو ان کی عزت روز بروز ترقی کرتی رہی اور خدا نے ان کو اتنی بڑی عظیم الشان سلطنت کا مالک بنایا جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

تیسری آیت

وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعْ أَذَاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۔ (احزاب)

ترجمہ۔ اے نبی آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانئے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کیجئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے اللہ کارسازی کے لئے کافی ہے۔

ف اس آیت سے بھی منافقوں کے متعلق دو باتیں معلوم ہوئیں۔

اول یہ کہ منافقوں کی بات ماننے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ممانعت تھی مگر مخلصوں کے متعلق حکم تھا کہ ان سے ہر کام میں مشورہ لیا کیجئے قولہ تعالیٰ وشاورھم فی الامر لہٰذا جن صحابہ کرام کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مشوروں میں شریک رکھتے تھے ان کو منافق کہنا اس آیت کی صریح مخالفت ہے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا ہر مشورہ میں شریک رہنا ایک ایسی بات ہے کہ کوئی شیعہ بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ ان دونوں کو اپنے سے جدا نہیں کرتے نہ کہیں باہر کبھی بھیجتے ہیں تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاغنی لی عنھما فانھما من الدین کالسمع والبصر یعنی مجھے ان دونوں کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے یہ دونوں دین کے لئے مثل کان اور آنکھ کے ہیں۔ یہ حدیث سنی شیعہ دونوں کی کتابوں میں ہے۔

دوم یہ کہ منافقوں کے مقابلہ میں خدا نے آپ سے کارسازی کا وعدہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ منافقوں کو کبھی آپ کے مقابلہ میں کامیابی نہیں ہو سکتی لیکن اگر بقول شیعہ حضرات شیخین کو معاذ اللہ منافق مانا جائے تو لازم آئے گا کہ خدا کا وعدہ خلاف ہو گیا کیونکہ بقول شیعہ حضرت عمر کو ایسی نمایاں کامیابی ہوئی کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ساری عمر کی محنت ان کے دو لفظوں حسبنا کتاب اللہ نے برباد کر دی جو انھوں نے چاہا وہی ہوا اور جو رسول چاہتے تھے وہ نہ ہوا مصباح الظلم کے مصنف لکھتے ہیں کہ "حضرت عمر بن خطاب کے قول حسبنا کتاب اللہ کے عشر عشیر کی برابر بھی یہ قول نبوی عملی تاثیر نہیں پیدا کر سکا۔ ہر چند حضرت رسول کا قول بڑی تاکید سے خبر دیتا ہے مگر حضرت عمر کے قول بالا نے قول نبوی کو عملی پیرایہ حاصل ہونے نہ دیا" اسمیں شک نہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے اس قول نے بڑی کامیابی پیدا کی اس قول نے عملی طور پر حدیث ثقلین کو باطل کر ڈالا۔ یہ حضرت عمر ہی کا کام تھا کہ صرف ایک مختصر قول سے جناب رسول اللہ کی حدیث ثقلین کو بے اثر کر دیا"

چوتھی آیت

فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَكُ خَیْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِیْمًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝ (توبہ)

ترجمہ پس اگر یہ منافق لوگ توبہ کر لیں تو ان کے لئے بہتر ہوگا اور اگر یہ منھ پھیریں یعنی توبہ نہ کریں گے تو اللہ ان کو دردناک عذاب دیگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور زمین میں نہ ان کا کوئی دوست ہوگا اور نہ مددگار۔

ف: اس آیت سے بھی دو باتیں منافقوں کے متعلق معلوم ہوئیں۔

اول یہ کہ جو منافق توبہ نہ کریں گے ان کو دنیا میں بھی سخت عذاب ہوگا اور آخرت میں بھی دنیا کے عذاب کی صاف تصریح اس آیت میں ہے جسکا بیان اوپر ہو چکا۔

دوم یہ کہ روئے زمین پر منافقوں کا کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔ مگر شیعہ جنکو منافق

کہتے ہیں ان میں یہ بات نہیں پائی جاتی بخصوصا شیخین رضی اللہ عنہما کہ جس قدر دوست اور مددگار انکے ہوئے کبھی کسی کے نہیں ہوئے ان کے وقت سے لیکر آج تک روئے زمین پر کلمہ گویان اسلام کی ایک بڑی جماعت ان کی دوست اور مددگار رہی اور ہے۔ حتی کہ آج بھی کہ ان کی حمایت میں جان دینا ایک سعادت عظمیٰ خیال کیا جاتا ہے۔ شیعوں کو بھی اس بات کا اقرار ہے کہ قرن اول میں جمہور اہل اسلام شیخین کے اس قدر معتقد اور جان نثار تھے کہ اور دین کی انتہائی معراج اس میں سمجھتے تھے کہ وہ شیخین کے قدم بہ قدم چلیں حضرت علی کے زمانہ خلافت میں جن لوگوں نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ سب کے سب شیخین کے معتقد تھے اور ان کے سامنے حضرت علی کی مجال نہ تھی کہ شیخین کے خلاف کوئی بات زبان سے نکال سکیں اسی وجہ سے حضرت علی حلت متعہ کا فتوے نہ دے سکے نماز تراویح کو نہ روک سکے اور اپنا اصلی مذہب اپنے زمانہ خلافت میں بھی ظاہر نہ کر سکے۔

قاضی نور اللہ شوستری احقاق الحق میں علامہ ابن روزبہان کے اس اعتراض کے جواب میں کہ متعہ اگر حلال تھا اور حضرت عمرؓ نے اپنی رائے سے اسکو حرام کیا تھا تو حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں اسکے حلت کا فتویٰ کیوں نہ دیا لکھتے ہیں۔

کل من بایعہ وجمہورہم شیعۃ اعدائہ ومن یری انہم مضوا علی الحق الاول وافضلہما وان غایۃ امر من بعدہم ان یتبع آثارہم ویقتفی طرائقہم۔	سب لوگ جنھوں نے جناب امیر سے بیعت کی تھی اور جمہور انکے آپ کے دشمنوں کے گروہ میں تھے اور اعتقاد رکھتے تھے کہ تینوں خلیفہ نہایت بہتر اور افضل حالت میں تھے اور ان کے بعد والوں کی انتہائی معراج یہ تھی کہ انکے قدم پر چلیں اور انکے طریقوں کی پیروی کریں۔

پانچویں آیت

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا

مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا
مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ (احزاب)

ترجمہ اگر نہ باز آئینگے منافق (یعنی نفاق سے توبہ نہ کریں گے) اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو لوگ وحشت انگیز خبریں مدینہ میں اُڑایا کرتے ہیں تو اے نبی ضرور ضرور ہم آپ کو ان پر برانگیختہ کرینگے پھر وہ آپ کے پڑوس میں (یعنی مدینہ میں) نہ رہ سکینگے مگر تھوڑے دنوں۔ اُن پر لعنت ہوگی اور جہاں کہیں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور خوب قتل کیے جائیں گے۔ یہ سنت ہی اللہ کی ان لوگوں میں جو پہلے گزر چکے ہیں اور آپ ہرگز اللہ کی سنت میں تبدیلی نہ پائیں گے۔

ف یہ آیت منافقین اور مخلصین کے درمیان میں ایک ایسا ما بہ الامتیاز فرقان قائم کررہی ہے کہ اسکے بعد کسی مخلص پر کوئی شخص نفاق کی تہمت نہیں لگا سکتا بجز اس صورت کے کہ قرآن مجید کی تکذیب کردے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول کے بعد جو منافق اپنے نفاق پر قائم رہیں گے ان کو حسب ذیل سزائیں دنیا میں ملیں گی۔

(١) نبی کو اُن پر مسلط کیا جائے گا یعنی ان پر جہاد کرنے کا حکم دیا جائے گا جیسا کہ اسکے بعد کی آیت میں یہ حکم موجود ہے۔

(٢) منافقین مدینہ میں نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دنوں اور ضروری ہے کہ یہ تھوڑے دن رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں ختم ہو جائیں کیونکہ آپ کی وفات کے بعد پھر آپ کے پڑوسی ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

(٣) مدینہ سے بھاگ کر جہاں جائیں گے وہیں پکڑے جائینگے اور قتل کیے جائینگے۔

(٤) منافقوں کو ان سزاؤں کا ملنا خدا کا لاتبدیل قانون ہے جو اگلے زمانے میں بھی تھا۔

پس اب اس کے بعد اُس زمانے کے جس شخص کو بھی منافق کہا جائے اور یہ دعویٰ کیا جائے کہ وہ اس آیت کے نزول کے بعد بھی نفاق پر قائم رہا تو اسکے متعلق یہ سب سزائیں دکھانا پڑینگی کہ رسول کو اسپر جہاد کا حکم ہوا ہو وہ مدینہ سے بھاگا ہو اور جہاں

گیا ہو وہیں پکڑا گیا ہو اور قتل کیا گیا ہو۔

ظاہر ہے کہ ان باتوں میں سے ایک بات بھی حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق نہیں دکھائی جا سکتی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان پر جہاد نہ کیا بلکہ آخر وقت تک ان پر آپ کا لطف و کرم رہا وہ مدینہ سے بھاگ کر کہیں نہیں گئے بلکہ مدینہ ہی میں رہے اور وہیں مدفون ہوئے اور شیخین رضی اللہ عنہما کو تو خاص روضۂ اقدس ہی میں دفن کی جگہ ملی

چھٹی آیت

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ط یہ آیت دو جگہ ہے اول سورۂ توبہ میں پھر سورۂ تحریم میں۔

ترجمہ اے نبی جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں سے اور درشتی و سختی کیجئے اُن پر اور ٹھکانا ان کا جہنم ہے اور وہ بُری جگہ لوٹنے کی ہے۔

ف اِس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ حکم خداوندی ملا کہ منافقوں پر جہاد کیجئے لیکن کوئی جہاد آپ کا منافقوں کے ساتھ منقول نہیں ہے پس اب دو ہی صورتیں ہیں یا یہ کہا جائے کہ اس آیت کے نزول کے بعد منافقوں نے نفاق سے توبہ کر لی اور کچھ اپنی موت سے مر گئے لہذا جہاد کی ضرورت ہی پیش نہ آئی اور یہی بات واقعات کے مطابق ہے۔ اور یا یہ کہا جائے کہ رسول نے حکم الٰہی کی نافرمانی کی معاذ اللہ من ذلک۔

بعض مفسرین نے جو یہ لکھا ہے کہ منافقوں سے جو جہاد کا حکم ہے وہ جہاد زبان سے ہے نہ تلوار سے یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ زبان کا جہاد تو واغلظ علیھم میں آگیا لہذا یہاں بھی اسی کو مراد لینا بے فائدہ ہے علاوہ اسکے منافقوں اور کافروں دونوں سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے پس جس قسم کا جہاد کافروں سے ہے اسی قسم کا جہاد منافقوں سے بھی مراد ہونا چاہیے۔

شیعوں کو اس آیت سے بہت پریشانی پیدا ہوئی کہ اب یا تو حضرات خلفائے ثلاثہ کے منافق کہنے سے دست بردار ہونا پڑتا ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ مذہب شیعہ نیست نابود ہو جائے اور یا نبی کو حکم خدا کا نہ ماننے والا تسلیم کرنا پڑتا ہے یہ بھی مسلمانوں کی نظر میں بہت معیوب ہوگا لہذا انھوں نے فوراً اس آیت کو محرف قرار دے دیا اور ائمہ کے نام سے روایتیں بھی اسکے محرف ہونے کی تصنیف کرلیں۔ چنانچہ تفسیر صافی صفحہ ۲۱۴ میں ہے:۔

وفی المجمع فی قراءة اھل البیت جاھد الکفار بالمنافقین وفیہ عن الصادق انہ قرأ جاھد الکفار بالمنافقین وقال ان رسول اللہ لم یقاتل منافقا قط انما کان یتالفھم والقمی ایضا انما نزلت یا ایھا النبی جاھد الکفار بالمنافقین۔	تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اہل بیت کی قراءت میں جاہد الکفار بالمنافقین ہے۔ نیز اسی تفسیر میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ انھوں نے جاہد الکفار بالمنافقین پڑھا اور فرمایا کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کسی منافق سے کبھی قتال نہیں کیا بلکہ آپ تو منافقوں کی تالیف کیا کرتے تھے۔ اور تفسیر قمی میں بھی ہے کہ یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی تھی کہ یا ایہا النبی جاہد الکفار بالمنافقین۔

حاصل یہ ہوا کہ اس آیت میں والمنافقین واو کے ساتھ تحریف ہے اصل میں بالمنافقین تھا مطلب یہ کہ اللہ کا حکم منافقوں پر جہاد کرنے کا نہ تھا بلکہ یہ حکم تھا کہ منافقوں کا لشکر ساتھ لیکر کافروں سے جہاد کر یعنی منافقوں کو کافروں سے لڑواؤ۔

شیعوں کے کہنے سے یا بالفرض ان کے صادق صاحب کے فرمانے سے قرآن تو محرف ہو نہیں سکتا البتہ اس سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ اس آیت نے شیعوں کو ایسا لاجواب کر دیا کہ سوا محرف کہنے کے اور کوئی چارہ کار ان کے پاس نہ رہا۔

ساتویں آیت

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا (سورہ منافقین)

ترجمہ (یہی لوگ ہیں جو اپنے آپس میں) کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے پاس جو لوگ ہیں انکو خرچ نہ دیا کرو تاکہ وہ (آپ کے پاس سے) ہٹ جائیں۔

ف قرآن مجید میں ایک سورۂ منافقین کے نام سے ہے اس سورت میں بہت سے حالات منافقوں کے بیان فرمائے گئے ہیں انھیں حالات میں ایک آیت یہ ہے جو اوپر نقل کیگئی جس میں منافقوں کا ایک قول نقل فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے لوگوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے والوں کی مالی امداد سے منع کیا کرتے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مخلصین اور منافقین میں ایک فرق یہ بھی تھا کہ مخلصین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر باش رہتے تھے جبھی تو انکو من عند رسول اللہ کہا گیا اور منافقین حاضر باش نہ رہتے تھے کبھی کبھی آجاتے تھے۔ لیکن شیعہ جن اصحاب کو منافق کہتے ہیں انکا ملازم صحبت ہونا اور ہر وقت سفر و حضر میں حاضر باش رہنا ایک ایسا واقعہ ہے کہ کوئی شیعہ بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

اس مقام پر یہ سات آیتیں قرآن مجید کی کافی ہیں جن میں ایسی کھلی کھلی علامتیں منافقوں کی بیان کی گئی ہیں کہ کوئی شخص صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین پر نفاق کا شبہہ بھی نہیں کر سکتا اگر ایسا نہ ہوتا اور قرآن مجید میں منافقوں کے اوصاف و علامات نہ بیان فرمائے گئے ہوتے تو مدح صحابہ کی آیتیں سب معاذ اللہ لغو ہو جاتیں بلکہ ایک بڑا دھوکا بڑا فریب اور بڑی تلبیس و تدلیس کلام الٰہی میں لازم آتی (نعوذ باللہ من ذلک) اور مناقب صحابہ کی کسی آیت سے کسی خاص صحابی کے فضائل پر استدلال ممکن ہی نہ ہوتا۔ مگر قرآن مجید کے جہاں اور بہت سے اعجاز ہیں وہاں ایک معجزہ اسکا یہ بھی ہے کہ اس کے کسی بیان میں کبھی التباس واقع نہیں ہوتا اور اگر کسی مقام پر کوئی شبہہ پیدا ہوتا ہے تو اس شبہہ کا دفیہ بھی اسی مقام پر موجود ہوتا ہے کیوں نہ ہو اس کی شان ہے۔ لاریب فیہ۔

کیا شیعوں کو قرآن مجید کی ان آیتوں کی خبر نہیں؟ کیا وہ ان آیتوں میں کوئی تاویل کر سکتے ہیں؟ کیا واقعی ان کا ضمیر اس بات پر مطمئن ہے کہ یہ قرآن محرف ہے؟ یہ کچھ بھی نہیں ہے مگر وہ مجبور ہیں کہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو منافق کہے بغیر ان کا مذہب قائم ہی نہیں رہ سکتا ان کے مذہب کا مقصود اصلی حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔

کیا اچھا مذہب ہے جس کی بنیاد دوسروں کی بدگوئی پر ہے کیا نفیس دین ہے جس کی بھلائی دوسروں کی برائی سے ہوتی ہے۔

هذا آخر الكلام والحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على النبي الامين وعلى اله وصحبه اجمعين

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّھٰی

الحمدللہ العلی الاعلیٰ کہ سلسلہ تفسیر آیات خلافت میں یہ رسالہ حسنیٰ

موسوم بہ

تفسیر آیت مودّۃ القربیٰ

جو آج سے تیرہ برس پہلے ایڈیٹر صاحب اصلاح کی راست گفتاری ظاہر کرنے کے لیے النجم میں شائع ہوا تھا جس کے جواب سے وہ اور ان کے اعوان و انصار سب عاجز رہے اور اب دوبارہ سہیل لکھنؤ کی متحابلانہ تحریک پر باضافۂ بعض مطالب مفیدہ اس کی اشاعت کی جاتی ہے تاکہ سہیل کے پردہ نشین محقق اور کرذہند کے تمام مجتہدین کرام اپنی متفقہ قوت پھر آزمالیں۔

بعونہ تعالیٰ اس رسالہ میں سورۂ شوریٰ کی آیۂ کریمہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کی صحیح تفسیر اور تمام موجودہ تفاسیر کی عبارتیں نقل کرکے روز روشن کی طرح واضح کردیا گیا ہے کہ شیعہ جو بحوالہ اس آیت کے محبت اہلبیت کو اجر رسالت کہتے ہیں یہ قرآن مجید کی معنوی تحریف اور بہترین انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر نہایت سخت حملہ ہے

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳۔ روڈ نمبر ۷۔ سب بلاک اے، بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدوسیہ
ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔ فون نمبر: ۶۶۰۱۴۴۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً

دیباچہ

آج سے تیرہ سال پہلے النجم میں ایک مستقل مضمون اصول مذہب شیعہ اور ان کے نتائج کے متعلق شائع ہوا تھا جس میں الہیات کے متعلق نبوت کے متعلق امامت کے متعلق ان کے اصول علیحدہ علیحدہ بیان کیے گئے تھے۔

اس سلسلہ میں شیعوں کا یہ عقیدہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ معاذ اللہ) اپنی تعلیم و تبلیغ کا معاوضہ مخلوق سے طلب کرتے تھے۔ اور آیۂ مودۃ القربیٰ میں ایسا کرنے کا حکم خدا نے آپ کو دیا تھا۔ اسی وجہ سے شیعوں کے یہاں روزمرہ میں یہ بات داخل ہے کہ "محبت اہلبیت اجر رسالت ہے"۔

اسی مضمون میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ "شیعوں کی دیکھا دیکھی ان کے اختلاط کے سبب سے بعض سنیوں کی زبان پر بھی یہ کلمہ آجاتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اہل علم کی کتابوں میں دیکھا گیا کہ محبت اہلبیت اجر رسالت ہے معاذ اللہ من ہذہ الخرافات"۔

چونکہ اس مضمون سے مذہب شیعہ کا ایک پوشیدہ راز فاش ہوتا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے مشکوک کرنے کے لیے جو کوششیں انہوں نے کی ہیں ان کا سراغ ملتا تھا اس لیے شیعوں کے قبلہ فخر الحکماء یعنی ایڈیٹر صاحب رسالہ اصلاح کو اس طرف جلد سے جلد متوجہ ہونے کی ضرورت محسوس ہوئی اور آپ نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ اصلاح نمبر ۵ جلد ۱۸ میں (اب اصلاح کی جلد ۳۱ ہے) ایک لمبی

چوڑی تحریر شائع کی، جس میں اپنے اسلاف کرام کی تقلید کرتے ہوئے یہ دعوے کیا کہ "شیعوں کے اس عقیدہ میں کہ محبت اہلبیت اجر رسالت ہے کوئی خرابی نہیں ہے اور بے شک آیۂ مودۃ القربیٰ میں خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنے تعلیم و تبلیغ کی اُجرت طلب کیجئے اور تمام مفسرین اہلسنت اس آیت کی تفسیر میں شیعوں کے ساتھ متفق ہیں۔"

ایڈیٹر صاحب اصلاح کا یہ آخری جملہ سب سے زیادہ پُر لطف ہو اس کے متعلق ان کے خاص الفاظ کا اقتباس حسب ذیل ہے:۔

"جتنے مفسر آج تک اہل سنت میں گذرے ہیں تقریباً سب کے سب یہی کہتے ہیں" اصلاح نمبر مذکور ص۱۸ "تو اب فرمایئے وہ کون سُنّی ہے جس کو اس ناپاک کلمہ سے محفوظ پاتے ہیں" اصلاح نمبر مذکور ص۱۹ "بعض کیوں کہتے ہو کُل کیوں نہیں کہتے کیونکہ کوئی مفسر ایسا نہیں ہے جس نے یہ معنی نہ لکھا ہو کہ مراد اس سے اہل قرابت رسول ہیں" اصلاح نمبر مذکور ص۱۹ "پھر نہ معلوم آپ نے بعض کا لفظ کیوں لکھا اور کُل لکھنے سے کیوں شرمائے کیونکہ اگر کُل کا لفظ کہتے تو آپ کی تحقیقات کی وقعت اور بھی بڑھ جاتی کہ آپ کا مذہب سب کے خلاف آپ کی تحقیق سب سے جُداگانہ ہے" اصلاح نمبر مذکور ص۲۰ "نہ معلوم وہ اہلسنت کہاں رہتے ہیں اور کس زمین پر بستے ہیں جنہوں نے قربیٰ کے معنی اہل قرابت رسول نہیں لکھے یا صرف[ف۵] پاٹنالہ لکھنؤ میں ان کا قیام ہے" اصلاح نمبر مذکور ص۲۱

سچ یہ ہے کہ ایڈیٹر اصلاح کے انہیں کلمات نے جو خاص ابن سبا کی مشین کے ڈھلے ہوئے اور زُرارہ و ابو بصیر صاحبان کے جلا کیئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے جواب دینے پر آمادہ کیا اور میں نے مستقل رسالہ بنام تفسیر آیۂ مودۃ القربیٰ لکھا اور اس میں اہلسنت کی تمام تفاسیر کی عبارتیں نقل کر کے جھوٹ بولنے میں شیعوں کے علمائے کرام کی دلیری اور کہنہ مشقی کو عالم آشکارا کر دیا۔ آج تک کہ تیرہ سال گزر گئے ایڈیٹر صاحب اصلاح یا کسی مجتہد

ف۵ لفظ پاٹنالہ اسی طرح اصلاح میں چھپا ہے۔

شیعہ کو اس کا جواب لکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ بایں ہمہ اصلاح اسی آب و تاب سے نکل رہا ہے اور قوم میں اس کی وہی قدر و منزلت ہے جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جھوٹ بولنا شیعوں کے یہاں بڑا کارِ ثواب ہے۔

قسم ہے قرآنِ عظیم کے نازل کرنے والے صاحبِ عرش کی کہ اگر خدانخواستہ اہلسنت کے علماء میں کوئی ایسا سفید جھوٹ بولتا اور اس طرح اُس کی پردہ دری ہوتی تو ساری قوم کی نظروں میں وہ ذلیل ہو جاتا اور شاید وہ عمر بھر کسی کو منہ نہ دکھاتا۔

یہ قصہ تو پرانا ہو چکا تھا مگر مدہیل لکھنؤ، نے پھر اس کی یاد تازہ کر دی۔ سہیل مورخہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ میں پھر آیہ مودۃ القربیٰ کا تذکرہ اور محبت اہل بیت کے اجرِ رسالت ہونے کا دل آزار ذکر کیا گیا ہے۔

لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ تفسیر آیۂ مودۃ القربیٰ کو جواب نایاب بھی ہو چکی ہے۔ از سرِ نو شائع کر دیا جائے۔ چنانچہ اس پر نظرِ ثانی کر کے بعض مفید مطالب کا اضافہ کیا گیا۔ اور درمیان درمیان سے ایڈیٹر اصلاح کا ذکر نکال ڈالا گیا۔ والحمد للّٰہ علی ذٰلک بعد مرۃ۔

حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے اور برادرانِ اہلسنت و جماعت کو توفیق دے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور مذہب شیعہ کی حقیقت سے واقف ہوں۔ نیز شیعوں کو بھی توفیق دے کہ وہ اپنے مذہب میں رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی صریح توہین دیکھ کر راہ نجات حاصل کریں۔ وما علینا الا البلاغ ؎

ما نصیحت بجائے خود کردیم	روزگارے دریں بسر بردیم
گر نیاید بگوشِ رغبت کس	بر رسولاں بلاغ باشد و بس

کتبہ احقر عباد اللہ محمد عبد الشکور عافاہ مولاہ
مدیر النجم لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حامدًا ومصلیًا

اللہ اکبر کہاں حق جل شانہٗ کا اتنا بڑا انعام اور کہاں یہ مشتِ خاک کہ تمام کاموں سے بے کام کر کے اپنے دینِ پاک کی خدمت میں لگایا اور خداماتِ دینیہ میں بھی چُن کر وہ خدمت سپرد کی جو براہِ راست بارگاہِ نبوت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی پاسبانی سے تعلق رکھتی ہے جس میں دلائلِ نبوت (یعنی ذواتِ مقدسہ اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم وارضاہم) کی حفاظت اور قرآن عزیز کی حمایت اور اُس کے مطالعہ کا کام رہتا ہے۔ ؎

اے خدا قربانِ احسانت شوم　　این چہ احسان ست قربانت شوم

آیت مودّۃ القربیٰ

سورۂ شوریٰ۔ تیسرا رکوع پچیسواں

ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

یہ انعام وہ ہے جس کی خوشخبری سناتا ہے　اللہ اپنے بندوں کو　جنہوں نے ایمان قبول کیا

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا

اور انہوں نے اچھے کام کیئے (اے نبی) کہدیجئے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ اجرت

اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى ؕ وَمَنۡ يَّقۡتَرِفۡ حَسَنَةً

سوا محبت کے قرابت میں اور جو شخص کماتا ہے کچھ نیکی

نَّزِدۡ لَهٗ فِيۡهَا حُسۡنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ شَكُوۡرٌ ۝

بڑھا دیتے ہیں ہم (اپنی طرف سے) اس نیکی میں خوبی بتحقیق اللہ بخشنے والا اور قدر دانی کرنیوالا ہے

اس آیت کی تفسیر چار فصلوں پر تقسیم کی جاتی ہے۔

فصل اول میں آیت کا صحیح مطلب اور اس کے دلائل کا بیان ہے۔ فصل دوم میں کتب تفاسیر اہلسنت کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں۔ فصل سوم میں شیعوں کی تحریف اور اس ناپاک تہمت کا بیان ہے جو انہوں نے بہترین انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب مقدس پر لگائی۔ فصل چہارم میں اُن پاکیزہ تعلیمات کا بیان ہے۔ جو اس آیت سے حاصل ہوتی ہیں۔

فصل اوّل

اس آیت سے پہلے حق سُبحانہٗ نے آغاز رکوع میں دارِ آخرت اور دارِ دنیا دونوں کا تقابل اور دونوں کے طالبوں کا حال و مآل بیان فرمایا ہے۔ دارِ دنیا کے طلب گاروں کو عذاب شدید کی وعید سنائی ہے اور دارِ آخرت کے طلب گاروں یعنی مومنین صالحین کو بڑے انعام کی خوشخبری ان کلمات طیبات سے دی ہے کہ والذین اٰمنوا وعملوا الصلحت فی روضات الجنات لھم ما یشاءون عند ربھم ذٰلك

فضل الکبیر. یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیئے وہ بہشت کے
میں ہوں گے ان کے لیئے جو کچھ وہ چاہیں گے ان کے رب کے پاس موجود ہے یہ ہے
ی بخشش اس کے بعد ہی علی الاتصال وہ آیت ہے جس کو ہم نے اوپر نقل کیا جس کا
یہ مودۃ القربیٰ ہے۔

اس آیت مودۃ القربیٰ کا مقصود اصلی یہ ہے کہ جو نصیحت اوپر آگئی اور جو خوشخبری
گئی وہ اچھی طرح دلنشیں ہو جائے اور نصیحت کا خلوص معلوم کر کے کامل گرویدگی قلوب
پیدا ہو۔ ناصح مشفق کا یہ فطری دستور ہے کہ نصیحت کے بعد وہ اس نصیحت کو مؤثر
نے کے لیئے کہتا ہے کہ جو نصیحت میں نے کی اس میں میرا کوئی فائدہ نہیں ہے اس پر عمل
نے میں جو کچھ فائدہ ہے وہ صرف تمہارا ہے اور بس۔

بالکل اسی دستور کے مطابق خداوند رحیم وکریم نے اپنی پاک نصیحت کو زیادہ سے
دہ پرتاثیر بنانے کے لیئے یہ آیت مودۃ القربیٰ ارشاد فرمائی اور اس میں کئی طریقوں سے
ی روح پھونکی۔ اول یہ کہ اس خوشخبری کو اپنی طرف منسوب فرمایا پھر اپنے اسماء
میں سے وہ نام پاک جو دل ربائی کی بے مثال طاقت رکھتا ہے ذکر کر کے ارشاد
یا کہ یہ خوشخبری اللہ سنا رہا ہے۔ دوم یہ کہ خوشخبری کے مخاطب کو بڑی عزت کے کلمات
مخصوص فرمایا کہ وہ مومنین صالحین ہیں ترغیب وتحریص کا ایک بہترین طریقہ ہے
بادشاہ کوئی حکم دے اور فرمائے کہ یہ حکم میں اپنے مخلص اور جاں نثار لوگوں کو دے رہا
ں۔ سوم یہ کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اعلان فرما دیجیے کہ میں اس
یحت وتعلیم کی کوئی اجرت کسی قسم کا معاوضہ تم لوگوں سے نہیں چاہتا۔ بالکل خالص اور
بےغرض نصیحت کرتا ہوں۔ نصیحت کے خلوص کا انکشاف نصیحت کی طرف قلوب کو کھینچنے
ں کیسا مقناطیسی اثر رکھتی ہے سب جانتے ہیں چہ خوش گفتہ اند ؎

نصیحت کہ خالی بود از غرض — چو داروی تلخ ست دفع مرض

چہارم یہ کہ نیکیوں میں اپنی طرف سے خوبی پیدا کرنے کا وعدہ کیا خوبی یہ کہ نیکیوں
ماہیت بدل کر ادنیٰ سے اعلیٰ کر دی جائے یا ان کی تعداد بڑھا دی جائے کہ کوئی شخص

کمائی کرکے کچھ پیسے جمع کرنا چاہتا ہو اور اس کو معلوم ہو جائے کہ جتنے پیسے میں جمع کروں گا وہ تھوڑے دنوں کے بعد تعداد میں دس گنے اور ماہیت میں بجائے تانبے کے سونے کے ہو جائیں گے تو بتاؤ کہ کتنی رغبت اس کو کمائی کی طرف پیدا ہو گی۔

پنجم یہ کہ ان تمام ترغیبات کا اختتام اپنی ان دو صفتوں پر فرمایا غفور اور شکور پہلی صفت خطاؤں کے معاف ہو جانے کی امید دلاتی ہے اور دوسری صفت اچھی خدمتوں پر انعام ملنے کی توقع پیدا کرتی ہے ان تمام باتوں پر غور کرکے دیکھو کہ کیسا ولولہ قلب میں موجزن ہوتا ہے۔

ع اے بہ قربانت چہ نیکو داوری

اب درمیان میں جو ایک جملہ الا المودۃ فی القربیٰ ہے، جس کے مطلب کو شیعوں نے خراب کرکے ساری آیت کو خبط بے ربط کرنے کی بے سود کوشش اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ناکام حملہ کرنے کی تیاری کی ہے، اس کا سمجھ لینا بالکل آسان ہو گیا۔

اہلسنت کہتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب سوا اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ حق تعالےٰ نے جو آپ کو معاوضہ طلب نہ کرنے کا اعلان دینے کو فرمایا اس اعلان کی تاکید کی جا رہی ہے کہ فرما دیجئے میں کوئی اُجرت نہیں چاہتا، سوا اس کے کہ قرابت کی وجہ سے میرے ساتھ محبت و مہربانی کرو یعنی مجھے ایذا نہ پہنچاؤ[1]، تبلیغ رسالت میں مزاحمت نہ کرو۔

مرا بہ خیر تو امید نیست بد مرساں۔

مکہ میں قریش کے جس قدر قبیلے تھے سب سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داریاں اور قرابتیں تھیں۔ اور عرب میں باوجود سب جہالتوں کے رشتے ناطے کا لحاظ بہت تھا۔

---

[1] مہربانی کا مطلب ایذا نہ پہنچانا اسیئے لیا گیا کہ واقعات سے اس کی تصریح ثابت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی (جن کا مثیل[1] رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا ہے)
اسی قسم کی بات اپنی قوم سے فرمائی تھی کہ یٰقَوۡمِ لِمَ تُؤۡذُوۡنَنِیۡ وَقَدۡ تَّعۡلَمُوۡنَ اَنِّیۡ
رَسُوۡلُ اللّٰہِ. یعنی اے میری قوم کے لوگو مجھے کیوں ایذا دیتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں
خدا کا رسول ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہ درخواست کسی معاوضہ و اُجرت کی درخواست نہیں ہے۔ بلکہ معاوضہ کی نفی کو اور مؤکد کرنے والی چیز ہے۔ بالکل ویسی ہی بات ہے کہ کوئی واعظ حقانی کہے میں اپنے وعظ کی کوئی فیس تم لوگوں سے نہیں مانگتا۔ میری فیس اگر ہے تو یہ ہے کہ تم اس وعظ کو سُن لو اور اس پر عمل کرو۔

بلکہ اس درخواست میں کہ "مجھے اپنا رشتہ دار جان کر ایذا نہ پہنچاؤ مہربانی کرو" در پردہ اپنی مظلومیت کا اظہار ہے اور یہ اظہار بھی نصیحت میں ایک خاص تریاقی اثر پیدا کر دیتا ہے۔

ف المودۃ بقاعدۂ نحو استثنائے منقطع ہے۔ استثنا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک متصل دوسری منقطع۔ استثنائے متصل میں مستثنیٰ ہم جنس مستثنیٰ منہ کا ہوتا ہے اور استثنائے منقطع میں ہم جنس نہیں ہوتا۔ استثنائے منقطع کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں۔ مثلاً لایذوقون فیھا بردا ولا شرابا الاحمیما وغساقا۔ یعنی دوزخی دوزخ میں ٹھنڈک اور کوئی پینے کی چیز چکھنے کو بھی نہ پائیں سوا آب گرم اور پیپ کے۔ آب گرم اور پیپ مستثنیٰ ہے اور ٹھنڈک اور پینے کی چیز مستثنیٰ منہ ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں ہم جنس نہیں ہیں۔

اسی طرح آیت مبحوثہ میں مودۃ القربیٰ مستثنیٰ ہے اور اجر مستثنیٰ منہ ہے۔ مودت فی القربیٰ بالبداہت اجر کا ہم جنس نہیں ہے۔ کیونکہ اجر کسی شے کا وہ چیز ہوتی ہے جو اس

---

[1] سورۂ مزمل میں ہے۔ انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ یعنی ہم نے اے اہل مکہ تمہاری طرف بھی ایک رسول ویسا ہی بھیجا ہے جیسا فرعون کی طرف بھیجا تھا۔

شئے کی وجہ سے ثابت ہوئی ہو اور مودت فی القربیٰ قرابت کی وجہ سے ثابت ہوئی ہے نہ تبلیغ رسالت کی وجہ سے۔ لہٰذا اس کو تبلیغ رسالت کا اجر کہنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا ہے۔

اہلسنت کہتے ہیں کہ الا المودۃ فی القربیٰ کا کوئی ایسا مطلب لینے میں جس سے مودت فی القربیٰ اجر رسالت کہی جا سکے قطع نظر اس سے کہ سخت توہین جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ جو کام آج علماء کے لیئے عار و ننگ ہے وہ حضورؐ کے لیئے ثابت کیا جائے نعوذ باللہ منہ اور قطع نظر اس سے کہ آیت کے کلمات بھی اس مطلب کی مساعدت نہیں کرتے جیسا کہ انشاء اللہ فصل سوم میں ہم بیان کریں گے بڑی **خرابی** یہ ہے کہ اور انبیاء علیہم السلام کی روش سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روش مخالف ہو جائے گی حالانکہ قرآن مجید میں جا بجا اس کا اظہار ہے کہ آپ کی روش انبیائے سابقین کی روش کے بالکل مطابق ہے۔ قولہ تعالیٰ اولئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ یعنی یہ انبیاء ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی آپ انہیں کی روش پر چلیئے۔ وقولہ تعالیٰ قل ما کنت بدعا من الرسل۔ اے نبی فرما دیجئے کہ میں رسولوں میں کوئی نرالا اور نیا نہیں ہوں۔ اور اس بات کو شیعہ بھی مانتے ہیں کہ اور کسی پیغمبر نے اپنی تعلیم و تبلیغ کی اُجرت مخلوق سے نہیں مانگی اور خدا کی طرف سے ان کو اس کی ممانعت تھی۔ سورہ شعراء نکال کر دیکھو، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت شعیبؑ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے تذکروں میں علیٰحدہ علیٰحدہ یہ آیت متفق اللفظ ملے گی۔ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

دوسری بڑی زبردست خرابی یہ ہے کہ متعدد آیتوں میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اجرت مانگنے کی ممانعت اور آپ کے اُجرت نہ مانگنے کا اعلان ہے۔ مثلاً سورہ انعام پارہ ۷ میں فرمایا۔ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰی لِلْعٰلَمِيْنَ یعنی اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس کی کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ یہ تو نصیحت ہے سارے جہان کے لیئے۔

اور مثلاً سورۂ یوسف پارہ ۱۳ میں ہے۔ وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی اے نبی آپ ان لوگوں سے اس کی کچھ اجرت نہیں مانگتے یہ تو ایک نصیحت ہے سارے جہان کے لیئے۔

اور مثلاً سورۂ مومنون پارہ ۱۸ میں ہے۔ أَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ یعنی اے نبی کیا آپ ان لوگوں سے کچھ خرچ مانگتے ہیں۔ آپ کے پروردگار کا دیا ہوا خرچ آپ کے لیئے بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

اور مثلاً سورۂ فرقان پارہ ۱۹ میں ہے۔ قُلْ مَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَّتَّخِذَ إِلٰى رَبِّهِ سَبِيْلًا یعنی اے نبی کہہ دیجیئے کہ میں اس کی کوئی اجرت تم سے نہیں مانگتا سوا اس کے کہ جو چاہے اپنے پروردگار تک پہنچنے کی راہ اختیار کرے۔

اور مثلاً سورۂ سبا پارہ ۲۲ میں ہے۔ قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِّنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۚ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ یعنی اے نبی کہہ دیجیئے کہ میں نے اگر تم سے کوئی اجرت مانگی ہو وہ تمہارے لیئے ہے یعنی اس کو تم اپنے ہی پاس رکھنا مجھے نہ دینا میری اجرت تو اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر مطلع ہے۔

اور مثلاً سورۂ ص پارہ ۲۳ میں ہے۔ قُلْ مَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی اے نبی کہہ دیجیئے کہ میں تم سے اس کی کچھ اجرت نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والوں میں نہیں ہوں (کہ دل میں تو اجرت کی خواہش ہو اور زبان سے انکار کر دوں) یہ تو ایک نصیحت ہے سارے جہان کے لیئے۔

اور مثلاً سورۂ طور پارہ ۲۷ میں ہے۔ أَمْ تَسْئَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ یعنی اے نبی کیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں جن کے دینے کے خیال سے یہ لوگ بوجھل ہو رہے ہیں۔

لہذا آیت مودۃ القربیٰ کا ایسا مطلب بیان کرنا جس سے اجرت طلب ہونے کا ثبوت ہو ان آیات قرآنیہ کے خلاف ہوگا جو کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے واجب الاتباع ہونے

کی بڑی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ کسی سے کچھ اجرت نہیں مانگتے۔ سورہ یٰسین میں ہے۔
اتبعوا من لا یسئلکم اجرا وھم مھتدون۔ یعنی پیروی کرو تم ان لوگوں کی جو تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت پر ہیں، لہٰذا آیت مودۃ القربیٰ کا غلط مطلب بیان کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق سے اجرت طلب کرنے والا کہنا گویا آپ کے واجب الاتباع ہونے کی نفی کرنا ہے۔ (نعوذ باللہ منہ)

قرآن مجید عجیب کتاب ہے خود اس کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے کوئی شخص کسی آیت کا غلط مطلب بیان کر کے اپنی کسی غرض فاسد کو پورا کرنا چاہے تو دوسری آیتیں اس کو چلنے نہیں دیتیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیعوں نے جب دیکھا کہ قرآن میں ان کی دال نہیں گلتی تو اول تو انہوں نے قرآن کے مشکوک بنانے کی کوشش کی، مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی تو قرآن مجید میں تحریف معنوی کا ڈھنگ ڈالا اور روایات کو اپنا پشت پناہ بنالیا۔ اپنے سارے مذہب کی بنیاد روایات پر رکھی اور لطف یہ کہ روایات بھی محض واہی تباہی۔

کیا خوب ارشاد ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا جو شیعوں پر ہو بہو منطبق ہے۔ اس ارشاد کو شیعوں کے قبلۂ اعظم ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۶۱۱ پر بایں الفاظ روایت کیا ہے۔

سلمانؓ بمردم گفت کہ گریختید از قرآن بسوی حدیث زیرا کہ قرآن را کتاب رفیعے یافتید در انجا شما را حساب می نمایند بر نقیر و قطمیر و فتیل یعنی بر امر خوردے و ریزۂ و بر قدر دانہ خردے پس تنگی کرد بر شما احکام قرآن پس گریختید بسوے احادیث کہ کار را بر شما کشادہ و آسان کردہ است۔	حضرت سلمانؓ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم قرآن سے بھاگ کر حدیث کی طرف گئے کیونکہ قرآن کو تم نے ایک بلند کتاب پایا کہ اس میں ذرہ ذرہ سی چیزوں پر گرفت ہوتی ہے لہٰذا قرآن کے احکام نے تم پر تنگی کی اس لیے ان حدیثوں کی طرف تم بھاگے۔ جنہوں نے کام کو تم پر کشادہ اور آسان کر دیا۔

فصل دوم

(۱) امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں روایت کرتے ہیں:

حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن عبد الملك بن ميسرة قال سمعت طاؤسا عن ابن عباس رضی الله عنهما انه سئل عن قوله الا المودة فی القربی فقال سعيد بن جبير قربی آل محمد صلی الله عليه وسلم فقال ابن عباس عجلت ان النبی صلی الله عليه وسلم لم يكن بطن من قريش الا كان له فيهم قرابة فقال الا ان تصلوا ما بينی وبينكم من القرابة

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن جعفر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے عبد الملک بن میسرہ سے روایت کر کے بیان کیا وہ کہتے تھے میں نے طاؤس سے سنا وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے تھے کہ ان سے آیہ الا المودۃ فی القربیٰ کا مطلب پوچھا گیا سعید بن جبیر نے کہا قرابت آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ہے تو ابن عباس نے کہا کہ تم نے (جواب دینے میں) عجلت کی (اصل یہ ہے کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کے ہر خاندان سے قرابت تھی لہذا فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان میں جو قرابت ہے اس کا لحاظ کرو۔

ف۔ یہ روایت اس کتاب کی ہے جو قرآن کریم کے بعد اصح الکتب مانی گئی ہے۔ اور منقول ہے ترجمان القرآن حبر الامۃ امام المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اور اس روایت میں سعید بن جبیر کے اس قول کا رد بھی ہے کہ قربیٰ سے اہل قرابت رسول مراد ہیں۔ ابن جبیر کا سکوت کرنا ظاہر کر رہا ہے کہ ان کا قول محض بے دلیل تھا اور انہوں نے اس سے رجوع کیا۔

② ، ③ جو روایت صحیح بخاری سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی منقول ہوئی۔ اسی مضمون کی روایت صحیح مسلم میں اور جامع ترمذی میں بھی ہے۔

④ امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر جامع البیان میں لکھتے ہیں :-

القول فی تاویل قوله تعالیٰ ذٰلك الذی یبشر الله عباده الذین امنوا وعملوا الصالحات قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ ومن یقترف حسنة نزد له فیها حسنا ان الله غفور شکور.

اللہ تعالیٰ کے قول ذٰلك الذی یبشر الله عباده الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات قل اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ ومن یقترف حسنة نزد له فیها حسنا ان الله غفور شکور کی تفسیر۔

یقول تعالیٰ ذکره هذا الذی اخبرتکم ایها الناس انی اعدته للذین اٰمنوا وعملوا الصالحات فی الاٰخرة من النعیم والکرامة البشریٰ التی یبشر الله عباده الذین اٰمنوا فی الدنیا وعملوا بطاعته فیها. قل لا اسئلکم علیه اجرا. یقول تعالیٰ ذکره لنبیه محمد صلی الله علیه وسلم قل یا محمد للذین یمارونك فی الساعة من مشرکی قومك لا اسئلکم ایها القوم علی دعایتکم الی ما ادعوکم الیه من الحق الذی جئتکم والنصیحة التی انصحکم ثوابا وجزاء وعوضا

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے لوگو یہ جو تم سے میں نے بیان کیا کہ میں نے مومنین صالحین کے لیے آخرت میں نعمت اور بزرگی مہیا کی ہے یہ وہ خوشخبری ہے جو اللہ اپنے ان بندوں کو سناتا ہے جو دنیا میں ایمان لائے اور دنیا میں انہوں نے خدا کی طاعت پر عمل کیا۔ قل لا اسئلکم علیه اجرا۔ حق تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ اے محمد ان لوگوں سے کہہ دیجئے جو آپ سے قیامت کے متعلق جھگڑتے ہیں یعنی اپنی قوم کے مشرکوں سے کہ اے قوم کے لوگو میں تم سے بعوض اس کے کہ تم کو حق کی طرف بلاتا ہوں جو میں لے کر آیا ہوں اور بعوض اس نصیحت کے جو تم کو کرتا ہوں کوئی بدلہ اور جزا اور عوض تمہارے مال سے نہیں

من امرالكم تعطونيه الا المودة في القربى فقال بعضهم معناه الا ان تودوني في قرابتي منكم وتصلوا رحمي بيني وبينكم۔

ذكر من قال ذلك

حدثنا ابوكريب ويعقوب قالا ثنا اسمٰعيل بن ابراهيم عن داؤد بن ابي هند عن الشعبي عن ابن عباس في قوله قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى قال لم يكن بطن من بطون قريش الا وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبينهم قرابة فقال قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى الا ان تودوني في القرابة التي بيني وبينكم۔

حدثنا ابوكريب، قال ثنا اسامة قال ثنا شعبة عن عبدالملك بن ميسرة عن طاؤس في قوله قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى قال سئل عنها ابن عباس فقال ابن جبير هم قربى آل محمد فقال

مانگتا کہ تم مجھے دو سوا مودت فی القربیٰ کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ مودۃ فی القربیٰ کے معنی یہ ہیں کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو مجھ سے تم سے ہے اور صلہ رحم جو میرے تمہارے درمیان میں ہے۔

کون لوگ اس کے قائل ہیں

ہم سے ابوکریب اور یعقوب نے بیان کیا وہ دونوں کہتے تھے ہم سے اسمٰعیل بن ابراہیم نے داؤد بن ابی ہند سے انہوں نے شعبی سے، انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کر کے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے قول قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی خاندان قریش میں ایسا نہ تھا جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو اسی واسطے فرمایا کہ اے نبیؐ کہہ دیجئے کہ میں تم سے تبلیغ رسالت پر کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر محبت قرابت میں یعنی یہ کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو میرے تمہارے درمیان میں ہے۔

ہم سے ابوکریب نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ابواسامہ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے عبدالملک بن میسرہ سے انہوں نے طاؤس سے اللہ تعالیٰ کے قول لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق روایت کر کے بیان کیا کہ ابن عباسؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا

ابن عباس عجل ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یکن بطن من بطون قریش الا وله فیهم قرابة قال نزلت قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی قال الا القرابة التی بینی وبینکم ان تصلوها۔

گیا تو ابن جبیرؓ نے کہا کہ اس سے مراد آل محمدؐ کے اقربا ہیں ابن عباسؓ نے کہا کہ انہوں نے (جواب دینے میں) عجلت کی (صحیح مطلب یہ ہے کہ) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کے ہر خاندان سے قرابت تھی اس کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سے تبلیغ رسالت کی کوئی اجرت نہیں مانگتا سوا اس کے کہ جو قرابت میرے اور تمہارے درمیان میں ہے اس کا صلہ کرو۔

حدثنی علی قال ثنا ابو صالح ثنی معاویة عن علی عن ابن عباس قوله قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی قال کان لرسول الله صلی الله علیه وسلم قرابة فی جمیع قریش فلما کذبوه وابوا ان یبایعوه قال یا قوم اذا ابیتم ان تبایعونی فاحفظوا قرابتی فیکم لا یکن غیرکم من العرب اولی بحفظی ونصرتی منکم۔

مجھ سے علی نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ابو صالح نے بیان کیا وہ کہتے تھے مجھ سے معاویہ نے علی سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کر کے بیان کیا کہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کا مطلب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت تمام قریش سے تھی جب ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ سے بیعت کرنا منظور نہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو اگر تم مجھ سے بیعت کرنا منظور نہیں کرتے (تو خیر) مگر میری قرابت کا جو تم سے ہے لحاظ رکھو تمہارے سوا عرب کا کوئی اور شخص میری حفاظت اور مدد کرنے کا تم سے زیادہ حقدار نہیں۔

حدثنی محمد بن سعد قال ثنی

مجھ سے محمد بن سعد نے بیان کیا وہ کہتے تھے

ابي قال ثني عمي قال ثني ابي عن ابيه عن ابن عباس قوله قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى يعني محمدا صلى الله عليه وسلم قال لقريش لا اسئلكم من اموالكم شيئا ولكن اسئلكم ان لا تؤذوني لقرابة ما بيني وبينكم فانكم قومي واحق من اطاعني واجابني.

مجھ سے میرے والد نے بیان کیا وہ کہتے تھے مجھ سے میرے چچا نے اپنے والد سے وہ اپنے والد سے انہوں نے ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے قول قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق روایت کر کے بیان کیا کہ خطاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے انہوں نے قریش سے فرمایا کہ میں تمہارے مال نہیں مانگتا بلکہ تم سے صرف یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ایذا نہ دو بوجہ اس قرابت کے جو میرے اور تمہارے درمیان ہے کیونکہ تم میری قوم کے لوگ ہو اور سب سے زیادہ مستحق میری اطاعت اور فرمانبرداری کے ہو۔

[٥] حدثنا ابن حميد قال ثنا جرير عن مغيرة عن عكرمة قال ان النبي صلى الله عليه وسلم كان واسطا في قريش كان له في كل بطن من قريش نسب فقال لا اسئلكم على ما ادعوكم اليه الا ان تحفظوني في قرابتي قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى.

[٥] ہم سے ابن حمید نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے جریر نے مغیرہ سے انہوں نے عکرمہ سے روایت کر کے بیان کیا وہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق تمام قریش سے تھا قریش کے ہر خاندان سے آپ کی رشتہ داری تھی آپ نے فرمایا کہ میں بعوض اس چیز کے جس کی طرف تم کو بلاتا ہوں تم سے کچھ نہیں مانگتا سوا اس کے کہ تم میری حفاظت کرو بوجہ میری قرابت کے یہی مطلب ہے۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کا۔

[٦] حدثني يعقوب قال ثنا هشيم قال اخبرنا حصين عن ابي مالك

[٦] مجھ سے یعقوب نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ہشیم نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہمیں حصین نے

قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم واسط النسب من قريش ليس حي من احياء قريش الا وقد ولدوه فقال الله عز وجل قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى الا ان تودوني لقرابتي منكم وتحفظوني۔

ابومالک سے روایت کہ کے خبردی وہ کہتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمام قریش سے نسبی تعلق رکھتے تھے کوئی قبیلہ قریش کا ایسا نہ تھا جس سے آپ کو یک جہتی نہ ہو پس اللہ عزوجل نے فرمایا قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ یعنی صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم بوجہ اس کے کہ تم سے مجھے قرابت ہے مجھ سے محبت کرو اور میری حفاظت کرو۔

حدثنا ابو حصين عبد الله بن احمد بن يونس قال ثنى عنتر قال ثنا حصين عن ابي مالك في هذه الاية قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم من بني هاشم وامه من بني زهرة وام ابيه من بني مخزوم فقال احفظوني في قرابتي۔

ہم سے ابو حصین یعنی عبداللہ بن احمد بن یونس نے بیان کیا کہ وہ کہتے تھے ہم سے عنتر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے حصین نے ابومالک سے آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق نقل کرکے بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بنی ہاشم سے تھے اور آپ کی والدہ بنی زہرہ سے تھیں اور آپ کی دادی بنی مخزوم سے (غرض قریش کی ہر شاخ سے آپ کو تعلق تھا) لہذا آپ نے فرمایا کہ میری حفاظت کرو بوجہ میری قرابت کے۔

حدثنا ابن المثنى قال ثنا جرى قال شعبة قال اخبرني عمارة عن عكرمة في قوله قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى قال تعرفون قرابتي وتصدقونني

ہم سے ابن مثنیٰ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے جری نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے بیان کیا وہ کہتے تھے مجھے عمارہ نے عکرمہ سے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق نقل کرکے خبردی کہ عکرمہ کہتے تھے (مطلب

بما جئت به و تمنعوني.

یہ ہے کہ تم میری قرابت کا لحاظ کرو اور جو دین میں لایا ہوں اس کی تصدیق کرو اور میری حفاظت کرو۔

٩ حدثنا بشر قال ثنا يزيد قال انا سعيد عن قتادة في قوله قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى وان الله تبارك وتعالى امر محمدا صلى الله عليه وسلم ان لا يسئل الناس على هذا القران اجرا الا ان يصلوا ما بينه وبينهم من القرابة وكل بطون قريش قد ولدته وبينه وبينهم قرابة.

۹ ہم سے بشر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے یزید نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے سعید نے قتادہ سے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی کے متعلق نقل کرکے بیان کیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ لوگوں سے تعلیم قرآن کا معاوضہ طلب نہ کریں مگر وہ لوگ اس قرابت کا صلہ کریں جو آپ کے اور ان کے درمیان میں ہے تو کچھ مضائقہ نہیں قریش کے ہر خاندان سے آپ کو تعلق تھا اور ان سے قرابت تھی۔

١٠ حدثني محمد بن عمرو قال ثنا ابو عاصم ثنا عيسى وحدثني الحرث قال ثنا الحسن قال ثنا ورقاء جميعا عن ابن ابي نجيح عن مجاهد قوله الا المودة في القربى ان تتبعوني وتصدقوني وتصلوا

۱۰ مجھ سے محمد بن عمرو نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ابو عاصم نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے عیسیٰ نے بیان کیا نیز ہم سے حرث نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے حسن نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ورقاء نے بیان کیا یہ دونوں ابن ابی نجیح سے وہ مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ الا المودۃ فی القربی کا مطلب یہ ہے کہ تم میری اتباع کرو اور میری تصدیق کرو اور میری قرابت کا صلہ کرو۔

١١ حدثني محمد قال ثنا احمد

۱۱ ہم سے محمد نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے

قال ثنا اسباط عن السدی فی قوله قل لا اسئلکم علیه اجرا الا ان تودونی لقرابتی منکم۔

احمد نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے اسباط نے سدی سے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی کے متعلق نقل کر کے بیان کیا کہ مطلب یہ ہے کہ مجھ سے محبت کرو بسبب قرابت کے جو مجھ سے تم سے ہے۔

[١٢] حدثنا عن الحسین قال سمعت ابا معاذ یقول اخبرنا عبید قال سمعت الضحاک یقول فی قوله قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی یعنی قریشا یقول انما انا رجل منکم فاعینونی علی عدوی واحفظوا قرابتی وان الذی جئتکم به لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی ان تودونی لقرابتی منکم و تعینونی علی عداوی۔

[١٢] ہم کو (مجھے) حسین سے نقل کر کے بیان کیا گیا وہ کہتے تھے میں نے ابو معاذ سے سنا وہ کہتے تھے ہمیں عبید نے خبر دی وہ کہتے تھے میں نے ضحاک سے سنا وہ آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی کے متعلق کہتے تھے کہ خطاب قریش سے ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں تو تمہیں میں کا ایک شخص ہوں۔ لہذا تم میری مدد کرو میرے دشمن کے مقابلہ میں اور میری قرابت کا لحاظ کرو اور جو دین میں لایا ہوں اس پر کچھ معاوضہ تم سے نہیں مانگتا سوا مودت فی القربی کے کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو مجھے تم سے ہے اور میری مدد کرو میرے دشمن کے مقابلہ میں۔

[١٣] حدثنی یونس قال اخبرنا ابن وهب قال قال ابن زید فی قوله قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی قال یقول الا ان تودونی لقرابتی کما توادون فی

[١٣] مجھ سے یونس نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہمیں ابن وہب نے خبر دی وہ کہتے تھے کہ ابن زید قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی کے متعلق کہتے تھے مطلب یہ ہے کہ

ترابتكم وتتواصلون بها لـيس هذا الذي جئت به يقطع ذلك عني فلست ابتغي على الذي جئت به اجراً اخذه على ذلك۔

مجھ سے محبت کرو بوجہ میری قرابت کے جس طرح کہ تم اپنے قرابت والوں سے محبت کرتے ہو اور قرابت کا صلہ کرو جو دین میں لایا ہوں وہ میری قرابت کو قطع نہیں کرتا میں تم سے اس کے معاوضہ میں کچھ اجرت نہیں لینا چاہتا۔

حدثني يونس قال اخبرنا ابن وهب قال اخبرني سعيد بن ابي ايوب عن عطاء بن دينار في قوله قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى قال كل قريش كانت بينها وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم قرابة فقال قل لا اسئلكم عليه اجرا الا ان تودوني بالقرابة التي بيني وبينكم۔

مجھ سے یونس نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہمیں ابن وہب نے خبر دی وہ کہتے تھے مجھ سے سعید ابن ابی ایوب نے عطا بن دینار سے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق نقل کرکے بیان کیا وہ کہتے تھے تمام قریش سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت تھی لہذا اللہ نے فرمایا کہ کہہ دیجئے کہ میں تم سے تعلیم قرآن کا کچھ معاوضہ نہیں مانگتا بوجہ اس قرابت کے جو میرے اور تمہارے درمیان میں ہے۔

وقال آخرون بل معنى ذلك قل لمن تبعك من المؤمنين لا اسئلكم على ما جئتكم به اجرا الا ان تودوا قرابتي۔

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ ان مسلمانوں سے جو آپ کے پیرو ہیں کہہ دیجئے کہ جو دین میں لایا ہوں اس کا معاوضہ تم سے نہیں مانگتا مگر یہ کہ میرے قرابت والوں سے محبت کرو۔

ذكر من قال ذلك

کون لوگ اسکے قائل ہیں

حدثني محمد بن عمارة قال ثنا

مجھ سے محمد بن عمارہ نے بیان کیا وہ کہتے

اسمٰعیل بن ابان قال ثنا الصباح بن یحیی المری عن السدی عن ابی الدیلم قال لما جی بعلی بن الحسین رضی اللہ عنهما ناقیم علی درج دمشق قام رجل من اهل الشام فقال الحمد للہ الذی قتلکم و استاصلکم وقطع قرنی الفتنة فقال له علی بن الحسین رضی اللہ عنه اقرأت القران قال نعم قال اقرأت اٰل حم قال لا قال اقرأت قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ قال و انکم لانتم هم قال نعم۔

تھے ہم سے اسمٰعیل بن ابان نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے صباح ابن یحیی مری نے سدی سے انہوں نے ابو دیلم سے روایت کرکے بیان کیا وہ کہتے تھے جب علی بن حسین (زین العابدین) رضی اللہ عنہما قید ہو کر آئے اور دمشق کی سیڑھیوں پر کھڑے کیے گئے تو ایک شخص نے اہل شام میں سے کہا کہ خدا کا شکر ہے جس نے تم لوگوں کو قتل کرا دیا اور تمہاری بیخکنی کر دی اور فتنہ کے دونوں سرے کاٹ دیئے اُس سے علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تو نے قرآن پڑھا ہے اس نے کہا ہاں پھر کہا کیا تو نے آل حم پڑھی ہے اس نے کہا میں نے قرآن تو پڑھا مگر آل حم نہیں پڑھی انہوں نے کہا کیا تو نے یہ آیت پڑھی ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودة فی القربیٰ اس نے کہا کیا قربیٰ تمہیں لوگ ہو انہوں نے کہا ہاں۔

حدثنا ابو کریب قال ثنا مالک بن اسمٰعیل قال ثنا عبد السلام قال ثنا یزید بن ابی زیاد عن مقسم عن ابن عباسؓ قال قالت الانصار فعلنا وفعلنا و فکانهم فخروا فقال ابن عباسؓ او العباس شك عبد السلام لنا الفضل علیکم فبلغ ذالك

ہم سے ابو کریب نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے مالک بن اسمٰعیل نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے عبد السلام نے بیان کیا انہوں نے کہا ہم سے یزید بن ابی زیاد نے مقسم سے انہوں نے ابن عباسؓ سے نقل کرکے بیان کیا کہ انصار نے کہا ہم نے یہ کیا یہ کیا وہ لوگ فخر کر رہے تھے تو ابن عباسؓ نے یا عباسؓ نے کہا، یہ شک عبد السلام کو ہوا ہے، کہ ہم کو تم پر فضیلت ہے

ول الله صلى الله عليه وسلم
تاهم في مجالسهم فقال يا
شرالانصار الم تكونوا اذلة
عزكم الله بي قالوا
ى يارسول الله قال فلا
بني قالوا ما نقول يارسول الله قال لا
ولون الم يخرجك قومك
وينا ك اولم يكذبوك
صدقناك اولم يخذلوك
صرناك قال فما زال يقول حتى
وا على الركب وقالوا اموالنا
ما في ايدينا لله ولرسوله
ل فنزلت قل لا اسئلكم عليه
را الا المودة في القربى۔

دثني يعقوب قال ثنا مروان
ن يحيى بن كثير عن ابي
عالية عن سعيد بن جبير في
له قل لا اسئلكم عليه اجرا
• المودة في القربى قال هي قربى
سول الله صلى الله عليه وسلم۔

یہ خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ انصار کی مجلس میں گئے اور فرمایا کہ اے گروہ انصار کیا تم ذلیل نہ تھے خدا نے تمہیں میرے سبب سے عزت دی انصار نے کہا ہاں یارسول اللہ آپ نے فرمایا کہ کیا تم گمراہ نہ تھے خدا نے تم کو میرے ذریعہ سے ہدایت کی انصار نے کہا ہاں یارسول اللہ آپ نے فرمایا تم لوگ مجھے جواب کیوں نہیں دیتے انہوں نے کہا یارسول اللہ ہم کیا جواب دیں۔ آپ نے فرمایا تم کیوں نہیں کہتے کہ آپ کو آپ کی قوم نے نکال دیا تھا ہم نے آپ کو جگہ دی لوگوں نے آپکی تکذیب کی تھی ہم نے آپ کی تصدیق کی لوگوں نے آپ کا ساتھ نہ دیا تھا ہم نے آپ کا ساتھ دیا آپ اسی قسم کے کلمات کہتے رہے یہاں تک کہ وہ لوگ گھٹنوں کے بل گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہمارے مال اور جو کچھ ہمارے پاس ہے اللہ اور اس کے رسول کا ہے اسی پر یہ آیت نازل ہوئی قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی۔

مجھ سے یعقوب نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے مروان نے یحیی بن کثیر سے انہوں نے ابوالعالیہ سے انہوں نے سعید بن جبیر سے آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی کے متعلق روایت کرکے بیان کیا کہ انہوں نے کہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت مراد ہے۔

۲ حدثني محمد بن عمارة الاسدي ومحمد بن خلف قالا ثنا عبيد الله قال اخبرنا اسرائيل عن ابي اسحق قال سالت عمرو بن شعيب عن قول الله عز وجل قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى قال قربى النبي صلى الله عليه وسلم. وقال آخرون بل معنى ذلك قل لا اسئلكم ايها الناس على ما جئتكم به اجرا الا ان تودوا الى الله وتتقربوا بالعمل الصالح والطاعة.

ذكر من قال ذلك

حدثني علي بن داؤد ومحمد بن داؤد اخوه ايضا قالا ثنا عاصم بن علي قال ثنا قزعة بن سويد عن ابي نجيح عن مجاهد عن ابن عباسؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قل لا اسئلكم على ما اتيتكم به من البينات والهدى اجرا الا ان تودوا الله وتتقربوا اليه بطاعته.

مجھ سے محمد بن عمارہ اسدی نے اور محمد بن خلف نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہمیں اسرائیل نے ابی اسحق سے روایت کر کے خبر دی وہ کہتے تھے میں نے عمرو بن شعیب سے اللہ عز وجل کے قول قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت مراد ہے۔ اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ اے نبی کہہ دیجئے اے لوگو میں اس دین کے معاوضہ میں جو لایا ہوں کچھ اجرت تم سے نہیں مانگتا سوا اس کے کہ عمل صالح اور اطاعت کے ذریعہ سے اللہ سے محبت و تقرب حاصل کرو۔

کون لوگ اس کے قائل ہیں

مجھ سے علی ابن داؤد نے اور ان کے بھائی محمد بن داؤد نے بھی بیان کیا وہ دونوں کہتے تھے ہم سے عاصم بن علی نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے قزعہ بن سوید نے ابن ابی نجیح سے انہوں نے مجاہد سے انہوں نے ابن عباسؓ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ کہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ کہہ دیجئے میں جو بینات اور ہدایت لایا ہوں اس کے معاوضہ میں کچھ اجرت نہیں مانگتا سوا اس کے کہ اللہ سے محبت اور تقرب پیدا کرو بذریعہ اس کی

اطاعت کے

...نا ابن المثنى قال ثنا محمد
...عفر قال ثنا شعبة عن
...ور بن زاذان عن الحسن انه
...في هذه الآية قل لا اسئلكم
...ه اجرا الا المودة في القربى
...لقربى الى الله.

ہم سے ابن المثنی نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن جعفر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے منصور بن زاذان سے انہوں نے حسن (بصری) سے اس آیت یعنی قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی کے معنی بیان کیے کہ اللہ کی طرف تقرب مراد ہے۔

...ثني يعقوب قال ثنا هشيم
...اخبرنا عوف عن الحسن
...له لا اسئلكم عليه اجرا
...المودة في القربى قال
...لتقرب الى الله والتودد
...ل الصالح.

مجھ سے یعقوب نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ہشیم نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہمیں عوف نے حسن (بصری) سے اللہ تعالیٰ کے قول لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی کے متعلق روایت کرکے خبر دی کہ اللہ کی طرف عمل صالح کے ذریعے سے تقرب اور محبت پیدا کرنا مراد ہے۔

...نا بشر قال ثنا يزيد قال
...يد عن قتادة قال الحسن
...له قل لا اسئلكم عليه اجرا
...المودة في القربى الا
...تودد وا الى الله فيما يقربكم
...ه.

ہم سے بشر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے یزید نے وہ کہتے تھے ہم سے سعید نے قتادہ سے روایت کرکے بیان کیا وہ کہتے تھے کہ حسن (بصری) نے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی کے متعلق کہا کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ سے محبت پیدا کرو ان اعمال کے ذریعے سے جو خدا سے تم کو متقرب کر دیں۔

...ال آخرون بل معنى ذلك الا
...ن تصلوا قرابتكم.

اور بعض لوگوں کا قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنی قرابت کا صلہ کرو۔

ذکر من قال ذلك

حدثنا بشر قال ثنا ابو عامر ثنا قرة عن عبد الله بن القاسم فی قوله الا المودة فی القربی قال امرت ان تصلوا قرابتكم.

واولی الاقوال فی ذلك فی الصواب اشبهها بظاهر التنزیل. قول من قال معناه قل لا اسئلكم علیه اجرا یا معشر قریش الا ان تودونی فی قرابتی منكم و تصلوا الرحم التی بینی و بینكم وانما قلت هذا التاویل اولی بتاویل الاٰیة لدخول فی فی قوله الا المودة فی القربی. ولو كان معنی ذلك علی ما قاله من قال الا ان تودوا قرابتی اوتقربوا الی الله لم یكن لدخول فی فی الكلام وجه معروف ولكان التنزیل الا مودة القربی ان عنی به الا مرمودة قرابة رسول الله صلی الله علیه وسلم اوالا المودة بالقربی وذوالقربی ان عنی به التودد والتقرب وفی دخول فی فی الكلام اوضح

کون لوگ اسکے قائل ہیں

ہم سے بشر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ابو عامر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے قرہ نے عبداللہ بن قاسم سے الا المودۃ فی القربیٰ کے معنی نقل کر کے بیان کیے کہ آپ نے فرمایا مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنی قرابت کا صلہ کرو۔

مگر ان تمام اقوال میں سب سے زیادہ صحیح اور ظاہر قرآن کے مناسب۔

اسی شخص کا قول ہے جس نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ کہہ دیجئے کہ اے گروہ قریش میں تم سے اس پر کچھ اُجرت نہیں مانگتا سوا اس کے کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو مجھے تم سے ہے اور اس قرابت کا صلہ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان میں ہے۔ میں نے جو کہا کہ یہ معنی تفسیر آیت سے زیادہ مناسب ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ الا المودۃ فی القربیٰ میں فی کا لفظ ہے اور اگر معنی اس کے وہ ہوتے جو کسی نے بیان کیے ہیں کہ میرے اہل قرابت سے محبت کرو یا اللہ سے تقرب حاصل کرو تو کلام میں لفظ فی کے داخل ہونے کی کوئی عمدہ وجہ نہیں ہو سکتی اور عبارت یوں ہوتی الا مودۃ القربیٰ اگر اس سے مراد قرابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوتی یا الا المودۃ با القربیٰ یا ذی القربیٰ ہوتی اگر مراد اس سے

...دليل على ان معناه الا
...ودتي في قرابتي منكم و
...الالف و اللام في المودة
...دخلتا بدلا من الاضافة
...كما قيل فان الجنة هي الماوى
...قوله الا في هذا الموضع
...استثناء منقطع ومعنى الكلام
...قل لا اسئلكم الا المودة في
...القربى فالمودة منصوبة على
...المعنى الذي ذكرت. وقد
...ن بعض نحوي البصرة
...ول هي منصوبة بمضمر من
...فعل بمعنى الا ان اذكركم
...قرابتي.

تقرب الٰہی ہوتا. لفظ فی کا کلام میں داخل ہونا
بہت واضح دلیل اس بات کی ہے کہ معنی
اس کے یہی ہیں کہ مجھ سے محبت کرو بوجہ اس
قرابت کے جو مجھے تم سے ہے اور المودۃ میں
الف لام بعوض مضاف الیہ کے ہے جیسا کہ کہا
گیا ہے کہ فان الجنۃ ہی الماویٰ میں ہوا ہے اور
الا اس مقام میں استثنائے منقطع ہے اور مطلب
کلام کا یہ ہے کہ اے نبی کہہ دیجئے میں تم سے تبلیغ
قرآن پر کچھ اُجرت نہیں مانگتا و لیکن تم سے
درخواست کرتا ہوں کہ بوجہ قرابت کے مجھے
محبت کرو. اور لفظ مودۃ اس مطلب کے اعتبار
سے منصوب ہے اور بصرہ کے بعض نحوی کہتے
تھے کہ وہ منصوب ہے ایک فعل مضمر سے یعنی میں
تم کو اپنی قرابت کی محبت یاد دلاتا ہوں۔

ف. اس تفسیر میں جو اقدم التفاسیر[1] کا لقب رکھتی ہے آیہ مبحوثہ کے متعلق چار ...ں نقل کیئے۔

اول وہی جس کو ہم نے اختیار کیا یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بوجہ قرابت ...محبت کرنا اور اس قول کو خود مصنف نے سب پر مقدم کیا اور اس کو ابن عباسؓ سے چار ...دوں کے ساتھ اور عکرمہؒ سے دو سند کے ساتھ اور ابو مالکؒ سے دو سند کے ساتھ اور ...دہؒ و مجاہدؒ و سدیؒ و ابن زیدؒ و عطاء بن دینار سے نقل کیا۔

[1] اس تفسیر کے مصنف کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی. اس سے پہلے کی کوئی تفسیر پائی نہیں جاتی۔ مو

دوسرا قول یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت والوں سے محبت کرنا مراد ہے۔
تیسرا قول یہ کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا اور تقرب حاصل کرنا مراد ہے۔
چوتھا قول یہ کہ آپس میں محبت کرنا یعنی صلہ رحم مراد ہے۔
ان اقوال کے لکھنے کے بعد خود امام ممدوح نے فیصلہ کر دیا کہ پہلا ہی قول صحیح ہے اور اس کا صحیح ہونا الفاظ آیت سے بھی ثابت کر دیا۔

(۳) امام بغوی تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں۔

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔ اخبرنا عبد الواحد بن احمد الملیحی انا احمد بن عبد اللہ النعیمی انا محمد بن یوسف ثنا محمد بن اسمٰعیل ثنا محمد بن بشار ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبۃ عن عبد الملک بن میسرۃ قال سمعت طاؤسا عن ابن عباسؓ انہ سئل عن قولہ الا المودۃ فی القربیٰ فقال سعید بن جبیر قربیٰ اٰل محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابن عباس عجلت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن بطن من قریش الا کان لہ فیہم قرابۃ فقال الا ان تصلوا ما بینی وبینکم من القرابۃ وکذلک روی الشعبی وطاؤس عن ابن عباسؓ قال

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ ہمیں عبد الواحد ابن احمد ملیحی نے خبر دی وہ کہتے تھے، ہمیں احمد بن عبد اللہ نعیمی نے خبر دی وہ کہتے تھے، ہمیں محمد بن یوسف نے خبر دی وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن اسمٰعیل (بخاری) نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن جعفر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے عبد الملک بن میسرہ سے نقل کر کے بیان کیا وہ کہتے تھے انہوں نے طاؤس سے سنا وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے تھے کہ ان سے الا المودۃ فی القربیٰ کا مطلب پوچھا گیا تو سعید بن جبیر نے کہا کہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتمند مراد ہیں۔ ابن عباس نے کہا تم نے عجلت سے کام لیا (یہ مطلب نہیں ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کے ہر خاندان سے قرابت تھی لہذا فرمایا کہ اس قرابت کا صلہ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان میں ہے اور اسی قسم کی روایت شعبی اور طاؤس

المودة في القربى يعني ان
حفظوا قرابتي وتوددوني
تصلوا رحمي واليه ذهب
جاهد وقتادة وعكرمة
مقاتل والسدي و
ضحاك وقال عكرمة لا
سئلكم على ما ادعوكم
يه اجرا الا ان تحفظوني
قرابتي بيني وبينكم وليس
يقول الكذابون وروى
ن ابي نجيح عن مجاهد عن
ن عباس في معنى الآية الا
ن تودوا الله تتقربوا اليه
طاعة والعمل الصالح.
قال بعضهم معناه الا ان
ودوا قرابتي وعترتي و
حفظوني فيهم وهو قول
سعيد ابن جبير وعمرو
بن شعيب واختلفوا في
قرابته قيل هم فاطمة الزهراء
وعليٌّ وابناهما وفيهم نزول
انما يريد الله ليذهب عنكم
الرجس اهل البيت وروينا

نے بھی ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ مودۃ فی
القربیٰ کا مطلب یہ ہے کہ میری قرابت کا لحاظ کرو
اور مجھ سے محبت کرو اور میرے ساتھ صلہ رحم کرو۔
یہی قول مجاہد اور قتادہ اور عکرمہ اور مقاتل اور
سدی اور ضحاک کا ہے۔ اور عکرمہ نے کہا ہے کہ
مطلب یہ ہے کہ میں جو تعلیم تم کو دیتا ہوں اس
کی کچھ اُجرت تم سے نہیں مانگتا سوا اس کے
کہ میری حفاظت کرو اور میرے تمہارے
درمیان میں جو قرابت قائم ہے اس کا لحاظ
کرو اور آیت کا وہ مطلب نہیں ہے جو کذاب
لوگ بیان کرتے ہیں اور ابن ابی نجیح نے مجاہد سے
انہوں نے ابن عباسؓ سے اس آیت کے معنی
میں روایت کی ہے کہ اللہ سے محبت کرو اور
عبادت اور عمل صالح کے ذریعہ سے اس کا
تقرب حاصل کرو اور بعض لوگوں نے کہا ہے
کہ مطلب یہ ہے کہ میری قرابت اور عترت
سے محبت کرو اور ان کے بارہ میں میرا خیال
رکھو یہی قول ہے سعید بن جبیر اور عمرو بن شعیب
کا اور آپ کے اہل قرابت کے بارے
میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے فاطمہ زہراؓ
اور علیؓ اور ان کے دونوں صاحبزادوں کو
بیان کیا ہے کہ انہیں کے حق میں یہ آیت
اتری ہے انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس

عن يزيد بن حيان عن
زيد ابن ارقم عن النبي
صلى الله عليه وسلم قال
انى تارك فيكم الثقلين
كتاب الله واهل بيتي اذكركم
الله في اهل بيتي قيل لزيد
بن ارقم من اهل بيته قال
هم آل علي وآل عقيل وآل
جعفر وآل عباس. اخبرنا
عبد الواحد المليحي انا احمد
بن عبد الله النعيمي انا محمد
بن يوسف ثنا محمد بن
اسمٰعيل ثنا عبد الله ابن
عبد الوهاب ثنا خالد ثنا
شعبة عن واقد قال سمعت
ابي يحدث عن ابن عمر عن
ابي بكر قال ارقبوا محمدا في
اهل بيته وقيل هم الذين
تحرم عليهم الصدقة من
اقاربه ويقسم فيهم الخمس و
هم بنو هاشم وبنو المطلب
الذين لم يفترقوا في
جاهلية ولا في اسلام. و

اہل البیت" اور ہم سے بحوالہ یزید بن حیان بیان
کیا گیا وہ زید ابن ارقمؓ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
سے روایت کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا میں
تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑتا ہوں کتاب خدا
اور اپنے اہلبیت تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں اپنے
اہلبیت کے بارے میں زید بن ارقم سے پوچھا
گیا کہ آپ کے اہلبیت کون ہیں انہوں نے
کہا علی اور عقیل اور جعفر اور عباس کی آل رضی
اللہ عنہم) ہمیں عبد الواحد ملیحی نے خبر دی وہ
کہتے تھے ہمیں احمد بن عبد اللہ نعیمی نے خبر
دی وہ کہتے تھے ہمیں محمد بن یوسف نے خبر
دی وہ کہتے تھے ہم محمد بن اسمٰعیل نے بیان
کیا وہ کہتے تھے ہم سے عبد اللہ بن عبد الوہاب
نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے خالد نے بیان
کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے واقد سے نقل
کر کے بیان کیا وہ کہتے تھے میں نے اپنے والد
سے سنا وہ ابن عمرؓ سے وہ حضرت ابوبکرؓ سے
روایت کرتے تھے کہ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کا خیال رکھو ان کے اہل بیت کے
بارے میں۔ اور بعض کا قول ہے کہ اہل قرابت
وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے جن کو خمس ملتا
ہے اور وہ بنی ہاشم اور بنی مطلب ہیں جن
میں کبھی جدائی نہیں ہوئی نہ جاہلیت میں نہ

قال قوم هذه الآية منسوخة
وانما نزلت بمكة وكان
المشركون يؤذون رسول الله
صلى الله عليه وسلم فانزل
الله هذه الآية فامرهم
فيها بمودة رسول الله صلى
الله عليه وسلم وصلة رحمه
فلما هاجر الى المدينة و
اواه الانصار ونصروه احب
الله عزوجل ان يلحقه
باخوانه من الانبياء عليهم السلام
حيث قال وما اسئلكم عليه
من اجر ان اجري الا على
رب العلمين فانزل الله تعالى
قل لا اسئلكم عليه اجرا قل
ما سئلتكم من اجر فهو لكم
ان اجري الا على الله فهي منسوخة
بهذه الايات وبقوله قل ما
اسئلكم عليه من اجر وما
انا من المتكلفين وغيرها
من الايات والى هذا ذهب
الضحاك بن مزاحم والحسين
بن الفضل وهذا قول غير

اسلام میں ۔ اور ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ
آیت منسوخ ہے ۔ مکہ میں نازل ہوئی تھی مشرکین
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے تھے پس
اللہ نے یہ آیت آتاری اور ان کو اس آیت
میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور
آپ کے صلہ رحم کا حکم دیا پھر جب آپ ہجرت
کر کے مدینہ آئے اور انصار نے آپ کو جگہ دی
آپ کی مدد کی تو اللہ کو منظور ہوا کہ آپ کو آپ
کے بھائیوں یعنی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ
ملا دے کیونکہ اور انبیاء کے متعلق فرمایا کہ کہہ
دو میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا میری
اُجرت رب العالمین کے ذمہ ہے لہذا اللہ
تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ اے نبی کہہ
دیجئے کہ میں تم سے تبلیغ رسالت کی کچھ اُجرت
نہیں مانگتا ۔ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے کچھ اُجرت
مانگی ہو تو تمہیں کو مبارک رہے میری اجرت
اللہ کے ذمہ ہے پس آیت مجوزہ ان آیات
سے اور نیز اس آیت سے کہ اے نبی کہہ
دیجئے کہ میں تم سے کچھ اُجرت نہیں مانگتا اور
میں تکلف کرنے والوں سے نہیں ہوں اور
اسی قسم کی دوسری آیات سے منسوخ ہے ۔
یہی مذہب ہے ضحاک بن مزاحم اور حسین
بن فضل کا ۔ مگر یہ بات پسندیدہ نہیں

مرضي لان مودة النبي صلى الله عليه وسلم وكف الاذى عنه ومودة اقاربه والتقرب الى الله بالطاعة والعمل الصالح من فرائض الدين وهذه اقاويل السلف في معنى الاية فلا يجوز المصير الى نسخ شيء من هذه الاشياء۔ وقوله الا المودة في القربى ليس باستثناء متصل بالاول حتى يكون ذلك اجرا في مقابلة اداء الرسالة بل هو منقطع ومعناه ولكني اذكركم المودة في القربى واذكركم المودة في قرابتي منكم كما روينا في حديث زيد ابن ارقم اذكركم الله في اهل بيتي۔

ہے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا اور آپ کو تکلیف نہ دینا اور آپ کے اقارب سے محبت کرنا اور بذریعہ عبادت اور عمل صالح کے اللہ سے تقرب حاصل کرنا دین کے فرائض میں سے ہے اور یہ اقوال سلف کے اس آیت کے متعلق موجود ہیں پس ان چیزوں میں سے کسی کو منسوخ کہنا جائز نہیں ہے اب رہا الا المودة فی القربیٰ یہ استثنائے متصل نہیں ہے تاکہ یہ چیز بمقابلہ تبلیغ رسالت کے اجرت کہی جائے بلکہ یہ استثنائے منقطع ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ میں تمہیں مودة فی القربیٰ کی یاد دلاتا ہوں اور جو قرابت مجھ سے ہے اس کی محبت یاد دلاتا ہوں جیسا کہ زید بن ارقم کی حدیث ہم سے بیان کی گئی ہے کہ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں۔

ف۔ امام بغویؒ نے بھی سب سے پہلے اسی قول کو نقل کیا ہے جو اہل سنت کا مختار ہے اور ابن عباسؓ اور اُن کے اجلہ تلامذہ سے منقول ہے اور آخر میں کس تصریح اور وضاحت کے ساتھ اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ الا المودة استثنائے منقطع ہے اور یہ اجر رسالت نہیں ہے۔ اور امام المفسرین ابن عباسؓ کے جلیل الشان شاگرد عکرمہؒ سے اس آیت کی تفسیر میں دوسرے اقوال کا کذب اور ان کے قائلین کا کذاب ہونا بھی روایت کیا۔ فجزاہ اللہ خیرا۔

(۴) امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر میں رقم فرماتے ہیں:۔

واعلموا انه تعالى لما اوحى الى محمد صلى الله عليه وسلم هذا الكتاب الشريف العالى واودع فيه ثلاثة اقسام الدلائل و اصناف التكاليف ورتب على الطاعة الثواب وعلى المعصية العقاب بين انى لا اطلب منكم بسبب هذا التبليغ نفعاً عاجلا و مطلوبا حاضرا لئلا يتخيل جاهل ان مقصوده صلى الله عليه وسلم من هذا التبليغ المال والجاه فقال قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة فى القربى وفيه مسائل۔

المسألة الاولى۔ ذكر الناس فى هذه الاية ثلاثة اقوال الاول قال الشعبى اكثر الناس علينا فى هذه الاية فكتبنا الى ابن عباس رض نسأله عن ذلك فكتب ابن عباس رض ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان واسط النسب من قريش. ليس بطن من بطونهم الا وقد ولده فقال الله قل لا اسئلكم على ما ادعوكم اليه اجرا الا ان

جاننا چاہیئے کہ جب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر یہ کتاب بزرگ بلند مرتبہ والی نازل ہوئی اور اس میں تینوں قسم کی دلیلیں اور طرح طرح کے احکام بیان کیئے گئے اور فرماں برداری پر ثواب اور نافرمانی پر عذاب کا نتیجہ رکھا گیا تو یہ بیان کیا گیا کہ میں تم سے اس تبلیغ کے سبب سے کوئی فوری نفع اور کوئی وقتی مقصد نہیں مانگتا تاکہ کوئی جاہل یہ خیال نہ کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس تبلیغ سے مال اور جاہ ہے اسی لیئے فرمایا کہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی اور اس میں کئی مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ لوگوں نے اس آیت کے متعلق تین قول بیان کیئے ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ شعبی نے کہا لوگوں نے ہم سے اس آیت کے متعلق بکثرت پوچھا تو ہم نے ابن عباس رض کو خط لکھ کر اس کے متعلق دریافت کیا ابن عباس رض نے جواب دیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں متوسط النسب تھے۔ کوئی خاندان قریش میں ایسا نہ تھا جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو لہٰذا اللہ نے فرمایا کہ کہہ دیجئے میں تم سے اس

تودونی لقرابتی منکم والمعنی انکم قومی واحق من اجابنی واطاعنی فاذا قد ابیتم ذلک فاحفظوا حق القربی ولا تؤذونی ولا تهیجوا علی۔

دعوت دین کی اجرت نہیں مانگتا سوا اس کے کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو مجھ سے تم سے ہے مطلب یہ کہ تم میری قوم کے لوگ ہو اور میری اطاعت و فرمانبرداری کے زیادہ مستحق ہو لیکن تم نے اطاعت نہ کی تو کم از کم حق قرابت کا لحاظ کرو مجھے ایذا نہ دو میرے اوپر لوگوں کو برانگیختہ نہ کرو۔

والقول الثانی روی الکلبی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما قدم المدینة کانت تعروہ نوائب وحقوق ولیس فی یدہ سعة فقال الانصار ان ھذا الرجل قد ھداکم علی یدہ وھو ابن اختکم وجارکم فی بلدکم فاجمعوا لہ طائفة من اموالکم ففعلوا ثم اتوہ بہ فردہ علیھم فنزل قولہ تعالی قل لا اسئلکم علیہ اجرا ای علی الایمان الا ان تودوا اقاربی فحثھم علی مودة اقاربہ۔

دوسرا قول کلبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ کو حاجتیں اور حقوق پیش آتے تھے اور آپ کو وسعت نہ تھی لہذا انصار نے باہم مشورہ کیا کہ تم کو خدا نے آپ کے ہاتھ پر ہدایت دی اور وہ تمہارے بھانجے اور پڑوسی ہیں تمہارے شہر میں رہتے ہیں لہذا ان کے لئے کچھ مال جمع کرو چنانچہ انہوں نے جمع کیا اور وہ مال لے کر آپ کے پاس آئے آپ نے واپس کر دیا انہی پر قل لا اسئلکم علیہ اجرا نازل ہوئی یعنی ایمان کے عوض میں اجرت نہیں مانگتا مگر یہ کہ میرے اقارب سے محبت کرو پس آپ نے اپنے اقارب کی محبت پر ان کو ترغیب دی۔

القول الثالث ماذکرہ الحسن

تیسرا قول وہ ہے جو حسن (البصری) نے ذکر

قال الا ان تودوا الی الله فیما
یقربکم الیه من التودد الیه
بالعمل الصالح فالقربی علی القول
الاول القرابة التی بمعنی الرحم
وعلی الثانی القرابة التی هی
بمعنی الاقارب وعلی الثالث
هی فعلی من القرب والتقرب۔
فان قیل الایة مشکلة وذلك
لان طلب الاجرة علی تبلیغ
الوحی لایجوز ویدل علیه وجوه
الاول انه تعالی حکی عن اکثر
الانبیاء علیهم السلام انهم صرحوا
بنفی طلب الاجرة فذکر فی قصة
نوح علیه السلام وما اسئلکم
علیکم من اجر ان اجری الا علی
رب العلمین وکذا فی قصه لوط
وشعیب علیهم السلام ورسولنا
افضل من سائر الانبیاء علیهم
السلام فکان بان لانطلب الاجر
علی النبوة والرسالة اولی والثانی انه
صلی الله علیه وسلم صرح بنفی طلب الاجرة فی
سائر الآیات فقال ما سئلتکم من اجر فهو لکم
وقال قل ما اسئلکم علیه من اجر وما انا من المتکلفین۔

کیا کہ اللہ سے محبت کرو جو اعمال تمہیں اللہ
سے مقرب کردیں وہ اختیار کرو پس قول
اول کے موافق قربیٰ بمعنی قرابت و رحم ہے اور
قول دوم کی بنا پر قربیٰ بمعنی اقارب ہے
اور قول سوم کی بنا پر قربیٰ بروزن فعلیٰ نزدیک
ہونے اور نزدیکی حاصل کرنے کے معنی
میں ہے۔ اگر کہا جائے کہ اس آیت میں ایک اشکال
ہے وہ یہ کہ اجرت مانگنا تبلیغ وحی پر
جائز نہیں ہے اور اس کے بہت دلائل
ہیں اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اکثر انبیاء علیہم السلام
کے متعلق بیان کیا کہ انہوں نے طلب اجرت
کی نفی صاف صاف کی۔ نوح علیہ السلام
کے قصہ میں بیان کیا کہ انہوں نے کہا وما اسئلکم
علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین۔
اور ایسا ہی ہود اور صالح اور لوط و شعیب علیہم
السلام کے قصوں میں بیان کیا اور ہمارے
رسول تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔
پس وہ نبوت و رسالت کے معاوضہ میں
اجرت نہ مانگنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ دوم
یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اجرت
مانگنے کی نفی بہت سی آیات میں کی ہے۔
قل ما سألتکم من اجر فهو لکم۔ اور
قل ما اسئلکم علیه من اجر وما انا من المتکلفین۔

والثالث العقل يدل عليه و ذلك لان التبليغ كان واجبا عليه قال تعالى بلغ ما انزل اليك من ربك و ان لم تفعل فما بلغت رسالته وطلب الاجر على اداء الواجب لا يليق باقل الناس فضلاً عن اعلم العلماء۔

سوم یہ کہ عقل بھی اسی کو چاہتی ہے کیونکہ تبلیغ آپ پر واجب تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے نبی پہنچا دے جو کچھ تجھ پر تیرے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر تو نہ کرے گا تو تو نے رسالت خدا نہ ادا کی اور امر واجب کے معاوضہ میں اجرت مانگنا ادنیٰ شخص کے لئے زیبا نہیں ہے چہ جائیکہ اعلم العلماء۔

الرابع ان النبوة افضل من الحكمة وقد قال تعالى في صفة الحكمة ومن يوت الحكمة فقد اوتي خيرًا كثيرًا وقال في صفة الدنيا قل متاع الدنيا قليل فكيف يحسن في العقل مقابلة اشرف الاشياء باخس الاشياء۔

چہارم یہ کہ نبوت حکمت سے افضل ہے اللہ تعالیٰ نے حکمت کی صفت میں کہا ہے کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر ملا اور دنیا کے بارے میں فرمایا ہے کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے پس عقل کے نزدیک یہ بات کیوں کر اچھی ہو سکتی ہے کہ اشرف چیز کا معاوضہ ارزل چیز کے ساتھ کیا جائے۔

الخامس ان طلب الاجر كان يوجب التهمة وذلك ينافي القطع بصحة النبوة فثبت بهذه الوجوه انه لا يجوز من النبي صلى الله عليه وسلم ان يطلب اجرا البتة على التبليغ والرسالة وظاهر هذه الاية يقتضي انه

پنجم یہ کہ طلب اجرت تہمت کو واجب کرتی ہے اور یہ منافی ہے صحت نبوت کے یقین کے پس ان دلائل سے ثابت ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے طلب اجرت تبلیغ رسالت کے معاوضہ میں یقیناً ناجائز ہے حالانکہ اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تبلیغ اور رسالت

طلب اجرا علی التبلیغ والرسالة وهو المودة فی القربی. هذا تقریر السوال والجواب عنه انه لا نزاع فی انه لا یجوز طلب الاجر علی التبلیغ والرسالة بقی قوله الا المودة فی القربی نقول الجواب عنه من وجهین الاول ان هذا من باب قوله ؎

ولا عیب فیهم غیر ان سیوفهم
بها من قراع الدارعین فلول

المعنی انا لا اطلب منکم الا هذا وهذا فی الحقیقة لیس اجرا لان حصول المودة بین المسلمین امر واجب قال تعالی والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض وقال صلی الله علیه وسلم المؤمن کالبنیان یشد بعضهم بعضا والآیات والاخبار فی هذا الباب کثیرة واذا کان حصول المودة بین جمهور المسلمین واجبا فحصولها فی حق اشرف المسلمین واکابرهم اولی وقوله تعالی قل لا اسئلکم علیه اجرا

پر اجرت طلب کی اور وہ مودت فی القربی ہے۔ یہ تقریر اعتراض کی ہے اور جواب اس کا یہ ہے کہ اس میں کچھ نزاع نہیں کہ تبلیغ اور رسالت کے معاوضہ میں اجرت طلب کرنا جائز نہیں۔ باقی رہا ایک جملہ الا المودۃ فی القربی اس کا جواب ہم دو طرح دیں گے۔ اوّل یہ کہ یہ کلام مثل اس شعر کے ہے ترجمہ شعر ؎

ان میں کچھ عیب نہیں سوا اس کے کہ ان کی تلواریں لڑتے لڑتے گر گئی ہیں مطلب یہ کہ میں تم سے سوا اس کے کچھ اجرت طلب نہیں کرتا اور یہ فی الحقیقت اجرت نہیں ہے کیونکہ عام طور پر باہم مسلمانوں میں محبت کا ہونا ضروری ہے اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان مثل عمارت کے ہیں کہ بعض سے بعض کو مضبوطی ہوتی ہے آیتیں اور حدیثیں اس بارے میں بہت ہیں اور جب کہ عام طور پر مسلمانوں میں باہم محبت کا ہونا ضروری ہے تو اشرف المسلمین اور اکابر مسلمین میں باہم محبت کا ہونا بدرجہ اولی ضروری

الا المودة فی القربی تقدیرہ والمودة فی القربی لیست اجرا فرجع الحاصل الی انه لا اجر البتة۔ والوجه الثانی فی الجواب ان هذا استثناء منقطع وتم الکلام عند قوله قل لا اسئلکم علیه اجرا ثم قال الا المودة فی القربی ای لکن اذکرکم قرابتی منکم وکانه فی اللفظ اجر ولیس باجر۔

ہوگا اور آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودة فی القربی کی تقدیر یہ ہوگی کہ مودت فی القربی اُجرت نہیں ہے پس حاصل اس جواب کا یہ ہوا کہ مودت فی القربی یقیناً اجر رسالت نہیں ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ استثنا منقطع ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرا پر کلام ختم ہوگیا پھر جو فرمایا الا المودة فی القربی اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں اپنی قرابت یاد دلاتا ہوں پس کہنے میں تو اجر ہے مگر درحقیقت اجر نہیں ہے۔

ف۔ امام رازیؒ کی اس تفسیر کو دیکھو کہ کس طرح انہوں نے اس قول مردود کو کہ مودة فی القربی سے اہل بیت رسول کی محبت مراد ہے اور یہ کہ محبت اہل بیت اجر رسالت ہے باطل کیا ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ طلب اجر سے نبوت مشکوک ہوجاتی ہے۔

(۵) علامہ ابوسعود اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

قل لا اسئلکم علیه روی انه اجتمع المشرکون فی مجمع لهم فقال بعضهم لبعض اترون محمدا یسأل علی ما یتعاطاه اجرا فنزلت ای لا اطلب منکم علی ما انا علیه من التبلیغ والبشارة اجرا نفعا الا المودة فی القربی ای الا ان تودونی لقرابتی منکم وتودوا اهل

قل لا اسئلکم علیہ۔ روایت ہے کہ مشرکین اپنی ایک محفل میں جمع ہوئے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کیا تم کو معلوم ہے محمدؐ اس تعلیم کے معاوضہ میں کچھ اجرت طلب کرتے ہیں پس یہ آیت اتری کہ میں جو تبلیغ و بشارت تم کو دیتا ہوں اس کی اُجرت یعنی کوئی نفع نہیں مانگتا سوا مودة فی القربی کے یعنی سوا اس کے کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ قرابت کے جو مجھے تم سے

قرابتي وقيل الاستثناء منقطع والمعنى لا اسئلكم اجرا قط ولكن اسئلكم المودة. وفي القربى حال منها اي الا المودة ثابتة في القربى متمكنة في اهلها او في حق القرابة والقربى مصدر كالزلفى بمعنى القرابة روي انها لما نزلت قيل يارسول الله من قرابتك هؤلاء الذين وجبت علينا مودتهم قال علي وفاطمة وابناهما وعن النبي صلى الله عليه وسلم حرمت الجنة على من ظلم اهل بيتي واذاني في عترتي ومن اصطنع صنيعة الى احد من ولد عبد المطلب ولم يجازه فانا اجازيه عليها غدا اذا لقيني يوم القيامة وقيل القربى التقرب الى الله اي الا ان تودوا الله ورسوله في تقربكم اليه بالطاعة والعمل الصالح وقرئ الا مودة في القربى۔

ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ استثناء منقطع ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں تم سے کچھ اجرت ہرگز نہیں مانگتا ولیکن محبت چاہتا ہوں اور ترکیب نحوی میں فی القربیٰ المودۃ کا حال ہوگا یعنی وہ محبت جو قربیٰ میں ہو اور اہل قرابت میں پائی جائے اور بوجہ قرابت کے پائی جائے قربیٰ مصدر ہے مثل زلفی کے بمعنی قرابت روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو کہا گیا کہ یارسول اللہ آپ کے قرابت والے کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے آپ نے فرمایا علی و فاطمہ اور ان کے دونوں صاحبزادے رضی اللہ عنہم نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جنت اس شخص پر حرام ہے جو میرے اہلبیت پر ظلم کرے اور میری عترت کے متعلق مجھے ایذا دے اور جو شخص اولاد عبد المطلب میں سے کسی کے ساتھ کوئی حرکت کرے اور وہ اس کا انتقام نہ لے تو میں کل اس کا انتقام لوں گا جب وہ قیامت میں مجھے ملے گا اور کہا گیا ہے کہ قربیٰ بمعنی تقرب الی اللہ کے ہے مطلب یہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرو بذریعہ عبادت اور عمل صالح کے اللہ سے تقرب حاصل کرو اور ایک قراءۃ میں المودۃ فی القربیٰ ہے

ف۔ علامہ ابوسعود نے بھی سب سے پہلے وہی قول مختار نقل کیا اور استثناء کو منقطع ہونا بیان کر دیا۔ اس کے بعد وہ قول مردود نقل کیا ہے مگر بصیغہ تمریض جس سے اس کا ضعف ظاہر ہے اور وہ کیوں کر اس کے خلاف کر سکتے تھے اہلسنت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ رسالت کی اجرت نہیں لیتے۔

(۶) تفسیر خازن میں ہے:

قوله عزوجل قل لا اسئلکم علیه ای علی تبلیغ الرسالت اجرا ای جزاء الا المودة فی القربیٰ (خ) عن ابن عباس رضی الله عنهما انه سئل عن قوله الا المودة فی القربی فقال سعید بن جبیر قربی آل محمد صلی الله علیه وسلم قال ابن عباسؓ عجلت ان النبی صلی الله علیه وسلم لم تکن بطن من قریش الا وله فیهم قرابة فقال الا ان تصلوا ما بینی وبینکم من القرابة وعن ابن عباسؓ ایضا فی قوله الا المودة فی القربی یعنی ان تحفظوا قرابتی وتودونی وتصلوا رحمی و الیه ذهب مجاهد وقتادة و عکرمه ومقاتل والسدی و الضحاک (خ) عن ابن عمر ان

قولہ عزوجل قل لا اسئلکم علیہ یعنی تبلیغ رسالت پر میں تم سے کچھ اُجرت یعنی معاوضہ نہیں مانگتا سوا مودت فی القربیٰ کے۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے الا المودۃ فی القربیٰ کا مطلب پوچھا گیا تو سعید بن جبیرؓ نے کہا کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ ابن عباسؓ نے کہا تم نے جواب میں عجلت کی۔ اصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت قریش کے ہر خاندان سے تھی، لہذا نبی نے فرمایا جو قرابت میرے اور تمہارے درمیان میں ہے اس کا صلہ کرو۔ نیز ابن عباسؓ سے الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق مروی ہے کہ تم میری قرابت کی حفاظت کرو اور میرا صلہ رحم کرو، یہی مذہب مجاہد اور قتادہ اور عکرمہ اور مقاتل اور سدی اور ضحاک رحمہم اللہ کا ہے۔ بخاری میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال اُن کے

قال ارقبوا محمدا صلى الله
سلم في اهل بيته.
وبعد ان ذكر الاختلاف
معنى اهل البيت) فان قلت
الاجر على تبليغ الرسالة
لا يجوز لقوله في قصة نوح
السلام وغيره من الانبياء
اسئلكم عليه من اجر ان
ي الا على رب العلمين قلت
تاع في انه لا يجوز طلب الاجر
تبليغ الرسالة بقي الجواب
قوله الا المودة في القربى
جواب عنه من وجهين
ل معناه لا اطلب منكم
ئا وهذا في الحقيقة ليس
ومنه قول الشاعر ولا عيب
غير ان سيوفهم بهن فلول
قراع الكتائب معناه اذا كان
لا تلاعيب بل هو مدح فيهم
ن المودة بين المسلمين امر
يب واذا كان كذلك في حق
ع المسلمين كان في اهل بيت
ي صلى الله عليه وسلم اولى.

اہلبیت کے بارے میں رکھو۔

پھر اہلبیت کے معنی میں اختلافات نقل کر
کے لکھتے ہیں اگر تم کہو کہ تبلیغ رسالت اور وحی
پر اجرت لینا جائز نہیں کیونکہ نوح علیہ السلام
اور دوسرے انبیاء کے قصوں میں ہے کہ میں
تم سے اس کی کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ میری
اجرت رب العالمین کے ذمہ ہے تو میں
کہوں گا کہ اس میں کچھ نزاع نہیں ہے کہ تبلیغ
رسالت پر اجرت طلب کرنا جائز نہیں۔
باقی رہا الا المودۃ فی القربیٰ کا جواب وہ
دو طرح پر ہے اول یہ کہ مطلب یہ ہو کہ
میں تم سے صرف یہ چیز مانگتا ہوں اور یہ چیز
فی الحقیقت اجرت نہیں ہے جیسا کہ ایک
شاعر کا کلام ہے۔
مطلب اس شعر کا یہ ہوا کہ جب ان کا یہ
عیب ہوا تو عیب نہیں بلکہ ان کی مدح
ہے اور اس لیے کہ مسلمانوں میں باہم محبت
ایک واجب چیز ہے اور عام طور پر مسلمانوں
میں محبت ضروری ہے تو اہلبیت صلی اللہ
علیہ وسلم میں بدرجہ اولیٰ۔

فقوله قل لا اسئلكم عليه اجرا الا
المودة في القربى والمودة في القربى
ليست اجرا في الحقيقة لان
قرابته قرابتهم فكانت مودتهم
وصلتهم لازمة لهم فثبت
ان لا اجر البتة. والوجه الثاني
ان هذا الاستثناء منقطع و
تم الكلام عند قوله قل لا
اسئلكم عليه اجرا ثم ابتداء
فقال الا المودة في القربى
اى لكن اذكركم المودة في
قرابتي الذين هم قرابتكم فلا
تؤذوهم وقيل ان هذه الآية
منسوخة وذلك لانها نزلت
بمكة وكان المشركون
يؤذون رسول الله صلى الله
عليه وسلم فانزل الله تعالى
هذه الآيات فامرهم فيها
بمودة رسول الله صلى الله عليه
وسلم وصلة رحمه فلما هاجر
الى المدينة واواه الانصار
ونصروه احب الله تعالى ان
يلحقه باخوانه من النبيين

پس قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ
میں مودت فی الحقیقت اجرت نہیں ہے۔
کیونکہ آپ کی قرابت ان کی بھی قرابت تھی۔
پس آپ کی قرابت سے محبت رکھنا اور ان
کا صلہ کرنا ان پر لازم تھا پس ثابت ہوا کہ یہ
یقیناً اجرت نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے
کہ استثناء منقطع ہے اور قل لا اسئلکم علیہ
اجرا پر کلام تمام ہو گیا پھر نیا کلام شروع کرکے فرمایا
الا المودۃ فی القربیٰ یعنی میں تمہیں یاد دلاتا ہوں اپنے اہل اقارب
کی محبت کہ وہ تمہارے بھی اہل قرابت میں ان کو نہ ستاؤ اور
بعض لوگوں کا بیان ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے کیونکہ یہ
یہ مکہ میں نازل ہوئی تھی اور مشرکین رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کو ستایا کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت
نازل فرمائی اور ان کو رسول خدا صلی اللہ علیہ
وسلم کی محبت کا اور آپ کے ساتھ صلہ رحم
کرنے کا حکم دیا پھر جب آپ نے مدینہ
کی طرف ہجرت کی اور انصار نے آپ کو
جگہ دی اور آپ کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ کو یہ
منظور ہوا کہ آپ کے بھائیوں یعنی نبیوں کے
ساتھ ملادے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل
فرمائی کہ قل ما سألتکم من اجر فہو لکم ان اجری
الا علی اللہ پس اس آیت نے قل لا اسئلکم
علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کو منسوخ کردیا۔

انزل الله تعالیٰ قل ما سألتكم
ن اجر فهو لكم ان اجری الا
لی الله فصارت هٰذه الاٰية
سخة لقوله قل لا اسئلكم عليه
جرا الا المودة فی القربیٰ واليه
هب الضحاك والحسين بن الفضل
القول بنسخ هٰذه الاٰية غير
رضی لان مودة النبی صلی الله
ليه وسلم وكف الاذی عنه و
ودة اقاربه من فرائض الدين
هو قول السلف فلا يجوز المصير
ی نسخ هٰذه الاٰية وروی عن
بن عباسؓ فی معنی الاٰية قول اٰخر
ال الا تودوا الله وتتقربوا اليه
طاعته وقوله وهو قول الحسن
ل هو القربی الی الله يقول الا التقرب
ی الله تعالیٰ والتودد اليه بالطاعة
العمل الصالح۔

یہی مذہب ہے ضحاک اور حسین بن فضل کا مگر اس آیت کو منسوخ کہنا پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کو تکلیف نہ دینا اور آپ کے اقارب کے ساتھ محبت کرنا دین کے فرائض سے ہے یہی قول سلف کا ہے پس آیت کو منسوخ کہنا جائز نہیں۔ اور ابن عباسؓ سے اس آیت کے معنی کے متعلق ایک دوسرا قول بھی منقول ہے کہ انہوں نے کہا مطلب یہ ہے کہ اللہ سے محبت کرو اور اس کی عبادت کے ذریعہ سے اس سے تقرب حاصل کرو یہی قول ہے حسن بصریؒ کا وہ کہتے ہیں کہ قربیٰ الی اللہ کا مطلب ہے اللہ سے تقرب حاصل کرنا اور بذریعہ عبادت وعمل صالح کے اس سے محبت پیدا کرنا۔

ف۔ تفسیر خازن کی عبارت بھی غور سے دیکھو سب سے پہلے وہی قول ہے جس والنجم میں اہل سنت کا مذہب بیان کیا گیا ہے اسی کو ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اور ابن عباسؓ سے اس قول مردود کا رد بھی روایت کیا ہے۔

(۷) تفسیر مدارک میں ہے:

ل لا اسئلكم عليه (علی التبليغ)

قل لا اسئلکم علیہ یعنی میں تبلیغ پر تم سے کچھ

اجرا الا المودة فی القربی یجوزان
یکون استثناء متصلا ویجوز
ان یکون منقطعا ای لا اسئلکم
اجرا قط ولکنی اسئلکم ان تودوا
قرابتی ای لا اسئلکم علیہ اجرا
الا ھذا او ھو ان تودوا اھل
قرابتی الذین ھم قرابتکم ولا
تؤذوھم ولم یقل الا مودة
القربی او المودة للقربی لانھم جعلوا
مکانا للمودة ومقرا لھا کقولك لی
فی آل فلان مودة ولی فیھم حب
شدید یراد احبھم وھم مکان حبی
ومحلہ ولیست فی بصلة للمودة
کاللام اذا قلت الا المودة للقربی
انما ھی متعلقة بمحذوف تعلق
الظرف بہ کما فی قولك المال فی
الکیس وتقدیرہ الا المودة ثابتة
فی القربی ومتمکنة فیھا والقربی
مصدر کالزلفی والبشری بمعنی
القرابة والمراد فی اھل القربی.
وروی انہ لما نزلت قیل یارسول
اللہ من قرابتك ھؤلاء الذین
وجبت علینا مودتھم قال علی

اُجرت نہیں مانگتا مگر مودت فی القربی ممکن ہے
کہ یہ استثناء متصل ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ منقطع ہو۔
یعنی میں تم سے اجرت بالکل نہیں مانگتا ولیکن تم سے
یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے اہل قرابت سے
محبت کرو یعنی میں تم سے صرف یہی اجر چاہتا
ہوں کہ میرے اہل قرابت سے جو تمہارے بھی
اہل قرابت ہیں محبت کرو یا بوجہ میری قرابت
کے ان سے محبت کرو اور انہیں اذیت نہ
پہنچاؤ اور نہیں فرمایا الا المودۃ القربی یا المودۃ
للقربی کیونکہ وہ لوگ محبت کا مکان اور اس کا
مقر قرار دیئے گئے جس طرح تم کہتے ہو کہ لی فی
آل فلاں مودۃ ولی فیہم حب شدید مراد یہ
ہوتی ہے کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں اور
وہ میری محبت کا مکان و محل ہیں لفظ فی
مودت کا صلہ نہیں ہے جس طرح للقربی میں
لام صلہ ہوتا ہے بلکہ وہ ایک محذوف کے ساتھ
متعلق ہے جیسے المال فی الکیس میں ظرف کا
تعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے الا المودۃ ثابتۃ
فی القربی ومتمکنۃ فیہا اور قربی مثل زلفی اور
بشری کے مصدر ہے بمعنی قرابت کے اور مراد
اہل قربی ہیں۔ روایت ہے کہ جب یہ آیت
نازل ہوئی تو کہا گیا یا رسول اللہ آپ کے
قرابت دار کون لوگ ہیں جن کی محبت ہم پر

وفاطمة وابناهما وقيل معناه الا ان تودوني لقرابتي فيكم ولا تؤذوني ولا تهيجوا علي اذ لم يكن بطن من بطون قريش الا بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبينهم قرابة۔

واجب ہے آپ نے فرمایا علی وفاطمہ اور ان کے دونوں لڑکے رضی اللہ عنہم اور بعض لوگ کہتے ہیں معنی اس کے یہ ہیں کہ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو مجھے تم سے ہے اور مجھے ایذا نہ دو اور میرے اوپر برانگیختہ نہ کرو کیونکہ کوئی خاندان قریش کا ایسا نہ تھا جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو۔

وقيل القربى التقرب الى الله تعالى الا ان تحبوا الله ورسوله في تقربكم اليه بالطاعة والعمل الصالح۔

اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قربیٰ معنی میں تقرب الی اللہ کے ہے مطلب یہ ہوا کہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اللہ سے اور اس کے رسول سے محبت کرو اللہ سے تقرب حاصل کرنے میں اطاعت اور عمل صالح کے ذریعہ سے۔

ف۔ صرف ایک تفسیر میں محبت اہل بیت والا قول سب سے پہلے لکھا ہے اور استثناء کا متصل ہونا بھی جائز ہے، مگر بحمد اللہ یہ مضمون قبیح اس میں بھی نہیں ہے کہ محبت اہلبیت اجر رسالت ہے۔

(۸) علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر درمنثور میں لکھتے ہیں:۔

قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى۔ اخرج احمد وعبد بن حميد والبخاري والمسلم والترمذي وابن جرير وابن مردويه من طريق طاؤس عن ابن عباس رضي الله عنهما انه سئل عن قوله الا المودة في القربى

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔ امام احمد اور عبد بن حمید اور بخاری ومسلم وترمذی وابن جریر وابن مردویہ نے بذریعہ طاؤس کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ان سے الا المودۃ فی القربیٰ کا مطلب پوچھا گیا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بول اٹھے کہ

فقال سعید بن جبیر رضی اللہ عنه قربیٰ آل محمد فقال ابن عباس رضی اللہ عنه عجلت ان النبی صلی اللہ علیه وسلم لم یکن بطن من قریش الا کان له فیهم قرابة فقال الا ان تصلوا ما بینی وبینکم من القرابة۔

قرابتمندان آل محمد مراد ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے عجلت کی قریش کا کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو لہذا آپ نے فرمایا کہ جو قرابت میرے اور تمہارے درمیان ہے اس کی رعایت کرو۔

واخرج ابن ابی حاتم والطبرانی و ابن مردویه من طریق سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال قال لهم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا اسئلکم علیه اجرا الا ان تودونی فی نفسی لقرابتی منکم و تحفظو القرابة التی بینی وبینکم۔

اور ابن ابی حاتم وطبرانی وابن مردویہ نے بذریعہ سعید بن جبیر کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ میں تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا سوا اس کے کہ تم میری ذات سے محبت کرو بوجہ میری قرابت کے جو تم سے ہے اور جو قرابت میرے اور تمہارے درمیان میں ہے اس کی حفاظت کرو۔

واخرج سعید بن منصور وابن سعد وعبد بن حمید والحاکم و صححه وابن مردویه و البیهقی فی الدلائل عن الشعبی رضی اللہ عنه قال اکثر الناس علینا فی هذه الآیة قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ فکتبنا الی ابن عباس رضی اللہ عنه نسئله

اور سعید بن منصور نے اور ابن سعد و عبد بن حمید نے اور حاکم نے بتصریح صحت اور ابن مردویہ و بیہقی نے کتاب دلائل میں شعبی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ لوگوں نے ہم سے آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق بہت پوچھا تو ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو لکھ کر دریافت کیا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ

فكتب ابن عباس رضي الله عنهما
ان رسول الله صلى الله عليه وسلم
كان واسطا النسب في قريش
ليس بطن من بطونهم الا وقد
ولدوه فقال الله قل لا اسئلكم
عليه اجرا على ما ادعوكم اليه
الا المودة في القربى تودوني
لقرابتي منكم وتحفظوني بها۔

۴ واخرج ابن جرير وابن المنذر
وابن ابي حاتم والطبراني من
طريق علي عن ابن عباس رضي
الله عنهما في قوله الا المودة في
القربى قال كان لرسول الله
صلى الله عليه وسلم قرابة من
جميع قريش فلما كذبوه وابوا
ان يبايعوه قال يا قوم اذا ابيتم
ان تبايعوني فاحفظوا قرابتي
فيكم ولا يكون غيركم من
العرب اولى بحفظي ونصرتي
منكم۔

۵ واخرج ابن ابي حاتم وابن مردويه
من طريق الضحاك عن ابن عباس

جواب لکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قریش
میں متوسط النسب تھے قریش کا کوئی خاندان
ایسا نہ تھا جس سے آپ کا سلسلہ نسب نہ ہو
لہذا اللہ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے میں تم
سے بعوض اس چیز کے جس کی طرف تم کو بلاتا
ہوں کوئی اجرت نہیں مانگتا سوا مودت فی
القربی کے یعنی یہ کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ
میری قرابت کے جو تم سے ہے اور میری
حفاظت اسی خیال سے کرو۔

۴ اور ابن جریر و ابن منذر و ابن ابی حاتم
و طبرانی نے بواسطہ علی کے ابن عباس
رضی اللہ عنہما سے الا المودة فی القربی کے
متعلق روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کی قرابت تمام قریش سے تھی جب
ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ
کی بیعت سے انکار کر دیا تو آپ نے کہا
کہ اے میری قوم کے لوگو جب کہ تم میری
بیعت سے انکار کرتے ہو تو میری قرابت
جو تم میں ہے اسی کی حفاظت کرو عرب کا
کوئی اور شخص میری حفاظت اور مدد کا تم
سے زیادہ حقدار نہیں۔

۵ اور ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے بواسطہ
ضحاک کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے،

رضی اللہ عنہما قال نزلت ھذہ
الآیۃ بمکۃ وکان المشرکون
یؤذون رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم فانزل اللہ تعالی قل یا
محمد لا اسئلکم علیہ ای علی
ما ادعوکم الیہ اجرا عوضا
من الدنیا الا المودۃ فی القربی الا
الحفظ لی فی قرابتی فیکم قال المودۃ
انما ھی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم فی قرابتہ فلما ھاجر الی
المدینۃ احب ان یلحقہ باخوانہ
من الانبیاء علیہم السلام فقال
قل ما سألتکم من اجر فھو لکم
ان اجری الا علی رب
العالمین وکما قال ھود وصالح
وشعیب لم یستثنوا اجرا کما
استثنی النبی صلی اللہ علیہ
وسلم فردہ علیہم وھی
منسوخۃ۔

واخرج احمد وابن ابی حاتم و
الطبرانی والحاکم وصححہ و

روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا یہ آیت مکہ
میں نازل ہوئی تھی اور مشرکین رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیا کرتے تھے لہذا اللہ
تعالی نے یہ آیت نازل کی کہ اے محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ میں تم سے بعوض اس
چیز کے جس کی طرف تم کو بلاتا ہوں کوئی اجرت
معاوضہ دنیاوی نہیں مانگتا سوا مودت فی
القربی کے یعنی سوا اس کے کہ میری حفاظت
کرو بوجہ اس قرابت کے جو تم میں ہے انہوں
نے کہا کہ محبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کی مراد ہے بوجہ ان کی قرابت کے پھر جب
آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو خدا کو
منظور ہوا کہ آپ کو آپ کے بھائی یعنی
دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملا دے
لہذا فرمایا کہ اے نبی کہہ دیجئے کہ میں نے تم
سے کچھ اجرت مانگی تو تم اپنے پاس رکھو میری
اجرت رب العالمین کے ذمہ ہے اور جیسا
کہ ہود و صالح اور شعیب نے کہا تھا اور انہوں
نے کسی اجرت کو مستثنی نہیں کیا تھا اسی طرح
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو استثناء فرمایا تھا
اس کو واپس کر دیا اور یہ آیت منسوخ ہے۔
[۲] اور امام احمد و ابن ابی حاتم و طبرانی نے اور
حاکم نے بتصریح صحت اور ابن مردویہ نے

ابن مردویه من طریق مجاهد
رضی الله عنه عن ابن عباس
رضی الله عنهما عن النبی
صلی الله علیه وسلم فی الآیة
قل لا اسئلکم علی ما اتیتکم
به من البینات والهدی اجرا
الا ان تودوا الله وان تتقربوا الیه
بطاعته.

واخرج[7] عبد بن حمید وابن المنذر
عن مجاهد رضی الله عنه فی قوله
قل لا اسئلکم علیه اجرا الا
المودة فی القربی قال ان
تتبعونی وتصدقونی وتصلوا رحمی.

واخرج[8] عبد بن حمید وابن
مردویه من طریق العوفی عن
ابن عباس رضی الله عنهما فی
الآیة قال ان محمدا قال لقریش
لا اسئلکم من اموالکم شیئا و
لکن اسئلکم ان تودونی لقرابة
ما بینی وبینکم فانکم قومی و
احق من اطاعنی واجابنی.

واخرج[9] ابن مردویه من طریق

بواسطہ مجاہد رضی اللہ عنہ کے
ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق
روایت کیا ہے کہ (مطلب یہ ہے کہ) اے نبی
کہدو کہ جو بینات وہدایت میں تمہارے پاس
لایا ہوں اس کی کچھ اجرت تم سے نہیں مانگتا سوا
اس کے کہ تم اللہ سے محبت کرو اور اس کی
عبادت سے اس کا تقرب حاصل کرو۔

اور[7] عبد بن حمید وابن منذر نے مجاہد رضی اللہ عنہ
سے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی
کے متعلق روایت کیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ
میری اتباع کرو اور میری تصدیق کرو اور میرا
صلہ رحم کرو۔

اور[8] عبد بن حمید وابن مردویہ نے بذریعہ عوفی
کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے
متعلق روایت کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نے قریش سے فرمایا کہ میں تم سے تمہارا مال نہیں
مانگتا صرف یہ درخواست تم سے کرتا ہوں
کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے
جو میرے اور تمہارے درمیان میں ہے کیونکہ
تم میری قوم کے لوگ ہو اور سب سے زیادہ
میری اطاعت اور اتباع کے مستحق ہو۔

اور[9] ابن مردویہ نے بواسطہ عکرمہ کے

عكرمة عن ابن عباس رضي الله
عنهما في الآية قال ان رسول الله
صلى الله عليه وسلم لم يكن في
قريش بطن الا وله فيهم ام حتى
كانت له من هذيل ام فقال الله
قل لا اسئلكم عليه اجرا الا ان
تحفظوني في قرابتي ان
كذبتموني فلا توذوني.

واخرج ابن جرير وابن ابي حاتم
وابن مردويه من طريق مقسم
عن ابن عباس رضي الله عنهما
قال قالت الانصار فعلنا وفعلنا
وكانهم فخروا فقال ابن عباس
رضي الله عنهما لنا الفضل عليكم
فبلغ ذلك رسول الله صلى الله
عليه وسلم فاتاهم في مجالسهم
فقال يا معشر الانصار الم تكونوا
اذلة فاعزكم الله قالوا بلى
يا رسول الله قال افلا تجيبوني
قالوا ما نقول يا رسول الله قال
الا تقولون الم يخرجك قومك
فاويناك او لم يكذبوك فصدقناك
او لم يخذلوك فنصرناك فما زال

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق
روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی قریش کے ہر خاندان سے قرابت تھی۔ ہر
خاندان میں آپ کا ننہال تھا یہاں تک
کہ قبیلہ ہذیل میں بھی آپ کا ننہال تھا۔ لہذا
اللہ نے فرمایا کہ کہہ دیجئے میں تم سے اس کی
اجرت نہیں مانگتا سوا اس کے کہ تم میری حفاظت
کرو بوجہ میری قرابت کے اگر تم میری تکذیب
کرتے ہو تو کرو لیکن مجھے ایذا تو نہ دو۔
اور ابن جریر وابن ابی حاتم وابن مردویہ نے
براسطہ مقسم کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے
روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا ایک روز
انصار باہم کہنے لگے کہ ہم نے یہ کیا اور یہ کیا
گویا کہ وہ فخر کر رہے تھے تو ابن عباس
رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم کو تم پر فضیلت ہے
یہ خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو
آپ انکی مجلسوں میں تشریف لے گئے اور آپ نے فرمایا کہ اے
گروہ انصار کیا تم ذلیل نہ تھے اللہ نے تم کو عزت دی ان
لوگوں نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا پھر تم مجھے جواب
کیوں نہیں دیتے ان لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہم کیا
جواب دیں آپ نے فرمایا یہ کیوں نہیں کہتے کہ کیا
آپ کو آپ کی قوم نے نکال نہ دیا تھا پھر
ہم نے جگہ دی کیا انہوں نے آپ کی تکذیب

يقول حتى جثوا على الركب وقالوا اموالنا وما في ايدينا لله ولرسوله فنزلت قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى.

نہ کی تھی ہم نے آپ کی تصدیق کی کیا انہوں نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑ دیا تھا ہم نے آپ کی مدد کی آپ ایسے ہی کلمات کہتے رہے یہاں تک کہ انصار گھٹنوں کے بل گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہمارا مال اور جو کچھ ہمارے پاس ہے اللہ ورسول کا ہے اسی پر یہ آیت نازل ہوئی قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔

واخرج الطبراني في الاوسط وابن مردويه بسند ضعيف من طريق سعيد بن جبير قال قالت الانصار فيما بينهم لو جمعنا لرسول الله صلى الله عليه وسلم مالا يبسط يده ولا يحول بينه وبينه احد فقالوا يا رسول الله انا اردنا ان نجمع لك من اموالنا فانزل الله قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى فخرجوا مختلفين فقالوا لمن ترون ما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال بعضهم انما قال لنقاتل عن اهل بيته وننصرهم فانزل الله ام يقولون افترى على الله

اور طبرانی نے اوسط میں اور ابن مردویہ نے بسند ضعیف سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا انصار اپنے آپس میں کہنے لگے کہ کاش ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے کچھ مال جمع کر دیں تاکہ آپ کا ہاتھ کشادہ ہو جائے اور آپ کو اس مال کے خرچ میں کوئی مانع نہ ہو پس ان لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم ارادہ کرتے ہیں کہ آپ کے لئے اپنا مال جمع کر دیں۔ پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ پس وہ لوگ باہم اختلاف کرتے ہوئے نکلے کہنے لگے کہ یہ حکم محبت جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے تم کس کے متعلق سمجھتے ہو بعض لوگوں نے کہا کہ آپ نے یہ اس لیئے فرمایا ہے کہ ہم آپ کے اہلبیت کی طرف سے

كذبا الى قوله هو الذى يقبل التوبة عن عباده فعرض لهم بالتوبة الى قوله ويستجيب الذين آمنوا وعملوا الصالحات ويزيدهم من فضله هم الذين قالوا هذا ان يتوبوا الى الله ويستغفرونه.

لڑیں اور ان کی مدد کریں پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا الی قولہ وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے پس ان کو توبہ کی ترغیب دی گئی الی قولہ ویستجیب الذین آمنوا وعملوا الصالحات ویزیدھم من فضلہ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جن سے یہ قول صادر ہوا تھا بشرطیکہ وہ توبہ و استغفار کریں۔

[۲] واخرج ابونعيم والديلمي من طريق مجاهد عن ابن عباس رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة فى القربى ان تحفظونى فى اهل بيتى وتودوهم لى.

[۲] اور ابونعیم و دیلمی نے براسطہ مجاہد کے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے اس کی اجرت نہیں مانگتا سوا مودت فی القربیٰ کے یعنی یہ کہ تم میرے اہلبیت کے بارے میں میرا لحاظ رکھو اور ان سے میری وجہ سے محبت کرو۔

[۳] واخرج ابن المنذر وابن ابى حاتم والطبرانى وابن مردويه بسند ضعيف من طريق سعيد بن جبير عن ابن عباس قال لما نزلت هذه الآية قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة فى القربى قالوا يارسول الله من قرابتك هؤلاء الذين وجبت علينا مودتهم قال على وفاطمة وولداهما.

[۳] اور ابن منذر و ابن ابی حاتم و طبرانی و ابن مردویہ نے بسند ضعیف سعید بن جبیر سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ تو صحابہؓ نے کہا کہ یارسول اللہ آپ کے اہل قرابت کون لوگ ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہوئی ہے آپ نے فرمایا علی اور فاطمہ اور ان کے دونوں صاحبزادے کو رضی اللہ عنہم۔

۱۴ واخرج سعيد بن منصور عن سعيد بن جبير الا المودة في القربى قال قربى رسول الله صلى الله عليه وسلم.

۱۴ اور سعید بن منصور نے سعید بن جبیر سے الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت مراد ہے۔

۱۵ واخرج ابن جرير عن الديلم قال لما جئ بعلي ابن الحسين اسيرا فاقيم على درج دمشق قام رجل فقال الحمد لله الذي قتلكم واستأصلكم فقال له علي بن الحسين رضي الله عنه اقرأت القرآن قال نعم قال اقرأت آل حم قال لا قال اما قرأت قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى قال فانكم لانتم هم قال نعم.

۱۵ اور ابن جریر نے ابو الدیلم سے روایت کی ہے کہ جب علی ابن حسینؓ قید کرکے لائے گئے اور دمشق کی سیڑھیوں پر کھڑے کیے گئے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں قتل کرا دیا اور تمہاری بیخکنی کر دی علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ کیا تم نے قرآن پڑھا ہے اس نے کہا ہاں. انہوں نے کہا کیا تو نے آل حم پڑھی ہے اس نے کہا نہیں انہوں نے کہا کیا تو نے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ نہیں پڑھی اس نے کہا کیا وہ تمہیں ہو. انہوں نے کہا ہاں۔

۱۶ واخرج ابن ابي حاتم عن ابن عباسؓ ومن يقترف حسنة قال المودة لآل محمدؐ.

۱۶ اور ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے ومن یقترف حسنۃ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا محبت آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے۔

۱۷ واخرج احمد والترمذي وصححه والنسائي والحاكم عن المطلب بن ربيعة رضي الله عنه قال دخل العباس على رسول الله

۱۷ اور امام احمد نے اور ترمذی نے بہ تصریح صحت اور نسائی و حاکم نے مطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ

صلی اللہ علیہ وسلم فقال انا لنخرج فنری قریشا تحدث فاذا رأونا سکتوا فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودر عرق بین عینیہ ثم قال واللہ لا یدخل قلب امرء مسلم ایمان حتی یحبکم للہ ولقرابتی۔

وسلم کی خدمت میں گئے اور کہنے لگے کہ ہم باہر نکلتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ قریش باہم باتیں کر رہے ہیں اور ہم کو دیکھتے ہی چپ ہو جاتے ہیں پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آیا اور وہ رگ جو دونوں آنکھوں کے درمیان تھی اُبھر آئی اور آپ نے فرمایا کہ واللہ کسی مسلمان کے دل میں ایمان نہیں داخل ہو سکتا یہاں تک کہ تم سے اللہ کے لیئے اور بلحاظ میری قرابت کے محبت کرے۔

[۱۸] واخرج الترمذی وحسنہ وابن الانباری فی المصاحف عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی احدہما اعظم من الآخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اہل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیہما۔

[۱۸] اور ترمذی بتصریح حسن اور ابن انباری نے مصاحف میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں وہ چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اس سے تمسک کروگے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے وہ دو چیزیں ہیں ایک کا رتبہ دوسرے سے زیادہ ہے کتاب اللہ جو ایک رسی ہے آسمان سے زمین کی طرف لٹکی ہوئی اور میری عترت یعنی میرے اہلبیت اور وہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پہ پہنچ جائیں پس خیال رکھنا کہ تم میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہو۔

[۱۹] واخرج الترمذی وحسنہ و

[۱۹] اور ترمذی نے بتصریح حسن اور طبرانی وحاکم

الطبرانی والحاکم والبیہقی فی الشعب عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احبوا اللہ لما یغذوکم من نعمۃ واحبونی بحب اللہ واحبوا اہل بیتی بحبی۔

وبیہقی نے شعب میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے محبت کرو بوجہ اس کے کہ اس کی نعمتیں تم پر نازل ہوتی ہیں اور مجھ سے محبت کرو بوجہ محبت خدا کے اور میرے اہلبیت سے محبت کرو میری وجہ سے۔

[20] واخرج البخاری عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قال ارقبوا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فی اہل بیتہ۔

[20] اور بخاری نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ رکھو ان کے اہل بیت میں۔

[21] واخرج ابن عدی عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابغضنا اہل البیت فہو منافق۔

[21] اور ابن عدی نے ابوسعید سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہمارے اہلبیت سے بغض رکھے وہ منافق ہے۔

[22] واخرج الطبرانی عن الحسن بن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یبغضنا احد ولا یحسدنا احد الا زید یوم القیامۃ بسیاط من النار۔

[22] اور طبرانی نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہم سے بغض رکھے گا یا ہم پر حسد کرے گا قیامت کے دن اس کو آگ کے کوڑے مارے جائیں گے۔

[23] واخرج احمد وابن حبان والحاکم عن ابی سعیدؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ

[23] اور احمد و ابن حبان و حاکم نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ

لا يبغضنا اهل البيت رجل الا ادخله الله النار۔

ہمارے اہلبیت سے جو شخص بغض رکھے گا اللہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا۔

[24] واخرج الطبرانی والخطیب من طریق ابی الضحیٰ عن ابن عباسؓ قال جاء العباسؓ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انك قد تركت فينا منذ صنعت الذی صنعت فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یبلغوا الخیرا والایمان حتی یحبوکم۔

[24] اور طبرانی وخطیب نے بذریعہ ابوالضحیٰ کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے حضرت عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ آپ نے ہمارے درمیان میں کینے قائم کر دیے جب سے کہ آپ نے یہ کام شروع کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ نیکی کو یا فرمایا ایمان کو نہیں حاصل کر سکتے یہاں تک کہ تم لوگوں سے محبت کریں۔

[25] واخرج الخطیب من طریق ابی الضحیٰ عن مسروق عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت اتی العباس ابن عبد المطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انا لنعرف الضغائن فی اناس من قومنا من وقائع اوقعناها فقال اما واللہ انہم لن یبلغوا خیرا حتی یحبوکم لقرابتی یرجون سلیم شفاعتی ولا یرجوها بنو عبد المطلب۔

[25] اور خطیب نے ابوالضحیٰ سے انہوں نے مسروق سے انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے وہ کہتی تھیں کہ عباس ابن عبد المطلب رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم اپنی قوم کے کچھ لوگوں میں کینے محسوس کر رہے ہیں بوجہ ان واقعات کے جو ہم نے کیے آپ نے فرمایا آگاہ رہو واللہ وہ لوگ بھلائی حاصل نہیں کر سکتے یہاں تک کہ تم لوگوں سے بوجہ میری قرابت کے محبت کریں۔ (عجب تماشا ہے کہ) وہ تو میری شفاعت کے امید وار ہیں مگر بنی عبد المطلب اس کے

خرج ابن النجار في تاريخه عن
حسن بن علي رضي الله عنهما
قال رسول الله صلى الله عليه
لكل شيء اساس واساس
سلام حب اصحاب رسول الله
الله عليه وسلم وحب اهل بيته.

ج عبد بن حميد عن الحسن
الله عنه في قوله قل لا اسئلكم
اجرا الا المودة في القربى
ما كان النبي صلى الله عليه
يسألهم على هذا القران
ولكنه امرهم ان يتقربوا
الله بطاعته وحب كتابه.

ج البيهقي في شعب الايمان
لحسن رضي الله عنه في
قال كل من تقرب الى الله
عته وحبيت عليه محبته.

ج عبد بن حميد عن عكرمة
ية قال كن له عشر امهات
ركات وكان اذا مر بهم

امید وار رہتا ہے

[73] اور ابن نجار نے
رضی اللہ عنہما سے روایت
کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
کی بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد ا
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور
آپ کے اہل بیت کی محبت ہے۔

[74] اور عبد بن حمید نے حسن رضی اللہ عنہ سے قل
لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودة فی القربی
کے متعلق روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا
نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کی تعلیم پر
لوگوں سے اجرت نہیں مانگتے تھے بلکہ
آپ نے ان کو یہ حکم دیا کہ اللہ سے تقرب
حاصل کریں بذریعہ اس کی عبادت اور اس
کی کتاب کی محبت کے۔

[75] اور بیہقی نے شعب الایمان میں حسن رضی
اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق روایت
کی ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص بذریعہ اس
کی عبادت کے تقرب حاصل کرنا چاہے اس
پر محبت خدا لازم ہے۔

[76] اور عبد بن حمید نے عکرمہ سے اسی آیت کے
متعلق روایت کیا ہے کہ وہ کہتے تھے رسول
خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دس مائیں تھیں جب

اذوہ فی تنقیصھن و شتمھن فھو قولہ الا المودۃ فی القربی یقول لا تؤذونی فی قرابتی۔

آپ کا گزر مشرکوں کی طرف ہوتا تو وہ انہیں اذیت کی توہین و بدگوئی کر کے آپ کا دل دکھاتے یہی مطلب ہے الا المودۃ فی القربی کا کہ تم مجھے میری قرابت کے متعلق ایذا نہ دو۔

ف تفسیر درمنثور میں اگرچہ جمع روایات کا التزام ہے تصحیح و تسقیم روایات سے تعرض کرنا ان کے ملتزمات سے باہر ہے، مگر پھر بھی جمع روایات اس سلیقہ سے ہے کہ جاننے والا نتیجہ نکال لیتا ہے۔ سب سے پہلے اسی قول مختار کو ذکر کیا ہے اور اس کی متعدد روایات کتب معتبرہ سے نقل کر کے اس کا راجح ہونا بتا دیا ہے۔ اور قول مردود کی بعض روایات پر جرح بھی کی ہے۔

(۹) تفسیر فتح البیان میں ہے:۔

سورۃ الشوری وتسمی سورۃ حم عسق وسورۃ شوری من غیر الف ولام وسورۃ حم عسق وھی ثلث وخمسون اٰیۃ وھی مکیۃ کلھا قالہ ابن عباسؓ و ابن زبیرؓ وکذا قال الحسن وعکرمۃ وعطاء وجابر وروی عن ابن عباس وقتادۃ انھا مکیۃ الا اربع اٰیات منھا نزلت بالمدینۃ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی الی اٰخرھا۔

سورۂ شوریٰ جس کا نام سورۂ حم عسق اور سورۂ سورۂ شوریٰ بغیر الف و لام کے سورۂ حم عسق بھی ہے اور ترپن ۵۳ آیتیں ہیں اور وہ مکی ہے پوری سورت یہ ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور حسنؒ و عکرمہؒ و عطاءؒ و جابرؓ نے بھی ایسا ہی کہا ہے اور ابن عباسؓ و قتادہؒ سے مروی ہے کہ یہ سورت مکی ہے باستثنار چار آیتوں کے کہ وہ مدینہ میں نازل ہوئی تھیں قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی الی اٰخرھا۔

ف۔ صحیح قول وہی ہے کہ پوری سورت مکی ہے ایک آیت بھی مستثنیٰ نہیں

نا وجہ سے اس قول کو بصیغہ جزم بیان کیا اور دوسرے قول کو بصیغہ تمریض ۔

پھر اسی تفسیر میں آیت مبحوثہ کے متعلق وہ تمام اقوال بیان کر کے فیصلہ اس طرح

ملہے ؛

لمعنی الاول ھو الذی صح عنه
رواہ عنه الجمع الجم من
لامذته فمن بعدھم ولا
فيه ما روی عنه من النسخ
لا مانع من ان يكون قد نزل
قرآن فی مکة بان يودہ
نار قريش لما بينه وبين القريش
ن القربی ويحفظوہ بها ثم
نسخ ذلك ويذهب هذہ
وستثناء من اصله كما يدل
ليه ما ذكرنا مما يدل علي
لی انه لم يسأل علی التبليغ
جرا علی الاطلاق ولا يقوی ما
ری من حملها علی آل محمد
صلی الله عليه وسلم علی معارضة
ا صح عن ابن عباسؓ من تلك
طرق الكثيرة وقد اغنی الله
ل محمد عن هذا بما لهم من
لفضائل الجليلة والمزايا الجميلة
قد بينا ذلك عند تفسيرنا لقوله

اور پہلا ہی مطلب بسند صحیح ابن عباسؓ سے
منقول ہے اور ان سے ان کے شاگردوں
وغیرہ کی ایک بڑی جماعت نے روایت کیا
ہے اور ان سے جو نسخ کا قول منقول ہے وہ
اس کے منافی نہیں۔ کون مانع ہے کہ مکہ میں یہ
حکم قرآنی نازل ہوا ہو کہ کفار قریش آپ سے
محبت کریں بوجہ اس قرابت کے جو
آپ کے اور ان کے درمیان میں تھی اور
آپ کی حفاظت کریں پھر یہ حکم منسوخ ہو
جائے اور استثناء بالکل جاتا رہا ہو۔ جیسا کہ
ہماری منقولہ روایات سے معلوم ہوتا ہے
کہ آپ نے کبھی تبلیغ کے عوض میں اجرت
نہیں مانگی اور جن لوگوں نے اس آیت
کو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر محمول کیا ہے۔
ان کا قول اس قابل نہیں کہ ابن عباس رضی
اللہ عنہما سے جو روایت اتنی بہت سندوں
کے ساتھ منقول ہے اس کا معارضہ کر سکے
اور خدا نے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی
روایات سے بے نیاز کر دیا ہے بوجہ
ان فضائل جلیلہ اور مناقب جمیلہ کے

انما یرید الله لیذهب عنکم
الرجس اهل البیت وکما لا
یقوی هذا علی المعارضة فکذلک
لا یقوی ما روی عنه من
المراد بالمودة ان یودوا الله و
ان یتقربوا الیه بطاعته ولکنه
یشد من عضد هذا انه تفسیر
مرفوع الی رسول الله صلی الله
علیه وسلم۔

جو ان کو حاصل ہیں اور ہم نے ان کو انما
یرید الله لیذهب عنکم الرجس
اهل البیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے اور جس
طرح یہ قول معارضہ کی طاقت نہیں رکھتا اسی
طرح وہ قول بھی معارضہ کی طاقت نہیں رکھتا کہ
مراد مودت سے یہ ہے کہ اللہ سے محبت کریں
اور بذریعہ اس کی عبادت کے اس سے تقرب
حاصل کریں مگر اس کو اس بات سے قوت ملی
جاتی ہے کہ وہ تفسیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
تک مرفوع ہے۔

ف: اس تفسیر میں بھی نہایت توضیح کے ساتھ قول اول کا صحیح ہونا اور جماعت عظیمہ کی روایت سے منقول ہونا مذکور ہے۔

(١٠) علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں رقم فرماتے ہیں:

ذکر فیه حدیث طاؤس عن
ابن عباسؓ سئل عن
تفسیرها فقال سعید بن جبیر
قربی آل محمد فقال
ابن عباس عجلت ای
اسرعت فی التفسیر وهذا
الذی جزم به سعید بن جبیر
قد جاء عنه من روایته عن
ابن عباس مرفوعا فاخرج الطبری[1]

بخاری نے اس باب میں طاؤس کی روایت
ذکر کی ہے جو ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ
ان سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو سعید بن
جبیرؓ بول اٹھے کہ قرابت مندان آل محمد
مراد ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم نے عجلت
کی یعنی تفسیر بیان کرنے میں جلدی کی (یعنی تفسیر
تمہاری صحیح نہیں ہے) یہ قول جو سعید بن جبیر
نے بیان کیا بواسطہ سعید ابن عباس سے
مرفوعاً بھی روایت کیا گیا ہے۔ چنانچہ طبری

---

[1] فتح الباری مطبوعہ مصر میں اسی طرح ہے مگر صحیح لفظ بجائے طبری کے طبرانی ہے۔

وابن ابی حاتم من طریق
قیس بن الربیع عن الاعمش عن
سعید ابن جبیر عن ابن عباس
قال لما نزلت قالوا یا رسول اللہ
من قرابتك الذین وجبت علینا
مودتهم الحدیث واسنادہ
ضعیف وهو ساقط لمخالفتہ هذا
الحدیث الصحیح والمعنى الا ان
تودونی لقرابتی فتحفظونی و
الخطاب لقریش خاصة والقربى
قرابة العصوبة والرحم فكانه
قال احفظونی للقرابة ان لم
تتبعونی للنبوة ثم ذكر ما
تقدم عن عكرمة فی سبب
نزول[1] (بیاض باصله)
وقد جزم بهذا التفسیر
جماعة من المفسرین واستندوا
الی ما ذكرته عن ابن
عباس من الطبرانی وابن ابی
حاتم واسنادہ واہ فیہ

سے اور ابن ابی حاتم نے بروایت قیس
بن ربیع اعمش سے انہوں نے سعید بن جبیر
سے انہوں نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً
روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل
ہوئی تو صحابہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ
کے قرابت والے کون ہیں جن کی محبت
ہم پہ واجب ہے الی آخر الحدیث۔ مگر سند
اس روایت کی ضعیف ہے اور یہ روایت
قابل اعتبار نہیں بوجہ اس کے کہ اس حدیث
صحیح کے مخالف ہے۔ (جو بخاری نے
روایت کی ہے) اور (آیت کا صحیح مطلب
یہ ہے کہ (میں تم سے کچھ) نہیں مانگتا سوا اس
کے کہ مجھ سے محبت کرو بوجہ میری قرابت
کے اور میری حفاظت کرو خطاب صرف
قریش سے ہے اور قرابت سے مراد پدری
اور مادری رشتہ داریاں ہیں گویا یہ فرمایا
کہ میری حفاظت بخیال قرابت کرو۔ اگر
بوجہ نبوت کے میری اتباع نہیں کرتے پھر
عکرمہ سے سبب نزول میں وہی مضمون
سابق نقل کیا ہے اور اس تفسیر کو چند مفسروں

---

[1] یہاں فتح الباری کی عبارت کچھ مختل ہے چنانچہ مصری نسخہ میں جو میرے پاس ہے سبب نزول کے بعد بیاض چھوڑی ہے اور مصحح نے لکھا ہے کہ بیاض باصلہ مگر مطلب ظاہر ہے۔ ۱۲

ضعيف ورافضي وذكر
الزمخشري هٰهنا احاديث
ظاهر وضعها ورده الزجاج
بما صح عن ابن عباس
من رواية طاؤس في حديث
الباب وبما نقله الشعبي
عنه وهو المعتمد وجزم
بأن الاستثناء منقطع وفي
سبب نزولها قول آخر ذكره
الواحدي عن ابن
عباس قال لما قدم النبي
صلى الله عليه وسلم المدينة
كانت تنوبه نوائب وليس
بيده شيء فجمع له
الانصار مالا فقالوا يا رسول
الله انك ابن اختنا و
قد هدانا الله بك وتنوبك
النوائب وحقوق وليس
لك سعة فجمعنا لك من
اموالنا ما تستعين به علينا
فنزلت هذه من رواية
الكلبي ونحوه من الضعفاء
واخرج من طريق مقسم عن

نے ذکر کیا ہے اور انہوں نے اسی روایت
سے استدلال کیا ہے جو میرا نے ابن عباسؓ
سے بحوالہ طبرانی وابن ابی حاتم نقل کی مگر
سند اس کی واہی ہے اس میں ایک راوی
ضعیف اور رافضی ہے اور زمخشری نے
اس مقام پر کچھ حدیثیں ذکر کی ہیں جن کا موضوع
ہونا ظاہر ہے اور زجاج نے اس کو رد کر
دیا ہے بذریعہ اس روایت کے جو ابن عباسؓ
سے اس باب میں منقول ہے اور بذریعہ اس
روایت کے جو شعبی نے ابن عباسؓ سے نقل
کی ہے اور وہ روایت معتبر ہے اور انہوں
نے بیان کیا ہے کہ یہ استثنا منقطع ہے اور
اس کے سبب نزول میں ایک قول اور ہے
جس کو واحدی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے
کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے
تو آپ کو ضرورتیں پیش آتی تھیں اور
آپ کے پاس کچھ نہ تھا تو انصار نے آپ
کے لئے مال جمع کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ
آپ ہمارے بھانجے ہیں اور خدا نے
آپ کے ذریعہ سے ہمیں ہدایت کی ہے
آپ کو حاجتیں اور ضرورتیں درپیش رہتی
ہیں اور آپ کو وسعت نہیں ہے لہذا
ہم نے آپ کے مال جمع کر دیا ہے جس

ابن عباسؓ ایضاً قال بلغ
النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم
عن الانصار شیٔ فخطب
فقال الم تکونوا ضلالاً
فہداکم اللّٰہ بی الحدیث
وفیہ فجثوا علی الرکب وقالوا
انفسنا واموالنا لک فنزلت و
ھذا ایضاً ضعیف ویبطلہ
ان الایۃ مکیۃ والاقوی
فی سبب نزولہا ما روی
عن قتادۃ قال قال المشرکون
لعل محمدا یطلب اجرا علی
ما یتعاطاہ فنزلت وزعم
بعضہم ان ھٰذہ الایۃ
منسوخۃ وردہ الثعلبی بان
الایۃ دالۃ علی الامر
بالتودد الی اللّٰہ بطاعتہ او
باتباع نبیہ اوصلۃ رحمہ
بترک اذیتہ اوصلۃ
اقاربہ من اجلہ وکل
ذلک مستمر الحکم غیر منسوخ
والحاصل ان سعید ابن
جبیر ومن وافقہ کعلی بن

سے آپ اپنی حاجت روائی کریں۔ مگر یہ
روایت کلبی اور انہیں کے جیسے ضعیف
لوگوں کی ہے اور انہوں نے بواسطہ مقسم کے
ابن عباسؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کو انصار کی طرف سے کچھ شکایت
پہنچی تو آپ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ کیا تم
گمراہ نہ تھے خدا نے تم کو میرے ذریعے سے
ہدایت کی الی آخر الحدیث اسی میں یہ مضمون
بھی ہے کہ وہ لوگ گھٹنوں کے بل گر گئے اور
کہا کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال آپ ہی
کے لیے ہیں پس یہ آیت نازل ہوئی یہ روایت
بھی ضعیف ہے اور ان سب روایات کو
باطل کرتی ہے یہ بات کہ آیت مکی ہے اور
قوی روایت اسی کے سبب نزول میں قتادہ
سے مروی ہے کہ مشرکوں نے کہا شاید محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ اجرت چاہتے ہوں
بمعاوضہ اس کام کے جو کرتے ہیں پس یہ آیت
نازل ہوئی اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ
آیت منسوخ ہے اور اس کو ثعلبی نے رد
کر دیا ہے کہ یہ آیت یا تو اللہ سے تقرب
حاصل کرنے اور اس کی طاعت اور اس
کے نبی کے اتباع کا حکم دیتی ہے یا آپ کے
صلہ رحم کا حکم دیتی ہے بایں طور کہ آپ کو

الحسين والسدی وعمرو
بن شعيب فيما اخرجه الطبری
عنهم حملوا الآية على
امر المخاطبين بان يوادوا
اقارب النبی صلی الله عليه
وسلم وابن عباس حملها
على ان يوادوا النبی صلی
الله عليه وسلم من اجل
القرابة التی بينهم وبينه فعلی
الاول الخطاب عام لجميع
المكلفين وعلى الثانی الخطاب
خاص لقريش ويؤيد ذلك
ان السورة مكية وقد قيل ان
هذه الآية نسخت بقوله
قل ما اسئلكم عليه من اجر
ويحتمل ان يكون هذا
ما خص بما دلت عليه آية
الباب والمعنى ان قريشا
كانت تصل ارحامها فلما
بعث النبی صلى الله عليه و
سلم قطعوه فقال صلونی
كما تصلون غيری من
اقاربكم وقد روى سعيد

اذیت نہ دی جائے یا آپ کی وجہ سے آپ کے
اقارب کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتی ہے
اور یہ سب باتیں قائم ہیں منسوخ نہیں ہیں خلاصہ
یہ کہ سعید بن جبیر اور جو لوگ ان کے موافق ہیں مثل
امام زین العابدینؓ اور سدی اور عمرو بن شعیب
کے جیسا کہ طبری نے ان سے روایت کیا
ہے ان لوگوں نے آیت کو اس بات پر محمول
کیا ہے کہ مخاطبین کو حکم ہو رہا ہے کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کے اقارب سے محبت کرو اور
ابن عباسؓ نے اس بات پر محمول کیا ہے کہ خود
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں بوجہ اس
قرابت کے جو آپ کے اور ان کے درمیان میں
تھی پس پہلی صورت میں خطاب جمیع مکلفین
کو شامل ہے اور دوسری صورت میں خطاب
صرف قریش سے ہوگا اور اس کی تائید اس سے
بھی ہوتی ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور بعض لوگوں
نے کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے قل ما
اسئلکم علیہ من اجر سے اور یہ بھی احتمال
ہے کہ وہ آیت عام ہو اور آیت مبحوثہ سے
اس کی تخصیص ہو گئی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ
قریش اپنی قرابتوں کا صلہ کیا کرتے تھے جب
نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہوں
نے قطع قرابت کر دیا آپ نے فرمایا کہ مجھ سے

بن منصور من طريق الشعبي
قال اكثروا علينا في هذه
الآية فكتبت الى ابن
عباسؓ اساله عنها فكتب
ان رسول الله صلى الله عليه
وسلم كان واسط النسب
في قريش لم يكن حي من احياء
قريش الا ولده فقال الله قل
لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة
في القربي تودوني لقرابتي
منكم و تحفظوني في ذلك و
فيه قول ثالث اخرجه احمد
من طريق مجاهد عن ابن
عباس ايضا ان النبي صلى
الله عليه وسلم قال قل لا
اسئلكم عليه اجرا على
ما جئتكم به من البينات
والهدى الا ان تقربوا
الى الله بطاعته واسناده و
ضعيف. وثبت عن الحسن
البصري نحوه والاجر على
هذا مجاز وقوله القربى
هو مصدر كالزلفى والبشرى

بھی صلہ کرو جس طرح اوروں سے صلہ کرتے
ہو اور سعید بن منصور نے شعبی سے روایت
کی ہے کہ وہ کہتے تھے لوگوں نے ہم سے
اس آیت کے متعلق بہت پوچھا تو ہم نے
ابن عباسؓ کو خط لکھ کر دریافت کیا انہوں
نے لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش
میں متوسط النسب تھے کوئی قبیلہ قبائل
قریش میں سے ایسا نہ تھا جس سے آپ کا
نسب نہ ہو لہذا اللہ نے فرمایا کہ آپ فرما دیجئے کہ میں تم
سے تبلیغ رسالت کی کچھ اجرت نہیں مانگتا
بلکہ مودت فی القربی چاہتا ہوں یعنی یہ کہ
تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت
کے جو تم سے ہے اور میری حفاظت
بھی اسی خیال سے کرو۔ یہاں ایک تیسرا
قول اور ہے جس کو امام احمدؒ نے مجاہدؒ
سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت
کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں
میں تم سے اس پر یعنی جو بینات و ہدایت
میں لایا ہوں اس کے معاوضہ میں کچھ اجرت
نہیں مانگتا سوا اس کے کہ تم اللہ سے
تقرب حاصل کرو بذریعہ اس کی عبادت
کے اس کی سند ضعیف ہے اور حسن بصری سے
بھی اسی کے مثل منقول ہے۔ اس صورت پر

بمعنى القرابة والمراد فى	اجر بمعنی مجازی ہے اور قربیٰ مصدر ہے مثل
اهل القربى وعبر بلفظ فى	زلفیٰ اور بشریٰ کے بمعنی قرابت اور مراد
دون اللام كانه جعلهم مكانا	قربیٰ سے اہل قربیٰ ہیں اور لفظ فی کا استعمال
للمودة و مقرالها كما يقال	ہوا نہ لام کا گویا کہ ان لوگوں کو مکان محبت
لى فى ال فلان هوى اى	اور مقر محبت قرار دیا جیسے کہا جاتا ہے کہ
هم مكان هواى ويحتمل	لی فی آل فلان ہوی یعنی وہ لوگ میری
ان تكون فى سببية وهذا على	محبت کے مکان ہیں اور یہ بھی احتمال ہے
ان الاستثناء متصل فان	کہ فی سببیہ ہو یہ تقریر اس بنا پر ہے کہ استثنار
كان منقطعا فالمعنى لا اسئلكم	متصل ہو اور اگر منقطع ہو تو معنی یہ ہوں
عليه اجرا قط ولكن اسالكم	گے کہ میں تم سے بالکل اُجرت نہیں مانگتا۔
ان تودونى بسبب قرابتى	بلکہ تم سے یہ چاہتا ہوں کہ مجھ سے محبت
فيكم	کرو بہ سبب میری قرابت کے جو تم میں
	ہے۔

ف۔ دیکھو حافظ الحدیث شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے اپنی اس کتاب میں جو بخاری کی شروح میں ایسی نظیر مانی گئی ہے کہ امت پر بخاری کی شرح قرض تھی اور وہ قرض اس کتاب نے ادا کیا۔ کس تصریح کے ساتھ مودة اہل بیت والے قول کو رد کیا ہے اور اس کی روایت کو سنداً اور متناً دونوں طرح مجروح کر دیا۔ سنداً تو اس طرح کہ اس کی سند کو ضعیف اور واہی کہا۔ اس کے ایک راوی کو ضعیف اور رافضی بتایا اور بعض روایات کو ظاہر الوضع فرمایا اور متناً اس طرح کہ اس کے مضمون کو احادیث صحیحہ معتمد کے خلاف کہا۔

(۱۱) حافظ ابن کثیر محدث اپنی تفسیر شہیر بہ تفسیر ابن کثیر میں لکھتے ہیں۔

وقوله عزوجل قل لا اسئلكم	قولہ عزوجل قل لا اسئلکم علیہ اجرا
عليه اجرا الا المودة فى القربى	الا المودة فى القربى یعنی اے

ای قل یا محمد لھؤلاء المشرکین من کفار قریش لا اسئلکم علی ھذا البلاغ والنصح لکم مالا تعطونیہ وانما اطلب منکم ان تکفوا شرکم عنی وتذرونی ابلغ رسالات ربی ان لم تنصرونی فلا توذونی بما بینی وبینکم من القرابۃ۔	محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین کفار قریش سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ کے اور نصیحت کے عوض میں کچھ مال نہیں مانگتا کہ تم مجھ کو دو بیں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے ایذا نہ پہنچاؤ اور مجھے چھوڑ دو. تاکہ میں اپنے پروردگار کے احکام پہنچاؤں میری مدد نہیں کرتے تو نہ کرو مگر مجھے ایذا تو نہ دو بسبب اس قرابت کے جو میرے تمہارے درمیان میں ہے

اس کے بعد بخاری صحیح وغیرہ سے دلائل اس مطلب کے نقل کرکے اور امام زین العابدینؒ وغیرہ سے جو مطلب منقول ہے اس کی روایت کا ضعیف و ناقابل اعتبار ہونا بیان کرکے لکھتے ہیں:۔

وذکر نزول الآیۃ فی المدینۃ بعید فانھا مکیۃ.	اور یہ کہنا کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی بعید از صحت ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے۔

پھر کہتے ہیں:۔

والحق تفسیر ھذہ الآیۃ بما فسرھا حبر الامۃ وترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما کما رواہ عنہ البخاری.	اور صحیح تفسیر اس آیت کی وہی ہے جو حبر الامۃ ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کی ہے جیسا کہ ان سے بخاری نے روایت کیا ہے۔

ف۔ دیکھو کس تصریح کے ساتھ اس جلیل الشان محدث نے اسی ایک قول کو جو اہل سنت کا مختار ہے حق کہہ کر اس کے خلاف کا باطل ہونا ظاہر کر دیا اور پوری سورت کے مکی ہونے کو بیان کر دیا۔

⑫ تفسیر روح البیان میں ہے:۔

المودة مودة الرسول عليه السلام وذلك لانه لا يجوز من النبي عليه السلام ان يطلب الاجر ا يا كان على تبليغ الرسالة لان الانبياء لم يطلبوه.	مودة سے مراد رسول علیہ السلام کی محبت ہے یہ اس وجہ سے کہ نبی علیہ السلام کے لیئے جائز نہیں کہ تبلیغ رسالت کی اجرت طلب کریں وہ کچھ بھی ہو کیونکہ انبیاء علیہم السلام نے اجرت نہیں مانگی۔

⑬ علامہ شہاب الدین آلوسی بغدادی اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں:۔

قل لا اسئلكم عليه اى على ما اتعاطاه لكم من التبليغ و البشارة وغيرهما اجرا اى نفعا ما و يختص فى العرف بالمال الا المودة اى الا مودتكم اياى فى القربى اى لقرابتى منكم.	کہیئے میں تم سے اس پر یعنی جو چیزیں میں تمہیں تعلیم کرتا ہوں از قسم تبلیغ و بشارت وغیرہ اس کے عوض میں کچھ اجرت یعنی کسی قسم کا نفع نہیں مانگتا اور اجرت عرف میں مال کے ساتھ مخصوص ہے اور المودة فی القربیٰ کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے محبت کرو قرابت کے بارے میں یعنی بوجہ اس کے کہ مجھے تم سے قرابت ہے
والى هذا المعنى ذهب مجاهدؒ وقتادةؒ وجماعة.	اور اسی معنی کو مجاہدؒ اور قتادہؒ اور ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

پھر جو روایات اس کے متعلق ہیں ان کو ذکر کرکے اور دوسرے معانی کو بیان کرکے اور ان کی تضعیف وتسقیم کے بعد آخری فیصلہ لکھتے ہیں:۔

وقد ذهب الجمهور الى المعنى الاول وقيل فى هذا المعنى انه لا يناسب شان النبوة لما فيه من التهمة	جمہور نے پہلے معنی کو اختیار کیا دوسرے معنی پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ شان نبوت کے مناسب نہیں ہے کیونکہ اس میں تہمت کی بات ہے۔ اکثر طالبان دنیا

فان اكثر طلبة الدنيا يفعلون شيئا ويسألون عليه ما يكون فيه نفع لاولادهم وقراباتهم وايضا له منافاة بقوله تعالى وما تسألهم عليه من اجر۔

کا یہ شیوہ ہوتا ہے کہ کوئی کام کرتے ہیں تو اس میں چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد اور ان کے اہل قرابت کا نفع ہو نیز یہ منافی ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کہ تو ان سے کچھ اجرت نہیں مانگتا۔

وهو اولى بذلك لانه افضل ولانه صرح بنفيه في قوله قل ما اسئلكم عليه من اجر۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجرت نہ مانگنے کے زیادہ سزاوار ہیں کیونکہ افضل الانبیاء ہیں اور نفی اجرت کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے قول قل ما اسئلکم علیہ من اجر میں موجود ہے۔

(۱۴) تفسیر سراج المنیر میں بھی پہلا قول اسی کو قرار دیا ہے اور نفی اجر کی ہے گویا خلاصہ تفسیر کبیر کا ہے۔

(۱۵) غایۃ البرہان میں ہے:۔

فرمایا میں نہیں چاہتا ہوں تم سے اس پر اجر مگر محبت قرابت داری کہ وہ بار بار مقتضی خیر خواہی ہے یہ استثنا منقطع ہے اور آیت (قبل از پیدائش امام حسن و حسین علیہما السلام) مکیہ ہے مکہ میں نازل ہوئی۔

(۱۶) حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن میں بذیل ترجمہ آیت مبحوثہ لکھتے ہیں:۔

بگو نمی طلبم از شما بر تبلیغ قرآن ہیچ مزدے لیکن باید کہ پیش گیرید دوستی درمیان خویشاوندان۔

اور پھر اس پر حاشیہ لکھتے ہیں کہ:۔

یعنی با من صلہ رحم کنید و ایذا نہ رسانید۔

(۱۷) حضرت شاہ رفیع الدین صاحب اپنے ترجمۂ قرآن میں لکھتے ہیں:۔
کہ نہیں مانگتا میں تم سے اوپر اس کے کچھ بدلہ مگر دوستی بیچ قرابت کے۔
(۱۸) حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اپنے ترجمۂ قرآن میں لکھتے ہیں:۔
تو کہہ میں مانگتا نہیں اس پر کچھ نیگ مگر دوستی چاہیئے ناتے میں۔ (اور اس پر حاشیہ لکھتے ہیں)۔
یعنی قرآن پہنچانے پر نیگ نہیں مانگتا مگر قرابت کی دوستی یعنی میں تمہارا بھائی ہوں ذات کا مجھ سے بدی نہ کرو۔
(۱۹) شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں بجواب شیخ حلی امام اعظم شیعہ فرماتے ہیں:۔

قال الرافضی البرهان السابع	رافضی کہتا ہے کہ ساتواں برہان اللہ تعالیٰ
قوله تعالیٰ قل لا اسئلکم علیه	کا یہ قول ہے قل لا اسئلکم علیہ
اجرا الا المودة فی القربیٰ	اجرا الا المودۃ فی القربیٰ احمد بن حنبلؒ
روی احمد بن حنبل فی مسندهٖ	نے اپنے مسند میں ابن عباسؓ سے روایت
عن بن عباسؓ قال لما نزلت قل	نقل کی ہے کہ جب قل لا اسئلکم
لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة	علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ
فی القربیٰ قالوا یا رسول الله صلی	نازل ہوئی تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ
الله علیه وسلم من قرابتك	آپ کے قرابت والے کون ہیں جن کی
الذین وجبت علینا مودتهم قال	محبت ہم پر واجب ہے آپ نے فرمایا
علی وفاطمة وکذالك فی تفسیر	علیؓ اور فاطمہؓ اور ایسا ہی تفسیر ثعلبی میں ہے
الثعلبی ونحوه فی الصحیحین و	اور اسی کے مثل صحیحین میں ہے اور علیؓ کے
غیر علی من الصحابة والثلاثة	سوا کسی صحابیؓ کی اور خلفائے ثلثہ کی محبت
لا تجب مودته فیکون علی	واجب نہیں لہذا علیؓ افضل ہوئے پس
افضل فیکون هو الامام ولان	وہی امام ہوں گے اور چونکہ ان کی مخالفت

الوجه الخامس. انه قال لا اسئلكم
عليه اجرا الا المودة في القربى
لم يقل الا المودة للقربى ولا
المودة لذوي القربى فلو
اراد المودة لذي القربى لقال
المودة لذوي القربى كما قال
واعلموا ان ما غنمتم من شيء
فان لله خمسه وللرسول ولذي
القربى وقال ما افاء الله على
رسوله من اهل القرى فلله
وللرسول ولذي القربى
وقوله فآت ذا القربى حقه وقوله
وآتى المال على حبه ذوي
القربى وهكذا في غير موضع
فجميع ما في القرآن من توصيه
بحقوق ذوي قربى النبي صلى
الله عليه وسلم وذوي قربى
الانسان انما قيل فيها ذوي
القربى ولم يقل في القربى فلما
ذكر ههنا المصدر دون الاسم
دل على انه لم يرد ذوي القربى.

الوجه السادس. انه لو اراد
المودة لهم لقال المودة لذوي

پنجم. یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لا اسئلکم
علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ
یہ نہیں فرمایا کہ الا المودۃ للقربیٰ اور نہ یہ
کہ المودۃ لذوی القربیٰ پس اگر
ذوی القربیٰ کی محبت مراد ہوتی تو المودۃ
لذوی القربیٰ فرماتا جیسا فرمایا واعلموا
ان ما غنمتم من شیء فان للہ
خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ
اور ما افاء اللہ علی رسولہ من
اہل القریٰ فللہ وللرسول
ولذی القربیٰ اور ایسا ہی فرمایا فآت
ذا القربیٰ حقہ والمسکین وابن
السبیل اور فرمایا وآتی المال علی
حبہ ذوی القربیٰ۔ اسی طرح بہت
مقام میں ہے پس تمام قرآن میں جہاں کہیں
بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی قربیٰ یا
کسی شخص کے ذوی القربیٰ کے متعلق حکم دیا گیا
ہے تو وہاں ذوی القربیٰ کہا گیا ہے۔ فی
القربیٰ نہیں کہا گیا پس جب کہ یہاں مصدر
مذکور ہوا نہ اسم تو معلوم ہوا کہ ذوی القربیٰ
مراد نہیں ہیں۔

ششم. یہ کہ اگر ذوی القربیٰ کی محبت
مراد ہوتی تو المودۃ لذوی القربیٰ

القربى ولم يقل في القربى فانه
لا يقول من طلب المودة لغيره
اسئلك المودة في فلان و لا
في قربى فلان ولكن اسئلك
المودة لفلان المحبة لفلان فلما
قال المودة في القربى علم انه
ليس المراد لذوي القربى.

الوجه السابع. ان النبي صلى
الله عليه وسلم لا يسئل على
تبليغ رسالة ربه اجرا البتة
بل اجره على الله كما قال قل ما
اسئلكم عليه من اجر و ما انا
من المتكلفين و قوله ام تسئلهم
اجرا فهم من مغرم مثقلون و
قوله قل ما سألتكم من اجر
فهو لكم ان اجري الا على الله
ولكن الاستثناء ههنا منقطع
كما قال قل ما اسئلكم عليه
من اجر الا من شاء ان يتخذ
الى ربه سبيلا. و لا
ريب ان محبة اهل بيت
النبي صلى الله عليه وسلم
واجبة لكن لم يثبت وجوبها

فرماتا فی القربیٰ نہ فرماتا. کیونکہ جو شخص اپنے
سوا کسی کے لیے محبت طلب کرتا ہے یہ
نہیں کہتا کہ اسئلک المودۃ فی فلان اور نہ
یہ کہتا ہے کہ فی قربی فلان بلکہ کہتا ہے. کہ
اسئلک المودۃ لفلان والمحبۃ لفلان. پس
یہ جو فرمایا کہ المودۃ فی القربیٰ تو معلوم ہوا کہ
ذو القربیٰ مراد نہیں ہیں۔

ہفتم یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز اپنے رب
کا پیغام پہنچانے کی اجرت نہیں مانگ سکتے
بلکہ ان کا اجر اللہ کے ذمہ ہے جیسا کہ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا اے نبی کہہ دو کہ میں تبلیغ
کی اجرت نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے
والوں میں سے نہیں ہوں اور فرمایا کہ اے نبی
کیا تم ان سے اجرت مانگتے ہو جس کے بوجھ
سے یہ گھبراتے ہیں اور فرمایا کہ اے نبی کہہ دو کہ
جو کچھ اجرت میں نے تم سے مانگی ہو وہ تم
اپنے ہی پاس رکھو میری اجرت تو اللہ کے
ذمہ ہے. بلکہ استثناء یہاں منقطع ہے.
جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا اے نبی کہہ
دو کہ میں تبلیغ کی کچھ اجرت نہیں مانگتا سوا
اس کے کہ جو شخص اپنے پروردگار کی طرف
راہ بنانا چاہے (وہ بنالے) اس میں کچھ شک
نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت کی

بهذه الاية ولا محبتهم اجر النبی صلی الله علیه وسلم بل هو مما امرنا الله به كما امرنا بسائر العبادات وفی الصحیح عنه انه خطب اصحابه بغدیر خم بین مكة والمدینة فقال اذكركم الله فی اهل بیتی وفی السنن عنه انه قال والذی نفسی بیده لا یدخلون الجنة حتی یحبوكم لله ولقرابتی فمن جعل محبة اهل بیته اجرا له یوفیه فقد اخطأ خطأ عظیما ولو كان اجرا لم نثب علیه نحن لانا اعطیناه اجره الذی یستحقه بالرسالة فهل یقول مسلم مثل هذا۔

محبت واجب ہے مگر اس کا وجوب اس آیت سے ثابت نہیں ہے اور نہ محبت ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجرت ہے۔ بلکہ وہ محبت منجملہ ان چیزوں کے ہے جن کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے جس طرح اور عبادت کا حکم دیا ہے۔ صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے مقام غدیر خم میں مکہ اور مدینہ کے درمیان میں اپنے صحابہ کے سامنے خطبہ پڑھا اور اس میں فرمایا کہ میں تم لوگوں کو اپنے اہلبیت کے بارے میں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔ اور سنن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے (اپنے اہلبیت سے) فرمایا کہ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ تم لوگوں سے اللہ کے لیئے اور میری قرابت کی وجہ سے محبت کرے۔ پس جس شخص نے محبت اہلبیت کو اجر رسالت کہا اس نے سخت خطا کی اگر وہ اجر ہوتا تو ہمیں اس پر ثواب نہ ملتا۔ کیونکہ وہ اجرت ہم نے پیغمبر کو اس وجہ سے دی کہ بسبب رسالت کے وہ اس اجرت کے مستحق تھے۔ کیا کوئی مسلمان ایسا کہہ سکتا ہے۔

الوجه الثامن. ان القربى معرفة باللام فلا بد ان يكون معروفا عند المخاطبين الذين امر ان يقول لهم لا اسئلكم عليه اجرا وقد ذكرنا انها لما نزلت لم يكن قد خلق الحسنؓ والحسينؓ ولا تزوج علیؓ بفاطمةؓ فالقربى التي كان المخاطبون يعرفونها يمتنع ان تكون هذه بخلاف القربى التي بينه وبينهم فانها معروفة عندهم كما تقول لا اسئلك الا المودة في الرحم التي بيننا وكما تقول لا اسئلك الا العدل بيننا وبينكم ولا اسئلك الا ان تتقى الله في هذا الامر۔

الوجه التاسع. انا نسلم ان عليا تجب مودته بدون الاستدلال بهذه الاية لكن ليس في وجوب موالاته ومودته ما يوجب اختصاصه بالامامة ولا الفضيلة واما قوله والثلاثة لا تجب موالاتهم

ہشتم یہ کہ قربی یہاں معرف باللام ہے پس ضروری ہوا کہ اس کو وہ لوگ جو مخاطب کے لیے حکم دیا گیا تھا کہ نبی ان سے فرما دیں کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا الی آخرہ وہ اس کو جانتے ہوں اور ابھی بیان ہو چکا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حسنؓ وحسینؓ پیدا بھی نہ ہوئے تھے اور نہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کیا تھا. پس وہ قرابت جس کو مخاطب لوگ جانتے تھے محال ہے کہ یہ قرابت ہو بخلاف اس قرابت کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کفار قریش کے درمیان میں تھی اس کو سب جانتے تھے یہ ویسا ہی ہے جیسے تم کہو کہ میں تجھ سے کچھ نہیں چاہتا سوا مودت فی الرحم کے جو ہمارے درمیان میں ہے اور کہو کہ میں کچھ نہیں چاہتا سوا انصاف باہمی کے اور میں کچھ نہیں مانگتا سوا اس کے کہ اس معاملہ میں اس اللہ سے ڈرو۔

نہم یہ کہ ہم اس کو مانتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی محبت واجب ہے اس کو اس آیت سے ثابت کرنے کی کچھ ضرورت نہیں مگر محبت کے واجب ہونے سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ صرف حضرت علیؓ امام ہیں اور نہ ان کی کوئی فضیلت اس سے ثابت ہوتی ہے اور رافضی کا یہ کہنا کہ ثلاثہ کی محبت واجب نہیں ہم نہیں مانتے بلکہ

فممنوع بل يجب علينا مودتهم
وموالاتهم فانه قد ثبت
ان الله يحبهم ومن كان
الله يحبه وجب علينا مودته
فان الحب في الله والبغض في
الله واجب وهو اوثق عرى
الايمان وكذلك هم من
اكابر اولياء الله المتقين وقد
اوجب الله موالاتهم بل قد
ثبت ان الله رضي عنهم ورضوا
عنه بنص القران وكل من
رضي الله عنه فانه يحبه و
الله يحب المتقين والمحسنين
والمقسطين والصابرين و
هؤلاء افضل من دخل في هذه
النصوص من هذه الامة بعد
نبيها وفي الصحيحين عن
النبي صلى الله عليه وسلم انه
قال مثل المؤمنين في توادهم
وتراحمهم وتعاطفهم كمثل
الجسد الواحد ان اشتكى منه
عضو تداعى له سائر الجسد
بالحمى والسهر فهو اخبرنا ان

ان کی محبت بھی واجب ہے کیوں کہ یہ بات
ثابت ہے کہ اللہ ان سے محبت رکھتا ہے اور
جس سے اللہ محبت رکھتا ہو اس کی محبت ہم پر بھی
واجب ہے کیونکہ حب للہ اور بغض للہ واجب
ہے اور وہ ایمان کی مضبوط رسیوں میں سے ہے
نیز حضرات ثلاثہ اولیاء اللہ متقین کے اکابر
سے ہیں اور بہ تحقیق خدا نے ان کی محبت واجب
کی ہے بلکہ یہ بات نص قرآن سے ثابت ہے کہ
خدا ان سے راضی ہے اور وہ خدا سے راضی ہیں
اور جتنے لوگوں سے خدا راضی ہے وہ خدا کے
محبوب ہیں اور اللہ کے محبوب متقی و محسن اور
مقسط اور صابر لوگ ہوتے ہیں اور خلفائے ثلاثہ
ان تمام لوگوں سے افضل ہیں جو ان نصوص
میں اس امت میں سے داخل ہیں نبی کے بعد
اور صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی
ہے کہ آپ نے فرمایا مومنین کی مثال آپس کی
محبت و مہربانی میں مثل ایک جسم کے ہوتی ہے
کہ اگر ایک عضو اس میں سے بیمار ہو تو باقی عضا
بھی دردمند ہو جاتے ہیں بخار آتا ہے نیند نہیں
آتی پس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خبر
دی کہ مومنین باہم دوستی و الفت و مہربانی
کیا کرتے ہیں وہ اس بارہ میں مثل ایک جسم کے
ہیں اور حضرات خلفائے ثلاثہ رضہ کا ایمان

المؤمنين يتوادون ويتعاطفون
ويتراحمون وانهم في ذلك
كالجسد الواحد وهؤلاء قد
ثبت ايمانهم بالنصوص و
الاجماع كما قد ثبت ايمان علي
بل كل طريق دل على ايمان
علي فهو على ايمانهم ادل و
الطريق التي يقدح بها فيهم
يجاب عنها كما يجاب عن القدح
في عليؓ واولى فان الرافضي التي
يقدح فيهم ويتعصب لعلي
فهو منقطع الحجة كاليهود و
النصارى الذين يريدون
اثبات نبوة موسىؑ وعيسىؑ والقدح
في نبوة محمد صلى الله عليه و
سلم ولهذا لا يمكن الرافضي
ان يقيم الحجة على النواصب
الذين يبغضون عليا او يقدحون
في ايمانه من الخوارج وغيرهم
فانهم قالوا له بأي شيء
علمت ان عليا مومن او ولي لله
تعالى فان قال بالنقل المتواتر
باسلامه وحسناته قيل له

نصوص سے اور اجماع سے ثابت ہے بلکہ
جیسا کہ حضرت علیؓ کا ایمان ثابت ہے۔ بلکہ
جتنے دلائل حضرت علیؓ کے ایمان کے ہیں وہ
حضرات ثلاثہؓ کے ایمان پر زیادہ واضح
دلالت کرتے ہیں اور جو اعتراض کسی دلیل پر
ہوتا ہے اس کا جواب اسی طرح دیا جاتا ہے
جس طرح حضرت علیؓ کے اعتراضات کا بلکہ
اس سے بہتر کیونکہ رافضی جو خلفائے ثلثہؓ پر
قدح کرتا ہے اور حضرت علیؓ کی حمایت
کرتا ہے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں مثل یہود
و نصاریٰ کے جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ
علیہم السلام کی نبوت ثابت کرنا چاہتے ہیں
اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اعتراض
کرتے ہیں اسی وجہ سے رافضی کے لیے ممکن
نہیں کہ نواصب کے سامنے کوئی دلیل پیش
کر سکے جو کہ حضرت علیؓ سے بغض رکھتے ہیں
یا ان کے ایمان میں قدح کرتے ہیں مثل
خوارج وغیرہ کے وہ لوگ رافضی سے کہتے
ہیں کہ تجھ کو کس بات سے معلوم ہوا کہ علیؓ
مومن تھے یا اللہ تعالیٰ کے ولی تھے اگر رافضی
کہے کہ نقل متواتر سے ان کا اسلام اور ان
کی نیکیاں ثابت ہیں تو اس سے کہا جائے
کہ یہی نقل تو حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و

هذا النقل موجود في ابي بكر وعمر وعثمان وغيرهم من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم بل النقل المتواتر بحسنات هؤلاء السليمة عن المعارض اعظم من النقل المتواتر في مثل ذلك لعلي وان قال بالقرآن الدال على ايمان علي قيل له القرآن انما دل باسماء عامة كقوله لقد رضي الله عن المؤمنين ونحو ذلك وانت تخرج اكابر الصحابة فاخراج واحد اسهل وان قال بالاحاديث الدالة على فضائله في نزول القرآن فيه قيل احاديث اولئك اكثر واصح وقد قدحت فيهم وقيل له تلك الاحاديث التي في فضائل علي انما رواها الصحابة الذين قدحت فيهم فان كان القدح صحيحا بطل النقل وان كان النقل صحيحا بطل القدح وان قال بنقل الشيعة او تواترهم قيل له الصحابة لم يكن فيهم

دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی موجود ہے بلکہ ان حضرات کی نیکیوں کے بارے میں جو نقل متواتر کہ معارض سے محفوظ ہیں اس نقل متواتر سے جو حضرت علیؓ کی نیکیوں کے بارے میں ہے بہت زیادہ ہیں اور اگر رافضی کہے کہ قرآن سے معلوم ہوا جو حضرت علیؓ کے ایمان پر دلالت کرتا ہے تو اس سے کہا جائے کہ قرآن تو اوصاف عامہ پر دلالت کرتا ہے "لقد رضی اللہ عن المومنین" اور مثل اس کے اور تو جب کہ اکابر صحابہؓ کو اس سے خارج کر دیتا ہے تو ایک کا خارج کر دینا زیادہ آسان ہے اور اگر رافضی کہے کہ احادیث سے معلوم ہوا جو علیؓ کے فضائل پر دلالت کرتی ہیں یا ان کے بارہ میں نزول قرآن پر دلالت کرتی ہیں تو اس سے کہا جائے گا کہ جو حدیثیں زیادہ اور صحیح تھیں تو نے ان میں قدح کر دی اور اس سے کہا جائے گا کہ جو حدیثیں علیؓ کے فضائل میں ہیں ان کو انہیں صحابہؓ نے روایت کیا ہے جن پر تو قدح کر چکا اگر وہ قدح صحیح ہے تو ان کی روایت غلط اور اگر روایت صحیح ہے تو تیری قدح غلط اور اگر رافضی کہے کہ شیعوں کی روایت سے اور ان کے تواتر سے معلوم ہوا تو اس سے

من الرافضة احد والرافضة
تطعن فی جمیع الصحابة الا
نفرا قلیلا بضعة عشر ومثل
هذا قد یقال انهم تواطئوا
علی ما نقلوه فمن قدح فی نقل
الجمهور کیف یمکنه اثبات
نقل نفر قلیل وهذا مبسوط
فی موضعه والمقصود ان
قوله وغیر علی من الثلاثة
لا تجب مودته کلام باطل
عند الجمهور بل مودة هؤلاء
اوجب عند اهل السنة من
مودة علی لان وجوب
المودة علی مقدار الفضل فکل
من کان افضل کانت مودته
اکمل وقال تعالی الذین آمنوا
وعملوا الصالحات سیجعل
لهم الرحمن ودا. قال
یحبهم ویحببهم الی عباده
وهؤلاء افضل من آمن
وعمل صالحا من هذه الامة
بعد نبیها کما قال محمد
رسول الله والذین معه

کہا جائے گا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تو کوئی
رافضی نہ تھا اور رافضی تو تمام صحابہ میں سوا
معدودے چند کے جو دس سے کچھ اوپر ہیں قدح
کرتے ہیں اور ایسی قلیل جماعت ممکن ہے
کہ جھوٹ پر اتفاق کرے پس جو شخص جمہور کی
روایت پر قدح کرتا ہو اس کے لیے کیسے
ممکن ہے کہ ایک قلیل جماعت کی روایت
کو ثابت کر سکے یہ مبحث اپنے مقام میں
مذکور ہے خلاصہ یہ کہ رافضی کا یہ کہنا کہ علیؓ کے
سوا خلفائے ثلثہؓ کی محبت واجب نہیں جمہور
کے نزدیک ایک غلط بات ہے۔ بلکہ ان
حضرات کی محبت اہل سنت کے نزدیک
حضرت علیؓ کی محبت سے زیادہ واجب ہے
کیونکہ محبت کا وجوب بقدر بزرگی کے ہوتا
ہے جس کی بزرگی زیادہ ہو گی اس کی محبت
بھی کامل ہو گی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ
ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے
عنقریب رحمٰن ان کے لیے محبت پیدا کرے
گا یعنی ان سے محبت کرے گا اور ان کو
اپنے بندوں کا محبوب بنا دے گا اور خلفائے
ثلثہؓ نبیؐ کے سوا تمام ان لوگوں سے افضل ہیں
جو اس امت میں سے ایمان لائے اور عمل صالح
کیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے محمدؐ

لفت تنافي المودة وبامتثال
مره تكون مودته فيكون
جب الطاعة وهو معنى
امامة.

جواب من وجوه احدها
طالبة بصحة هذا الحديث
له ان احمد روى هذا
كذب بين فان مسند احمد
جود به من النسخ ما شاء الله
س فيه هذا الحديث واظهر
ن ذلك كذبا قوله ان هذا
الصحيحين بل فيهما وفي المسند
يناقض ذلك ولا ريب ان
نا الرجل وامثاله جهال بكتب
ل العلم لا يطالعونها ولا
لمون ما فيها ورأيت بعضهم
ع لهم كتابا في احاديث
ن كتب متفرقة معزوة
رة الى الصحيحين وتارة الى
سند احمد وتارة الى
غازي والموفق خطيب خوارزم
لثعلبي وامثاله وسماه الطرائف
الرد على الطوائف واخر

محبت کے منافی ہے اور ان کے احکام کے
ماننے ہی سے ان کی محبت ہو سکتی ہے لہذا
وہ واجب الطاعۃ ہوئے یہی معنی امامت
کے ہیں۔

اور جواب کئی طور پر ہے اول یہ کہ اس
حدیث کی صحت کا ثبوت مانگا جائے اور
رافضی کا یہ کہنا کہ امام احمد نے اس حدیث کو
روایت کیا ہے کذب صریح ہے امام احمد
کے مسند کے بے تعداد نسخہ موجود ہیں ان میں یہ
حدیث کہیں نہیں ہے اور اس سے زیادہ
واضح جھوٹ ان کا یہ قول ہے کہ یہ حدیث
صحیحین میں ہے حالانکہ یہ حدیث صحیحین میں
نہیں ہے بلکہ صحیحین میں اور مسند میں اس
کے خلاف روایت موجود ہے اس میں کچھ
شک نہیں کہ یہ شخص اور اس کے مثل دوسرے
رافضی اہل علم کی کتابوں سے جاہل ہیں نہ
ان کا مطالعہ کرتے ہیں نہ جانتے ہیں کہ ان
میں کیا ہے میں نے ان میں سے بعض لوگوں
کو دیکھا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب لکھی
ہے جس میں متفرق کتابوں کی حدیثیں ہیں کوئی
صحیحین کی طرف منسوب ہے کوئی مسند
امام احمد کی طرف کوئی مغازی اور کوئی موفق
خطیب خوارزم کی طرف اور ثعلبی وغیرہ کی

صنف كتابا لهم سماه العمدة
واسم مصنفه ابن البطريق و
هؤلاء مع كثرة الكذب فيما
يروونه فهم امثل حالا من
ابي جعفر محمد بن علي الذي
صنف لهم وامثاله فان
هؤلاء يروون من اكاذيب ما
لا يخفى الا على من هو من اجهل
الناس رايت كثيرا من ذلك المعزو الذي
عزاه اولئك الى مسند الصحيحين و
غيرهما باطلا لا حقيقة له يعزون الى
مسند احمد ما ليس فيه اصلا نعم احمد
صنف كتابا في فضائل ابي بكر
وعمر وعثمان وعلي وقد يروي
في هذا الكتاب ما ليس
في المسند وليس كل ما رواه
احمد في المسند وغيره
يكون حجة عنده بل يروي
ما رواه اهل العلم وشرط
في المسند ان لا يروي
عن المعروفين بالكذب عنده
وان كان في ذلك ما هو
ضعيف وشرطه في المسند

طرف اس کتاب کا نام الطرائف فی الرد
علی الطوائف ہے اور ایک اور شخص نے
اور کتاب لکھی ہے جس کا نام عمدہ ہے اور
اس کے مصنف کا نام ابن بطریق ہے یہ لوگ
اپنے مرویات میں بکثرت جھوٹ بولنے پر
بھی ابوجعفر یعنی محمد بن علی وغیرہ سے بہتر ہیں
جس نے ان کے مذہب کی کتابیں لکھی ہیں
کیونکہ ابوجعفر وغیرہ تو ایسی ایسی جھوٹ
باتیں روایت کرتے ہیں جو سوا اس شخص کے
جو اجہل الناس ہو کسی پر مخفی نہیں۔ ان
لوگوں نے جو حدیثیں مسند اور صحیحین وغیرہ
کی طرف منسوب کی ہیں ان میں سے بہت
حوالوں کو میں نے غلط بے اصل پایا مسند
احمد کے حوالہ سے کوئی حدیث لکھتے ہیں۔
حالانکہ وہ اس میں نہیں ہوتی۔ ہاں امام
احمد نے ایک کتاب حضرت ابوبکر و عمر و
عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے فضائل میں تصنیف
کی ہے اور اس کتاب میں بعض حدیثیں
انہوں نے ایسی لکھی ہیں کہ جو مسند میں نہیں ہیں
اور مسند وغیرہ میں جو حدیثیں امام احمد
لکھتے ہیں تو کچھ ضروری نہیں کہ ان کے
نزدیک معتبر ہوں بلکہ جو حدیثیں اور
علماء نے روایت کی ہیں ان کو وہ بھی

ل شرط ابی داود فی سننه
ما کتب الفضائل نیروی
سمعه من شیوخه سواء
ن صحیحا او ضعیفا فانه
یقصد ان لا یروی
ذلك الا ثبت عنده ثم
د ابن احمد زیادات و
د ابوبکر القطیعی زیادات
ـف زیادات القطیعی
ادیث کثیرة موضوعة
ظن ذلك الجاهل ان تلك
ن روایة احمد وانه
دا ها فی المسند و
ذا خطاء قبیح فان الشیوخ
مذکورین شیوخ القطیعی
کلهم متاخرون
ن احمد وهم ممن یروی
ن احمد لا ممن یروی احمد
نه. وهذا مسند احمد
کتاب الزهد وکتاب
ناسخ والمنسوخ وکتاب
تفسیر وغیر ذلك من
تبه یقول حدثنا وکیع

روایت کرتے ہیں۔ شرط ان کی مسند میں صرف
اس قدر ہے کہ جو لوگ ان کے نزدیک
جھوٹے ثابت ہو چکے ان سے روایت نہ
لیں اور سب سے لیں اگرچہ وہ ضعیف ہوں
اور ان کے شروط مسند میں مثل ابو داؤد کی شرط
کے ہے سنن میں۔ باقی رہیں کتب فضائل ان
میں وہ تمام حدیثیں روایت کر دیتے ہیں
جو انہوں نے اپنے اساتذہ سے سنیں خواہ
وہ صحیح ہوں یا ضعیف کیونکہ انہوں نے یہ
ارادہ نہیں کیا کہ جو حدیث ان کے نزدیک
ثابت ہو اسی کو روایت کریں۔ پھر امام احمد
کے بیٹے نے کچھ حدیثیں بڑھائی ہیں۔ اور
ابو بکر قطیعی نے کچھ حدیثیں بڑھائی ہیں۔
قطیعی کی بڑھائی ہوئی حدیثوں میں بہت
موضوع ہیں۔ اس جاہل رافضی نے یہ سمجھ
لیا کہ ان تمام مرویات کو امام احمد نے
لکھا ہے اور انہوں نے اپنے مسند میں
روایت کیا ہے حالانکہ یہ خطائے قبیح
ہے کیونکہ جن اساتذہ کا نام بتایا گیا ہے وہ
سب قطیعی کے اساتذہ ہیں جو امام احمد
سے بعد کے ہیں اور وہ ان لوگوں میں
ہیں جو امام احمد سے روایت کرتے ہیں نہ
ان لوگوں میں جن سے امام احمد روایت

حدثنا عبد الرحمن بن مہدی حدثنا سفیان
حدثنا عبد الرزاق فهذا احمد
وتارة يقول حدثنا ابو معمر
القطيعي حدثنا علي بن الجعد
حدثنا ابو نصر التمار فهذا
عبد الله وكتابه في
فضائل الصحابة له فيه هذا
وهذا وفيه من زيادات
القطيعي يقول حدثنا احمد بن
عبد الجبار الصوفي وامثال من
هو مثل عبد الله بن احمد
في الطبقة وهو من غاية ان
يروي عن احمد نان
احمد ترك الرواية في آخر
عمره لما طلب الخليفة ان
يحدثه ويحدث ابنه و
يقيم عنده فخاف على نفسه
من فتنة الدنيا فامتنع
من الحديث مطلقا ليسلم
من ذلك لانه قد حدث
بما كان عنده قبل ذلك
فكان يذكر الحديث
باسناده بعد شيوخه ولا

کریں۔ امام احمد کا سند ان کی کتاب الزہد
کتاب الناسخ والمنسوخ اور کتاب التفسیر
اور نیز اور کتابیں ہیں جن میں ان کی سند یہ
ہوتی ہے حدثنا وکیع حدثنا عبد الرحمن بن مہدی
حدثنا سفیان حدثنا عبد الرزاق یہ امام احمد
کی سند ہے اور کوئی سند اس طرح ہوتی
ہے حدثنا ابو معمر القطیعی حدثنا علی بن الجعد
حدثنا ابو نصر التمار یہ عبد اللہ بن احمد کی سند
ہے اور کتاب فضائل الصحابہ میں وہ سند
بھی ہے اور یہ سند بھی اور اس میں قطیعی کی
بڑھائی ہوئی روایات بھی ہیں جن کی سندیں
ہے حدثنا احمد بن عبد الجبار الصوفی یہ لوگ
طبقہ میں عبد اللہ بن احمد کی مثل ہیں ان
لوگوں کی انتہا یہ ہے کہ امام احمد سے روایت
کریں۔ امام احمد نے اخیر عمر میں روایت
چھوڑ دی تھی جب کہ بادشاہ نے ان سے
درخواست کی کہ مجھ کو اور میرے بیٹے کو
حدیث پڑھا دیجیے اور میرے ہی پاس
قیام کیجیے ان کو اپنی ذات پر فتنۂ دنیا کا
اندیشہ ہوا لہذا انہوں نے حدیث پڑھانا
بالکل چھوڑ دیا تاکہ اس فتنہ سے بالکل محفوظ
رہیں اور جس قدر حدیثیں ان کے پاس
تھیں وہ اس سے پہلے بیان کر چکے تھے۔

حدثنا فلان نكان من
ين منه ذلك يفرحون
ايتهم عنه . فهذا
يعي يروى عن
خه زيادات وكثير
اكذب موضوع وهولاء
وقع لهم هذا الكتاب
ينظروا ما فيه من
ائل سائر الصحابة بل
ض ذلك على وكلما
حديثا ظنوا ان القائل
ك هو احمد بن حنبل فانهم
يعرفون الرجال وطبقاتهم
ن شيوخ القطيعي يمتنع
ن يروى احمد عنهم
يئا ثم انهم لفرط جهلهم
اسمعوا كتابا الا المسند
لما ظنوا ان احمد رواه
انه انما يروى في المسند
ارد ا يقولون لما رواه القطيعي
رواه احمد في المسند
فهذا ان لم يزيدا على القطيعي
مالم يروه فان الكذب عندهم

پس اس کے بعد وہ حدیث کو اپنی سند کے ساتھ اپنے اساتذہ کے نام کے بعد سے بیان کرتے تھے یہ نہ کہتے تھے مجھ سے فلان نے بیان کیا لہذا جو لوگ ان سے سنتے تھے وہ ان سے روایت کرنے میں خوش ہوتے تھے۔ یہ قطیعی ہیں جو اپنے اساتذہ سے بہت سی روایتیں نقل کرتے ہیں حالانکہ ان میں اکثر جھوٹ اور موضوع ہوتی ہیں۔ ان جاہل رافضیوں کو یہی کتاب مل گئی ہے اور انہوں نے اس کتاب میں دوسرے صحابہؓ کے فضائل نہ دیکھے صرف علیؓ کے دیکھے اور جس قدر حدیثیں بڑھائی ہوئی تھیں ان کا قائل بھی امام احمد کو سمجھ لیا کیونکہ یہ لوگ اسماء الرجال کو اور ان کے طبقات کو نہیں جانتے اور یہ کہ محال ہے کہ امام احمد قطیعی کے اساتذہ سے کچھ روایتیں کریں پھر ان لوگوں نے اپنی فرط جہالت سے کوئی کتاب مسند کے سوا سنی نہ تھی، لہذا یہ سمجھا کہ جب امام احمد نے اس کو روایت کیا ہے تو ضرور ہے کہ مسند میں روایت کیا ہوگا، لہذا قطیعی کی روایت کو کہنے لگے کہ امام احمد نے اس کو مسند میں روایت کیا ہے۔ یہ اس وقت ہے کہ جھوٹ حوالہ قطیعی کا نہ دیں ورنہ جھوٹ نہ

غیر مأمون ولهذا یعزو صاحب الطرائف وصاحب العمدة احادیث الی احمد لم یروها احمد لا فی هذا ولا فی هذا ولا سمعها احمد قط واحسن حال هؤلاء ان تکون تلك مما رءاه القطیعی فیه من الموضوعات القبیحة الوضع ما لا یخفی علی عالم ونقل هذا الرافضی من جنس صاحب کتاب العمدة والطرائف فما ادری نقل عنه او عمن ینقل عنه والا فمن له بالنقل ادنی معرفة یستحی ان یعزو مثل هذا الحدیث الی مسند احمد والصحیحین الصحیحان والمسند نسخهما ملاء الارض ولیس هذا فی شیء منها وهذا الحدیث لم یرو فی شیء من کتب العلم المعتمدة اصلا وانما یروی مثل هذا من یحطب باللیل کالثعلبی وامثاله الذین یروون الغث والسمین بلا تمییز۔

بولنے کا ان لوگوں کی طرف سے اطمینان نہیں ہے چنانچہ صاحب طرائف اور صاحب عمدہ ایسی حدیثیں امام احمد کی طرف منسوب کر دیتے ہیں جو انہوں نے نہ اس کتاب میں روایت کی ہیں نہ اُس کتاب میں اور نہ امام احمد نے کبھی ان روایتوں کو سنا۔ سب سے عمدہ حالت ان کی یہ ہے کہ وہ قطیعی کی روایتیں ہوں اور قطیعی کی روایت میں بُرے بُرے موضوعات ہیں جو کسی عالم سے پوشیدہ نہیں۔ اس رافضی نے اسی قسم کی کسی کتاب سے جیسی عمدہ اور کتاب طرائف ہے یہ روایتیں نقل کی ہیں یہ مجھے معلوم نہیں کہ بلا واسطہ ان کتابوں سے نقل کی ہیں یا نقل در نقل ہے۔ ورنہ جس کو منقولات کا کچھ بھی علم ہو وہ اس قسم کی روایات کو مسند امام احمد اور صحیحین کی طرف منسوب کرتے شرم کرے گا۔ صحیحین اور مسند کے نسخے دنیا بھر میں موجود ہیں یہ روایت کسی میں نہیں ہے اور ان کے علاوہ علم کی کسی معتبر کتاب میں بھی نہیں۔ اس قسم کی روایت وہی لوگ روایت کرتے ہیں جو حاطب اللیل ہوتے ہیں مثل ثعلبی وغیرہ کے جو صحیح وغیر صحیح ہر قسم کی روایات بلا امتیاز روایت کر دیا کرتے ہیں۔

جه الثانی. ان هذا الحدیث کذب موضوع باتفاق اهل معرفة بالحدیث وهم المرجوع الیهم فی هذا ولهذا لا یوجد فی شی من کتب الحدیث التی یرجع الیها.

الوجه الثالث. ان هذه الآیة فی سورة الشوری وهی مکیة باتفاق اهل السنة بل جمیع آل حم مکیات وکذلک آل طس ومن المعلوم ان علیاً انما تزوج فاطمة بالمدینة بعد غزوة بدر والحسن ولد فی السنة الثالثة من الهجرة والحسین فی السنة الرابعة فیکون هذه الآیة قد نزلت قبل وجود الحسن والحسین بسنین متعددة فکیف یفسر النبی صلی الله علیه وسلم الآیة بوجوب مودة قرابة لا تعرف ولم تخلق.

الوجه الرابع ان تفسیر الآیة الذی فی الصحیحین عن ابن عباس ینا قض ذلک ففی

دوم۔ یہ کہ یہ حدیث باتفاق علمائے حدیث جھوٹی ہے اور اس بارہ میں علمائے حدیث ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ روایت حدیث کی کسی ایسی کتاب میں جس کی طرف رجوع کیا جائے نہیں پائی جاتی۔

سوم۔ یہ کہ یہ آیت سورۂ شوریٰ میں ہے اور وہ باتفاق اہل سنت مکی ہے بلکہ تمام آل حم کی سورتیں مکی ہیں اور اسی طرح آل طس۔ اور یہ بات قطعی ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے مدینہ میں نکاح کیا ہے غزوہ بدر کے بعد اور حضرت حسنؓ ۳ھ ہجری میں اور حضرت حسینؓ ۴ھ میں پیدا ہوئے۔ پس یہ آیت حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے وجود سے کئی سال قبل نازل ہوئی تھی۔ پس کیوں کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر ایسی قرابت کی محبت واجب ہونے کے ساتھ کر سکتے ہیں جو ابھی معلوم بھی نہیں موجود بھی نہیں۔

چہارم۔ یہ کہ تفسیر اس آیت کی جو صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اس روایت کے خلاف ہے صحیحین میں سعید

الصحيحين عن سعيد ابن جبير
قال سئل ابن عباس عن قوله
تعالى قل لا اسئلكم عليه اجرا
الا المودة فى القربى نقلت
ان لا توذوا محمدا فى قرابته
فقال ابن عباس عجلت انه لم
يكن بطن من قريش الا
لرسول الله صلى الله عليه وسلم
فيهم قرابة فقال لا اسئلكم
عليه اجرا ان تصلوا القرابة
التى بينى وبينكم فهذا
ابن عباس ترجمان
القرآن واعلم اهل البيت
بعد على يقول ليس معناها
مودة ذوى القربى لكن معناها اسئلكم
يا معشر العرب ويا معشر القريش عليه
اجرا لكن اسئلكم ان تصلوا
القرابة التى بينى وبينكم فهو
سأل الناس الذين ارسل
اليهم اولا ان يصلوا رحمه
فلا يعتدوا عليه حتى يبلغ
رسالة ربه۔

بن جبیرؓ سے روایت ہے وہ کہتے تھے کہ ابن
عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے قول قل لا اسئلکم
علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق پوچھا
گیا تو میں نے جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ و
سلم کو ان کی قرابت کے بارے میں نہ ستاؤ۔
تو ابن عباسؓ نے کہا تم نے جواب دینے میں
عجلت کی (اصل یہ ہے کہ) قریش کا کوئی
خاندان ایسا نہ تھا جس سے رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو لہذا فرمایا کہ میں
تم سے تبلیغ رسالت کی کوئی اجرت نہیں
مانگتا لیکن یہ کہ تم اس قرابت کا لحاظ کرو جو
میرے اور تمہارے درمیان میں ہے پس
یہ ابن عباسؓ جو ترجمان القرآن ہیں اور حضرت
علیؓ کے سوا تمام اہلبیت سے زیادہ علم رکھتے ہیں
کہتے ہیں کہ اس کے معنی ذوی القربیٰ کی محبت
نہیں ہیں بلکہ معنی اس کے یہ ہیں کہ اے گروہ عرب
اور اے گروہ قریش میں تم سے تبلیغ کی کوئی اجرت نہیں
مانگتا صرف یہ کہتا ہوں کہ قرابت کا صلہ
کرو جو میرے اور تمہارے درمیان میں
ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
لوگوں سے جن کی طرف آپ بھیجے گئے تھے
یہ درخواست کی کہ صلہ رحم کریں اور آپ پر
ظلم نہ کریں تاکہ آپ اپنے رب کا پیغام پہنچا دیں۔

شداء على الكفار رحماء بينهم
تراهم ركعا سجدا يبتغون
فضلا من الله ورضوانا سيماهم
في وجوههم من اثر السجود
الى آخر السورة وفي الصحيحين
عن النبي صلى الله عليه وسلم
انه سئل اي الناس احب
اليك قال عائشة قال فمن
الرجال قال ابوها وفي الصحيح
ان عمر قال لابي بكر رضي الله
عنهما يوم السقيفة بل انت سيدنا
وخيرنا واحبنا الى رسول الله
صلى الله عليه وسلم وتصديق
ذلك ما استفاض في
الصحاح من غير وجه ان النبي
صلى الله عليه وسلم قال لو
كنت متخذا من اهل الارض
خليلا لاتخذت ابا بكر خليلا و
ولكن مودة الاسلام فهذا
يبين انه ليس في اهل الارض
احق بمحبته ومودته من
ابي بكر وما كان احب الى رسول
الله صلى الله عليه وسلم فهو

رسول الله والذين معه اشداء
على الكفار رحماء بينهم تراهم
ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله
ورضوانا سيماهم في وجوههم
من اثر السجود آخیر سورت تک اور صحیحین
میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ
سے پوچھا گیا کون شخص آپ کو زیادہ محبوب ہے
آپ نے فرمایا عائشہؓ پوچھا گیا مردوں میں آپ
نے فرمایا ان کے والد نیز حدیث صحیح میں ہے
کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ
سے سقیفہ کے دن فرمایا کہ آپ ہمارے سردار
اور ہم سب میں بہتر ہیں اور سب سے زیادہ
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں اور
اسی کی تصدیق وہ حدیث ہے جو صحاح میں
بہت سندوں سے مروی ہے کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں زمین والوں میں
سے کسی کو خلیل بناتا تو ضرور ابوبکرؓ کو خلیل
بناتا ولیکن محبت اسلام کی ہے۔ یہ حدیث
بیان کر رہی ہے کہ زمین والوں میں کوئی شخص
حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ آپ کا محبوب
بننے کا مستحق نہ تھا لہذا وہ اللہ کو بھی زیادہ
محبوب ہوئے اور جو شخص اللہ و رسول کا
سب سے زیادہ محبوب ہو وہی اس بات

احب الی الله وما كان احب الی
الله ورسوله فهو احق ان يكون
احب الی المؤمنين الذين
يحبون ما احبه الله ورسوله
والدلائل الدالة على انه
احق بالمودة كثيرة فضلاً
عن ان يقال المفضول تجب مودته
وان الفاضل لا تجب مودته
واما قوله ان مخالفته تنافی
المودة وبامتثال اوامره
تكون مودته فيكون واجب الطاعة
وهو معنی الامامة فجوابه من
وجوه (احدها) ان كانت المودة
توجب الطاعة فقد وجبت مودة
ذوی القربی فتجب طاعتهم فيجب
ان تكون فاطمة ايضاً اماماً و
ان كان هذا باطلاً فهذا مثله
(والثانی) ان المودة ليست
مستلزمة للامامة فی حال
وجوب المودة فليس من وجبت
مودته كان اماماً حينئذ بدليل
ان الحسن والحسين تجب مودتهما
قبل مصيرهما امامين وعلی

کا مستحق ہوگا کہ ان مسلمانوں کا بھی سب سے زیادہ
محبوب ہو جو اللہ و رسول کے محبوب سے
محبت کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے احق
بالمودۃ ہونے کی بہت دلیلیں ہیں چہ جائیکہ
یہ کہا جائے کہ مفضول کی محبت واجب ہے
اور فاضل کی محبت واجب نہیں۔ اور
رافضی کا یہ کہنا کہ حضرت علیؓ کی مخالفت
محبت کے منافی ہے اور ان کے احکام
کی فرمانبرداری سے ان کی محبت ہو سکتی
ہے پس وہ واجب الاطاعت ہوئے
اور یہی معنی امامت کے ہیں اس کا جواب
بھی کئی طور سے ہے ایک یہ کہ اگر محبت
اطاعت کو واجب کرے تو (رسول کے)
تمام ذوالقربیٰ کی محبت واجب ہے لہذا
سب کی اطاعت واجب ہو جائے گی پس
لازم آئے گا کہ حضرت فاطمہؓ بھی امام ہوں
اور اگر وہ امام نہیں ہیں تو محبت کا موجب
اطاعت ہونا بھی باطل ہے۔ دوسرے
محبت اگر فی الفور امامت کو مستلزم
ہو تو غلط ہے، کیونکہ جس کی محبت واجب
ہو اس کا اسی وقت امام ہونا ضروری نہیں
بدلیل اس کے کہ حسنؓ و حسینؓ کی محبت قبل
ان کے امام بننے کے بھی واجب تھی اور

ب مودته في زمن النبي
صلى الله عليه وسلم ولم
يكن اماما بل تجب وان
اخرت امامته الى مقتل
عثمانؓ (الثالث) ان وجوب
المودة ان كان ملزوم الامامة
يقتضي انتفاء اللازم فلا تجب
مودة الا من يكون اماما
معصوما فحينئذ لا يود احد
من المومنين ولا يحبهم فلا
تجب مودة احد من المومنين
ولا محبته اذ لم يكونوا ائمة
لا شيعة علي ولا غيرهم وهذا
خلاف الاجماع وخلاف ما علم
بالاضطرار من دين الاسلام۔

(الرابع) ان قوله والمخالفة تنافي
المودة يقال متى اذا كان ذلك
واجب الطاعة او مطلقا الثاني
ممنوع والا لكان من اوجب على
غيره شيئا لم يوجبه الله عليه
ان خالفه فلا يكون محبا له فلا
يكون مومن محبا لمومن حتى
يعتقد وجوب طاعته وهذا

حضرت علیؓ کی محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانہ میں بھی واجب تھی حالانکہ اس وقت
امام نہ تھے پس وہ واجب المحبۃ ہیں اگرچہ
امامت حضرت عثمانؓ کی شہادت تک متاخر
ہوئی تیسرے یہ کہ وجوب محبت اگر ملزوم امامت
ہو تو امامت کے نہ ہونے وجوب محبت کا
نہ ہونا بھی لازم آئے گا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ
محبت اسی کی واجب ہو گی جو امام معصوم ہو
اور اس صورت میں کوئی مومن کسی مومن سے
محبت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا کسی مومن کی محبت
واجب نہ ہوئی جب کہ وہ امام نہ ہو شیعہ
علیؓ کی نہ کسی اور کی اور یہ خلاف اجماع کے
اور خلاف ضروریات دین اسلام
کے ہے۔

چوتھے یہ کہ رافضی کا یہ قول کہ مخالفت منافی
محبت ہے اس رافضی سے پوچھا جائے
کہ کب؟ جب کہ وہ شخص واجب الاطاعۃ
ہو یا ہر حال میں۔ دوسری صورت ہم نہیں
مانتے ورنہ لازم آئے گا کہ اگر کوئی شخص
کسی پر ایسی بات لازم کر دے جو خدا نے لازم
نہیں کی اور وہ اس کی مخالفت کرے تو
اس کا محب نہ رہے اس صورت میں

معلوم الفساد واما الاول فيقال اذا لم تكن المخالفة قادحة في المودة اذا كان واجب الطاعة فحينئذ يجب ان يعلم اولا وجوب الطاعة حتى تكون مخالفته قادحة في مودته فاذا اثبت وجوب الطاعة بمجرد وجوب المودة كان ذلك باطلا وكان ذلك دورا ممتنعا فانه لا يعلم ان المخالفة تقدح في المودة حتى يعلم وجوب الطاعة ولا يعلم وجوب الطاعة الا اذا علم انه امام ولا يعلم انه امام حتى يعلم ان مخالفته تقدح في مودته۔

(الخامس) ان يقال المخالفة تقدح في المودة اذا امر بطاعته او لم يامر والثاني منتف ضرورة واما الاول فانا لنعلم ان عليا لم يامر الناس بطاعته في خلافة ابي بكر وعمر وعثمان۔

کوئی مومن کسی مومن کا محب نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس کی وجوب طاعت کا معتقد نہ ہو اور یہ بات یقیناً غلط ہے رہی پہلی صورت تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب مخالفت منافی محبت صرف اسی صورت میں ہوتی جب وہ شخص واجب الاطاعت ہو بغیر واجب الاطاعت ہونے کے مخالفت منافی محبت نہ ہوئی تو اگر وجوب اطاعت وجوب محبت سے ثابت کیا جائے تو یہ محال ہوگا اور یہ دور ہوگا کیونکہ مخالفت کا منافی محبت ہونا وجوب اطاعت سے معلوم ہوگا اور وجوب اطاعت ثبوت امامت پر موقوف ہے اور ثبوت امامت موقوف ہے اس پر کہ اس کی مخالفت منافی محبت ہو۔

پانچویں یہ کہ اس رافضی سے پوچھا جائے کہ مخالفت منافی محبت صرف اس وقت ہے جب کہ وہ شخص اپنی اطاعت کا حکم دے یا ہر وقت دوسری صورت بداہتہً باطل ہے رہی پہلی صورت تو ہم یقیناً جانتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت میں اپنی اطاعت کا حکم نہیں دیا۔

(سادس) ان يقال هذا بعينه يقال في حق ابى بكر وعمر وعثمان فان مودتهم ومحبتهم وموالاتهم واجبة كما تقدم ومخالفتهم تقدح في ذلك.

چھٹے یہ کہ یہی بات بعینہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے متعلق کہی جا سکتی ہے کہ ان کی محبت واجب ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا اور ان کی مخالفت محبت کے منافی ہے۔

(السابع) الترجيح (۱) من هذا الحديث لان القوم دعوا الناس الى ولايتهم وطاعتهم وادعوا الامامة والله اوجب طاعتهم فمخالفهم عدو الله وهؤلاء القوم مع اهل السنة بمنزلة النصارى مع المسلمين فالنصارى يجعلون المسيح الها ويجعلون ابراهيم وموسى ومحمدا اقل من الحواريين الذين كانوا مع عيسى وهؤلاء يجعلون عليا هو الامام المعصوم وهو النبي وآله والخلفاء الثلاثة اقل من مثل الاشتر النخعي وامثاله الذين قاتلوا معه ولهذا كان جهلهم وظلمهم اعظم من ان يوصف يتمسكون بالمنقولات المكذوبة والالفاظ المتشابهة والاقيسة الفاسدة ويدعون

ساتویں یہ کہ ہم ترقی کر کے کہیں کہ مسلمانوں نے لوگوں کو خلفائے ثلثہ کی بیعت و اطاعت کے لیے بلایا اور ان حضرات نے امامت کا دعویٰ کیا پس ضرور ہوا کہ ان کا مخالف دشمن خدا ہو یہ روافض مسلمانوں کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے نصاریٰ مسلمانوں کے مقابلہ میں نصاریٰ مسیح علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں اور ابراہیم اور موسیٰ کو اور محمد علیہم السلام کو ان حواریوں سے بھی کمتر قرار دیتے ہیں جو حضرت عیسیٰ کے ہمراہ تھے ایسا ہی روافض حضرت علیؓ کو تو امام معصوم یعنی نبی کہتے ہیں اور ان کی آل کو بھی اور خلفائے ثلثہ کو اشتر نخعی وغیرہ سے جو حضرت علیؓ کے ہمراہ لڑتے تھے کمتر قرار دیتے ہیں اسی وجہ سے ان کی جہالت اور اُن کا ظلم بیان سے باہر ہے جھوٹے منقولات سے اور الفاظ متشابہ اور قیاسات فاسدہ سے تمسک کرتے ہیں اور صحیح روایتوں کو جو متواتر ہیں اور نصوص واضحہ اور معقولات

المنقولات الصادقۃ المتواترۃ و النصوص البینۃ والمعقولات الصریحۃ صریحہ کو چھوڑ دیئے ہیں۔

خُلاصہ

اس فصل میں انیس[۱۱] کتب تفسیر و حدیث وغیرہ کی عبارتیں نقل کی گئیں تاکہ اس افتراء و بہتان کی حقیقت واضح ہو جائے کہ تمام مفسرین اہلسنت اس آیت کا وہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ محبت اہلبیت اجر رسالت ہے۔

ان عبارات سے اچھی طرح ظاہر ہوگیا کہ بفضلہ تعالیٰ علمائے اہلسنت کا دامن اس بدنما داغ سے بالکل پاک ہے کہ وہ آیت قرآنی میں تحریف معنوی کرکے خدا کی طرف ایسی قبیح چیز منسوب کریں کہ اس نے اپنے نبی کو طلب اجر رسالت کا حکم دیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و سلم پر تبلیغ رسالت کی اُجرت مانگنے کا ناپاک الزام لگا کر آپ کی توہین کریں اور منکرین کو آپ کی نبوت میں قدح کرنے کا موقع دیں۔

ان عبارات سے واضح ہوگیا کہ اہلسنت کے اکابر محدثین و مفسرین نے اس نجس قول کو کہ "مودۃ فی القربیٰ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت کی محبت مراد ہے" اچھی طرح مردود و مخذول کیا۔ اس کی سند کے راویوں پر بھی جرح کی، وہ ضعیف ہیں اور رافضی ہیں اور اس کے متن پر تو کئی جرحیں کیں۔ **اوّل** یہ کہ دوسری آیات قرآنیہ کے خلاف ہے۔ **دوم** یہ کہ احادیث صحیحہ مرویہ صحیح بخاری وغیرہ کے خلاف ہے۔ **سوم** یہ کہ شان نبوت کے خلاف ہے۔ **چہارم** یہ کہ عقل کے خلاف ہے کیونکہ اس قول مردود کی روایت میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کا تذکرہ ہے حالانکہ سورۂ شوریٰ جس میں یہ آیت ہے بالاتفاق[۱] مکی ہے اور قبل ہجرت

---

[۱] شیعوں کے قبلہ مولوی مقبول احمد متوفی کے ترجمہ قرآن میں بھی اس سورت کو مکی لکھا ہے اور اس آیت کو مستثنیٰ بھی نہیں کیا۔

ات حسنین رضی اللہ عنہما کا وجود تو کیا حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی ہوا تھا۔
کیا ان متعدد اور لاجواب جروح کے بعد پھر اہلسنت کے سامنے اس قول مردود کا ذکر
نا انصاف اور حیا کا خون کرنا نہیں ہے اور اس بے نظیر بے انصافی اور بے حیائی کا مرتکب
پنے کو حق پر سمجھ سکتا ہے۔

فصل سوم

اب سنو کہ شیعہ صاحبان جن کے مذہب کی بنیاد روزِ اول سے قرآن کریم کی عداوت
ور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی مخالفت پر ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں کیا ارشاد
فرماتے ہیں۔

اس موقع پر سب سے پہلے اس بات کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ شریعت الٰہیہ نے بڑا
اہتمام اس امر کا کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا دامن لوثِ دنیا سے اس قدر پاک رہے کہ کوئی
منکر کتنی ہی بے حیائی اور بے انصافی پر کمر باندھ لے لیکن اغراضِ دنیاوی کا یہ دھبہ ان کے
دامن مقدس پر نہ دکھلا سکے اور ان کی مساعی جمیلہ کی بابت یہ نہ کہہ سکے کہ یہ شاقہ محنتیں یہ روح
فرسا اذیتیں انہوں نے فلاں نفع دنیاوی کے لیئے برداشت کی تھیں۔ اور درحقیقت یہ اہتمام
ایک نہایت ضروری اہتمام ہے جو اُن کی نبوت و صداقت کا یقین پیدا کرنے کے لیئے ہزارہا
دلائل سے زیادہ پُرتاثیر ہے۔

ہر انسان فطرۃً اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ کسی عقلمند کا کوئی فعل عبث نہیں ہوتا اور
انبیاء علیہم السلام کا صاحب عقل سلیم ہونا خود ان کے افعال و اقوال سے اس درجہ واضح ہے
کہ اس کو اگر بدیہیات میں شمار کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا پس لامحالہ فطرت انسانی اس بات
کا حکم لگاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ کوششیں اُن کی یہ محنتیں جن میں انہوں نے اپنی
ساری عمریں ختم کر دیں اپنی ہستی کو قربان کر دیا اور ہر قسم کے خطرات کا آماجگاہ بننے کو بنایا
عبث نہیں ہو سکتیں۔ اور جب کہ کوئی دنیاوی منفعت اپنی ان کوششوں سے انہوں نے
حاصل نہ کی موقع بھی ملا لیکن دنیاوی اغراض کو اپنے پاس نہ آنے دیا تو لامحالہ یہ قطعی اور یقینی

نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کا مقصود آخرت تھی اور جو کچھ انہوں نے کیا سب خدا کے حکم سے محض اس کی خوشنودی اور اس کا انعام حاصل کرنے کے لیئے کیا۔ ایک بے انصاف منکر بھی اس نتیجہ پر پہنچ کر بے اختیار ان کی نبوت کا اعتراف کرنے لگتا ہے۔ زبان اگر انکار بھی کرے تو ضمیر اس اقرار سے بچ نہیں سکتا۔

اسی خداوندی اہتمام کا ایک شعبہ یہ ہے کہ عام قانون کے خلاف انبیاء علیہم السلام کے ترکہ سے اُن کی اولاد اُن کے رشتہ دار محروم کر دیئے گئے۔ اسی خداوندی اہتمام کا ایک شعبہ یہ ہے کہ صدقات و خیرات کے مال سے انبیاء علیہم السلام کی اولاد ان کے مخصوص قرابت والے اگرچہ کیسے ہی مسکین و محتاج ہوں محروم کر دیئے گئے۔ اسی خداوندی اہتمام کا ایک شعبہ یہ ہے کہ سلاطین دنیا کے عام قانون کے خلاف انبیاء علیہم السلام کی جانشینی کے لیئے ان کی اولاد یا ان کے عزیز و قریب ہونے کی شرط بالکل اُڑا دی گئی اور ان کی جانشینی کا استحقاق جسمانی رشتوں پر نہیں، بلکہ روحانی اوصاف اور قابلیتوں پر رکھا گیا۔ اسی خداوندی اہتمام کا ایک شعبہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے لیئے اپنی تعلیم و تبلیغ کا کوئی معاوضہ کسی قسم کی اُجرت کا کسی مخلوق سے لینا ممنوع قرار پایا اور قرآن مجید میں اس کا اعلان اس شد و مد کے ساتھ کیا گیا کہ ہر نبی کے تذکرہ میں اس کا اظہار فرمایا گیا خصوصاً سید الانبیاء خاتم النبیین کے لیئے تو اس اعلان کا اہتمام اس درجہ کیا گیا کہ متعدد آیتیں اس کے متعلق نازل کی گئیں جیسا کہ پہلی فصل میں تم دیکھ چکے ہو۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلان کا جو عملی نمونہ تمام دنیا کے سامنے پیش فرمایا وہ تاریخ کے صفحات سے کبھی مٹ نہیں سکتا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ہر چند کوشش کرتے تھے کہ حضور صلعم کی کوئی خدمت انجام دیں لیکن کبھی ایسا نہ ہوا کہ ہم نے حضرتؐ کا کوئی کام کیا ہو اور حضرتؐ نے اس سے زیادہ کام ہمارا نہ کر دیا ہو۔ ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرامؓ تھے کسی منزل پر گوشت پکانے کی رائے ہوئی، کام تقسیم کیئے گئے کسی کے ذمہ بکری کا ذبح کرنا، کسی کے ذمہ پکانا وغیرہ وغیرہ۔ حضرت صلعم کے ذمہ کوئی کام نہ رکھا گیا۔ آپ خاموشی کے ساتھ اُٹھ کر جنگل کے ایک جانب تشریف لے گئے۔ کسی کا خیال بھی نہ ہوا کہ کیوں جا رہے ہیں تھوڑی دیر کے بعد لکڑیوں کا ایک بوجھ لیئے ہوئے تشریف لائے صحابہ کرامؓ نے عرض

لیاکہ حضورؐ نے یہ تکلیف کیوں کی، کیا ہم اس کام کو انجام نہ دیتے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں لیکن انصاف کے خلاف تھا کہ محنت تم سب کرتے اور کھانے میں میں بھی شریک ہوتا۔ تحفہ اور ہدیہ آپ قبول فرماتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ التزام تھا کہ تحفہ دینے والے کو آپ خود بھی تحفہ دیتے تھے۔ جو اس کے تحفہ سے بدرجہا زیادہ قیمتی ہوتا۔ حضرت زاہر بدویؓ کا ایک خاص واقعہ اس کے متعلق شمائل ترمذی میں موجود ہے۔ وفات سے پانچ دن پہلے جو خطبہ آپ نے پڑھا جو صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔ اس میں آپؐ نے اعلان فرمایا کہ ماکان عندنا من ید الا کافیناہ الخ یعنی جس کسی نے ہمارے ساتھ کوئی سلوک کیا ہم نے اس کا بدلہ ضرور کردیا سوا ابوبکر صدیقؓ کے کہ ان کی جان نثاریوں کا بدلہ ہم نہیں کرسکے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو بدلہ دے گا۔ **المختصر** آپؐ نے کسی کا معاوضہ کسی قسم کی خدمت یا اُجرت نہ مخلوق سے کبھی طلب فرمائی نہ بغیر طلب لی۔ اگر اس مقصد کے متعلق واقعات جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم مجلد تیار ہو سکتا ہے۔

اس بات کے سمجھ لینے کے بعد اب دیکھو کہ مذہب شیعہ نے دین الٰہی کے اس عظیم الشان مقصد اور شریعتِ الٰہیہ کے اس اہتمام تبلیغ کو کس طرح برباد کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کوشش پر محبتِ اہلبیت کی نقاب کس چالاکی سے ڈالی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے ترکہ میں میراث جاری ہونے کا بھی دعویٰ کیا گیا اور مسلمانوں کو فریب دینے کے لیے اس دعوے میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی طرف داری کا پہلو نمایاں کیا گیا۔ صدقات و خیرات کے متعلق اگرچہ بظاہر اہلسنت سے مخالفت نہیں کی، مگر اس مقصد کو دوسرے طور پر حاصل کیا اور اولادِ پیغمبر کے لیے دُنیاوی منافع کے حاصل ہونے کی دوسری صُورتیں منجانب شرع تجویز کردیں۔ جانشینی پیغمبر کے مسئلہ میں بھی دُنیاوی بادشاہوں کی طرح اُن کی اولاد کو حق دار قرار دیا۔ اور تبلیغ رسالت کی اُجرت مانگنے کا الزام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم کیا اور اس الزام میں عجیب و غریب کارروائی یہ کی ہے کہ اور انبیاء کو اس الزام سے بری قرار دے کر صرف آپ ہی کی ذاتِ اقدس کو نشانۂ ملامت بنایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیعہ کہتے ہیں کہ

اس آیت مودۃ القربیٰ کا مطلب یہ ہے کہ خدا اپنے نبی کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم لوگوں سے کہہ دو کہ میں اپنی تعلیم و تبلیغ کی اور کوئی اُجرت تم سے طلب نہیں کرتا۔ اس کی اُجرت صرف یہ مانگتا ہوں کہ میری قرابت والوں سے محبت کرو اور میرے قرابت والے بس یہ چار ہیں۔ فاطمہؓ علیؓ حسنؓ حسینؓ (حضرت عباسؓ جیسا برگزیدہ چچا اور عبداللہ بن عباسؓ امام المفسرین جیسا چچازاد بھائی بھی قرابت والوں کی فہرست سے خارج) اور قرابت والوں کی محبت سے مراد یہ ہے کہ ان کو اور اُن کی اولاد[1] کو میرے بعد بادشاہ بناؤ۔ غرضکہ میری اس جانفشانی اور خوش تدبیری سے جو ایک سلطنت و حکومت قائم ہوگئی ہے اس کو میری اولاد سے باہر نہ جانے دینا۔ میں نے جو اتنی محنت کی اس کا پھل میری اولاد کو تو ملے وہ لوگ تو چین کریں۔

شیعوں کا یہ اعتقاد ہے کہ محبت اہلبیت اجر رسالت ہے۔ گویا پیغمبر ایک مزدور ہیں۔ اور اُن کی مزدوری شیعہ ادا کر رہے ہیں۔ جو شخص شیعوں کی طرح ان چاروں بزرگوں کو اور اُن کی اولاد میں سے وقتاً فوقتاً ایک ایک شخص کو مثل نبی معصوم و مفترض الطاعۃ نہ مانے اور دُنیا کی بادشاہت کا حقدار اُن کو نہ سمجھے اور بارہویں امام کو غائب نہ جانے وہ پیغمبر کی مزدوری نہیں دیتا اور ایسی حالت میں وہ اگر قرآن سے اور پیغمبر کی تعلیمات سے فائدہ اٹھاتا ہے تو ناجائز اور حرام ہے اور ناقابل برداشت ظلم تو یہ ہے کہ اپنے اس اعتقاد کی بنیاد اس آیت کو قرار دیتے ہیں۔

میرے نزدیک شیعوں کا یہی ایک عقیدہ مسلمانوں کو اُن کے مذہب سے متنفر کرنے کے لیئے کافی ہے، مگر جن کے دل پر خدا نے مہر کر دی ہو اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہوں

---

[1] مگر یہ عقیدہ اب بھی لا ینحل ہے کہ امام حسنؓ کی اولاد قیامت تک کے لیے اس بادشاہت سے محروم کی گئی اور امام حسینؓ کی اولاد میں بھی جس کو شیعوں نے چاہا اسی کو بادشاہت دی اور باقی اولاد بادشاہت تو کجا وزارت بلکہ چپراسی کے قابل بھی نہ قرار دی گئی۔

کا کچھ علاج نہیں۔

شیعوں کا بیان کیا ہوا مطلب آیت کا قطع نظر ان سب عقلی و نقلی قباحتوں کے جو اُوپر
ن ہو چکیں آیت کی تحریف معنوی بھی ہے اس لیئے کہ از رُوئے قواعد عربیت آیت کی عبارت
مطلب کی مساعدت نہیں کرتی۔ کیونکہ آیت میں قربیٰ کا لفظ مصدر ہے جس کے معنی قرابت کے
ں اس سے قرابت والے مراد لینا اور قرابت والے کس کے رسُول کے گویا یہ کہنا ہے کہ آیت کی
رت یُوں ہونی چاہیئے: الا المودة فی اهل القربیٰ لی قربیٰ سے پہلے لفظ اہل اور قربیٰ کے
ر لفظ لی مقدر ہے اور ان دونوں مقدرات کے لیئے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اسی کو تحریف
معنوی کہتے ہیں۔

شیعہ بڑی دلیری کے ساتھ

اپنے بیان کیئے ہوئے مطلب پر اور اپنے اعتقاد پر آج تک مصر ہیں اور ان قباحتوں
کا جواب ان کے اسلاف و اخلاف نے نہ کچھ دیا اور نہ دے سکتے ہیں۔ البتہ بمقتضائے مثل
مشہور ہ "اُلٹا چور کو توال کو ڈانٹے" اہلسنت کی بیان کی ہوئی صحیح تفسیر پر کچھ بے سروپا اعتراضات
کرنے کو آمادہ ہیں چنانچہ شیعوں کے قبلہ فخر الحکماء صاحب نے اصلاح نمبر ۵ جلد ۱۸ میں جس کا حوالہ
ہم اُوپر دے چکے ہیں ان اعتراضات کو بیان کیا ہے اور تفسیر مودة القربیٰ کی اشاعت سابقہ میں
ان کے اعتراضات کا جواب بھی دیا جا چکا ہے پھر آج تک جواب الجواب کی ہمت کسی کو نہ ہوئی۔

خلاصہ ان اعتراضات و جوابات کا حسب ذیل ہے:۔

اعتراض اوّل یہ کہ پیغمبر پر طلب اُجرت کا الزام اہلسنت کی تفسیر کی بنا پر بھی عائد ہوتا
ہے وہ اُجرت مودت اہل بیت نہ سہی اپنی حفاظت سہی۔

اعتراض دوم یہ کہ اہلسنت کی تفسیر کی بنا پر پیغمبر کا غیر اللہ سے ڈرنا لازم آتا ہے اور
یہ بھی حسب اعتقاد اہلسنت انبیاء کے لیئے جائز نہیں ہے۔ اگر غیر اللہ سے ڈرتے نہ تھے تو پھر
اپنی حفاظت کی درخواست اُن سے کیوں کی۔

اعتراض سوم یہ کہ اہلسنت کی تفسیر کی بنا پر لازم آتا ہے کہ رسول کو مدعائے خداوندی

پر اعتماد نہ ہو۔ کیونکہ خدا نے بہت سی آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت و حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ بلکہ خدا پر بھی اعتراض ہوتا ہے کہ اُس نے اپنے رسُول کو غیروں سے اَمان مانگنے کا حکم دیا۔

اعتراض چہارم یہ کہ اہلسنت کی تفسیر کی بنا پر رسول کا خود غرض ہونا لازم آتا ہے کہ اپنے لیئے تو بہت کچھ کوشش کی اور کفار سے امان مانگی حفاظت کے خواست گار ہوئے مگر اپنے بال بچوں کے لیئے کچھ بھی فکر نہ کی یعنی اُن کی معاش دنیاوی کا بھی سامان نہ کیا۔

اعتراض پنجم یہ کہ اہلسنت کی تفسیر کی بنا پر آیت کا مفہوم بالکل خلاف عقل ہو جاتا ہے کیوں کہ اس صُورت میں خطاب کفار سے ہوگا کہ میں تم سے اپنی دشمنی کی اُجرت مانگتا ہوں میں تمہاری بیخکنی کرتا ہوں مگر تم مجھ کو ایذا نہ دو۔ میں تمہارے دین و مذہب کا استیصال کر دوں مگر تم مجھ کو اپنا عزیز سمجھ کر ستانے سے باز رہو۔ بھلا ایسی درخواست کیوں کر عقل کے موافق ہو سکتی ہے۔

الجواب واللہ الموفق للصّواب

اعتراض اوّل کا جواب یہ ہے کہ تمام یوسف زلیخا خواندی وہنوز ندانستی کہ زلیخا مرد بود یا زن۔ اتنی مفصل بحث کے بعد بھی علمائے شیعہ کو یہ پتہ نہ چلا کہ اہلسنت کے تفسیر کی بنا پر طلب اُجرت لازم ہی نہیں آتی۔ کیونکہ الا المودۃ کو ہم استثنائے منقطع مانتے ہیں اور اپنی حفاظت جس کی درخواست بر بنائے قرابت کی گئی ہے اجر رسالت ہو ہی نہیں سکتی۔ اجر ہر شئے کا اس شئے کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے اور یہ حفاظت قرابت کی وجہ سے ہے نہ کہ رسالت کے سبب سے۔

اعتراض دوم کا جواب یہ ہے کہ بیشک غیر اللہ سے ڈرنا اہلسنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کیا معنی عامہ مؤمنین کے لیے سخت نقص و عیب ہے قرآن مجید میں بیشمار آیتیں ہیں جن میں عموماً تمام اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ میرے سوا کسی سے نہ ڈرو لیکن اپنی حفاظت کی درخواست کرنا یعنی یہ سمجھانا کہ دیکھو میں تمہارا قرابت دار ہوں اور قرابت دار کی ایذا رسانی تم جائز نہیں سمجھتے۔ اس سے کافروں کا خوف نہیں ثابت ہوتا۔ اس قسم کی تفہیمات اکثر بغرض

بت ہوتی ہیں۔ اس قسم کی تفہیمات تو کلام خدا میں بھی بہت ہیں خود حق تعالیٰ نے کافروں جا سمجھایا ہے کہ ہمارے رسول کو ایذا نہ دو ان کی توقیر و تعظیم کرو بلکہ یہاں تک فرمایا کہ دین ں مدد کرو ہماری مدد کرو وغیرہ وغیرہ تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا بھی کافروں سے ڈرتا تھا۔ ں کو تو شاید اس کہنے میں بھی باک نہ ہو۔ کیونکہ ان کا خدا تو صحابہ کرامؓ سے ڈرتا تھا[1] کافروں اگر ڈر گیا تو کیا تعجب۔

اعتراض سوم کا جواب یہ ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے لہٰذا یہاں کسی کام کی تدبیر کرنے وعدہائے خداوندی پہ بے اعتمادی لازم نہیں آتی۔ ورنہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصرت و حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے اسی طرح تمام جانداروں کے لیئے روزی رسانی کا دہ فرمایا گیا ہے لہٰذا یہ کہنا پڑے گا کہ کسب معاش کی تدبیر کرنا خدا کے وعدے پہ بے اعتمادی ے اور ناجائز ہے اور جتنے لوگ کسب معاش کی سعی کرتے ہیں سب بے ایمان ہیں۔ نعوذ ﷲ منہ۔

نکتہ۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جب کسی چیز کا وعدہ ہو جاتا ہے تو اس چیز کے حاصل کرنے لیئے تدبیر کرنے کے متعلق خاصان خدا کا یہ دستور ہے کہ اگر حق تعالیٰ نے وعدہ کے ساتھ یہ صریح بھی فرما دی ہو کہ باوجود اسباب ظاہری کی مباشرت نہ کرنے کے بھی میرا یہ وعدہ پورا ہوگا ب تو وہ حضرات بالکل تدابیر ظاہری کو ترک کر دیتے ہیں اور اگر وعدہ خداوندی کے ساتھ مذکورہ لا تصریح نہ ہو تو پھر اکثر و بیشتر تو وہ حضرات تدبیر ظاہری کو ترک نہیں کرتے اور کبھی اگر ترک بھی ر دیتے ہیں تو ضرور ہے کہ وہاں کوئی اشارہ غیبی ترک تدبیر کے متعلق ان کے دل پر منعکس ہوتا ہے۔ اس نکتہ کی تفصیلی تقریر اور خاصانِ خدا کے ان حالات مختلفہ کی مثالوں کا بیان اگرچہ بہت

---

[1] خدا کے صحابہ کرام سے ڈرنے کے صدہا واقعات کتب شیعہ میں مذکور ہیں مثلاً واقعہ یہ ہے کہ حسب روایت احتجاج طبرسی جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے قرآن مجید میں آل محمد کا لفظ صاف طور پر اس لیئے نازل نہ کیا کہ اس کو علم تھا کہ جامعین قرآن نے جس طرح اور چیزوں کو قرآن سے نکال ڈالا اسی طرح اس لفظ کو بھی نکال ڈالیں گے۔

سے نفیس فوائد پر مشتمل ہے لیکن یہ مقام اس کے لیئے زیادہ مناسب نہیں۔

اعتراض چہارم کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ اس کی بنیاد محض اس بات پر ہے کہ علمائے شیعہ اپنی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک بندۂ دنیا سمجھتے ہیں جس کا مقصد زندگی سوا دنیا کمانے کے کچھ نہ ہو جو صرف اپنی زندگی بھر اپنے اور اپنے بال بچوں کی خوش گزرانی پر قناعت نہ کرے اور اپنے بعد کے لیئے سامان کر جائے۔ مگر واضح رہے کہ رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ اپنے لیئے راحت دنیائے فانی کی کچھ کوشش کی نہ اپنے بال بچوں کے لیئے۔ اس آیت میں جو اپنی ایذا رسانی نہ کرنے کی درخواست ہے وہ محض اس لیئے ہے کہ اس ایذا رسانی سے تبلیغ رسالت میں خلل پڑتا تھا۔ بال بچوں کو اول تو نہ کوئی ایذا پہنچاتا تھا اور نہ ان کے ایذا پہنچانے سے کار تبلیغ میں خلل آسکتا تھا۔ اس تفہیم کو امان مانگنے سے تعبیر کرنا سوا خوش فہمی کے کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بجا اپنی مدد کے لیئے اپنے شعائر کی بے حرمتی نہ کرنے کے لیئے کافروں کو تفہیم کی ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ خدا نے کافروں سے امان مانگی۔

اعتراض پنجم کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض بھی لغو اور معترض کی بے عقلی کا کامل نمونہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کے ساتھ نہ کوئی دشمنی کی تھی نہ دشمنی کی اجرت مانگتے تھے۔ اول تو دنیا میں کسی صاحب عقل نے اپنے خلاف وعظ و تبلیغ کو دشمنی نہیں سمجھا اور نہ فی الحقیقت دشمنی کی تعریف وعظ و تبلیغ پر صادق آتی ہے بلکہ عند العقل وعظ و تبلیغ ہی اصلی محبت و مہربانی ہے۔ ؎

نبز دمن آنکس نکوخواہ تست ⁂ کہ گوید فلاں خار در راہ تست

آج عیسائیوں کی سلطنت میں رہ کر ہم اُن کے پادریوں سے مباحثات کرتے ہیں۔ اُن کے مذہب کا بطلان ان پر ظاہر کرتے ہیں۔ غرضکہ تبلیغ و وعظ کا کام انجام دیتے ہیں۔ لیکن وہ عیسائی سلطنت نہ ہم کو اپنا دشمن سمجھتی ہے اور نہ اپنے ہم مذہب پادریوں کا۔ اور اگر ہم کسی موقع پر اس عیسائی سلطنت سے عدل و انصاف کے خواستگار ہوں تو ہم کو یہ جواب نہیں ملتا کہ تم ہمارے ساتھ دشمنی کرتے ہو اور ہمیں سے اپنی دشمنی کی اجرت مانگتے ہو۔

دوسرے اگر بالفرض کو فرض المحال شیعوں کی خاطر[1] سے وعظ اور تبلیغ کا عداوت و دشمنی ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی دشمنی کی اجرت مانگنا تو اس وقت کہا جا سکتا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تبلیغ کے معاوضہ میں مودت کی درخواست کرنے کا حکم دیا گیا ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ مودت کی درخواست محض بر بنائے قرابت تھی۔

ایڈیٹر اصلاح نے اصلاح نمبر ۵ جلد نمبر ۱۸ میں

النجم کے اس بے پناہ الزام کے جواب میں (کہ شیعوں کی تفسیر کی بنا پر یہ آیت مودۃ القربی دوسری[2] آیات قرآنیہ کے خلاف ہو جائے گی جن میں انبیاء علیہم السلام سے عموماً اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصاً اجرت کی نفی کی گئی ہے) ایک عجیب لطیف بات لکھی ہے اصلاح نمبر مذکور صفحہ ۲۵ پر ان کے خاص الفاظ یہ ہیں "ان[3] دونوں میں اختلاف نہیں ہے اور ہر جگہ خاص خاص مصلحتیں ملحوظ ہیں۔"

اس لطیف جواب کا مطلب شاید ذریت ابن سبا کے ذہن میں کچھ آ جائے مگر اور کسی کی سمجھ میں تو کچھ نہیں آ سکتا۔ ہماری سمجھ میں دو مطلب اس کے ہو سکتے ہیں۔ **اول** یہ کہ دونوں قسم کی آیتیں بحسب مصالح وقت مختلف اوقات کی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک منسوخ ہے۔ اس صورت میں فخر الحکماء صاحب کو یہ بتلانا ضروری تھا کہ ان دونوں میں مقدم کون ہے طلب اجر کی یا نفی اجر کی تاکہ جو مقدم ہو اس کو منسوخ مانا جائے پھر بھی یہ مرحلہ باقی رہ جاتا ہے کہ آیا یہ آیتیں قابلیت نسخ رکھتی بھی ہیں یا نہیں۔ **دوم** یہ کہ یہ دونوں آیتیں اپنے اپنے موقع کی ہیں یعنی پیغمبر کو یہ حکم ہوا کہ جہاں جیسا موقع دیکھا کرو ویسی بات کہہ دیا

---

[1] شیعہ صاحبان اپنے مذہب کے خلاف وعظ و تبلیغ کو ہمیشہ سے دشمنی و عداوت سمجھتے رہے چنانچہ اسی بناء پر مدیر النجم کو اپنا دشمن اور سخت دشمن سمجھتے ہیں۔ ان کے اسلاف کا بھی یہی حال تھا جن سے فرمایا گیا تھا کہ لا تحبون الناصحین۔

[2] یہ آیات تفسیر ہذا کے صفحہ پر ہیں۔ ۱۶   [3] یعنی دونوں قسم کی آیتوں میں۔ ۱۶

کرو، جہاں دیکھو کہ اُجرت مانگنے سے لوگ بھڑک جائیں گے، وہاں کہہ دیا کرو کہ میں کوئی اُجرت نہیں مانگتا۔ جہاں دیکھو کہ لوگوں کے بھڑکنے کا اندیشہ نہیں ہے وہاں اُجرت مانگ لیا کرو، اور خوب معقول اجرت مانگو، مگر ایسی رکیک اور ناشائستہ حرکت اس خدا کی شان سے بعید ہے جو قرآن کریم کا نازل کرنے والا ہے۔ ہاں اگر ایسا مطلب مصحف فاطمہ والے خدا کے کلام کا بیان کیا جاتا جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُسی درجہ اور رُتبہ کے بارہ نبی اور مقرر کیئے ہیں تو شاید صحیح ہو سکتا۔

بہر کیف کچھ بھی ہو ایڈیٹر اصلاح کو بھی اس امر کا اقرار کرنا ہی پڑا کہ کچھ آیتیں قرآن شریف میں ایسی بھی ہیں کہ جن میں طلب اجر کی نفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی گئی ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

فصل چہارم

اس آیہ کریمہ سے جو پاکیزہ تعلیمات حاصل ہو رہی ہیں ان میں سے صرف دو مَیں اس مقام پر ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) اس آیت میں مخلوق سے تبلیغ و تعلیم دین کی اُجرت مانگنے کی ممانعت فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک بڑی زبردست دلیل ارشاد فرمائی گئی اور زیادہ غائر نظر سے دیکھو تو خدا کی ہستی کی ایک مضبوط نشانی اس سے پیدا ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی یہ مافوق الفطرت اَن تھک شاقہ محنتیں جو مسلسل یکساں زندگی کے آخری لمحہ تک قائم رہنے والی ہیں اور پھر ان محنتوں کا کوئی معاوضہ نہ مانگنا نہ لینا بلکہ جائز منافع سے بھی نہ صرف اپنی ذات کو بلکہ اپنی بی بی بچوں اور قریبی رشتہ داروں کو ہمیشہ کے لیئے محروم کر دینا بجز اس کے کہ کسی اور عالم سے اُن کو اس کا کچھ بدلا ملتا ہے، کوئی اور ہستی اُن کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ اور کس وجہ سے ہو سکتا ہے سچ ہے ؎

اگر ہیچ ندیدہ انداز برائے چہ دریدہ اند ہا

زیں تعب گر نہ خدا یافتہ اند ؛ ہمہ از بہر چہ بشتافتہ اند

(۲) طلب اُجرت کی نفی انبیاء علیہم السلام کے اتباع و اطاعت کی تشویق و ترغیب

لیئے بھی ایک بے نظیر ہے جس کو سورۂ یٰسین کی آیت میں بہت وضاحت سے بیان فرمایا
یہ آیت تفسیر ہٰذا کے صلا پر نقل ہو چکی ہے۔

(۲) گو اس آیت میں طلب اجر کی نفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی گئی ہے، مگر چونکہ
ن مجید میں یہ قانون کلی تعلیم دیا گیا ہے کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ
اتبعونی یحببکم اللہ لہٰذا جس قدر احکام آپ کو مخاطب کر کے دیئے گئے ہیں جب
ان کے متعلق اس بات کی تصریح نہ ہو کہ یہ حکم نبی کے ساتھ مخصوص ہے اس وقت تک
مام احکام امت کے لیئے بھی ثابت ہوں گے۔

اور یہ حکم چونکہ منصب تبلیغ سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا خصوصیت کے ساتھ اس کی
ی علمائے امت پر جو نیابت نبی کا شرف رکھتے ہیں لازم ہو گی۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اہلسنت وجماعت میں ایسے علمائے ربانی اب بھی
د ہیں جو تبلیغ و تعلیم دین کی اجرت مخلوق سے نہیں لیتے اجرت... تو بڑی چیز ہے اجرت
نا بہت سے بھی ان کا پرہیز لائق دید و قابل شنید ہے بے شک انہیں علمائے ربانیین
سید الانبیاء کی مسند عالی آباد ہے اور انہیں کے انفاس قدسیہ کی برکت سے آسمان
ن کا قیام ہے۔

شیعہ اس کی کیا قدر کر سکتے ہیں جن کے مشہور مشہور علماء علانیہ اپنے وعظوں اور خالص
خدمتوں کی فیس مقرر کر کے لیتے ہیں اور اپنی فیس کا اعلان عام دیتے ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات
یہ عدالت اپنی فیس وصول کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی قوم میں یہ چیز کوئی عیب
سمجھی جاتی۔ بلکہ اس پر فخر و مباہات کیا جاتا ہے کہ ہمارے یہاں فلاں عالم ہیں جن کی فیس
روپیہ ہے فلاں کی دو سو، فلاں کے پانچ سو۔ اہلسنت میں بھی ایسا کوئی ہے
یہ سچ ہے۔

آں پلیدی پیش تو رسوا بود ۔۔۔ پیش ۔۔۔ شکر و حلوا بود

اس موقع پر علمائے سلف کا ایک واقعہ عارف جامی کے دلکش ابیات میں ہدیہ
رین کیا جاتا ہے تحفۃ الاحرار میں فرماتے ہیں۔

عالمی از چاہ ضلالت برون — در رہے افتاد بچاہے درون

ہیچ بدو دست نداذش براہ — ماند دراں راہ چو یوسف بچاہ

سایہ صفت در تگ چاہ آرمید — سایہ شخصے بسر چاہ دید

نعرہ برآورد کہ اے رہ نورد — از رہ احسان و مروت مگرد

پائے مروت بسر چاہ نہ — دست بافتادہ از راہ دہ

راہ رو آمد بسر چاہ و گفت — دست بدہ اے بغم و آہ جفت

گفت نخست از کرم عام خویش — گو خبرے از لقب و نام خویش

گفت کہ شاگرد کمین توام — در رہ دین خاک نشین توام

گفت کہ حاشا کہ ازیں چاہ پست — در زنم امروز بدست تو دست

من کہ بہ تعلیم میاں بستہ ام — از غرض سود و زیاں رستہ ام

کوششم از راہ خداوندی است — خاص پے فضل خداوندی است

کے بجزای دگر آلایمش — د زغرض آلودگی افزایمش

در تگ ایں چاہ نشینم اسیر — تا شودم بے غرضی دستگیر

پایہ علمم چو بلند اوفتاد — ہر چہ بجز آنم نہ پسند اوفتاد

ہمت جامی کہ بلندی گرفت

از شرف علم پسندی گرفت

اے خداوند کریم اپنے فضل عمیم سے بطفیل قرآن عظیم اور صاحب قرآن نبی رؤف و رحیم کے اپنے اس عاجز اور ناکارہ بندہ کو بھی ان علمائے ربانیین کے نقش قدم پر چلنے والا بنادے ویرحم اللہ عبداً قال امیناً واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ نبیہ وآلہ اجمعین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

حصہ دوم

ہدایت بجواب غوایت

موسوم بہ

تفسیر آیہ مودۃ القربیٰ

مضمون ہذا کے حصہ اول میں جو النجم نمبر میں شائع ہوا شیعوں کے اس عقیدہ پر کافی روشنی پڑ چکی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام غیر اللہ سے بہت ڈرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کو بعض احکام الٰہی کی تبلیغ میں پس و پیش ہوتا تھا اور تبلیغ بھی کرتے تھے تو ایسے گول الفاظ میں کہ کوئی کچھ نہ سمجھ سکے۔ الحمد للہ کہ ایڈیٹر اصلاح نے جو ہرزہ درائی اس پر کی تھی اور یہ چاہا تھا کہ اپنے اس عقیدۂ فاسدہ کو قرآن کی آیتوں سے ثابت کرے اس کا بھی قرار واقعی قلع قمع ہو گیا۔

لہٰذا حق تعالیٰ کی تائید پر بھروسہ کر کے اس مضمون کے دوسرے حصہ کو شروع کیا جاتا ہے جس میں آیۂ مودۃ القربیٰ کی بحث ہے۔

چونکہ ایڈیٹر اصلاح نے اس بحث پر زیادہ زور دیا ہے اور اپنے امام مولوی حامد حسین

کا جمع کیا ہوا تمام سامان[ل] خرچ کر دیا ہے۔ اور شیعوں کو اپنے فرضی ائمہ کی امامت ثابت کرنے کے لیئے اس آیت کی بحث پر بڑا ناز ہے۔ اس لیئے اس مضمون کو مستقل رسالہ کی صورت میں مرتب کیا جاتا ہے اور واقعی بات ہے کہ اسی مضمون کے بعض فقرات نے جو ایڈیٹر اصلاح کے قلم سے نکلے ہیں، مجھے ایڈیٹر اصلاح کے مضمون غوایت کا جواب لکھنے پر آمادہ کیا۔ ورنہ ایسے خرافات کا جواب لکھنا شاید مجھے گوارا نہ ہوتا۔ ایڈیٹر اصلاح نے بڑے جوش و خروش میں جابجا شیعوں کے بیان کیئے ہوئے مطلب کو تمام مفسرین اہلسنت کی طرف منسوب کیا ہے اور جو مطلب آیت کا میں نے بیان کیا ہے اس کی بابت لکھا ہے کہ یہ کسی سُنّی کا قول نہیں۔ کسی سُنّی نے ایسا نہیں لکھا۔ اس بے نظیر دلیری اور بے مثال جرأت نے خواہ مخواہ مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ جواب لکھوں۔ واللہ ولی التوفیق۔

میں نے النجم ۲۲ جلد ۱ میں اصول شیعہ متعلق نبوۃ بیان کرتے ہوئے لکھا تھا

" اصل چہارم انبیا علیہم السلام تبلیغ رسالت کی اُجرت یا اپنی محنت کا معاوضہ اپنے شاگردوں سے لے لیا کرتے تھے اور اس معاوضہ کو پہلے ہی طے کر لیتے تھے اور کسی کو لِلّٰہ فی اللّٰہ تعلیم نہ کرتے تھے۔ اُن کے شاگردوں میں سے کوئی اس معاوضہ پر راضی نہ ہوتا تھا تو بہت بگڑتے اور اس کو اپنے گروہ سے خارج کر دیتے۔"

دلائل اس مسئلہ کے بھی کتب شیعہ میں بہت ہیں۔ کسی خاص کتاب کے حوالہ کی حاجت نہیں۔ آیۂ کریمہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ کی تحت میں شیعوں کی کتب تفاسیر دیکھو۔ سب میں یہ مضمون نہایت تصریح کے ساتھ ملے گا کہ رسول خدا صلی اللّٰہ

ل علمائے شیعہ کہتے ہیں کہ مولوی حامد حسین صاحب نے عبقات الانوار میں آیات قرآنیہ سے بھی اثبات امامت کیا ہے مباحث حدیث کے تو بعض مجلدات چھپے۔ مگر مبحث آیات ابھی تک عیب کی طرح مخفی رکھا گیا ہے۔ اگر چھپا تو قلعی کھلتی ع

وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ آپ کہہ دیجئے میں سوا اپنے قرابت والوں کی محبت کے اور
جرت تبلیغ رسالت کی تم سے نہیں مانگتا یعنی میرے تبلیغ رسالت کی اُجرت یہ ہے کہ
ے قرابت والوں سے محبت کرو۔ اور قرابت والوں سے مراد علیؓ اور حسنینؓ اور ائمہ ما بقی
اور اُن کی محبت سے مراد اُن کی امامت تسلیم کرنا شیعوں کے یہاں روزمرہ میں یہ بات
ہے کہ کہتے ہیں "محبت اہلبیت اجر رسالت ہے"۔
شیعوں کی دیکھا دیکھی ان سے اختلاط کے سبب سے سنیوں کی زبان پر بھی یہ ناپاک کلمہ آجاتا
ہے۔ بعض اہل علم کی کتابوں میں میں نے دیکھا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ محبت اہل بیت اجر
لت ہے۔ معاذ اللہ من ہذا الخرافات۔

اہلسنت کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر یہ صریح بہتان ہے۔ وہ حضرات اس قسم کی
دگیوں سے بالکل پاک ہیں۔ وہ کوئی کام اس نیت سے نہ کرتے تھے کہ اس کا معاوضہ مخلوق
اُن کو ملے۔ وہ اپنی خدمات کا معاوضہ صرف اسی واحد قہار سے مانگتے تھے جس نے ان
ت پر اُن کو مامور کیا تھا۔ بہت سے پیغمبروں کا مقولہ قرآن مجید میں نقل کیا گیا ہے کہ "ان
ی الا علی اللہ"۔ یعنی میری اُجرت، میری محنت کا معاوضہ صرف اللہ کے ذمہ ہے۔ آیۃ
رہ کا جو مطلب شیعوں نے مراد لیا ہے کھلی ہوئی تحریف ہے۔ صاف اور صریح مطلب
کا یہ ہے کہ اے نبی کہہ دیجئے کہ تبلیغ رسالت کا کچھ معاوضہ تم سے نہیں مانگتا ہوں صرف
بت کی مودت یعنی پاسداری کا خواستگار ہوں۔ مطلب یہ کہ میں تم سے صرف یہ درخواست
ہوں کہ میری ایذا رسانی سے باز آجاؤ۔ مجھ سے جو قرابت تم لوگوں سے ہے اس کا خیال
کے میری جان کے خواہاں اور خون کے پیاسے نہ بنو۔
ایڈیٹر اصلاح نے جو گوہر افشانیاں اس تحریر کے متعلق کی ہیں ان میں حسب ذیل امور
جن کا جواب عرض کیا جاتا ہے۔

(۱) سب سے پہلی بیہودہ بات یہ لکھی ہے کہ "ایڈیٹر النجم نے یہ سب نتائج آیۂ قرآنی
نکالے اور ہم ان کے شکرگزار ہیں کہ انہوں نے قرآن مجید کو اور اس کی تفاسیر کو خاص شیعوں
کتاب قرار دیا تو اب جو اعتراض ان کا ہے وہ قرآن مجید پر ہے، جس کی مدافعت کی

بھی ضرورت نہیں۔

الجواب سمجھ میں نہیں آتا کہ ان خرافات کے لکھنے سے اس شخص کا مقصد کیا ہے۔ اگر محض شیعوں کے دل کا خوش کرنا مقصود ہے تو میرے خیال میں ایسی بے سر پا باتوں سے کسی گدھی کا بھی دل نہیں خوش ہو سکتا۔ میں نے خدانخواستہ کبھی قرآن شریف کو شیعوں کی کتاب نہیں قرار دیا۔ چہ جائیکہ خاص کتاب۔ میرے الفاظ یہ ہیں جو اوپر منقول ہوئے کہ "آیۂ کریمہ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کے تحت میں شیعوں کی کتب تفاسیر دیکھو" اس عبارت میں شیعوں کی کتب تفاسیر کو شیعوں کی طرف منسوب کیا ہے نہ قرآن مجید کو۔ اور خدا نہ کرے کہ کوئی عقلمند قرآن کریم کو شیعوں کی کتاب کہے۔ قرآن کی اس سے زیادہ توہین اور کیا ہوگی کہ وہ شیعوں کی طرف منسوب کیا جائے اور بحمداللہ خود شیعوں کے امام جعفر صادق نے قرآن کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا، بلکہ مسلمانوں کی طرف منسوب کیا۔ جیسا کہ اصول کافی میں مروی ہے۔

اب رہا یہ کہ میرا یہ اعتراض قرآن پر ہے محض ابلہ فریبی ہے۔ اگر اعتراض ہے تو تمہارے عقیدہ پر، تمہاری تفسیر پر۔

(۲) دوسری ابلہ فریب بات ایڈیٹر اصلاح نے یہ لکھی ہے کہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر وہی کی ہے جو شیعہ کہتے ہیں اور کل علمائے اہلسنت نے لکھا ہے کہ محبت اہلبیت اجر رسالت ہے۔ ایڈیٹر اصلاح کے خاص الفاظ یہ ہیں "جتنے مفسر آج تک اہلسنت کے گزرے ہیں تقریباً سب کے سب یہی کہتے ہیں" اصلاح نمبر ۵ جلد ۸ صفحہ ۱۸۔ تو اب فرمایئے! وہ کون سُنی ہے جس کو آپ اس ناپاک کلمہ سے محفوظ پاتے ہیں "اصلاح نمبر مذکور صفحہ ۱۹" بعض کیوں کہتے ہیں کل کیوں نہیں کہتے۔ کیونکہ کوئی مفسر ایسا نہیں ہے جس نے یہ معنی نہ لکھا ہو کہ مراد اس سے اہل قرابت رسُول ہیں" ایضاً صفحہ ۱۹" پھر نہ معلوم آپ نے بعض کا لفظ کیوں لکھا اور کل کہنے سے کیوں شرمائے کیونکہ اگر کل کا لفظ لکھتے تو آپ کی تحقیقات کی وقعت اور بھی بڑھ جاتی کہ آپ کا مذہب سب کے خلاف، آپ کی تحقیق سب سے جُدا گانہ ہے۔ ایضاً صفحہ ۲۰۔ نہ معلوم وہ اہلسنت کہاں رہتے ہیں اور کس زمین پر بستے ہیں جنہوں نے قربیٰ کے

اہل قرابت رسول نہیں لکھے یا صرف پاٹنالہ لکھنؤ میں اُن کا قیام ہے۔ ایضاً صفحہ ۲۱۔

الجواب۔ ایڈیٹر اصلاح کی دلیری اور انتہائی دلیری کی کیفیت یہ ہے کہ خود ہی دعویٰ کرتے ہیں کہ کل علمائے اہلسنّت اور جمیع مفسرین اہلسنت نے ایسا لکھا ہے اور خود ہی اپنے دعوے کی دلیل میں جو عبارت نقل کی ہے اس میں بعضھم کا لفظ موجود ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں بعض کیوں کہتے ہیں کل کیوں نہیں کہتے۔ کیونکہ کوئی مفسر ایسا نہیں ہے جس نے یہ معنی نہ لکھا ہو کہ مراد اس سے اہل قرابتِ رسول ہیں۔ معالم التنزیل میں ہے "وقال بعضھم معناہ الا ان تودوا قرابتی وعترتی"۔ جمع اور کل کے دعوے کے بعد وہ عبارت پیش کرنا جس میں بعضھم کا لفظ صاف موجود ہے اس مصرع کی یاد تازہ کرتا ہے۔ چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد۔

ایڈیٹر اصلاح نے چونکہ اپنے اس دعوے کے ثابت کرنے کے لیے بلکہ محض دھوکا دینے کے لیے بعض تفاسیر کے کچھ جملے بھی قطع برید کرکے نقل کیے ہیں۔ لہذا میں کتب تفاسیر سے عبارتیں نقل کرتا ہوں اور ناظرین سے درخواست کرتا ہوں کہ للہ انصاف کریں ایسے شخص سے خطاب کرنا جس کو اتنی بھی غیرت نہ ہو اور مطبوعہ کتابوں کا غلط حوالہ دینے اور جھوٹے بے بنیاد دعووں کے کرنے میں اس کو ذرہ برابر باک نہ ہو، کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔

عبارات تفاسیر اہلسنّت متعلق آیہ مودّۃ القربیٰ

ناظرین ان تفاسیر کی عبارت لفظ بلفظ غور سے پڑھیں۔ ایک نے بھی یہ نہ لکھا کہ محبت اہلبیت اجر رسالت ہے اور تفسیر آیت میں قول راجح اسی کو قرار دیا ہے کہ مودۃ فی القربیٰ سے مراد خود رسُول کی مودت ہے۔

(۱) حضرت امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں روایت کرتے ہیں۔

حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد	ہم سے محمد بشار نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے محمد

بن جعفر حدثنا شعبة عن عبد الملك
بن ميسرة قال سمعت طاؤسا عن ابن
عباس رضي الله عنهما انه سئل عن قوله
الا المودة في القربى فقال سعيد بن جبير
قربى آل محمد صلى الله عليه وسلم فقال
ابن عباس عجلت ان النبي صلى الله
عليه وسلم لم يكن بطن من قريش
الا كان له فيهم قرابة فقال الا ان
تصلوا ما بيني وبينكم من القرابة۔

بن جعفر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے عبدالملک بن میسرہ سے روایت کرکے بیان کیا وہ کہتے تھے میں نے طاؤس سے سُنا وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے تھے کہ ان سے آیہ الا المودۃ فی القربیٰ کا مطلب پوچھا گیا سعید بن جبیرؓ نے کہا قرابت آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے تو ابن عباسؓ نے کہا کہ تم نے (جواب دینے میں عجلت کی (اصل یہ ہے کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کے ہر خاندان سے قرابت تھی۔ لہذا فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان میں جو قرابت ہے اس کا لحاظ کرو۔

ف۔ یہ روایت ہے اس کتاب کی جو قرآن کریم کے بعد اصح الکتب مانی گئی ہے اور منقول ہے ترجمان القرآن حبرالامت امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور اس روایت میں سعید بن جبیرؓ کے اس قول کی تردید بھی ہے کہ قربیٰ سے اہل قرابت رسول مراد ہیں۔ ابن جبیرؓ کا سکوت کرنا ظاہر کر رہا ہے کہ اُن کا قول محض بے دلیل تھا۔

ایڈیٹر اصلاح کی تکذیب کے لیئے صرف اسی ایک روایت کا نقل کر دینا کافی تھا مگر دروغ گو را تابہ دریا بدرسانید پر عمل کرنے کے لیئے دوسری کتابوں کی عبارات بھی نقل کی جاتی ہیں۔

(۲) و (۳) جو روایت صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہوئی اسی مضمون کی روایت صحیح مسلم میں اور جامع ترمذی میں بھی منقول ہے۔

(۴) امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر جامع البیان میں لکھتے ہیں:۔

القول في تأويل قوله تعالى ذلك الذي
يبشر الله عباده الذين آمنوا وعملوا
الصلحت قل لا اسئلكم عليه اجرا الا

اللہ تعالیٰ کے قول ذلک الذی یبشر اللہ عبادہ الذین آمنوا وعملوا الصلحت قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ ومن یقترف حسنۃ

المودة في القربى ومن يقترف حسنة نزدله فيها حسناً ان الله غفور شكور.

نزدله فيها حسنا ان الله غفور شكور کی تفسیر۔

يقول تعالى ذكره هذا الذي اخبرتكم ايها الناس انّي اعدته للذين امنوا وعملوا الصلحت في الآخرة من النعيم والكرامة البشرى التي يبشر الله عباده الذين امنوا في الدنيا وعملوا بطاعة فيها.

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے لوگو یہ جو تم سے میں نے بیان کیا کہ میں نے مومنین صالحین کے لیئے آخرت میں نعمت اور بزرگی مہیا کی ہے یہ وہ خوشخبری ہے، جو اللہ اپنے ان بندوں کو سناتا ہے جو دنیا میں ایمان لائے اور دنیا میں انہوں نے خدا کی طاعت پر عمل کیا۔

قل لا اسئلكم عليه اجرا. يقول تعالى ذكره لنبيه محمد صلى الله عليه وسلم قل يا محمد للذين يمارونك في الساعة من مشركي قومك لا اسئلكم ايها القوم على دعايتكم الى ما ادعوكم اليه من الحق الذي جئتكم والنصيحة التي انصحكم ثوابا وجزاء وعوضا من اموالكم تعطونيه الا المودة في القربى فقال بعضهم معناه الا ان تودوني في قرابتي منكم وتصلوا رحمي بيني وبينكم.

قل لا اسئلکم علیہ اجرا حق تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ اے محمدؐ ان لوگوں سے کہہ دیجئے جو آپ سے قیامت کے متعلق جھگڑتے ہیں یعنی اپنے قوم کے مشرکوں سے کہ اے قوم کے لوگو میں تم سے بعوض اس کے کہ تم کو حق کی طرف بلاتا ہوں جو میں لیکر آیا ہوں اور بعوض اس نصیحت کے جو تم کو کرتا ہوں کوئی بدلا اور جزا اور عوض تمہارے مال سے نہیں مانگتا کہ تم مجھے دو، سوا مودۃ فی القربیٰ کے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مودۃ فی القربیٰ کے معنی یہ ہیں کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو مجھے تم سے ہے اور صلہ رحم کرو جو میرے تمہارے درمیان ہے۔

ذكر من قال ذلك

کون لوگ اس کے قائل ہیں

حدثنا ابو كريب ويعقوب قالا ثنا اسمٰعيل بن ابراهيم عن داؤد بن ابي هند عن الشعبي عن ابن عباس في

ہم سے ابو کریب اور یعقوب نے بیان کیا دونوں کہتے تھے ہم سے اسمٰعیل بن ابراہیم نے داؤد بن ابی ہند سے انہوں نے شعبی سے انہوں نے

قوله قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى قال لم يكن بطن من بطون قريش الا وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبينهم قرابة فقال قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى الا ان تودوني في القرابة التي بيني وبينكم۔

ابن عباسؓ سے روایت کرکے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے قول قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی خاندان قریش میں ایسا نہ تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو اسی واسطے فرمایا کہ اے نبیؐ کہہ دیجئے کہ میں تم سے تبلیغ رسالت پر کچھ اُجرت نہیں مانگتا مگر محبت قرابت میں یعنی یہ کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو میرے تمہارے درمیان میں ہے۔

حدثنا ابو كريب قال نا ابو اسامة قال نا شعبة عن عبد الملك بن ميسرة عن طاؤس في قوله قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى قال سئل عنها ابن عباس فقال ابن جبير هم قربى آل محمد فقال ابن عباس عجل ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن بطن من بطون قريش الا وله فيهم قرابة قال فنزلت قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى قال الا القرابة التي بيني وبينكم ان تصلوها۔

ہم سے ابوکریب نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ابواسامہ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے عبدالملک بن میسرہ سے انہوں نے طاؤس سے اللہ تعالیٰ کے قول قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق روایت کرکے بیان کیا کہ ابن عباسؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو ابن جبیرؓ نے کہا کہ اس سے مراد آل محمد کے اقرباء ہیں۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ انہوں نے جواب دینے میں عجلت کی۔ صحیح مطلب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کے ہر خاندان سے قرابت تھی اس کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سے تبلیغ رسالت کی کوئی اُجرت نہیں مانگتا سوا اس کے کہ جو قرابت میرے اور تمہارے درمیان میں ہے اس کا صلہ کرو۔

حدثني علي قال نا ابو صالح قال ثني

مجھ سے علیؓ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ابوصالح

معاوية عن علي عن ابن عباس قوله قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربىٰ قال كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم قرابة في جميع قريش فلما كذبوه وابوا ان يبايعوه قال يا قوم اذا ابيتم ان تبايعوني فاحفظوا قرابتي فيكم لا يكن غيركم من العرب اولى بحفظي ونصرتي منكم.

نے بیان کیا وہ کہتے تھے مجھ سے معاویہؒ نے علیؓ سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کر کے بیان کیا کہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کا مطلب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت تمام قریش سے تھی جب اُن لوگوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ سے بیعت کرنا منظور نہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو اگر تم مجھ سے بیعت کرنا منظور نہیں کرتے (تو خیر) مگر میری قرابت کا جو تم سے ہے لحاظ رکھو تمہارے سوا عرب کا کوئی اور شخص میری حفاظت اور مدد کرنے کا تم سے زیادہ حقدار نہیں۔

٤ حدثني محمد بن سعد قال ثني ابي قال ثني عمي عن ابيه عن ابن عباس قوله قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربىٰ يعني محمدا صلى الله عليه وسلم قال لقريش لا اسئلكم من اموالكم شيئا ولكن اسئلكم ان لا تؤذوني لقرابة ما بيني وبينكم فانكم قومي واحق من اطاعني واجابني.

٤ مجھ سے محمد بن سعد نے بیان کیا وہ کہتے تھے مجھ سے میرے چچا نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے قول قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق روایت کر کے بیان کیا کہ خطاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے انہوں نے قریش سے فرمایا کہ میں تمہارے مال نہیں مانگتا بلکہ تم سے صرف یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ایذا نہ دو بوجہ اس قرابت کے جو میرے اور تمہارے درمیان میں ہے کیونکہ تم میری قوم کے لوگ ہو اور سب سے زیادہ مستحق میری اطاعت اور فرمانبرداری کے ہو۔

٥ حدثنا ابن حميد قال نا جرير عن مغيرة عن عكرمة قال ان النبي

٥ ہم سے ابن حمید نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے جریر نے مغیرہ سے انہوں نے عکرمہ سے روایت کر کے

صلی اللہ علیہ وسلم کان واسطا فی قریش کان لہ فی کل بطن من قریش نسب فقال لا اسئلکم علی ما ادعوکم الیہ الا ان تحفظونی فی قرابتی قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ.

بیان کیا وہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق تمام قریش سے تھا قریش کے ہر خاندان سے آپ کی رشتہ داری تھی آپ نے فرمایا کہ میں بعوض اس چیز کے جس کی طرف تم کو بلاتا ہوں تم سے کچھ نہیں مانگتا سوا اس کے کہ تم میری حفاظت کرو بوجہ میری قرابت کے یہی مطلب ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔

حدثنی یعقوب قال نا ھشیم قال اخبرنا حصین عن ابی مالک قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واسط النسب من قریش لیس حی من احیاء قریش الا وقد ولدوہ فقال اللہ عزوجل قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ الا ان تودونی لقرابتی منکم و تحفظونی۔

مجھ سے یعقوب نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ہشیم نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہمیں حصین نے ابو مالک سے روایت کر کے خبر دی وہ کہتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمام قریش سے نسبی تعلق رکھتے تھے کوئی قبیلہ قریش کا ایسا نہ تھا جس سے آپ کو یکجدی نہ ہو پس اللہ عزوجل نے فرمایا قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ یعنی صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم بوجہ اس کے کہ تم سے مجھے قرابت ہے مجھ سے محبت کرو اور میری حفاظت کرو۔

حدثنا ابو حصین عبد اللہ بن احمد بن یونس قال نا عنتر قال نا حصین عن ابی مالک فی ھذہ الایۃ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی ھاشم وامہ من بنی زھرۃ وام ابیہ من بنی مخزوم فقال احفظونی فی قرابتی۔

ہم سے ابو حصین یعنی عبد اللہ بن احمد بن یونس نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے عنتر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے حصین نے ابو مالک سے آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق نقل کر کے بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بنی ہاشم سے تھے اور آپ کی والدہ بنی زہرہ سے اور آپ کی دادی بنی مخزوم سے غرض قریش کی ہر شاخ سے آپ کو تعلق تھا لہذا آپ نے فرمایا کہ میری حفاظت کرو

بوجہ میری قرابت کے۔

...ثنا ابن المثنى قال نا حرمي قال شعبة ...ي اخبرني عمارة عن عكرمة ...قوله قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة ...القربى قال تعرفون قرابتي و ...صدقوني بما جئت به وتمنعوني.

ہم ۸ سے ابن مثنیٰ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے حرمی نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے بیان کیا وہ کہتے تھے مجھ سے عمارہ نے عکرمہ سے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق نقل کر کے خبر دی کہ عکرمہ کہتے تھے (مطلب یہ ہے کہ) کہ تم میری قرابت کا لحاظ کرو اور جو دین میں لایا ہوں اس کی تصدیق کرو اور میری حفاظت کرو۔

٩ حدثنا بشر قال نا يزيد قال نا سعيد عن قتادة قوله قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى ان الله تبارك وتعالى امر محمدا صلى الله عليه وسلم ان لا يسأل الناس على هذا القرآن اجرا الا ان يصلوا ما بينه وبينهم من القرابة وكل بطون قريش قد ولدته وبينه وبينهم قرابة.

ہم ٩ سے بشر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے یزید نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے سعید نے قتادہ سے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق نقل کر کے بیان کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ لوگوں سے تعلیم قرآن کا معاوضہ نہ طلب کریں مگر وہ لوگ اس قرابت کا صلہ کریں، جو آپ کے اور ان کے درمیان میں ہے تو کچھ مضائقہ نہیں قریش کے ہر خاندان سے آپ کو تعلق تھا آپ سے اور ان سے قرابت تھی۔

١٠ حدثني محمد بن عمرو قال نا ابو عاصم نا عيسى وحدثني الحرث قال نا الحسن قال نا ورقاء جميعا عن ابن ابي نجيح عن مجاهد قوله الا المودة في القربى ان تتبعوني وتصدقوني وتصلوا رحمي.

مجھ ١٠ سے محمد بن عمرو نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ابو عاصم نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے عیسیٰ نے بیان کیا نیز ہم سے حرث نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے حسن نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ورقاء نے بیان کیا یہ دونوں ابن نجیح سے وہ مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ الا المودۃ فی القربیٰ کا مطلب ہے کہ تم میرا اتباع کرو اور میری تصدیق کرو اور میری قرابت کا صلہ کرو۔

حدثنا محمد قال نا احمد قال نا اسباط عن السدی فی قوله قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا ان تودونی لقرابتی منکم۔

۱۱ ہم سے محمد نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم احمد نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے اسباط نے سدی سے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق نقل کر کے بیان کیا کہ مطلب یہ ہے کہ مجھ سے محبت کرو بسبب قرابت کے جو مجھے تم سے ہے۔

۱۲ حدثنا عن الحسین قال سمعت ابامعاذ یقول اخبرنا عبید قال سمعت الضحاك یقول فی قوله قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ یعنی قریشا یقول انما انا رجل منکم فاعینونی علی عدوی واحفظوا قرابتی وان الذی جئتکم به لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ ان تودونی لقرابتی منکم وتعینونی علی عدوی۔

۱۲ مجھے حسین نے نقل کر کے بیان کیا وہ کہتے تھے میں نے ابومعاذ سے سُنا وہ کہتے تھے ہمیں عبید نے خبر دی وہ کہتے تھے میں نے ضحاک سے سُنا وہ آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق کہتے تھے کہ خطاب قریش سے ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں تو تمہیں میں کا ایک شخص ہوں لہٰذا تم میری مدد کرو میرے دشمن کے مقابلہ میں اور میری قرابت کا لحاظ کرو اور جو دین میں لایا ہوں اس پر کچھ معاوضہ تم سے نہیں مانگتا سوا مودۃ فی القربیٰ کے کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو مجھے تم سے ہے اور میری مدد کرو میرے دشمن کے مقابلہ میں۔

۱۳ حدثنی یونس قال اخبرنا ابن وهب قال قال ابن زید فی قوله قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ قال یقول الا ان تؤددونی لقرابتی کما تواددون فی قرابتکم وتواصلون بها لیس هذا الذی جئت به یقطع ذلك عنی

۱۳ مجھ سے یونس نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہمیں ابن وہب نے خبر دی وہ کہتے تھے ابن زید آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق کہتے تھے کہ مطلب یہ ہے کہ مجھ سے محبت کرو بوجہ میری قرابت کے جس طرح کہ تم اپنے قرابت والوں سے محبت کرتے ہو اور قرابت کا صلہ کرو جو دین میں لایا ہوں وہ میری قرابت کو قطع نہیں کرتا میں تم سے اس کے

قلت ابتغی علی الذی جئت به اجرا اخذہٗ علی ذلك منكم.

معاوضہ میں کچھ اُجرت نہیں لینا چاہتا۔

۲۳ حدثنی یونس قال اخبرنا ابن وهب قال اخبرنی سعید بن ابی ایوب عن عطاء بن دینار فی قوله قل لا اسئلكم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ قال كل قریش كانت بینها وبین رسول الله صلی الله علیه وسلم قرابة فقال قل لا اسئلكم علیه اجرا الا ان تودونی بالقرابة التی بینی وبینكم.

۲۳ مجھ سے یونس نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہمیں ابن وہب نے خبر دی وہ کہتے تھے مجھ سے سعید بن ابی ایوب نے عطاء بن دینار سے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق نقل کر کے بیان کیا کہ وہ کہتے تھے تمام قریش سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت تھی لہٰذا اللہ نے فرمایا کہ کہہ دیجئے میں تم سے تعلیم قرآن کا کچھ معاوضہ نہیں مانگتا مگر یہ کہ مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو میرے اور تمہارے درمیان میں ہے۔

وقال آخرون بل معنی ذلك قل لمن تبعك من المؤمنین لا اسئلكم علی ما جئتكم به اجرا الا ان تودوا اقرباتی.

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ ان مسلمانوں سے جو آپ کے پیرو ہیں کہہ دیجئے کہ جو دین میں لایا ہوں اس کا معاوضہ تم سے نہیں مانگتا مگر یہ کہ میرے قرابت والوں سے محبت کرو۔

ذكر من قال ذلك

کون لوگ اس کے قائل ہیں

حدثنی محمد بن عمارة قال ثنا اسمعیل بن ابان قال ثنا الصباح بن یحیی المری عن السدی عن ابی الدیلم قال لما جیئ بعلی بن الحسین رضی الله عنهما فاقیم علی درج دمشق قام رجل من اهل الشام فقال الحمد لله الذی قتلكم و

مجھ سے محمد بن عمارہ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے اسمٰعیل بن ابان نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے صباح ابن یحییٰ مری نے سدی سے انہوں نے ابو دیلم سے روایت کر کے بیان کیا وہ کہتے تھے جب علی بن حسین (زین العابدین) رضی اللہ عنہما قید ہو کر آئے اور دمشق کی سیڑھیوں پر کھڑے کیے گئے تو ایک شخص نے اہل شام میں سے کہا کہ خدا کا شکر ہے جس نے تم لوگوں کو

استاصلكم وقطع قرني الفتنة
فقال له علي بن الحسين
رضي الله عنه اقرأت القرآن قال
نعم قال اقرأت قل لا اسئلكم عليه
اجرا الا المودة في القربى قال
فانكم لانتم هم قال نعم.

قتل کرادیا اور تمہاری بیخکنی کر دی اور فتنہ کے دونوں سرے
کاٹ دیئے اس سے علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ
کیا تونے قرآن پڑھا ہے اُس نے کہا ہاں پھر کہا کیا تو
نے آل حم پڑھی ہے اس نے کہا میں نے قرآن تو پڑھا ۔
مگر آل حم نہیں پڑھی انہوں نے کہا کیا تونے یہ آیت
پڑھی ہے. قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی
القربیٰ اس نے کہا کیا قربیٰ تمہیں لوگ ہو انہوں نے
کہا ہاں۔

حدثنا ابو كريب قال ثنا مالك بن
اسمٰعيل قال ثنا عبد السلام قال
ثنا يزيد بن ابي زياد عن مقسم
عن ابن عباس قال قالت الانصار
فعلنا وفعلنا فكانهم فخروا فقال
ابن عباس او العباس شك
عبد السلام لنا الفضل عليكم فبلغ
ذلك رسول الله صلى الله عليه و
سلم فاتاهم في مجالسهم
فقال يا معشر الانصار الم تكونوا
اذلة فاعزكم الله بي قالوا بلى
يا رسول الله قال افلا تجيبوني قالوا
ما نقول يا رسول الله قال الا تقولون
الم يخرجك قومك فاويناك اولم
يكذبوك فصدقناك اولم

ہم سے ابوکریب نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے مالک
بن اسمٰعیل نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے عبد السلام نے
بیان کیا انہوں نے کہا ہم سے یزید بن ابی زیاد نے مقسم
سے انہوں نے ابن عباسؓ سے نقل کر کے بیان کیا کہ
انصار نے کہا ہم نے چنیں کیا چناں کیا وہ لوگ فخر کر
رہے تھے تو ابن عباسؓ نے یا عباسؓ نے کہا (یہ شک
عبد السلام کو ہوا ہے) کہ ہم کو تم پر فضیلت ہے یہ خبر رسول
خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ انصار کی مجلس میں گئے
اور فرمایا کہ اے گروہ انصار کیا تم ذلیل نہ تھے خدا نے
تمہیں میری سبب سے عزت دی انصار نے کہا ہاں
یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ کیا تم گمراہ نہ تھے خدا نے
تم کو میرے ذریعہ سے ہدایت کی انصار نے کہا ہاں۔
یا رسول اللہ آپ نے فرمایا تم لوگ مجھے جواب کیوں
نہیں دیتے انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم کیا جواب
دیں آپ نے فرمایا تم کیوں نہیں کہتے کہ آپ کو

ك ننصرناك قال فما
ول حتى جثوا على
عب وقالوا اموالنا وما في
ا لله ولرسوله قال
ذ قل لا اسئلكم عليه اجرا
ودة في القربى.

آپ کی قوم نے نکال دیا تھا ہم نے آپ کو جگہ دی لوگوں
نے آپ کی تکذیب کی ہم نے آپ کی تصدیق کی. لوگوں نے
آپ کا ساتھ نہ دیا ہم نے آپ کا ساتھ دیا. آپ اسی قسم
کے کلمات کہتے رہتے یہاں تک کہ وہ لوگ گھٹنوں کے
بل گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہمارے مال اور جو کچھ ہمارے
پاس ہے اللہ اور اس کے رسول کا ہے اسی پر یہ آیت
نازل ہوئی. قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔

ني يعقوب قال ثنا مروان
يحيى بن كثير عن
عالية عن سعيد بن جبير
له قل لا اسئلكم عليه اجرا
لمودة في القربى قال
ربى رسول الله صلى الله عليه
لم.

مجھ سے یعقوب نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے مروان
نے یحییٰ بن کثیر سے انہوں نے ابو العالیہ سے انہوں نے
سعید بن جبیر سے آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا
المودۃ فی القربیٰ کے متعلق روایت کرکے
بیان کیا انہوں نے کہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کی قرابت مراد ہے۔

ثني محمد بن عمارة الاسدي
محمد بن خلف قالا ثنا عبيد الله
اخبرنا اسرائيل عن ابي
ق قال سألت عمرو بن شعيب
قول الله عز وجل قل لا اسئلكم
ه اجرا الا المودة في القربى
قربى النبي صلى الله عليه
سلم. وقال اخرون بل معنى
ك قل لا اسئلكم ايها الناس

مجھ سے محمد بن عمارہ اسدی نے اور محمد بن خلف نے بیان
کیا وہ دونوں کہتے تھے ہم سے عبید اللہ نے بیان کیا وہ
کہتے تھے ہمیں اسرائیل نے ابو اسحق سے روایت کرکے
خبر دی وہ کہتے تھے میں نے عمرو بن شعیب سے اللہ
عزوجل کے قول قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ
فی القربیٰ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا! نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت مراد ہے۔

اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ معنی آیت کے
یہ ہیں کہ اے نبی کہہ دیجئے اے لوگو میں اس دین کے

على ما جئتكم به اجرا الا ان تودوا الى الله وتتقربوا بالعمل الصالح والطاعة۔

معاوضہ میں جو لایا ہوں کچھ اُجرت تم سے نہیں مانگتا سوا اس کے کہ عمل صالح اور اطاعت کے ذریعے اللہ سے محبت و تقرب حاصل کرو۔

ذكر من قال ذلك

کون لوگ اس کے قائل ہیں

حدثني علي بن داؤد ومحمد بن داؤد اخوه ايضا قالا ثنا عاصم بن علي قال ثنا قزعة بن سويد عن ابن ابي نجيح عن مجاهد عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قل لا اسئلكم على ما اتيتكم به من البينات والهدى اجرا الا ان تودوا الله وتتقربوا اليه بطاعته۔

مجھ سے علی بن داؤد نے اور ان کے بھائی محمد بن داؤد نے بھی بیان کیا وہ دونوں کہتے تھے ہم سے عاصم بن علی نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے قزعہ بن سوید نے ابن ابی نجیح سے انہوں نے مجاہد سے انہوں نے ابن عباسؓ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ (مطلب آیت کا یہ ہے کہ) کہہ دیجئے کہ میں جو بینات اور ہدایت لایا ہوں اس کے معاوضہ میں کچھ اُجرت نہیں مانگتا سوا اس کے کہ اللہ سے محبت اور تقرب پیدا کرو بذریعہ اس کی اطاعت کے۔

حدثنا ابن المثنى قال ثنا محمد بن جعفر قال ثنا شعبة عن منصور بن زاذان عن الحسن انه قال في هذه الآية قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى قال القربى الى الله۔

مجھ سے ابن مثنیٰ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن جعفر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے منصور بن زاذان سے انہوں نے حسن (البصری) سے اس آیت یعنی قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے معنی بیان کیے کہ اللہ کی طرف تقرب مراد ہے۔

حدثني يعقوب قال ثنا هشيم قال اخبرنا عوف عن الحسن في قوله قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى قال الا

مجھ سے یعقوب نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ہشیم نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہمیں عوف نے حسن (البصری) سے اللہ تعالیٰ کے قول قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق روایت کر کے خبر

التقرب الى الله والتودد بالعمل الصالح.

دی کہ اللہ کی طرف تقرب اور عمل صالح کے ذریعہ سے محبت پیدا کرنا مراد ہے۔

حدثنا بشر قال ثنا يزيد قال سعيد عن قتادة قال الحسن في قوله قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى الا ان تودوا الى الله فيما يقربكم اليه.

ہم سے بشر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے یزید نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے سعید نے قتادہ سے روایت کرکے بیان کیا وہ کہتے تھے کہ حسن (بصری) نے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق کہا کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ سے محبت پیدا کرو ان اعمال کے ذریعہ سے جو خدا سے تم کو مقرب کر دیں۔

وقال آخرون بل معنى ذلك الا ان تصلوا قرابتكم.

اور بعض لوگوں کا قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنی قرابت کا صلہ کرو۔

ذكر من قال ذلك

کون لوگ اس کے قائل ہیں۔

حدثنا بشر قال ثنا ابو عامر قال ثنا قرة عن عبد الله بن القاسم في قوله الا المودة في القربى قال امرت ان تصلوا قرابتكم.

ہم سے بشر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ابو عامر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے قرہ نے عبداللہ بن قاسم سے الا المودۃ فی القربیٰ کے معنی نقل کرکے بیان کیے کہ آپ نے فرمایا مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنی قرابت کا صلہ کرو۔

واولى الاقوال في ذلك بالصواب واشبهها بظاهر التنزيل قول من قال معناه قل لا اسئلكم عليه اجرا يا معشر قريش الا ان تودوني في قرابتي منكم وتصلوا رحمي بيني وبينكم وانما قلت هذا [illegible] بتاويل

مگر ان تمام اقوال میں سب سے زیادہ صحیح اور ظاہر قرآن کے مناسب اس شخص کا قول ہے جس نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ کہہ دیجئے کہ اے گروہ قریش میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا سوا اس کے کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو مجھے تم سے ہے اور اس قرابت کا صلہ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان

الآية لدخول في في قوله الا المودة في القربى. ولو كان معنى ذلك على ما قاله من قال الا ان تودوا قرابتي او تقربوا الى الله لم يكن لدخول في في الكلام وجه معروف ولكان التنزيل الا مودة القربى ان عنى به الامر بمودة قرابة رسول الله صلى الله عليه وسلم او الا المودة بالقربى او ذا القربى ان عنى به التودد والتقرب. وفي دخول في في الكلام اوضح الدليل على ان معناه الا مودتي في قرابتي منكم وان الالف واللام في المودة ادخلتا بدلا من الاضافة كما قيل فان الجنة هي المأوى وقوله الا في هذا الموضع استثناء منقطع ومعنى الكلام قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى فالمودة منصوبة على المعنى الذي ذكرت وقد كان بعض نحوي البصرة يقول هي منصوبة بمضمر من الفعل بمعنى الا ان اذكر مودة قرابتي.

میں ہے میں نے جو کہا کہ یہ معنی تفسیر آیت سے زیادہ مناسب ہیں اس کی وجہ ہے کہ الا المودة فی القربی میں فی کا لفظ ہے اور اگر معنی اس کے وہ ہوتے جو کسی نے بیان کیئے ہیں کہ میرے اہل قرابت سے محبت کرو یا اللہ سے تقرب حاصل کرو تو کلام میں لفظ فی کے داخل ہونے کی کوئی عمدہ وجہ نہیں ہو سکتی اور عبارت یوں ہوتی الا مودة القربی اگر اس سے مراد قرابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوتی یا الا المودة بالقربی یا ذا القربی ہوتی اگر مراد اس سے تقرب الہی ہوتا لفظ فی کا کلام میں داخل ہونا بہت واضح دلیل اس بات کی ہے کہ معنی اس کے یہی ہیں کہ مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو مجھے تم سے ہے اور المودة میں الف لام بعوض مضاف الیہ کے ہے جیسا کہ کہا گیا ہے فان الجنة هی المأوی میں ہوا ہے اور الا اس مقام میں استثنائے منقطع ہے اور مطلب کلام کا یہ ہے کہ اے نبی کہہ دیجیئے میں تم سے تبلیغ قرآن پر کچھ اجرت نہیں مانگتا لیکن تم سے درخواست کرتا ہوں بوجہ قرابت کے مجھ سے محبت کرو پس لفظ مودة اس مطلب کے اعتبار سے منصوب ہے اور بصرہ کے بعض نحوی کہتے تھے کہ وہ منصوب ہے ایک فعل مضمر سے یعنی میں تم کو اپنی قرابت کی محبت یاد دلاتا ہوں۔

ف اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ اہلسنت نے آیت کے وہی معنی اختیار کیئے

ہیں۔ جو النجم میں لکھے گئے تھے۔ اور اس کے سوا دوسرے معانی غیر مختار و ناقابل التفات ہیں۔ بوجوہ ذیل:

اوّل یہ کہ روایاتِ صحیحہ میں اکابر مفسرین سے وہی معنی منقول ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری سے منقول ہوا۔

دوم یہ کہ امام طبری نے اس معنی کو سب سے پہلے لکھا۔

سوم یہ کہ اکابر ائمہ تفسیر سے وہی معنی نقل فرمائے۔

چہارم یہ کہ اخیر میں خود مفسر نے صاف تصریح اور واضح فیصلہ اس بات کا کر دیا ہے کہ مودت سے مراد رسول ہے اور استثنار منقطع ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ یہی قول اُولے اور عبارت قرآن کے مناسب ہے۔ لہٰذا النجم میں جو لکھا گیا تھا کہ اہلسنت کا یہ قول ہے وہ بالکل واضح ہو گیا۔ امام ابن جریر طبری کی سب سے قدیم تفسیر ہے۔

پنجم یہ کہ سوا قول اوّل کے اور کوئی روایت قوی نہیں ہے۔

(۳) امام بغوی تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں۔

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی۔ اخبرنا عبد الواحد بن احمد الملیحی انا احمد بن عبد اللہ النعیمی انا محمد بن یوسف ثنا محمد بن اسمٰعیل ثنا محمد بن بشار ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبۃ عن عبد الملك بن میسرۃ قال سمعت طاؤسا عن ابن عباس انہ سئل عن قولہ الا المودۃ فی القربی فقال سعید بن جبیر قربی آل	قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی۔ ہمیں عبد الواحد بن احمد ملیحی نے خبر دی وہ کہتے تھے ہمیں احمد بن عبد اللہ نعیمی نے خبر دی وہ کہتے تھے ہمیں محمد بن یوسف نے خبر دی وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن اسمٰعیل (بخاری) نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن جعفر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے عبد الملک بن میسرہ سے نقل کر کے بیان کیا وہ کہتے تھے میں نے طاؤس سے سُنا وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے تھے کہ اُن سے المودۃ فی القربی کا مطلب پوچھا گیا تو سعید بن جبیرؓ نے کہا کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت مند مراد ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقال
ابن عباس عجلت ان النبی صلی
اللہ علیہ وسلم لم یکن بطن من
قریش الا کان لہ فیہم قرابۃ فقال
الا ان تصلوا ما بینی وبینکم من القرابۃ
وکذلک روی الشعبی وطاؤس عن
ابن عباس قال ان المودۃ فی القربیٰ
یعنی ان تحفظوا قرابتی وتودونی و
تصلوا رحمی الیہ ذہب مجاہد و
قتادۃ وعکرمۃ ومقاتل والسدی
والضحاک وقال عکرمۃ لا اسئلکم
علی ما ادعوکم الیہ اجرا الا ان
تحفظونی وقرابتی بینی وبینکم و
لیس کما یقول الکذابون۔ وروی
ابن ابی نجیح عن مجاہد عن ابن
عباس فی معنی الآیۃ الا ان تودوا
اللہ تتقربوا الیہ بالطاعۃ والعمل
الصالح۔ وقال بعضہم معناہ الا ان
تودوا قرابتی وعترتی وتحفظونی
فیہم وہو قول سعید بن جبیرؓ و
عمرو بن شعیب واختلفوا فی قرابتہ
قیل ہم فاطمۃ الزہراؓ وعلیؓ و
ابناہماؓ وفیہم نزول انما یرید اللہ

ابن عباسؓ نے کہا تم نے عجلت سے کام لیا (یہ مطلب
نہیں ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کے ہر خاندان
سے قرابت تھی لہذا فرمایا کہ اس قرابت کا صلہ کرو
جو میرے اور تمہارے درمیان میں ہے۔ اور اسی قسم
کی روایت شعبی اور طاؤس نے بھی ابن عباسؓ سے
نقل کی ہے کہ مودۃ فی القربیٰ کا مطلب یہ ہے کہ میری
قرابت کا لحاظ کرو اور مجھ سے محبت کرو اور میرے
ساتھ صلہ رحمی کرو۔ یہی قول مجاہد اور قتادہ اور عکرمہ
اور مقاتل اور سدی اور ضحاک کا ہے اور عکرمہ نے
کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ میں جو تعلیم تم کو دیتا ہوں
اس کی کچھ اجرت تم سے نہیں مانگتا سوا اس کے
کہ میری حفاظت کرو اور میرے تمہارے درمیان
میں قرابت قائم ہے جھوٹ بولتے ہیں جو کہتے
ہیں (کہ قرابت جاتی رہی) یہ غلط ہے۔ اور ابن ابی
نجیح نے مجاہد سے انہوں نے ابن عباسؓ سے اس
آیت کے معنی میں روایت کی ہے کہ اللہ سے محبت
کرو اور عبادت اور عمل صالح کے ذریعہ سے اس
کا تقرب حاصل کرو۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے
کہ مطلب یہ ہے کہ میری قرابت اور عترت سے
محبت کرو اور ان کے بارہ میں میرا خیال رکھو۔ یہی قول
ہے سعید بن جبیرؓ اور عمرو بن شعیب کا۔ اور آپ کے
اہل قرابت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض
نے فاطمہ زہراؓ اور علیؓ اور ان کے دونوں صاحبزادوںؓ کو بیان

ذهب عنكم الرجس اهل البيت
رويناعن يزيد بن حيان
ن زيد ابن ارقم عن النبي
صلى الله عليه وسلم قال اني
ارك فيكم الثقلين كتاب الله
اهل بيتي اذكركم الله في اهل
بيتي قيل لزيد بن ارقم
من اهل بيته قال هم ال عليؓ
وال عقيلؓ وال جعفرؓ وال عباسؓ.
اخبرنا عبد الواحد المليحي
انا احمد بن عبد الله
النعيمي انا محمد بن يوسف ثنا
محمد بن اسمٰعيل ثنا عبدالله
بن عبد الوهاب ثنا خالد ثنا شعبة
عن واقد قال سمعت ابي
يحدث عن ابن عمر عن ابي بكر
قال ارقبوا محمدا في اهل
بيته وقيل هم الذين تحرم
عليهم الصدقة من اقاربه
ويقسم فيهم الخمس وهم بنو هاشم
وبنو المطلب الذين لم يفترقوا
في جاهلية ولا في اسلام
وقال قوم هذه الاية منسوخة

کیا ہے اور انہیں کے حق میں یہ آیت اُتری ہے "انما
یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت"
اور ہم سے بحوالہ یزید بن حیان بیان کیا گیا وہ زید ابن
ارقمؓ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے
تھے کہ آپ نے فرمایا میں تم میں دو گراں قدر چیزیں
چھوڑتا ہوں کتاب خدا اور اپنے اہلبیت تم کو خدا
کی یاد دلاتا ہوں اپنے اہلبیت کے بارے میں زید بن
ارقمؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کے اہلبیت کون ہیں انہوں
نے کہا علیؓ اور عقیلؓ اور جعفرؓ اور عباسؓ کی آل ہمیں عبدالواحد
ملیحی نے خبر دی وہ کہتے تھے ہمیں احمد بن عبداللہ نعیمی نے
خبر دی وہ کہتے تھے ہمیں محمد بن یوسف نے خبر دی وہ
کہتے تھے ہم سے محمد بن اسمٰعیل نے بیان کیا وہ کہتے
تھے ہم سے عبداللہ بن عبدالوہاب نے بیان کیا وہ
کہتے تھے ہم سے خالد نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم
سے شعبہ نے واقد سے نقل کر کے بیان کیا وہ کہتے
تھے میں نے اپنے والد سے سنا وہ ابن عمرؓ سے وہ حضرت
ابوبکرؓ سے روایت کرتے تھے کہ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کا خیال رکھو ان کے اہلبیت کے بارے میں
اور بعض کا قول ہے کہ اہل قرابت وہ لوگ ہیں جن پر
صدقہ حرام ہے جن کو خمس ملتا ہے اور وہ بنی ہاشم اور
بنی مطلب ہیں جن میں کبھی جدائی نہیں ہوئی نہ جاہلیت
میں نہ اسلام میں۔ اور ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ
آیت منسوخ ہے۔ مکہ میں نازل ہوئی تھی مشرکین رنجیدہ

وانما انزلت بمكة وكان المشركون يؤذون رسول الله صلى الله عليه وسلم فانزل الله هذه الآية فامرهم فيها بمودة رسول الله صلى الله عليه وسلم وصلة رحمه فلما هاجر الى المدينة وآواه انصار ونصروه احب الله عزوجل ان يلحقه باخوانه من الانبياء عليهم السلام حيث قال وما اسئلكم عليه من اجر ان اجري الا على رب العلمين فانزل الله تعالى قل لا اسئلكم عليه اجرا قل ما سئلتكم من اجر فهو لكم ان اجري على الله فهي منسوخة بهذه الآية و بقوله قل ما اسئلكم عليه من اجر وما انا من المتكلفين وغيرها من الآيات والى هذا ذهب الضحاك بن مزاحم والحسين بن الفضل وهذا قول غير مرضي لان مودة النبي صلى الله عليه وسلم وكف الاذى عنه ومودة اقاربه والتقرب الى الله بالطاعة والعمل الصالح من فرائض الدين وهذه اقاويل

صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے تھے پس اللہ نے یہ آیۃ اتاری اور ان کو اس آیت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے صلہ رحم کا حکم دیا پھر آپ ہجرت کر کے مدینہ آئے اور انصار نے آپ کو جگہ دی آپ کی مدد کی تو اللہ کو منظور ہوا کہ آپ کو آپ کے بھائیوں یعنی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملا دے کیوں کہ اور انبیاء کے متعلق فرمایا کہ میں تم سے اس پر کچھ اُجرت نہیں مانگتا میری اُجرت رب العالمین کے ذمہ ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سے تبلیغ رسالت کی کچھ اُجرت نہیں مانگتا کہہ دیجئے کہ اگر میں نے کچھ اُجرت مانگی ہو تو تمہیں کو مبارک رہے میری اُجرت اللہ کے ذمہ ہے پس آیت مودۃ ان آیات سے اور نیز اس آیت سے کہ اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سے کچھ اُجرت نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والوں سے نہیں ہوں اور اسی قسم کی دوسری آیات سے منسوخ ہے یہی مذہب ہے ضحاک بن مزاحم اور حسین بن فضل کا۔ مگر یہ بات پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا اور آپ کو تکلیف نہ دینا اور آپ کے اقارب سے محبت کرنا اور بذریعہ عبادت اور عمل صالح کے اللہ سے تقرب حاصل کرنا دین کے فرائض میں سے ہے اور یہ اقوال سلف کے اس آیت کے متعلق موجود ہیں پس ان چیزوں میں سے کسی کو منسوخ

السلف فی معنی الآیة فلا یجوز المصیر
الی نسخ شئ من هذه الاشیاء. و
قوله الا المودة فی القربی لیس
باستثناء متصل بالاول حتی یکون
ذلك اجرا فی مقابلة اداء الرسالة
بل هو منقطع ومعناه ولکنی اذکرکم
المودة فی القربی واذکرکم المودة قرابتی
منکم کما روینا فی حدیث زید بن ارقم
اذکرکم الله فی اهل بیتی.

کہنا جائز نہیں۔ اب رہا الا المودة فی القربیٰ
یہ استثنائے متصل نہیں ہے۔ تاکہ یہ چیز بمقابلہ تبلیغ
رسالت کے اُجرت کہی جائے۔ بلکہ یہ استثنائے
منقطع ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ میں تمہیں
مودة فی القربیٰ کی یاد دلاتا ہوں اور جو قرابت مجھے
تم سے ہے اس کی محبت یاد دلاتا ہوں جیسا کہ زید
بن ارقمؓ کی حدیث ہم سے بیان کی گئی ہے کہ میں اپنے
اہلبیت کے بارے میں تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں۔

ف۔ امام بغویؒ نے بھی سب سے پہلے اسی قول کو نقل کیا ہے جو اہلسنت کا مختار ہے اور ابن عباسؓ کے اجلہ تلامذہ سے منقول ہے اور آخر میں کس تصریح اور وضاحت کے ساتھ اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ الا المودة استثنائے منقطع ہے اور یہ اجر رسالت نہیں ہے۔ باوجود ان تصریحات کے ایڈیٹر اصلاح کا یہ کہنا کہ جمیع مفسرین اس کو اجر رسالت کہتے ہیں۔ کس قدر حیرت انگیز ہے۔

(۴) امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر میں رقم فرماتے ہیں:۔

واعلم انه تعالی لما اوحی الی
محمد صلی الله علیه وسلم هذا الکتاب
الشریف العالی واودع فیه ثلاثة
اقسام الدلائل واصناف التکالیف
ورتب علی الطاعة الثواب وعلی
المعصیة العقاب بین انی لا اطلب
منکم بسبب هذا التبلیغ نفعا عاجلا
ومطلوبا حاضرا لئلا یتخیل جاهل

جاننا چاہیئے کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر یہ
کتاب بزرگ بلند رتبہ نازل ہوئی اور اس میں تینوں
قسم کی دلیلیں اور طرح طرح کے احکام بیان کیے
گئے اور فرمانبرداری پر ثواب اور نافرمانی کا عذاب
کا نتیجہ رکھا گیا تو یہ بیان کیا گیا کہ میں تم سے اس تبلیغ
کے سبب سے کوئی فوری اور کوئی وقتی مقصد نہیں
مانگتا تاکہ کوئی جاہل یہ خیال نہ کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کا مقصود اس تبلیغ سے مال اور جاہ ہے۔ اس لیے

ان مقصود محمد صلی الله علیه وسلم من هٰذا التبلیغ المال والجاه فقال قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی. وفیه مسائل.

فرمایا کہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی۔ اور اس میں کئی مسئلے ہیں۔

المسئلة الاولی. ذکر الناس فی هٰذه الآیة ثلاثة اقوال الاول قال الشعبی اکثر الناس علینا فی هٰذه الآیة فکتبنا الی ابن عباس رض نسأله عن ذٰلک فکتب ابن عباس رض ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان واسط النسب من قریش لیس بطن من بطونهم الا وقد ولده فقال الله قل لا اسئلکم علی ما ادعوکم الیه اجرا الا ان تودونی لقرابتی منکم والمعنی انکم قومی و احق من اجابنی واطاعنی فاذا قد ابیتم ذٰلک فاحفظوا حق القربی ولا تؤذونی ولا تهیجوا علی.

والقول الثانی روی الکلبی عن ابن عباس رضی الله عنهما قال ان النبی صلی الله علیه وسلم لما قدم المدینة کانت تعروه نوائب وحقوق ولیس فی یده سعة فقال الانصار ان

پہلا مسئلہ لوگوں نے اس آیت کے متعلق تین قول بیان کیے ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ شعبی نے کہا لوگوں نے ہم سے اس آیت کے متعلق بکثرت پوچھا تو ہم نے ابن عباسؓ کو خط لکھ کر اس کے متعلق دریافت کیا۔ ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں متوسط النسب تھے۔ کوئی خاندان قریش میں ایسا نہ تھا جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو، لہٰذا اللہ نے فرمایا کہ کہدیجیے میں تم سے اس دعوتِ دین کی اُجرت نہیں مانگتا سوا اس کے کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو مجھے تم سے ہے مطلب یہ کہ تم میری قوم کے لوگ ہو اور میری اطاعت و فرمانبرداری کے زیادہ مستحق ہو لیکن تم اس کو نہیں مانتے حق قرابت کا لحاظ کرو مجھے ایذا نہ دو میرے اُوپر لوگوں کو برانگیختہ نہ کرو۔

دوسرا قول کلبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اُنہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ کو حاجتیں اور حقوق پیش آتے تھے اور آپ کو وسعت نہ تھی لہٰذا انصار نے باہم مشورہ کیا کہ تم کو خدا نے

رجل قد هداكم الله على يده
ن اختكم وجاركم في بلدكم
اله طائفة من اموالكم
ثم اتوه به فرده عليهم
قوله تعالى قل لا اسئلكم
جرا اى على الايمان الا ان
اقاربي فحثهم على مودة
ه.

لثالث ما ذكره الحسن قال
تودوا الى الله فيما يقربكم اليه
ودد اليه بالعمل الصالح
على القول الاول القرابة
ب بمعنى الرحم وعلى الثاني
ة التى هى بمعنى الاقارب و
الث هى فعلى من القرب والتقرب
يل الآية مشكلة وذلك
لب الاجرة على تبليغ الوحي
ـ ويدل عليه وجوه الاول
الـ حكى عن اكثر
ء عليهم السلام انهم صرحوا
لب الاجرة فذكر في
وح عليه السلام وما اسئلكم
ن اجر ان اجري الا

آپ کے ہاتھ پر ہدایت دے اور وہ تمہارے بھانجے اور پڑوسی ہیں، تمہارے شہر میں رہتے ہیں لہٰذا اُن کے لیئے کچھ مال جمع کرو، چنانچہ انہوں نے جمع کیا اور وہ مال لے کر آپ کے پاس آئے آپ نے واپس کر دیا۔ اسی پر قل لا اسئلکم علیہ اجرا نازل ہوئی یعنی ایمان کے عوض میں اُجرت نہیں مانگتا۔ مگر یہ کہ میرے اقارب سے محبت کرو پس آپ نے اپنے اقارب کی محبت پر اُن کو ترغیب دی۔

تیسرا قول وہ ہے جو حسن (بصری) نے ذکر کیا کہ اللہ سے محبت کرو جو اعمال تمہیں اللہ سے مقرب کر دیں وہ اختیار کرو۔ پس قول اوّل کے موافق قربیٰ بمعنی قرابت و رحم ہے اور قول دوم کی بنا پر قربیٰ بمعنی اقارب ہے اور قول سوم کی بنا پر قربیٰ بروزن فعلی نزدیک ہونے اور نزدیکی حاصل کرنے کے معنی میں ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس آیت میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اُجرت مانگنا تبلیغ وحی پر جائز نہیں ہے اور اس کے بہت دلائل ہیں۔ اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اکثر انبیاء علیہم السلام کے متعلق بیان کیا ہے کہ انہوں نے طلب اُجرت کی نفی صاف صاف کی نوح علیہ السلام کے قصہ میں بیان کیا کہ انہوں نے کہا وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین اور ایسا ہی ہود اور

على رب العلمين وكذا في قصة
هود وصالح وفي قصة لوط وشعيب
عليهم السلام ورسولنا افضل من
سائر الانبياء عليهم السلام فكان
بان لا يطلب الاجر على النبوة و
الرسالة اولى والثاني انه صلى الله
عليه وسلم صرح بنفي طلب الاجر في
سائر الآيات فقال قل ما سألتكم
من اجر فهو لكم وقال قل ما اسئلكم
عليه من اجر وما انا من
المتكلفين۔ والثالث العقل يدل
عليه وذلك لان ذلك التبليغ كان
واجبا عليه قال تعالى بلغ ما انزل
اليك من ربك وان لم تفعل فما بلغت
رسالته وطلب الاجر على اداء
الواجب لا يليق با قل الناس فضلاً
عن اعلم العلماء الرابع ان النبوة
افضل من الحكمة وقد قال تعالى
في صفة الحكمة ومن يؤت الحكمة
فقد اوتي خيرا كثيرا وقال في
صفة الدنيا قل متاع الدنيا
قليل فكيف يحسن في العقل
مقابلة اشرف الاشياء باخس الاشياء۔

صالح اور لوط وشعیب علیہم السلام کے قصوں میں بیان
کیا اور ہمارے رسول تمام انبیاء سے افضل ہیں پس
وہ نبوت و رسالت کے معاوضہ میں اُجرت نہ مانگنے
کے زیادہ مستحق ہیں۔ دوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و
سلم نے بھی اُجرت مانگنے کی نفی بہت سی آیات
میں کی ہے۔ قل ما سألتکم من اجر فهو لکم اور
قل ما اسئلکم علیہ من اجر وما
انا من المتکلفین۔

سوم یہ کہ عقل بھی اسی کو چاہتی ہے کیونکہ تبلیغ آپ پر
واجب تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے نبی پہنچا دو
جو کچھ تجھ پر تیرے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا
ہے اور اگر تو نہ کرے گا تو تو نے رسالت خدا نہ ادا
کی اور امر واجب کے معاوضہ میں اُجرت مانگنا ادنیٰ
شخص کے لیئے نازیبا ہے چہ جائیکہ اعلم العلماء۔ چہارم
یہ کہ نبوت حکمت سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ حکمت
کی صفت میں کہا ہے کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو
خیر کثیر ملا اور دنیا کے بارے میں فرمایا ہے کہ دنیا کا
سامان تھوڑا ہے۔ پس عقل کے نزدیک یہ بات کیونکر
اچھی ہو سکتی ہے کہ اشرف چیز کا معاوضہ ارذل
چیز کے ساتھ کیا جائے۔

ں ان طلب الاجر کان یوجب
ۃ وذلك ینافی القطع بصحۃ
فثبت بھذہ الوجوہ انہ لا
ن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ب اجرا البتۃ علی التبلیغ
لۃ وظاھر ھذہ الایۃ یقتضی انہ
جرا علی التبلیغ والرسالۃ وھو
ی القربیٰ. ھذا تقریر السؤال. و
ں عنہ انہ لانزاع فی انہ لا
طلب الاجر علی التبلیغ والرسالۃ
ہ الا المودۃ فی القربیٰ نقول
ں عنہ من وجھین الاول ان ھذا
ب قولہ۔

پنجم یہ کہ طلب اُجرت تہمت کو واجب کرتی ہے۔ اور یہ منافی ہے صحت نبوت کے یقین کو پس ان دلائل سے ثابت ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے طلب اُجرت تبلیغ رسالت کے معاوضہ میں یقیناً جائز نہیں حالانکہ اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تبلیغ رسالت پر اجرت طلب کی اور وہ مودت فی القربیٰ ہے۔ یہ تقریر اعتراض کی ہے اور جواب اس کا یہ ہے کہ اس میں کچھ نزاع نہیں کہ تبلیغ رسالت کے معاوضہ میں اُجرت کو طلب کرنا جائز نہیں باقی رہا یہ کلام الا المودۃ فی القربیٰ اس کا جواب ہم دو طرح دیں گے۔ اول یہ کہ کلام مثل اس شعر کے ہے۔

عیب فیھم غیر ان سیوفھم
ا من قراع الدارعین فلول
انا لا اطلب منکم الا ھذا وھذا
یقۃ لیس اجرا لان حصول المودۃ
سلمین امر واجب قال تعالیٰ و
ون والمؤمنٰت بعضھم اولیاء بعض و
لی اللہ علیہ وسلم المؤمنون کالبنیان
بعضھم بعضا والایات والاخبار فی
الباب کثیرۃ واذا کان حصول المودۃ
مھور المسلمین واجبا فحصولھا فی

مطلب یہ کہ میں تم سے سوا اس کے کچھ اُجرت طلب نہیں کرتا اور یہ فی الحقیقت اُجرت نہیں ہے کیونکہ عام طور پر باہم مسلمانوں میں محبت کا ہونا ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان مثل عمارت کے ہیں کہ بعض سے بعض کو مضبوطی ہوتی ہے۔ آیتیں اور حدیثیں اس بارے میں بہت ہیں اور جب کہ عام طور پر مسلمانوں میں باہم محبت کا ہونا ضروری ہے تو اشرف المسلمین

حق اشرف المسلمین واکابرھم اولی و قوله تعالیٰ قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ تقدیرہ والمودة فی القربیٰ لیست اجرا فرجع الحاصل الی انه لا اجرالبتة۔ والوجه الثانی فی الجواب ان هذا استثناء منقطع وتم الکلام عند قوله قل لا اسئلکم علیه اجرا ثم قال الا المودة فی القربیٰ ای لکن اذکرکم قرابتی منکم وکانه فی اللفظ اجر ولیس باجر۔

اور اکابر مسلمین میں باہم محبت کا ہونا بذریعہ اولیٰ ضروری ہوگا اور آیہ قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ کی تقدیر یہ ہوگی کہ مودت فی القربےٰ اُجرت نہیں ہے۔ پس حاصل اس جواب کا یہ ہوا کہ مودت فی القربیٰ یقیناً اجر رسالت نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے استثنا منقطع ہے۔ قل لا اسئلکم علیه اجرا پر کلام ختم ہوگیا۔ پھر جو فرمایا الا المودة فی القربیٰ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں اپنی قرابت یاد دلاتا ہوں پس کہنے میں تو اجر ہے۔ مگر درحقیقت اجر نہیں ہے۔

ف۔ امام رازیؒ کی اس تفسیر کو دیکھو کہ کس طرح انہوں نے اس قول مردود کو کہ مودت قربیٰ سے اہلبیت رسول کی محبت مراد ہے اور یہ کہ محبت اہلبیت اجر رسالت ہے باطل کیا ہے اور اس کے بعد ایڈیٹر اصلاح کی دلیری کی داد دینا چاہیئے کہ کس بیباکی سے انہوں نے لکھ دیا کہ تمام مفسرین اہلسنت نے اسی قول مردود کو لکھا ہے اور کسی نے اس کے خلاف لکھا ہی نہیں اس دلیری کی واقعی کوئی حد نہیں ہے۔

⑤ علامہ ابوسعود اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں

قل لا اسئلکم علیه روی انه اجتمع المشرکون فی مجمع لهم فقال بعضهم لبعض اترون محمدا یسأل علی ما یتعاطاہ اجرا فنزلت ای لا اطلب منکم علی ما انا علیه من التبلیغ والبشارة اجرا نفعا الا المودة فی القربیٰ ای الا ان تودونی لقرابتی

اسئلکم علیه۔ روایت ہے کہ مشرکین اپنی ایک مجلس میں جمع ہوئے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ محمد اس تعلیم کے معاوضہ میں کچھ اجرت طلب کرتے ہیں۔ پس یہ آیت اتری کہ میں جو تبلیغ و بشارت تم کو دیتا ہوں اس کی اجرت یعنی کوئی نفع نہیں مانگتا سوا مودة فی القربیٰ کے یعنی سوا اس کے کہ تم مجھ سے محبت

نکم او تودد را اهل قرابتی وقیل
ستثناء منقطع والمعنی لا اسئلکم
برا قط ولکن اسئلکم المودة وفی
القربی حال منها ای الا المودة ثابتة
القربی متمکنة فی اهلها او فی حق القرابة
القربی مصدر کالزلفی بمعنی القرابة
دی انها لما نزلت قیل یا رسول اللہ
ن قرابتك هؤلاء الذین وجبت علینا
مودتهم قال علیؓ وفاطمةؓ و
بناهماؓ وعن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم حرمت الجنة علی من
ظلم اهل بیتی واذانی فی عترتی
ومن اصطنع صنیعة الی احد من
ولد عبد المطلب ولم یجازه فانا
اجازیه علیها غدا اذا القینی یوم
القیمة وقیل القربی التقرب الی
اللہ ای الا ان تودوا اللہ
ورسوله فی تقربکم الیه بالطاعة
والعمل الصالح وقری الا مودة فی
القربی۔

کرو بوجہ قرابت کے جو مجھے تم سے ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ استثناء منقطع ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں تم سے کچھ اُجرت ہرگز نہیں مانگتا لیکن محبت چاہتا ہوں اور (ترکیب نحوی میں) فی القربیٰ حال ہوگا یعنی وہ محبت جو قربیٰ میں ہو اور اہل قرابت میں پائی جائے اور بوجہ قرابت کے پائی جائے۔ قربیٰ مصدر ہے مثل زلفیٰ کے یعنی قرابت روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو کہا گیا کہ یا رسول اللہؐ آپ کے قرابت والے کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے۔ آپؐ نے فرمایا علیؓ و فاطمہؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جنت اس شخص پر حرام ہے جو میرے اہلبیت پر ظلم کرے اور میری عترت کے متعلق مجھے ایذا دے اور جو شخص اولاد عبدالمطلب میں سے کسی کے ساتھ کوئی حرکت کرے اور وہ اس کا انتقام نہ لے تو میں کل اس کا انتقام لوں گا جب وہ قیامت میں مجھ سے ملے گا۔ اور کہا گیا ہے کہ قربیٰ یعنی تقرب الی اللہ کے ہے یہ مطلب یہ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرو بذریعہ عبادت اور عمل صالح کے اللہ سے تقرب حاصل کرو اور ایک قرأت میں الا مودة فی القربیٰ ہے۔

ف۔ علامہ ابوسعودؒ نے بھی سب سے پہلے وہی قول مخدوش نقل کیا اور استثناء کا منقطع ہونا بیان کر دیا اس کے بعد وہ قول مردود نقل کیا ہے۔ مگر بصیغہ تمریض جس سے اس کا ضعف

ظاہر ہے اور وہ کیوں کر اس کے خلاف کر سکتے تھے۔ اہلسنت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ رسالت کی اُجرت نہیں لیتے۔ ایڈیٹر اصلاح کی دلیری اور بے شرمی قابل آفرین و صد آفرین جو وہ کہتے ہیں کہ تمام تفسیروں میں سوا اس قول مردود کے اور کوئی قول نہیں۔

۴ تفسیر خازن میں ہے:۔

قوله عزوجل قل لا اسئلكم عليه اي على تبليغ الرسالة اجرا اي جزاء الا المودة في القربى (خ) عن ابن عباس رضي الله عنهما انه سئل عن قوله الا المودة في القربى فقال سعيد بن جبير قربى آل محمد صلى الله عليه وسلم قال ابن عباسؓ عجلت ان النبي صلى الله عليه وسلم لم تكن بطن من قريش الا وله فيهم قرابة فقال الا ان تصلوا ما بيني وبينكم من القرابة وعن ابن عباسؓ ايضاً في قوله الا المودة في القربى يعني ان تحفظوا قرابتي وتودوني وتصلوا رحمي واليه ذهب مجاهد وقتادة وعكرمة ومقاتل والسدي والضحاك (خ) عن ابن عمر ان ابا بكرؓ قال ارقبوا محمدا صلى الله عليه وسلم في اهل بيته۔

(ثم بعد ان ذكر الاختلاف في معنى اهل البيت)۔

قولہ عزوجل قل لا اسئلکم علیہ۔ یعنی تبلیغ رسالت پر میں تم سے کچھ اُجرت یعنی معاوضہ نہیں مانگتا سوا مودت فی القربیٰ کے بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اُن سے الا المودۃ فی القربیٰ کا مطلب پوچھا گیا تو سعید بن جبیرؒ نے کہا کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں ابن عباسؓ نے کہا تم نے (جواب میں) عجلت کی (اصل یہ ہے کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت قریش کے ہر خاندان سے تھی لہذا آپ نے فرمایا جو قرابت میرے اور تمہارے درمیان میں ہے اس کا صلہ کرو۔ نیز ابن عباسؓ سے الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق مروی ہے کہ تم میری قرابت کی حفاظت کرو، اور مجھ سے محبت کرو اور میرا صلہ رحم کرو یہی مذہب مجاہدؒ اور قتادہؒ اور عکرمہؓ اور مقاتل اور سدی اور ضحاک کا ہے۔ بخاری میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال اُن کے اہلبیت کے بارے میں رکھو۔

پھر اہلبیت کے معنی میں اختلافات نقل کر کے کہتے ہیں:۔

فان قلت طلب الاجر علی تبلیغ الرسالۃ
والوحی لا یجوز لقولہ فی قصۃ نوح علیہ
السلام وغیرہ من الانبیاء وما اسئلکم
علیہ من اجر ان اجری الا علی رب
العلمین قلت لا نزاع فی انہ لا یجوز طلب
الاجر علی تبلیغ الرسالۃ بقی الجواب
عن قولہ الا المودۃ فی القربی فالجواب
عنہ من وجہین الاول معناہ لا اطلب
منکم الا ھذا وھذا فی الحقیقۃ لیس
باجر ومنہ قول الشاعر ؎

ولا عیب فیھم غیر ان سیوفھم
بھن فلول من قراع الکتائب

معناہ اذا کان ھذا عیبھم بل ھو مدح
فیھم ولان المودۃ بین المسلمین امر
واجب واذا کان کذلک فی حق جمیع
المسلمین کان فی اھل بیت النبی صلی
اللہ علیہ وسلم اولی فقولہ قل لا
اسئلکم علیہ من اجر الا المودۃ فی القربی
لیست اجرا فی الحقیقۃ لان قرابتہ
قرابتھم فکانت مودتھم وصلتھم لازمۃ
لھم فثبت ان لا اجر البتۃ۔ والوجہ
الثانی ان ھذا الاستثناء منقطع وتم
الکلام عند قولہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا

اگر تم کہو کہ تبلیغ رسالت اور وحی پر اُجرت لینا جائز نہیں کیونکہ نوح علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے قصوں میں ہے کہ میں تم سے اس کی کچھ اُجرت نہیں مانگتا میری اُجرت رب العالمین کے ذمہ ہے تو میں کہوں گا کہ اس میں کچھ نزاع نہیں ہے کہ تبلیغ رسالت پر اُجرت طلب کرنا جائز نہیں۔ باقی رہا الا المودۃ فی القربیٰ کا جواب وہ دو طرح پر ہے۔ اول یہ کہ مطلب یہ ہو کہ میں تم سے صرف یہ چیز مانگتا ہوں اور یہ چیز فی الحقیقت اُجرت نہیں ہے جیسا کہ ایک شاعر کا کلام ہے۔

مطلب اس شعر کا یہ ہوا کہ جب اُن کا یہ عیب ہوا تو عیب نہیں۔ بلکہ ان کی مدح ہے اور اس لیئے کہ مسلمانوں میں باہم محبت ایک واجب چیز ہے۔ اور عام طور پر مسلمانوں میں محبت ضروری ہے تو اہلبیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اولیٰ پس قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ میں اُجرت فی الحقیقت اُجرت نہیں ہے کیوں کہ آپ کی قرابت اُن کی بھی قرابت تھی۔ پس آپ کی قرابت سے محبت رکھنا اور ان کا صلہ کرنا ان پر لازم تھا پس ثابت ہوا کہ یہ یقیناً اجرت نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ استثناء منقطع ہے۔ اور قل لا اسئلکم علیہ اجرا پر کلام تمام ہو گیا پھر نیا کلام شروع کرکے فرمایا المودۃ فی القربیٰ یعنی میں تمہیں یاد دلاتا

ثم ابتدا فقال الا المودة فی القربی ای لکن اذکرکم المودة فی قرابتی الذین هم قرابتکم فلا توذوهم وقیل ان هذه الآیة منسوخة وذلك لانها نزلت بمكة وکان المشرکون یوذون رسول الله صلی الله علیه وسلم فانزل الله تعالیٰ هذه الآیة فامرهم فیها بمودة رسول الله صلی الله علیه وسلم وصلة رحمه فلما هاجر الی المدینة واواه الانصار ونصروه احب الله تعالیٰ ان یلحقه باخوانه من النبیین فانزل الله تعالیٰ قل ما سألتکم من اجر فهو لکم ان اجری الا علی الله فصارت هذه الآیة ناسخة لقوله قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی والیه ذهب الضحاك والحسین بن الفضل والقول بنسخ هذه الآیة غیر مرضی لان مودة النبی صلی الله علیه وسلم وکف الاذی عنه ومودة اقاربه من فرائض الدین وهو قول السلف فلا یجوز المصیر الی نسخ هذه الآیة۔ وروی عن ابن عباس فی معنی الآیة قول آخر قال الا تودوا الله وتتقربوا الیه بطاعته وهو قول الحسن قال هو القربی الی الله

ہوا اپنے اہل قرابت کی محبت کرو، تمہارے بھی اہل قرابت ہیں ان کو نہ ستاؤ اور بعض لوگوں کا بیان ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے کیونکہ یہ مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ اور مشرکین رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اور آپ کے ساتھ صلہ رحم کرنے کا حکم دیا پھر جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور انصار نے آپ کو جگہ دی اور آپ کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ آپ کو آپ کے بھائیوں یعنی نبیوں کے ساتھ ملا دے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر دی۔ قل ما سألتکم من اجر فهو لکم ان اجری الا علی الله۔ پس اس آیت نے قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی کو منسوخ کر دیا۔ یہی مذہب ہے ضحاک اور حسین بن فضل کا۔ مگر اس آیت کو منسوخ کہنا پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کو تکلیف نہ دینا اور آپ کے اقارب کے ساتھ محبت کرنا دین کے فرائض سے ہے یہی قول سلف کا ہے۔ پس آیت کو منسوخ کہنا جائز نہیں۔ اور ابن عباسؓ سے اس آیت کے معنی کے متعلق ایک دوسرا قول بھی منقول ہے کہ انہوں نے کہا مطلب یہ ہے کہ اللہ سے محبت کرو اور اس کی عبادت کے ذریعہ سے اس سے تقرب حاصل کرو یہی قول ہے حسن

ب الی اللہ تعالیٰ
بالطاعة والعمل الصالح

بصری کا۔ وہ کہتے ہیں کہ قربیٰ الی اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سے تقرب حاصل کرنا اور بذریعہ عبادت وعمل صالح کے اس سے محبت کرنا۔

۔ تفسیر خازن کی عبارت بھی غور سے دیکھو۔ سب سے پہلے وہی قول ہے جس کو النجم کا مذہب بیان کیا گیا ہے۔ اسی کو ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اور ابن عباسؓ سے اس ر دبھی روایت کیا ہے۔

اب بھی ایڈیٹر اصلاح کہیں گے کہ تمام تفسیروں میں وہی قول مردود لکھا ہوا ہے۔

فسیر مدارک میں ہے:۔

لکم علیہ ای علی التبلیغ اجرا
فی القربی یجوز ان یکون
تصلا ویجوز ان یکون منقطعا
لکم اجرا قط ولکنی اسئلکم
وا قرابتی ای لا اسئلکم علیہ
هذا وهو ان تودوا اهل
الذین هم قرابتکم ولا تؤذوهم
ل الا مودة القربی او المودة
لانهم جعلوا مکانا
ة ومقرا لها کقولك لی فی
لان مودة ولی فیهم حب
ید یراد احبهم ومکان حبی
له ولیست فی بصلة للمودة کا
اذا قلت الا المودة للقربی انما
تعلقة بمحذوف تعلق الظرف

قل لا اسئلکم علیہ اے میں تبلیغ پر تم سے کچھ اُجرت نہیں مانگتا، مگر مودت فی القربیٰ۔ ممکن ہے کہ یہ استثنار متصل ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ منقطع ہو یعنی میں تم سے اُجرت بالکل نہیں مانگتا ولیکن تم سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے اہل قرابت سے محبت کرو یعنی میں تم سے صرف یہی اجر چاہتا ہوں کہ میرے اہلِ قرابت سے جو تمہارے بھی اہل قرابت ہیں محبت کرو یا بوجہ میری قرابت کے ان سے محبت کرو اور انہیں اذیت نہ دو اور نہیں فرمایا الا مودة القربیٰ یا المودة للقربیٰ۔ کیوں کہ وہ لوگ محبت کا مکان اور اس کا مقر قرار دیے گئے جس طرح تم کہتے ہو کہ لی فی آل فلان مودة ولی فیهم حب شدید مراد یہ ہوتی ہے کہ میں اُن سے محبت کرتا ہوں اور وہ میری محبت کا مکان ومحل ہے لفظ فی مودت کا صلہ نہیں ہے جس طرح للقربیٰ میں لام صلہ ہوتا

فی قولک المال فی الکیس و تقدیرہ الا المودۃ ثابتۃ فی القربی و متمکنۃ فیہا والقربی مصدر کالزلفی والبشری بمعنی القرابۃ والمراد فی اھل القربی وروی انہ لما نزلت قیل یارسول اللہ من قرابتک ھؤلاء الذین وجبت علینا مودتھم قال علیؓ و فاطمۃؓ و ابناھما۔ وقیل معناہ الا ان تودونی لقرابتی فیکم ولا تؤذونی و لا تھیجوا علی اذ لم یکن بطن من بطون قریش الا بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبینھم قرابۃ وقیل القربی التقرب الی اللہ تعالی الا ان تحبوا اللہ و رسولہ فی تقربکم الیہ بالطاعۃ والعمل الصالح۔

ہے بلکہ وہ ایک محذوف کے ساتھ متعلق ہے جیسے المال فی الکیس میں ظرف کا تعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے الا المودۃ ثابتۃ فی القربی و متمکنۃ فیہا اور قربی مثل زلفی اور بشری کے مصدر ہے بمعنی قرابت کے اور مراد اہل قربی ہیں۔ روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو کہا گیا یارسول اللہ آپ کے اہل قرابت کون لوگ ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے۔ آپ نے فرمایا علیؓ و فاطمہؓ اور ان کے دونوں لڑکےؓ۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں معنی اس کے یہ ہیں کہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو مجھے تم سے ہے اور مجھے ایذا نہ دو اور میرے اوپر برانگیختہ نہ کرو کیوں کہ کوئی خاندان قریش ایسا نہ تھا جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قربی معنی تقرب الی اللہ کے ہے مطلب یہ ہوا کہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اللہ سے اور اس کے رسول سے محبت کرو اللہ سے تقرب حاصل کرنے میں اطاعت اور عمل صالح کے ذریعہ سے۔

ف۔ صرف اس ایک تفسیر میں محبت اہل بیت والا قول سب سے پہلے لکھا ہے۔ اور استثنار کا متصل ہونا بھی جائز مانا ہے، مگر بحمد اللہ یہ مضمون قبیح اس میں بھی نہیں ہے کہ محبت اہل بیت اجر رسالت ہے اور ہمارا اعتراض تو اصل اسی پر ہے کہ محبت اہلبیت کو اجر رسالت قرار دیا جائے اور انبیار علیہم السلام کے لئے تبلیغ رسالت پر اُجرت لینا جائز کہا جائے۔

مہ جلال الدین سیوطیؒ تفسیر درمنثور میں لکھتے ہیں :-

لکم علیہ اجرا الا المودة فی
یج احمد وعبد بن حمید و
مسلم والترمذی وابن جریر
یہ من طریق طاؤس عن ابن
ی اللہ عنہما انہ سئل عن
دة فی القربی فقال سعید بن جبیر
عنہ قربی آل محمد فقال ابن
ی اللہ عنہ عجلت ان النبی صلی
وسلم لم یکن بطن من قریش الا
م قرابة فقال الا ان تصلوا ما
نکم من القرابة ۔

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودة فی القربیٰ ۔
امامؒ احمد اور عبد بن حمید اور بخاری ومسلم وترمذی وابن جریر وابن مردویہ نے بذریعہ طاؤس کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ان سے الا المودة فی القربیٰ کا مطلب پوچھا گیا سعید بن جبیرؓ رضی اللہ عنہ بول اُٹھے کہ قرابت مندان آل محمدؐ مراد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے عجلت کی قریش کا کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو آپ نے فرمایا کہ جو قرابت میرے اور تمہارے درمیان میں ہے اس کی رعایت کرو۔

بن ابی حاتم والطبرانی وابن
من طریق سعید بن جبیر عن
ں رضی اللہ عنہما قال قال
ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا اسئلکم
الا ان تودونی فی نفسی لقرابتی
تحفظوا القرابة التی بینی
م ۔

اورؒ ابن ابی حاتم وطبرانی وابن مردویہ نے بذریعہ سعید بن جبیر کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ میں تم سے کچھ اُجرت نہیں مانگتا سوا اس کے کہ تم میری ذات سے محبت کرو بوجہ میری قرابت کے جو تم سے ہے اور جو قرابت میرے تمہارے درمیان میں ہے اس کی حفاظت کرو۔

سعید بن منصور وابن سعد و
ن حمید والحاکم وصححہ وابن
یہ والبیہقی فی الدلائل عن الشعبی
اللہ عنہ قال اکثر الناس علینا

اورؒ سعید بن منصور نے اور ابن سعد وعبد بن حمید نے اور حاکم نے بتصریح صحت اور ابن مردویہ وبیہقی نے کتاب دلائل میں شعبی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ لوگوں نے ہم سے آیہ

في هذه الآية قل لا أسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى فكتبنا الى ابن عباس رضي الله عنه نسأله فكتب ابن عباس رضي الله عنهما ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان واسط النسب في قريش ليس بطن من بطونهم الا وقد ولدوه فقال الله قل لا أسئلكم عليه اجرا على ما ادعوكم اليه الا المودة في القربى تودوني لقرابتي منكم وتحفظوني بها.

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودة فی القربی کے متعلق بہت پوچھا تو ہم نے ابن عباس رضی اللہ کو لکھ کر دریافت کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ جواب لکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں متوسط النسب تھے۔ قریش کا کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس سے آپ کا سلسلہ نسب نہ ہو۔ لہذا اللہ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے میں تم سے بعوض اس چیز کے جس کی طرف تم کو بلاتا ہوں کوئی اجرت نہیں مانگتا سوا مودت فی القربی کے یعنی یہ کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ میری قرابت کے جو تم سے ہے اور میری حفاظت اس خیال سے کرو۔

وأخرج ابن جرير وابن المنذر وابن ابي حاتم والطبراني من طريق علي عن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله الا المودة في القربى قال كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم قرابة من جميع قريش فلما كذبوه وابوا ان يبايعوه قال يا قوم اذا ابيتم ان تبايعوني فاحفظوا قرابتي فيكم ولا يكون غيركم من العرب اولى بحفظي ونصرتي منكم.

اور ابن جریر و ابن منذر و ابن ابی حاتم و طبرانی نے بواسطہ علی کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے الا المودة فی القربی کے متعلق روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت تمام قریش سے تھی جب ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کی بیعت سے انکار کر دیا تو آپ نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو جب کہ تم میری بیعت سے انکار کرتے ہو تو میری قرابت جو تم میں ہے اسی کی حفاظت کرو۔ عرب کا کوئی اور شخص میری حفاظت اور مدد کا تم سے زیادہ حقدار نہیں۔

وأخرج ابن ابي حاتم وابن مردويه من طريق الضحاك عن ابن عباس رضي

اور ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے بواسطہ ضحاک کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ

الله عنهما قال نزلت هذه الاٰية بمكة وكان المشركون يؤذون رسول الله صلی الله عليه وسلم فانزل الله تعالیٰ قل یا محمد لا اسئلكم عليه ای علی ما ادعوكم اليه اجرا عوضا من الدنيا الا المودة فی القربیٰ الا الحفظ لی فی قرابتی فيكم قال المودة انما هی لرسول الله صلی الله عليه وسلم فی قرابته فلما هاجر الی المدينة احب ان يلحقه باخوته من الانبياء عليهم السلام فقال قل ما سالتكم من اجر فهو لكم ان اجری الا علی رب العلمين وكما قال هود وصالح وشعيب لم يستثنوا اجرا كما استثنی النبی صلی الله عليه وسلم فرده عليهم وهی منسوخة۔

آپ نے فرمایا یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی تھی اور مشرکین رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیا کرتے تھے لہذا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ اے محمدؐ کہہ دیجئے کہ تم سے بعوض اس چیز کے جس کی طرف تم کو بلاتا ہوں کوئی اُجرت معاوضہ دنیاوی نہیں مانگتا سوا مودت فی القربیٰ کے یعنی سوا اسکے کہ میری حفاظت کرو بوجہ اس قرابت کے جو تم میں ہے انہوں نے کہا کہ محبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ہے بوجہ اُن کی قرابت کے پھر جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو خدا کو منظور ہوا کہ آپ کو آپ کے بھائی یعنی دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملا دے لہذا فرمایا کہ اے نبی کہہ دیجئے کہ میں نے تم سے کچھ اُجرت مانگی تو تم اپنے پاس رکھو۔ میری اُجرت رب العالمین کے ذمہ ہے اور جیسا کہ ہود وصالح اور شعیب نے کہا تھا اور انہوں نے کسی اُجرت کو مستثنیٰ نہیں کیا تھا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو استثنار فرمایا تھا اس کو واپس کردیا اور یہ آیت منسوخ ہے۔

واخرج احمد وابن ابی حاتم والطبرانی والحاكم وصححه وابن مردويه من طريق مجاهد رضی الله عنه عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی صلی الله عليه وسلم فی الاٰية قل لا

اور امام احمد وابن ابی حاتم وطبرانی نے اور حاکم نے بتصریح صحت اور ابن مردویہ نے بواسطہ مجاہد رضی اللہ عنہ کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق روایت کیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اے نبی کہہ دو کہ جو

لا اسئلکم علیه ما اتیتکم به من البینات والهدی اجرا الا ان تودوا الله وان تتقربوا الیه بطاعته.

بینات وہدایت میں تمہارے پاس لایا ہوں اس کی کچھ اُجرت تم سے نہیں مانگتا سوا اس کے کہ تم اللہ سے محبت کرو اور اس کی عبادت سے اس کا تقرب حاصل کرو۔

واخرج عبد بن حمید وابن المنذر عن مجاهد رضی الله فی قوله قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی قال ان تتبعونی وتصدقونی وتصلوا رحمی.

اور عبد بن حمید وابن منذر نے مجاہد رضی اللہ عنہ سے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربے کے متعلق روایت کیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ میری اتباع کرو اور میری تصدیق کرو اور میرا صلہ رحم کرو۔

واخرج عبد بن حمید وابن مردویه من طریق العوفی عن ابن عباس رضی الله عنهما فی الایة قال ان محمدا قال لقریش لا اسئلکم من اموالکم شیئا ولکن اسئلکم ان تودونی لقرابة ما بینی وبینکم فانکم قومی واحق من اطاعنی واجابنی.

اور عبد بن حمید وابن مردویہ نے بذریعہ عوفی کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق روایت کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے فرمایا کہ میں تم سے تمہارا مال نہیں مانگتا۔ صرف یہ درخواست کرتا ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو میرے اور تمہارے درمیان میں ہے کیونکہ تم میری قوم کے لوگ ہو اور سب سے زیادہ میری اطاعت اور اتباع کے مستحق ہو۔

واخرج ابن مردویه من طریق عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما فی الایة قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یکن فی قریش بطن الا وله فیهم امرحتی کانت له من هذیل ام فقال الله لا اسئلکم

اور ابن مردویہ نے بواسطہ عکرمہ کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق روایت کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کے ہر خاندان سے قرابت تھی ہر خاندان میں آپ کا ننہال تھا یہاں تک کہ قبیلہ ہذیل میں بھی آپ کا ننہال تھا، لہذا اللہ نے فرمایا کہ کہہ دیجیے میں تم

ليه اجرا الا ان تحفظوني في
رابتي ان كذبتموني فلا
تؤذوني۔

واخرج ابن جرير وابن ابي حاتم
وابن مردويه من طريق مقسم عن
ابن عباس رضي الله عنهما قال
قالت الانصار فعلنا وفعلنا وكانهم
فخروا فقال ابن عباس رضي الله عنهما
لنا الفضل عليكم فبلغ ذلك رسول
الله صلى الله عليه وسلم فاتاهم في
مجالسهم فقال يا معشر الانصار الم
تكونوا اذلة فاعزكم الله قالوا
بلى يا رسول الله قال افلا تجيبوني
قالوا ما نقول يا رسول الله قال الا
تقولون الم يخرجك قومك فآويناك
اولم يكذبوك فصدقناك اولم
يخذلوك فنصرناك فما زال يقول
حتى جثوا على الركب وقالوا
اموالنا وما في ايدينا لله ولرسوله
فنزلت قل لا اسئلكم عليه اجرا
الا المودة في القربى۔

سے اس کی اُجرت نہیں مانگتا سوا اس کے کہ تم میری
حفاظت کرو بوجہ میری قرابت کے اگر تم میری تکذیب
کرتے ہو تو کرو لیکن مجھے ایذا تو نہ دو۔

اور ابن جریر وابن ابی حاتم وابن مردویہ نے بواسطہ
مقسم کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی
ہے کہ انہوں نے کہا ایک روز انصار باہم کہنے
لگے کہ ہم نے یہ کیا اور یہ کیا۔ گویا کہ وہ فخر کر رہے
تھے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم کو تم پر
فضیلت ہے یہ خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی
تو آپ اُن کی مجلسوں میں تشریف لے گئے اور
آپ نے فرمایا کہ اے گروہ انصار کیا تم ذلیل نہ
تھے اللہ نے تم کو عزت دی۔ ان لوگوں نے کہا کہ
ہاں یا رسول اللہ ۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تم مجھے جواب
کیوں نہیں دیتے۔ ان لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہم
کیا جواب دیں۔ آپ نے فرمایا یہ کیوں نہیں کہتے
کہ کیا آپ کو آپ کی قوم نے نکال نہ دیا تھا پھر ہم
نے جگہ دی۔ کیا انہوں نے آپ کی تکذیب نہ کی
تھی ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ کیا انہوں نے آپ
کا ساتھ نہ چھوڑ دیا تھا ہم نے آپ کی مدد کی آپ
ایسے ہی کلمات کہتے رہے یہاں تک کہ انصار
گھٹنوں کے بل گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہمارے
مال اور جو کچھ ہمارے پاس ہے اللہ و رسول کا
ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قل لا اسئلکم

و[۱۱] اخرج الطبرانی فی الاوسط و ابن مردویہ بسند ضعیف من طریق سعید بن جبیر قال قالت الانصار فیما بینھم لو جمعنا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالا یبسط یدہ ولا یحول بینہ وبینہ احد فقالوا یا رسول اللہ انا اردنا ان نجمع لک من اموالنا فانزل اللہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی فخرجوا مختلفین فقالوا لمن ترون ما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال بعضھم انما قال ھذا لنقاتل عن اھل بیتہ وننصرھم فانزل اللہ ام یقولون افتری علی اللہ کذبا الی قولہ ھو الذی یقبل التوبۃ عن عن عبادہ فعرض لھم بالتوبۃ الی قولہ ویستجیب الذین امنوا وعملوا الصلحت ویزیدھم من فضلہ ھم الذین قالوا ھذا ان یتوبوا الی اللہ ویستغفرونہ

و[۱۲] اخرج ابونعیم والدیلمی من طریق مجاھد عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔

اور[۱۱] طبرانی نے اوسط میں اور ابن مردویہ نے بسند ضعیف سعید بن جبیرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا انصار اپنے آپس میں کہنے لگے کہ کاش ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے کچھ مال جمع کر دیں تاکہ آپ کا ہاتھ کشادہ ہو جاتے اور آپ کو اس مال کے خرچ میں کوئی مانع نہ ہو پس ان لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم ارادہ کرتے ہیں کہ آپ کے لیئے اپنے مال جمع کر دیں پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی. قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی. پس وہ لوگ باہم اختلاف کرتے ہوئے نکلے کہنے لگے کہ یہ حکم محبت جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے تم کس کے متعلق سمجھتے ہو بعض لوگوں نے کہا کہ آپ نے یہ اس لیئے فرمایا ہے کہ ہم آپ کے اہل بیت کی طرف سے لڑیں اور اُن کی مدد کریں پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی. کہ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا۔ الی قولہ و یستجیب الذین امنوا وعملوا الصلحت ویزیدھم من فضلہ۔ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جن سے یہ قول صادر ہوا تھا بشرطیکہ وہ توبہ و استغفار کریں۔

اور[۱۲] ابونعیم و دیلمی نے بواسطہ مجاہد کے ابن عباس رضی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے اس کی اجرت

اجرت

لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی ان تحفظونی فی اهل بیتی و تودوهم لی۔

نہیں مانگتا سوا مودت فی القربیٰ کے یعنی یہ کہ تم میرے اہل بیت کے بارہ میں میرا لحاظ رکھو اور ان سے میری وجہ سے محبت کرو۔

واخرج[13] ابن المنذر و ابن ابی حاتم و الطبرانی و ابن مردویه بسند ضعیف من طریق سعید بن جبیر عن ابن عباس قال لما نزلت هذه الآیة قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی قالوا یا رسول الله من قرابتك هؤلاء الذین وجبت علینا مودتهم قال علیؓ و فاطمةؓ و والداهماؓ۔

اور[13] ابن منذر و ابن ابی حاتم و طبرانی و ابن مردویہ نے بسند ضعیف سعید بن جبیرؓ سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا جب یہ آیۃ نازل ہوئی۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔ تو صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ کے اہل قرابت کون لوگ ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا علیؓ اور فاطمہؓ اور ان کے دونوں صاحبزادےؓ۔

واخرج[14] سعید بن منصور عن سعید بن جبیر الا المودة فی القربی قال قربی رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

اور[14] سعید بن منصور نے سعید بن جبیرؓ سے الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت مراد ہے۔

واخرج[15] ابن جریر عن ابی الدیلم قال لما جی بعلی ابن الحسین اسیرا فاقیم علی درج دمشق قام رجل فقال الحمد لله الذی قتلکم واستاصلکم فقال له علی بن الحسین رضی الله عنه اقراءت القرآن قال نعم قال اقراءت آل حم قال لا قال اما قرأت قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی قال فانکم لانتم هم قال نعم۔

اور[15] ابن جریر نے ابو الدیلم سے روایت کی ہے کہ جب علی ابن حسینؓ قید کر کے لائے گئے اور دمشق کی سیڑھیوں پر کھڑے کیے گئے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں قتل کرا دیا اور تمہاری بیخ کنی کر دی۔ علی ابن حسین رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ کیا تم نے قرآن پڑھا ہے اس نے کہا ہاں۔ انہوں نے کہا کیا تو نے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ نہیں پڑھی اس نے کہا کیا وہ تمہیں ہو۔ انہوں نے کہا ہاں۔

[۱۲] واخرج ابن ابی حاتم عن ابن عباسؓ ومن یقترف حسنة قال المودة لآل محمد۔

[۱۲] اور ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے ومن یقترف حسنة کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا محبت آل محمد مراد ہیں۔

[۱۳] واخرج احمد والترمذی وصححه والنسائی والحاکم عن المطلب بن ربیعة رضی الله عنه قال دخل العباسؓ علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال انا لنخرج فنری قریشا تحدث فاذا رأونا سکتوا فغضب رسول الله صلی الله علیه وسلم ودر عرق بین عینیه ثم قال والله لا یدخل قلب امرء مسلم ایمان حتی یحبکم لله ولقرابتی۔

[۱۳] اور امام احمد نے اور ترمذی نے بتصریح صحت اور نسائی وحاکم نے مطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور کہنے لگے کہ ہم باہر نکلتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ قریش باہم باتیں کر رہے ہیں اور ہم کو دیکھتے ہی چپ ہو جاتے ہیں۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آیا اور وہ رگ جو دونوں آنکھوں کے درمیان تھی اُبھر آئی۔ اور آپ نے فرمایا کہ واللہ کسی مسلمان کے دل میں ایمان نہیں داخل ہو سکتا یہاں تک کہ تم سے اللہ کے لیئے اور بلحاظ میری قرابت کے محبت کرے۔

[۱۴] واخرج الترمذی وحسنه وابن الانباری فی المصاحف عن زید بن ارقم رضی الله عنه قال قال رسول الله علیه وسلم انی تارك فیکم ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی احدهما اعظم من الآخر کتاب الله حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اهل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا

[۱۴] اور ترمذی بتصریح حسن اور ابن انباری نے مصاحف میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں وہ چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اس سے تمسک کروگے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے وہ دو چیزیں ہیں ایک کا رتبہ دوسرے سے زیادہ ہے کتاب اللہ جو ایک رسی ہے آسمان سے زمین کی طرف لٹکی ہوئی اور میری عترت یعنی میرے اہل بیت اور وہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں

كيف تخلفوني فيهما.

تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں پس خیال رکھنا کہ تم میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہو۔

و[19]اخرج الترمذي وحسنه والطبراني والحاكم والبيهقي في الشعب عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم احبوا الله لما يغذوكم من نعمه واحبوني بحب الله واحبوا اهل بيتي بحبي.

اور[19] ترمذی نے بتصریح حسن اور طبرانی وحاکم وبیہقی نے شعب میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے محبت کرو بوجہ اس کے کہ اس کی نعمتیں تم پر نازل ہوتی ہیں اور مجھ سے محبت کرو۔ بوجہ محبت خدا کے اور میرے اہلبیت سے محبت کرو میری وجہ سے۔

و[20]اخرج البخاري عن ابي بكر الصديق رضي الله عنه قال ارقبوا محمدا صلى الله عليه وسلم في اهل بيته.

اور[20] بخاری نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ رکھو ان کے اہلبیت میں۔

و[21]اخرج ابن عدي عن ابي سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ابغضنا اهل البيت فهو منافق.

اور[21] ابن عدی نے ابوسعیدؓ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہمارے اہلبیت سے بغض رکھے وہ منافق ہے۔

و[22]اخرج الطبراني عن الحسن بن علي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يبغضنا احد ولا يحسدنا احد الا ذيد يوم القيمة بسياط من النار.

اور[22] طبرانی نے حسن بن علی سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہم سے بغض رکھے گا یا ہم پر حسد کرے گا قیامت کے دن اس کو آگ کے کوڑے مارے جائیں گے۔

و[23]اخرج احمد وابن حبان والحاكم عن ابي سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم والذي نفسي بيده لا يبغضنا اهل البيت رجل،

اور[23] احمد وابن حبان وحاکم نے ابوسعید سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ہمارے اہلبیت سے جو شخص بغض رکھے گا اللہ

الا ادخله الله النار۔

اس کو دوزخ میں داخل کرے گا۔

۲۴ واخرج الطبرانی والخطیب من طریق ابی الضحی عن ابن عباسؓ قال جاء العباسؓ الی رسول الله صلی الله علیہ وسلم فقال انک قد ترکت فینا ضغائن منذ صنعت الذی صنعت فقال النبی صلی الله علیہ وسلم لا یبلغوا الخیر و الایمان حتی یحبوکم۔

۲۴ اور طبرانی و خطیب نے بذریعہ ابوالضحی کے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے حضرت عباسؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ آپ نے ہمارے درمیان میں کینے قائم کر دیئے جب سے کہ آپ نے یہ کام شروع کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ نیکی کو یا فرمایا ایمان کو نہیں حاصل کر سکتے یہاں تک کہ تم لوگوں سے محبت کریں۔

۲۵ واخرج الخطیب من طریق ابی الضحی عن مسروق عن عائشۃ رضی الله عنہا قال اتی العباس ابن عبد المطلب رسول الله صلی الله علیہ وسلم فقال یا رسول الله انا لنعرف الضغائن فی اناس من قومنا من وقائع اوقعتہا فقال اما و الله انہم لن یبلغوا خیرا حتی یحبوکم لقرابتی یرجون سلیم شفاعتی ولا یرجوہا بنو عبد المطلب۔

۲۵ اور خطیب نے ابوالضحی سے انہوں نے مسروق سے انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے وہ کہتی تھیں کہ عباسؓ بن عبدالمطلب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ہم اپنی قوم کے کچھ لوگوں میں کینے محسوس کر رہے ہیں بوجہ ان واقعات کے جو ہم نے کیے۔ آپ نے فرمایا آگاہ رہو۔ واللہ وہ لوگ بھلائی نہیں حاصل کر سکتے یہاں تک کہ تم لوگوں سے بوجہ میری قرابت کے محبت کریں (عجب تماشا ہے کہ) وہ تو میری شفاعت کے اُمیدوار ہیں مگر بنی عبدالمطلب اس کے اُمیدوار نہیں ہیں۔

۲۶ واخرج ابن النجار فی تاریخہ عن الحسن بن علی رضی الله عنہ قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم لکل شیء اساس و اساس الاسلام

۲۶ اور ابن نجار نے اپنی تاریخ میں حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شے کی بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحب اہل بیتہ۔ | وسلم کی محبت اور آپ کے اہلبیت کی محبت ہے۔

[۲۷] اخرج عبد بن حمید عن الحسن رضی اللہ عنہ فی قولہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی قال ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسألہم علی ھذا القرآن اجراً ولکن امرھم ان یتقربوا الی اللہ بطاعتہ وحب کتابہ۔

[۲۷] اور عبد بن حمید نے حسن رضی اللہ عنہ سے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی کے متعلق روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کی تعلیم پر لوگوں سے اُجرت نہیں مانگتے تھے۔ بلکہ آپؐ نے ان کو یہ حکم دیا کہ اللہ سے تقرب حاصل کریں بذریعہ اس کی اطاعت کے اور اس کی کتاب کی محبت کے۔

[۲۸] اخرج البیہقی فی شعب الایمان عن الحسن رضی اللہ عنہ فی الآیۃ قال من تقرب الی اللہ بطاعتہ وجبت علیہ محبتہ۔

[۲۸] اور بیہقی نے شعب الایمان میں حسن رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص بذریعہ اس کی عبادت کے تقرب حاصل کرنا چاہے اس پر محبت خدا لازم ہے۔

[۲۹] واخرج عبد بن حمید عن عکرمۃ فی الآیۃ قال کن لہ عشر امہات فی المشرکات وکان اذا مر بہم اذوہ فی تنقیصہن وشتمہن فہو قولہ الا المودۃ فی القربی یقول لا توذونی فی قرابتی۔

[۲۹] اور عبد بن حمید نے عکرمہ سے اسی آیت کے متعلق روایت کیا ہے کہ وہ کہتے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دس مائیں مشرک تھیں جب آپ کا گزر مشرکوں کی طرف ہوتا تو وہ اُنہیں ماؤں کی توہین و بدگوئی کرکے آپ کا دل دکھاتے۔ یہی مطلب ہے الا المودۃ فی القربی کا کہ تم مجھے میری قرابت کے متعلق ایذا نہ دو۔

ف۔ تفسیر درمنثور میں اگرچہ جمع روایات کا التزام ہے تصحیح وتسقیم روات سے تعرض کرنا ان کے ملتزمات سے باہر ہے، مگر پھر بھی جمع روایات اس سلیقے سے ہے کہ جاننے والا نتیجہ نکال لیتا ہے۔ سب سے پہلے اسی قول مختار کو ذکر کیا ہے اور اس کی متعدد روایات کتب

معتبرہ سے نقل کر کے اس کا راجح ہونا بتا دیا ہے اور قول مردود کی بعض روایات پر جرح بھی کی ہے۔

(۹) تفسیر فتح البیان میں ہے:۔

سورۃ الشوریٰ وتسمی سورۃ حم عسق وسورۃ شوریٰ من غیر الف ولام وسورۃ حم سق وھی ثلث وخمسون اٰیۃ۔ وھی مکیۃ کلھا قالہ ابن عباس وابن الزبیر وکذا قال الحسن وعکرمہ وعطاء وجابر وروی عن ابن عباس وقتادۃ انھا مکیۃ الا اربع اٰیات منھا نزلت بالمدینۃ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ الیٰ اٰخرھا۔

سورۃ الشوریٰ جس کا نام حم عسق اور سورۂ شوریٰ بغیر الف ولام کے اور سورۂ حم سق بھی ہے۔ اس میں ترپن[۵۳] آیتیں ہیں اور وہ مکّی ہے۔ پُوری سورت یہ ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ کا قول ہے اور حسن وعکرمہ وعطاء و جابر نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ اور ابن عباسؓ وقتادہؒ سے مروی ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ باستثناء چار آیتوں کے کہ وہ مدینہ میں نازل ہوئی تھیں۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ الیٰ اٰخرھا۔

ف :۔ صحیح قول وہی ہے کہ پُوری سورت مکّی ہے۔ ایک آیت بھی مستثنیٰ نہیں۔ اسی وجہ سے اس قول کو بصیغہ جزم بیان کیا اور دوسرے قول کو بصیغۂ تمریض۔

پھر اسی تفسیر میں آیت مبحوثہ کے متعلق وہ تمام اقوال بیان کر کے فیصلہ اس طرح لکھا ہے:۔

والمعنی الاول ھو الذی صح عن ورواہ عنہ الجم الجم من تلامذتہ فمن بعدھم ولا ینافیہ ماروی عنہ من النسخ فلا مانع من ان یکون قد نزل القراٰن فی مکۃ بان یود کفار قریش لما بینہ وبین القریش من القربیٰ ویحفظوہ بھا ثم ینسخ ذلک ویذھب ھذا الاستثناء من

اور پہلا ہی مطلب بسند صحیح ابن عباسؓ سے منقول ہے اور ان سے ان کے شاگردوں وغیرہ کی ایک بڑی جماعت نے روایت کیا ہے اور اُن سے جو نسخ کا قول منقول ہے وہ اس کے منافی نہیں۔ کون مانع ہے کہ مکہ میں یہ حکم قرآنی نازل ہو کہ کفار قریش آپ سے محبت کریں بوجہ اس قرابت کے جو آپ کے اور ان کے درمیان تھی اور آپ کی حفاظت کریں پھر یہ حکم منسوخ ہو جائے۔ اور

،كمايدل عليه ماذكرنا مما يدل
علی انه لم يسأل علی التبليغ
علی ــــــ الاطلاق ولا يقوی
ی من حملها علی آل محمد صلی الله
،وسلم علی معارضة ماصح عن
باس من تلك الطرق الكثيرة
نی الله آل محمد عن هذا بما لهم
النضائل الجليلة والمزايا الجميلة
، بينا ذلك عند تفسيرنا لقوله
ريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل
ت وكما لا يقوی هذا علی المعارضة
ذلك لا يقوی ماروی عنه من ان
د بالمودة ان يودوا الله وان
بوا اليه بطاعته ولكنه يشد
ـــــ عضد هذا انه تفسير
فوع الی رسول الله صلی الله عليه
سلم۔

استثناء بالکل جاتا رہے جیسا کہ ہماری منقولہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کبھی تبلیغ کے عوض میں اُجرت نہیں مانگی۔ اور جن لوگوں نے اس آیت کو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر محمول کیا ہے ان کا قول اس قابل نہیں کہ ابن عباسؓ سے جو روایت اتنی بہت سندوں کے ساتھ منقول ہے اس کا معارضہ کر سکے۔ اور خدا نے آل محمدؐ کو ایسی روایات سے بے نیاز کر دیا ہے بوجہ ان فضائل جلیلہ اور مناقب جمیلہ کے جو اُن کو حاصل ہیں اور ہم نے اُن کو انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اور جس طرح یہ قول معارضہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ اسی طرح وہ قول بھی معارضہ کی طاقت نہیں رکھتا کہ مراد مودت سے یہ ہے کہ اللہ سے محبت کریں اور بذریعہ اس کی عبادت کے اس سے تقرب حاصل کریں، مگر اس کو اس بات سے قوت دی جاتی ہے کہ وہ تفسیر رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہے۔

ف۔ اس تفسیر میں بھی نہایت توضیح کے ساتھ قول اول کا صحیح ہونا اور جماعت عظیمہ روایت سے منقول ہونا مذکور ہے۔ ایسی تصریحات صریحہ کے بعد سوا ایڈیٹر اصلاح کے کس کی ت ہو سکتی ہے کہ اس دلیری کے ساتھ یہ کہہ دے کہ قول اول معلوم نہیں کس سُنّی نے لکھا ہے تفاسیر اہل سُنّت میں تو سوا اس قول کے کوئی نہیں ہے جو شیعوں نے اختیار کیا ہے اور یہ تمام علمائے اہلسنّت نے مودت اہلبیت کے اجر رسالت ہونے کی تصریح کی ہے۔

(۱۰) علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری شرح بخاری میں رقم فرماتے ہیں:۔

ذکر فیه حدیث طاؤس عن ابن
عباسؓ سئل عن تفسیرها فقال
سعید بن جبیر قربی آل محمد
فقال ابن عباسؓ عجلت ای اسرعت
فی التفسیر وهذا الذی جزم به
سعید بن جبیر قد جاء عنه من
روایة عن ابن عباسؓ مرفوعا
فاخرج الطبری ع وابن ابی حاتم من
طریق قیس بن الربیع عن الاعمش
عن سعید ابن جبیر عن ابن عباسؓ
قال لما نزلت قالوا یا رسول الله من
قرابتك الذین ــــ وجبت علینا
مودتهم الحدیث واسناده ضعیف
وهو ساقط لمخالفته هذا الحدیث
الصحیح والمعنی الا ان تودونی لقرابتی
فتحفظونی والخطاب لقریش ــــ
خاصة والقربی قرابة العصوبة
والرحم فکانه قال احفظونی للقرابة
ان لم تتبعونی ــــ للنبوة.

مصنف نے اس باب میں طاؤس کی روایت ذکر
کی ہے جو ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ان سے
اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو سعید بن جبیرؒ بول اٹھے
کہ قرابت مند ان آل محمد مراد ہیں۔ ابن عباسؓ نے
فرمایا کہ تم نے عجلت کی یعنی تفسیر بیان کرنے میں
جلدی کی۔ یہ قول جو سعید بن جبیرؒ نے بیان کیا انہوں
نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔
چنانچہ طبری نے اور ابن ابی حاتم نے بروایت
قیس بن ربیع اعمش سے انہوں نے سعید بن جبیرؒ
سے انہوں نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت
کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے
کہا کہ یا رسول اللہؐ آپ کے قرابت والے کون ہیں
جن کی محبت ہم پر واجب ہے الی آخر الحدیث۔
مگر سند اس روایت کی ضعیف ہے اور یہ حدیث
قابل اعتبار نہیں بوجہ اس کے کہ اس حدیث
صحیح کے مخالف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں تم
سے کچھ نہیں مانگتا سوا اس کے کہ مجھ سے محبت
کرو بوجہ میری قرابت کے اور میری حفاظت
کرو خطاب صرف قریش سے ہے قرابت سے
مراد پدری اور مادری رشتہ داری ہیں۔ گویا یہ فرمایا
کہ میری حفاظت بوجہ قرابت کرو اگر بوجہ نبوۃ

ع فتح الباری مطبوعہ مصر میں اس طرح ہے۔ مگر صحیح لفظ طبرانی ہے۔

ذکر ما تقدم عن عکرمة
سبب نزول وقد جزم بهذا
فسیر جماعة من المفسرین واستدلوا
ما ذکرته عن ابن عباسؓ من
طبرانی وابن ابی حاتم واسناده واه
ه ضعیف ورافضی وذکر الزمخشری
هنا احادیث ظاهر وضعها ورده
زجاج بما صح عن ابن عباسؓ
ن روایة طاوس فی حدیث الباب
بما نقله الشعبی عنه وهو المعتمد
جزم بان الاستثناء منقطع وفی
سبب نزولها قول آخر ذکره
لواحدی عن ابن
باس قال لما قدم النبی صلی
لله علیه وسلم المدینة کانت
تنوبه نوائب ولیس بیده شیء
فجمع له الانصار مالا فقالوا
یا رسول الله انک ابن اختنا
وقد هدانا الله بک وتنوبک
النوائب وحقوق ولیس
لک سعة فجمعنا لک من
اموالنا ما تستعین به علینا

نبوت کے میری اتباع نہیں کرتے۔
پھر عکرمہ سے بھی اس آیت کے سبب نزول میں وہی
مضمون سابق منقول ہے اور اس تفسیر کو چند مفسروں
نے ذکر کیا ہے اور انہوں نے اسی روایت سے
استدلال کیا ہے جو میں نے ابن عباسؓ سے بحوالہٗ
طبرانی و ابن ابی حاتم نقل کی مگر سند اس کی واہی ہے
اس میں ایک راوی ضعیف اور رافضی ہے۔ اور
زمخشری نے اس مقام پر کچھ حدیثیں ذکر کی ہیں جن
کا موضوع ہونا ظاہر ہے اور زجاج نے اس کو
رد کر دیا ہے بذریعہ اُس روایت کے جو ابن عباسؓ سے
اس باب میں منقول ہے اور بذریعہ اس روایت کے جو شعبی نے
ابن عباسؓ سے نقل کی ہے اور وہ روایت معتبر
ہے اور انہوں نے بیان کیا ہے کہ یہ استثناء منقطع
ہے اور اس کے سبب نزول میں ایک قول اور
ہے جس کو واحدی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے
کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو آپ
کو ضرورتیں پیش آتی تھیں اور آپ کے پاس کچھ نہ
تھا تو انصار نے آپ کے لیئے مال جمع کیا اور کہا کہ
یا رسول اللہ آپ ہمارے بھانجے ہیں اور خدا نے
آپ کے ذریعہ سے ہمیں ہدایت کی ہے آپ کو
حاجتیں اور ضرورتیں درپیش رہتی ہیں اور
آپ کو وسعت نہیں ہے لہذا ہم نے آپ کے لیئے
مال جمع کر دیا ہے جس سے آپ اپنی حاجت روائی

فنزلت وهذه من رواية الكلبي
ونحوه من الضعفاء واخرج من
طريق مقسم عن ابن عباس رض
ايضا قال بلغ النبي صلى الله عليه و
سلم عن الانصار شئ فخطب فقال
الم تكونوا ضلالا فهداكم الله
بي الحديث وفيه فجثوا على الركب
وقالوا انفسنا واموالنا لك فنزلت
وهذا ايضاً ضعيف ويبطله ان
الاية مكية والاقوى في
سبب نزولها من قتادة قال قال
المشركون لعل محمدا يطلب
اجرا على ما يتعاطاه
فنزلت وزعم بعضهم ان
هذه الاية منسوخة ورده الثعلبي
بان الاية على الامر
بالتودد الى الله بطاعته او
باتباع نبيه او صلة رحمه بترك
اذيته او صلة اقاربه من
اجله وكل ذلك مستمر
الحكم غير منسوخ والحاصل
ان سعيد ابن جبير
ومن وافقه كعلي بن الحسين رض

کریں، مگر یہ روایت کلبی اور انہیں کے جیسے ضعیف
لوگوں کی ہے اور انہوں نے بواسطہ مقسم کے ابن
عباس رض سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کو انصار کی طرف سے کچھ شکایت پہنچی تو آپ نے
خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ کیا تم گمراہ نہ تھے خدا نے تم کو
میرے ذریعہ سے ہدایت کی الی آخر الحدیث۔
اسی میں یہ مضمون بھی ہے کہ وہ لوگ گھٹنوں کے بل
گر گئے اور کہا کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال
آپ ہی کے لیے ہیں پس یہ آیت نازل ہوئی یہ
روایت بھی ضعیف ہے اور ان سب روایات
کو باطل کرتی ہے وہ یہ بات کہ آیت مکی ہے اور
قوی روایت اس کے سبب نزول میں قتادہ
سے مروی ہے کہ مشرکوں نے کہا شاید محمد (صلی
اللہ علیہ وسلم) کچھ اُجرت چاہتے ہوں معاوضہ اس
کام کے جو کرتے ہیں پس یہ آیت نازل ہوئی اور
بعض لوگوں نے کہا کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس
کو ثعلبی نے رد کر دیا ہے کہ یہ آیت یا تو اللہ سے
تقرب حاصل کرنے اور اس کی اطاعت اور
اس کے نبی کے اتباع کا حکم دیتی ہے یا آپ کے
صلہ رحم کا حکم دیتی ہے آپ کو اذیت نہ دی جائے
یا آپ کی وجہ سے آپ کے اقارب کے ساتھ
سلوک کرنے کا حکم دیتی ہے اور یہ سب باتیں
قائم ہیں منسوخ نہیں ہیں خلاصہ یہ کہ سعید بن جبیر

والسدی وعمرو بن شعیب فیما
اخرجہ الطبری عنہم حملوا الآیۃ
علی امر المخاطبین بان یوادوا
اقارب النبی صلی اللہ علیہ وسلم
وابن عباسؓ حملہا علی ان
یوادوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم
من اجل القرابۃ التی بینہم و
بینہ فعلی الاول الخطاب عام لجمیع
المکلفین وعلی الثانی
الخطاب خاص لقریش ویؤید
ذلک ان السورۃ مکیۃ وقد
قیل ان ہذہ الآیۃ نسخت
بقولہ قل ما اسئلکم علیہ من
اجر ویحتمل ان یکون ہذا
ما خص بما دلت علیہ آیۃ الباب
والمعنی ان قریشا کانت تصل
ارحامہا فلما بعث النبی صلی
اللہ علیہ وسلم قطعوہ فقال
صلونی کما تصلون غیری
من اقاربکم وروی سعید بن
منصور من طریق الشعبی قال
اکثروا علینا فی ہذہ الآیۃ
فکتبت الی ابن عباس اسالہ عنہا

اور جو لوگ ان کے موافق ہیں مثل امام زین العابدینؒ
اور سدیؒ اور عمرو بن شعیبؒ کے جیسا کہ طبریؒ نے
ان سے روایت کیا ہے ان لوگوں نے آیت کو
اس بات پر محمول کیا ہے کہ مخاطبین کو حکم ہو رہا
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب سے محبت
کرو اور ابن عباسؓ نے اس کو اس بات پر
محمول کیا ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت
کریں بوجہ اس قرابت کے جو آپ کے اور ان
کے درمیان میں تھی۔ پس پہلی صورت میں خطاب
جمیع مکلفین کو شامل ہے اور دوسری صورت میں
خطاب صرف قریش سے ہوگا اور اس کی تائید
اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور
بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے
قل ما اسئلکم علیہ من اجر. اور یہ بھی احتمال
ہے کہ وہ آیت عام ہو. اور آیت مبحوثہ سے اس
کی تخصیص ہو گئی ہو. مطلب یہ ہے کہ قریش اپنی
قرابتوں کو صلہ کیا کرتے تھے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ
وسلم مبعوث ہوئے تو انہوں نے قطع قرابت
کر دیا. آپ نے فرمایا کہ مجھ سے بھی صلہ کرو جس
طرح اوروں سے صلہ کرتے ہو۔ اور سعید بن
منصور نے شعبی سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے
تھے لوگوں نے ہم سے اس آیت کے متعلق بہت
پوچھا تو ہم نے ابن عباسؓ کو خط لکھ کر دریافت

فكتب ان رسول الله صلى الله عليه
وسلم كان واسط النسب في قريش
لم يكن حي من احياء قريش الا ولده
فقال الله قل لا اسئلكم عليه اجرا
الا المودة في القربى تودوني
لقرابتي منكم وتحفظوني في ذلك
وفيه قول ثالث اخرجه احمد
من طريق مجاهد عن
ابن عباسؓ ايضا ان النبي
صلى الله عليه وسلم قال قل
لا اسئلكم عليه اجرا على ما
جئتكم به من البينات والهدى
الا ان تقربوا الى الله بطاعته
اسناده ضعيف. وثبت عن
الحسن البصري نحوه والاجر
على هذا مجاز وقوله القربى هو
مصدر كالزلفى والبشرى بمعنى
القرابة والمراد في اهل القربى
وعبر بلفظ في دون اللام
كانه جعلهم مكانا للمودة ومقرالها
كما يقال لي في ال فلان هوى اي
هم مكان هواي ويحتمل ان
تكون في سببية وهذا على ان

کیا۔ انہوں نے لکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قریش
میں متوسط النسب تھے۔ کوئی قبیلہ قبائل قریش میں
سے ایسا نہ تھا جس سے آپ کا نسب نہ ہو، لہذا
اللہ نے فرمایا کہ کہہ دیجئے میں تم سے تبلیغ رسالت
کی کچھ اُجرت نہیں مانگتا۔ بلکہ مودت فی القربیٰ
چاہتا ہوں یعنی یہ کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس
قرابت کے جو تم سے ہے اور میری حفاظت اس
خیال سے کرو۔ یہاں ایک تیسرا قول اور ہے جس
کو امام احمد نے مجاہد سے انہوں نے ابن عباسؓ
سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
میں تم سے اس پر یعنی جو بینات و ہدیٰ میں لایا ہوں
اس کے معاوضہ میں کچھ اُجرت نہیں مانگتا سوا اس
کے کہ تم اللہ سے تقرب حاصل کرو بذریعہ اس کی
عبادت کے مگر اس کی سند بھی ضعیف ہے اور
حسن بصری سے بھی اسی کے مثل منقول ہے۔ اس
صورت میں اجر بمعنی مجازی ہے اور قربیٰ مصدر
ہے مثل زلفیٰ اور بشریٰ کے بمعنی قرابت اور
مراد قربیٰ سے اہل قربیٰ ہیں اور لفظ فی کا استعمال
ہوا نہ لام کا گویا کہ ان لوگوں کو مکان محبت اور
مقر محبت قرار دیا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ لی فی آل
فلاں ہوئے یعنی وہ لوگ میری محبت کے مکان
ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ فی سببیہ ہو۔ یہ تقریر
اس بنا پر ہے کہ استثناء متصل ہو اور اگر منقطع

الاستثناء متصل فان كان منقطعا فالمعنى لا اسئلكم عليه اجرا قط ولكن اسئلكم ان تودونى بسبب قرابتى فيكم.

ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ میں تم سے بالکل اُجرت نہیں مانگتا بلکہ تم سے یہ چاہتا ہوں کہ مجھ سے محبت کرو بسبب میری قرابت کے جو تم میں ہے۔

(۱۱) حافظ ابن کثیرؒ محدث اپنی تفسیر شہیر بہ تفسیر ابن کثیر میں لکھتے ہیں:-

قوله عزوجل قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة فى القربى اى قل يا محمد لهؤلاء المشركين من كفار قريش لا اسئلكم على هذا البلاغ والنصح لكم مالا تعطونيه وانما اطلب منكم ان تكفوا شركم عنى وتذرونى ابلغ رسالات ربى ان لم تنصرونى فلا تؤذونى بما بينى وبينكم من القرابة.

قولہ عزوجل قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین کفار قریش سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ اور نصیحت کے عوض میں کچھ مال نہیں مانگتا کہ تم مجھ کو دو۔ میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے ایذاء نہ پہنچاؤ اور مجھے چھوڑ دو تاکہ میں اپنے پروردگار کے احکام پہنچاؤں۔ میری مدد نہیں کرتے تو نہ کرو مگر مجھے ایذاء تو نہ دو، بسبب اس قرابت کے جو میرے تمہارے درمیان میں ہے۔

اس کے بعد صحیح بخاری وغیرہ سے دلائل اس مطلب کے نقل کر کے اور امام زین العابدینؒ وغیرہ سے جو مطلب منقول ہے اس کے روایت کا ضعیف و ناقابل اعتبار ہونا بیان کر کے لکھتے ہیں:-

وذكر نزول الآية فى المدينة بعيد فانها مكية.

اور یہ کہنا کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی تھی بعید از صحت ہے۔ کیونکہ یہ مکی ہے۔

پھر کہتے ہیں:-

والحق تفسير هذه الآية بما فسرها حبر الامة وترجمان القرآن

اور صحیح تفسیر اس آیت کی وہی ہے جو حبر الامۃ ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

عبد الله بن عباس رضی الله عنهما کما رواه عنه البخاری۔

نے بیان کی ہے جیسا کہ ان سے بخاری نے روایت کیا ہے۔

(۱۲) تفسیر روح البیان میں ہے:۔

المودة مودة الرسول علیه السلام وذلك لانه لا یجوز من النبی علیه السلام ان یطلب الاجر ایا کان علی تبلیغ الرسالة لان الانبیاء لم یطلبوه۔

مودت سے مراد رسول علیہ السلام کی محبت ہے یہ اس وجہ سے کہ نبی علیہ السلام کے لئے جائز نہیں کہ تبلیغ رسالت کی اجرت طلب کریں وہ کچھ بھی ہو کیونکہ انبیاء علیہم السلام نے اجرت نہیں مانگی

(۱۳) علامہ شہاب الدین آلوسی بغدادی اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں:۔

قل لا اسئلکم علیه ای علی ما اتعاطاه لکم من التبلیغ والبشارة وغیرهما اجرا ای نفعا ما ویختص فی العرف بالمال الا المودة ای الا ان تودونی فی القربی ای لقرابتی منکم۔

کہئے میں تم سے اس پر یعنی جو چیزیں میں تمہیں تعلیم کرتا ہوں از قسم تبلیغ و بشارت وغیرہ اس کے عوض میں کچھ اُجرت یعنی کسی قسم کا نفع طلب نہیں کرتا اجرت عرف میں مال کے ساتھ مخصوص ہے اور المودة فی القربی کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے محبت کرو قرابت کے بارے میں یعنی بوجہ اس کے کہ مجھے تم سے قرابت ہے۔

والی هذا المعنی ذهب مجاهد وقتادة وجماعة۔

اور اسی معنی کو مجاہدؒ اور قتادہؒ اور ایک جماعت نے اختیار کیا۔

پھر جو روایات اس کے متعلق ہیں ان کو ذکر کر کے اور دوسرے معانی کو بیان کر کے اور ان کی تضعیف و تسقیم کے بعد آخری فیصلہ لکھتے ہیں:۔

وقد ذهب الجمهور الی المعنی الاول وقیل فی هذا المعنی انه لا یناسب شان النبوة لما فیه

جمہور نے پہلے معنی کو اختیار کیا دوسرے معنی پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ شان نبوت کے مناسب نہیں ہے کیوں کہ اس میں تہمت کی

ن التهمة فان اكثر طلبة الدنيا يفعلون شيئا ويسئلون عليه ما يكون فيه نفع لاولادهم وقراباتهم وايضاً منافاة بقوله تعالیٰ وما تسألهم عليه من اجر وهو اولى بذلك لانه افضل ولانه صرح بنفيه في قوله قل ما اسئلكم عليه من اجر.

بات ہے اکثر طالبانِ دنیا کا یہ شیوہ ہوتا ہے کہ کوئی کام کرتے ہیں تو اس میں چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد اور اُن کے اہل قرابت کا نفع ہو نیز یہ منافی ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کہ تو ان سے کچھ اجرت نہیں مانگتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجرت نہ مانگنے کے زیادہ سزاوار ہیں کیونکہ افضل الانبیاء ہیں اور نفی اجرت کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے قول قل ما اسئلکم علیہ من اجر میں موجود ہے۔

تفسیر سراج المنیر میں بھی پہلا قول اسی کو قرار دیا ہے۔ اور نفی اجر کی ہے۔ گویا خلاصۂ تفسیر کبیر ہے۔

(۱۴) غایۃ البرہان میں ہے :۔

"فرمایا میں نہ چاہوں تم سے اس پر اجر مگر محبت قرابت داری کہ وہ بار بار مقتضی خیر خواہی ہے۔ یہ استثناء منقطع ہے اور آیت قبل از پیدائش امام حسن و حسین علیہما السلام مکہ میں نازل ہوئی "

(۱۵) حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی فتح الرحمن بترجمۃ القرآن بذیل ترجمہ آیت مجوزہ لکھتے ہیں :۔

"بگو نمی طلبم از شما بر تبلیغ قرآن ہیچ مزدے لیکن باید کہ پیش گیرید دوستی درمیان خویشاوندان۔"

اور پھر اس پر حاشیہ لکھتے ہیں کہ

"یعنی با من صلہ رحم کنید و ایذا نہ رسانید۔"

(۱۶) حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ اپنے ترجمۂ قرآن میں لکھتے ہیں :۔

"کہہ نہیں مانگتا میں تم سے اُوپر اس کے کچھ بدلا مگر دوستی بیچ قرابت کے۔"

(۱۷) حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ اپنے ترجمۂ قرآن میں لکھتے ہیں:۔
"تو کہہ میں مانگتا نہیں تم سے اس پر کچھ نیگ۔ مگر دوستی چاہیئے ناتے میں"

اور اس پر حاشیہ لکھتے ہیں:۔
یعنی قرآن پہنچانے پر نیگ نہیں مانگتا مگر قرابت کی دوستی یعنی میں تمہارا بھائی ہوں ذات کا مجھ سے بدی نہ کرو۔

یہاں تک کتبِ تفاسیر کی عبارتیں تھیں جن سے صاف ظاہر ہو گیا کہ جمہور مفسرین اہل سنت نے اس آیت کی تفسیر میں وہی قول اختیار کیا ہے جو "النجم" میں لکھا گیا تھا اور یہ کسی نے بھی نہیں لکھا کہ محبت اہل بیت اجر رسالت ہے یا معاذاللہ معاذاللہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ رسالت کی اُجرت مانگی، بلکہ سب نے اس فعل قبیح سے آپ کا پاکدامن ہونا خوب شد و مد سے بیان کیا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء۔

اب میں آخر میں یہ بھی دکھانا چاہتا ہوں کہ شیعوں کے امام اعظم شیخ حلی نے اپنی کتاب منہاج الکرامۃ میں بھی اس آیت کو اثبات خلافت بلافصل کے لیے پیش کیا تھا اور ایسی ہی خرافات باتیں انہوں نے بھی لکھی تھیں۔ اور شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے اُن کا ایسا قلع قمع کیا کہ آج تک کسی شیعہ کو ہمت جواب دینے کی نہ ہوئی مگر آفرین ہے اس فرقہ کی حیا پر کہ ایسی خرافاتِ مردودہ کو بار بار لکھتے ہیں اور ذرہ برابر شرم نہیں کرتے۔ عبارت منہاج السنۃ حسب ذیل ہے۔

عبارت کتاب منہاج السنّۃ

قال الرافضی البرھان السابع قولہ تعالیٰ قل لا اسئلکم علیہ اجرا	رافضی کہتا ہے کہ ساتواں برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا

المودة في القربى. روى احمد
[بن] حنبل في مسنده عن ابن
[عب]اس رض قال لما نزلت قل لا اسئلكم
[ع]ليه اجرا الا المودة في القربى
[ق]الوا يارسول الله من قرابتك الذين
وجبت علينا مودتهم قال علي رض
وفاطمة رض وكذلك في تفسير
الثعلبي ونحوه في الصحيحين و
غير علي من الصحابة والثلاثة
لا تجب مودته فيكون علي
افضل فيكون هو الامام ولان
مخالفته تنافي المودة
وبامتثال اوامره تكون مودته
فيكون واجب الطاعة وهو معنى
الامامة والجواب من وجوه
احدها المطالبة بصحة هذا
الحديث وقوله ان احمد روى
هذا كذب بين فان مسند احمد
موجود به من النسخ ما شاء الله
وليس فيه هذا الحديث واظهر
من ذلك كذبا قوله ان هذا في
الصحيحين وليس هو في الصحيحين
بل فيهما وفي المسند ما يناقض

المودۃ فی القربیٰ، احمد بن حنبل نے اپنے مسند میں
ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ جب
قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ
نازل ہوئی تو لوگوں نے کہا یا رسولؐ آپ کے
قرابت والے کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب
ہے؟ آپ نے فرمایا علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما۔
اور ایسا ہی تفسیر ثعلبی میں ہے اور اسی کے مثل
صحیحین میں ہے اور علیؓ کے سوا کسی صحابی کی اور
خلفائے ثلثہ کی محبت واجب نہیں؟ لہذا علیؓ
افضل ہوئے پس وہی امام ہوں گے اور چونکہ
ان کی مخالفت محبت کے منافی ہے اور ان
کے احکام کے ماننے ہی سے ان کی محبت ہو
سکتی ہے؟ لہذا وہ واجب الطاعۃ ہوئے۔
یہی معنی امامت کے ہیں۔ اور جواب کئی طور پر
ہے۔ اول یہ کہ اس حدیث کی صحت کا ثبوت
مانگا جائے اور رافضی کا یہ کہنا کہ امام احمد نے
اس حدیث کو روایت کیا ہے کذب صریح
ہے۔ امام احمد کے مسند کے بے تعداد نسخہ موجود
ہیں ان میں یہ حدیث کہیں نہیں ہے اور اس
سے زیادہ واضح جھوٹ اس کا یہ قول ہے کہ
یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ حالانکہ یہ حدیث صحیحین
میں نہیں ہے بلکہ صحیحین میں اور مسند میں اس
کے خلاف روایت موجود ہے۔ اس میں کچھ

ذلك ولاريب ان هذا الرجل وامثاله جهال بكتب اهل العلم لا يطالعونها ولا يعلمون ما فيها ورايت بعضهم جمع لهم كتابا في احاديث من كتب متفرقة معزوة تارة الى الصحيحين وتارة الى مسند احمد وتارة الى المغازي والموفق خطيب خوارزم والثعلبي وامثاله وسماه الطرائف في الرد على الطوائف واخر صنف كتابا لهم سماه العمدة واسم مصنفه ابن البطريق و هؤلاء مع كثرة الكذب فيما يردونه فهم امثل حالا من ابي جعفر محمد بن علي الذي صنف لهم وامثاله فان هؤلاء يردون من اكاذيب ما لا يخفى الاعلى من هو من اجهل الناس ورايت كثيرا من ذلك المعزو الذي عزاه اولئك الى المسند والصحيحين وغيرهما باطلا لا حقيقة له يعزون الى مسند احمد ما ليس فيه اصلا نعم احمد

شک نہیں کہ یہ شخص اور اس کے مثل دوسرے رافضی اہل علم کی کتابوں سے جاہل ہیں نہ ان کا مطالعہ کرتے ہیں نہ جانتے ہیں کہ ان میں کیا ہے۔ میں نے ان میں سے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں متفرق کتابوں کی حدیثیں ہیں کوئی صحیحین کی طرف منسوب ہے کوئی مسند امام احمد کی طرف، کوئی مغازی اور کوئی موفق خطیب خوارزم کی طرف اور ثعلبی وغیرہ کی طرف۔ اس کتاب کا نام الطرائف فی الرد علی الطوائف ہے اور ایک اور شخص نے اور کتاب لکھی ہے جس کا نام عمدہ ہے اور اس کے مصنف کا نام ابن بطریق ہے یہ لوگ اپنے مرویات میں بکثرت جھوٹ بولنے پر بھی ابو جعفر یعنی محمد بن علی وغیرہ سے بہتر ہیں جس نے ان کے مذہب کی کتابیں لکھی ہیں کیونکہ ابو جعفر وغیرہ تو ایسی ایسی جھوٹ باتیں روایت کرتے ہیں جو سوا اس شخص کے جو اجہل الناس ہو کسی پر مخفی نہیں۔ ان لوگوں نے جو حدیثیں مسند اور صحیحین وغیرہ کی طرف منسوب کی ہیں ان میں سے بہت حوالوں کو میں نے غلط بے اصل پایا مسند احمد کے حوالہ سے کوئی حدیث لکھتے ہیں حالانکہ وہ اس میں نہیں ہوتی۔ ہاں امام احمد نے ایک کتاب حضرت ابو بکر

صنف کتاباً فی فضائل ابی بکر و
عمر وعثمانؓ وعلیؓ و قد یروی
فی هذا الکتاب ما لیس فی
المسند ولیس کل ما رواه احمد
فی المسند وغیره یکون حجة عنده
بل یروی ما رواه اهل العلم
وشرطه فی المسند ان لا یروی
عن المعروفین بالکذب عنده و
ان کان فی ذلك ما هو ضعیف
وشرط فی المسند مثل
شرط ابی داؤد فی سننه
واما کتب الفضائل فیروی
ما سمعه من شیوخه
سواء کان صحیحاً او ضعیفاً
فانه لم یقصد ان لا یروی
فی ذلك الا ما ثبت عنده ثم زاد ابن
احمد زیادات و زاد ابوبکر القطیعی زیادات
وفی زیادات القطیعی
احادیث کثیرة موضوعة
فظن ذلك الجاهل ان تلك
من روایة احمد وانه رواها
فی المسند وهذا خطأ قبیح فان
الشیوخ المذکورین شیوخ

وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے فضائل میں
تصنیف کی اور اس کتاب میں بعض حدیثیں
انہوں نے ایسی لکھی ہیں جو مسند میں نہیں ہیں
اور مسند وغیرہ میں جو حدیثیں امام احمد لکھتے
ہیں تو کچھ ضروری نہیں کہ ان کے نزدیک معتبر
ہوں بلکہ جو حدیثیں اور علماء نے روایت کی
ہیں ان کو وہ بھی روایت کرتے ہیں شرط ان
کی مسند میں صرف اس قدر ہے کہ جو لوگ ان
کے نزدیک جھوٹے ثابت ہو چکے ان سے روایت
نہ لیں اور سب سے لیں اگرچہ وہ ضعیف
ہوں۔ اور ان کے شرط مسند میں مثل ابوداؤد
کی شرط کے ہے سنن میں۔ باقی رہیں کتب
فضائل میں ان میں وہ تمام حدیثیں روایت
کر دیتے ہیں جو انہوں نے اپنے اساتذہ
سے سنیں۔ خواہ وہ صحیح ہوں یا ضعیف کیونکہ
انہوں نے یہ ارادہ نہیں کیا کہ جو حدیث ان
کے نزدیک ثابت ہو اسی کو روایت کریں۔
پھر امام احمد کے بیٹے نے کچھ حدیثیں بڑھائی
ہیں اور ابوبکر قطیعی نے کچھ حدیثیں بڑھائی ہیں قطیعی کی بڑھائی
ہوئی حدیثوں میں بہت موضوع ہیں۔ پس جاہل رافضی نے یہ
سمجھ لیا کہ اس روایت کو امام احمد نے لکھا ہے۔
اور انہوں نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے
حالانکہ یہ خطائے قبیح ہے۔ کیونکہ جن اساتذہ

القطيعي كلهم متاخرون عن
احمد وهم ممن يروي عن احمد
لا ممن يروي احمد
عنه. وهذا مسند وكتاب
الزهد وكتاب الناسخ و
المنسوخ وكتاب التفسير وغير
ذلك من كتبه يقول حدثنا
وكيع حدثنا عبد الرحمٰن بن
مهدي حدثنا سفيان حدثنا
عبد الرزاق فهذا احمد وتارة
يقول حدثنا ابو معمر القطيعي
حدثنا علي بن الجعد حدثنا ابو
نصر التمار فهذا عبد الله وكتابه
في فضائل الصحابة له فيه هذا
وهذا وفيه من زيادات القطيعي
يقول حدثنا احمد بن عبد الجبار
الصوفي او مثاله ممن هو مثل
عبد الله بن احمد في الطبقة وهو
ممن غايته ان يروي عن احمد
فان احمد ترك الرواية في آخر
عمره لما طلب الخليفة ان يحدثه
ويحدث ابنه ويقيم عنده
فخاف على نفسه من فتنة

کا نام بتایا گیا ہے وہ سب قطیعی کے اساتذہ
میں امام احمد سے بعد کے ہیں اور وہ ان لوگوں
میں ہیں جو امام احمد سے روایت کرتے ہیں نہ
ان لوگوں میں جن سے امام احمد روایت کریں لہذا
امام احمد کا مسند ان کی کتاب الزہد کتاب الناسخ
والمنسوخ اور کتاب التفسیر اور نیز اور کتابیں
ہیں جن میں ان کی سند یہ ہوتی ہے۔ حدثنا وکیع
حدثنا عبد الرحمٰن بن مہدی حدثنا سفیان حدثنا
حدثنا عبد الرزاق یہ امام احمد کی سند ہے اور
کوئی سند اس طرح ہوتی ہے۔ حدثنا ابو معمر
القطیعی حدثنا علی بن الجعد حدثنا ابو نصر التمار یہ
عبد اللہ بن احمد کی سند ہے۔ اور کتاب فضائل
الصحابہ میں وہ سند بھی ہے اور یہ سند بھی اور
اس میں قطیعی کی بڑھائی ہوئی روایات بھی ہیں
جن کی سند یوں ہے۔ حدثنا احمد بن عبد الجبار الصوفی
یہ لوگ طبقہ میں عبد اللہ بن احمد کی مثل ہیں ان
لوگوں کی انتہا یہ ہے کہ امام احمد سے روایت
کریں اور امام احمد نے اخیر عمر میں روایت چھوڑ
دی تھی جب کہ بادشاہ نے ان سے درخواست
کی کہ مجھ کو اور میرے بیٹے کو حدیث پڑھا دیجیے
اور میرے ہی پاس قیام کیجیے ان کو اپنی ذات
پر فتنہ دنیا کا اندیشہ ہوا، لہذا انہوں نے
حدیث پڑھانا بالکل چھوڑ دیا تاکہ اس فتنہ

لدنيا نامتنم من الحديث
طلقا ليسلم من ذلك
لانه قد حدث بما كان عنده
قبل ذلك فكان يذكر الحديث
باسناده بعد شيوخه ولا يقول
حدثنا فلان فكان من
يسمعون منه ذلك يفرحون
برواياتهم عنه- فهذا القطيعي
يروي عن شيوخه زيادات و
كثير منها كذب موضوع و
هؤلاء قد وقع لهم هذا الكتاب
ولم ينظروا ما فيه من فضائل
سائر الصحابة بل عرض ذلك
علي وكلما زاد حديثا ظنوا ان
القائل ذلك هو احمد بن حنبل
فانهم لا يعرفون الرجال وطبقاتهم
وان شيوخ القطيعي يمتنع ان
يروي احمد عنهم شيئا ثم انهم
لفرط جهلهم ما سمعوا كتابا الا
المسند فلما ظنوا ان احمد رواه
وانه انما يروي في المسند
صاروا يقولون لما رواه القطيع
رواه احمد في المسند هذا

سے محفوظ رہیں اور جس قدر حدیثیں ان کے پاس
تھیں وہ اس سے پہلے بیان کر چکے تھے پس اس
کے بعد وہ حدیث کو اپنی سند کے ساتھ اپنے
اساتذہ کے نام کے بعد سے بیان کرتے تھے یہ
نہ کہتے تھے کہ مجھ سے فلاں نے بیان کیا ، لہٰذا جو
لوگ ان سے سنتے تھے وہ ان سے روایت
کرنے میں خوش ہوتے تھے ۔ یہ قطیعی ہیں جو
اپنے اساتذہ سے بہت سی روایتیں نقل
کرتے ہیں حالانکہ ان میں اکثر جھوٹ اور موضوع
ہوتی ہیں ۔ ان جاہل رافضیوں کو یہی کتاب مل
گئی ہے اور انہوں نے اس کتاب میں
دوسرے صحابہ کے فضائل نہ دیکھے صرف علیؓ
کے دیکھے اور جس قدر حدیثیں بڑھائی ہوئی
تھیں ان کے قائل امام احمد کو سمجھ لیا کیوں
کہ یہ لوگ اسماء الرجال کو اور ان کے طبقات
کو نہیں جانتے اور یہ کہ محال ہے کہ امام احمد
قطیعی کے اساتذہ سے کچھ روایت کریں پھر
ان لوگوں نے اپنی فرط جہالت سے کوئی
کتاب مسند کے سوا نہ سنی تھی ، لہٰذا یہ سمجھا
کہ جب امام احمد نے اس کو روایت کیا
ہے تو ضرور ہے کہ مسند میں روایت کیا ہو
گا ، لہٰذا قطیعی کی روایت کو کہنے لگے کہ امام
احمد نے اس کو مسند میں روایت کیا ہے ۔ یہ

ان لم يزيدوا على القطيعي ما
لم يروه فان الكذب عندهم
غير مأمون ولهذا يغير و
صاحب الطرائف وصاحب العمدة
احاديث الى احمد لم يروها
احمد لا في هذا ولا في هذا او
لا سمعها احمد قط واحسن حال
هؤلاء ان تكون تلك مما رواه
القطيعي فيه من الموضوعات
القبيحة الوضع ما لا يخفى على
عالم ونقل هذا الرافضي من
جنس صاحب كتاب العمدة
والطرائف فما ادري نقل عنه
او عمن ينقل عنه والا فمن له
بالنقل ادنى معرفة يستحي ان
يعزو مثل هذا الحديث الى
مسند احمد والصحيحين. و
الصحيحان والمسند نسخهما
ملء الارض وليس هذا في
شيء منها وهذا الحديث لم
يرو في شيء من كتب العلم المعتمدة
اصلا وانما يروي مثل هذا
من يحطب بالليل كالثعلبي وامثاله

اس وقت ہے کہ جھوٹ حوالہ قطیعی کا نہ دیں
ورنہ جھوٹ نہ بولنے کا ان لوگوں کی طرف
سے اطمینان نہیں ہے۔ چنانچہ صاحب طرائف
اور صاحب عمدہ ایسی حدیثیں امام احمد کی
طرف منسوب کر دیتے ہیں جو انہوں نے نہ
اس کتاب میں روایت کی ہیں نہ اس کتاب
میں اور نہ امام احمد نے کبھی ان روایتوں کو
سنا سب سے عمدہ حالت ان کی یہ ہے کہ
وہ قطیعی روایتیں ہوں اور قطیعی کی روایت
میں بڑے بڑے موضوعات ہیں جو کسی عالم
سے پوشیدہ نہیں۔ اس رافضی نے اسی قسم
کی کسی کتاب سے جیسی کتاب عمدہ اور کتاب
طرائف ہے یہ روایتیں نقل کی ہیں یہ مجھے
معلوم نہیں کہ بلا واسطہ ان کتابوں سے نقل
کی ہیں یا نقل در نقل ہے ورنہ جس کو منقولات
کا کچھ بھی علم ہو وہ اس قسم کی روایات کو
مسند امام احمد اور صحیحین کی طرف منسوب
کرنے سے شرم کرے گا۔ صحیحین اور مسند
کے نسخے دنیا بھر میں موجود ہیں۔ یہ روایت
کسی میں نہیں ہے اور نہ ان کے علاوہ کسی
اور معتبر کتاب میں ہے۔ اس قسم کی روایتیں
وہی لوگ روایت کرتے ہیں جو حاطب اللیل
ہوتے ہیں مثل ثعلبی وغیرہ کے جو صحیح اور

ین یردون الغث والسمین
تمییز۔

غیر صحیح ہر قسم کی روایات بلا امتیاز روایت کردیا کرتی ہیں۔

یه الثانی۔ ان هذا الحدیث
ب موضوع باتفاق اهل
رفة بالحدیث وهم المرجع
سم فی هذا ولهذا لا یوجد
ئ من کتب الحدیث التی
بم الیها۔

دوم یہ کہ یہ حدیث باتفاق علمائے حدیث جھوٹی ہے موضوع ہے اور اس بارہ میں علمائے حدیث ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ روایت حدیث کی کسی ایسی کتاب میں جس کی طرف رجوع کیا جائے نہیں پائی جاتی۔

ب الثالث۔ ان هذه الآیة
سورة الشوریٰ وهی مکیة
اق اهل السنة بل جمیع آل
مکیات وکذلك آل طس و
المعلوم ان علیا انما تزوج
طمة بالمدینة بعد غزوة بدر
لحسن ولد فی السنة الثالثة من الهجرة
لحسین فی السنة الرابعة فتکون
ه الآیة قد نزلت قبل وجود
سن والحسین بسنین متعددة
یف یفسر النبی صلی الله علیه وسلم
یة بوجوب مودة قرابة لا تعرف
لم تخلق۔

سوم یہ کہ یہ آیت سورۂ شوریٰ میں ہے۔ اور وہ باتفاق اہل سنت کی ہے بلکہ تمام آل حم کی سورتیں کی ہیں اور اسی طرح آل طس۔ اور یہ بات قطعی ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے مدینہ میں نکاح کیا ہے غزوۂ بدر کے بعد اور حضرت حسنؓ ۳ھ میں حضرت حسینؓ ۴ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ پس یہ آیت حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے وجود سے کئی سال پہلے نازل ہوئی تھی۔ پس کیونکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر ایسی قرابت کی محبت واجب ہونے کے ساتھ کر سکتے ہیں جو ابھی معلوم ہی نہیں موجود نہیں۔

وجه الرابع۔ ان تفسیر الآیة الذی
الصحیحین عن ابن عباس یناقض

چہارم یہ کہ تفسیر اس آیت کی جو صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، اس

ذلك ففي الصحيحين عن سعيد
ابن جبير قال سئل ابن عباس
عن قوله تعالیٰ قل لا اسئلکم علیه
اجرا الا المودة فی القربی فقلت
ان لا تؤذوا محمدا فی قرابته فقال
ابن عباس عجلت انه لم یکن
بطن من قریش الا لرسول الله
صلی الله علیه وسلم فیهم قرابة
فقال لا اسئلکم علیه اجرا
لکن ان تصلوا القرابة
التی بینی و بینکم فهذا ابن
عباسؓ ترجمان القرآن واعلم
اهل البیت بعد علیؓ
یقول لیس معناها مودة
ذوی القربی لکن
معناها لا اسئلکم یا معشر
العرب و یا معشر قریش
علیه اجرا لکن اسئلکم ان
تصلوا القرابة التی بینی و
بینکم فهو سأل الناس
الذین ارسل الیهم اولا
ان یصلوا رحمه فلا
یعتدوا علیه حتی یبلغ

روایت کے خلاف ہے صحیحین میں سعید بن جبیرؓ
سے روایت ہے وہ کہتے تھے کہ ابن عباسؓ
سے اللہ تعالیٰ کے قول قل لا اسئلکم علیہ اجرا
الا المودۃ فی القربی کے متعلق پوچھا گیا تو میں
نے جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی
قرابت کے بارے میں نہ ستاؤ۔ تو ابن عباسؓ
نے کہا کہ تم نے (جواب دینے میں عجلت کی۔
(اصل یہ ہے کہ) قریش کا کوئی خاندان ایسا نہ تھا
جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت
نہ ہو لہٰذا فرمایا کہ میں تم سے تبلیغ رسالت کی
کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ لیکن یہ کہ تم اس
قرابت کا لحاظ کرو جو میرے اور تمہارے
درمیان میں ہے۔ پس یہ ابن عباسؓ جو ترجمان
القرآن ہیں اور حضرت علیؓ کے سوا تمام اہلبیت
سے زیادہ علم رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ اس کے
معنی ذوی القربی کی محبت نہیں ہیں بلکہ معنی
اس کے یہ ہیں کہ اے گروہ عرب اور اے
گروہِ قریش میں تم سے تبلیغ کی کوئی اُجرت
نہیں مانگتا، صرف یہ کہتا ہوں کہ اس قرابت
کا صلہ کرو جو میرے تمہارے درمیان میں
ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
لوگوں سے جن کی طرف آپ بھیجے گئے تھے
یہ درخواست کی کہ صلہ رحم کریں اور آپ پر

الة ربه.
جه الخامس. انه قال لا اسئلكم
يه اجرا الا المودة في القربى لو
ل الا المودة للقربى ولا المودة
ذى القربى فلو اراد المودة لذى
قربى لقال المودة لذوى القربى
قال واعلموا انما غنمتم من شئ
ن لله خمسه وللرسول ولذى القربى
ال ما افاء الله على رسوله من
ل القرى فلله وللرسول ولذى
ربى اور ايسا ہی فرمايا فآت ذا القربى حقه
لمسكين وابن السبيل وقوله وآتى
ال على حبه ذوى القربى و
لذا في غير موضع فجميع
في القرآن من توصية بحقوق
ى قربى النبى صلى الله عليه
م بذوى قربى الانسان انما
ل فيها ذوى القربى ولم يقل
لقربى فلما ذكر ههنا المصدر
ن الاسم دل على انه لم يرد ذوى القربى
جه السادس انه لو اريد
هم لقال المودة لذوى
ربى ولم يقل في القربى

ظلم نہ کریں تاکہ آپ اپنے رب کا پیغام پہنچائیں۔
پنجم یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ لا اسئلکم
علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی یہ نہیں فرمایا
کہ الا المودۃ للقربی۔ اور نہ یہ کہ المودۃ
لذوی القربی پس اگر ذوی القربی کی محبت
مراد ہوتی تو المودۃ لذوی القربی فرماتا جیسا فرمایا
واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ
خمسہ وللرسول ولذی القربی اور ما افاء
اللہ علی رسولہ من اہل القری فللہ
وللرسول ولذی القربی۔ اور ایسا ہی فرمایا
فآت ذا القربی حقہ والمسکین وابن السبیل
اور فرمایا۔ وآتی المال علی حبہ ذوی القربی
اسی طرح بہت مقامات میں ہے پس تمام
قرآن میں جہاں کہیں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے ذوی قربی یا کسی شخص کے ذوی القربی
کے متعلق حکم دیا گیا ہے وہاں ذوی القربی
کہا گیا ہے فی القربی نہیں کہا گیا۔ پس جب کہ
یہاں مصدر مذکور ہوا نہ اسم۔ تو معلوم ہوا کہ
ذوی القربی مراد نہیں۔

ششم یہ کہ ذوالقربی کی محبت مراد ہوتی تو
مودۃ لذوی القربی فرماتا فی القربی نہ فرماتا۔ کیونکہ جو
شخص اپنے سوا کسی کے لیے محبت طلب کرتا

فانه لايقول من طلب المودة لغيره اسئلك المودة فى فلان ولا فى قربى فلان ولكن اسئلك المودة لفلان المحبة لفلان فلما قال المودة فى القربى علم انه ليس المراد لذوى القربى.

الوجه السابع. ان النبى صلى الله عليه وسلم لا يسئل على تبليغ رسالة ربه اجرا البتة بل اجره على الله كما قال قل ما اسئلكم عليه من اجر وما انا من المتكلفين وقوله ام تسئلهم اجرا فهم من مغرم مثقلون وقوله قل ما سألتكم من اجر فهو لكم ان اجرى الا على الله ولكن الاستثناء ههنا منقطع كما قال قل ما اسئلكم عليه من اجر الا من شاء ان يتخذ الى ربه سبيلا ولا ريب ان محبة اهل بيت النبى صلى الله عليه وسلم واجبة لكن لم يثبت وجوبها بهذه الاية ولا محبتهم اجر

ہے۔ یہ نہیں کہتا کہ اسئلك المودة فى فلان اور نہ یہ کہتا ہے کہ فی قربی فلان بلکہ کہتا ہے کہ اسئلك المودة لفلان والمحبة لفلان پس یہ جو فرمایا کہ المودة فى القربى تو معلوم ہوا کہ ذوی القربی مراد نہیں ہیں۔

ہفتم یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز اپنے رب کا پیغام پہنچانے کی اجرت نہیں مانگ سکتے بلکہ ان کا اجر اللہ کے ذمہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نبی کہہ دو کہ میں تبلیغ کی اجرت نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں اور فرمایا کہ اے نبی کیا تم ان سے کچھ اجرت مانگتے ہو جس کے بوجھ سے یہ گھبراتے ہیں اور فرمایا کہ اے نبی کہہ دو کہ جو کچھ اجرت میں نے تم سے مانگی ہو وہ تم اپنے ہی پاس رکھو۔ میری اجرت تو اللہ کے ذمہ ہے۔ بلکہ استثناء یہاں منقطع ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا۔ اے نبی کہہ دو کہ میں تبلیغ کی کچھ اجرت نہیں مانگتا سوا اس کے کہ جو شخص اپنے پروردگار کی طرف راہ بنانا چاہے (وہ بنالے) اس میں کچھ شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی محبت واجب ہے مگر اس کا وجوب

بى صلى الله عليه وسلم
هو مما امرنا الله به كما
نا بسائر العبادات وفى
صحيح عنه انه خطب
حا به بغدير يدعى
ا بين مكة والمدينة
ال اذكركم الله فى
هل بيتى وفى السنن
ه انه قال والذى نفسى
ه لا يدخلون الجنة
ى يحبوكم لله ولقرابتى
ن جعل محبة اهل بيته
را له يونيه فقد اخطأ
طأ عظيما ولو كان
را له لم نثب عليه نحن
نا اعطيناه اجره الذى
ستحقه بالرسالة فهل
زل مسلم مثل هذا.

وجه الثامن ان القربى معرفة
للام فلا بد ان يكون معروفا
ند المخاطبين الذين امر

اس آیت سے ثابت نہیں ہے اور نہ محبت ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجرت ہے بلکہ وہ محبت منجملہ ان چیزوں کے ہے جن کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے جس طرح اور عبادات کا حکم دیا ہے۔ صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے مقام غدیر خم میں مکہ اور مدینہ کے درمیان میں اپنے صحابہ کے سامنے خطبہ پڑھا اور اس میں فرمایا کہ میں تم لوگوں کو اپنے اہلبیت کے بارے میں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔ اور سنن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے (اپنے اہلبیت سے) فرمایا کہ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ تم لوگوں سے اللہ کے لیئے اور میری قرابت کی وجہ سے محبت کرے پس جس شخص نے محبت اہلبیت کو اجر رسالت کہا اس نے سخت خطا کی۔ اگر وہ اجر ہوتا تو ہمیں اس پر ثواب نہ ملتا کیونکہ وہ اُجرت مستحق کر دی کیا کوئی مسلمان ایسا کہہ سکتا ہے۔

ہشتم یہ کہ قربیٰ یہاں معرف باللام ہے پس ضروری ہوا کہ اس کو وہ لوگ جو مخاطب تھے جن کو حکم دیا گیا تھا کہ نبی ان سے فرما دیں کہ میں

ان يقول لهم لا اسئلكم عليه اجرا و قد ذكرانها لما نزلت لم يكن قد خلق الحسن والحسين ولا تزوج علي بفاطمة فالقربى التي كان المخاطبون يعرفونها يمتنع ان تكون هذه بخلاف القربى التي بينه و بينهم فانها معروفة عندهم كما تقول لا اسئلك الا المودة في الرحم التي بيننا و كما تقول لا اسئلك الا العدل بيننا وبينكم ولا اسئلك الا ان تتقي الله في هذا الامر.

الوجه التاسع. انا نسلم ان عليا تجب مودته بدون الاستدلال بهذه الاية لكن ليس في وجوب موالاته ومودته ما يوجب اختصاصه بالامامة ولا الفضيلة واما قوله والثلاثة لا تجب موالاتهم فممنوع بل يجب علينا مودتهم وموالاتهم فانه قد ثبت

تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا الی آخرہ۔ وہ اس کو جانتے ہوں اور ابھی بیان ہو چکا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حسن وحسین پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور نہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کیا تھا پس وہ قرابت جس کو مخاطب لوگ جانتے تھے محال ہے کہ یہ قرابت ہو بخلاف اس قرابت کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کفار قریش کے درمیان میں تھی اس کو سب جانتے تھے یہ ویسا ہی ہے جیسے تم کہو کہ میں تجھ سے کچھ نہیں چاہتا سوا مودت فی الرحم کے جو ہمارے درمیان میں ہے اور کہو کہ میں کچھ نہیں چاہتا سوا انصاف باہمی کے اور میں کچھ نہیں مانگتا سوا اس کے کہ اس معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔

نہم یہ کہ ہم اس کو مانتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی محبت واجب ہے اس کو اس آیت سے ثابت کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ مگر محبت کے واجب ہونے سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ صرف حضرت علیؓ امام ہیں اور نہ ان کی کوئی فضیلت اس سے ثابت ہوتی ہے اور رافضی کا یہ کہنا کہ ثلاثہؓ کی محبت واجب نہیں ہم نہیں مانتے بلکہ ان کی محبت بھی واجب ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ اللہ ان سے محبت رکھتا

ن الله يحبهم ومن كان الله
سبه وجب علينا مودته فان
حب في الله والبغض في
له واجب وهو اوثق
عرى الايمان
كذلك هم من اكابر اولياء
ه المتقين وقد اوجب الله
الاتهم بل قد ثبت ان الله
ي عنهم ورضوا عنه بنص
قران وكل من رضي الله عنه
ب والله يحب المتقين المحسنين
لمقسطين والصابرين وهؤلاء
فضل من دخل في هذه
نصوص من هذه الامة بعد
نا وفي الصحيحين عن النبي
لى الله عليه وسلم انه قال مثل
منين في توادهم وتراحمهم و
طفهم كمثل الجسد الواحد ان
شتكى منه عضو تداعى له سائر
سد بالحمى والسهر فهو اخبرنا
المؤمنين يتوادون ويتعاطفون
تراحمون وانهم في ذلك كالجسد
احد وهؤلاء قد ثبت ايمانهم

ہے اور جس سے اللہ محبت رکھتا ہو اس کی محبت
ہم پر بھی واجب ہے کیونکہ حب للہ اور بغض اللہ
واجب ہے اور وہ ایمان کی مضبوط رسیوں
میں سے ہے۔ نیز حضرات ثلاثہؓ اولیاء اللہ متقین
کے اکابر سے ہیں اور بہ تحقیق خدا نے ان کی
محبت واجب کی ہے بلکہ یہ بات نص قرآن
سے ثابت ہے کہ خدا ان سے راضی ہے اور وہ
خدا سے راضی ہیں اور جتنے لوگوں سے خدا راضی ہے وہ خدا
کے محبوب ہیں اور اللہ کے محبوب متقی و محسن
اور مقسط اور صابر لوگ ہوتے ہیں اور خلفائے
ثلاثہ ان تمام لوگوں سے افضل ہیں جو ان
نصوص میں اس امت میں سے داخل ہیں نبی
کے بعد۔ اور صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم
سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا مومنین کی
مثال آپس کی محبت و مہربانی میں مثل ایک
جسم کے ہوتی ہے کہ اگر ایک عضو اس میں سے
بیمار ہو تو باقی اعضاء بھی درد مند ہو جاتے
ہیں بخار آتا ہے نیند نہیں آتی پس حضرت
نے ہمیں یہ خبر دی کہ مومنین باہم دوستی
و شفقت و مہربانی کیا کرتے ہیں وہ دوسرے
پر وہ میں مثل ایک جسم کے ہیں اور حضرات
خلفائے ثلاثہؓ کا ایمان نصوص سے اور
اجماع سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت [illegible]

بالنصوص والاجماع كما ثبت ايمان
عليّ بل كل طريق دل على ايمان
عليّ فهو على ايمانهم اول و
الطريق التي يقدح بها فيهم
يجاب عنها كما يجاب عن
القدح في عليّ و اولى
فان الرافضي الذي يقدح فيهم
ويتعصب لعلي فهو منقطع
الحجة كاليهود والنصارى الذين
يريدون اثبات نبوة موسى و
عيسى والقدح في نبوة محمد صلى
الله عليه وسلم ولهذا لا يمكن
الرافضي ان يقيم الحجة على
النواصب الذي يبغضون عليا
او يقدحون في ايمانه من الخوارج
وغيرهم فانهم قالوا له بأي
شيء علمت ان عليا مومن او
ولي لله تعالى فان قال
بالنقل المتواتر باسلامه وحسناته
قيل له هذا النقل موجود في
ابي بكرؓ وعمرؓ وعثمانؓ
وغيرهم من اصحاب النبي
صلى الله عليه وسلم بل النقل

کا ایمان ثابت ہے بلکہ جتنے دلائل حضرت علیؓ
کے ایمان کے ہیں وہ حضرات ثلاثہ رضی کے
ایمان پر زیادہ دلالت کرتے ہیں۔ اور جو
اعتراض کسی دلیل پر ہوتا ہے اس کا جواب
اسی طرح دیا جاتا ہے جس طرح حضرت علیؓ
کے اعتراضات کا بلکہ اس سے بہتر کیوں کہ
رافضی جو خلفائے ثلاثہؓ پر قدح کرتا ہے اور
حضرت علیؓ کی حمایت کرتا ہے اس کے پاس
کوئی دلیل نہیں ہے مثل یہود ونصاریٰ کے جو
حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی
نبوت ثابت کرنا چاہتے ہیں اور محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کی نبوت پر اعتراض کرتے ہیں اسی
وجہ سے رافضی کے لیے ممکن نہیں کہ نواصب
کے سامنے کوئی دلیل پیش کر سکے جو کہ
حضرت علیؓ سے بغض رکھتے ہیں یا ان کے ایمان
میں قدح کرتے ہیں مثل خوارج وغیرہ کے۔
وہ لوگ رافضی سے کہتے ہیں کہ تجھ کو کس
بات سے معلوم ہوا کہ علیؓ مومن تھے یا اللہ
تعالیٰ کے ولی تھے۔ اگر رافضی کہے کہ نقل
متواتر سے ان کا اسلام اور ان کی نیکیاں
ثابت ہیں تو اس سے کہا جائے کہ ایسی نقل
تو حضرت ابو بکر وعمر وعثمان اور دوسرے
صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی موجود

المتواتر بحسنات هؤلاء السليمة
عن المعارض اعظم من
النقل المتواتر في مثل ذلك
لعلي وان قال بالقرآن الدال
على ايمان عليؓ قيل له القرآن انما
دل باسماء عامة كقوله لقد
رضي الله عن المؤمنين
ونحو ذلك وانت تخرج
اكابر الصحابة فاخراج واحد اسهل وان
قال بالاحاديث الدالة
على فضائله او نزول
القرآن فيه قيل احاديث
اولئك اكثر واصح و
قد قدحت فيهم وقيل
له تلك الاحاديث التي
في فضائل عليؓ انما
رواها الصحابة الذين
قدحت فيهم فان كان
القدح صحيحا بطل النقل
وان كان النقل
صحيحا بطل القدح وان
قال بنقل الشيعة او تواترهم
قيل له الصحابة لم يكن

ہے۔ بلکہ ان حضرات کی نیکیوں کے بارے میں
جو کہ معارض سے محفوظ ہیں، اس نقل متواتر سے
جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نیکیوں کے بارے
میں ہے بہت زیادہ ہیں۔ اور اگر رافضی کہے
کہ قرآن سے معلوم ہوا جو حضرت علیؓ کے
ایمان پر دلالت کرتا ہے تو اس سے کہا جائے
کہ قرآن تو اوصاف عامہ پر دلالت کرتا
ہے جیسے لقد رضی اللہ عن المومنین
اور مثل اس کے اور تو جب کہ اکابر صحابہؓ کو
اس سے خارج کر دیتا ہے تو ایک کا خارج
کر دینا زیادہ آسان ہے۔ اور اگر رافضی کہے
کہ احادیث سے معلوم ہوا جو علیؓ کے فضائل
پر دلالت کرتی ہیں یا ان کے بارے میں
نزول قرآن پر دلالت کرتی ہیں تو اس سے
کہا جائے گا کہ جو حدیثیں زیادہ اور صحیح تھیں
تو نے ان میں قدح کر دی اور اس سے کہا
جائے گا کہ جو حدیثیں علیؓ کے فضائل میں
ہیں ان کو انہیں صحابہ سے روایت کیا ہے
جن پر تو قدح کر چکا۔ اگر وہ قدح صحیح ہے
تو ان کی روایت غلط اور اگر روایت صحیح
ہے تو تیری قدح غلط۔ اور اگر رافضی کہے کہ
شیعوں کی روایت سے اور ان کے تواتر
سے معلوم ہوا تو اس سے کہا جائے گا کہ

فيهم من الرافضة احد و
الرافضة تطعن في جميع
الصحابة الا نفرا قليلا بضعة
عشر و مثل هذا قد يقال
انهم تواطؤا على ما نقلوه
فمن قدح في نقل الجمهور
كيف يمكنه اثبات نقل نفر
قليل و هذا مبسوط في
موضعه والمقصود ان قوله
وغير عليؓ من الثلاثةؓ لا تجب
مودته كلام باطل عند
الجمهور بل مودة هؤلاء
اوجب عند اهل السنة من
مودة عليؓ لان وجوب المودة
على مقدار الفضل فكل من
كان افضل كانت مودته
اكمل و قد قال تعالى الذين
امنوا و عملوا الصلحت سيجعل
لهم الرحمن ودا قال يحبهم
ويحببهم الى عباده و هؤلاء
افضل من امن وعمل صالحا
من هذه الامة بعد نبيها
كما قال محمد رسول الله و

صحابہؓ میں تو کوئی رافضی نہ تھا اور رافضی
تو تمام صحابہ میں سوا معدودے چند کے جو
دس سے کچھ اوپر ہیں قدح کرتے ہیں اور
ایسی قلیل جماعت ممکن ہے کہ جھوٹ پر اتفاق
کرلے پس جو شخص جمہور کی روایت پر قدح
کرتا ہو اس کے لیے کیسے ممکن ہے کہ ایک
قلیل جماعت کی روایت کو ثابت کر سکے۔
یہ بحث اپنے مقام میں مذکور ہے۔ خلاصہ
یہ کہ رافضی کا یہ کہنا کہ علیؓ کے سوا خلفائے
ثلاثہؓ کی محبت واجب نہیں۔ جمہور کے
نزدیک ایک غلط بات ہے بلکہ ان حضرات
کی محبت اہل سنت کے نزدیک حضرت علیؓ
کی محبت سے زیادہ واجب ہے۔ کیوں کہ
محبت کا وجوب بقدر بزرگی کے ہوتا ہے
جس کی بزرگی زیادہ ہوگی اس کی محبت بھی
کامل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو
لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام
کیے عنقریب رحمٰن ان کے لیے محبت پیدا
کردے گا یعنی ان سے محبت کرے گا۔
اور ان کو اپنے بندوں کا محبوب بنا دے گا۔
اور خلفائے ثلاثہؓ نبیؐ کے سوا تمام ان لوگوں
سے افضل ہیں جو اس امت میں سے ایمان
لائے اور عمل صالح کیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے

الذين معه اشداء على الكفار
رحماء بينهم تراهم ركعا
سجدا يبتغون فضلا من الله
ورضوانا سيماهم في وجوههم
من اثر السجود الى اخر السورة
وفي الصحيحين عن النبي صلى
الله عليه وسلم انه سئل اي
الناس احب اليك قال
عائشة قال فمن الرجال قال
ابوها وفي الصحيح ان عمر
قال لابي بكر رضي الله عنهما
يوم السقيفة بل انت سيدنا و
خيرنا واحبنا الى رسول الله
صلى الله عليه وسلم وتصديق ذلك
ما استفاض في الصحاح من غير وجه ان
النبي صلى الله عليه وسلم قال لو كنت
متخذا من اهل الارض خليلا
لاتخذت ابا بكر خليلا ولكن مودة
الاسلام فهذا يبين انه ليس في
اهل الارض احق بمحبته ومودته
من ابي بكر وما كان احب الى
رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو
احب الى الله وما كان

فرمایا ہے: "محمد رسول اللہ والذین معہ
اشداء علی الکفار رحماء بینہم تراھم
رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و
رضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر
السجود" اخیر سورت تک اور صحیحین میں نبی
صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ سے
پوچھا گیا کون شخص آپ کو زیادہ محبوب ہے
آپ نے فرمایا عائشہؓ، پوچھا گیا مردوں میں،
فرمایا ان کے والدؓ نیز حدیث صحیح میں ہے
کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ
سے سقیفہ کے دن فرمایا کہ آپ ہمارے
سردار اور ہم سب میں بہتر ہیں اور سب
سے زیادہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے
محبوب ہیں اور اسی کی تصدیق وہ حدیث
ہے جو صحاح میں بہت سندوں سے مروی
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں
زمین والوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ضرور
ابوبکرؓ کو خلیل بناتا ولیکن محبت اسلام کی
ہے۔ یہ حدیث بیان کر رہی ہے کہ زمین
والوں میں کوئی شخص حضرت ابوبکرؓ سے
زیادہ آپ کا محبوب بننے کا مستحق نہ تھا،
لہٰذا وہ اللہ کو بھی زیادہ محبوب ہوئے اور
جو شخص اللہ و رسول کا سب سے زیادہ

احب الی اللہ و رسولہ فھو
احق ان یکون احب الی
المومنین الذین یحبون ما
احبہ اللہ و رسولہ . الدلائل
الدالۃ علی انہ احق بالمودۃ
کثیرۃ فضلا عن ان یقال ان
المفضول تجب مودتہ و ان
الفاضل لا تجب مودتہ. و اما
قولہ ان مخالفتہ تنافی المودۃ و
بامتثال اوامرہ تکون مودتہ
فیکون واجب الطاعۃ و ھو
معنی الامامۃ فجوابہ من وجوہ
(احدھا) ان کانت المودۃ توجب
الطاعۃ فقد وجبت مودۃ ذوی
القربی فتجب طاعتھم فیجب ان
تکون فاطمۃؓ ایضاً اماماً و ان
کان ھذا باطلا فھذا مثلہ.
(الثانی) ان المودۃ لیست مستلزمۃ
للامامۃ فی حال وجوب المودۃ
فلیس من وجبت مودتہ کان
اماما حینئذ بدلیل ان الحسنؓ
والحسینؓ تجب مودتھما قبل
مصیرھما امامین و علیؓ تجب

محبوب ہو وہی اس بات کا مستحق ہو گا کہ ان مسلمانوں
کا بھی سب سے زیادہ محبوب ہو جو اللہ و رسول
کے محبوب سے محبت کرتے ہیں حضرت ابو بکرؓ
کے احق بالمودۃ ہونے کی بہت دلیلیں ہیں
چہ جائیکہ یہ کہا جائے کہ مفضول کی محبت واجب
ہے اور فاضل کی محبت واجب نہیں۔ اور
رافضی کا یہ کہنا کہ حضرت علیؓ کی مخالفت محبت
کے منافی ہے اور ان کے احکام کی فرمانبرداری
سے ان کی محبت ہو سکتی ہے پس وہ واجب
الطاعۃ ہوئے اور یہی معنی امامت کے ہیں۔
اس کا جواب بھی کئی طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ
اگر محبت اطاعت کو واجب کرے تو
(رسول کے) تمام ذوی القربی کی محبت
واجب ہے (لہذا سب کی اطاعت واجب
ہو جائے گی پس لازم آئے گا کہ حضرت فاطمہؓ
بھی امام ہوں اور اگر وہ امام نہیں ہیں تو
محبت کا موجب اطاعت ہونا بھی باطل ہے
دوسرے یہ کہ محبت اگر فی الفور امامت کو
مستلزم ہو (تو غلط ہے) کیونکہ جس کی
محبت ہو اس کا اسی وقت امام ہونا ضروری
نہیں بدلیل اس کے کہ حسن و حسین رضی اللہ
عنہما کی محبت قبل ان کے امام بننے کے بھی
واجب تھی اور حضرت علیؓ کی محبت نبی اکرم

مودته في زمن النبي صلى الله عليه وسلم ولم يكن اماما بل تجب وان تأخرت امامته الى مقتل عثمان (الثالث) ان وجوب المودة ان كان ملزوما للامامة يقتضي انتفاء اللازم انتفاءه فلا تجب مودة الا من يكون اماما معصوما فحينئذ لا يود احد من المومنين ولا يحبهم فلا تجب مودة احد من المومنين ولا محبته اذا لم يكونوا ائمة لا شيعة علي ولا غيرهم وهذا خلاف الاجماع وخلاف ما علم بالاضطرار من دين الاسلام. (الرابع) ان قوله والمخالفة تنافي المودة يقال متى اذا كان ذلك واجب الطاعة او مطلقا الثاني ممنوع والا لكان من اوجب على غيره شيئا لم يوجبه الله عليه ان خالفه فلا يكون محبا له فلا يكون مومن محبا مومن حتى يعتقد وجوب طاعته وهذا معلوم الفساد وامّا

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی واجب تھی حالانکہ اس وقت امام نہ تھے پس وہ واجب المحبۃ ہیں۔ اگرچہ امامت حضرت عثمان رض کی شہادت تک متاخر ہوئی۔ تیسرے یہ کہ وجوب محبت اگر ملزوم امامت ہو تو امامت کے نہ ہونے سے وجوب محبت کا نہ ہونا بھی لازم آئے گا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ محبت اسی کی واجب ہوگی جو امام معصوم ہو اور اس صورت میں کوئی مومن کسی مومن سے محبت نہیں کر سکتا لہٰذا کسی مومن کی محبت واجب نہ ہوئی جب کہ وہ امام نہ ہو نہ شیعہ علی کی نہ کسی اور کی اور یہ خلاف اجماع کے اور خلاف ضروریات دین اسلام کے ہے۔

چوتھے یہ کہ رافضی کا یہ قول کہ مخالفت منافی محبت ہے۔ اس رافضی سے پوچھا جائے کہ کب؟ جب کہ وہ شخص واجب الاطاعۃ ہو یا ہر حال میں۔ دوسری صورت ہم نہیں مانتے ورنہ لازم آئے گا کہ اگر کوئی شخص کسی پر ایسی بات لازم کر دے جو خدا نے لازم نہیں کی اور وہ اس کی مخالفت کرے تو اس کا محب نہ رہے۔ اس صورت میں کوئی مومن کسی مومن کا محب نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس کی وجوب اطاعت کا معتقد نہ ہو اور یہ

الاول يقال اذا لم تكن المخالفة قادحة فى المودة الا اذا كان واجب الطاعة فحينئذ يجب ان يعلم اولا وجوب الطاعة حتى تكون مخالفته قادحة فى مودته فاذا ثبت وجوب الطاعة بمجرد وجوب المودة كان ذلك باطلا وكان ذلك دورًا ممتنعا فانه لا يعلم ان المخالفة تقدح فى المودة حتى يعلم وجوب الطاعة ولا يعلم وجوب الطاعة الا اذا علم انه امام ولا يعلم انه امام حتى يعلم ان مخالفته تقدح فى مودته۔ (الخامس) ان يقال المخالفة تقدح فى المودة اذا امر بطاعته او لم يامر والثانى منتف ضرورة واما الاول فانا لنعلم ان عليًا لم يامر الناس بطاعته فى خلافة ابى بكرؓ وعمرؓ وعثمانؓ۔ (السادس) ان يقال هذا بعينه يقال فى حق ابى بكرؓ وعمرؓ وعثمانؓ فان مودتهم ومحبتهم وموالاتهم واجبة

یہ بات یقیناً غلط ہے۔ رہی پہلی صورت تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب مخالفت منافی محبت صرف اسی صورت میں ہوئی جب وہ شخص واجب الاطاعت ہو بغیر واجب الاطاعت ہونے کے مخالفت منافی محبت نہ ہوئی تو اگر وجوب اطاعت وجوب محبت سے ثابت کیا جائے تو یہ محال ہوگا اور یہ دور ہوگا کیونکہ مخالفت کا منافی محبت ہونا وجوب اطاعۃ سے معلوم ہوگا اور وجوب اطاعت ثبوت امامت پر موقوف ہے اور ثبوت امامت موقوف ہے اس پر کہ اس کی مخالفت منافی محبت ہو۔ پانچویں یہ کہ اس رافضی سے پوچھا جائے کہ مخالفت منافی محبت صرف اس وقت ہے جب کہ وہ شخص اپنی اطاعت کا حکم دے۔ یا ہر وقت؟ دوسری صورت بداہۃً باطل ہے۔ رہی پہلی صورت تو ہم یقیناً جانتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت میں اپنی اطاعت کا حکم نہیں دیا۔ چھٹے یہ کہ یہی بات بعینہٖ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے متعلق کہی جا سکتی ہے کہ ان کی محبت واجب ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا اور ان کی مخالفت محبت کے منافی ہے۔

لا تقدم ومخالفتهم تقدح في ذلك.

(السابع) التجريح (١) من هذا الحديث لان القوم دعوا الناس الى ولايتهم وطاعتهم وادعوا الامامة والله اوجب طاعتهم فمخالفهم عدو لله وهؤلاء القوم مع اهل السنة بمنزلة النصارى مع المسلمين فالنصارى يجعلون المسيح الها ويجعلون ابراهيم وموسى ومحمدا اقل من الحواريين الذين كانوا مع عيسى وهؤلاء يجعلون عليا هو الامام المعصوم وهو النبي واله و الخلفاء الثلاثة اقل من مثل اشتر النخعي وامثاله الذين قاتلوا معه ولهذا كان جهلهم وظلمهم اعظم من ان يوصف يتمسكون بالمنقولات المكذوبة والالفاظ المتشابهة والاقيسة الفاسدة ويدعون المنقولات الصادقة المتواترة والنصوص البينة والمعقولات الصريحة.

ساتویں یہ کہ ہم ترقی کر کے کہیں کہ مسلمانوں نے لوگوں کو خلفائے ثلاثہؓ کی بیعت واطاعت کے لیے بلایا اور ان حضرات نے امامت کا دعوے کیا۔ پس ضرور ہوا کہ ان کا مخالف دشمن خدا ہو۔ یہ روافض مسلمانوں کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے نصاریٰ مسلمانوں کے مقابلے میں۔ نصاریٰ مسیح کو خدا کہتے ہیں اور ابراہیم اور موسیٰ کو اور محمد علیہم السلام کو ان حواریوں سے بھی کمتر قرار دیتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ تھے ایسا ہی روافض حضرت علیؓ کو تو امام معصوم یعنی نبی کہتے ہیں اور ان کی آل کو بھی اور خلفائے ثلاثہؓ کو اشتر نخعی وغیرہ سے جو حضرت علیؓ کے ہمراہ لڑتے تھے کمتر قرار دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی جہالت اور ان کا ظلم بیان سے باہر ہے جھوٹے منقولات سے تمسک کرتے ہیں اور الفاظ متشابہ اور قیاسات فاسدہ سے اور صحیح روایتوں کو جو متواتر ہیں اور نصوص واضحہ اور معقولات صریحہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔

جس قدر عبارات کتب تفاسیر وغیرہ کی نقل کرنا منظور تھیں وہ بتوفیقہ تعالیٰ

نقل ہو چکیں۔ اب میری التجا ہے کہ خدا کے لیئے کوئی بندۂ خدا شیعوں کے فخر الحکمار سے اس قدر پوچھ لے کہ کیوں صاحب آپ تو فرماتے تھے کہ اہل سنت کی تمام کتب تفاسیر میں اس آیت کا یہی مطلب لکھا ہے کہ محبت اہل بیت اجر رسالت ہے؟ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا ہے کہ اپنی تبلیغ رسالت کے عوض میں یہی اُجرت طلب کریں؟ اور آپ نے تو بڑے شد ومد کے ساتھ اور بے حد دلیری وجرأت کے ساتھ لکھا تھا کہ ایڈیٹر النجم نے جو مطلب آیت کا بیان کیا ہے یہ کسی مفسر نے نہیں لکھا۔ وہ مفسر جن کا حوالہ النجم میں ہے، معلوم نہیں کس سرزمین میں رہتے ہیں۔ شاید لکھنؤ کے محلہ پاٹانالہ میں رہتے ہوں۔

کیوں صاحب! کیا آپ کے مذہب میں جھوٹ بولنا ضروری قرار دیا گیا ہے اور آپ کے رسولوں نے یعنی ائمہ اہل بیت نے آپ کو ایسی سخت تاکید جھوٹ بولنے کی کی ہے کہ چاہے کیسی ہی ذلت ورسوائی ہو، چاہے کیسی ہی خواری اور رُوسیاہی ہو، آپ جھوٹ بولنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ پھر دیکھئے کہ شیعوں کے فخر الحکمار صاحب کیا جواب دیتے ہیں۔ کوئی تاویل اپنے قول مبارک کی کرتے ہیں یا سرنگونی کے سوا کچھ نہیں ارشاد فرماتے۔ اگر وہ کچھ جواب دیں تو اس سے بھی مجھے مطلع کریں۔ وعند اللہ فی ذاک الجزار۔

تیسری بے مغز بات ایڈیٹر اصلاح نے یہ لکھی ہے کہ جو مطلب آیت کا النجم میں لکھا گیا جس کی تائید میں کتب تفاسیر سے بہت کچھ نقل ہو چکا اس مطلب پر بہت کچھ اعتراضات لازم آتے ہیں۔

اول یہ کہ طلب اُجرت اس صورت میں بھی موجود ہے۔ وہ اجرت مودۃ اہلبیت نہ سہی اپنی حفاظت سہی۔ لہٰذا انبیار علیہم السلام پر اُجرت مانگنے کا الزام بدستور قائم رہا۔

دوم یہ کہ اس مطلب کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر خدا سے ڈرنا لازم آتا ہے جس کو آپ انبیار کے لیئے ناجائز جانتے ہیں۔

سوم یہ کہ اس مطلب کی بنار پر لازم آتا ہے کہ رسول کو وعدہ ہائے خداوندی پر اعتماد نہ ہو کیوں کہ خدا نے بہت سی آیتوں میں آپ سے نصرت اور حفاظت کا وعدہ کیا ہے بلکہ خدا پر بھی اعتراض ہوتا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو غیروں سے امان مانگنے کا حکم دیا۔

چہارم یہ کہ اس مطلب کی بنار پر رسول کا خودغرض ہونا لازم آتا ہے کہ اپنے لیئے تو بہت کچھ کوشش کی اور کفار سے امان مانگی حفاظت کے خواستگار ہوئے مگر اپنے بال بچوں کے لیئے کچھ بھی فکر نہ کی۔

پنجم یہ کہ اس مطلب کی بنار پر آیت کا مفہوم بالکل خلاف عقل ہو جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں خطاب کفار سے ہو گا کہ میں تم سے اپنی دشمنی کی اُجرت مانگتا ہوں۔ میں تمہاری بخکنی کرتا رہوں مگر تم مجھ کو ایذا نہ دو۔ میں تمہارے دین و مذہب کا استیصال کر دوں۔ مگر تم مجھ کو اپنا عزیز سمجھ کر ستانے سے باز رہو حالانکہ اس کو کوئی عقل گوارا نہیں کر سکتی۔

ایڈیٹر اصلاح نے ان اعتراضات کو بہت طول دے کر نہایت پراگندہ اور بے سر و پا عبارت میں بیان کیا ہے۔ خلاصہ اور ماحصل اس کا یہی ہے اب جواب ان اعتراضات کا سنیئے۔

الجواب چونکہ شیعوں کو قرآن کریم سے نفرت اور کامل اجنبیت ہے۔ اس لیئے بے چارے صاف صاف آیات قرآنیہ کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہیں اور طرح طرح کے اشکالات ان کو درپیش رہتے ہیں۔ سچ ہے من لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور۔

اعتراض اوّل کا جواب یہ ہے کہ تمام یوسف زلیخا خواندی وہنوز ندانستی کہ زلیخا مرد بود یا زن۔ اتنی تمام بحث ہو چکی ہے اور آپ کو یہ بھی پتہ نہ چلا کہ اہلسنت نے جو مطلب مراد لیا ہے۔ اس کی بنار پر طلب اُجرت لازم نہیں آتی۔ وہ الا المودۃ کو استثنائے منقطع مانتے ہیں، شاید آپ استثنائے منقطع نہ جانتے ہوں، لہذا بقدر

ضرورت اس کی تشریح کی جاتی ہے۔ استثنار کی دو قسمیں ہیں۔ ایک متصل، دوسرا منقطع۔ استثنار متصل میں مستثنیٰ ہم جنس مستثنیٰ منہ کا ہوتا ہے۔ اور استثنائے منقطع میں ہم جنس نہیں ہوتا۔ استثنائے منقطع کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں۔ مثلاً لا یذوقون فیہا برداً ولا شراباً الاحمیماً وغساقاً نہ پائیں گے۔ دوزخی دوزخ میں ٹھنڈک اور نہ کوئی پینے کی چیز مگر آب گرم اور پیپ۔ آب گرم اور پیپ مستثنیٰ ہے اور ٹھنڈک اور پینے کی چیز مستثنیٰ منہ ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں ہم جنس نہیں ہیں۔ اسی طرح آیت مبحوثہ میں مودۃ فی القربے مستثنیٰ ہے اور اجر مستثنیٰ منہ ہے۔ مودت فی القربیٰ بالبداہہ اجر کا ہم جنس نہیں ہے کیونکہ اجر کسی شئے کا وہ چیز ہوتی ہے جو اسی شئے کی وجہ سے ثابت ہوئی ہو اور مودت فی القربے قرابت کی وجہ سے ثابت ہوئی ہے نہ تبلیغ رسالت کی وجہ سے۔ لہذا اس کو تبلیغ رسالت کا اجر کہنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

اعتراض دوم کا جواب یہ ہے کہ غیر اللہ سے ڈرنا ہرگز لازم نہیں آتا۔ کافروں سے یہ کہنا کہ ایذا رسانی نہ کرو اور ان کو سمجھانا کہ میں تمہارا قرابت دار ہوں اور قرابتدار کی ایذا رسانی تم بھی جائز نہیں سمجھتے۔ اس سے کافروں کا خوف نہیں لازم آتا۔ اس قسم کی تفہیمات تو کلام خدا میں بھی موجود ہیں۔ خود حق تعالیٰ نے کافروں کو جا بجا سمجھایا کہ رسولِ خدا کو ایذا نہ دو بلکہ ان کی توقیر و تعظیم کرو تو کیا یہ کہا جائے گا کہ خدا بھی کافروں سے ڈرتا تھا۔ شیعوں کو تو شاید اس کہنے میں باک نہ ہو کیوں کہ ان کے نزدیک تو ان کا خدا صحابہ سے ڈرتا تھا کافروں سے ڈر گیا تو کیا جائے تعجب ہے۔

اعتراض سوم کا جواب یہ ہے کہ اس سے وعدہائے خداوندی پر عدم اعتماد بھی لازم نہیں آتا۔ وعدۂ خداوندی کے بعد تدبیر کرنا اور اسباب ظاہر کو برتنا ہرگز عدم اعتماد کو مستلزم نہیں ہے، ورنہ کہنا پڑے گا کہ جتنے لوگ کسب، معاش کی تدبیریں کرتے ہیں ان سب کو وعدہائے خداوندی پر اعتماد نہیں۔ قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ہیں جن میں خدا نے رزق کا وعدہ کیا ہے۔ اور یہاں بھی خدا پر یہ اعتراض لازم آئے گا کیوں کہ باوجود اس وعدہ کے پھر خدا نے جا بجا کسب معاش

یا ہے۔

اعتراض چہارم بھی بالکل لغو ہے۔ نہ رسول نے اپنے لیئے راحت دنیائے فانی کی
شش کی۔ نہ اپنے بال بچوں کے لیئے اپنی ایذا رسانی سے منع کرنا محض اس وجہ
تھا کہ وہ آپ کو ایذا پہنچاتے تھے اور اس سے تبلیغ رسالت میں خلل پڑتا تھا۔
وں کو اول تو کوئی ایذا پہنچا تا تھا اور نہ ان کے ایذا پہنچانے سے کار تبلیغ میں
ں آتا تھا۔ اس تفہیم کو امان مانگنا کہنا سوا خوش فہمی کے کیا کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
ن مجید میں جا بجا اپنی مدد کے لیئے اپنے شعائر کی بے حرمتی نہ کرنے کے لیئے کافروں
ہیم کی ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ خدا نے کافروں سے امان مانگی۔

اعتراض پنجم بھی نہایت بے ہودہ ہے جو مطلب آیت کا اہل سنت نے
کیا ہے بالکل صاف اور بے غل وغش ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
ئی اُن کے ساتھ دشمنی کی نہ دشمنی کی اُجرت مانگی۔ آج کوئی عیسائیوں کی تردید
وعظ کہے اور اس کو عیسائی لوگ ایذا دیتے ہوں۔ وہ عیسائی بادشاہ سے انصاف
عدل کی درخواست کرے تو کیا بات اس میں خلافِ عقل ہے۔ روزمرہ یہ
عات پیش آرہے ہیں۔ کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ عیسائیوں کے ساتھ دشمنی کی جاتی
اور انہیں سے انصاف کی درخواست کی جاتی ہے۔ وعظ و نصیحت کی نیت سے
کے مذہب کے نقائص بیان کیئے جائیں اور ان کی برائیاں بیان کی جائیں اس
سی مذہب نے، کسی رسم و رواج نے، کسی عقل و قانون نے دشمنی کی حد میں داخل
ں کیا اور نہ اس کو جرم و عیب قرار دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
ہ وسلم نے جو کچھ بھی کہا اور جو کچھ بھی کیا وہ از راہ وعظ و نصیحت تھا۔ لہذا اس کو
نی سے تعبیر کرنا اعلیٰ درجہ کی حماقت ہے۔

اب اس مقام پر مناسب ہے کہ آیت کے مطلب کی توضیح و تلخیص
ں اچھی طرح کر دی جائے جس کے لیئے امور ذیل کا ذہن نشین کرنا ضروری
ہے۔

(۱) قرآن مجید میں بڑا اہتمام اس بات کا کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام بے طمع ہوتے ہیں۔ اور ان کے مقدس دامن دنیاوی لوث سے بالکل پاک و صاف ہوتے ہیں۔ اس مطلب کے لیئے قرآن مجید میں بے شمار آیتیں ہیں۔ اور ایسا کرنا از روئے عقل بھی ضروری ہے کیوں کہ جب منصوح کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ناصح کی نصیحت بے غرض و بے لوث ہے تب ہی وہ نصیحت اثر کرتی ہے۔

(۲) قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اور نیز انبیائے سابقین کے متعلق بہت صاف آیتیں اس مضمون کی ہیں کہ تبلیغ رسالت کی اجرت نہ مانگو۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن مجید میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ آپ کی روش انبیائے سابقین کی روش سے بالکل متوافق ہے۔ کوئی بات آپ کی ایسی نہیں ہو سکتی جس کی نظیر انبیائے سابقین میں نہ ملے۔ قولہ تعالیٰ " قل ما کنت بدعا من الرسل" خاص کر موسےٰ علیہ السلام کے ساتھ آپ کی مثلیت ضروری ہے۔ قولہ تعالیٰ "کما ارسلنا الی فرعون رسولا" اب دیکھو جو مطلب آیت کا اہلسنت بیان کرتے ہیں ان تینوں امور کے مطابق ہے۔ آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ اے نبی کفار مکہ سے کہہ دیجئے کہ میں تبلیغ رسالت کی اُجرت تم سے نہیں مانگتا کہ تم اُجرت کے خیال سے میری اتباع نہ کرو یا میری صداقت میں شبہ کرو، بلکہ میں بے غرض و بے عوض یہ سب کام کر رہا ہوں۔ ہاں میں تم سے مودت فے القربیٰ کی البتہ درخواست کرتا ہوں۔ یعنی یہ کہ میں تمہارا قرابت دار ہوں۔ اس قرابت کا لحاظ کر کے میری ایذا دہی سے پرہیز کرو۔

قرابت کی اہمیت عرب میں مسلّم تھی اور قرابت مندوں کے ساتھ بدسلوکی کا اشد گناہ ہونا سب مانتے تھے۔ اور قرابت کا واسطہ دلانے کا ان میں رواج عام تھا۔ جیساکہ آیۂ کریمہ " تسآءلون به والارحام" سے ظاہر ہے اور

قطعون ما امر الله به ان یوصل» میں بھی اسی طرف اشارہ ہے، لہذا ایذا رسانی
نے کی درخواست میں قرابت کا واسطہ دلانا بالکل ان کے عقیدہ اور ان کی عادت
م کے مطابق ہوا۔

اس مطلب کی بنار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لوث اُجرت سے پاک
بھی برقرار رہا جن آیتوں میں آپ کے اُجرت نہ مانگنے کا ذکر ہے ان آیتوں
ے تعارض بھی نہ ہو۔ اور روش انبیائے سابقین سے مخالفت بھی نہ ہوئی۔ خاص کر
رت موسیٰ علیہ السلام کے کلام میں تو اس کی ایک صریح نظیر بھی موجود ہے۔ قولہ
لیٰ ریاقوم لم توذوننی وقد تعلمون انی رسول الله الیکم، یعنی
سیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو تم مجھے کیوں ستاتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے
کہ میں خدا کا فرستادہ ہوں تمہاری طرف۔

بخلاف اس کے جو مطلب آیت کا شیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں تم سے تبلیغ
سالت کی اُجرت صرف اس قدر مانگتا ہوں کہ میری قرابت والوں سے محبت
رنا قطع نظر اور خرابیوں کے مذکورۂ بالا تینوں امور کے بالکل خلاف ہے آنحضرت
لی اللہ علیہ وسلم کا لوث اُجرت سے پاک اور بے طمع ہونا بھی نہیں قائم رہتا جس
کا خود ایڈیٹر اصلاح کو بھی اقرار ہے۔ اور انہوں نے بڑی دلیری سے لکھا ہے کہ
خدا تو اُجرت طلب کرنے کا حکم دیتا ہے۔ آپ کیسے کہتے ہیں کہ انبیا اجرت نہیں
لیتے۔ مگر اہل عقل کے نزدیک یہ کوئی ادنیٰ بات نہیں ہے وہ یہ بات ہے۔ جس
سے نبوت و رسالت ایسی مشتبہ اور قابل نفرت حالت میں ہو جاتی ہے کہ
تمام کارخانہ دین و مذہب کا برباد ہو جاتا ہے۔ نیز اس مطلب کی بنار پر آیات
نفی اجرت کے ساتھ اس آیت کو تعارض بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ نیز انبیائے سابقین
کی روش سے آپ کی روش مخالف بھی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کسی پیغمبر کے متعلق اس
کی نظیر نہیں ملتی کہ انہوں نے کسی قسم کی اجرت تبلیغ رسالت پر مانگی ہو۔ معاذ
اللہ منہ۔

ایڈیٹر اصلاح نے تعارض کا نہایت معقول جواب دیا ہے۔ ایسے معقول جوابات شاید آج تک کسی نے سُنے نہ ہوں۔ اصلاح نمبر ۵ جلد ۱۸ صفحہ ۵۱ پر اُن کے الفاظ یہ ہیں۔

"ان دونوں میں اختلاف نہیں ہے اور ہر جگہ خاص خاص مصلحتیں ملحوظ ہیں"

اس لطیف جواب کا مطلب شاید ذریت ابن سبا کے ذہن میں کچھ آجائے، مگر ہماری سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں۔ ہماری سمجھ میں دو باتیں آتی ہیں۔

اول یہ کہ دونوں آیتیں بحسب مصالح وقت مختلف اوقات کی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک منسوخ ہے یا طلب اجر کی یا عدم طلب کی، مگر افسوس ہے کہ یہ مطلب بھی نہیں بنتا۔ کیوں کہ قطع نظر اور بہت سی خرابیوں کے بڑی خرابی یہ ہے کہ نسخ احکام میں ہوتا ہے نہ اخبار میں اخبار میں۔ اگر نسخ کی صورت نکل سکے تو پھر کذب کا نام و نشان دنیا میں نہ رہے اور یہاں دونوں آیتیں از قسم اخبار ہیں۔ ایک آیت میں حکم ہے کہ اے نبی یہ خبر بیان کر دو کہ میں تم سے کسی قسم کی اُجرت نہیں مانگتا۔ دوسری آیت میں حکم ہے کہ اے نبی یہ خبر بیان کر دو کہ میں تم سے اُجرت مانگتا ہوں۔

دوم یہ کہ دونوں آیتیں اپنے اپنے موقع کے لیے ہیں یعنی پیغمبر کو حکم ہوا ہے کہ جہاں جیسا موقع دیکھا کرو کہہ دیا کرو۔ جہاں دیکھو کہ اجرت مانگنے سے لوگ بھڑک جائیں گے کہہ دیا کرو کہ صاحب میں کوئی اجرت مانگتا ہی نہیں۔ جہاں دیکھو کہ بھڑکنے کا اندیشہ نہیں ہے۔ وہاں کہہ دیا کرو کہ میں فلاں قسم کی اجرت مانگتا ہوں۔ اس مطلب کی بنا پر جیسی رکیک اور ناشائستہ حرکت خدا اور رسول کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ ظاہر ہے ان مطلبوں کے سوا کوئی تیسرا مطلب ایڈیٹر اصلاح نے مراد لیا ہو تو وہ بیان کریں اور صاف صاف لکھیں کہ وہ مصالح کیا ہیں جن کے لحاظ سے یہ دو مختلف حکم دیے گئے۔

اس مضمون کا جواب بقدر ضرورت ہو چکا۔ اور امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اب کسی شیعہ کو جرأت نہ ہوگی کہ اس بارے میں کسی سُنی سے گفتگو کرے۔
والحمد للہ علیٰ ذالک۔

تمت بالخیر

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ

بہ تحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو۔

تفسیر آیت اولی الامر

جس میں

سورۂ نساء کی آیۂ کریمہ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی تفسیر بیان کی گئی ہے اور روز روشن کی طرح یہ بات دکھائی گئی ہے کہ نہ اس آیت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت (بفصل یا بلا فصل) ثابت ہوتی ہے نہ عصمتِ ائمہ اور شیعوں کا استدلال اس آیت سے بدتر از تحریفاتِ یہود ہے۔

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳۔ روڈ نمبر ۷۔ سب بلاک اے، بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدوسیہ
ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔ فون نمبر: ۶۶۰۱۴۴۹

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

امّا بعد حق تعالیٰ کے غایت لطف وکرم سے آیاتِ خلافت میں نو آیتوں کی تفسیر اس بندہ ضعیف سے پوری ہو کر شائع ہو چکی اور اس وقت دسویں آیت اولی الامر کی تفسیر ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے۔

گذشتہ اشاعت میں آیت میراث ارض کی تفسیر تھی اور اس کے آخر میں لکھا گیا تھا کہ اب آیتِ معیت کی تفسیر ہدیہ ناظرین ہو گی، مگر اس وقت پنجاب کے بعض احباب کا اصرار ہوا کہ آیت اولی الامر کی تفسیر جلد سے جلد شائع کر دی جائے۔ اس لئے آیت اولی الامر کی تفسیر کو مقدم کیا گیا۔ اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ آیت معیت کا نمبر آئے گا۔ سدَّ اللّٰہُ دَلِیْلِیْ فِیْ کُلِّ حِیْنٍ۔

گمان غالب یہ ہے کہ پنجاب میں کسی شیعہ سے آیت اولی الامر کے متعلق بحث ہوئی ہو گی۔ پنجاب میں اس قسم کے مباحث بہت ہوتے رہتے ہیں۔

شیعوں کی حالت عجب در عجب ہے۔ ایک طرف تو قرآن کریم کے مشکوک بلکہ واجبُ الانکار بنانے کی یہ کوشش کہ تمام راویان قرآن یعنی صحابہ کرامؓ کو بلا استثناء مجروح ومقدوح بنانے میں ساری تدبیریں ختم کر دیں۔ قرآن کے محرف ہونے کی زائد از دو ہزار روایات تصنیف کر کے حضرت علی اور امام باقر و امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف منسوب کر دیں جن میں بڑی صفائی سے حسبِ ذیل مضامین ہیں۔

قرآن کی آیتیں اور سورتیں جا بجا سے نکال ڈالی گئیں۔ اپنی طرف سے قابل نفرت وخلاف فصاحت ایسی عبارتیں بنا کر قرآن میں بڑھا دی گئیں جن سے کفر کے ستون قائم

ہوتے ہیں اور پیغمبر کی توہین ہوتی ہے۔ قرآن کے الفاظ و حروف بدل دیئے گئے۔ اماموں کے نام نکال دیئے گئے۔ امامت کا ایسا ضروری مسئلہ قرآن میں نہ رہا۔ قرآن پاک کی ترتیب بھی خراب کر دی گئی اور صرف سورتوں کی ترتیب نہیں بلکہ سورتوں کے اندر جو آیتیں ہیں اُن کی ترتیب بھی اور آیات کے اندر جو کلمات ہیں اُن کی ترتیب بھی۔

اس مضمون کو ہم بتفصیل علاوہ سابقہ تالیفات کے اپنی تازہ تالیف الکول عن المایتین میں بیان کر چکے ہیں۔

علاوہ راویان قرآن کے بے اعتبار بنانے اور تحریف قرآن کی روایات تصنیف کرنے کے جو جو تدبیریں قرآن کریم کے بے اعتبار بنانے کی ہو سکتی تھیں، ایک بھی ان عالی دماغ حضرات نے نہیں چھوڑی۔

آج بھی علمائے شیعہ قرآن شریف کے متعلق ایسے الفاظ زبان قلم سے نکال دیتے ہیں کہ اگر کسی آریہ یا عیسائی کے زبان و قلم سے وہ الفاظ نکلیں تو تمام عالم اسلامی میں شور و غل برپا ہو جائے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ قانونی چارہ جوئی تک نوبت آئے۔ مثلاً مولوی مرزا احمد علی ملقب بہ فاضل امرتسری نے اپنے رسالہ الانصاف میں جو مجتہد پنجاب حائری صاحب کا مصدقہ ہے، بہت سے صرفی و نحوی اغلاط بزعم خود قرآن شریف میں بیان کر کے فرمایا کہ اگر انہیں اغلاط اور متروک محاورات کی وجہ سے قرآن کو معجزہ کہا جاتا ہے تو میں بھی ایسی کتاب لکھ سکتا ہوں۔ دیکھو رسالہ انصاف ص۱۴۵ اور مثلاً مولوی اعجاز حسن بدایونی قرآن کریم کی ترتیب کو اوندھی ترتیب فرماتے ہیں (دیکھو اخبار درنجف سیالکوٹ مورخہ یکم اپریل ۱۹۲۶ء جس کی عبارت النجم نمبر ۱۲ لغایت ۲۳ میں مع جواب چھپ چکی ہے) اور مثلاً شیعوں کے فخر الحکماء ایڈیٹر اصلاح ان سب سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ قرآن چند جہال عرب کا جمع کیا ہوا ہے اس پر اعتراض نہ ہو تو کیا ہو (نعوذ باللہ من ہذہ الکفریات)۔

الغرض ایک طرف تو قرآن کریم کے ساتھ یہ برتاؤ اور دوسری طرف آیات قرآنی سے استدلال گو یہ استدلال کسی مصلحت کی بنا پر ہو اور تحریف معنوی کی نیت سے ہو مگر مقام تعجب ضرور ہے۔

ع

رسد و منع بادہ اے زاہد چہ کافر نعمتی است

دشمن می بودن و ہم رنگ مستان زیستن

غیر شیعوں کی اس بوقلموں رفتار سے چشم پوشی کر کے آیت اولی الامر کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

دسویں آیت۔ آیہ اُولی الاَمر

سورۃ نساء۔ پارہ پانچواں۔ رکوع ساتواں

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ

اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی

وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ

اور اولو الامر (یعنی صاحبان حکومت کی) جو تم میں سے ہوں پھر اگر تم (یعنی رعیت اور صاحبان حکومت)

اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ

آپس میں اختلاف کرو کسی بات میں تو اس کو رجوع کرو اللہ کی اور رسول کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو

وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝

اللہ اور روز آخرت پر یہ بہتر ہے اور بہت خوب ہے باعتبار انجام کے

تراجم علمائے اہلسنّت وشیعہ

۱۔ حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس کا ترجمہ لکھتے ہیں "اے مومنان فرمانبرداری کنید خدارا و فرمان برداری کنید پیغامبر را و فرمان روایان را از جنس خویش پس اگر اختلاف کنید در چیزے پس رجوع کنید او را بسوے خدا و پیغامبر اگر اعتقاد کنید بخدا و روز آخر ایں بہتر است و نیکوتر باعتبار عاقبت"۔

۲۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں "اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور جو اختیار والے ہیں تم میں سے پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو اللہ کے اور رسول کی طرف اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر یہ خوب ہے اور بہتر تحقیق کرنا"۔

یہ دونوں ترجمے علمائے اہلسنّت کے تھے۔ اب دو ترجمے علمائے شیعہ کے بھی ملاحظہ ہوں۔

۳۔ قبلہ شیعہ مولوی فرمان علی صاحب جن کا ترجمہ قرآن شیعوں کو اس قدر پسند آیا کہ اس ترجمہ کا ترجمہ انگریزی میں ہو رہا ہے اس آیت کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں "اے ایمان والو خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبان حکومت ہوں ان کی اطاعت کرو اور اگر تم کسی بات میں جھگڑا کرو پس اگر تم خدا اور روز آخرت

پر ایمان رکھتے ہو تو اُس اَمر میں خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اور انجام کی راہ سے بہت اچھا ہے۔

۴۔ قبلۂ شیعہ مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی جن کی مشق تبرّا بازی یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ آخر گورنمنٹ انگلشیہ کی عدالت سے سزایاب ہوئے (ولعذاب الآخرۃ اکبر) اپنے مشہور ترجمہ قرآن میں لکھتے ہیں: "اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول اور ان والیان امر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہیں[1] پھر اگر کسی معاملہ میں تم میں آپس میں جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یہی سب سے بہتر اور عمدہ تاویل ہے۔"

صحیح تفسیر آیت کی

اس آیت کا مطلب بالکل واضح ہے صاف بات ہے کہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اللہ و رسول اور اُن اولوالامر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہوں یعنی مسلمان ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ اولوالامر اور رعیت میں اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اس اختلاف کا تصفیہ اللہ اور رسول یعنی قرآن و سنت سے کرنا چاہیئے۔ اور تصفیہ کی اس صورت کو اس قدر ضروری قرار دیا کہ فرمایا اگر تمہارا ایمان خدا پر اور قیامت پر ہے تو ضرور تم ایسا ہی کرو گے۔ یہ بھی فرمایا کہ ایسا کرنے میں تمہارے لیئے ہر طرح کی بھلائی ہے اور اس کا نتیجہ بہت اچھا نکلے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت ہر حال میں واجب ہے اور اُن

---

[1] اس ترجمہ میں لفظ منکم کو رسول کے ساتھ بھی لگا دیا حالانکہ از روئے قواعد عرب یہ بات درست نہیں ہو سکتی اور لطف تو یہ ہے کہ ترجمہ کی عبارت ہی اس خیانت کو ثابت کر رہی ہے [illegible] لکھتے ہیں "جو تم میں سے ہیں" حالانکہ [illegible] نہیں کہہ سکتے کیونکہ نزول آیت کے وقت صرف [illegible] موجود تھے [illegible] بھی نہ تھا۔

کسی بات میں نزاع کرنا حرام ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت ایک ہی چیز ہے لفظاً تو دو ہیں، مگر مصداق ایک ہے۔ چنانچہ اسی سورت میں آگے چل کر فرمایا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔ان دونوں اطاعتوں کا متحد ہونا محض اس سبب سے ہے کہ رسول معصوم ہوتے ہیں ان سے خلافِ حکمِ الٰہی کوئی بات صادر ہی نہیں ہو سکتی۔ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى یعنی رسول ہوائے نفسانی سے کوئی بات نہیں فرماتے ان کی ہر بات وحی الٰہی ہوتی ہے۔

دوسری بات اس آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ اولوالامر کی اطاعت ہر حال میں واجب نہیں۔ اگر ان کا کوئی حکم خلاف قرآن و سنت ہو اس کی اطاعت نہ کی جائے گی۔ حدیث شریف میں آیا ہے لَا طَاعَةَ لِلْمَخْلُوْقِ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ یعنی خالق کی نافرمانی ہوتی ہو تو پھر مخلوق کی اطاعت جائز نہیں اس لیے اولوالامر سے نزاع اور اس نزاع سے فیصلہ کا طریقہ بیان فرما دیا تھا۔

اب یہاں دو باتیں سمجھ لینا چاہییں۔

اوّل - یہ کہ اولوالامر کے کیا معنی ہیں اور کون کون لوگ اس سے مراد ہو سکتے ہیں۔

دوم - یہ کہ اولوالامر کی اطاعت کا حکم کیوں دیا گیا۔ خصوصاً جب کہ اولی الامر معصوم بھی نہیں اور اس کا معصوم نہ ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ اس سے نزاع کی اجازت دی گئی۔

امر اوّل کی توضیح - اولوالامر کے معنی از روئے لغت عرب صاحب حکومت کے ہیں۔ لہٰذا جس شخص کو کسی قسم کی حکومت حاصل ہو اس کو اولوالامر کہیں گے۔ حکومت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک حکومت عامہ جیسے بادشاہِ وقت کی حکومت کہ اس کی تمام رعایا کو شامل ہے۔ دوسری حکومت خاصہ جیسے افسرانِ فوج یا حکام صوبہ یا قاضیوں کی حکومت کہ ان کی حکومت اپنی اپنی فوج یا صوبے یا شہر کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے۔ ان

سب کو اولوالامر کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے علمائے مفسرین نے اولوالامر کی تفسیر میں تین قول بیان کیے ہیں۔

۱. یہ کہ اس سے سرداران فوج مراد ہیں۔ ہر فوج کو اپنے سردار کی اطاعت واجب ہے۔

۲. یہ کہ اس سے خلیفۂ وقت مراد ہے۔ اس تفسیر کی بنار پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے۔

۳. یہ کہ علمار اور فقہار مراد ہیں۔

ان تینوں قولوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تینوں مراد ہو سکتے ہیں۔ ان میں ہر ایک کی اطاعت اپنے اپنے درجہ میں واجب ہے۔

تفسیر درمنثور میں ہے:

اَخْرَجَ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ جَرِیْرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ وَالْبَیْہَقِیُّ فِی الدَّلَائِلِ مِنْ طَرِیْقِ سَعِیْدِ ابْنِ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ قَالَ نَزَلَتْ فِیْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ حُذَافَۃَ ابْنِ قَیْسٍ اِذْ بَعَثَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَرِیَّۃٍ وَاَخْرَجَ ابْنُ عَسَاکِرَ مِنْ طَرِیْقِ السُّدِّیِّ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَخْرَجَ ابْنُ جَرِیْرٍ عَنْ

بخاری اور مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بروایت سعید بن جبیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے قول اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کے متعلق روایت کیا ہے کہ ابن عباس نے کہا یہ آیت عبداللہ بن حذافہ بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک چھوٹے لشکر کا سردار بنا کر بھیجا تھا اور ابن عساکر نے بروایت سدی ابو صالح سے انہوں نے ابن عباس سے نقل کیا ہے اور ابن جریر نے میمون بن مہران

...ن بن مِهْرَانَ فِي قَوْلِهٖ وَاُولِي ...رِ مِنْكُمْ قَالَ اَصْحَابُ السَّرَايَا ...عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ ...لَّمَ۔

سے اللہ تعالیٰ کے قول اولی الامر منکم کے متعلق روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ افسران فوج ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مقرر ہوئے تھے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ یہ آیت اُن سرداران فوج کے بارہ میں نازل ...ئی ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مقرر ہوا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی ...للہ علیہ وسلم بعض مہم پر کسی دوسرے کو سردارِ فوج بنا کر بھیج دیتے تھے خود تشریف نہ ...لے جاتے تھے، لہٰذا حکم ہوا کہ فوجی لوگ اپنے سرداروں کی اطاعت کریں شانِ نزول ...یہی ہے، مگر چونکہ الفاظ آیت کے عام ہیں اور اصول تفسیر کا قاعدہ کلیہ ہے کہ اَلْعِبْرَةُ ...عُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ، لہٰذا اب حکم سرداران فوج کے ساتھ خاص نہ رہے ...گا۔ بلکہ سرداران فوج کا بھی جو شخص سردار ہو یعنی خلیفہ وقت بدرجہ اُولیٰ اس حکم میں شامل ...ہو گا۔

تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔

وَقَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ هُمُ الْاُمَرَاءُ وَالْوُلَاةُ وَقَالَ عِكْرِمَةُ اَرَادَ بِاُولِي الْاَمْرِ اَبَابَكْرٍ وَّعُمَرَ۔

حضرت ابوہریرۃ فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد امیر اور والی یعنی خلفاء ہیں اور عکرمہؓ کہتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے مراد ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لفظ اولی الامر اُن کے لیۓ مخصوص ہے۔ بلکہ ان کا ذکر محض اس لیۓ کیا گیا کہ لفظ اولی الامر کے اعلیٰ و اکمل مصداق وہ ہیں۔

نیز تفسیر درمنثور میں ہے۔

اَخْرَجَ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَّابْنُ جَرِيْرٍ وَّابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ عَنْ عَطَاءٍ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

عبد بن حمید اور ابن جبیر اور ابن ابی حاتم نے عطاء سے اللہ تعالیٰ کے قول اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے متعلق روایت کیا ہے

قَالَ إِطَاعَةُ اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِتِّبَاعُ
الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ
قَالَ أُولِي الْفِقْهِ وَالْعِلْمِ وَأَخْرَجَ
ابْنُ جَرِيْرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَابْنُ أَبِيْ
حَاتِمٍ وَالْحَاكِمُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ
فِيْ قَوْلِهِ تَعَالٰى وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ
يَعْنِيْ أَهْلَ الْفِقْهِ وَالدِّيْنِ وَأَهْلَ
الطَّاعَةِ الَّذِيْنَ يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ
مَعَانِيَ دِيْنِهِمْ وَيَأْمُرُوْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ فَأَوْجَبَ اللّٰهُ
طَاعَتَهُمْ عَلَى الْعِبَادِ وَأَخْرَجَ ابْنُ
أَبِيْ شَيْبَةَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَالْحَكِيْمُ
التِّرْمِذِيُّ فِيْ نَوَادِرِ الْأُصُوْلِ وَ
ابْنُ جَرِيْرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَابْنُ أَبِيْ
حَاتِمٍ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ عَنْ جَابِرِ
ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ فِيْ قَوْلِهِ وَأُولِي الْأَمْرِ
مِنْكُمْ وَأَخْرَجَ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَ
ابْنُ جَرِيْرٍ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ فِيْ
قَوْلِهِ وَأُولِي الْأَمْرِ قَالَ هُمْ أَهْلُ
الْعِلْمِ أَلَا تَرٰى إِلَى أَنَّهُ يَقُوْلُ
وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلٰى أُولِي
الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ
يَسْتَنْبِطُوْنَهُ مِنْهُمْ۔

کہ اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد کتاب
اور سنت کی پیروی ہے اور اولوالامر سے
مراد فقہا اور علماء ہیں۔ اور ابن جریر اور
ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے ابن
عباسؓ سے روایت کی ہے کہ اولوالامر سے
فقہا اور دیندار عبادت گزار لوگ مراد ہیں
جو لوگوں کو دین کی باتیں تعلیم کرتے ہیں اور
ان کو امر معروف و نہی منکر کرتے ہیں اللہ
نے ان کی اطاعت بندوں پر واجب کی
ہے اور ابن ابی شیبہ اور عبد بن حمید نے
اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اور
ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم
اور حاکم نے روایت کی ہے اور حاکم
نے اس روایت کو صحیح کہا ہے کہ حضرت
جابر بن عبد اللہؓ بھی اولوالامر سے فقہاء
کو مراد لیتے تھے اور ابن ابی شیبہ اور
ابن جریر نے ابو العالیہ سے روایت کیا
ہے کہ اولوالامر سے مراد اہل علم ہیں کیا تم
نہیں دیکھتے کہ ایک دوسری آیت میں
فرمایا ہے کہ اگر وہ رسول اور اپنے اولوالامر
کی طرف رجوع کرتے تو جو لوگ استنباط کر
سکتے ہیں وہ بات کو سمجھ لیتے اس سے معلوم
ہوا کہ اہل استنباط مراد ہیں اور وہ اہل علم ہی ہو

سکتے ہیں۔

ــسرین کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ ہر درجہ کے حاکموں پر لفظ اولی الامر کا اطلاق ہو سکتا
ـیہ شک نہ رہا کہ خلیفۂ وقت جس کو حکومتِ عامہ حاصل ہے بدرجۂ اولی اس
ـمداق ہے۔ بلکہ جب لفظ اولوالامر بولا جائے گا۔ تو اس کے متبادر معنی خلیفہ ہی
گے۔

ـمرحوم کی توضیح اولوالامر سے مراد اگر علماء و فقہا لیے جائیں تو ان کی اطاعت
ـاد جہ سے ہے کہ عوام الناس جو کتاب و سنت کے سمجھنے کی لیاقت یا استنباط مسائل
ـت نہیں رکھتے۔ اگر علماء و فقہاء سے دین کی تعلیم نہ حاصل کریں یا ان کی تعلیم پر عمل نہ
ـظاہر ہے کہ دین سے بے خبر اور بے تعلق ہو جائیں گے۔

اور اگر اولوالامر سے مراد خلیفہ یا سردار فوج ہو اور یہی مراد ظاہر ہے تو ان کی
ـت کا اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ نظام امت کا قیام اور امور سیاست کا انصرام بغیر
ـنہیں ہو سکتا۔

مشیتِ الٰہی میں روزِ ازل سے یہ بات مقرر تھی کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ
ـلم کی بعثت اس لیے ہوگی کہ تمام روئے زمین پر اسلام کی شوکت و سطوت کا جھنڈا
ـے ہو اور آپ کے متبعین کسی غیر مسلم قوت کے زیر فرمان ہو کر نہ رہیں بلکہ د
ـاں روا ہوں اور دینِ الٰہی کے جلال و جبروت کے سامنے تمام ادیان باطلہ کو سرنگوں
ـا آیۂ کریمہ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ اس کی گواہ ہے۔

پس جب یہ بات پہلے سے مقرر تھی تو ضروری تھا کہ قرآن شریف میں جس طرح
ـت معاشرت و اخلاق کے اصول تعلیم فرمائے گئے ہیں، اسی طرح سیاست
ـنداری کے اصول بھی ارشاد فرمائے جائیں۔ اور سیاست و جہانداری کے اصول میں
ـاسے بڑی چیز یہ ہے کہ تمام قوم کا شیرازہ متحد ہو۔ سب ایک نظام میں منسلک
ـاور یہ بات بغیر اس کے حاصل نہیں ہو سکتی کہ قوم کا ایک شخص متفذ اور صاحب
ـہو اور باقی اشخاص اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔

سیاست و جہانداری کی اسی اصل عظیم کی تعلیم آیت مذکورہ میں ہے۔ اس آیت سے پہلے حکام کو تعلیم دی ہے کہ تم عدل و انصاف پر کار بند رہنا۔ فرمایا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ۔ یعنی جب تم لوگوں کے درمیان میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بتحقیق اللہ کیا ہی اچھی نصیحت تم کو کرتا ہے۔ اس کے بعد آیت مبحوثہ میں محکوموں کو حکام کی اطاعت کا حکم دیا اس طرح حاکم و محکوم دونوں کے فرائض بیان فرما دیئے۔

سیاست و جہانداری تو بڑی چیز ہے ایک گھر کا انتظام بھی بغیر اس کے درست نہیں ہوتا کہ اس گھر کے جتنے رہنے والے ہوں سب مل کر اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا بڑا مانیں اور سب اس کی اطاعت کریں۔ تو بھلا ایسا ضروری مسئلہ قرآن شریف سے کیونکر فرو گذاشت ہو سکتا تھا۔

دین اسلام ایسا کامل و مکمل دین ہے کہ اس نے فلاح دارین کے اصول تعلیم فرمائے ہیں تو کیوں کر ممکن تھا کہ تمدن کا ایسا ضروری مسئلہ نہ تعلیم دیا جاتا۔

یہی وجہ ہے کہ اطاعت اولی الامر کے متعلق احادیث صحیحہ کا بھی ایک بڑا دفتر ہے جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

احادیث نبویہ متعلق اطاعت اولی الامر

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَمَنْ یُّطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ یَّعْصِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ وَاِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر یعنی حاکم کی اطاعت کی اس نے

ـاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ وَيُتَّقٰى بِهٖ فَاِنْ
مَرَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَعَدَلَ فَاِنَّ
ـهٗ بِذٰلِكَ اَجْرًا وَّاِنْ قَالَ بِغَيْرِهٖ
ـاِنَّ عَلَيْهِ مِنْهُ۔

(متفق علیہ)

میری اطاعت کی اور جس نے حاکم کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ امام یعنی خلیفہ ایک سپر ہے جس کی پناہ میں جہاد کیا جا سکتا ہے پس اگر وہ تقویٰ کا حکم دے اور انصاف کرے تو یقیناً اس کو ثواب ملے گا اور اگر اس کے خلاف کرے تو اس پر وبال ہوگا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ف۔ یہ جو فرمایا کہ امام مثل ایک سپر کے ہے الخ اس سے معلوم ہوا کہ امام یعنی خلیفہ کا مقرر کرنا اور اس کی اطاعت کا واجب ہونا ان سیاسی و تمدنی مقاصد کے لیئے ہے اور بس۔

(۲) عَنْ اُمِّ الْحُصَيْنِ قَالَتْ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اِنْ اُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ
مُجَدَّعٌ يَقُوْدُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ
فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِيْعُوْا۔

(مسلم)

حضرت ام حُصینؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتی تھیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم پر کوئی غلام حاکم بنا دیا جائے جس کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں وہ تم کو کتاب اللہ کے موافق چلائے تو اس کا حکم سنو اور اطاعت کرو۔

(صحیح مسلم)

(۳) عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
اِسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ
عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَاَنَّ رَاْسَهٗ
زَبِيْبَةٌ۔

(البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حکم سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام عامل بنا دیا جائے اور وہ ایسا بدصورت ہو کہ گویا اس کا سر انگور کے برابر ہو۔

(بخاری)

ف۔ معلوم ہوا کہ اگر غلام بھی خلیفہ ہو جائے تو اس کی اطاعت بھی واجب ہے۔ ہاں مسلمان ہونا ضروری ہے کیوں کہ مقصد خلافت کا یہی ہے کہ کتاب اللہ کے

مطابق ہماری قیادت کرے ۔ تیسری حدیث میں استعمل کے لفظ سے معلوم ہوا کہ ہر حاکم کی اطاعت واجب ہے خواہ وہ خلیفہ ہو یا خلیفہ کا مقرر کیا ہوا عامل ۔

(۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَاِذَا اُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ ۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حکم سننا اور اطاعت کرنا مرد مسلمان پر واجب ہے تمام باتوں میں خواہ اس کو پسند ہوں یا ناپسند تاوقتیکہ گناہ کا حکم نہ دیا جائے مگر جب گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سننا واجب ہے نہ اطاعت کرنا ۔ (صحیح بخاری ۔ صحیح مسلم)

آیت اولی الامر کی تفسیر بیان ہو چکی اب اہل انصاف غور کریں کہ اس آیت سے کس طرح حضرات شیعہ اپنا مدعا ثابت کر سکتے ہیں ۔ آیت میں کون سا لفظ ہے جس سے حضرت علیؓ کی خلافت یا عصمت ائمہ ثابت کی جا سکے ۔

بلکہ اگر سچ پوچھو تو یہ آیت حضرات شیعہ کے ایجاد کی ہوئی امامت و عصمت کا گھروندہ ہی بگاڑے دیتی ہے ۔ کیونکہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ امام مثل رسول واجب الاطاعۃ اور معصوم نہیں ورنہ امام سے نزاع کی ممانعت فرمائی جاتی ۔ جس طرح رسول سے نزاع کی ممانعت ہے یہ نہ فرمایا جاتا کہ امام سے اگر کسی بات میں نزاع ہو جائے تو اس کا فیصلہ قرآن و حدیث سے کرو ۔ یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے جس کا اقرار خود ائمہ شیعہ سے بھی منقول ہے ۔

اب دیکھو کہ شیعہ صاحبان کیا فرماتے ہیں اور کس طرح آیت قرآنی کی تحریف کرتے ہیں ۔

شیعہ کہتے ہیں

تو یہ آیت اولی الامر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی خلافت بلافصل اور عصمت ائمہ

کے لیئے نص صریح ہے اور آیت انما ولیکم اللہ کے بعد اسی کا نمبر ہے۔
اس آیت سے استدلال کرنے میں شیعوں نے کئی رنگ بدلے ہیں۔
سب سے پہلا اور اصلی رنگ یہ ہے کہ اس آیت میں تحریف ہوگئی ہے اصلی آیت یُوں تھی۔ یاایھاالذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان خفتم تنازعا فی امر فردوہ الی اللہ والی الرسول واولی الامر منکم یعنی اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور اصلی الامر کی اور اگر تم کو آپس میں کسی بات میں نزاع پڑنے کا اندیشہ ہو تو اس کو اللہ اور رسول اور اولی الامر کی طرف رجوع کرو مطلب یہ کہ اولی الامر بھی مثل رسول ہے۔
مولوی مقبول احمد صاحب اپنے ترجمہ قرآن مطبوعہ مقبول پریس دہلی کے صفحہ ۱۳۸ میں فرماتے ہیں:۔

کافی[1] اور تفسیر عیاشی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ حضرت آیت کو یُوں تلاوت فرماتے تھے فان خفتم تنازعا فی امر فردوہ الی اللہ والی الرسول والی اولی الامر منکم۔ اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی تھی کیونکہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اولوالامر کی اطاعت کا حکم بھی دے اور پھر ان سے جھگڑا کرنے کی اجازت بھی دے بلکہ یہ[2] حکم تو ان مامورین کے حق میں ہے جن سے اطیعوا اللہ کہا گیا ہے۔

الحمدللہ کہ خود شیعوں نے بلکہ ان کے امام محمد باقر نے اقرار کر لیا کہ قرآن شریف میں یہ آیت جن الفاظ میں ہے ان سے اولوالامر کا غیر معصوم ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ معصوم

---

[1] یہ مضمون بالکل ترجمہ ہے تفسیر صافی صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ طہران کی عبارت کا۔
[2] یہ فقرہ مولوی مقبول احمد کا ایجاد ہے جو اپنے امام پر انہوں نے افترا کیا۔ اس فقرہ سے ایک لطیفہ یہ بھی معلوم ہوا کہ ائمہ اطیعوا اللہ کے ساتھ مامور نہیں ہیں۔

سے جھگڑا کرنے کی اجازت نہیں ہو سکتی اور اس اقرار سے روز روشن کی طرح یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ آیت مذکورہ بالفاظ موجودہ شیعوں کے دوازدہ امام پر صادق نہیں آسکتی کیونکہ وہ بزعم شیعہ معصوم تھے۔

ہاں۔ اہل سنت کے نزدیک اس تفسیر کی بنا پر کہ اولوالامر سے علماء و فقہا مراد ہوں۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما و باقی بزرگان خاندان نبوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اولوالامر میں داخل ہو سکتے ہیں اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت امام مہدی جب پیدا ہوں گے اور ان کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے گی۔ لفظ اولوالامر کے مصداق میں بنا بر تفسیر خلیفہ بھی داخل ہیں اور ہوں گے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک یہ سب حضرات غیر معصوم ہیں۔

اب رہا اس آیت کو محرف کہنا یا اس کے مضمون پر اعتراض کرنا یہ نتیجہ ہے قرآن شریف پر ایمان نہ ہونے کا جس کے جواب دینے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ کیوں کہ دنیا میں کون ذی عقل ہے جو قرآن شریف جیسی کتاب کو جس کی محفوظیت بلاشبہ عدیم المثال اور مسلم الکل معجزہ ہے۔ غیر مسلم تک اس کا اقرار کر چکے ہیں۔ چند خود غرض اور البوالہوس لوگوں کے بے دلیل بکواس سے محرف مان لے گا یا اس کی ایک صاف اور معقول بات کو مورد اعتراض قرار دے گا۔

شیعوں کے امام باقر صاحب نے جو یہ اعتراض قرآن پر کیا ہے کہ "یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اولوالامر کی اطاعت کا حکم بھی دے اور پھر ان سے جھگڑنے کی اجازت بھی دے"۔ ایک عجیب منطق ہے خدا نے یہ حکم نہیں دیا کہ اولوالامر کی اطاعت ہر بات میں آنکھ بند کر کے کرنا واجب ہے۔ یہ شان صرف رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ ان کا ہر حکم وحی الٰہی ہے اور ان کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنا واجب ہے۔ اولوالامر کی اطاعت صرف انہیں امور میں ہے جو قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہوں۔

اگر شیعہ کہیں کہ غیر معصوم کی اطاعت کسی بات میں بھی درست نہیں تو یہ فطرۃ اللہ کے خلاف ہو گا۔ خود معصوم کے زمانے میں بھی لوگ غیر معصوم کی اطاعت کرنے پر مامور اور مجبور رہتے تھے فرض کر د کفرض المکذ بات کہ حضرت علی معصوم ہیں۔ لیکن وہ کوفہ میں

رہتے تھے۔ اطراف و جوانب میں نزدیک و دُور مقامات میں ان کے عامل ان کے قاضی مقرر تھے جو غیر معصوم تھے۔ وہاں کے لوگ ان کی اطاعت کرتے تھے۔ ہر خلیفہ کے زمانہ میں ایسا ہوا خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا ہوا اور ایسا نہ ہو تو نظام خلافت ہی قائم نہیں رہ سکتا۔ اس بحث کو ہم انشاء اللہ مستقل رسالہ میں جو عصمتِ ائمہ کے متعلق ہوگا بسط کے ساتھ لکھیں گے اور خود شیعوں کا اقرار ان کی معتبر کتابوں سے نقل کریں گے کہ معصوم کے زمانے میں بھی لوگ غیر معصوم کی اطاعت کرتے تھے اور ان کو شریعت کی طرف سے یہی حکم تھا۔

خود شیعوں نے بھی اس بات کو محسوس کیا کہ یہ بات چلنے والی نہیں سوا شیعوں کے مٹھی بھر فرقہ کے کوئی انسان قرآن شریف کی کسی آیت کو محرف و مبدل ماننے کے لیئے تیار نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس آیت سے استدلال کرنے کے لیئے دوسرا رنگ بدلا گیا ہے۔

دوسرا رنگ شیعوں کے قبلوں کے قبلہ جناب کلینی صاحب نے اس آیت کے متعلق ابو بصیر اور امام جعفر صادق کی ایک گفتگو نقل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام موصوف نے اپنے باپ کے خلاف اس آیت کو غیر محرف مان کر فرمایا کہ اولی الامر سے مراد حضرت علی و حسنین رضی اللہ عنہم ہیں۔ ابو بصیر نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ حضرت علیؓ اور ان کے اہلبیت کا نام آیت میں کیوں نہ لیا گیا (تاکہ آیت اولی الامر کی مراد سب پر ظاہر ہو جاتی) ہے اس کا کوئی معقول جواب امام صاحب نہ دے سکے۔ اب اصل عبارت اصول کافی ص۱۷۰ پر ملاحظہ ہو:-

عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَقَالَ نَزَلَتْ فِیْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَالْحَسَنِ	ابو بصیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ عز و جل کے قول اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ آیت علی ابن ابی طالب اور حسن

وَالْحُسَيْنِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَقُلْتُ لَهُ
إِنَّ النَّاسَ يَقُولُونَ فَمَا لَهُ لَمْ يُسَمِّ
عَلِيًّا وَأَهْلَ بَيْتِهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ
فِي كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ
فَقَالَ قُولُوا لَهُمْ إِنَّ رَسُولَ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ نَزَلَتْ عَلَيْهِ
الصَّلٰوةُ وَلَمْ يُسَمِّ لَهُمْ ثَلٰثًا وَلَا
أَرْبَعًا حَتّٰى كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى
اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ هُوَ الَّذِي فَسَّرَ
ذٰلِكَ لَهُمْ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِ الزَّكٰوةُ
وَلَمْ يُسَمِّ لَهُمْ مِنْ كُلِّ
أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ حَتّٰى
كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَآلِهِ هُوَ الَّذِي فَسَّرَ ذٰلِكَ لَهُمْ وَ
نَزَلَ الْحَجُّ فَلَمْ يَقُلْ لَهُمْ طُوفُوا
أُسْبُوعًا حَتّٰى كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَآلِهِ هُوَ الَّذِي فَسَّرَ لَهُمْ ذٰلِكَ۔

اور حسین علیہم السلام کے حق میں اتری ہے میں نے ان سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ خدا نے علی کا اور ان کے اہلبیت علیہم السلام کا نام قرآن میں نہ لیا۔ امام نے فرمایا کہ تم ان لوگوں سے کہہ دینا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ پر نماز کا حکم اترا مگر خدا نے نہ بتلایا کہ تین رکعت یا چار رکعت یہاں تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس کی تفسیر لوگوں سے بیان کی اور زکوٰۃ کا حکم اترا مگر خدا نے نہ بتلایا کہ ہر چالیس درم میں ایک درم زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یہاں تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس کو لوگوں سے بیان کیا اور حج کا حکم نازل ہوا مگر خدا نے یہ نہ فرمایا کہ سات مرتبہ طواف کرو یہاں تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس کی تفسیر ان سے فرمائی۔

ف۔ شیعوں کے امام جعفر صادق نے جو جواب ابو بصیر کو دیا وہ بچند وجہ غیر معقول ہے

اول یہ کہ سوال تمام مسئلہ امامت کے متعلق جو شیعوں کے یہاں اصول دین میں ہے اور مدار نجات ہے۔ جواب میں امام صاحب نے نماز روزہ وغیرہ فروعات پر قیاس کیا۔ یہ قیاس مع الفارق نہیں تو کیا ہے۔ اعمال کی تفصیل قرآن میں نہ ہوتی تو اس سے عقائد کی تفصیل نہ کرنے کا جواب کیونکہ نکلا۔

دوم یہ کہ نماز کی تعداد رکعات یا نصاب زکوٰۃ کا بیان قرآن میں نہ ہوا تو کسی خلاف مراد مضمون کی طرف ذہن نہ گیا۔ بخلاف اس کے کہ لفظ اولوالامر کی مراد نہ بیان کرنے سے ذہن اب اسی عام معنیٰ کی طرف جاتا ہے جو از روئے لغت مفہوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ معنی خلاف مراد ہیں۔

سوم یہ کہ بالفرض یہ سب مان لیا جائے تو امام کو چاہیئے تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ہی پیش کرتے جس میں اولوالامر کی مراد بیان کی گئی ہوتی۔ لیکن انہوں نے یہ بھی نہ کیا اور نہ کر سکتے تھے۔

علاوہ اس کے سب سے بڑا نقص امام صاحب کے استدلال میں یہ ہے کہ اولی الامر سے حضرت علیؓ و حسنینؓ اگر مراد لیئے جائیں تو ان کی عصمت باطل ہوئی جاتی ہے۔ کیونکہ فان تنازعتم سے حسب اقرار امام باقر عصمت کی نفی ہو رہی ہے۔ اس نقص کو شیعوں کے اولین و آخرین مل کر نہیں اٹھا سکتے۔ اس لیئے متاخرین شیعہ نے آیت کا استدلال ایک تیسرے رنگ میں شروع کیا۔

تیسرا رنگ شیعوں کے امام اعظم شیخ حلی نے اور ان کے بعد دوسرے علمائے شیعہ نے اس آیت سے یوں استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اور اولوالامر کی اطاعت کا یکساں حکم دیا ہے کچھ فرق ان تینوں اطاعتوں میں نہیں بیان کیا اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح رسول معصوم ہیں اولوالامر بھی معصوم ہیں اور باتفاق مفسرین فریقین اولوالامر سے مراد ائمہ ہیں۔ لہذا ان کا معصوم ثابت ہونا ہو گیا اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ معصوم کے ہوتے ہوئے غیر معصوم کا خلیفہ بنانا جائز نہیں لہذا حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل بھی ثابت ہو گئی۔

اسی مضمون کو مختلف عبارتوں میں کچھ مقدمات گھٹا بڑھا کر علمائے شیعہ بیان کیا کرتے ہیں اور بڑی بے باکی سے کہہ دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل اور عصمت ثابت ہو گئی ہے۔

جواب

شیعوں کی پہلی دونوں تقریروں کا جواب تو انہیں تقریروں کے ساتھ ہو چکا۔ اس تیسری تقریر کا جواب یہ ہے کہ اس تقریر کی بنیاد دو باتوں پر ہے اور دونوں خالص افتراء ہیں۔

اوّل یہ کہ خدا نے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کو یکساں واجب کیا کچھ فرق نہیں بیان کیا۔ یہ خدا پر افتراء ہے۔ اس سے زیادہ فرق کیا ہوگا کہ فان تنازعتم فرما کر ظاہر کر دیا کہ اولوالامر سے درصورت شبہہ مخالفت شریعت نزاع جائز ہے۔ اور رسول سے کسی حال میں نزاع جائز نہیں ہے۔ اور بالفرض اگر یہ فرق نہ بیان ہوتا تو بھی اولوالامر کا مثل رسول معصوم ہونا ثابت نہ ہوتا۔ کیا اللہ و رسول کی اطاعت جو واقعی اس آیت اور دوسری آیات میں یکساں بیان کی گئی ہے اس سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ رسول مثل خدا کے واجب الوجود اور بے والد و بے ولد ہیں۔ (نعوذ باللہ)

دوم یہ کہ مفسرین اہل سنت کا اتفاق ہے کہ اولوالامر سے بارہ امام مراد ہیں۔ یہ مفسرین اہل سنت پر افتراء ہے۔ تفاسیر اہلسنت کی عبارتیں ہم اوپر نقل کر چکے۔ کسی میں بھی دوازدہ امام کا ذکر نہیں۔ شاید کسی مفسر نے اگر اولوالامر سے ان حضرات کو مراد لیا ہو تو اس کا مقصد یہ نہ ہوگا کہ صرف یہی حضرات مراد ہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ لفظ اولوالامر میں۔ اگر علماء و فقہا کو بھی شامل رکھا جائے تو یہ ائمہ بھی اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔

خلاصۃ الکلام

۱۔ اس آیت مذکورہ کو کسی خاص خلیفہ کی خلافت سے کوئی تعلق نہیں۔ آیت میں ایک عام حکم بیان ہوا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے حاکم کی اطاعت کرنی چاہیے۔

۲۔ اولی الامر کے معنی صاحب حکومت کے ہیں اور یہی معنی لغوی آیت میں مراد ہیں۔ قیامت تک جتنے مسلمان حاکم ہوں سب کو بلا تخصیص یہ لفظ شامل ہے۔

۳۔ اولی الامر سے دوازدہ امام کو مراد لینا آیت کی تحریف معنوی کے علاوہ خود مذہب شیعہ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ آیت میں اولوالامر سے نزاع کی اجازت ہے۔ جو عصمت کے منافی ہے اور شیعہ کہتے ہیں کہ دوازدہ امام معصوم ہیں اور ان سے کسی مسئلہ میں نزاع کرنا ویسا ہی حرام ہے جیسا رسول سے نزاع کرنا۔

۴۔ آیت مذکورہ صاف بتلا رہی ہے کہ اولی الامر معصوم نہیں ہوتا نہ اس کا قول حجت شرعی ہے حجت مستقلہ شرعی صرف اللہ اور رسول کا فرمان ہے ورنہ درصورت نزاع صرف اللہ اور رسول کی طرف رجوع کا حکم نہ دیا جاتا فقط هذا آخر الكلام والحمد لله رب العلمين۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

تحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے

ایمان والوں کو

تفسیر آیت مباہلہ

جس میں

سورہ آل عمران کی آیہ کریمہ فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم کی صحیح تفسیر بیان کر کے روز روشن کی طرح دکھایا گیا ہے کہ اس آیت کریمہ سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت بلافصل یا ان کی افضلیت تمام صحابہ پر ثابت کرنا قرآن شریف کی تحریف ہے

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳ ۔ روڈ نمبر ۷ ۔ سب بلاک اے ۔ بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدسیہ

ناظم آباد ۔ کراچی ۷۴۶۰۰ ۔ فون نمبر : ۶۶۰۱۴۴۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً،

اس زمانہ میں جبکہ ہر طرف سے نئے نئے فتنے اٹھ رہے ہیں اور ناواقفوں کی رہزنی کے لئے ہر قسم کی کوششیں ہو رہی ہیں ایک نیا شگوفہ یہ کھلا کہ بمبئی کے بعض شیعوں نے صلح و آشتی کا لباس پہنکر سنیوں کو اتحاد و اتفاق کی دعوت دی اور اسکی صورت یہ تجویز کی کہ جو مذہبی تقریبات فریقین میں مشترک ہیں ان کو دونوں فریق ایک جگہ جمع ہو کر ادا کریں منجملہ ان مشترک تقریبات کے ایک عید مباہلہ کو بھی بیان کیا گیا۔ یہ عید شیعوں کے یہاں ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوتی ہے۔ کہا گیا کہ واقعہ مباہلہ کا ثبوت سنیوں کی کتابوں میں بھی ہے لہٰذا اس عید سے سنیوں کو بھی انکار نہ ہونا چاہیئے۔

اس دعوت اتفاق پر بڑے بڑے مضمون لکھے گئے جنمیں دکھلایا گیا کہ واقعہ مباہلہ عہد نبوت کا ایک عظیم الشان واقعہ اور معجزات نبوی میں ایک غیر معمولی معجزہ ہے لہٰذا اس دن کو ضرور عید بنانا چاہیئے۔

مقصود یہ تھا کہ اہلسنت جو ہر وقت دعوت صلح پر لبیک کہنے کو تیار رہتے ہیں اگر اس دعوت کو قبول کریں تو ہر سال سنی شیعہ کا ایک مشترک جلسہ ہوا کرے اور اس میں واقعہ مباہلہ کے پردہ میں شیعوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کا موقع ملتا رہے حضرت علی کا افضل الصحابہ اور خلیفہ بلافصل ہونا سنیوں کے کان تک بھی پہونچائیں اور یہ عید ان کی خلافت بلافصل کی یادگار میں سنیوں کے یہاں بھی رائج ہو جائے۔

یقیناً اگر یہ افسوں چل جاتا تو مجالس محرم سے زیادہ یہ عید مباہلہ مذہب شیعہ کی اشاعت کا ذریعہ بنتی مگر خدا کا شکر ہے کہ اہل سنت کی طرف سے اسی وقت جواب دیدیا گیا کہ ہمارے مذہب میں عید مباہلہ بالکل بے اصل چیز ہے ہمارے یہاں سوا ان دو عیدوں کے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کی ہوئی ہیں کوئی تیسری عید نہیں ہوتی نہ ہم کو اپنی طرف سے کسی عید کے اضافہ کرنے کا حق ہے اسی وجہ سے بڑی بڑی عظیم الشان فتوحات اسلام میں ہوئیں مگر ہمنے

کسی کی یادگار میں کوئی عید نہیں قائم کی۔ اور یہ واقعہ مباہلہ کوئی ایسا بڑا واقعہ بھی نہیں مباہلہ کی نوبت بھی نہیں آئی صرف ارادہ ہی ارادہ تھا۔

الغرض اسوقت تو یہ فتنہ دب گیا مگر شیعوں کی کوشش برابر جاری ہے ان کے اگلے علما بھی آیت مباہلہ سے خلافت بلافصل ثابت کرنے میں بڑے زور لگا چکے ہیں۔ انکے امام اعظم شیخ حلی نے منہاج الکرامہ میں بھی اس آیت کو بڑے شدومد سے پیش کیا ہے لہذا ضروری ہوا کہ آیت کی صحیح تفسیر اور اصلی واقعہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا جائے۔ امید ہے کہ اسکے بعد انشاء اللہ تعالیٰ پھر کسی کا فریب کارگر نہو گا۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

آیتِ مباہلہ

پارہ ۳۔ سورۂ آل عمران۔ رکوع ۶۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ

پھر جو شخص آپ سے جھگڑا کرے عیسیٰ کے بارہ میں بعد اسکے کہ آ گیا آپ کے پاس علم تو کہہ دیجئے

تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا

کہ آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنی ذاتوں کو

وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ط

اور تم اپنی ذاتوں کو پھر گڑگڑا کر دعائیں مانگیں پھر کریں ہم اللہ کی لعنت جھوٹ بولنے والوں پر

اس آیت میں جس واقعہ کا بیان ہے اسکا مختصر قصہ یہ ہے کہ مدینۂ منورہ کے قریب نجران نام کی ایک بستی تھی جسمیں عیسائی آباد تھے جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت اور آپ کے فتوحات کی خبر ان کو پہونچی تو سنہ ۹ ہجری میں اور بقول بعض سنہ ۸ھ میں ایک جماعت ان عیسائیوں کی حاضر خدمت ہوئی مقصود ان لوگوں کا یہ تھا کہ آپ سے صلح کی کوئی تجویز نکالیں اور آئندہ کے خطرات سے اپنی حفاظت کریں اور اسکے ساتھ ہی یہ خیال بھی تھا کہ آپ کی نبوت کو جانچیں۔

ان لوگوں نے آکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کچھ سوالات کیے جن کے جواب میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ اور ان کے حالات بذریعہ وحی الٰہی کے آپ پر نازل ہوئے چنانچہ آیت مبحوثہ کے اوپر مسلسل یہی بیان چلا آرہا ہے۔

ان باتوں کا کچھ جواب ان عیسائیوں سے نہ بن پڑا مگر اپنی کج بحثی سے باز نہ آئے اور فضول باتوں میں آپ کا وقت عزیز ضائع کرنے لگے اس پر یہ آیت مباہلہ اتری جس میں حکم دیا گیا کہ اے نبی وحی الٰہی کے نازل ہونے کے بعد بھی ان کی کج بحثی ختم نہیں ہوتی تو آپ ان سے فرما دیجئے کہ اچھا تم لوگ مجھ سے مباہلہ کرو۔ اور مباہلہ کی صورت یہ ارشاد فرمائی کہ آپ اور آپ کی ساری جماعت مع اپنے لڑکوں اور عورتوں کے ایک مقام میں جمع ہوں اور یہ عیسائی بھی مع اپنے اپنے لڑکوں اور عورتوں کے وہاں آ جائیں اسکے بعد سب لوگ خدا کے سامنے تضرع وزاری کے ساتھ دعا مانگیں کہ یا اللہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو اس پر اپنی لعنت نازل کر۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم خداوندی اُن عیسائیوں کو سنا دیا ان لوگوں نے کہا اچھا ہم آپس میں مشورہ کر کے اسکا جواب دینگے لیکن جب ان لوگوں نے اپنے بڑے بوڑھوں سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا تم کیا حماقت کرتے ہو تم کو معلوم ہو چکا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے نبی ہیں دیکھو جب کسی قوم نے کسی نبی سے مباہلہ کیا تو نہ اُن کا بوڑھا بچا نہ بچہ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے یہ سنکر ان کی ہمت پست ہو گئی اور انھوں نے مباہلہ سے قطعی انکار کر دیا اور جزیہ دینا قبول کر لیا ہر سال دو ہزار جوڑے کپڑے صفر کے مہینہ میں دو ایک ہزار رجب کے مہینہ میں دینا انھوں نے منظور کیا۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اہل نجران مباہلہ منظور کر لیتے تو سؤر اور بندر ہو جاتے اور تمام میدان آگ سے بھڑکنے لگتا اور نجران میں انسان تو انسان درختوں کے اوپر چڑیاں بھی نہ بچتیں۔ ایک سال کے اندر سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اس مباہلہ کے لئے بالکل تیار ہو گئے تھے یہاں تک کہ اس وقت آپ نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور جناب سیدہ فاطمہ زہرا کو مباہلہ میں اپنے ساتھ شرکت کے لئے بلا لیا تھا بلکہ بعض روایات میں ہے کہ بعض صحابہ کرام بھی اپنی اولاد کو لیکر آ گئے تھے چنانچہ درمنثور جلد دوم صفحہ ۳۸ اور روح المعانی جلد اول صفحہ ۲۰۶ میں ہے کہ۔

اخرج ابن عساکر عن جعفر بن محمد عن ابیہ فی ھذہ الآیات تعالوا ندع ابناءنا الآیۃ قال فجاء بابی بکر وولدہ وبعمر وولدہ وبعثمان وولدہ وبعلی وولدہ۔	ابن عساکر نے امام جعفر صادق سے انھوں نے اپنے والد سے اس آیت یعنی تعالوا ندع ابناءنا کے متعلق روایت کیا ہے کہ آپ نے حضرت ابو بکر کو بھی مع انکی اولاد کے بلا لیا تھا اور حضرت عمر کو بھی مع انکی اولاد کے اور حضرت عثمان کو بھی مع ان کی اولاد کے اور حضرت علی کو بھی مع انکی اولاد کے۔

یہ مختصر قصہ اس واقعہ مباہلہ کا تھا جس سے آیت مبحوثہ کو تعلق ہے۔ اب بتائیے کہ اس واقعہ میں غیر معمولی اہمیت کیا ہے اور حضرت علی کی خلافت بلا فصل سے اس آیت کو یا واقعہ کو کیا تعلق ہے۔ ہاں اگر مباہلہ ہو جاتا اور نجران کے عیسائیوں پر عذاب الٰہی نازل ہو جاتا تو البتہ واقعہ میں غیر معمولی اہمیت پیدا ہو جاتی مگر خلافت سے پھر بھی کوئی تعلق نہ ہوتا۔

بحالت موجودہ اس واقعہ سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل البتہ ظاہر ہوتی ہے کہ مخالف اور منکر بھی دل میں آپ کی صداقت کا اعتراف رکھتے تھے دوسری بات یہ ہے کہ خوارج کے مقابلہ میں حضرات حسنین و جناب سیدہ و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی فضیلت ثابت ہوتی ہے سو وہ بھی نہ آیت سے بلکہ شان نزول کی روایت سے۔

شیعہ کہتے ہیں

کہ اس آیت سے حضرت علی کی خلافت بلا فصل ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی و حضرت فاطمہ اور حسنین کو مباہلہ میں شریک کرنے کے لئے اپنے ساتھ لیا اور کسی کو اپنے ساتھ نہ لیا جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ آپ کو جو کچھ تعلق تھا وہ صرف انھیں حضرات سے تھا۔ پھر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ آیت میں لفظ انفسنا سے حضرت علی اور ابناءنا سے حسنین اور نساءنا سے حضرت فاطمہ رضؓ مراد ہیں پس معلوم ہوا کہ حضرت علی نفس رسول تھے اور ظاہر ہے کہ نفس رسول کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو خلیفہ بنانا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

کہتے ہیں کہ نفس رسول ہونا ایک ایسی فضیلت ہے کہ سوا حضرت علی کے کسی کو حاصل

نہیں ہوئی نفس رسول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رسول کی ذات اور ان کی ذات ایک چیز ہے اس سے حضرت علی کا معصوم ہونا اور تمام اُن صفات کے ساتھ موصوف ہونا ثابت ہوتا ہے جو رسول کی ذات میں تھیں پس ثابت ہو گیا کہ وہ تمام صحابہ سے افضل تھے اور یہ کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی اور کو خلیفہ بنانا جائز نہ تھا۔

بعض شیعہ تو اس آیت سے حضرت علی کا انبیائی سابقین سے افضل ہونا ثابت کرتے ہیں علامہ فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں ایک شیعہ کی تقریر اُس کے متعلق نقل کر کے بہت تعجب کیا ہے غالباً امام ممدوح کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ عام طور پر تمام شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ائمہ کا رتبہ تمام انبیائے سابقین سے زیادہ ہے۔

اہلسنت کہتے ہیں

کہ اس آیت سے حضرت علی کی خلافت بلا فصل کیا معنی مطلق خلافت بھی ثابت نہیں ہو سکتی نہ انکا تمام صحابہ سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے جو استدلال شیعوں نے کیا ہے اُسمیں چند خرابیاں ہیں جنمیں سے بعض حسب ذیل ہیں:-

پہلی خرابی یہ ہے کہ شیعوں کے اس استدلال کی بنیاد آیت قرآنی پر نہ ہوئی بلکہ ایک روایت پر ہوئی اور روایت بھی حد تواتر کو نہیں پہونچی کیونکہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین کو ساتھ لینے کا مضمون روایت ہی میں ہے اور اسی پر استدلال کی بنیاد ہے لہٰذا شیعوں کا یہ کہنا کہ اس آیت سے خلافت بلا فصل ثابت ہوتی ہے بالکل بے اصل رہا

ف: کچھ اس آیت کی تخصیص نہیں بلکہ شیعوں نے قرآن کی جس آیت سے بھی استدلال کیا ہے اُسکے ساتھ روایت احاد کا ضمیمہ لگایا گیا ہے بغیر اس ضمیمہ کے لگائے ہوئے انکا کام ہی نہیں چلتا چنانچہ آیت ولایت کی تفسیر میں اسکا نمونہ دکھایا جا چکا ہے اور پھر لطف یہ کہ جن روایات احاد کو آیت کے ساتھ ضمیمہ بنا کر استدلال کرتے ہیں اکثر و بیشتر وہ روایات صحیح بھی نہیں ہوتیں نہ علمائے شیعہ خود بھی اپنے مقام پر لکھتے ہیں کہ اخبار احاد سے عقائد میں استدلال کرنا جائز نہیں اور پھر خود ہی اپنے اتنے بڑے عقیدے کی بنیاد اخبار

…ادیر رکھتے ہیں۔ ان ھٰذا الشئ عجیب۔

شیعہ بجائے اسکے کہ اپنی اس کارروائی پر نادم ہوتے بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ قرآن کے ساتھ اگر روایات نہ ملائی جائیں تو تفسیر بالرائے ہو جائیگی اور تفسیر بالرائے فریقین کے یہاں ممنوع ہے۔ مقدمہ تفسیر آیات خلافت میں ہم تفسیر بالرائے کا مطلب بیان کر چکے ہیں اور کئی ایک عبارتیں ائمہ تفسیر و حدیث کی نقل کر چکے ہیں جن سے اچھی طرح واضح ہو گیا ہے کہ قواعد عربیت کی پابندی کے ساتھ بغیر روایت ملائے ہوئے اگر قرآن کی تفسیر کی جائے تو وہ ہرگز تفسیر بالرائے نہیں ہے۔ اس وقت اسی مقصد کی تائید میں ایک عبارت اور نقل کی جاتی ہے۔ علامہ محمد طاہر گجراتی مجمع بحار الانوار میں لکھتے ہیں:۔

حديث من قال في كتاب الله برايه فاصاب فقد اخطأ لا يجوز ان يراد ان لا يتكلم احد في القران الا بما سمعه فان الصحابة رضي الله عنهم قد فسروه واختلفوا فيه على وجوه وليس كلما قالوه سمعوه منه ولانه لا يفيد حينئذ دعاءه اللهم فقهه في الدين وعلمه التاويل فالنهي لوجهين احدهما يكون له راى واليه ميل من طبعه وهواه فيتاول على وفقه ليحتج على تصحيح غرضه وهذا قد يكون مع علمه ان ليس المراد بالاية ذلك ولكن يلبس على خصمه وقد يكون مع جهله بان يكون الاية محتملة لكن رجحه لرايه ولولاه لما يترجح ذلك الوجه

یہ حدیث کہ جسنے کتاب اللہ میں اپنی رائے سے کچھ بیان کیا اس نے صحیح بھی کہا تو خطا کی اسکا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص قرآن کے متعلق سوا سنے ہوئے کے کچھ نہ بیان کرے اسلئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کی تفسیر بیان کی اور اسمیں باہم اختلاف بھی کیا اور یہ بات نہیں ہے کہ جو کچھ انہوں نے تفسیر بیان کی وہ سب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سنکر بیان کی نیز اگر ایسا ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض صحابہ کو یہ دعا دینا کہ یا اللہ انکو دین کی سمجھ دے اور تفسیر کا علم دے بیکار ہو جائیگا پس رائے سے تفسیر کرنیکی ممانعت دو صورتوں میں ہے ایک یہ کہ اس شخص کی کوئی خاص رائے اسکی قائم ہو اور اسکی طرف اسکا طبعی میلان ہو اور وہ اپنی اسی رائے کے موافق اسکی صحت ثابت کرنے کیلئے تفسیر کرے بسا اوقات ایسی حالت میں یہ علم بھی ہو جاتا ہے کہ آیت کی مراد یہ نہیں ہے مگر اپنے حریف کو دھوکا دینے کیلئے ایسا کرتا ہے اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ اسکو آیت کی مراد معلوم نہیں ہوتی اور آیت کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں مگر اپنی رائے کے

لم وقد یکون لہ غرض صحیح کمن یدعوالی مجاھدۃ القلب القاسی ویستدل بقولہ اذھب الی فرعون انہ طغی ولیشیر الی قلبہ و یستعمل الوعاظ تحسینا وترغیبا وھو ممنوع وقد یستعمل الباطنیۃ فی المقاصد الفاسدۃ لتغریر الناس الی باطلہ والثانی ان یتسارع الی التفسیر لظاھر العربیۃ من غیر استظھار بالسماع فی غرائب ومبھما تہ وفیما فیہ الحذف والتقدیم وما عداھما فلا وجہ للمنع فیہ۔

لیکن جو مطلب ہوتا ہے اسی کو ترجیح دیتا ہے اگر اسکی دلیل نہ ہوتی تو ہرگز اس مطلب کو ترجیح نہ دیتا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی غرض صحیح اس شخص کی ہوتی ہے مثلاً مجاہدہ قلب کی رغبت دینا چاہتا ہے اور اس آیت سے استدلال کرتا ہے اذھب الی فرعون انہ طغی اور کہتا ہے کہ فرعون سے مراد قلب قاسی ہے اکثر واعظین ترغیب کیلئے ایسی تفسیرات کرتے ہیں حالانکہ یہ ممنوع ہے فرقہ باطنیہ کے لوگ بھی اپنی اغراض فاسدہ کیلئے لوگوں کو دھوکا دینے کیواسطے ایسی تفسیرات کرتے ہیں دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قواعد عرب کے مطابق کرے اور اسکے غرائب مبہمات میں اور جنمیں حذف یا تقدیم وغیرہ ہے کچھ منقولات نہ دیکھے تو اسکے ممنوع ہونیکی کوئی وجہ نہیں۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ حضرت فاطمہ وحسنین رضی اللہ عنہم کا بلانا تو بلا اختلاف صحیح روایات میں مذکور ہے مگر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا بلانا اکثر صحیح روایات میں نہیں ہے تفسیر طبری جلد سوم صفحہ ۱۹۲ میں ہے

حدثنا ابن حمید قال ثنا جریر قال فقلت للمغیرۃ ان الناس یرون فی حدیث نجران ان علیا کان معھم فقال اما الشعبی فلم یذکرہ فلا ادری لسوء رای بنی امیۃ فی علی او لم یکن فی الحدیث۔

ہمسے ابن حمید نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمسے جریر نے بیان کیا وہ کہتے ہیں میں نے مغیرہ سے کہا کہ لوگ نجران کے قصہ میں روایت کرتے ہیں کہ علی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے تو انھوں نے کہا کہ شعبی نے علی کا ذکر نہیں کیا اب میں نہیں جانتا کہ بنی امیہ کا خیال چونکہ علی کی طرف سے خراب تھا اس وجہ سے شعبی نے انکا ذکر نہ کیا یا اصل میں وہ تھے ہی نہیں۔

پھر اسی تفسیر میں ایک روایت قتادہ سے منقول ہے اسمیں بھی حضرت علی کا ذکر نہیں ہے۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ روایت سے اگر ثابت ہوتا ہے تو زیادہ از زیادہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو بلایا باقی رہا یہ کہ انفسنا سے مراد حضرت علی ہیں اور فلاں لفظ سے فلاں اور فلاں سے فلاں مراد ہیں یہ مضمون کسی روایت میں نہیں ہے ان الفاظ کی مراد جس نے بھی بیان کی ہے اُسنے اپنی رائے سے بیان کی ہے اس کو حدیث کی طرف منسوب کرنا یا رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول کہنا قطعاً کذب و افترا ہے۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ لفظ انفسنا سے حضرت علی کے مراد ہونے پر مفسرین اہلسنت کا اجماع بیان کرنا بھی خالص بہتان ہے بلکہ تمام محققین مفسرین اسکے خلاف ہیں۔

تفسیر طبری جلد سوم ص۱۹۲ میں ہے۔

لانسلم ان المراد بانفسنا الامیر بل المراد نفسہ الشریفۃ صلے اللہ علیہ وسلم۔	ہم نہیں مانتے کہ انفسنا سے جناب امیر مراد ہیں بلکہ اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس مقدس ہے۔

تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔

قیل ابناءنا اراد الحسن والحسین ونساءنا فاطمۃ وانفسنا عنی نفسہ وعلیا رضی اللہ عنہم والعرب تسمی ابن عم الرجل نفسہ کما قال اللہ تعالیٰ ولاتلمزوا انفسکم یرید اخوانکم وقیل ھو علی العموم لجماعۃ اھل الدین۔	کہا گیا ہے کہ ابناءنا سے حسن و حسین اور نساءنا سے حضرت فاطمہ اور انفسنا سے خود آپکی ذات اور حضرت علی مراد ہیں اہل عرب اپنے چچا کے بیٹے کو نفس کہدیتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنے نفسوں کو طعنے نہ دو یہاں مراد نفس سے بھائی ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ الفاظ اپنے عموم پر ہیں تمام جماعت اہل دین مراد ہے۔

تفسیر جلالین میں لفظوں کی مراد کچھ بیان ہی نہیں کی جس سے صاف ظاہر ہے کہ انکے نزدیک ان الفاظ کے وہی معنے مراد ہیں جو لغت سے سمجھے جاتے ہیں۔

تفسیر کشاف میں ہے۔

ندع ابناءنا وابناءکم ای یدع کل منی ومنکم ابناءہ ونساءہ ونفسہ الی المباھلۃ۔	ندع ابناءنا وابناءکم کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص ہم میں سے اور تم میں سے اپنے بیٹوں کو اور عورتوں کو اور اپنے نفس کو مباہلہ کی طرف بلائے۔

تفسیر مدارک میں بالکل کشاف کا تتبع ہے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے۔

ای یدع کل منا ومنکم نفسہ و	یعنی لائے ہر شخص ہم میں سے اور تم میں سے اپنے

اعزۃ اھلہ۔ نفس کو اور اپنے خاندان کے عزیز تر لوگوں کو۔

پانچویں خرابی یہ ہے کہ ان الفاظ کی خاص خاص مراد جس شخص نے بیان کی ہے اسکے اس خیال کی بنیاد صرف یہ ہے کہ اسنے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسوقت صرف انھیں حضرات کو بلایا لہذا اُسنے خیال کیا کہ ان سب الفاظ کا مصداق کسی نہ کسی طرح انھیں حضرات کو بنانا چاہیئے۔ حالانکہ یہ بنیاد ہی غلط ہے۔ ہاں اگر اہل نجران مباہلہ منظور کر لیتے تو اُسوقت دیکھا جاتا کہ حضور کن کن لوگوں کو اپنے ساتھ لیجاتے اگر اسوقت بھی سوا ان حضرات کے کسی کو اپنے ہمراہ لیجاتے تو بیشک ان الفاظ کا مصداق انھیں حضرات کو بنانا ضروری ہوتا! یقیناً اگر نوبت مباہلہ کی آتی تو آپ اپنی ازواج مطہرات کو ضرور ہمراہ لیجاتے کیونکہ نساءنا سے کوئی اور مراد ہو ہی نہیں سکتا۔

تفسیر بحر محیط جلد اول ص۴۷۹ میں ہے۔

ولو عزم نصاری نجران علی المباھلۃ وجاؤا لھا لامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم المسلمین ان یخرجوا باھالیھم للمباھلۃ۔

اور اگر نجران کے عیسائی مباہلہ کا ارادہ کرتے اور اس کیلئے آتے تو ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو حکم دیتے کہ اپنے اپنے اہل و عیال کو لیکر مباہلہ کیلئے آئیں!۔

چھٹی خرابی یہ ہے کہ انفسنا سے حضرت علی کا مراد ہونا اور نساءنا سے حضرت فاطمہ اور ابناءنا حضرات حسنین کا لغت عرب اور محاورۂ قرآنی کے خلاف ہے۔

لفظ انفس جمع نفس کی ہے نفس ہر شخص کا اسکی ذات کو کہتے ہیں نہ کسی دوسرے کو پھر لفظ جمع سے شخص واحد کو مراد لینا بھی ناجائز ہے الا مجازاً۔ محاورۂ قرآنی دیکھیے تو قرآن مجید میں کئی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اہل مکہ اور تمام مسلمانوں کے انفس سے فرمایا ہے قولہ تعالیٰ لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم وقولہ تعالیٰ لقد جاءکم رسول من انفسکم لہذا صرف حضرت علی کو لفظ انفس سے مراد لینا اور سب کو خارج کر دینا ان آیات کے خلاف ہوگا۔ لفظ ابناءنا جمع ابن کی ہے۔ لغت عرب میں ابن بیٹے کو کہتے ہیں نواسے کو ابن البنت کہتے ہیں قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا کہ آپ کسی مرد کے باپ نہیں ہیں ما کان محمد ابا احد من رجالکم لہذا کسی

آپ کا بیٹا کہنا اس آیت کے خلاف ہوگا۔ احادیث میں بیشک وارد ہوا ہے کہ آنحضرت
اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنین رضہ کو بیٹا فرمایا مگر یہ فرمانا بطور مجاز کے محض اظہار محبت
لئے تھا جیسا کہ ظاہر ہے۔

لفظ نساء جمع ہے اسکے معنی عورتوں کے ہیں جب یہ لفظ کسی شخص کیطرف مضاف ہوتی ہے
اس سے اس شخص کی زوجہ مراد ہوتی ہے قرآن مجید میں کئی جگہ یہ لفظ مضاف ہوکر مستعمل
ہوا ہے اور وہاں بالاتفاق زوجہ مراد ہے سورۂ احزاب میں یا نساء النبی سے بلا اختلاف
کی ازواج مطہرات مراد ہیں، لہٰذا اس لفظ سے حضرت فاطمہ کو مراد لینا کسی طرح صحیح نہیں
ہوسکتا کسی زبان میں کسی کی بیٹی کو اسکی عورت کہنا درست نہیں ہے۔

ف مباہلہ سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو بلایا ازواج مطہرات کو
نہ بلایا اسکی حکمت ہمارے بیان مذکورہ بالا سے ظاہر ہوگئی۔ جو حضرات الفاظ آیت
سے مراد نہ ہوسکتے تھے ان کو آپنے قبل از وقت اسلئے بلا لیا کہ انکے دل میں یہ خیال
نہ آئے کہ آنحضرت ہم کو اپنے ہمراہ لیجائیں گے اور انکی دلشکنی نہو اور جو حضرات
الفاظ آیت سے مراد تھے انکے بلانے میں آپ نے عجلت نہ فرمائی بلکہ انتظار فرمایا کہ انصار
کی منظوری معلوم ہو جائے تو ان کو بلایا جائے یہ بالکل ویسا ہی ہوا کہ آیت تطہیر کے
نازل ہونے کے بعد جو لوگ لفظ اہل بیت سے مراد ہوسکتے تھے انکو کمل میں لیکر آپنے
دعا مانگی اور جو لوگ لفظ اہل بیت سے مراد تھے ان کو اس دعا میں شامل نہ کیا حضرت
ام سلمہ نے شامل ہونا چاہا تو آپ نے اُن کو یہ کہہ کر روک دیا کہ انك علی خیر یعنی تم
بہتر حالت میں ہو۔

ایک لطیفہ اس مقام میں یہ ہے کہ آیت مباہلہ میں حق تعالیٰ نے ایک فریق آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو بنایا ہے اور دوسرا فریق نجران کے عیسائیوں کو اور
یہ لفظ ابناء اور نساء اور انفس کے دونوں فریق کے لئے علیحدہ علیحدہ استعمال فرمائے
ہیں حضرات شیعہ نے اپنی ساری ذہانت وطباعی جو ان الفاظ کے معانی تصنیف
کرنے میں صرف کی ہے وہ صرف ایک فریق یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے

کہ آپ کے ابناء سے حضرات حسنین اور آپ کی نساء سے حضرت فاطمہ اور آپ کے انفس سے حضرت علی مُراد ہیں لیکن دوسرے فریق کے لئے ان الفاظ کے کوئی معنی حضرات شیعہ نے بیان نہیں کیے۔ حالانکہ اگر از روئے لغت یہ معنی صحیح ہیں تو دوسرے فریق کے لئے بھی یہی معنی ہونے چاہئیں۔

کیا براہ عنایت اب کوئی شیعہ صاحب بتا سکتے ہیں کہ عیسائیوں کے ابناء اور نساء اور انفس سے اسیطرح انھیں خاص تعلقات کے لوگ مراد ہیں۔ ہرگز نہیں یقیناً عیسائیوں کیلئے یہ الفاظ اپنے عموم پر قائم رکھے گئے ہیں اور لغوی معنی میں مستعمل ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دوسرے فریق کیلئے ان الفاظ کے معنی میں اسقدر تکلف سے کام لیا گیا۔

ایک عقلمند شخص کیلئے اس تمام کارروائی کی حقیقت معلوم کرنے کیلئے یہی ایک لطیفہ کافی ہے۔

ساتویں خرابی یہ ہے کہ بفرض محال مان لیا جائے کہ انفسنا سے حضرت علی مراد ہیں تو بھی خلافت بلافصل ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت علی کا نفس رسول ہونا حقیقی معنی میں تو ہو ہی نہیں سکتا ورنہ حضرت علی کا نبی ہونا بھی ثابت ہو جائیگا اور اس سے بڑھ کر خرابی یہ ہوگی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ جناب سیدہ کا نکاح آپکے ساتھ درست نہ ہوگا لامحالہ مجازی طور پر حضرت علی کو نفس رسول کہا جائیگا تو اس صورت میں نہ انکا معصوم ہونا ثابت ہوگا نہ تمام صحابہ سے افضل ہونا کیونکہ مجاز میں حقیقت کے تمام اوصاف کا موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ اس مجاز کا استعمال محض چچازاد بھائی ہونیکے سبب سے مانا جائیگا جیسا کہ تفسیر معالم سے اوپر منقول ہوا کہ اہل عرب چچا کے بیٹے کو نفس کہدیتے تھے اور اگر خواہ مخواہ نفس رسول ہونیسے استحقاق خلافت ثابت ہو تو پھر یہ استحقاق تمام صحابہ بلکہ تمام اہل مکہ کے لیے ماننا پڑے گا کیونکہ قرآن مجید میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب کے انفس سے فرمایا گیا ہے جیسا کہ اوپر منقول ہوا۔

آیت مُباہلہ کی صحیح تفسیر اور شیعوں کا غلط استدلال اور اس استدلال میں جو خرابیاں تھیں اُنکا بیان ہو چکا۔

اس بیان سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ آیت سے بغیر اخبار احاد کا ضمیمہ لگائے ہوئے خلافت بلافصل کیا معنی کوئی فضیلت بھی حضرت علی مرتضیٰ کی ثابت نہیں ہوتی اور اخبار احاد کے ملانے کے بعد خلافت بالفصل یا بلافصل تو ثابت نہیں ہوتی البتہ خوارج کے مقابلہ میں حضرت علی مرتضیٰ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جسمیں اہل سنت کو کوئی نزاع نہیں بلکہ خود اہل سنت وجماعت نے جسقدر اہتمام اس کا کیا ہے شیعونکو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے۔

ف قرن اول میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی عظمت و جلالت کا کوئی منکر نہ تھا۔ تمام مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق تھا کہ وہ دونوں افضل امت ہیں اور مسلمانوں کی انتہائی معراج یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کے قدم بقدم چلیں حضرات شیخین کی اس بے نظیر مقبولیت کا اقرار کتب شیعہ میں نہایت صفائی کے ساتھ موجود ہے احقاق الحق میں بوارق میں احتجاج طبرسی میں اور ان کے علاوہ بکثرت کتب شیعہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی آخر میں لوگوں نے ان پر اعتراضات کئے ان کی مخالفت کی مگر یہ مخالفت ایک حد تک محدود ہو کر رہ گئی اور تھوڑے دنوں کے بعد زائل ہوگئی۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اتنی مقبولیت بھی حاصل نہ ہوئی جتنی حضرت عثمان کو حاصل تھی ان کی مخالفت بہت زیادہ کی گئی اور نہ صرف ان کے استحقاق خلافت میں بلکہ ان کے ایمان و اسلام میں معاذ اللہ کلام کیا گیا۔ اور یہ مخالفت روز بروز ترقی کرتی گئی یہاں تک کہ ایک مستقل مذہب بن گئی اس مذہب کے لوگوں نے نہ صرف حضرت علی کی بلکہ ان کے ساتھ ان کے ماننے والوں کی تکفیر و تضلیل میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ شیعوں کی کتاب نہج البلاغہ میں متعدد خطبہ حضرت علی مرتضیٰ کے منقول ہیں جن میں انھوں نے اپنے مخالفین کو نصیحت کی ہے اور سمجھایا ہے کہ میری وجہ سے تم تمام امت کو کیوں گمراہ کہتے ہو۔ مسلمانوں کی کیوں

تکفیر کرتے ہو۔

المختصر اہل سنت و جماعت نے اس حالت کو دیکھ کر ضروری سمجھا کہ حضرت علی کے مناقب و فضائل کی اشاعت کی جائے جن احادیث میں ان کی تعریف وارد ہوئی ہے ان کی روایت خوب پھیلائی جائے چنانچہ اس خدمت کو بڑے اعلیٰ پیمانہ پر انجام دیا گیا حتی کہ بعض اکابر علمائے اہل سنت نے مثل امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی جرم میں کہ حضرت علی کی فضیلت کیوں بیان کرتے ہیں نواصب کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کیا لیکن اس فریضہ کو نہ چھوڑا نتیجہ ان مساعی جمیلہ کا یہ ہوا کہ حضرت علی کے فضائل کی احادیث کا خوب چرچا ہوا یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ حضرت علی کے فضائل میں جسقدر احادیث مروی ہیں اس قدر کسی صحابی کے متعلق نہیں ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک بات یہ بھی ہوئی کہ ضعیف اور موضوع روایات بہت داخل ہو گئیں کچھ تو اس وجہ سے کہ ہمارے محدثین نے یہ اصول قائم کیا ہے کہ فضائل میں ضعیف حدیث بھی مقبول ہو جاتی ہے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل تساھلنا اور کچھ اس وجہ سے کہ شیعوں کا ہاتھ بھی تھوڑے دنوں کے بعد اس میں شریک ہو گیا تھا اور یہ لوگ سند کی تصنیف کرنے میں کچھ ایسے مشاق تھے کہ ان کی گڑھی ہوئی سند ان کی ڈھالی ہوئی حدیث کا اسی وقت پرکھ لینا مشکل تھا شیعوں کی بنائی ہوئی بعض بعض روایات کا جعلی اور موضوع ہونا صدیوں کے بعد ظاہر ہوا ہے۔

ہمارے اس بیان سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ حضرت علی کے فضائل میں روایات بکثرت ہیں اور ان میں بڑا حصہ موضوع و ضعیف روایتوں کا ہے۔

ہمارے اس بیان سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ حضرت علی مرتضیٰ کے فضائل میں روایات کی کثرت کیوں ہے دوم یہ کہ ان روایات میں ضعیف اور موضوع روایتوں کا حصہ کیوں زائد ہے ان دو باتوں کے معلوم ہو جانے کے بعد یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ حضرت علی مرتضیٰ کے فضائل کی روایات سے استدلال کرنے کے لیے

ضروری شرط یہ ہے کہ یا تو اُس روایت کو کسی محدث ناقد و بصیر غیر متساہل نے صحیح کہا ہو یا اس روایت کی پوری سند معلوم ہو اور اُس سند کے تمام راویوں کو جانچا جائے اور جانچنے کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ وہ راوی مجروح نہیں ہیں۔

ف مباہلہ کے متعلق علمائے اسلام کا اختلاف ہے یعنی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ مُباہلہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھا آپ کے بعد مسلمانوں کیلئے کسی سے مباہلہ کرنا جائز نہیں اور ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ سب مسلمانوں کے لئے جائز ہے احتیاط اسی میں ہے کہ مسلمان از خود اپنی طرف سے کسی کو مباہلہ کی دعوت نہ دیں لیکن جب کوئی مخالف ان کو دعوت دے اور عذاب کی بھی تعیین کرے مدت بھی مقرر کر دے تو ایسے مُباہلہ کی دعوت منظور کر لیں۔

تتمہ

پنجابی شیعوں کے سرکار شریعت مدار جناب حائری صاحب لاہوری نے بھی ایک رسالہ آیت مباہلہ کے متعلق لکھا ہے جس کا نام موعظہ مُباہلہ رکھا ہے یہ رسالہ مجھے اس تفسیر کے لکھنے کے بعد ملا میں نے اس کو شروع سے آخر تک پڑھا مگر اسمیں بجائے اس آیت کی تفسیر کے دوسرے غیر متعلق قصے لکھ کر فضول طول دیا ہے اور اپنی عادت جبلی یا تعلیم مذہبی کے موافق کتب اہل سنت کی عبارتوں کے نقل کرنے میں خوب خیانت کی ہے اس وجہ سے دل نہ چاہا کہ اس رسالہ کے مضامین کا رد لکھ کر وقت ضائع کیا جائے۔

حائری صاحب کی بڑی معرکۃ الآرا کتاب موعظۂ تحریف قرآن کا جواب کئی سال ہوئے النجم میں شائع ہو چکا ہے جس کا نام تنبیہ الحائرین ہے جن لوگوں نے تنبیہ الحائرین کو دیکھا ہے ان کو معلوم ہے کہ چوری خیانت فی النقل کتابوں کا جھوٹا حوالہ معمولی عربی عبارات کا غلط ترجمہ غلط مطلب بیان کرنا ان سب کارروائیوں

ہیں حائری صاحب یکتائے روزگار ہیں۔ اہل انصاف خوب جانتے ہیں کہ جس شخص کی تصنیفات میں ایسی کارروائیاں ہوں وہ اہل علم کے التفات کے لائق ہو سکتا ہے یا نہیں۔

مزید براں یہ کہ حائری صاحب نے اپنے موعظۂ تحریف قرآن میں متعدد جگہ لکھا تھا کہ میری اس کتاب کا کوئی سنی جواب نہیں لکھ سکتا اور یہ کہ میں جواب الجواب کے لئے قلم ہاتھ میں لئے بیٹھا ہوں مگر تنبیہ الحائرین کی اشاعت کو کئی سال ہو گئے اب تک صدائے برنخاست واللہ لایھدی القوم الظالمین۔

قال اللہ تعالیٰ ادفع بالتی ھی احسن

الحمد للہ تعالیٰ کہ یہ رسالہ ہدایت مقالہ دافع طغیان و مکابرہ

موسوم بہ اسم تحقیقی

دفع المجادلہ

عن

آیۃ المباہلہ

جس میں شیعوں کے نئے قبلہ مولوی اعجاز حسن بدایونی کی اس ہرزہ سرائی کا جواب دیا گیا ہے جو انہوں نے حضرت علامہ "مدیر النجم" دامت برکاتہم کی تفسیر آیۂ مباہلہ کے متعلق کی تھی۔

تصنیف لطیف

ابو المآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مولوی فاضل قدس سرہٗ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ
(رجسٹرڈ)

دفتر نمبر ۳ ۔ روڈ نمبر ۲ ۔ سب بلاک اے
بلاک نمبر ۱ ناظم آباد قدیم
ناظم آباد ۔ کراچی ۷۴۶۰۰ ۔ فون نمبر ۶۶۰۱۴۴۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد واصحابہ اجمعین۔

اما بعد: بندۂ ناچیز ابوالمآثر حبیب الرحمٰن الاعظمی عرض پرداز ہے کہ اہل ایمان کی دل آزاری روافض کی عادت مستمرہ ہے اور ہمیشہ وہ اس کی نئی نئی صورتیں ایجاد کرتے رہتے ہیں اور ناواقفوں کو دھوکہ دینے کے لیئے ان کو مذہبی مراسم کے لباس میں پیش کرتے ہیں۔

۹ ربیع الاول یعنی عید غدیر کے موقع پر حضرات خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام کی شان میں جو گستاخانہ بے ہودگیاں روا رکھی جاتی ہیں اور ان مقبولان بارگاہ الٰہی کے حق میں جیسی بدتہذیبی اور دریدہ دہنی کے ساتھ لعن طعن اور دشنام طرازی و افتراء پردازی کرکے مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کیا جاتا ہے اس کو کون نہیں جانتا لیکن اس سے کم لوگ واقف ہوں گے کہ بمبئی کے روافض نے ان مجالس سب وشتم کو ناکافی سمجھ کر سال میں ایک اور مجلس کے اضافہ کی ضرورت محسوس کی اور اس کو عید مباہلہ کے نام سے سال بسال منعقد کرنے لگے اور بھولے بھالے سنّیوں کو اس میں شریک کرکے حضرت علیؓ کا افضل الصحابہ اور خلیفہ بلافصل ہونا سمجھانے لگے۔

وہ تو خیریت ہوئی کہ اہلسنت نے بروقت اس فتنہ کا سدباب کیا اور ناواقفوں کو سمجھا دیا کہ عید مباہلہ کی ہمارے مذہب میں کوئی اصل نہیں ہے۔ ہمارے یہاں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کی ہوئی دو عیدوں کے سوا اور کوئی عید نہیں۔ اگر خدانخواستہ اہل سُنّت

غفلت کی ہوتی تو بلاشبہ یہ مجلس دیگر مجالس سے بہت زیادہ خطرناک ثابت ہوتی۔
چونکہ اس سلسلہ میں شیعوں نے واقعہ مباہلہ کی بہت زیادہ غیر معمولی اہمیت بیان
اور آیت مباہلہ کا صحیح مفہوم مسخ کر کے اپنی باطل آرا، تقریروں سے بہت سے غلط
بے بنیاد مفاہیم کو اس کا مفاد قرار دیا، اس لیئے ناصر ملت حنفیہ حامی سنت سُنیہ،
الحساد وغیظ اہل العناد حضرت مولانا مولوی محمد عبدالشکور صاحب مدیر النجم نے آیت
مباہلہ کی صحیح تفسیر لکھ کر شیعوں کی تمویہات کا پردہ چاک کر دیا اور وہ قصر خلافت بلا فصل
جس کی بنیاد شیعوں نے اس آیت کے غلط مفہوم پر رکھی تھی خاک کے برابر نظر آنے لگا۔
اگلوں اور پچھلوں کی محنت کو یوں برباد ہوتے دیکھ کر مولوی اعجاز حسن بدایونی آپے
سے باہر ہو گئے اور ان کی رگ حمیت پھڑک اٹھی۔ آپ نے تفسیر آیت مباہلہ کا جواب
لکھنے کی ٹھان لی۔ آپ کو شیعہ جماعت کا کافی تجربہ ہے۔ اور معلوم ہے کہ اس جماعت
کا مبلغ علم و فہم کیا ہے۔ آپ پر یہ بھی اچھی طرح واضح ہے کہ یہ جماعت صرف اتنا دیکھتی
ہے کہ فلاں رسالہ یا کتاب کے جواب کے نام سے کوئی رسالہ چھپ گیا ہے۔ باقی ان
کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ کیا جواب ہوا۔ اور جواب صحیح بھی ہے یا نہیں۔ اس
لیئے آپ کو جواب لکھنے میں کوئی زحمت بھی نہ تھی۔ چنانچہ آپ نے تفسیر آیت مباہلہ کو
سمجھنے سے پہلے اور اس بات پر غور کرنے سے قبل کہ اس کی کن کن باتوں کا کیا کیا
جواب ہو سکتا ہے۔ ایک رسالہ بنام ”برہان مجادلہ“ اس کے جواب میں شائع کر دیا۔
رسالہ کیا ہے خرافات کی ایک پوٹ، مفتریات کا ایک مجموعہ اور مذہب شیعہ کی
خصوصیات کا ایک مظہر اتم اور مصنف کی علمی قابلیتوں کا آئینہ ہے۔ اس لحاظ سے یہ رسالہ
ہرگز اس قابل نہ تھا کہ وقت عزیز کا کوئی حصہ اس کا جواب لکھنے میں صرف کیا جائے۔
لیکن محض اس خیال سے کہ کہیں خود غلط مصنف اس سکوت کو عجز پر محمول نہ کر لے، لہٰذا
اس کے رسالہ کا دندان شکن جواب لکھتا ہوں۔ اور اپنے رسالہ کو دفع المجادلہ عن
آیت المباہلہ کے نام سے موسوم کرتا ہوں۔ واللہ ولی التوفیق ومنہ الهدایة
الیٰ سواء الطریق۔

ناظرین! اس سے قبل کہ اصل بحث شروع ہو یہ بتادینا مناسب ہے کہ مصنف نے اپنے رسالہ کے سترہ اٹھارہ صفحے تو اِدھر اُدھر کی دور از کار باتوں میں ضائع کر دیئے ہیں۔ پہلے آپ نے اپنی اتحادی کوششوں کا راگ الاپا ہے اور بیان کیا ہے کہ میں نے فلاں فلاں مقامات میں اتحاد پر تقریریں کیں اور فلاں فلاں علمائے اہل سنت میرے شریک کار تھے۔ ہم کو اس بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ آپ نے اتحاد پر تقریریں کیں یا نہیں کیں۔ لیکن اتنا تو ہم ضرور کہیں گے کہ اگر آپ نے اتحاد کی دعوت بھی دی ہوگی تو اس کی حقیقت دھوکے کی ٹٹی سے اور زیادہ کچھ نہ ہوگی۔ کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماءً۔ اور ناواقف سُنیوں کو اتفاق کا سبز باغ دکھا کر اپنے مذہب کی اشاعت کی خفیہ کارروائی کے سوا آپ کا اور کوئی مقصد نہیں ہو گا اس لیے ہم آپ کی کوششوں کی کوئی داد نہیں دے سکتے ہمارے نزدیک تو اس منافقانہ اتحاد سے وہ اختلاف ہزار درجہ بہتر ہے جس کی بنیاد نیک نیتی پر ہو۔

اور آپ سے زیادہ مجھے ان علمائے اہلسنت پر افسوس آتا ہے جنہوں نے آپ کی جبلی خصوصیات کے جاننے اور اس دعوت اتحاد کی حقیقت سمجھنے سے پہلے آپ کی آواز پر لبیک کہنے کو آمادہ ہوئے کمثل الذی ینعق بما لا یسمع الا دعاء ونداء۔ یہ ان بے چارروں کی سادہ لوحی ہے اور اگر جان بوجھ کر اغماض کیا ہے تو مداہنت فی الدین ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ اہلسنت کی یہی غفلت و بے پروائی آپ کے مذہب کے شیوع و ترقی کا باعث ہے۔ ورنہ اگر علمائے اہلسنت نے آپ کی تلبیسات و تمویہات اور آپ کے مکائد سے واقف ہونے کی کوشش کی ہوتی اور عوام کو بھی اس سے آگاہ و خبردار کرتے تو مذہب شیعہ اب سے بہت پہلے زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا کا مصداق بن چکا ہوتا۔

۲۔ اس کے بعد مصنف رسالہ نے مقابلہ میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو بزعم مصنف ارض اللہ میں، فساد پھیلاتے ہیں اور ان کی مفسدہ پردازی یہ دکھائی ہے کہ وہ شیعوں کی تکفیر کرتے ہیں اور اس کے بعد وجوہ تکفیر پر کلام کیا ہے۔ ہم کو اس بحث میں چند

باتیں عرض کرنی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ آپ نے تکفیر کو مفسدہ پردازی کہتے وقت شاید امام جعفر صادقؒ کا وہ قول فراموش کر دیا تھا جس میں انہوں نے چار کے سوا بقیہ تمام صحابۂ رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتد کافر کہہ ڈالا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے جو شیعوں کی تکفیر کرنے والوں کو ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك هم الکافرون کا مصداق قرار دیا۔ اس سے آپ کی قابلیت کا پتہ چلتا ہے مہربان! جب آپ کے زعم میں تکفیر شیعہ پر نہ آیۂ قرآنی موجود ہے۔ اور نہ رسول اللہؐ کی حدیث متواتر (دیکھیئے برہان مجادلہ صـ) تو آپ کی تکفیر حکم بما لم ینزل اللہ ہوئی یا عدم حکم بما انزل اللہ اگر پہلی شق ہے تو صحیح ہے۔ لیکن آیۂ مذکورہ بالا میں اس کا بیان نہیں ہے اور اگر دوسری شق ہے تو کیسے؟

تیسری بات یہ ہے کہ آپ نے تکفیر شیعہ کی جو پہلی وجہ بیان کی ہے، اس کا جواب لکھا ہے، اس میں سخت غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کس مفتی نے یہ لکھا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کو شیعہ گالیاں دیتے ہیں، لہٰذا یہ لوگ کافر ہیں، علمائے اسلام تو قدیماً و حدیثاً یہ تصریح کرتے چلے آئے ہیں کہ سب صحابہؓ کی وجہ سے شیعہ کافر نہیں ہیں بلکہ فاسق ہیں۔ اس کے بعد آپ کا یہ لکھنا کہ ہمارے مذہب میں گالی بکنا قطعاً حرام ہے دوسرا جھوٹ ہے۔ آپ کی مذہبی کتابیں تو یہ بتاتی ہیں کہ گالی بکنا خدا کے ذکر سے بھی زیادہ موجب ثواب ہے۔ کیا آپ کی کتابوں میں یہ نہیں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر لعنت ہر صبح بھیجنا ستر نیکیوں کے برابر ہے؟ اور کیا آپ کے مذہب میں لعن عمر رضی اللہ عنہ کو ذکر الٰہی و تلاوت قرآن مجید پر ترجیح نہیں ہے؟ (تحفہ ص۵۶۲) کیا آپ کی کتابوں میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ایک شخص امام جعفر صادقؒ کے پاس دو تھیلیں سی کر لایا اور کہا ایک کو ذکر الٰہی کر کے سیا ہے اور دوسرے کو لعن و تبرائے شیخین کر کے۔ تو امام صادقؒ نے تبرا و لعنت کو پسند کیا اور کیا یہ واقعہ آپ کی معتبرات میں نہیں ہے کہ سید الساجدین کے سامنے ایک شخص نے پانی پیا اور پانی پی کر شیخین پر لعنت بھیجی اور جب وہ جانے لگا تو امام مذکور نے اس کو بلایا اور فرمایا کہ اگر میں تم سے کچھ مانگوں تو دے سکتے ہو؟

اس نے کہا حضور کا غلام ہوں۔ یہ میری عین سعادت مندی ہے کہ حضور کی کوئی خدمت بجالاؤں آپ نے فرمایا ان کلمات لعن کا ثواب مجھے دے دے اور پورے ایک دن اور ایک رات کی میری عبادتوں کا ثواب مجھ سے تو لے لے۔

(منتہی الکلام صفحہ ۴۹۴)

اللہ اکبر! کیا ان روایات کے بعد بھی کوئی شیعہ یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ گالی بکنا ہمارے مذہب میں جرم ہے حضرت! آپ کے مذہب کا یہ مسئلہ اتنا مشہور ہے کہ شعراء نے بھی اس کو نظم کر دیا ہے۔ ؎

دشنام بمذہبے کہ طاعت باشد — مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

چوتھی بات یہ ہے کہ جس طرح تکفیر کی پہلی وجہ مصنف کی خود ساختہ ہے۔ اسی طرح یہ بھی مصنف کا افتراء و اختراع ہے کہ اہلسنت تبرا بازی اور انکار خلافت ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی وجہ سے شیعوں کو کافر کہتے ہیں اعجاز صاحب اگر کچھ بھی صداقت رکھتے ہوں گے تو کسی عالم و مفتی اہل سنت کا نام پیش کریں گے جس نے مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر کفر شیعہ کا فتویٰ دیا ہو۔ مصنف کی یہ بھی ایک چالاکی ہے کہ جن امور کے متعلق علمائے اہلسنت نے تصریح کی ہے کہ یہ موجب کفر نہیں ہیں۔ خواہ مخواہ انہیں امور کو لے کر جھوٹا دعویٰ کرتا ہے کہ انہیں بنیادوں پر شیعوں کی تکفیر کی گئی ہے اور جب شیعوں نے ان کا موجب کفر نہ ہونا ظاہر کیا تو سنیوں نے اعتراف کر لیا کہ ہاں یہ وجوہ مستلزم کفر نہیں۔ یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا۔

پانچویں بات یہ ہے کہ آپ نے ہم سے مطالبہ کیا ہے کہ کوئی ایسی حدیث متواتر پیش کیجئے جس سے ثابت ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نام بنام (حضرات ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو) اپنا خلیفہ بنایا تھا۔ اس مطالبہ کے متعلق یہ گذارش ہے کہ اگر ثبوت خلافت کے لئے ایسی ہی حدیث کی ضرورت ہے تو میں بانگ دہل کہتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل ثابت کرنے سے بھی تمام دنیائے شیعہ عاجز ہے۔ اگر کسی مجتہد شیعہ میں ہمت ہو تو اس مضمون کی کوئی صریح حدیث پیش کریں (علی خلیفتی من

بعدی من غیر فصل) یا (من غیر تخلل خلیفۃ بینی وبینہ) اعجاز صاحب نے خلافت علوی کے ثبوت میں جن حدیثوں کا حوالہ دیا ہے۔ اوّلاً تو وہ متواتر نہیں ہیں۔ ثانیاً کسی میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کا نام لے کر اپنی وفات کے بعد ان کی خلافت کو بیان نہیں کیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اعجاز صاحب نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں۔ اوّل حدیث منزلت یعنی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔ اس حدیث میں حضرت علیؓ کی خلافت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بلکہ خلافت پر دلالت کرنے سے سیاق وسباق کے علاوہ خود تشبیہ آبی ہے۔ تحفہ وغیرہ کتب اہل سنت میں اس کا مفصل بیان ہے۔ دوّم حدیث من کنت مولاہ اس کا بھی وہی حال ہے کہ خلافت علی پر کسی طرح دلالت نہیں کرتی۔ سوّم حدیث ثقلین۔ اس حدیث میں قطع نظر اس بات سے کہ خلافت کا کوئی ذکر نہیں ہے، علیؓ کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور اگر اسی قسم کی حدیثیں ثبوت خلافت کے لیے کافی ہوں تو پھر ہماری طرف سے خلفائے ثلاثہؓ کے خلافت کے ثبوت میں اس سے زیادہ صاف وصریح حدیثیں پیش کی جا چکی ہیں۔ بلکہ ہمارے پاس تو متعدد آیات قرآنی بھی اس مقصد کے لیئے موجود ہیں (ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ)۔

اس بحث کے اخیر میں مصنف برہان مجادلہ نے تکفیر شیعہ کی اس وجہ کا ذکر کیا ہے جس نے شیعی دنیا میں تہلکہ ڈال دیا ہے۔ یعنی عقیدۂ تحریف قرآن جس کا شیعوں کے پاس کوئی جواب نہیں ہے چنانچہ مصنف نے بھی اس عقیدہ کے انکار کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ دیکھا اور اعتراف کیا کہ "ہمارا تحقیقی مذہب یہی ہے کہ اس میں کسی نے نہ کچھ گھٹایا ہے اور نہ اس میں کچھ بڑھایا ہے۔ یہی ہمارا ظاہر و باطن عقیدہ ہے"۔ اور اس کے بعد اس خوف سے کہ کہیں کوئی اس کو تقیہ پر محمول نہ کرے۔ یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ عہد برطانیہ میں ہم کو تقیہ کی ضرورت نہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ "چور کی داڑھی میں تنکا"، واہ مولانا یہ خوب کہی کہ عہد برطانیہ میں تقیہ کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ عہد خلافت علویہ میں خود حضرت امیر المؤمنین علیؓ تقیہ سے بے نیاز نہ تھے اور برابر تقیہ کرتے تھے جیسا کہ

آپ لوگ خود تصریح کرتے ہیں اور جب کہ برطانیہ کے عہد میں آپ کو اتنا ہی امن نصیب ہو گیا ہے جتنا کہ خلافت علویہ میں بھی نہ تھا تو پھر امام غائب کو اب کون سا خطرہ دامن گیر ہے جو غار سر من رائے سے باہر نہیں نکلتے۔

اب رہا یہ کہ تحریف قرآن کے باب میں آپ کا تحقیقی مذہب کیا ہے۔ یہ آپ کے زبانی دعوے سے نہیں بلکہ آپ کے مذہب کی معتبر کتابوں سے معلوم ہوگا۔ اور اگر آپ کا دعوے کتب مذہب کی تصریحات کے خلاف ہوگا تو دنیا آپ کے دعوے کو تقیہ پر محمول کرے گی۔ چاہے ہزار بار آپ تقیہ کی نفی کیجئے دیکھئے تو سہی کہ ہم کافی کے ابواب)

اور باب لم یجمع القرآن کلہ الا الائمہ صحیح تسلیم کریں یا آپ کے مجرد دعوے کو جس کے ثبوت میں ایک روایت بھی آپ پیش نہیں کر سکتے اور اس کے برخلاف وقوع تحریف کے متعلق آپ کی مذہبی کتابوں میں دو ہزار سے زائد روایتیں موجود ہیں۔

(ملاحظہ ہو فصل الخطاب ص۳۵)

اس عقیدہ تحریف قرآن کی بحث کو حضرت مولانا عبد الشکور صاحب مدیر النجم نے بہت تحقیق و تفصیل کے ساتھ تنبیہ الحائرین میں لکھا ہے۔ اس رسالہ نے شیعی دنیا میں ہنگامہ قیامت برپا کر دیا اور مجتہدین شیعہ کو ایسا مبہوت کر دیا کہ آج تک باوجودیکہ بارہا چیلنج دیا جا چکا، مگر کسی کو جواب لکھنے کی ہمت نہ ہوئی، بجز اس کے کہ مصنف برہان مجادلہ نے مدیر النجم سے دس سوالات کیے اور وہ سوالات بھی خود ان کی محنت و کاوش کا نتیجہ نہیں ہیں۔ بلکہ انہوں نے معتزلہ کی کتابوں سے دزدی کی ہے۔ اس کے علاوہ ان سوالات کو تنبیہ الحائرین کے جواب سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے۔

چنانچہ آپ کا پہلا سوال بعینہ شرح مواقف ص۹۸ جلد۸ (مطبوعہ مطبعہ سعادۃ مصر) میں بضمن اعتراضات معتزلہ مذکور ہے۔ پھر آپ نے اسی سوال کو الٹ کر صرف تعداد کو بڑھانے کے لیے تیسرا سوال بنا دیا ہے۔ حالانکہ دونوں کا ماحصل ایک ہے۔ بہر حال ان دونوں سوالوں کا وہی جواب ہے جو شرح مواقف میں مذکور ہے۔ یعنی انہمات دل

علی حدوث اللفظ ص۹۹ جلد ۸)

اس جواب کو سمجھنے کے لیئے پہلے اسکے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اہل سنت کا مذہب کیا ہے اور وہ کس چیز کو قدیم اور خدا کی صفت ذاتیہ مانتے ہیں۔ مشکل تو یہ ہے کہ آپ ہمارا مذہب سمجھنے سے پیشتر ہی اس پر اعتراض کرنے کے لیئے تیار ہو گئے۔

آپ کا دوسرا سوال بھی معتزلہ پہلے کر چکے ہیں اور اہل سنت اس کا جواب یہ دے چکے ہیں۔ کہ ان الکفر اثبات ذوات قدیمة لا اثبات ذات واحدة وصفات قدماء (شرح مواقف ص۴۸ جلد ۸) تیسرے سوال کا جواب بضمن سوال اول گذر چکا ہے چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ قائل تحریف قرآن کے کفر پر یہ آیت دلالت [illegible] ہے۔ ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئك هم الکافرون [illegible] ما انزل اللہ میں ایک چیز یہ بھی ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون اور معتقد تحریف اس ما انزل اللہ کا حکم نہیں کرتا۔ لہذا وہ کافر ہے [illegible] میرے پاس اور دلائل و براہین بھی ہیں، مگر ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

پانچویں سوال کے جواب میں گذارش ہے کہ یہ سوال صاف نہیں [illegible] کہ اس فقرہ ,, ناقص و محرف قرآن پر ایمان ناممکن ،، سے آپ کی کیا مراد ہے [illegible] قرآن کا قائل احکام شرع منیف کی رو سے مومن نہیں ہو سکتا، بلکہ کافر ہے [illegible] شدہ قرآن پر ایمان بمعنی یقین لغوی و منطقی ممکن نہیں ہے۔ پس اگر پہلی شق مراد ہے تو جواب یہ ہے کہ ہم بے شک اس کے مدعی ہیں اور اثبات میں آیت قرآنی پیش کر چکے ہیں۔ لیکن آپ سے یہ سوال ہے کہ اس صورت میں چوتھا اور پانچواں سوال ایک [illegible] تکرار کی کیا ضرورت تھی اور اگر دوسری شق مراد ہے تو گذارش ہے کہ تحریف [illegible] پر ایمان کی کیا مراد ہے۔ آیا التصدیق بان القرآن محرف یا التصدیق [illegible] یوجد فی القرآن المحرف من عند الله جزما وقطعا۔ پس اگر [illegible] کے عدم امکان کے قائل نہیں۔ بلکہ ہم تو اس کے برخلاف اس کے [illegible] کہتے ہیں کہ ہر شیعہ اس تصدیق سے بہرہ ور رکھتا ہے۔ [illegible]

ہم اس کے امتناع کے بھی قائل نہیں ہیں کہ تصدیق لغوی و منطقی تو کو اذب کے ساتھ بھی متعلق ہو جاتی ہے۔ یہ تو زیادہ سے زیادہ مشتبہ رہے گا۔ سوال یہ ہے کہ اگر آپ کی یہی مراد ہے تو بتایئے کہ آپ نے کہاں سے سمجھا کہ ہم اس کے قائل ہیں پہلے اس کو ثابت کیجئے پھر دلیل کا مطالبہ کیجئے۔

چھٹے اور ساتویں سوال کا جواب یہ ہے کہ جب آیت قرآنی سے مدعائے مذکور کو ہم ثابت کر چکے تو کوئی ضرورت نہیں کہ حدیث یا قول صحابی سے بھی ثابت کریں۔ آٹھویں سوال میں آپ نے ہم سے محرفین قرآن کی تکفیر کی فرمائش کی ہے۔ مولانا میرا مشورہ ہے کہ اب کے سال محرم میں امام حسین کے بجائے اپنے فہم و عقل کا ماتم کیجئے۔

اجی حضرت! جب ہم معتقد ہیں کہ تحریف واقع نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے تو پھر محرف قرآن نہ کوئی ہوا نہ ہو سکتا ہے پھر تکفیر کس کی کریں۔ یہ تو جب ہوتا کہ تحریف واقع ہوئی ہوتی اور کوئی محرف بھی ہوتا اور جب ایسا ہوا ہوتا یا ہو سکتا تو پھر قائلین تحریف کی تکفیر کی کوئی وجہ نہ تھی اس لیئے اس صورت میں تو وہ ایک واقع شدہ چیز یا شرعاً ناممکن چیز کے قائل ہوتے یہاں سے اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ قائلین تحریف اور محرفین کی تکفیر جمع نہیں ہو سکتی ہے اس کے بعد آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کا مطالبہ جمع بین التکفیرین کتنا احمقانہ مطالبہ ہے۔ نویں سوال کا جواب یہ ہے کہ تکفیر شیعہ (قائلین تحریف قرآن) کو ہم چوتھے سوال کے جواب میں فیصلۂ الٰہیہ کے مطابق ثابت کر چکے ہیں۔ ہاں آپ سے یہ سوال ہے کہ من لم یحکم بما انزل اللہ کی دلالت میں من حکم بما لم ینزل اللہ پر کون سی دلالت ہے۔

دسویں سوال کا جواب یہ ہے کہ آپ اور آپ کی جماعت حضرت مولانا مدیر النجم کی کتاب تنبیہ الحائرین کا جواب کیوں نہیں دیتی۔

(اصل بحث) ناظرین کرام! اب تک ہم مولوی اعجاز حسن صاحب کی غیر متعلق باتوں کا جواب دیتے رہے تھے اصل بحث آیت مباہلہ کی وہ تفسیر ہے جو حضرت مولانا مدیر النجم مدظلہ نے شائع کی ہے۔ چونکہ اس تفسیر کی بنا پر آیت مباہلہ کو حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل سے

کوئی لگاؤ باقی نہیں رہتا اس لئے مصنف برہان مجادلہ اس کو باطل و مزخرف قرار دیتے
ہیں اور جوشِ مخالفت میں یہاں تک کہہ ڈالا ہے کہ اس تفسیر کی تائید مشاہیر اہل سنت
کے اقوال سے بھی نہیں ہو سکتی۔ مجھے افسوس ہے کہ مولوی اعجاز حسن نے باوجودیکہ بہت
زور لگایا لیکن وہ کسی طرح بھی اس تفسیر کا بطلان ثابت نہیں کر سکتے۔ بلکہ ان کی تحریر سے
خود ان کی ہی تفسیر کا باطل اور مزخرف ہونا اور زیادہ نمایاں ہو گیا ہے اور کیوں نہ ہوتا،
جب کہ ان کے فہم شریف کا یہ حال ہے کہ ناشر تفسیر آیت مباہلہ نے اس کے سرورق پر اس
کو صحیح تفسیر لکھ دیا ہے آپ نے اس سے مطلب اخذ کیا کہ علمائے اہلسنت نے اب
تک جتنی تفسیریں لکھی ہیں وہ سب (بزعم مدیر النجم) غلط ہیں۔ سبحان اللہ! جی حضرت اس
کا وہ مطلب نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ شیعوں نے اس آیت کی تفسیریں لکھی ہیں اور اس سے
حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل ثابت کی ہے وہ سب غلط ہیں۔ چنانچہ پوری عبارت
سرورق کی یہ ہے سورۂ آل عمران کی آیۂ کریمہ نقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم الخ
کی صحیح تفسیر بیان کر کے روز روشن کی طرح دکھایا گیا ہے کہ اس آیۂ کریمہ سے حضرت علیؓ
کی خلافت بلافصل یا ان کی افضلیت تمام صحابہؓ پر ثابت کرنا قرآن شریف کی تحریف
ہے۔ بہرحال اب مولوی اعجاز حسن نے تفسیر آیت پر جو خامہ فرسائی کی ہے اس کو ملاحظہ
کیجئے اور ان کی قابلیت کی داد دیجئے۔

مولانا نے تفسیر آیت ومباہلہ میں مباہلہ کی یہ صورت تحریر فرمائی ہے کہ رسولؐ خود
مع اپنی ساری جماعت کے اور لڑکوں اور عورتوں کے ایک مقام میں جمع ہوں اور یہ
عیسائی بھی مع اپنی عورات اور لڑکوں کے وہاں آ جائیں۔

(مجادلہ) مولوی اعجاز حسن کہتے ہیں کہ مباہلہ کی اس صورت کا انتساب خدا
کی طرف باطل اور کذب صریح ہے مدرسہ اپنے مسلم کے مطابق معصوم رسولؐ کی حدیث
سے اس کا جواب دیجئے۔

(دفع) یہ عجیب بات ہے کہ جو بات صراحۃً قرآن پاک میں مذکور ہے آپ
نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اس کے انتساب کو خدا کی طرف باطل کہتے ہیں اور اس کا ثبوت

حدیث سے مانگتے ہیں۔ حالانکہ جب قرآن میں اس کی تصریح موجود ہے تو اب حدیث کا مطالبہ ایک فضول بات ہے۔

آیت قرآنی میں لفظ انفسنا کا صریح مفہوم خود آنحضرتؐ اور آپ کی ساری جماعت ہے۔ مولانا نے آگے چل کر اس تفسیر کی صحت کو مدلل طور پر بیان کیا ہے اور تائید بھی پیش کی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ اگر کسی حدیث میں لفظ انفسنا کی تفسیر مذکور نہ ہو۔ جب بھی چونکہ قواعد عربیت کے مطابق ہے اس لیئے تفسیر بالرائے نہیں ہے۔ باقی آپ کا آگے چل کر یہ فرمانا کہ مولانا مدیر النجم نے تنبیہہ الحائرین میں لکھا ہے کہ غیر معصوم کا قول و فعل قرآن کے متعلق بالاتفاق حجت نہیں ہے۔ یہ آپ کی مذہبی خصوصیات کا مظہر ہے۔ اور محض دروغ بے فروغ ہے کیا آپ مولانا کی عبارت میں یہ لفظ قرآن کے متعلق دکھانے کی جرأت کر سکتے ہیں۔

ع چہ دلا درست دزدے کہ بکف چراغ دارد۔

ناظرین: قرآن کے متعلق کا لفظ تنبیہ الحائرین میں نہیں ہے۔ بلکہ مولوی اعجاز حسن نے خود پڑھ لیا ہے۔ مولانا نے تو روایات مزعومہ تحریف قرآن کے متعلق لکھا ہے ملاحظہ کیجیئے اور (تنبیہہ الحائرین صفحہ ۶ دیکھیئے)

(مجادلہ) اگر آپ نے ساری جماعت صحابہؓ کو رسولؐ کا اپنے ساتھ لینا ثابت کیا تو خیر ورنہ آپ کے قول سے رسول اللہؐ پر عدول حکمی کا جرم عائد ہوگا۔

(دفع) ابھی مباہلہ ہوا کہاں اور عیسائی مباہلہ کے لیئے آمادہ کب ہوئے۔ جو رسول اللہ کا ساری جماعت صحابہؓ کو ساتھ لینا ہم ثابت کریں اور بصورت عدم اثبات معاذ اللہ عدول حکمی کا الزام عائد ہو۔ ہم آگے اسی روایت سے جس کو آپ متواتر کہتے ہیں ثابت کریں گے۔ نجران کے عیسائی پہلے دن آمادہ مباہلہ نہ ہوئے۔ بلکہ یہ کہا کہ کل غور کر کے اور مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ دوسرے دن جب ملے تو مباہلہ سے صاف انکار کر دیا۔ ایسی حالت میں یہ کتنا احمقانہ مطالبہ ہے کہ رسول اللہؐ کا ساری جماعت صحابہؓ کو ساتھ لے جانا ثابت کرو۔ یہ تو جب ہو سکتا تھا کہ پہلے دن انہوں نے کہا ہوتا کہ ہم مباہلہ

ے لیئے تیار ہیں۔ پھر دوسرے دن آنحضور تشریف لے جاتے تو آپ کہہ سکتے تھے
جماعت صحابہؓ کو ساتھ لے جانا ثابت کیجئے علاوہ بریں بعض روایات سے ثابت
ہے کہ باوجودیکہ عیسائی آمادہ نہ ہوئے۔ تاہم آپ نے بعض صحابہ کرامؓ اور اُن کی اولاد کو
لیا تھا۔ آپ نے اس روایت پر یہ قدح کی ہے کہ یہ ابن عساکر کا قول ہے۔ جو غیر
معصوم وخاطی ہے، لہٰذا اس کے قول پر آپ کو عقیدہ حرام ہے ص۲۱۔ مگر یہ جناب کی
خوش فہمی ہے۔ وہ ابن عساکر کا قول نہیں ہے بلکہ آپ کے امام باقر کا قول ہے غیر معصوم
کے قول پر عقیدہ رکھنے کی حرمت کا فتویٰ بھی جناب کی ذہانت اور علمی قابلیت کا ایک
ادنیٰ نمونہ ہے۔ آپ نے جہاں سے اس کو اخذ کیا ہے اس مقام کو ایک بار پھر پڑھیئے
اور اپنے فہم کا ماتم کیجئے۔ آگے آپ کا یہ فرمانا کہ ابن عساکر نے روایت معہودہ کو امام جعفر صادقؒ کی
طرف منسوب کیا ہے، مگر یہ انتساب غلط ہے۔ امام ممدوح کا مذہب مباہلہ کے متعلق
ساری دُنیا کو معلوم ہے کہ آپ کے نزدیک رسول اللہؐ نے ہرگز کسی صحابی کو اپنے ہمراہ
نہیں لیا۔ یہ بھی آپ کی ہمہ دانی کی ایک دلیل ہے۔ ابن عساکر نے اس روایت کو امام
جعفرؒ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے۔ بلکہ امام باقرؒ کی جانب منسوب کیا ہے۔ دیکھئے تفسیر
آیت مباہلہ ص۵ میں جعفر بن محمد عن ابیہ مذکور ہے۔ اب اس انتساب کو غلط ثابت کرنے
کے لیئے آپ امام باقرؒ کا صریح قول پیش کیجئے کہ رسول اللہؐ نے کسی صحابی کو اپنے ہمراہ

نہیں لیا۔

مولانا نے واقعۂ مباہلہ کے ضمن میں لکھا تھا کہ رسول اللہؐ نے حکمِ خدا عیسائیوں کو پہنچایا
تو وہ بولے ہم مشورہ کر کے جواب دیں گے۔

(مجادلہ) رسول اللہؐ کی حدیث میں یہ مضمون بھی نہیں ہے۔

(دفع) حیرت ہے کہ یہ چیز تو خود اس روایت میں مذکور ہے جو آپ کے
نزدیک متواتر ہے۔ پھر اس کا اس صفائی سے انکار کر دینا انتہائی جرأت ہے۔ ...
کشاف سے تبریان مجادلہ ص۱ میں جو روایت نقل کی ہے۔ اور جس کے لیے آپ نے
زیادہ کتابوں کا حوالہ دیا ہے (ص۲۶) اور جس کو (ص۳۵) میں آپ نے متواتر بھی کہا ہے

اسی روایت میں ہے۔ چنانچہ کشاف میں ہے۔

آپ نے اس روایت کے لیئے خازن و بغوی و جامع البیان کا حوالہ بھی دیا ہے۔

بغوی اور خازن میں ہے۔ فلما قرأ رسول اللہ ﷺ ھذہ الآیۃ علی وفد نجران ودعاھم الی المباھلۃ قالوا حتی نرجع وننتظر فی امرنا ثم ناتیک غدا (ص۳۶۲ جلد ۱)

اور جامع البیان میں ہے فقالوا دعنا ننتظر فاستشاروا الخ (ص۵۵) ننتظر فی امرنا کی یہی مراد ہو سکتا ہے کہ غور کریں یا مشورہ کریں۔ چنانچہ جامع البیان سے صاف ہو گیا کہ ان کی مراد مشورہ کرنا تھی۔ چنانچہ جا کر مشورہ کیا۔

مولانا نے لکھا تھا کہ جب ان لوگوں نے اپنے بزرگوں سے مشورہ کیا۔ تو وہ بولے تم کیا حماقت کرتے ہو۔ تم کو معلوم ہو چکا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے نبی ہیں دیکھو جب کسی قوم نے نبی سے مباہلہ کیا تو ان کا بوڑھا بچا نہ بچا۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ تم سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ یہ سن کر ان کی ہمت پست ہو گئی اور انہوں نے مباہلہ سے قطعی انکار کر دیا اور جزیہ دینا قبول کیا۔

(مجادلہ) جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس کو رسول کی حدیث سے مطابق کیجئے۔

(دفع) یہ ساری باتیں اس روایت میں مذکور ہیں جس کو آپ نے متواتر کہا ہے اور جس کے لیئے گیارہ کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ آپ نے جن کتابوں کا نام لیا ہے ان میں جامع البیان بھی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ فقالوا دعنا ننتظر فاستشاروا فقال کبیرھم ما لاعن قوم نبیا قط فبقی کبیرھم ولا صغیرھم (الی قولہ) فاتوا وقالوا یا ابا القاسم قد رأینا ان لا نلاعنک ونترکک علی دینک ونرجع علی دیننا ونبذل لک الخراج اور اسی کے قریب قریب کشاف میں بھی ہے۔ اس کی عبارت آگے آئے گی۔

مولانا نے لکھا تھا کہ یہ مختصر قصہ ہے مباہلہ کا۔ اب بتایئے اس واقعہ میں غیر معمولی اہمیت کیا ہے اور حضرت علی کی خلافت بلا فصل سے اس آیت یا واقعہ کو کیا تعلق ہے۔

(مجادلہ) خود ہی ایک فرضی قصہ لکھا ہے اور علمائے اہلسنت نے جو واقعہ تسلیم کیا
ہے اسے پردہ پوش بنایا پھر خود ہی لکھ دیا کہ اس واقعہ میں غیر معمولی اہمیت کیا ہے حضور
رعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصاریٰ نجران کے مقابلہ میں فتح عظیم حاصل ہوئی، مگر مدیر صاحب اس
قعہ کو معمولی سمجھتے ہیں۔

(دفع) اعجاز صاحب کے اس کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ جتنا واقعہ حضرت مولانا
یرالنجم نے لکھا ہے، اس سے واقعی کوئی غیر معمولی اہمیت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اگر وہ یہ
رضی قصہ نہ لکھتے اور علمائے اہل سنت نے جس واقعہ کو تسلیم کیا ہے، اس کو ظاہر کرتے
تو اہمیت پیدا ہوتی، لیکن ہمارے ناظرین بھولے نہ ہوں گے کہ میں سطور سابقہ میں ثابت
کر چکا ہوں کہ حضرت مولانا نے بالکل وہی واقعہ لکھا ہے، جس کو علمائے اہل سنت نے
تسلیم کیا ہے اور اپنے مصنفات میں درج کیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ رسول اللہؐ کی
حدیث کے مطابق بھی ہے۔ پس اعجاز صاحب کے قول سے بھی اس واقعہ میں کوئی غیر
معمولی اہمیت نہ رہی مدرہا اعجاز صاحب کا یہ کہنا کہ مدیر النجم رسول اللہؐ کی فتح عظیم بمقابلہ
نصاریٰ نجران کو معمولی سمجھتے ہیں۔ تو یہ ان کی عقل مندی ہے۔ مولانا اس فتح کو مطلقاً غیر اہم
نہیں کہتے، بلکہ اس کی ایسی غیر معمولی اہمیت کے منکر ہیں۔ جو اس کو یادگار بنانے کی مقتضی
ہو۔ چنانچہ مولانا نے ص۳ میں وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ بدر وغیرہ بڑے بڑے عظیم الشان
فتوحات اسلام میں ہوئے، مگر ہم نے کسی کی یادگار میں کوئی عید نہیں قائم کی اور یہ واقعہ
مباہلہ تو کوئی ایسا بڑا واقعہ بھی نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا کو اس واقعہ کی
بڑائی سے انکار نہیں۔ ہاں ایسا بڑا نہیں کہ اس کی یادگار قائم کی جائے جب کہ اس
سے بڑے بڑے واقعات میں سے کسی کی یادگار قائم نہیں کی جاتی۔ مثلاً فتح بدر و فتح مکہ۔
میری اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ اعجاز صاحب نے اس کے بعد ص۲۲ میں جو کچھ لکھا
ہے وہ سب بنار فاسد علی الفاسد ہے۔

مولانا نے لکھا بحالت موجودہ اس واقعہ سے نبوت رسول اللہؐ کی دلیل
ظاہر ہوئی۔

(مجادلہ) پھر بھی آپ اس واقعہ کی اہمیت کے منکر ہیں یا نبوت رسول خدا کی دلیل کا ظہور ہی آپ کے زعم میں اہم نہیں۔

(دفع) میں پہلے بتا چکا ہوں کہ مولانا کو واقعہ کی نفس اہمیت کا منکر کہنا نافہمی ہے اور ثابت کر چکا ہوں کہ مولانا اس کی ایسی غیر معمولی اہمیت کے منکر ہیں جو اس کی یادگار قائم کرنے کی مقتضی ہو۔ دلیل نبوت کا ظہور بے شک اہم لیکن سوال یہ ہے کہ اسی دلیل نبوت میں کون سی خصوصیت اور خاص اہمیت ہے کہ اس کی یادگار قائم کی جائے اور اس سے بڑے بڑے دلائل نبوت میں سے کسی کی بھی یادگار قائم نہ ہو۔

مولانا نے لکھا تھا۔۔ اور خوارج کے مقابلہ میں علی و فاطمہ اور حسنین کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن نہ آیت سے بلکہ شان نزول کی روایت سے۔

(مجادلہ) آل عبا کی فضیلت ثابت ہونے کو صرف خوارج سے کس لیے مخصوص کیا۔ بلکہ یہ فضیلت خوارج کے مقابلہ میں اور منافقین و نواصب کے مقابلہ میں بھی اور تمام صحابہ اور امہات المؤمنین کے مقابلہ میں بھی ثابت ہوئی۔ یہاں آپ قائل ہو گئے کہ آل عبا کی فضیلت شان نزول کی روایت سے ثابت ہوتی ہے اور آگے چل کر جناب امیر کی موجودگی سے انکار کیا ہے۔ پھر یہ لکھ مارا ہے کہ آیۂ مباہلہ کو آل عبا سے تعلق بھی نہیں۔ آپ نے بالکل غلط بات لکھی ہے کہ آیۂ مباہلہ سے آل عبا کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

(دفع) ثبوت فضیلت کو صرف خوارج سے اس لیے مخصوص کیا کہ صرف یہی گروہ حضرت علیؓ کے لیے کوئی فضیلت نہیں مانتا۔ باقی اہل سنت اور تمام صحابہ اور امہات المؤمنین حضرت علیؓ کے فضائل کے منکر نہیں ہیں۔ اس لیے روایت شان نزول خوارج کے خلاف حجت ہے اور باقی لوگوں کے خلاف نہیں۔ بلکہ ان کے لیے حجت ہے۔

چنانچہ مولانا نے ص۱۳ میں اس کو صاف کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"البتہ خوارج کے مقابلہ میں حضرت علی مرتضیٰؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جس میں اہلسنت کو کوئی نزاع نہیں ہے۔"

ہاں اہلسنت حضرت علیؓ کو تمام صحابہؓ سے افضل نہیں مانتے۔ لیکن آیت یا روایت
فضلیت پر کسی طرح دلالت نہیں کرتی۔ پس تمام صحابہؓ کے مقابلہ میں تفضیلت کیونکر ثابت
ہوتی۔۔

رہا اعجاز صاحب کا یہ فرمانا کہ آگے چل کر جناب امیر کی موجودگی سے انکار کیا ہے
محض افترا ہے۔ مولانا تو آپ کے استدلال پر قدح کرتے ہوئے یہ ذکر کرتے ہیں
کہ آپ کا استدلال ایک اس پر بھی مبنی ہے کہ حضرت علیؓ بھی بلائے گئے۔ لیکن اکثر صحیح
روایات میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اگر اپنے استدلال کو
صحیح سمجھتے ہیں تو حضرت علیؓ کی موجودگی صحیح روایتوں سے ثابت کیجیے۔ اس لئے کہ اکثر صحیح
روایتوں میں ان کی موجودگی کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے ان کی موجودگی مشتبہ ہے۔ اور
جہاں مولانا ثبوت فضیلت کے قائل ہوتے ہیں وہاں ان کے پیش نظر وہ بعض روایتیں
ہیں جن میں حضرت علیؓ کا نام آیا ہے۔ پس مولانا کے دونوں کلاموں کا حاصل یہ ہوا کہ اولاً
حضرت علیؓ کی موجودگی مشتبہ ہے کہ اکثر صحیح روایتوں میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن اگر
ان کی موجودگی واقعی ہو، جیسا کہ بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے تو خوارج کے مقابلہ
میں ان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

اعجاز صاحب اس کا نام تضاد و تہافت نہیں ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ فن
مناظرہ سے واقف نہیں ہیں۔ مناظرہ میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پہلے ایک بات کہی جاتی ہے
پھر اس سے تنزل ہو یا ترقی کر کے دوسری بات کہی جاتی ہے اور دنیا میں کوئی عقل مند
اس کو تہافت نہیں کہتا۔ اسی طرح مولانا نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ آیۂ مباہلہ کو آل عبا
سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر آپ مدعی ہیں تو عبارت پیش کیجیے۔ مولانا نے آگے جو کچھ
لکھا ہے وہ یہ ہے کہ ابناءنا ونساءنا کا مصداق صرف آل عبا نہیں ہیں۔ جیسا کہ شیعہ
کہتے ہیں بلکہ رسول اللہؐ اور آپ کے متبعین ہیں۔ ان میں آل عبا بھی داخل ہیں۔ اعجاز
صاحب اس پر بھی برہم ہیں کہ مولانا نے یہ کیوں لکھا کہ فضیلت آل عبا آیت سے نہیں
بلکہ شان نزول کی روایت سے ثابت ہوتی ہے اور اس کے بعد بڑے جوش میں آکر

کشاف اور تفسیر نیشاپوری کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آیت تفضیل اصحاب کساء پر دلالت کرتی ہے۔ مجھ کو اعجاز صاحب کی بے مائگی پر رحم آتا ہے۔ غریب کو اتنی خبر نہیں کہ کسی عبارت کی دلالت کسی معنی پر صرف اتنا کہہ دینے سے ثابت نہیں ہو سکتی ہے کہ فلاں صاحب کہتے ہیں کہ یہ چیز اس پر دلالت کرتی ہے بلکہ وجہ دلالت کا ذکر ضروری ہے۔ بس اگر اعجاز صاحب میں ہمت ہو تو وجہ دلالت ذکر کریں۔ میں بلا خوف تردید کہتا ہوں کہ نفس الفاظ آیت کریمہ اصحاب کساء کی فضیلت پر کسی طرح دلالت نہیں کرتے۔ پس جس مفسر نے بھی آیت کو تفضیل اصحاب کساء پر دال کہا ہے، اس کی اس کے سوا اور کوئی مراد نہیں ہو سکتی ہے کہ روایت شان نزول کو آیت کے ساتھ ملائیں تو یہ فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر اعجاز صاحب ان مفسرین کی مراد یہ مانتے ہیں کہ نفس آیت بلا ضم ضمیمہ دلالت کرتی ہے تو ہمت کر کے اپنے طرف سے یا ان مفسرین کے کلام سے وجہ دلالت نفس آیت سے پیش کریں۔

مولانا نے لکھا تھا شیعہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول خداؐ نے حضرت علی و فاطمہ اور حسنین کو مباہلہ میں شریک کرنے کے لیئے اپنے ساتھ لیا اور کسی کو ساتھ نہ لیا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کو جو کچھ تعلق تھا وہ صرف انہیں حضرات سے تھا پھر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ آیت میں لفظ انفسنا سے حضرت علیؓ اور ابناءنا سے حسنینؓ اور نساءنا سے حضرت فاطمہؓ مراد ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نفس رسولؐ تھے اور ظاہر ہے کہ نفس رسول اللہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو خلیفہ بنانا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

(مجادلہ) صرف شیعہ اس کے قائل نہیں بلکہ بکثرت علمائے اہلسنت نے بھی یہی لکھا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے آل عبا کے سوا اور کسی کو اپنے ہمراہ نہیں لیا۔ اس کے بعد وہی روایت کشاف سے نقل کی ہے جس کا بار بار ذکر ہو چکا ہے۔

(دفع) اعجاز صاحب نے یہ چالاکی کی ہے کہ کشاف کی پوری روایت ذکر

ہیں کی ورنہ صاف صاف عیاں ہو جاتا کہ مولانا اپنے دعوے میں سچے ہیں یا آپ مولانا
سنیوں کا یہ اعتقاد ذکر کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک مباہلہ میں شرکت کے لیے رسول صلعم
نے اصحاب کساء کے علاوہ اور کسی کو ساتھ نہیں لیا اور آپ مدعی ہیں کہ بکثرت علمائے اہلسنت
بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن جو روایت آپ نے ذکر کی ہے وہ آپ کے مدعا پر قطعاً
دلالت نہیں کرتی۔ اس لیے کہ اس میں یہ کہیں بھی مذکور نہیں کہ آپ نے اور کسی کو ہمراہ نہیں
لیا اور اگر آپ میں ہمت ہو تو روایت میں یہ دکھایئے۔

ہاں جو روایت آپ نے لکھی ہے اس میں اور کسی کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن
ذکر نہ ہونے سے یہ ثابت کرنا کہ جب ذکر نہیں ہے تو کوئی دوسرا موجود ہی نہیں تھا۔
محض غلط ہے۔ بلکہ امام باقرؑ کی روایت سے ثابت ہو چکا ہے کہ اور لوگ بھی آئے تھے۔
دوسری یہ بات ہے کہ جس روایت کا آپ حوالہ دیتے ہیں اس سے یہ ثابت کیجئے
کہ جن لوگوں کو آپ نے ساتھ لیا تھا ان کو مباہلہ میں شرکت کے لیے لیا تھا۔ مگر یاد
رکھیئے کہ آپ اس کو ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔ اس لیئے کہ اسی روایت سے یہ
ثابت ہے کہ پہلے دن نصارائے نجران نے مباہلہ کی آمادگی ظاہر نہ کی۔ بلکہ یہ کہا کہ کل
غور کر کے کچھ کہیں گے۔ چنانچہ میں اس کو آپ ہی کے حوالوں سے ثابت کر چکا ہوں۔
پس اس روایت سے آپ کا یہ ثابت کرنا کہ حضرات مذکورۂ بالا مباہلہ میں شرکت
کے لیے ساتھ گئے تھے غلط ہے کہ جب مباہلہ کے لیئے فریق مخالف آمادہ ہی نہ ہوا
تھا تو اس کی شرکت کے لیئے نکلنا کیا معنیٰ۔ آپ نے چالاکی سے روایت کا ابتدائی
حصہ نقل نہیں کیا۔ ورنہ یہ ساری باتیں اس سے ظاہر ہو جاتیں۔
روایت کا ابتدائی حصہ یوں ہے۔ روی انهم لما دعاهم الی
المباهلة قالوا حتی نرجع وننظر (کشاف ص۲۰۷ جلد ۱)

آگے چل کر آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ آل عبا کو دیکھتے ہی نصاری خوف زدہ
ہو گئے اور مباہلہ سے باز رہے۔
اس لیئے کہ آپ کی روایت منقولہ کی ابتداء میں صاف مذکور ہے۔ فلما

ثم الفوا تالو اللعاقب وکان ذا رأیھم یا عبد المسیح ما تری قال واللہ لقد عرفتم یا معشر النصاری ان محمدا نبی مرسل ولقد جاءکم بالفصل من امر صاحبکم واللہ ما باھل قوم نبیا قط فعاش کبیرھم ولا نبت صغیرھم ولئن فعلتم ذلک لتھلکن فان ابیتم الا الف دینکم والاقامۃ علی ما انتم علیہ فوادعوا الرجل وانصرفوا الی بلادکم فاتوا۔
(کشاف ص۳۷)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مباہلہ سے باز رہنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کو یقین کامل تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں اور نبی برحق سے مباہلہ کر کے وہ ہلاکت سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اس لیئے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ مباہلہ نہ کریں گے اور صلح کر کے واپس جائیں گے اور اسی ارادہ سے حاضر خدمت ہوئے تھے پس آپ کا یہ کہنا کہ آل عبا کو دیکھ کر مباہلے سے باز رہے فریب ہے۔

بہرحال مباہلہ سے باز رہنے کی اصل وجہ وہی ہے جو ابتدائے روایت میں مذکور ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب نصاریٰ حاضر خدمت ہوئے اور ان لوگوں کو دیکھا جو حضور کے ساتھ تھے تو باز رہنے کا ارادہ اور بھی مستحکم ہو گیا۔ افسوس ہے کہ شیعوں کو یہ کس طرح کہنا اور سننا گوارا نہیں کہ اہل نجران رسول اللہ کی صداقت سے مرعوب ہو کر مباہلہ سے باز رہے اور چاہتے ہیں اس کو چھپا کر یہ ظاہر کیا جائے کہ آل عبا سے خوف زدہ ہو کر ایسا کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کے دل میں رسول اللہ کی کتنی عظمت ہے۔ اس کے بعد اعجاز صاحب نے روایت منقولہ از کشاف کے لیئے دس حوالے اور بھی پیش کیئے ہیں من جملہ ان کے ایک تاریخ الخلفاء بھی ہے لیکن اس کا حوالہ دینا اعجاز صاحب کی بدحواسی کا مرہون منت ہے اور اگر ان کے خیال میں یہ حوالہ صحیح ہے تو صفحہ کا حوالہ پیش کریں۔ علاوہ بریں ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ان کتابوں کا نام گنوانے سے ان کا کیا مقصد ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ یہ روایت ہمارے خلاف نہیں ہے۔ البتہ کام کی بات یہ ہے کہ اعجاز صاحب اس روایت کی کوئی

ں سند پیش کریں اور اس کا خیال رکھیں کہ یہ تمام الفاظ اس میں مذکور

مجادلہ) اب ہم آیہ مباہلہ کی شان نزول کی روایت کی توثیق میں وہ حدیث
جس کی صحت پر محدثین اہل سنت کا اتفاق ہے جو ام المومنین عائشہؓ نے ارشاد
اور اس کے بعد حدیث کسا نقل کی ہے

دفع) ہم متحیر ہیں کہ اس حدیث سے روایت شان نزول آیہ مباہلہ کے کس
کی تائید ہوتی ہے جب کہ روایت عائشہ صدیقہؓ میں تو نہ مباہلہ کا کوئی ذکر ہے نہ
باہلہ کا اور نہ شرکت مباہلہ کے لیئے حضرات حسنین وغیرہؑ کے جمع کرنے کا صرف
ت مباہلہ کے ضمن میں کسی مقصد کے لیئے زمخشری نے حدیث عائشہؓ ذکر کردی تو
ہے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عائشہؓ کے بیان کے مطابق آیہ مباہلہ آل عبا کی شان میں
ہوئی حالانکہ دوسری جگہ بتصریح مذکور ہے کہ کساء کا واقعہ آیت تطہیر کے نزول
رتت ہوا بہرحال اس روایت کو روایت شان نزول آیت مباہلہ سے کوئی دور
نہ بھی نہیں ہے۔ اعجاز صاحب اگر اس کے مدعی ہیں تو روایت کے الفاظ سے اس
بت کریں یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ زمخشری نے اس کو آیہ مباہلہ کی تفسیر کے ضمن میں
رج کیا ہے۔ اور جب کہ اس حدیث کو آیہ مباہلہ سے کوئی تعلق نہیں تو اعجاز صاحب
کہنا کہ "مدیر النجم" صاحب نے آیہ مباہلہ کے شان نزول کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس
سے قول ام المومنین کی تکذیب ہوتی ہے۔ باطل محض ہے۔

لطیفہ) اعجاز صاحب نے حضرت عائشہؓ کی روایت کسا نقل کر کے پہلے
لکھا کہ ام المومنینؓ کے بیان سے یہ ثابت ہوا کہ آیت مباہلہ صرف آل عبا کی شان
میں نازل ہوئی تھی کہ مباہلہ کی شرکت کے لیئے رسول اللہؐ نے فقط انہیں حضرات کو اپنے
ہمراہ لیا۔ (ص۲۷)

اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ زمخشری نے اس روایت کو اس لیئے نقل کیا
ہے کہ آیت مباہلہ کے مورد آل عبا ہیں۔ لیکن ص۲۸ میں چل کر یہ لکھتے ہیں کہ خدا ہمارے

ان دونوں مفسروں کا یعنی زمخشری و رازی کا کہ ان دونوں نے اول فضیلت آل عبا ظاہر کیا پھر اس کی تائید میں اُم المومنینؓ کی وہ حدیث لکھی جو محدثین و مفسرین اہل سنت کے نزدیک مسلم ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد ص۲۸ کی عبارت سے یہ بالکل صاف ہو گیا کہ زمخشری نے حدیث عائشہؓ کو اس لیئے نقل نہیں کیا ہے کہ اس کو آیت مباہلہ سے کوئی تعلق ہے یا اس سے آیت کے مورد کی کوئی تعیین ہوتی ہے۔ بلکہ اس واسطے ذکر کیا ہے کہ آیت مباہلہ کے شان نزول سے فضیلت اصحاب کسا ثابت ہوتی تھی۔ پس جب اہل بیت کی فضیلت کی طرف کلام منجر ہو گیا تو ایک یہ حدیث بھی اظہار فضیلت کے لیئے لکھ دی۔ تو اس سے یہ اخذ کرنا کہ حدیث عائشہؓ کو آیت مباہلہ سے تعلق ہے، اعجاز صاحب کی خوش فہمی ہے۔

(مجادلہ) اب یہ ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ الفاظ آیۂ مباہلہ کے معانی یہی حضرات ہیں ان کے علاوہ اصحاب و ازواج میں سے کوئی بھی مراد نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے پہلی دلیل یہ ہے کہ اصحاب و ازواج میں سے کسی نے اس کا دعویٰ نہیں کیا۔ ورنہ ان حضرات کی زبانی ان کا دعوے کرنا ثابت کیا جائے۔

(دفع) سبحان اللہ یہ عجیب دلیل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دلیل کا معنی بھی معلوم نہیں ہے۔ حضرت پہلے آپ اس کو اپنے یا ہمارے اصول تفسیر سے ثابت کیجیئے کہ کسی آیت کے مصداق کے لیئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ مصداق خود دعوے کرے کہ میں اس آیت کا مصداق ہوں۔ پھر اس تعیین دعوے اور تعیین مصداق میں لزوم ثابت کیجیئے۔ اس کے بعد ہم سے اپنا مطالبہ پورا کرایئے۔ اگر علمی گفتگو منظور ہے تو اس کی یہی شکل ہے۔ اور اگر صرف جاہلوں کو اتنا سیدھا سمجھا کر اپنی ردیوں کی خیر منانی ہے تو آپ کو اختیار ہے۔ اگر آپ کے نزدیک تعیین مصداق کے لیئے دعویٰ ضروری ہے تو آپ مہربانی کر کے جس آیت کا جو مصداق ہو اس مصداق کا دعوے خود اس کی زبانی پیش کیجیئے اور آیۂ مبحوثہ کے متعلق بھی آل عبا کا دعوے خود اس کی زبانی ایسی روایت ثابت کیجیئے جس پر شیعہ و سُنی دونوں متفق ہوں۔

(مجادلہ) دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور خاتم الانبیاءؐ نے اپنے صحابہؓ اور ازواجؓ
نہ لے کر اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ ان میں سے کوئی مصداق آیت نہیں۔

(دفع) اس دلیل کا جواب بار بار ہو چکا ہے مختصراً پھر لکھا جاتا ہے کہ اولاً تو
ظاہر ہے کہ اور کوئی ہمراہ نہ تھا اور اگر آپ اپنے قول پر مصر ہیں تو آپ اپنے امام معصوم
امام باقرؑ کی تکذیب کر رہے ہیں۔ ثانیاً مباہلہ واقع نہیں ہوا اس لیے قبل از وقت
کو ہمراہ لینے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہی مصداق آیت ہے۔ ہاں اگر مباہلہ ہوتا
کوئی ساتھ نہ ہوتا تو ممکن تھا۔

(مجادلہ) تیسری دلیل قول جابر انصاریؓ ہے جو موقع پر حاضر تھے۔ قال جابرؓ
انفسنا رسول اللہ وعلی ونسائنا فاطمۃ وابنائنا الحسن والحسین۔

(دفع) اولاً جابرؓ کی طرف اس قول کی نسبت میں کلام ہے۔ ابن کثیر میں ہے
ھکذا رواہ الحاکم فی مستدرکہ (الی قولہ) وقد رواہ ابوداؤد
الطیالسی عن شعبۃ عن المغیرۃ عن الشعبی مرسلاً وھذا اصح۔

ثانیاً جب حضرت جابرؓ موقع پر حاضر تھے تو آپ نے دوسری دلیل میں یہ کیسے
کہہ دیا کہ حضورؐ نے اور کسی کو ہمراہ نہ لیا۔

(مجادلہ) نفس رسولؐ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ جناب امیرؓ بعینہٖ رسول اللہؐ تھے
یا آنجناب کے حقیقۃً نفس تھے کہ یہ دونوں باتیں عقلاً محال ہیں، بلکہ آپ مجازاً نفس رسول
تھے مگر وہ مجاز جو حقیقی معنی کے قریب ہوتا ہے، جو حقیقۃ کی جگہ مستعمل ہوتا ہے۔ جسے
اصطلاح میں کنایہ کہتے ہیں۔

(دفع) سبحان اللہ! کیا تحقیقات ہیں وہ مجاز جس کو اصطلاح میں کنایہ کہتے
ہیں آج ہی سنا ہے بالکل نئی تحقیق ہے۔ آج تک تو تمام علماء بیان سکاکی صاحب تلخیص
تفتازانی وغیرہم کنایہ کو مجاز کا قسیم کہتے آئے ہیں، مگر مولوی اعجاز حسن صاحب کے نزدیک
کنایہ مجاز کی ایک قسم ہے سچ ہے۔ ؎

ہم پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے
کچھ طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

آگے چل کر اور ہی غضب ڈھایا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"علامت مجاز اس جگہ علاقہ تشبیہ ہے۔ یعنی اوصاف مخصوصہ کے علاوہ کل
رسولؐ سے آپ متصف تھے"۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ مجاز جس کو کنایہ
ہیں اور پھر اسی میں علاقہ تشبیہ واللہ قابلیت ختم کردی۔ جس مجاز میں علاقہ تشبیہ ہوتا ہے
اس کو استعارہ کہتے ہیں، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ یہاں استعارہ اور مجاز اور کنایہ سب
ہیں، مگر سچ تو یہ ہے کہ جناب امیرؑ کے لیئے یہ سب کچھ کم ہے۔ سنیئے! جناب جب
مجاز ہے اور جب یہاں علاقہ تشبیہ ہے تو یہ استعارہ ہوا کہ اور آپ کو معلوم ہونا چاہ
کہ معنی حقیقی اور مجازی دونوں کا ارادہ بیک وقت ناجائز ہے۔ لہٰذا یا تو آپ صرف
رسول اللہؐ کو مراد لیجیئے یا علیؑ کو۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں آیت میں نفس الرسول
لفظ نہیں۔ بلکہ انفسنا کا لفظ ہے۔ پس آپ سے سوال ہے لفظ انفسنا میں ضمیر جمع سے
رسول خدا مراد ہیں یا اور کوئی بھی۔ اگر اور کوئی بھی ہے تو وہ کون ہے اور اگر صرف
رسول خدا ہیں تو آپ کو معلوم ہے کہ انفس صیغہ جمع ہے۔ لہٰذا مطلب یہ ہو گا کہ بلائیں
ہم بہت سے نفس رسول کو پس اس سے ثابت ہو گا کہ صرف علیؑ نفس رسول نہیں
بلکہ کم از کم دو اور بھی ہیں اور آپ کو بتانا ہو گا کہ وہ کون کون بزرگ ہیں۔ اگر آپ
کہیں کہ حسنؑ و حسینؑ تو لفظ ابنا ئنا بے کار ہو جائے گا۔ علاوہ بریں پھر صرف علیؑ کی خلافت
بلافصل ثابت نہ ہو گی۔ بلکہ ان اصحاب ثلثہ کی تیسری بات یہ ہے کہ ارادہ مجاز کے لیے
یہاں کون سا قرینہ ہے۔

آپ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ علاقہ تشبیہ کو قرینہ سمجھتے ہیں کہ لکھتے
ہیں:۔

علامت مجاز اس جگہ علاقہ تشبیہ ہے"۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ علامت مجاز
اور چیز ہے اور علاقہ اور شئے۔ یہ بھی آپ کی قابلیت کی دلیل ہے کہ علامت و علاقہ
کو ایک کیئے دے رہے ہیں۔ دیکھیئے رایت اسد امیرمی میں۔ علاقہ مجاز تشبیہ
ہے اور علامت مجاز اثبات رمی کما صرح بہ اھل البیان۔ چوتھی بات

ہے کہ جب لفظ انفسنا سے مجازاً حضرت علیؓ مراد ہوں گے تو پھر اس لفظ سے حضرت
ل خدا مراد نہیں ہو سکتے۔ پس وہ ساری تفسیریں غلط ہو جائیں گی جن میں اس لفظ کی
یر میں حضورؐ کا نام مبارک بھی لیا گیا ہے۔ ھذا وھٰھنا مباحث اخر دقیقہ اعرضت
نہا مخافتہ السامۃ علیک۔ میری تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ آیت مباہلہ سے حضرت
ی کا نفس رسول ہونا ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ پس اس کے بعد اعجاز صاحب کا نفس
سول ہونے کا فائدہ بیان کرنا بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ اس کے بعد اعجاز صاحب
نے تطویل بے جا کے طور پر تمام صحابۂ رسولؐ سے نفس نبی کے افضل ہونے کے
جوہ مسلمہ لکھتے ہیں ہم نہیں چاہتے تھے کہ اس غیر متعلق بحث میں پڑیں لیکن چوں کہ
اعجاز صاحب نے بہت زیادہ غلط بیانی سے کام لیا ہے اور محض زبردستی سے اپنے
مخترعہ وجوہ کو شیعہ و سنی کے متفقہ علیہ وجوہ لکھا ہے، اس لیے ہم کو یہ ظاہر کر دینا
ضروری ہے کہ فلاں وجہ کا انتساب ہماری طرف غلط ہے۔ اور یہ کہ جو وجوہ
انہوں نے ظاہر کیے ہیں اگر وہ ثابت بھی ہوئے تو ان سے حضرت علیؓ کی
افضلیت نہیں ثابت ہوتی۔ بلکہ فی حد نفسہ فضیلت ہوتی ہے۔ ولا نزاع فیہ۔

میں یہاں پر اعجاز صاحب کی پوری عبارت بجنسہٖ نقل کرتا ہوں اور فٹ نوٹ
میں ان کی غلط بیانیوں کو ظاہر کرتا ہوں۔ لکھتے ہیں: نورِ رسولؐ[1] سے علیؓ کی خلقت ہوئی۔

لہ ہماری کتابوں سے ثابت نہیں، شاید اعجاز صاحب خلقت انا وعلی
من شجرة واحدة سے استناد کرتے ہوں تو استناد صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اگر یہ حدیث بھی
ہو تو اس وصف میں حضرت جعفر طیار حضرت علی کے شریک ہیں الناس من اشجار شتی و
خلقت انا وجعفر من شجر واحد (کنز العمال) اور حضرت شیخین کی نسبت بھی وارد ہے
خلقت انا وابوبکر و عمر من طینة واحدة۔
(کنز العمال) *

خانہ کعبہ[1] میں آپ پیدا ہوئے۔ رسول اللہ[2] نے آپ کی تربیت فرمائی۔ آپ[3] کے بلوغ سے پہلے رسول اللہ مبعوث ہوئے۔ آپ[4] کے بلوغ کی کوئی ساعت جاہلیت میں نہیں گزری۔ آپ[5] نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ آپ[6] نے کبھی میدان جہاد سے فرار نہیں کیا۔ آپ[7] جنگ میں دشمن سے کبھی مغلوب نہ ہوئے۔ جس غزوہ یا سریہ میں شریک ہوئے فتح آپ کے ہاتھ رہی۔ آپ[8] بحکم خدا سورہ براءۃ کی تبلیغ پر مامور اور جناب ابو بکرؓ اس عہدہ سے معزول ہوئے۔ آپ نے بحکم رسول[9] آنجناب کے دوش مبارک پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کے بتوں کو توڑا۔ رسول اللہ نے یہ کام کسی صحابی سے نہیں لیا۔ آپ

---

[1] ہماری کتابوں سے ثابت نہیں۔ [2] حضرت اسامہ کی تربیت بھی رسول اللہ نے فرمائی ہے۔ ورد انا اعب داولد الی من قد انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ اسامۃ بن زید۔ شرح لکھتے ہیں لے بالتربیۃ اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں۔ [3] ایسے بہت سے صحابی ہیں۔ لیکن صرف اتنی بات کوئی فضیلت کی چیز نہیں ہے۔ [4] ایسے لوگوں کا شمار بھی بہت ہے۔ [5] اس لیے کہ بچے تھے اگر بالغ ہوتے اور نہ کرتے تب کمالات میں شمار ہوتا ورنہ ہر مسلمان جو کسی مسلمان کے گھر پیدا ہو اس فضیلت میں حصہ دار ہے۔ [6] اس وصف میں آپ کے بہت سے لوگ شریک ہیں۔ بلکہ جنگ احد و حنین میں حضرت طلحہ ابوسفیان بن الحارث اور شیخین و ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہم کے کارنامے حضرت علیؓ سے بہت زیادہ ہیں۔ [7] خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان دونوں وصفوں میں حضرت علی سے کم ممتاز نہیں ہیں۔ [8] بالکل غلط ہے بلکہ حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے ان کا تابع بنا کر بھیجا کہ ابو بکر کے حکم سے ان کی ماتحتی میں اعلان کریں۔ دیکھو بخاری۔ [10] ہمارے نزدیک مسلم نہیں ہے۔ حافظ ذہبی نے اس روایت کو منکر اور صحیح روایتوں کے خلاف کہا ہے (تلخیص مستدرک) اور فی الواقع یہ روایت صحیح بخاری بلکہ حیات القلوب وغیرہ کی روایت کے بالکل خلاف ہے۔ پھر جس روایت میں یہ ذکر ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ دوش مبارک پر کھڑے ہو کر توڑا۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (بقیہ صـ۲۷ پر)

آپ نص باب مدینۃ العلم ہیں۔ آپ نص
نبص رسول امیر المؤمنین وامام المتقین ہیں۔ آپ نص
رسول اعلم الصحابہ ہیں۔ آپ کے زہد وورع وخشیۃ اللہ کا پایہ اتنا بلند ہے کہ طائر خیال
کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں۔ آپ گناہوں سے محفوظ ہیں۔ آپ کی شان میں آیہ تطہیر
نازل ہوئی۔ آپ کی مودت نص قرآنی ہر مسلم پر فرض ہے۔ نماز میں آپ پر درود بھیجنا

(بقیہ حاشیہ) نے علیؓ کو اپنے دوش پر لے کر سقف کعبہ پر چڑھا دیا اور وہیں سے انہوں
نے بت کو گرایا پھر کود پڑے۔ صحیح روایت میں یہ ہے کہ کعبہ کو بحکم رسول خدا حضرت عمرؓ
نے بتوں کی تصویروں سے پاک کیا۔ (فتح الباری)۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

ایک روایت میں امام البررہ کا لفظ آیا ہے۔ مگر وہ مصنوعی روایت
لہ بالکل غلط ہے۔ اس کی ذہبی نے تصریح کی ہے (تلخیص مستدرک) اسی طرح امام المتقین بھی وارد ہے
ہے۔ روایت مختلف فیہ ہے۔ متفق علیہ کہنا غلط ہے۔
وہ بھی موضوع ہے (کنز العمال)۔ ؎ روایت
نے اس کو موضوع تک لکھ ڈالا ہے۔ ؎ لفظ نص رسول پیش کیجیے اور یہ بھی یاد رکھیے کہ
ایک روایت میں وارد ہے کہ معاذ بن جبل انبیاء کے بعد سب اولین و آخرین سے زیادہ
اعلم ہیں اور یہ تو بہت مشہور روایت ہے۔ اعلمھم بالحلال والحرام معاذ بن جبل
اور معاذ بن جبل امام العلماء ہیں۔ لہ یہ آپ کا خیال ہے۔ اہل حق کا مسلک یہ ہے کہ حضرت
ابوبکر ان اوصاف میں حضرت علی سے کہیں زیادہ بلند ہیں۔ ؎ متفق علیہ پیش کیجیے۔
لہ افتراء ہے قرآن پاک کا سیاق و سباق خود اس کے خلاف ہے۔ لہ قرآن کی
تحریف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقرباء سے محبت رکھنا ذریعۂ سعادت ہے
یہی ہمارا قول و فعل ہے۔ لیکن الا المودۃ فی القربیٰ کا یہ مطلب [illegible] دینا تحریف [illegible]
رسولؐ ہے۔ ؎ آل کے معنی اتباع کے ہیں لہٰذا رسول اللہ کے متبعین [illegible] پر درود بھیجنا رسول اللہ کی
سنت ہے حضرت علیؓ کی تخصیص تحکم ہے۔ اس کے علاوہ نماز میں [illegible] پر سلام بھیجنا [illegible]
کی سنت ہے بلکہ خود خدائے عزوجل اور اس کے ملائکہ مومنین [illegible] میں [illegible]

[illegible]

رسول اللہ کی سنت ہے۔ آپ[۱] سے عداوت خدا اور رسولؐ سے عداوت ہے۔ آپؐ سے لڑنا خدا و رسولؐ سے لڑنا ہے[۲] آپؐ[۳] سے محبت خدا و رسولؐ سے محبت ہے[۴] آپؐ کی شان میں گستاخی نص کفر ہے[۵] آپؐ کا محب نص رسول جنتی ہے[۶] آپؐ کا مبغض

---

[۱] بے شک لیکن اس وصف میں سب صحابہ شریک ہیں من ابغضھم فببغضی ابغضھم (ترمذی) اور انصار کی نسبت ارشاد ہے من ابغضھم ابغضہ اللہ (بخاری)

[۲] صحیح ہے۔ لیکن اس میں ہر ولی مومن شریک ہے۔ من عاد ولیا فقد اذنتہ بالحرب

[۳] بلاشبہ لیکن سب اعلیٰ وادنیٰ صحابی اس میں شریک ہیں من احبھم فبحبی احبھم (ترمذی) اور انصار کی نسبت فرمایا۔ من احبھم احبہ اللہ (بخاری)

[۴] نص خاص پیش کیجئے اور ان احادیث طیبہ کو بھی پیش نظر رکھیئے۔ من اساء القول فی اصحابی کان مخالفا لسنتی وماواہ النار وبئس المصیر (کنز العمال) من سب اصحابی فعلیہ لعنۃ اللہ الخ نیز صحابہ کی شان میں گستاخی کرنے والا منافق ہے (کنز العمال) نیز حضرات شیخینؓ کی نسبت ارشاد ہے۔ من ارادھما بسوء فانما یرید الاسلام (کنز العمال) اور ظاہر ہے کہ رسولؐ کی شان میں گستاخی بالاتفاق کفر ہے اور خود آپ کے مذہب کی کتاب جامع الاخبار میں ہے۔ من سب اصحابی فقد کفر

[۵] حضرت ابوبکر و عمر کی محبت بھی لا الہ الا اللہ کہنے کے برابر ہے انی لارجو لامتی فی حبھم لابی بکر و عمر ما ارجو لھم فی قول لا الہ الا اللہ (تاریخ الخلفاء) نیز حضرت علیؓ سے فرمایا احبھما تدخل الجنۃ اور حدیث میں یہ بھی وارد ہے من تمسک بالسنۃ دخل الجنۃ قالت عائشۃ وما السنۃ قال حب ابیک وصاحبہ عمر (کنز العمال)

[۶] حضرات شیخینؓ کی نسبت وارد ہے۔ بغضھما کفر (تاریخ الخلفاء) نیز تمام صحابہ کا مبغض ناری ہے ارشاد فرمایا۔ یجمع الناس غدا فی الموقف ثم یلتقط قذفۃ اصحابی ومبغضھم فیحشرون الی النار (کنز العمال) نیز بغض انصار کو بھی کفر فرمایا (کنز العمال)

نبص رسول آپ حق[ع] کے ساتھ ہیں۔ نبص رسول آپ کتاب اللہ[ع] کے ساتھ ہیں۔ نبص رسول ناری ہے۔ نبص رسول آپ ساری امت کے مولا ہیں۔[ع] نبص رسول[ع] آپ کا ساتھی ہے۔ نبص رسول آپ ساری امت کے مولا ہیں۔ نبص رسول[ع] کے اور حق آپ کا ساتھی ہے۔ نبص رسول آپ دو عالم کی سردار ہیں۔ نبص رسول[ع] آپ آنحضرت کے وصی ہیں۔ نبص آپ[ع] کی زوجہ زنان دو عالم کی سردار ہیں۔ نبص رسول آپ بروز قیامت آپ کے فرزند جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں۔ نبص رسول[ع] آپ بروز قیامت ساقی کوثر اور حامل لوار حمد[ع] ہوں گے۔ نبص رسول آنحضرت[ص] کی نسل آپ کی اولاد سے

حضرت عمرؓ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے بعد حق وصداقت
عمرؓ کے ساتھ ہے۔ جدھر وہ ہوں اسی طرف حق بھی ہے (کنز العمال) ان اللہ جعل الحق
علی لسان عمر وقلبہ (ابن ماجہ) ۲۰ آپ نے صـ۵۸ سے صـ۶۱ تک بڑے شد ومد سے اس
بات کو ثابت کیا ہے کہ افضل کو مفضول کی طرف مضاف کرنے سے مضاف کے لیے کوئی
شرف یا فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن اگر اس کا عکس ہو تو یقیناً مضاف کو فضیلت عظمیٰ اور
مثلاً معصومیت خلافت حاصل ہوتی ہے۔ پس چونکہ یہاں مولیٰ (علی) کی اضافت مؤمنین
کی طرف ہے۔ اس لیے آپ کے قاعدے سے حضرت علیؑ کو اس اضافت کی وجہ سے
کوئی شرف حاصل نہیں ہو سکتا جیسا کہ رب العالمین میں آپ نے تقریر کی ہے۔ اور اس
کے برخلاف حدیث صحیح میں حضرت زید بن حارثہؓ کو رسول اللہؐ نے انت اخونا ومولانا
فرمایا ہے اور مولیٰ (زید) کی اضافت اپنی ذات گرامی کی طرف فرمائی ہے۔ پس بلاشبہ
یہ اضافت حضرت زیدؓ کے لیے حصول فضیلت عظمیٰ کا سبب ہوگی۔ پس آپ ہی کے اصول
سے دوسرا مولیٰ پہلے مولیٰ سے افضل واشرف ہوگا۔ ۳ بالکل غلط ہے۔ کوئی اہلسنت
اس کو نہیں مانتا۔ خود صحیح بخاری میں ان کے وصی ہونے کی نفی موجود ہے۔ ۴ آسیہ بنت
مزاحم کو بھی تو حضرت فاطمہ زہراؓ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے (حیات القلوب) تو کیا ان کے شوہر
کو بھی آپ تمام صحابہ حتیٰ کہ سلمان و مقداد وغیرہما رضی اللہ عنہم سے افضل کہیں گے (معاذ اللہ) ۵ بیشک
لیکن ابو سفیان بن الحارث بھی اس فضیلت میں حسنین رضی اللہ عنہما کے شریک ہیں۔ سید فتیان اہل الجنۃ
ابو سفیان بن الحارث (مستدرک وکنز العمال) ۶ اور ان دونوں کی تسیح نقل کیجیے۔ ۷

جاری ہوئی۔ آپ[1] شہید راہ خدا ہیں۔

ناظرین کرام! آپ نے دیکھا کہ اعجاز صاحب نے دعوےٰ کیا تھا کہ وہ حضرت علیؓ کی افضلیت کے مسلمہ وجوہ پیش کریں گے۔ لیکن ان میں کی اکثر وجہیں تو اہل سنت کے نزدیک مسلم ہی نہیں۔ لہٰذا ان کو مسلمہ طرفین کہنا فریب ہے۔ اور جو وجہیں مسلم ہیں ان سے حضرت علیؓ کی افضلیت نہیں، بلکہ صرف فضیلت ثابت ہوتی ہے اور نزاع افضلیت میں ہے فضیلت میں نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ جو وجوہ پیش کیے گئے ہیں ان میں سے اکثر میں دوسرے صحابہ شریک ہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر اعجاز صاحب کی ذکر کی ہوئی تمام وجہیں بلا شرکت غیرے حضرت علیؓ کی نسبت ثابت بھی ہوتیں تو بھی فضیلت جزئیہ بہ نسبت دیگر صحابہؓ ان کو حاصل ہوتی یہ براہلسنت کے مسلک کے مخالف نہیں ہو سکتی۔

آپ نے یہ بھی دیکھا کہ اعجاز صاحب نے افضلیت علیؓ ثابت کرنے کے لیے بڑا زور صرف کیا۔ لیکن حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صریح حدیث ان کی افضلیت کی بابت نہیں پیش کر سکے۔ برخلاف اس کے اہل سنت کثر اللہ سوادھم نے اپنے دعوےٰ افضلیت ابو بکرؓ کی بنیاد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح صریح پر رکھی ہے۔ حضرت ابو الدرداءؓ و حضرت جابر وغیرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ماطلعت الشمس ولا غربت علی احد افضل من ابی بکر الا ان یکون نبی۔ یعنی بجز انبیاء کے اور کسی ایسے شخص پر جو ابو بکرؓ سے افضل ہو آفتاب نے طلوع و غروب نہیں کیا۔ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ نے آنحضرتؐ کا ارشاد نقل کیا۔ ابو بکر الصدیق خیر الناس الا ان یکون نبی۔ یعنی ابو بکر صدیقؓ انبیاء کے علاوہ اور سب سے بہترین ہیں۔ حضرت سعد بن زرارہؓ نے مرفوعاً روایت

[1] حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ سے بڑھ کر شہید راہ خدا ہیں کہ ارشاد ہے۔ سید الشہداء حمزہ اور حضرت عمر و عثمان بھی بنص رسول شہید ہیں۔

کیا۔ کہ ان روح القدس جبریل اخبرنی ان خیر امتک بعد ابو بکرؓ (تاریخ الخلفاء)
اسی طرح اہل سنت کا دعوےٰ حضرت علیؓ کی متواتر حدیث سے بھی ثابت ہے۔
الا ان افضل ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابو بکر۔ کہ خبردار! بہ تحقیق رسول خدا کے
بعد اس امت میں سب سے افضل ابو بکرؓ ہیں اور اس کے بعد یہ بھی فرماتے تھے
کہ جو کوئی مجھ کو ابو بکرؓ و عمرؓ سے بڑھائے گا اس پر حد قذف جاری کروں گا۔ یعنی اتنی
کوڑے لگاؤں گا۔ موقع نہیں ورنہ میں ابو بکرؓ و عمرؓ کے مخصوص فضائل کی ایک فہرست
پیش کرتا جس میں ان حضرات کا کوئی سا ہم نہیں ہے۔ اعجاز صاحب چاہیں تو کم از کم
تاریخ الخلفاء، کنز العمال، مستدرک وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

(مجادلہ) آیت مباہلہ سے خلافت نفس نبی کا ثبوت، سنت اللہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ
اپنے نبی کا خلیفہ خود بناتا تھا اور اسی کو بناتا تھا۔ جو اپنے اہل زمانہ میں سب سے افضل
ہوتا تھا اور آیہ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلافت
کے بارے میں اپنی سنت نہیں بدلی۔ پس ثابت ہوا کہ رسول اللہؐ نے اپنا خلیفہ اللہ
کے حکم سے خود بنایا تھا اور افضل الناس کو بنایا اپنے نفس کو بنایا تھا۔ رسول
اللہ کے نزدیک حضرت علیؓ سے افضل کوئی صحابی نہیں تھا۔ پس رسول اللہ کو ہرگز
جائز نہ تھا کہ آپ علیؓ کے سوا اور کسی کو خلیفہ بناتے۔

(دفع) سبحان اللہ کیا دلیل ہے۔ قربان جائیے آپ کی منطق دانی کے، اور
اصول مناظرہ سے آپ کی واقفیت کے۔ اجی حضرت آپ کی اس دلیل میں چند
دعوے ہیں۔ پہلے ان کو ثابت کیجئے۔

۱۔ سنت اللہ یہ ہے کہ اپنے نبی کا خلیفہ وہ خود بناتا ہے۔

۲۔ اور افضل اہل زمانہ کو بناتا ہے۔ آپ نے جس طرح عدم تبدیل سنت کے
ثبوت میں آیہ پیش کی ہے۔ اسی طرح ان دونوں دعووں کے ثبوت میں بھی آیت
یا حدیث متواتر پیش کیجئے۔ پھر آپ نے دعوےٰ کیا ہے۔

۳۔ رسول اللہ کے نزدیک علیؓ سے افضل کوئی صحابی نہ تھا۔ اس کا کیا ثبوت ہے؟

جاری ہوئی۔ آپ[1] شہید راہ خدا ہیں۔

ناظرین کرام! آپ نے دیکھا کہ اعجاز صاحب نے دعوے کیا تھا کہ وہ حضرت علیؓ کی افضلیت کے مسلمہ وجوہ پیش کریں گے۔ لیکن ان میں کی اکثر وجہیں تو اہل سنت کے نزدیک مسلم ہی نہیں۔ لہٰذا ان کو مسلمہ طرفین کہنا فریب ہے۔ اور جو وجہیں مسلم ہیں ان سے حضرت علیؓ کی افضلیت نہیں، بلکہ صرف فضیلت ثابت ہوتی ہے اور نزاع افضلیت میں ہے فضیلت میں نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ جو وجوہ پیش کیے گئے ہیں ان میں سے اکثر میں دوسرے صحابہ شریک ہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر اعجاز صاحب کی ذکر کی ہوئی تمام وجہیں بلا شرکت غیرے حضرت علیؓ کی نسبت ثابت بھی ہوتیں تو بھی فضیلت جزئیہ بہ نسبت دیگر صحابہؓ ان کو حاصل ہوتی۔ یہ اہلسنت کے مسلک کے مخالف نہیں ہو سکتی۔

آپ نے یہ بھی دیکھا کہ اعجاز صاحب نے افضلیت علیؓ ثابت کرنے کے لیے بڑا زور صرف کیا۔ لیکن حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صریح حدیث ان کی افضلیت کی بابت نہیں پیش کر سکے۔ برخلاف اس کے اہل سنت کثر اللہ سوادھم نے اپنے دعوے افضلیت ابوبکرؓ کی بنیاد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح صریح پر رکھی ہے۔ حضرت ابو الدرداءؓ و حضرت جابر وغیرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ما طلعت الشمس ولا غربت علی احد افضل من ابی بکر الا ان یکون نبی۔ یعنی بجز انبیاء کے اور کسی ایسے شخص پر جو ابوبکرؓ سے افضل ہو آفتاب نے طلوع و غروب نہیں کیا۔ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ نے آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کیا۔ ابوبکر الصدیق خیر الناس الا ان یکون نبی۔ یعنی ابوبکر صدیقؓ انبیاء کے علاوہ اور سب سے بہترین ہیں۔ حضرت سعد بن زرارہؓ نے مرفوعاً روایت

---

[1] حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ سے بڑھ کر شہید راہ خدا ہیں کہ ارشاد ہے۔ سید الشہداء حمزہ اور حضرت عمر و عثمان بھی بنص رسول شہید ہیں۔ ۱۲

کیا۔ کہ ان روح القدس جبریل اخبرنی ان خیر امتک بعد ابو بکرؓ (تاریخ الخلفاء)

اسی طرح اہل سنت کا دعوے حضرت علیؓ کی متواتر حدیث سے بھی ثابت ہے۔ الا ان افضل ہذہ الامۃ بعد نبیہا ابو بکر۔ کہ خبردار! بہ تحقیق رسول خدا کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابو بکرؓ ہیں اور اس کے بعد یہ بھی فرماتے تھے کہ جو کوئی مجھ کو ابو بکرؓ و عمرؓ سے بڑھائے گا اس پر حد قذف جاری کروں گا یعنی اسی کوڑے لگاؤں گا۔ موقع نہیں ورنہ میں ابو بکرؓ و عمرؓ کے مخصوص فضائل کی ایک فہرست پیش کرتا جس میں ان حضرات کا کوئی ساہم نہیں ہے۔ اعجاز صاحب چاہیں تو کم از کم تاریخ الخلفاء، کنز العمال، مستدرک وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

(مجادلہ) آیت مباہلہ سے خلافت نفس نبی کا ثبوت، سنت اللہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کا خلیفہ خود بناتا تھا اور اسی کو بناتا تھا۔ جو اپنے اہل زمانہ میں سب سے افضل ہوتا تھا اور آیہ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلافت کے بارے میں اپنی سنت نہیں بدلی پس ثابت ہوا کہ رسول اللہؐ نے اپنا خلیفہ اللہ کے حکم سے خود بنایا تھا اور افضل الناس کو بنایا اپنے نفس کو بنایا تھا۔ رسول اللہ کے نزدیک حضرت علیؓ سے افضل کوئی صحابی نہیں تھا۔ پس رسول اللہ کو ہرگز جائز نہ تھا کہ آپ علیؓ کے سوا اور کسی کو خلیفہ بناتے۔

(دفع) سبحان اللہ کیا دلیل ہے۔ قربان جایئے آپ کی منطق دانی کے اور اصول مناظرہ سے آپ کی واقفیت کے۔ اجی حضرت آپ کی اس دلیل میں چند دعوے ہیں۔ پہلے ان کو ثابت کیجئے۔

۱۔ سنت اللہ یہ ہے کہ اپنے نبی کا خلیفہ وہ خود بناتا ہے۔

۲۔ اور افضل اہل زمانہ کو بناتا ہے۔ آپ نے جس طرح عدم تبدیل سنت کے ثبوت میں آیہ پیش کی ہے۔ اسی طرح ان دونوں دعووں کے ثبوت میں بھی آیت یا حدیث متواتر پیش کیجئے۔ پھر آپ نے دعوے کیا ہے۔

۳۔ رسول اللہ کے نزدیک علیؓ سے افضل کوئی صحابی نہ تھا۔ اس کا کیا ثبوت۔

ہے آپ کی اس مناظرہ دانی کی داد بھی ہم نہیں دے سکتے کہ خود تو نفس نبی کی خلافت کا ثبوت دے رہے ہیں اور مولانا مدیر النجم سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ آپ اگر ہمارے صغرے کبرے کو قبول نہیں کرتے تو اس کے خلاف کا ثبوت دیجئے۔ مولوی صاحب معاف کیجئے گا آپ وعظ کہا کیجئے۔ علمی میدان دوسروں کے لیے چھوڑ دیجئے۔ ایاز قدر خود بشناس۔

یہ بھی ایک عجیب لطیفہ ہے کہ سُرخی یہ لکھی ہے کہ آیۂ مباہلہ سے خلافت نفس نبی کا ثبوت اور استدلال میں کہیں آیۂ مباہلہ کا ذکر تک نہ آیا اور نہ اس کا کوئی لفظ پیش کیا گیا، مگر آپ کو اس سے کیا سرکار جانتے ہیں کہ شیعوں کو اس پر تنبہ نہیں ہو سکتا اور وہ بے چون و چرا تسلیم کر لیں گے۔

اچھا مولوی صاحب آیئے ہم آپ کے سب مقدمات تسلیم کیے لیتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خدا کی سنت یہی ہے کہ وہ اپنے نبی کا خلیفہ خود بناتا ہے اور اس زمانہ کے افضل ہی کو منتخب کرتا ہے اور اللہ کی یہ سنت کبھی نہیں بدلی لہٰذا ضرور رسول خدا نے بحکم خدا اپنا خلیفہ افضل الناس کو بنایا اب آیئے دیکھیں کہ آپ نے اپنا خلیفہ کس کو بنایا۔ عن ابن عباسؓ قال جاءت امراۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسالہ شیئا فقال لہا تعودین فقالت یارسول اللہ ان عدت فلم اجدک تعرض بالموت فقال ان جئت فلم تجدینی فأتی ابابکر فانہ الخلیفۃ من بعدی۔

(تاریخ الخلفا بحوالہ ابن عساکر)

اور اس روایت کی تائید جبیر بن مطعمؓ کی متفق علیہ حدیث اور انسؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اپنے والد اور بھائی کو بلاؤ میں ایک تحریر لکھ دوں اس لئے کہ اندیشہ ہے کہ کوئی آرزو مند خلافت ہوس کرے اور کہے میں زیادہ مستحق ہوں۔ پھر فرمایا ہونے دو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ دوسرا خلیفہ ہو سکے۔ اللہ اور سارے مسلمان ابوبکرؓ کے سوا کسی کو نہ مانیں گے پس معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خدا اپنا خلیفہ ابوبکرؓ

کو بنایا اور ابوبکرؓ ہی افضل الناس تھے کہ معاذ اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ خدا کی سنت کو بدلیں اور مفضول کو خلیفہ بنائیں۔ پس مولوی اعجاز حسن صاحب کی اصطلاح میں آیۂ مباہلہ سے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت ثابت ہوگئی۔ ہاں مولوی صاحب جب اس کا ثبوت دیجئے گا کہ سنت اللہ یہ ہے کہ وہ اپنے نبی کا خلیفہ خود مقرر کرتا ہے تو ذرا اس کو بھی صاف کر دیجئے گا کہ کس طرح مقرر کرتا ہے۔ آیا کتاب آسمانی میں اس کا نام لے کر تصریح کرتا ہے کہ میرے نبی کے بعد یہ خلیفہ ہے یا اپنے نبی کو اسی کتاب میں حکم دیتا ہے کہ فلاں شخص کو اپنا خلیفہ غیر مشتبہ لفظوں میں بنا دو یا کسی وحی مخفی کے ذریعہ اپنے نبی کے دل میں القاء کرتا ہے کہ اس کو خلیفہ کر کے جاؤ یا کیا صورت ہوتی ہے۔ اس کے متعلق کیا سنت اللہ ہے اور اس کا ثبوت بھی کتاب اللہ یا حدیث متواتر سے پیش کیجئے۔

مولانا نے لکھا تھا ”شیعہ کہتے ہیں نفس رسول ہونا ایک ایسی فضیلت ہے جو حضرت علیؓ کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں“، اس پر مجادل نے لکھا ”بے شک“، لیکن اعجاز صاحب ہماری وہ تقریر جو ہم نے نفس رسول کی بحث میں پیش کی ہے، پڑھیں گے تو دوبارہ ”بے شک“ کہنے کی جرأت نہ کریں گے۔ اس لیے کہ نص قرآن سے کم از کم تین اشخاص کا نفس رسول ہونا ثابت ہو گا۔ اس لیے کہ مولانا نے لکھا تھا ”بعض شیعہ اس آیت سے حضرت علیؓ کا انبیائے سابقین سے افضل ہونا ثابت کرتے ہیں۔ مجادل صاحب فرماتے ہیں ہمت ہے تو ان کے استدلال کا جواب دیجئے۔ جواب تو بہت سہل ہے اور ایسا کہ آپ بھی سمجھ جائیں۔ وہ یہ کہ اگر حضرت علیؓ کا نفس رسول ہونا ثابت بھی ہو تو زیادہ سے مجازاً نفس رسول ہیں۔ یعنی نقلی نفس رسول، اور انبیائے سابقین حقیقۃً نفس رسول ہیں یعنی اصلی۔ ظاہر ہے کہ نقلی چیز ہمیشہ اصل سے کمتر ہوتی ہے۔ پس علی نقلی نفس رسول ہو کر اصلی نفس رسول سے کیوں کر افضل ہو سکتے ہیں۔

مولانا نے لکھا تھا ”سنت کہتے ہیں کہ اس سے حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کیسی مستحق خلافت بھی ثابت نہیں ہوتی ورنہ حضرت علیؓ تمام صحابہ سے

افضل ہونا ثابت ہے۔

(مجادلہ) آپ کے زعم میں ثابت نہیں۔ ورنہ واقع میں تو ثابت ہے۔ اس کے علاوہ توریت وغیرہ سے جناب خاتم الانبیاءؐ کی نبوت ثابت ہے۔ مگر یہود و نصاریٰ انکار کرتے ہیں تو بتائیے کہ آپ ان لوگوں کا انکار تسلیم کریں گے ہرگز نہیں۔ پھر ہم آپ کا انکار کیسے مان سکتے ہیں۔ اسی طرح دوسری بات بھی بالکل غلط ہے۔ بلکہ حضرت علی بنص رسولؐ تمام صحابہؓ سے افضل تھے اور وجوہ افضلیت ہم بیان کر چکے ہیں۔

(دفع) آیہ مباہلہ سے خلافت علی کا جو ثبوت آپ نے پیش کیا ہے اس کی قلعی اچھی طرح کھل چکی ہے۔ لیکن معاندین سے قبول حق کی توقع بے سود ہے۔ دیکھئے یہود و نصاریٰ نے اپنے جن عقائد باطلہ کو توریت و انجیل سے ثابت کرتے ہیں ان کی نسبت اہل اسلام نے ثابت کر دیا کہ توریت و انجیل کو ان عقائد سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن کتنے ہیں جو اپنی ہٹ دھرمی سے باز آئے۔ پس جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی ضد نہ چھوڑی اسی طرح آپ بھی نہ مانیں تو ہمارا کوئی نقصان نہیں۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ دوسری بات کی تغلیط بھی آپ کی نافہمی کی دلیل ہے۔ آپ نے جو وجوہ لکھے ہیں ان کی حقیقت منکشف ہو چکی ہے۔ اور ثابت ہو چکا ہے کہ ایک بھی افضلیت کی دلیل نہیں ہے۔ علاوہ بریں مولانا نے آیت سے ثبوت افضلیت علی کا انکار کیا ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ نفس رسولؐ سے علیؓ کی افضلیت ثابت ہے۔ سوال از آسمان وجواب از ریسمان کا مصداق ہے۔

مولانا نے لکھا تھا کہ جو استدلال شیعوں نے پیش کیا ہے۔ اس میں پہلی خرابی یہ ہے کہ استدلال شیعہ کی بنیاد آیت قرآنی پر نہیں ہے۔ بلکہ ایسی روایت پر ہے جو حد تواتر کو نہیں پہنچی ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ وغیرہ کو ساتھ لینے کا مضمون روایات ہی میں ہے۔

(مجادلہ) ہمارے استدلال کی بنیاد آیت پر بھی ہے کہ علامہ زمخشری و
ری کی گواہی اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کر چکے ہیں اور شان نزول کی
یت پر بھی۔ آپ کا یہ ارشاد کہ روایت حد تواتر کو نہیں پہنچی، بالکل غلط ہے اس
کہ ہمارے استدلال کا تعلق اس روایت سے ہے۔ جس کو آپ کے بکثرت محدثین
سرین نے تسلیم کیا ہے۔ حضرت ام المومنینؓ کی حدیث متفق علیہ اس کی تائید کرتی
ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا تواتر ہوگا۔

(دفع) اس کو کہتے ہیں سوال از آسمان و جواب از ریسمان۔ مرزائی صاحب
کمشری و نیشاپوری کی گواہی آپ نے اپنے کس دعوے پر پیش کی ہے۔ اور زمخشری
فیرہ نے کیا کہا ہے۔ انہوں نے آپ ہی کے بیان کے مطابق صرف اتنا کہا ہے
اآیت سے اصحاب کسا کی نفضیلت ثابت ہوتی ہے (پڑھیئے اپنی کتاب کا
ص۲۴) پس اگر یہی بات ہے کہ جس کی نفضیلت آیۂ مباہلہ سے ثابت ہو جائے وہ خلیفہ
بلا فصل ہے تو علیؑ کی کیا خصوصیت حسنؓ و حسینؓ و فاطمہؓ بھی خلیفہ بلا فصل ہیں۔ نیز نزد
یہ محل کلام ہے کہ آیت سے ان کی نفضیلت ثابت ہوتی ہے، جیسا کہ میں لکھ
چکا ہوں۔

ہاں شان نزول کی روایت پر بے شک آپ کی بنیاد ہے لیکن اس کے
تواتر کا دعویٰ حد درجہ مضحکہ خیز ہے۔ آپ کا یہ کہنا کہ اس کو اہل سنت کے بکثرت
محدثین نے تسلیم کیا ہے بالکل غلط ہے۔ آپ نے ایک محدث کا نام بھی نہیں لکھا ہے
نہ فن حدیث کی ایک کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ ہاں کتب تفسیر کا حوالہ ضرور ہے لیکن
روایات کے باب میں محدثین کے قول پر اعتماد ہے نہ مفسرین کے۔ علاوہ بریں ایک
حدیث کا چند کتابوں میں مذکور ہو جانا اس کے تواتر کے لیے کافی نہیں۔ جب تک
ابتدائے اسناد سے اس کے رواۃ اتنے کثیر نہ ہوں جن کا اتفاق کذب پر عادۃً
محال ہو۔ معلوم ہوتا ہے آپ کو تواتر کی تعریف بھی معلوم نہیں۔ تواتر تو بڑی چیز ہے
اس روایت کا اتصال و صحت ہی ثابت کرنا آپ کے بس کی بات نہیں۔ اگر ہمت

ہو تو جو روایت آپ نے کشاف سے نقل کی ہے اس کی ایسی سند پیش کیجیے
میں راوی اخیر سے لے کر واقعہ کے مشاہدہ کرنے والے تک کہیں انقطاع نہ
اور کوئی راوی ایسا مجروح یا مجہول نہ ہو جس کی روایت باصول محدثین مردود
پھر ابتداء سے انتہا تک ہر دور میں رواۃ کی اتنی کثرت ثابت کیجیے جن کا اتفا
غلط بیانی پر عادۃً محال ہو۔ اس کے بعد تواتر کا دعوےٰ کیجیے۔ آپ نے تو ابھی یہ بھ
نہیں بتایا کہ کشاف والی روایت کس کا مشاہدہ ہے۔ حدیث عائشہؓ کی تائید کا ذکر
اس سلسلہ میں بالکل بے سود ہے۔ میں ذکر کر چکا ہوں کہ حدیث عائشہؓ کو آیۂ مباہلہ
روایت مباہلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مولانا نے لکھا تھا "دوسری خرابی یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ اور حسنین
کو بلانا تو بلا اختلاف صحیح روایت میں ہے، مگر حضرت علیؓ کو بلانا اکثر صحیح روایات
میں نہیں ہے"۔

(مجادلہ) اکثریت کا دعوےٰ بالکل بے بنیاد ہے پھر ان کی صحت کا دعوےٰ
بناء فاسد علی الفاسد ہے۔

(دفع) اکثریت کا دعوےٰ کیوں بے بنیاد ہے۔ آپ ہی بتائیے کتنی روایتوں
میں علیؑ کا نام آیا ہے اور کتنے میں نہیں آیا ہے۔ اسی طرح حدیث کی صحت آپ کو مسلم
نہیں تو اس کے رواۃ پر جرح پیش کیجیے۔

مولانا نے لکھا تھا "جریر نے مغیرہ سے پوچھا کہ لوگ نجران کے نفعہ میں روایت
کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ بھی آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے"۔

(مجادلہ) یہ روایت کرنے والے مسلمان تھے یا کافر۔ اگر مسلمان تھے تو
ان کی روایت کے مقابلہ میں قول شعبی غلط اور مہمل ہے۔

(دفع) بہت ممکن ہے یہ لوگ شیعہ رہے ہوں۔ اسی لیے جریر نے کہا ہو
کہ شیعوں کا اعتبار کیا وہ تو یوں ہی بے سر پیر باتیں کہتے رہتے ہیں۔ اس لیے تحقیق
کرنی چاہیے کہ کوئی غیر شیعہ آدمی روایت کرتا ہے یا نہیں۔

مولانا نے لکھا تھا "وہ بولے شعبی نے علیؓ کا ذکر نہیں کیا۔"

(مجادلہ) بتایئے شعبی سچا ہے یا آپ کی صدیقہؓ جو موقع پر موجود تھیں، مگر شعبی اس وقت اپنے باپ کے دماغ میں بھی نہیں تھا۔

(دفع) حضرت صدیقہؓ کا نام آپ بے کار لیتے ہیں۔ انہوں نے کب کہا ہے کہ علیؓ واقعہ مباہلہ میں حضورؐ کے ساتھ تھے۔ ہمت ہو تو آپ یا آپ کی ساری جماعت اس کو حضرت صدیقہ کی حدیث کے الفاظ سے ثابت کرلے۔

مولانا نے لکھا تھا "پھر اسی تفسیر میں قتادہؒ سے ایک روایت منقول ہے جس میں علی کا ذکر نہیں ہے۔"

(مجادلہ) کیا یہ قتادہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے حضور خاتم الانبیاءؐ پر تہمت لگائی تھی کہ نماز میں سورۃ والنجم کی تلاوت کرتے وقت رسول اللہؐ کی زبان مقدس پر بتوں کی مدح میں شیطان نے یہ کلمہ جاری کرایا تھا۔ تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى۔

(دفع) مولوی صاحب قتادہ کا یہ بیان نہیں ہے بلکہ کلبی کا بیان ہے۔ جو شیعوں کے فرقہ سبائیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ قتادہ بے چارے نے تو اپنے فہم کے مطابق اس کے بیان کی توجیہ کی تاکہ وہ الزام سے بچ جائے۔ دیکھو تفسیر طبری میں صاف مذکور ہے کہ قتادہ نے اس روایت کی توجیہہ کی ہے۔ اور اگر انہوں نے روایت بھی کی تو ان پر الزام بہتان طرازی ایک بیہودہ بات ہے۔ جب کہ وہ بیان کرتے ہوں کہ میں نے فلاں سے سنا ہے۔ مولوی صاحب آپ میں بڑا عیب ہے کہ آپ ائمہؒ پر بے باکانہ حملے کرتے ہیں اور چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق بنتے ہیں۔ اگر ہم بھی آپ کے ائمہ علم پر اسی آزادی کے ساتھ گفتگو کریں تو آپ ہر کس و ناکس کے آگے روتے پھریں گے۔ تو پھر آپ ہمارے ائمہؒ علم پر کیوں اس طرح حملے کرتے ہیں۔ قرآنی تعلیم کا ایک ذرہ برابر بھی آپ کو احترام ہوتا تو میں بتاتا کہ قرآن یہ تعلیم دیتا ہے۔ ومن يكسب خطيئة او اثما ثم يرم به بريئا فقد احتمل بهتانا و

انما مبینا۔

بہرحال قتادہ کا دامن اس الزام سے یکسر پاک ہے۔

مولانا نے لکھا تھا "دوسری خرابی یہ ہے کہ روایت سے اگر ثابت ہوتا ہے تو صرف اتنا کہ آنحضرت ؐ نے ان حضرات کو بلایا تھا۔"

(مجادلہ) آپ نے اس وقت تک کوئی روایت نہیں لکھی ہے جس سے نفس نبی کا بلایا جانا ثابت ہو۔

(دفع) دروغ گویم بر روئے تو۔ مولانا ابن عساکر کی روایت صـ۵ میں لکھ چکے ہیں جس میں علیؑ کا ذکر ہے۔ اتنا سفید جھوٹ نہ بولیے۔ اس کے بعد آپ کا یہ فرمانا بھی کہ "وہ آپ تو حضرت علی کی موجودگی مباہلہ کے منکر ہیں"، بالکل غلط ہے۔ مولانا تو یہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کا ذکر اکثر صحیح روایتوں میں نہیں ہے۔ اور اس کو آپ خود مولانا کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں، مگر دروغ گورا حافظہ نباشد۔

مولانا نے لکھا تھا "رہا یہ قول کہ انفسنا سے حضرت علیؓ اور فلاں لفظ سے فلاں مراد ہے روایت میں نہیں ہے۔ ان الفاظ کی مراد جس شخص نے بیان کی ہے اپنی رائے سے بیان کی ہے۔ حدیث کی طرف منسوب کرنا یا رسول اللہؐ سے منقول کہنا کذب و بہتان ہے۔"

(مجادلہ) الفاظ آیت کے جو معانی تھے۔ ان ہی کو رسول اللہؐ نے بلایا تھا۔ ورنہ آپ کے منصوبہ کے لحاظ سے رسول اللہؐ پر دو جرم عظیم قائم ہوں گے۔ اول فعل عبث دوم غلط فہمی ...... رسول اللہ نے حکم الٰہی کے امتثال کے لیے مباہلہ میں شریک ہونے کے واسطے جن حضرات کو بلایا تھا۔ وہی حضرات آپ کی حدیث قولی سے آیت کے معانی مقصودہ قرار پاگئے۔

(دفع) مولوی صاحب آپ بھی عجیب مخلوق ہیں۔ کوئی سیدھی بات بھی آپ کے ذہن میں نہیں آتی۔ سمجھ میں نہیں آتا آپ نے کیا پڑھا پڑھایا ہے۔ اجی حضرت آپ نے تفسیر آیت مباہلہ کا جواب لکھ ڈالا اور اب تک خبر نہیں کہ آیت

ابلہ میں حضرت رسول خدا کو اللہ نے کیا حکم دیا ہے۔ خیر آپ معذور ہیں یہ سنئے! اللہ تعالےٰ نے آیت مباہلہ میں اپنے رسولؐ کو اس حکم کی تخصیص نہیں کی کہ "وہ اپنے انفس اور ابناء و نساء کو بلائیں" بلکہ اس حکم کی تخصیص کی ہے کہ "اہل کتاب سے کہیئے کہ ہم اور تم اپنے انفس و ابناء و نساء کو بلائیں پھر بعاجزی دعا کریں" آیہ کریمہ فقل تعالوا ندع ابناء نا وابناء کم ونساء نا ونساء کم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل الآیہ۔ ترجمہ لفظی کسی ترجمہ میں ملاحظہ کیجئے۔ پس جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے مذکورۂ بالا بات کہہ دی۔ امتثال امر الٰہی ہو گیا۔ ہاں آیت سے اشارۃ یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جب یہ حکم آپ سنا لیں اور وہ آمادہ ہو جائیں۔ تو آپ اپنے انفس و ابناء و نساء کو بلایئے۔ لیکن اس کا موقع ہی نہیں آیا۔ اس لیئے کہ اہل کتاب آمادہ نہ ہوئے پس میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کی عبارت منقولہ بالا میں امتثال حکم الٰہی سے حکم ثابت بالنص مراد ہے یا ثابت بالاشارہ اگر اول ہے تو ثابت کیجئے کیا وجہ ہے کہ اگر رسول اللہؐ حضرات مذکورین کو نہ بلاتے تو امتثال حکم نہ ہوتا باوجود اس میں تو آپ صرف کہنے کے مامور ہیں۔ اور اگر دوسرا مراد ہے تو ثابت کیجئے کہ نصاریٰ آمادۂ مباہلہ ہوئے اور وقت آیا۔ تب آں حضرتؐ نے ان حضرات کو بلایا۔

پس جب کہ امتثال امر الٰہی میں حضرات مذکورہ کے بلانے کو کوئی دخل نہ تھا تو سید الانبیاء پر (معاذ اللہ) غلط فہمی کا جو الزام آپ نے قائم کیا تھا وہ خود آپ کی پیشانی کے لیئے کلنگ کا ٹیکہ بن گیا۔

اب رہا یہ کہ جب مباہلہ کا وقت ہی نہیں آیا تھا تو آنحضرتؐ نے حضرات مذکورین کو ساتھ کیوں نہیں لیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا اس کی وجہ بحث میں لفظ نساءنا کی بحث کے ماتحت ذکر کر دی ہے اور اگر بالفرض اس کی وجہ ذکر نہ کی گئی ہو تو بھی آنحضرتؐ پر الزام ارتکاب عبث عائد نہیں ہو سکتا تھا کہ آنحضرتؐ کے کسی فعل کی حکمت امتیوں کے فہم میں نہ آئے تو سارا ذمہ قصور فہم پر ہے

کا الزام دینا سہل ہے۔ لیکن اس کی جرأت نہیں کی جا سکتی کہ رسولؐ کے فعل کو خالی از حکمت کہا جائے۔ اعجاز صاحب کی یہ جرأت قابل صد نفرین ہے کہ ان کو جس فعل کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی اس کو بے باکی سے عبث کہہ دیتے ہیں۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔

(مجادلہ) اور آپ خود بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرات آل عبا کو مباہلہ میں شرکت کے لیئے دعوت دی تھی۔ پس آپ کی تسلیم کی بنا پر آل عبا الفاظ آیت کے معانی ہو گئے۔

(دفع) یہ صریح افترا ہے۔ مولانا نے کہیں نہیں لکھا ہے کہ مباہلہ میں شرکت کے لیئے آل عبا کو دعوت دی تھی۔ آپ نے مولانا کی عبارت خود بھی نقل کی ہے لیکن اتنی خبر نہیں کہ اس میں کیا ہے۔ اور آگے چل کر تو مولانا نے اس کو بہت صاف کر دیا ہے۔ (دیکھو تفسیر آیت مباہلہ ص۱۱)

(مجادلہ) حضرت ام المؤمنین عائشہؓ نے اور دیگر صحابہؓ نے اپنے کانوں سے سنا کہ رسول اللہؐ نے آل عبا کو بلایا۔

(دفع) خالص بہتان ہے۔ ام المؤمنینؓ کی جو روایت مولوی اعجاز صاحب نے لکھی ہے۔ اولاً تو اس کو آیت مباہلہ سے اصلاً تعلق نہیں ہے کما مر انفا اور اگر بالفرض کفرض المحال تعلق ہو بھی تو اس میں رسول اللہؐ کے بلانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اعجاز صاحب اپنی لکھی ہوئی باتیں بھی نہیں سمجھتے۔ اسی طرح کشاف سے جو روایت نقل کی ہے اس میں بھی بلانے کا کوئی ذکر نہیں ہے لہٰذا یہ کہنا کہ صحابہ نے اپنے کانوں سے سنا کہ رسول اللہؐ نے آل عبا کو بلایا، کذب صریح ہے، ورنہ اعجاز صاحب روایات مذکورہ میں اس کی تصریح دکھائیں۔

(مجادلہ) ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے آل عبا کو آپ کے ہمراہ دیکھا۔ پھر اس کی روایت فرمائی۔ تو ان کی روایت رسول اللہؐ کی حدیث فعلی سے منقول ہوئی۔

(دفع) یہ عجیب چیستان ہے۔ اجی جناب! آل عبا کو رسول اللہؐ کے ہمراہ دیکھ
اس کی روایت کرنے سے تفسیر الفاظ مذکورہ کا رسول اللہؐ سے منقول ہونا کیوں
لازم آیا۔ صاف کہیئے اور غور کر کے کہیئے۔ آل عبا کو ہمراہ لینے کا بیان تو خود
یث فعلی ہے۔ اب بتلایئے کہ اس سے کیا چیز منقول ہوئی ہے اور کیوں کر
ول ہوئی۔

لطیفہ۔ مولوی اعجاز صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انفسنا سے علیؓ اور
ں لفظ سے فلاں کا مراد ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قولی و فعلی
نوں سے ثابت ہے۔ حدیث قولی سے یوں ثابت کرتے ہیں کہ جب خدا
نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا کہ مباہلہ میں شرکت کے لیئے اپنے ابناء و نساء اور انفس
بلائیں۔ پس رسول اللہؐ نے حکم الٰہی کے امتثال کے واسطے جن حضرات کو بلایا تھا
ں حضرات آپ کی حدیث قولی سے الفاظ آیت کے معانی مقصودہ قرار پا گئے
اعجاز صاحب کے زعم میں رسول اللہؐ کا آل عبا کو بلانا ایک حدیث قولی ہے جس
الفاظ مذکورہ کی مراد بیان کی گئی ہے جل جلالہ آج تک آپ کو یہ معلوم نہ ہوسکا
حدیث قولی کس کو کہتے ہیں۔ کیوں جناب! جن احادیث میں یہ مذکور ہے کہ
ل خدا صلی اللہ علیہ وسلم فلاں وقت فلاں دعا پڑھتے تھے اور فلاں نماز میں فلاں
ت پڑھتے تھے وہ حدیثیں آپ کی تحقیقات میں فعلی ہیں یا قولی۔ اگر ان کو
آپ قولی سمجھتے ہیں۔ تو ذرا مہربانی کر کے قولی و فعلی کی جامع مانع تعریف کر
ئے۔ پھر خیریت ہے کہ جب بلانا حدیث قولی ہے تو آمین کہنے کی فرمائش کرنا
حدیث کیسے ہوگی۔ سنیئے! مولوی صاحب۔ آل عبا کو بلانا بھی اگر ثابت ہو
ث فعلی ہے۔ انفسنا وغیرہ کی تفسیر حدیث قولی سے یوں ثابت ہوگی کہ آپ
ایسی روایت پیدا کریں کہ جس کا مضمون یہ ہو کہ فلاں صحابی نے رسول اللہ صلی
علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ انفسنا کی مراد علیؓ اور ابناءنا کی مراد حسنینؓ اور نساءنا
و فاطمہؓ ہیں۔

اتنا بتانے کے بعد آئیے اب میں آپ کو یہ بتاؤں کہ آپ نے مولانا کے تیسرے اعتراض کا جواب تو لکھ مارا۔ لیکن آپ نے اس اعتراض کا مطلب بھی سمجھا؟ سنیئے۔ مولانا یہ فرماتے ہیں کہ فرض کر لیجئے رسول اللہؐ نے حضرات مذکور الصدر کو بلایا اور ساتھ لے کر چلے۔ اور یہ بھی تسلیم کر لیجئے کہ ان سے آمین کہنے کی فرمائش بھی کی۔ لہٰذا یہ بھی مان لیجئے کہ آیت میں یہی لوگ مراد ہیں۔ بایں ہمہ ان امور مذکورہ سے یہ کیوں کر ثابت ہوا کہ لفظ انفسنا سے علیؓ اور ابناءنا سے حسنینؓ اور نساءنا سے فاطمہ رسول اللہؐ کے نزدیک مراد ہیں۔ روایت میں اس کا ذکر تو نہیں ہے کہ رسول اللہ نے ان الفاظ کی یہی مراد بیان کی یا ان الفاظ سے حضرات مذکورین کو بہ تفصیل بالا مراد لے کر ساتھ لیا۔ پس جس شخص نے بھی ان الفاظ کی مراد کی تعیین کی ہے اس نے اپنی رائے سے کی ہے۔ اس تقریر کو سننے کے بعد آپ اپنا جواب پڑھیئے۔ تو معلوم ہوگا کہ اس کو اس اعتراض سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے کہ آپ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول خدا نے ان حضرات کو بلایا اور ساتھ لے کر آمین کہنے کی فرمائش کرتے ہوئے چلے۔ اور ظاہر ہے کہ جو لوگ معانی آیت ہوں گے انہیں کو بلایا اور ساتھ لیا ہوگا۔ پس رسول اللہؐ کی حدیث قولی و فعلی دونوں سے ثابت ہو گیا کہ یہی لوگ معانی آیت تھے۔ پس آپ کے اس جواب سے صرف اتنی بات بالاجمال ثابت ہوئی کہ یہی لوگ آیت میں مراد ہیں۔ لیکن یہ تفصیل کہ انفسنا سے علیؓ اور ابناءنا سے حسنینؓ اور نساءنا سے فاطمہ مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل کسی چیز سے بھی ثابت نہیں ہوتی اور نہ تا حشر ہو سکتی ہے۔ حالانکہ اسی کی ضرورت ہے اور یہی مولانا کا اعتراض تھا۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ جب اتنا ثابت ہو گیا کہ آیت میں یہی حضرات مراد ہیں تو اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں کہ انفسنا سے علیؓ اور ابناءنا سے حسنینؓ اور نساءنا سے فاطمہؓ مراد ہوں۔ اس لیے کہ میں کہوں گا کہ اولاً اگر آپ کا یہ فرمانا درست بھی ہو تو یہ آپ کی رائے اور قیاس ہے۔ لہٰذا الفاظ ثلٰثہ کی علیحدہ علیحدہ تعیین مراد رائے و قیاس سے ہوئی نہ حدیث قولی و فعلی سے۔ ثانیاً

آپ نے جو صورت بیان کی ہے وہی متعین نہیں ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ لفظ ابنائنا سے حسنینؓ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی مراد ہوں، جیسا کہ علامہ آلوسی بغدادی نے روح المعانی صفحہ ۲۰۳ جلد ۱ میں لکھا ہے۔ ویجعل الامیر داخلا فی الابناء وفی العرف یعد الختن ابناء من غیر ریبۃ۔ پھر مولانا روایت نازل نزول یا اور کسی حدیث قولا یا فعلی سے یہ ہرگز ثابت نہیں کہ الفاظ ثلثہ میں سے فلاں خاص لفظ سے فلاں مخصوص شخص اور فلاں لفظ سے فلاں مراد ہے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ آپ اس تیسری خرابی کو دفع کرنے کے بجائے اور بہت سی خرابیوں کے دلدل میں پھنس گئے۔

مولانا نے لکھا تھا "چوتھی خرابی یہ ہے کہ لفظ انفسنا سے حضرت علیؓ کے مراد ہونے پر مفسرین اہل سنت کا اجماع بیان کرنا بھی خالص بہتان ہے، بلکہ تمام محققین مفسرین اس کے خلاف ہیں۔"

(مجادلہ) بالکل غلط ہے کہ تمام مفسرین ہمارے خلاف کہتے ہیں کہ گیارہ محققین اہل سنت کی گواہیاں ہم سابق میں لکھ چکے ہیں جنہوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ رسول اللہؐ نے آل عبا کو اپنے ہمراہ لیا تھا۔ پس اگر آپ ان حضرات کو الفاظ آیت کے معانی تسلیم نہ کریں گے تو آپ کی طرف سے رسول اللہؐ پر جرم عصیان امر الٰہی قائم ہو گا۔

(دفع) کیا الٹی سمجھ ہے۔ مولانا تو تمام محققین مفسرین کو مخالف بتا رہے ہیں۔ یعنی ان مفسروں کو جن کو درجہ تحقیق حاصل ہے۔ اور آپ تمام مفسرین کو سمجھ رہے ہیں اور شاید زبردستی سے ایسا کر رہے ہیں۔ اور یہی کہ آپ مولانا کی عبارت میں لفظ محققین مفسرین کے مابین "و" اور "سے" کے لفظ کا اضافہ کر کے محققین اور مفسرین نقل کرتے ہیں اور خیانت فی النقل کے مجرم بنتے ہیں۔

دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ آپ دعوے تو یہ کرتے ہیں کہ "وہ بالکل غلط ہے کہ تمام مفسرین ہمارے خلاف ہیں" اور دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ گیارہ محققین اہلسنت کی گواہیاں ہم پیش کر چکے ہیں۔ کوئی آپ سے پوچھے کہ اجی حضرت! اہل سنت یا

یا محقق اہلسنت ہونے سے مفسر ہونا کیوں کر لازم آتا ہے۔ اور جب تک یہ ثابت نہ ہو گا۔ تقریب نا تمام رہے گی۔ اس لیئے کہ دلیل دعوے سے اہم ہے۔

تیسرا لطیفہ یہ ہے کہ چونکہ ان گیارہ اشخاص نے ذکر کیا ہے کہ رسول خدا نے آل عبا کو ہمراہ لیا تھا۔ اس لیے اعجاز صاحب کے زعم میں اس ذکر کرنے سے ثابت ہو گیا کہ ان حضرات کے نزدیک انفسنا کی مراد علیؑ ہیں۔ سبحان اللہ! کیا استدلال ہے۔ اعجاز صاحب کی خوش فہمی کے ساتھ ان کی قوت استدلال کی بھی داد نہیں دی جا سکتی۔ اس استدلال کی خوبیوں کو میں پہلے ظاہر کر چکا ہوں۔ اعجاز صاحب کی اس تحقیق جدید کی بھی قدر کیجئے کہ صاحب تفسیر حسینی جیسے لوگ محققین اہل سنت کی صف بیان ہیں میں اس کو بھی واضح کر چکا ہوں کہ آیت کے خاص خاص الفاظ سے مخصوص اشخاص کے مراد نہ لینے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ اور جو شخص حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر اس صورت میں کوئی جرم قائم کرتا ہے (خاکش بدہن) وہ سخت دریدہ دہن دگستاخ ہے۔

مولانا نے لکھا تھا "تفسیر طبری کا صـ۱۹۲ جلد ۳ میں ہے۔ ہم نہیں مانتے کہ انفسنا سے جناب امیر مراد ہیں، بلکہ اس سے خود آنحضرتؐ مراد ہیں"

(**مجادلہ**) جابر انصاری کی چشم دید شہادت کے مقابلہ میں ایسے شخص کا قول جو واقعہ مباہلہ سے صدہا برس بعد پیدا ہوا، ہرگز قابل التفات نہیں ہے۔ اس خرافات سے رسول اللہؐ پر غلط فہمی کا جرم قائم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نے لفظ انفسنا کے معنے غلط سمجھے کہ حضرت علیؑ کو ہمراہ لیا۔ طبری کے قول کے لحاظ سے حضرت کو تنہا جانا لازم ہے۔

(**دفع**) —

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

ہم بار بار بتا چکے کہ روایت سے اس سے زیادہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہؐ نے آل عبا کو ہمراہ لیا لیکن اس سے یہ کیوں کر ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نے انفسنا

سے علی کو مراد لیا۔ یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ ابناءنا کی مراد میں علیؓ کو داخل مان کر ساتھ لیا ہو پس معلوم ہوا کہ حضرت جابر کی چشم دید شہادت اور طبری کے قول میں تخالف نہیں ہے اور نہ طبری کے قول سے (معاذ اللہ) تکذیب خاتم الانبیاء لازم آتی ہے اور نہ آنحضرتؐ پر کوئی الزام عائد ہوتا ہے۔ بلکہ یہ دونوں باتیں اعجاز صاحب کی خوش فہمی کے نتائج بد ہیں۔ ہاں طبری کے قول کی تائید علامہ آلوسی بغدادیؒ نے بھی کی ہے۔

مولانا نے اس کے بعد معالم التنزیل کی یہ عبارت نقل کی ہے۔ قیل ابناءنا اراد الحسن والحسین ونساءنا فاطمۃ وانفسنا عنی نفسہ وعلیا والعرب تسمی ابن عم الرجل نفسہ کما قال اللہ تعالیٰ ولا تلمزوا انفسکم یرید اخوانکم وقیل ھو علی العموم لجماعۃ اھل الدین۔ اور اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ ابناءنا سے حسنؓ و حسینؓ اور نساءنا سے حضرت فاطمہؓ اور انفسنا سے خود آپ اور علیؓ مراد ہیں۔ اہل عرب اپنے چچا کے بیٹے کو نفس کہہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ نہ طعنہ دو اپنے نفسوں کو۔ یہاں مراد نفس سے بھائی ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ الفاظ اپنے عموم پر ہیں۔ تمام اہل دین مراد ہے۔

(مجادلہ) آپ نے فقرہ قیل ابناءنا اراد الخ کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ اس لیئے اس ترجمہ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان الفاظ آیت سے مذکورہ حضرات کس نے مراد لیئے اور صیغہ اراد و عنی کہ دونوں فعل ماضی معروف ہیں۔ ان کا فاعل کون ہے۔

(دفع) مولوی صاحب! اگر اسی کا نام غلط ترجمہ کرنا ہے تو آپ نے فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین کا ترجمہ غلط کیا ہے کہ لفظ من کا ترجمہ نہیں کیا اور ساجدین کے ترجمہ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ حال ہے۔ اسی طرح وعھدنا الی ابراھیم واسمٰعیل کا ترجمہ ہم نے ابراہیم و اسمٰعیل سے عہد لیا غلط ہے۔ ارے جناب! مولانا نے عبارت معالم کا لفظی ترجمہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس کا حاصل بیان ہے اور حاصل مطلب میں ہر ہر لفظ کا ترجمہ ضروری

نہیں ہے۔

(مجادلہ) قول مذکور آپ کے ہم مذہب کا ہے اور بغوی نے اس کو رد نہیں کیا، لہٰذا اس کی صحت مسلم ہو گئی۔ حالانکہ یہ معنی آپ کے زعم میں غلط ہیں اور آپ نے سابقاً لکھا کہ لفظ انفسنا سے کسی مفسر نے حضرت علیؑ کو مراد نہیں لیا۔ کہ تمام مفسرین اس کے خلاف ہیں۔ اب فرمایئے یہ سنی مفسر کہاں سے آ گیا۔

(دفع) مولوی صاحب! آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ جو بات کہتے ہیں، بے تکی کہتے ہیں۔ بغوی نے وہ قول نقل کیا اور رد نہیں کیا۔ تو اس کی صحت مسلم ہو گئی۔ لیکن اس کے بعد دوسرا قول نقل کیا اور اس کو بھی رد نہیں کیا تو اس کی صحت مسلم نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کی نسبت آپ نے صاف صاف لکھ دیا کہ یہ قول غلط ہے۔ (ص۴۳)

ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

پھر یہ بھی آپ کا بے تکا پن ہی ہے کہ مولانا پر نہایت دیدہ دلیری سے اس قول کا افترا کرتے ہیں کہ مد کسی سنی مفسر نے لفظ انفسنا سے حضرت علیؑ کو مراد نہیں لیا کہ تمام مفسرین اس کے خلاف ہیں،، حالانکہ مولانا نے یہ ہرگز نہیں لکھا ہے بلکہ یہ لکھا ہے کہ تمام محققین مفسرین اس کے خلاف ہیں (ص۶) اس سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی غیر محقق مفسر لکھے تو ہم اس کی نفی نہیں کرتے۔ پس آپ ثابت کیجئے وہ جس کا قول ہے وہ محقق مفسر ہے۔ تب مولانا کی تغلیط ہو سکے گی۔ ودون اثباتہ خرط القتاد۔

(مجادلہ) فقرہ قیل ہو علی العموم الخ تفسیر معالم التنزیل میں نہیں ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ فقرہ مذکورہ ہم نے تفسیر خازن بغدادی میں دیکھا ہے۔

(دفع) اُف یہ ڈھٹائی اور بے غیرتی! آپ کے رسالہ کے ص۲۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ لکھتے وقت آپ کے پیش نظر خازن کا وہی نسخہ ہے جس کے حاشیہ پر بغوی کی معالم التنزیل ہے۔ اور اسی نسخہ کے ص۳۰۲ میں آپ نے شان نزول کی روایت خازن و بغوی دونوں میں پڑھی ہے۔ ظاہر ہے کہ اسی نسخہ خازن میں آپ نے فقرہ مذکورہ

بھی دیکھا ہوگا۔ پھر حیرت ہے کہ آپ کیسے کہتے ہیں کہ معالم التنزیل میں یہ فقرہ نہیں ہے۔ حالانکہ وہ اسی صـ۳۰۲ جلد۱ میں موجود ہے۔ دیکھیے معالم التنزیل بغوی برحاشیہ خازن صـ۳۰۲ جلد۱ سطر۵۔ اب بتایئے اس میں مولانا کا کیا قصور ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

کہیے اب بھی آپ کو اپنی بے بصری و کوتاہ نظری کا یقین ہوا یا نہیں۔

(مجادلہ) ثانیاً اس کے ترجمہ میں یقیناً خیانت مجرمانہ کی گئی ہے۔ شکوری ترجمہ کے لحاظ سے فقرۂ مذکورہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آیۂ مباہلہ کے تینوں لفظ یعنی ابناءنا اور نساءنا اور انفسنا اپنے عموم پر باقی ہیں اور ان تینوں لفظوں سے جماعت اہل دین مراد ہے۔ حالانکہ سلف سے خلف تک کوئی سنی اس کا قائل نہیں۔ . . . بلکہ اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ انفسنا عام جماعت اہل دین کے لیے ہے۔

(دفع) مولوی صاحب! میں پھر کہتا ہوں کہ آپ اس میدان کو چھوڑیئے آپ جس قدر اظہار قابلیت کریں گے اتنی ہی آپ کی کم سوادی نمایاں ہوتی جائے گی۔ آپ کو یہ تو نظر آیا کہ ھو واحد ہے۔ اس لیے تین لفظوں کی طرف کیسے راجع ہوگا۔ لیکن یہ سمجھ میں نہ آیا کہ جب ھو واحد مذکر ہے تو انفسنا جمع (بحکم مؤنث) کی طرف کیسے راجع ہوگا یا آپ اب تک لفظ النفس کو واحد مذکر سمجھے ہوئے ہیں۔ پس اگر آپ کہیں کہ گو وہ جمع ہے لیکن بتاویل لفظ ہو کر ھو کا مرجع بن گیا ہے تو میں کہوں گا کہ اسی طرح گو وہ تین لفظ ہیں۔ مگر بتاویل کل واحد منہا یا ماذکر ہو کر ھو کا مرجع بنے ہیں۔ جیسا کہ آیت شریفہ وان کان رجل یورث کلالۃ اوامرأۃ ولہ اخ او اخت میں لہ کی ضمیر واحد مذکر کا مرجع مرد وعورت دونوں ہیں۔ باقی آپ نے جو اس فقرہ کا مطلب لکھا ہے۔ اس کو ذوق سلیم کسی طرح نہیں قبول کر سکتا۔ اس لیے کہ دوسرا قیل پہلے قیل پر معطوف ہے اور پہلا قیل الفاظ ثلثہ کی شرح وتفسیر کے بیان کی غرض سے مذکور ہے۔ پس دوسرا بھی اسی غرض کے لیے سمجھا جائے

گا۔ اور اگر صرف انفسنا کی تفسیر دوسرے قبیل سے منظور ہوتی۔ تو اس کو صاف کر کے وقیل انفسنا علی العموم الخ کہتے تاکہ ایہام خلاف مقصود لازم نہ آئے۔

(مجادلہ) یہ قول غلط ہے۔ اس لیئے کہ اس کی تائید نہ قول صحابی سے ممکن ہے اور نہ کسی ام المؤمنینؓ سے اور نہ رسول خداؐ کی قولی یا فعلی حدیث سے۔۔۔۔۔۔۔

بلکہ اس کی وجہ سے رسول اللہؐ پر جرم عصیان امر الٰہی قائم ہوتا ہے۔ کہ قائل کے زعم میں خدا نے آپ کو ساری جماعت اہل دین کو بلانے کا حکم دیا تھا۔ مگر آپ نے ایک شخص کو بھی صحابہ سے نہیں بلایا۔

(دفع) کسی تفسیر کی تغلیط صرف اس بنا پر کہ وہ قول صحابہؓ سے یا حدیث رسولؐ سے مؤید نہیں ہے جہالت ہے۔ مولانا نے اس کو مفصل تفصیل سے لکھا ہے۔ اور تفسیر مذکور کی بنا پر یہ کہنا کہ رسول اللہؐ پر (معاذ اللہ) الزام آتا ہے نافہمی اور بے باکی ہے۔ ہم پہلے اس کو بوضاحت لکھ چکے ہیں۔ اگر مدعی الزام رافضی میں ہمت ہو تو آیت میں یہ دکھائے کہ رسول اللہؐ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ ابناء و نساء و انفس کو بلاییے۔ آیت میں تو یہ مذکور ہے کہ اہل کتاب سے کہیئے کہ آؤ بلائیں الخ) اور اگر بلانے کا حکم ہو بھی تو چونکہ اہل کتاب نے منظور نہ کیا اس لیئے بلانے کی ضرورت نہ تھی اور جتنے حضرات کو بلایا تھا۔ اس سے مقصود اپنی طرف سے اظہار آمادگی یا بقول مولانا تسلی و تشفی تھی۔ اور تعجب ہے کہ اعجاز صاحب تو کہتے ہیں کہ آپ نے کسی صحابی کو نہیں بلایا اور ان کے امام معصوم امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ اور ان کی اولاد کو بھی لے کر گئے (ابن عساکر) بتلایئے ہم آپ کی مانیں یا آپ کے امام معصومؒ کی۔

مولانا نے لکھا تھا (تفسیر جلالین میں ان لفظوں کی مراد کچھ بیان نہیں کی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک الفاظ آیت کے وہی معنی مراد ہیں جو لغت عرب سے سمجھے جاتے ہیں)۔

(مجادلہ) آپ کی زبانت ہے کہ تفسیر جلالین میں الفاظ آیت کے معانی

تلاش کیے۔ حالانکہ یہ تفسیر حل معانی کے لیے وضع نہیں ہوئی ہے اور نہ اس میں تفسیری مطالب بیان ہیں بلکہ اس تفسیر میں اعراب الفاظ اور تراکیب کلمات اور وجوہ قرأت سے بحث کی گئی ہے۔ بیان مطالب و معانی سے اس تفسیر کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اس تفسیر میں قرآن کے ہزاروں الفاظ درج نہیں ہوئے چنانچہ پوری آیت مباہلہ بھی اسی تفسیر میں موجود نہیں الخ۔

(دفع) انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ظہور حشر نہ ہو کیوں کہ کلچڑی گنجی | حضور بلبل بستان کرے نواسنجی

آپ تو الباحث عن حتفہ بظلفہ کے پورے مصداق ہو گئے۔

یعنی آپ باایں ہمہ بے خبری و کوتاہ نظری مولانا کو یہ الزام دینے لگے کہ ان کو خبر نہیں جلالین میں کیا ہے۔ حالانکہ مولانا نے نہ صرف اس کو سبقاً سبقاً پڑھا ہے بلکہ آپ سے بدرجہا بہتر و برتر قابلیت و شخصیت و شہرت کے انسانوں کو بارہا پڑھایا بھی ہے۔ بلکہ ان میں سے بعض کا تو آج ہندوستان میں طوطی بولتا ہے اور بہتیرے ان کی امامت تسلیم کرتے ہیں۔ اس لیے مولانا پہ بے خبری کا الزام آفتاب پر خاک ڈالنا ہے۔ بہرحال اس الزام سے مولانا کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا لیکن آپ کی واقفیت آپ کے مبلغ علم اور آپ کی وسعت نظر کے تمام خط و خال ایک ایک کر کے نمایاں ہو گئے۔ اور معلوم ہو گیا کہ آپ نے اب تک اپنی آنکھوں سے جلالین کی صورت نہیں دیکھی اور جہل مرکب سے کسی دوسری کتاب کو جلالین سمجھے ہوئے ہیں۔ جلالین میں الفاظ قرآن کے معانی، تفسیری مطالب سب مذکور ہیں اور قرآن کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو اس میں مذکور نہ ہو اور آیت مباہلہ بھی پوری پوری بجمیع الفاظہا مذکور ہے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ جلالین کے چند مختلف نسخوں کا حوالہ دیتا ہوں ان کو ملاحظہ فرمایئے اور غیرت ہو تو چلو بھر پانی میں ڈوب مریئے۔ دیکھیے جلالین مطبوعہ نظامی دہلی ص۵۱ سطر ۲۔ جلالین مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص۵۱ سطر ۲ مطبوعہ ۱۹۰۹ء۔ جلالین مطبوعہ مصر ص۵۲ سطر ۲۷۔ جلالین مطبوعہ

مجتبائی دہلی ص۱۵ سطر۲۔

اور سنیئے تفسیر کبیر تو تفسیری مطالب کے لیئے وضع ہوئی ہے۔ اس میں بھی الفاظ مذکورہ کی شرح نہیں کی ہے۔

مولانا نے لکھا تھا۔ تفسیر کشاف میں ہے۔ ندع ابناء نا وابنائکم ای یدع کل منی ومنکم ابنائہ ونسائہ ونفسہ الی المباھلۃ۔ تفسیر مدارک میں بالکل کشاف کا تتبع ہے اور تفسیر بیضاوی میں ہے۔ یدع کل منا ومنکم نفسہ واعزۃ اھلہ۔

(مجادلہ) ہم نے کشاف سے آیہ کے نزول کی روایت صحیحہ نقل کی ہے۔ صاحب کشاف نے اس کو تسلیم کر لیا ہے اور یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ آیۂ مباہلہ سے بڑھ کر آل عبا کی فضیلت پر کوئی چیز نہیں ہے، لہٰذا الفاظ مرقومہ کے وہی معنی لیئے جائیں گے جو شان نزول کی روایت میں موصوف نے تسلیم کیئے ہیں۔ تفسیر مدارک کا مضمون بھی ہمارا مؤید ہے اور تفسیر بیضاوی سے بھی ہمارا مطلب ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ کے عزیز ترین اہل سوائے آل عبا کے اور اشخاص نہ تھے۔ ورنہ رسول اللہؐ ان کو بھی ہمراہ لیتے۔

(دفع) پھر وہی بے تکا پن۔ اجی حضرت زمخشری نے شان نزول کی روایت نقل کی اور کہہ لیجیئے کہ صحیح بھی تسلیم کیا اور آیت کو فضیلت آل عبا پر دال بھی مانا لیکن اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ ان کے نزدیک انفسنا کی مراد حضرت علیؑ ہی ہیں۔ یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ انفسنا کی مراد کو وہ عام رکھتے ہوں اور اس کے عموم میں حضرت علیؓ اور ان کے غیر سب کو مانتے ہوں۔ اس صورت میں روایت شان نزول سے کوئی تخالف نہ رہے۔ اس لیئے کہ روایت علیؑ تعیین پر دلالت نہیں کرتی۔ اور یہی چیز جس کو میں نے بر سبیل احتمال ذکر کیا ہے۔ اسی کو انہوں نے الفاظ مرقومہ بالا میں بیان کیا ہے جس کو آپ اپنی خوش فہمی سے روایت کے متضاد تصور کرتے ہیں یہی مراد مدارک کی بھی ہے اور بیضاوی کے الفاظ کی تشریح آگے آئے گی۔

مولانا نے لکھا تھا۔ "پانچویں خرابی یہ ہے۔ کہ الفاظ آیت کے خاص خاص معانی
نص نے بیان کیئے ہیں۔ اس کی بنیاد صرف ان پر ہے کہ اس نے دیکھا کہ رسول اللہ
صرف انہیں حضرات کو اس وقت بلایا۔"

(مجادلہ) یہ خرابی نہیں عین مدعا ہے۔ اس لیئے کہ راوی کا بیان رسول اللہ کی
حدیث قولی و فعلی کے مطابق ہے۔

(دفع) یہ تو ہم کو پہلے سے معلوم ہے کہ خرابی ہی آپ کا عین مدعا ہوتی ہے۔
آپ کا یہ فرمانا کہ راوی کا بیان حدیث کے مطابق ہے تو اس کی حقیقت سابق میں اچھی
طرح منکشف ہو چکی ہے۔

مولانا نے لکھا تھا۔ "ہاں اگر اہل نجران مباہلہ منظور کر لیتے اور آنحضرت
صرف انہیں کو لے جاتے تو بے شک یہی حضرات مراد ہوتے۔ اس کا اعجاز صاحب
سے کوئی جواب بن نہ آیا تو فضول کی بکواس میں دو ڈھائی صفحہ رنگ ڈالے۔ کبھی یہ
کہتے ہیں کہ قرآن میں یہ کہاں ہے کہ نصاریٰ مباہلہ منظور کر لیں تو آپ ابناء وغیرہ کو
بلایئے۔ اجی حضرت! اگر قرآن میں یہ نہیں ہے تو پھر اس میں یہ کہاں ہے کہ آپ ابناء
وغیرہ کو چاہے نصاریٰ منظور کریں یا نہ کریں بلایئے۔" قرآن میں تو صرف اتنا حکم ہے
کہ نصاریٰ سے یہ کہہ دیجیئے کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے ابناء و نساء و انفس کو بلائیں۔"
رسول ؐ نے ان کو یہ حکم پہنچا دیا اور امتثال امر سے عہدہ برآ ہو گئے۔ پھر آپ قرآن میں
یہ اضافہ کر کے کہ رسول اللہ ابناء وغیرہ کو بلانے کے مامور تھے اگرچہ وہ منظور نہ کریں
(بقول خود) تحریف حرام کے کیوں مرتکب ہوتے ہیں۔ مگر یہ شکایت آپ سے بے سود
ہے کہ شنشنۃ اعرفھا من اخزم۔

اور کبھی یہ افترا کرتے ہیں کہ "مولانا یہ اعتراف کر چکے ہیں کہ رسول اللہ مباہلہ
کے لیئے تیار ہو کر میدان مباہلہ میں تشریف لائے تھے۔" دروغ گو را حافظہ نباشد۔
اعجاز صاحب مولانا کی عبارت خود سابق میں یوں نقل کر چکے ہیں "جناب رسول خدا
مباہلہ کے لیئے بالکل تیار تھے۔ آپ نے قبل از وقت حسنین اور فاطمہ کو بھی بلایا

تھا"، صفحہ ۲۱۔ علاوہ بریں رسول اللہؐ کی تیاری سے نصاریٰ کی تیاری پر استدلال ایک انوکھی منطق ہے۔ پھر اس کے لیے اتنی زحمت کی کیا ضرورت تھی۔ حکم خدا اور آیت سنانا ہی آپ کی تیاری کی دلیل ہے۔

اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ "نصاریٰ نے آل عبا کی صورت دیکھ کر ڈر گئے اور مباہلہ نہ کیا"، آپ کا مطلب یہ ہے نصاریٰ پہلے سے تیار تھے، مگر وقت پر مرعوب ہو گئے۔ لیکن میں ثابت کر چکا ہوں کہ اعجاز صاحب جس روایت کو متواتر کہتے ہیں اسی میں مذکور ہے کہ نصاریٰ آنے سے پہلے ہی طے کر کے آئے تھے کہ مباہلہ نہ کریں گے۔ اور یہ کہ وہ رسول اللہؐ کی صداقت سے مرعوب ہوئے تھے، مگر روایت کا یہ حصہ اعجاز صاحب ایسا ہضم کر گئے کہ ڈکار تک نہ لی۔ اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اس سے رسول اللہؐ کی صداقت باہرہ ثابت ہوتی تھی۔

آپ فرماتے ہیں کہ "حضورؐ مباہلہ کے لیے تیار ہو کر چلے تھے"، مولوی صاحب تیاری سے آپ کی کیا مراد ہے۔ اگر عزم مصمم مراد ہے تو یہ اسی وقت سے تھا جب سے آیت سنائی تھی۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ پورے سامان کے ساتھ مباہلہ کرنے کے لیے تشریف لے آئے تھے تو یہ مسلم نہیں۔ اس لیے کہ مباہلہ کرنے کے لیے جانا اس وقت ہو سکتا تھا جب نصاریٰ نے منظور کر لیا ہوتا۔ ہمت ہو تو اس کو ثابت کیجیے کہ نصاریٰ کی منظوری کے بعد آپ تشریف لے گئے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "جب آپ کے خیال میں الفاظ آیۃ کے معانی کو حضورؐ نے ساتھ نہ لیا تو کون کہے گا کہ آپ مباہلہ کے لیے بالکل تیار نہ تھے۔ وہی نہ کہے گا جو رسول اللہؐ کی صداقت پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اس کے دل میں آپ کا ذرہ برابر احترام نہ ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص بقصد جنگ اپنے گھر سے نکلا اور ہتھیار اپنے گھر میں چھوڑ جاتا"، آپ کی تمثیل بالکل بے محل ہے۔ اس لیے کہ یہ جب مطابق ہوتی جب کہ بقصد مباہلہ آنحضرتؐ نکلے ہوتے۔ اور جب کہ معاملہ طے نہ تھا اور نصاریٰ نے منظور ہی نہ کیا تھا۔ تو بقصد مباہلہ نکلنا کیا معنی۔ علاوہ بریں مباہلہ کے لیے کسی دور دراز مقام پر جانا نہ

تھا، وفد نجران خود مدینہ آیا ہوا تھا اس لیے کم سے کم گفتگو سننے کے لیے صحابہؓ وہاں موجود ضرور ہوں گے۔ چنانچہ آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ حضرت عائشہؓ موقع پر موجود تھیں (ص ۳۵) روایت کے شان نزول کو حضرت جابرؓ کی چشم دید شہادت بھی لکھتے ہیں (ص ۴۰) اور ص ۳۸ میں اعتراف کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ نے اپنی آنکھوں سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آل عبا کو دیکھا۔ پس ایسی حالت میں ہتھیار گھر میں چھوڑ جانے کی مثال درست نہیں آتی مولوی صاحب! آپ نے اتنا خیال نہ کیا کہ آج کوئی معمولی مناظرہ ہوتا ہے تو سارا شہر ٹوٹ پڑتا ہے پھر کیوں کر ممکن ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے زعم میں مباہلہ کے لیے تشریف لے جائیں اور بجز دو بچوں اور ایک مرد اور ایک عورت کے اور کوئی ساتھ نہ ہو۔ سخن پروری چھوڑ کر ٹھنڈے دل سے غور کیجیے تو جنگی سپاہی والی مثال سے کچھ اور ثابت ہونے کے بجائے آپ کی خود دشمنی ثابت ہو گی۔

آپ نے آگے چل کر لکھا ہے "ایک دن پہلے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) حکم خدا نصاریٰ کو سنا چکے تھے۔ وقت و مقام مباہلہ معین ہو چکا تھا۔ نصاریٰ بھی مباہلہ کے لیے گئے تھے"، کس قدر سفید جھوٹ ہے۔ اگر آپ سچے ہیں اور آپ کے مذہب میں سچائی کی کوئی قدر و قیمت ہے تو بتائیے کس روایت میں وقت مباہلہ نیز مقام کی تعیین اور نصاریٰ کے مباہلہ کے لیے آنے کا ذکر ہے۔ لیکن روایت پیش کیجیے گا اور یہ بھی بتلائیے گا کہ روایت کی تخریج کس نے کی ہے۔ یہ نہیں کہ آپ لکھ دیں فلاں نے لکھا ہے اس باب میں روایت اور باب روایت ماہرین روایت کا قول در خور اعتبار ہے۔

ہاں اب تک تو آپ کہہ رہے تھے کہ آیت میں آل عبا کو بلانے کا حکم رسول اللہ کو دیا گیا تھا اور آپ کی اس تقریر سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ نصاریٰ کو حکم سنانے پر مامور تھے۔ پس یا تو دونوں حکم آیت میں مذکور ہوں تو آپ اس کو آیت سے ثابت کیجیے اور پھر بتائیے کہ دونوں حکم ایک ساتھ بجا لانے کا حکم تھا یا علی التعاقب یا

مطلق جو بات آپنے آیت سے اس کو ثابت کیجیے۔ اور اگر دونوں حکم مذکور نہیں ہیں تو قطع نظر اس بات سے کہ ایک بات آپ کی ضرور غلط ہے۔ بتایئے کون سا حکم مذکور ہے کون سا نہیں۔

مولانا نے لکھا تھا، ورنہ اگر مباہلہ کی نوبت آتی تو یقیناً آپ ازواج مطہراتؓ کو ضرور ہمراہ لے جاتے۔ کہ نسائنا سے ان کے سوا اور کوئی مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ بحر محیط جلد اول ص۴۸۱ میں ہے۔ لو عزم نصاری نجران علی المباھلۃ وجاء وا الیھا لامر النبی المسلمین ان یخرجوا باہلیھم الی المباھلۃ۔

(مجادلہ) مولوی صاحب! یہ تو بتایئے کہ ازواج کو لے جانے کا یقین آپ کو کہاں سے حاصل ہو گیا۔

(دفع) مولانا کو اس کا یقین اس لیئے ہے کہ نسائنا سے ازواج مطہراتؓ کے علاوہ رسول خداؐ کے گھر کی اور کوئی خاتون مراد نہیں ہو سکتی۔ مولانا نے اس کو تفصیل سے آگے بتایا ہے۔ پس اگر مباہلہ کی نوبت آتی اور حضورؐ ازواج مطہراتؓ کو نہ لے جاتے تو آیت کا ایک جزو عمل سے رہ جاتا اور آنحضرتؐ کی ذات اس سے بہت اجل و ارفع ہے کہ اس قسم کا گمان یا توہم آپ کے حق میں کیا جائے۔

(مجادلہ) بحر محیط کی عبارت میں آپ کے مہمل دعوے کا بالکل ثبوت نہیں ہے کہ اس عبارت میں ازواج کا وہم بھی نہیں ہوتا۔

(دفع) سخن شناس نۂ دلبرا خطا این جا است۔

سنیئے! جب کہ بحر محیط سے یہ ثابت ہوا کہ مباہلہ کی نوبت آتی تو مسلمانوں کو ان کے اہل کے ساتھ نکلنے کا آنحضرتؐ ضرور حکم دیتے۔ پس ظاہر ہے کہ جب تابع اس کا مامور ہوتا تو متبوع بطریق اولیٰ اپنے اہل کو لے جانے کا پابند ہوتا۔ بہرحال مولانا کا مدعا اس عبارت سے بطریق اولیٰ ثابت ہے۔ جس طرح آیہ ولا تقل لہما اف سے والدین کے مارنے کی ممانعت بطریق اولیٰ ثابت ہے۔

مولانا نے لکھا تھا چھٹی خرابی یہ ہے کہ انفسنا سے حضرت علیؓ اور نسائنا سے

حضرت فاطمہؓ اور ابنارنا سے حضرات حسنینؓ کا مراد ہونا لغت عرب اور محاورۂ قرآنی کے خلاف ہے۔

(مجادلہ) حضرت جابرؓ خالص عرب تھے اور نیز آپ کے ایک بزرگ عرب کا قول مفسر خازن اور بغوی نے نقل کیا ہے۔

(دفع) حضرت جابرؓ کی طرف جو تفسیر منسوب ہے اس کی نسبت بسوئے جابرؓ علمائے فن کے نزدیک مسلم نہیں۔ دیکھو ابن کثیر۔ باقی جس شخص کا قول خازن اور بغوی نے نقل کیا ہے وہ مجہول ہے نام تک معلوم نہیں۔ عرب ہونا تو درکنار۔ اس کے علاوہ آپ نے اور جو کچھ یہاں لکھا ہے اس کا بار بار رد کیا جا چکا ہے۔

آپ کا یہ لکھنا کہ مولانا سابق میں لکھ چکے ہیں کہ فاطمہ اور حسنینؓ کا بلانا صحیح روایت میں بلا اختلاف آیا ہے، مگر آنا نہ سمجھے کہ ابنا سے نواسے اور نسا سے بیٹی کا مراد لینا لغت عرب اور محاورۂ قرآنی کے خلاف ہے،، یہ خود آپ کی کوتاہ نظری کی دلیل ہے۔ اس لیئے کہ مولانا نے اسی چیتی خرابی کے تحت میں زیر عنوان فائدہ اس شبہ کا ازالہ کر دیا ہے۔ دیکھو تفسیر آیت ص۱۱۔

مولانا نے لکھا تھا لفظ انفس جمع نفس کی ہے اور نفس ہر شخص کا اس کی ذات کہلاتی ہے۔ نہ کسی دوسرے کو پھر لفظ جمع سے شخص واحد مراد لینا جائز نہیں الا مجازاً۔

(مجادلہ) آپ نے سابق میں بغوی سے خود ہی نقل کیا ہے کہ اہل عرب اپنے پسر عم کو بھی نفس سے ہیں۔ اس کے ثبوت میں لا تلمزوا انفسکم کو پیش کیا ہے علاوہ اس کے جب آپ نے انفسنا سے جماعت صحابہؓ مراد لی تو بتایئے کہ نفس تو رسول اللہ کا لیکن مراد اس سے اصحاب۔ یہ تو آپ کے زعم میں جائز نہیں اور بتلایئے جب کہ دلیل نے انفسنا سے صرف ذات رسولؐ مراد لی تو انفس صیغہ جمع واحد کے واسطے حقیقۃً مانا ہے یا مجازاً۔

(دفع) مولوی صاحب! آپ عجیب سمجھ کے آدمی ہیں۔ آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ایک مصنف جن جن باتوں کو ذکر کرتا ہے۔ وہ سب کی سب اس کی نظر میں مختار

قابل قبول وتسلیم ہی نہیں ہوا کرتیں۔ بہت سی باتیں دوسری اغراض سے بھی ذکر کرتا ہے۔ مثلاً تمام اقوال کا استقصاء یا یہ کہ ناظر اس دھوکے میں نہ رہے۔ کہ یہاں صرف ایک ہی قول ہے۔ الی غیر ذلک من الاغراض۔ پس مولانا نے جو بغوی سے نقل کیا ہے اس سے مولانا کا یہ منشا نہیں ہے کہ یہ قول میرے نزدیک قابل قبول ہے، بلکہ حقیقت میں تو مولانا کو اس کے نقل کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ لیکن چونکہ آپ کو اس کے بعد والا قول نقل کرنا تھا۔ پس اگر پہلے قول کو نقل نہ کرتے تو آپ جیسے خوش فہم لوگ خیانت فی النقل کا الزام دیتے۔ اس لیئے بضرورت دفع الزام اس کو نقل کیا۔ پس جب کہ مولانا نے اس قول کو تسلیم ہی نہیں کیا ہے تو اس سے الزام بے معنی ہے اب مجھ سے صاف صاف سنیئے۔ کہ لاتلمزوا انفسکم میں بھی نفس بمعنی ذات ہے اور یہی تفسیر صحیح ہے، جیسا کہ جلالین و جامع البیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ علاوہ بریں اگر نفس معنی ابن العم ثابت بھی ہو تو ظاہر ہے کہ یہ اس کے حقیقی معنی نہیں ورنہ آپ اس لفظ کو ابن العم کے معنی میں حقیقۃً ہونا ثابت کیجئے۔ پس جب کہ یہ مجازی معنی ہیں تو اس کا ارادہ اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ حقیقت متعذر نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں حقیقت متعذر نہیں۔ فلا یسار الی المجاز۔ اور آپ کا یہ استبعاد بھی محل حیرت ہے کہ جب مولانا انفسنا سے جماعت صحابہؓ مراد لیتے ہیں تو وہ بتائیں کہ نفس تو رسول کا اور مراد اس سے اصحاب۔ حاجی حضرت! اس میں کیا استبعاد ہے۔ جب کہ آپ بھی نفس سے ابن العم کے معنی مراد نہیں لیتے۔ پھر بھی علیؑ کو مراد لیتے ہیں۔ تو بتایئے کہ نفس تو رسول کا اور مراد اس سے علیؓ۔ خیر یہ تو الزامی جواب تھا تحقیقی جواب آگے آئے گا۔

مولانا نے لکھا تھا کہ قرآن مجید میں کئی جگہ آنحضرتؐ کو تمام اہل مکہ اور تمام مسلمانوں کے انفس سے فرمایا، قولہ تعالیٰ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم وقولہ تعالیٰ لقد جاءکم رسول من انفسکم، لہٰذا صرف حضرت علیؓ کو لفظ انفس سے مراد لینا اور سب کو خارج کر دینا ان آیات کے خلاف ہوگا۔

(مجادلہ) خازن و نیشاپوری نے لکھا ہے کہ خدا نے اس آیت میں رسول اللہ

ہم جنس اہل مکہ ہونا یعنی عرب ہونا بیان کیا ہے، لہٰذا آپ کی پیش کردہ آیت میں
بمعنی جنس ہوا اور لفظ انفسنا میں کسی مفسر نے نفس کو بمعنی جنس نہیں لکھا۔

(دفع) مشکل یہ ہے کہ آپ ہمیشہ بات سمجھنے سے پہلے بول دینے کے عادی
سینئے! مولانا یہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں کئی جگہ آنحضرتؐ کو تمام اہل مکہ اور تمام
لمانوں کے انفس سے فرمایا۔ جیسے من انفسہم اور من انفسکم پس ان تمام مقامات
لفظ انفس بصیغۂ جمع بولا گیا اور بالاتفاق اس سے اشخاص کثیرہ مراد لیئے گئے۔ پس اسی
رح انفسنا میں انفس سے اشخاص کثیرہ مراد لینے چاہئیں اور اگر انفسنا میں انفس سے صرف
مراد لیئے جائیں تو ان آیات کے خلاف ہوگا۔ اب بتلایئے کہ اس اعتراض سے آپ
ے جواب کو کیا تعلق ہے۔ اگر ایک جگہ نفس بمعنی جنس ہے اور دوسری جگہ بمعنی جنس
ہیں ہے تو اس سے صیغہ کی مراد پر کیا اثر پڑا۔ کیا دوسری جگہ بمعنی جنس نہ ہونے کے وجہ
سے لفظ انفس جمع بھی نہیں رہا اور معنی کے بدلنے سے صیغہ بھی بدل گیا، لہٰذا اس سے واحد
در واحد بھی حضرت علیؓ ہی مراد ہوں گے۔ آخر کیوں؟

(مجادلہ مع رد) اگر درحقیقت لفظ انفسنا سے تمام اہل مکہ یا جملہ اہل اسلام مراد
ہوتے تو رسول اللہ یقیناً امتثال امر الٰہی کے لیے سب کو بلاتے (بشرطیکہ رسول اللہ
کو بلانے کا حکم بھی آیت میں دیا گیا ہو اور اس کے بجالانے کا وقت بھی آئے۔ پہلے
آپ دونوں کو ثابت کیجئے) مگر رسول اللہ کی کسی حدیث میں حضرت علیؓ کے سوا اور کسی
کو بلانا ثابت نہیں۔ البتہ آپ کے امام معصوم امام محمد باقر کی حدیث میں خلفائے اربعہؓ
اور ان کی اولاد کا بلانا ثابت ہے۔ اگر ہم مان بھی لیں کہ آپ کے زعم کے مطابق انفسنا
سے تمام اہل مکہ یا جملہ صحابہؓ مراد ہیں تو بھی ہم کہیں گے کہ خود رسولؐ نے صرف جناب امیرؓ
کو بلا کر اپنی حدیث قولی و فعلی سے ثابت کر دیا کہ انفسنا کے مصداق سے علیؓ کے سوا تمام
صحابہؓ خارج ہیں۔ (خوب! پہلے یہ تو ثابت کیجئے کہ حضرت علیؓ کے بلانے سے لازم
آتا ہے کہ وہ انفسنا ہی کے مصداق یا اسی کے مصداق میں داخل ہیں۔ پھر اس کا جواب
دیجئے کہ اگر حسب حکم خداوندی انما الصدقات للفقراء الخ ایک یا چند مخصوص فقیروں یا

مسکینوں آپ صدقات دیں تو کیا کسی کا یہ کہنا جائز ہے کہ آپ نے ان مخصوص فقیروں کے علاوہ اور سب کو فقرا، و مساکین کے مصداق سے خارج کر دیا غور کر کے جواب دیجیئے گا) نیز طبری نے لفظ انفسنا سے صرف رسول اللہؐ کو مراد لے کر تمام صحابہ کو خارج فرمایا ہے (آگے جواب آئے گا) نیز بغوی نے آپ کے کسی رکن ملت کا قول نقل کیا ہے) قائل مجہول ہے۔ شاید آپ ہی کا رکن ملت ہو اس کے قول کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں اور حضرت جابرؓ کا قول حاکم نے لکھا ہے کہ لفظ انفسنا سے رسول اللہؐ اور علیؓ مراد ہیں) حضرت جابرؓ کی طرف اس قول کی نسبت میں کلام ہے۔ کما مر مراراً) اس کے بعد اعجاز صاحب نے انفسنا اور کلمۂ من انفسکم میں بہت تفصیل سے فرق بیان کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ من انفسکم میں لفظ انفس سے جنس عرب اور ضمیر کم سے اہل مکہ یا صحابہ مراد لیے گئے ہیں پس مطلب یہ ہوا کہ رسولؐ از جنس اہل مکہ یا از جنس صحابہؓ ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ لفظ من انفسکم میں رسول کی اضافت اہل مکہ یا صحابہ کی طرف ہو گئی اور لفظ انفسنا میں کلمہ انفس ضمیر جمع متکلم کی طرف مضاف ہے اس ضمیر متکلم سے بالاتفاق رسول اللہ مراد ہیں۔ رہا لفظ انفس تو اس میں اختلاف عظیم ہے جابرؓ وغیرہ نبیؐ و علیؑ کو مراد لیتے ہیں۔ مدیر النجم ساری جماعت صحابہ اور ہمارے عقیدہ میں صرف جناب امیر مراد ہیں اور مؤیدین کے علاوہ حدیث قولی و فعلی سے بھی ہماری تصدیق ہوتی ہے۔ مدیر النجم کا کوئی گواہ نہیں ہے۔ طبری نے صرف آنحضرتؐ کو مراد لیا ہے۔ طبری کے قول پر انفس (مضاف) سے بھی رسول اللہ مراد ہوئے۔ اور ضمیر (مضاف الیہ) سے بھی۔ لہذا مضاف اور مضاف الیہ ایک ہی ذات ہو گئی اور ایسی اضافت اس جگہ جائز نہیں۔ انتہی ملخصاً۔

(دفع) واہ جناب واہ۔ کیا باغ نحو کی سیر کرائی ہے۔ فیا للعجب ولصیغة الادب۔ معلوم ہوتا ہے آپ کو عربیت سے مطلقاً مس نہیں ہے۔ مولوی صاحب انفس سے مراد جنس عرب کس نے لکھا ہے۔ نیز اگر صرف انفس کی مراد جنس عرب ہو سکتی ہے تو کسی عربی کو یہ کہنا کہ ھو من الانفس یا اس کا خود کہنا انا من الانفس اور

عربی مراد لینا صحیح ہوگا۔ اپنے مجتہدین کی شہادت اس پر پیش کیجئے۔ نیز جب صرف النفس ہی کے معنی جنس عرب کے ہو گئے تو کم کی طرف اس کی اضافت بے سود ہے۔ اس لیے کہ آپ ص۱۵ میں لکھ چکے ہیں کہ اس آیت میں رسول اللہ کا جنس عرب سے ہونا بیان کیا گیا ہے اور یہ مقصود تو صرف من الانفس سے حاصل ہے۔ اس کے علاوہ جب کہ النفس سے مراد جنس عرب ہے اور انفسکم میں کی مراد اہل مکہ یا صحابہ ہیں کی طرف مضاف ہے تو اس آیت میں جنس عرب اہل مکہ یا صحابہؓ کی طرف مضاف ہوئی۔ پس آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ اس آیت میں رسول اللہ کی اضافت اہل مکہ یا صحابہ کی طرف ہو گئی۔

لفظ انفسنا کے متعلق آپ کا یہ کہنا کہ اس میں ضمیر جمع متکلم سے بالاتفاق رسول اللہؐ مراد ہیں بالکل بے بنیاد بات اور محض افترا ہے۔ آپ ہمارے علماء میں سے ایک شخص کا نام پیش کیجئے جس نے لکھا ہو کہ ضمیر متکلم سے صرف رسول اللہؐ کی ذات مراد ہے۔ آگے آپ کا یہ لکھنا بھی دروغ گو را حافظہ نباشد کا مصداق ہے کہ النفس کی مراد جابرؓ نے نبی و وصی بتائی ہے۔ اولاً تو جو قول آپ نے جابرؓ کے نام سے نقل کیا ہے اس کی نسبت ہی جابرؓ کی طرف کم از کم مشکوک ہے۔ لیکن علی سبیل الفرض وہ قول صحیح بھی ہو تو انہوں نے صرف النفس کی یہ مراد نہیں بتائی ہے۔ بلکہ مضاف مضاف الیہ کے مجموعہ یعنی پورے انفسنا کی مراد بتائی ہے۔ چنانچہ آپ نے خود ص۲۸ میں ان کا قول یوں نقل کیا ہے انفسنا رسول اللہ علی الخ اسی طرح طبری نے بھی صرف النفس کی مراد ذات شریفہ نبی نہیں لکھی بلکہ انفسنا کی۔ مولانا نے جو عبارت طبری سے نقل کی ہے اس کو آپ بھی ص۲۰ میں نقل کر چکے ہیں جو یوں ہے۔ لا نسلم ان المراد بانفسنا الامیر بل المراد نفسه الشریفة الخ پس آپ کا یہ کہنا کہ طبری کے قول پر اضافت الشئ الی نفسه لازم آتی ہے بناء فاسد علی الفاسد اور محض آپ کی خوش فہمی سے لازم آتی ہے۔ نیز بتایئے کہ ویحذرکم اللہ نفسه من اضافة الشئ الی نفسه لازم آتی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اس کے جواز کی کیا صورت اور اگر نہیں تو کیوں۔ اس کے بعد آپ نے اضافت کی قسمیں اور ان کے فوائد لکھ کر فضول

وقت ضائع کیا ہے۔ پھر کلمہ انفسنا سے صرف جناب امیرؑ کا مراد ہونا یوں ثابت کیا ہے کہ کلمہ انفسنا سے رسول اللہؐ کو مراد لینا یا جماعت صحابہؓ کو باطل ہے۔ پس تیسری شق یعنی علی کا مراد ہونا ثابت۔ رسول اللہؐ کا مراد ہونا جو طبری کا قول ہے اس لیئے باطل ہے کہ جب لفظ النفس سے مضاف ہے رسول اللہؐ کو مراد لیا تو وہ معرفہ اور معین ہو گیا۔ اب اس کو معرفہ ہونے کے لیئے مضاف ہونے کی ضرورت نہیں رہی کہ لہذا اس کی اضافت معرفہ کی طرف غلط ہو گئی۔ نیز قاعدہ دعوت یہ ہے کہ بلانے والا دوسرے کو بلاتا ہے نہ اپنے نفس کو۔ پس معلوم ہوا کہ خدا نے رسول اللہ کو یہ حکم نہیں دیا تھا ورنہ تنہا جاتے۔ اسی طرح جماعت صحابہؓ کو مراد لینا بھی جو (مولانا) عبدالشکور صاحب کا مسلک ہے غلط ہے اس لیئے کہ خدا نے لفظ النفس سے صحابہ مراد لے کر ضمیر متکلم کی طرف مضاف نہیں کیا تھا۔ ورنہ رسول اللہؐ خدا کی لگائی ہوئی اضافت کو نہ قطع کرتے اور تمام صحابہؓ کو ہمراہ لیتے۔ جب یہ قول بھی باطل ہو گیا تو اب یہ قول رہ گیا کہ لفظ انفسنا سے صرف جناب امیرؑ مراد ہیں۔ (ص۵۷)

(دفع) سبحان اللہ کیا منطقیانہ انداز ہے۔ بہر بہر لفظ سے منطق ٹپک رہی ہے۔ مولوی صاحب آپ کے حواس اس قدر منتشر کیوں ہیں۔ طبری نے یہ کہاں لکھا ہے کہ صرف لفظ النفس سے رسول اللہؐ مراد ہیں۔ علاوہ بریں جب لفظ النفس سے آپ نے علیؓ کو مراد لیا۔ جیسا کہ آپ نے ص۵۷ اور ص میں تصریح کی ہے تو اس صورت میں لفظ النفس معرفہ اور معین ہوا یا نہیں۔ اگر ہوا تو اس صورت میں بھی اس کی اضافت معرفہ کی طرف غلط ہو گئی۔ ؎

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو خود ہی اپنے دام میں صیاد آ گیا

اور اگر معرفہ نہیں ہوا تو رسول اللہؐ مراد لینے کی صورت میں بھی معرفہ نہیں ہوا۔ اور اگر کوئی فرق ہے تو اس کو ظاہر کیجیئے۔

اس کے بعد جو آپ نے قاعدہ دعوت لکھا ہے ثابت کیجیئے کہ یہ قاعدہ

کے کسی امام نے بیان کیا ہے یا آپ کا اجتہاد ہے پھر بتائیے کہ ان محاورات فصیحہ
آپ کا قاعدہ کیوں ٹوٹ گیا یا یہی ثابت کیجئے کہ یہ محاورات غلط ہیں دعوت
ی الی کذا دعتہ نفسہ الی کذا وغیرھما. زمخشری صاف کشاف نے
جگہ لکھا ہے۔ دعا نفسہ الی۔ الا قدام علیہ (کشاف ص ۴۱۲ جلد ۱) اسی
طرح قاعدہ امر بھی تو یہی ہے کہ حکم کرنے والا دوسرے کو حکم کرتا ہے حالانکہ محاورات
میں برابر امرتنی نفسی یا امرت نفسی بولتے ہیں. اسی کی نظیر طوعت لہ
سی قتل اخیہ ہے۔
علامہ آلوسیؒ نے آپ کے طبرسی کے حوالہ سے اس قول کو نقل کر کے لکھا
ہے کہ یہ فضول بکواس ہے۔ (روح المعانی)
باقی رسول اللہ کا تنہا نہ جانا اس کی دلیل نہیں ہے کہ انفسنا سے علی مراد ہیں. کما
مر مراراً. اسی طرح دوسری شق کا ابطال بھی اس پر مبنی ہے کہ صرف لفظ انفسنا
سے صحابہؓ کو مراد لیا جائے اور پھر اس کی اضافت ضمیر کی طرف ہو حالانکہ اس کو
کوئی نہیں کہتا. جو لوگ بھی صحابہ کو مراد لیتے ہیں وہ لفظ انفسنا (یعنی انفس حال کو نہ
مضافاً الی ضمیر المتکلم) سے مراد لیتے ہیں، لہٰذا صحابہ کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں
ہوئی. بلکہ لفظ انفس جب مضاف ہوا ضمیر کی طرف تو مضاف مضاف الیہ کے مجموعہ
سے صحابہ مراد ہوئے۔ رہا قطع اضافت کا الزام اور صحابہ کو نہ بلانا تو آپ کی اس
بکواس کا جواب بار بار ہو چکا ہے۔ پس جب کہ یہ دونوں احتمال آپ کی تقریر
سے باطل نہیں ہو سکتے تو انفسنا سے صرف حضرت امیر کا مراد ہونا بھی ثابت
نہ ہو سکا۔
اس بکواس کے بعد اعجاز صاحب نے واعظانہ رنگ اختیار کیا ہے اور خطابی
طریق سے خلافت بلافصل ثابت کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انفسنا میں انفس سے
مراد علی اور ضمیر متکلم سے مراد ذات آنحضرتؐ پس علیؑ کی اضافت ذات سرور کائناتؐ
کی طرف ہوئی. پس یہ اضافت علیؓ کے لیے یقیناً زیادتی شرف کا سبب ہے۔ چنانچہ

چند آیات میں اللہ رب العزت نے چند اشیاء کو اپنی طرف مضاف کیا ہے اور ان کو مختلف شرف حاصل ہوئے ہیں۔ اسی طرح آیۂ مباہلہ میں جو نفس مخصوص ہے وہ جناب ختمی منزلت کی طرف مضاف ہے۔ اسے ایک فضیلت خاصہ غیر شاملہ درگاہ الٰہی سے عطا ہوئی وہ خلافت وولایت کلیہ مطلقہ ہے۔

(دفع) اس تقریر کی سخافت ہر کا کت ہر پڑھے لکھے آدمی پر واضح ہے تاہم اعجاز صاحب کو اس پر بڑا ناز ہے۔ اس لیئے چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

۱۔ صرف لفظ النفس سے حضرت علیؑ کا مراد ہونا بیان کرنا ہذیان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اس لیئے کہ اس میں اور قباحتوں کے علاوہ یہ قباحت بھی ہے کہ اس صورت میں معرفہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو جائے گی اور اعجاز صاحب خود اس کو باطل کہہ چکے ہیں۔

۲۔ اعجاز صاحب بتائیں کہ صرف نفس یا النفس ہی جب خدا یا رسول خدا کی طرف مضاف ہو تو مضاف کے لیئے شرف اور حصول فضیلت خاصہ کا سبب ہوتا ہے یا اور چیزیں بھی مضاف ہوں تو ان کو بھی یہ یہ شرف حاصل ہوگا۔ اگر پہلی شق ہے تو گذارش ہے کہ آپ نے حصول شرف کی مثال میں چار آیتیں لکھی ہیں۔ ان میں سے کسی میں بھی لفظ نفس یا النفس مضاف نہیں۔ حالانکہ آپ ان چاروں مثالوں میں مضاف کے لیئے حصول شرف کے قائل ہیں۔ انہیں مثالوں سے استناد کر کے علیؑ کے لیئے حصول شرف کو ثابت کرتے ہیں۔ پس نفس یا النفس کی تخصیص غلط ہو گئی۔ اور اگر دوسری شق ہے تو آپ کا ص۱۲ میں یہ مطالبہ محض بیہودہ ہے کہ قرآن سے تلاش کر کے ایسی مثال پیش کیجیئے جس میں لفظ نفس یا النفس رسول اللہ کی طرف مضاف ہو اور کلمۂ مذکورہ سے صحابی مراد لیا ہو۔ اب نفس یا النفس کی کیا تخصیص۔ آخر آیات محولہ میں بھی تو لفظ نفس یا النفس مضاف نہیں ہے۔ پس کلمۂ النفس کی تخصیص نہیں رہی۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ یہ حصول شرف ہر اس جگہ لازم ہے۔ جہاں اللہ یا اس کے رسول کی طرف کوئی شے مضاف ہو یا ہر جگہ ہونا لازم نہیں ہے۔ اگر لازم ہے تو کسی خاص شرف دارد وہ

فت) کا حصول لازم ہے یا کسی شرف کی خصوصیت نہیں ہے۔ پس اگر ہر ایسی
ں خاص شرف کا حصول لازم ہے تو ثابت کیجئے کہ یہ کہاں سے ثابت ہے۔
عربیت سے یا قواعد شرع سے یا دلیل عقلی سے۔ نیز اس صورت میں آپ ہی
لیل سے لازم آگیا کہ آنحضرت کا پورا عشیرہ تمام لڑکیاں اور جملہ ازواج مطہرات رضی
خاص شرف یعنی خلافت کلیہ مطلقہ سے نوازی گئیں کیونکہ آیات ذیل میں ہر سہ کی
ت رسول اللہ کی طرف ہوئی ہے۔ وانذر عشیرتك الاقربین۔ یایها النبی
لازواجك وبناتك الآیة۔ یانساء النبی لستن کاحد من النساء انا احللنا لك
اجك وغیر ذلك من الآیات۔ اور اگر آپ کہیں کہ ان مذکورین کی خلافت
رد آپ بھی تسلیم نہیں کرتے تو میں کہوں گا کہ یہاں اس سے بحث نہیں۔ یہاں
کھانا ہے کہ آپ کی دلیل سے یہ لازم آتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ اپنی دلیل کو صحیح
یں گے۔ تو آپ کو ان مذکورین کے لیئے بھی اس شرف خاص کا حصول تسلیم کرنا
ے گا۔ باقی رہے ہم تو ہم آپ کی دلیل ہی کو کب صحیح مانتے ہیں جو ہم پر الزام عائد
ر اگر اس سے آپ کی تسکین نہ ہو تو پھر آیئے ہم وہی آیت سنائیں جس کو سن کر
شیعہ کے سر سے پاؤں تک سناٹا چھا جاتا ہے۔ سنیئے: اذیقول لصاحبه لاتحزن
ن اللہ معنا۔ کہیئے مولوی صاحب اب تو آپ کہیں گے کہ

شعر
پنہاں تھا دام سخت قریب آشیانہ کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

دیکھیئے یہاں صاحب ضمیر غائب کی طرف مضاف ہے اور صاحب
سے باتفاق شیعہ و سنی حضرت ابو بکرؓ مراد ہیں۔ اسی طرح ضمیر غائب باجماع فریقین رسول
اللہ کی ذات مراد ہے پس (اعجاز صاحب کے الفاظ ہیں) جو صاحب مخصوص جناب
ختمی منزلت کی طرف مضاف ہے اسے ایک فضیلت خاصہ غیر شاملہ درگاہ الٰہی
سے عطا ہوئی ہے اور وہ خلافت و ولایت کلیہ مطلقہ ہے۔ یہی وہ منزلت عالیہ
ہے جس میں صاحب نبی کا کوئی دوسرا صحابی (جن میں آل عبا بھی شامل ہیں) شریک و

سہیم نہیں ہے۔ یہی ولایت عامہ ہے۔ یہی خلافت بلافصل ہے۔ جس پر صرف جناب صاحب نبی فائز ہوئے۔ یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ صرف اسی نفس قدسی و نوری میں صلاحیت تھی کہ خدائے ذوالجلال اور اس کے قدسی پیکر رسولؐ کی بزم خاص میں تنہا اور صرف تنہا باریاب ہو کر ماظنك باثنين الله ثالثهما سے نوازا گیا اور جب کہ معیت خدا سے شرف ہونے والی ایک ذات مرتبہ خاتمیت رسالتؐ پر فائز ہوئی۔ اور باب نبوت بند ہو گیا۔ تو غیرت و حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ اس معیت سے ممتاز ہونے والا دوسرا فرد وزارت خاتم الرسلؐ کے مرتبہ پر فائز ہو پھر ان کے بعد نیابت و خلافت رسالت کا شرف بھی وہی پائے۔ اسی کی ترجمانی سرور کائناتؐ کی اس حدیث میں کی گئی۔ ویابی الله والمؤمنون الا ابابکر۔ (مسلم) مولوی صاحب ٹھنڈے دل سے ہماری تقریر کو پڑھیئے۔

خلافت صدیقیہ بلافصل کے اس استدلال کی نظیر آپ کو دوسری جگہ نہ ملے گی اور اس کو نہ بھولیئے گا۔ کہ انفسنا کی دلالت سے صاحبہ کی دلالت بہت زیادہ اقوی و اجلی ہے۔ کہ انفس میں دو دو مجاز اختیار کرنے پڑیں گے۔ ایک صیغہ جمع سے واحد مراد لینا دوسرے نفس سے ابن العم یا علاقہ تشبیہ والا مجاز مراد لینا برخلاف صاحب کے وہ اپنی حقیقت پر ہے دوسرے آیۂ مباہلہ کے الفاظ میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے انفسنا کی مراد کی طرف انتقال ذہن میں مدد ملے۔ برخلاف اس آیت کے۔ تیسرے انفسنا میں اختلاف عظیم ہے۔ اس امر کا خود آپ کو اعتراف ہے۔ برخلاف صاحبہ کے۔ هذا رلماذكرنا منيا اخر ليس هذا محل تفصيلها۔

اور اگر ہر جگہ حصول شرف لازم نہ ہو یا حصول شرف مخصوص لازم نہ ہو تو پھر یہ اضافت حضرت علیؓ کے لیے مطلق حصول شرف یا حصول شرف مخصوص کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اس لیئے کہ آپ کی دلیل کا کبریٰ کلیہ نہیں رہا فلا یلزم الاندراج یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ جب ہر جگہ یہ ضروری نہیں رہا بلکہ بعض جگہ ہو گا اور بعض جگہ نہ ہو گا

لیا ضروری ہے کہ یہ جگہ انہیں میں سے ہو جہاں حصول شرف ضروری ہے۔
یوں نہیں ہو سکتا کہ یہ ان مقامات میں سے ہو جہاں حصول شرف ضروری نہیں
نہ۔
۴۔ آپ نے جن مثالوں کو ذکر کیا ہے ان میں باری تعالیٰ کی طرف اضافت کی
جبہ سے حصول شرف ہوا ہے اور مثال متنازع فیہ میں رسول اللہ کی طرف اضافت
ہے۔ پس کیا اضافت الی الرسول کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق نہیں۔ آپ کے
زعم میں تو ذرا سی بات میں قیاس مع الفارق لازم آجاتا ہے۔ پس کیا آپ کے نزدیک
خدا اور رسول میں کوئی فرق نہیں ہے۔
مولانا نے لکھا تھا کہ لفظ ابنارنا جمع ابن کی ہے۔ لغت عرب میں ابن اپنے بیٹے
کو کہتے ہیں اور نواسہ کو ابن البنت کہتے ہیں۔
(مجادلہ) غلط ہے کہ ابنارنا جمع ابن کی ہے۔ بلکہ ابنار جمع ابن کی ہے اور
پوتے اور نواسے کو بھی ابن کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ص۴۶۵ جلد ۲ ہذہ الآیۃ
دالۃ علی ان الحسن والحسین کانا ابنی رسول اللہ اور صواعق محرقہ
میں یہ حدیث ہے ابنی ہذا سید۔
(دفع) آیۂ مباہلہ کو استناد میں پیش کرنا کالمصادرۃ علی المطلوب ہے
کہ اسی آیت میں لفظ ابنار کی مراد میں نزاع ہے اور اسی آیت کو آپ ثبوت مدعا
میں پیش کرتے ہیں۔ نیز مولانا یہ بیان کرتے ہیں کہ لغت میں حقیقۃً ابن کا اطلاق صلبی
لڑکے پر ہوتا ہے اور نواسے وغیرہ پر مجازاً بولا جاتا ہے۔ چنانچہ آگے چل کر مولانا
نے تصریح کی ہے کہ احادیث میں بے شک وارد ہوا ہے کہ آنحضرت نے حضرات
حسنین کو بیٹا فرمایا۔ مگر یہ فرمانا بطور مجاز کے ہے۔ پس جو دلیلیں آپ نے ذکر کی ہیں
ان سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ ابن کا اطلاق حقیقۃً نواسے پر ہوتا ہے۔ رہا مجاز
تو اس میں کلام نہیں۔ ان دونوں جوابوں کے علاوہ اور جو حوالے آپ نے پیش
کیے ہیں ان سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ لفظ ابن نواسے کے لیے بھی حقیقت

ہے۔پس اگر آپ سچے ہیں تو لغت سے ثابت کیجئے کہ ابن کا اطلاق حقیقۃً نواسے پر بھی ہوتا ہے۔یوں خالی خولی اڑول تول اڑانے سے کچھ نہیں ہوتا۔

مولانا نے لکھا تھا کہ قرآن مجید میں آنحضرتؐ کی نسبت فرمایا کہ آپ کسی مرد کے باپ نہیں ماکان محمدٌ ابا احد من رجالکم۔لہٰذا کسی مرد کو آپ کا بیٹا کہنا اس آیت کے خلاف ہوگا۔

(مجادلہ) یہ عمداً قرآن میں چوری اور تحریف حرام اور خدا پر افترا ہے کہ خدا نے تو یہ فرمایا کہ آنحضرتؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں اور آپ نے یہ لکھ دیا کہ کسی مرد کے باپ نہیں۔لہٰذا آپ نے رجالکم میں سے کُم ساقط کر دیا۔

(دفع) مولوی صاحب آپ نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ آیت میں کون کون مرد مخاطب تھے۔جب تک آپ اس کو ظاہر نہیں کریں گے اس وقت تک ہر شخص یہی سمجھے گا کہ آیت میں جملہ مؤمنین سے خطاب ہے پس مطلب یہ ہوگا۔کہ آنحضرتؐ مؤمنین میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں اور اس میں اور مولانا کے ترجمہ (آپ کسی مرد کے باپ نہیں ہیں) میں کوئی فرق نہیں ہے۔اس لیئے کہ کسی مرد کی مراد مرد مومن ہی ہے کہ مرد کافر میں گفتگو ہی نہیں۔اس کے لیئے آنحضرت کا باپ ہونا بالبداھتہ باطل ہے۔پس آپ سے سوال ہے۔کہ حضرات حسنینؓ مومنین کے عموم میں داخل یا نہیں۔ہم مسلمان تو اس کے قائل ہیں کہ حضرات حسنین اس عموم میں داخل ہیں اور رسول اللہؐ سے ہر مومن کے باپ ہونے کی نفی کی گئی ہے۔باقی رہا آپ کا یہ کہنا کہ آیت میں زید بن حارثہؓ کے ابن الرسولؐ ہونے کی نفی ہے۔رسولؐ کا پدر حسنینؓ ہونا کسی آیت میں منفی نہیں ہے اور اس کے لیئے ابن حجر کے قول۔قولہ تعالیٰ ماکان محمد ابا احد من رجالکم انما سیق لانقطاع التبنی الخ سے استناد کرنا محض غلط ہے۔مورد آیت بلاشبہ زید بن حارثہ کی تبنی ہی کا واقعہ ہے لیکن الفاظ آیت بالکل عام ہیں اور ظاہر ہے کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہی ہوتا ہے خصوص مورد کا نہیں۔العبرۃ لعموم

ط لا لخصوص المورد اور جن لوگوں نے تخصیص کی کوشش کی ہے۔ ان کی غرض یہ
ہ کہ قاسمؓ و طیبؓ و ابراہیمؓ سے نقض نہ وارد ہو۔ لیکن اس نقض کے دفعیہ کے لیے
ظ میں تخصیص بے ضرورت ہے۔ اس لیے کہ نزول آیت کے وقت حضرات
ورین میں سے کوئی زندہ نہ تھا، لہٰذا اس وقت میں یہ کہنا بلا تاویل درست ہے
آنحضرتؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ اسی طرح حسنینؓ سے
ی نقض نہیں وارد ہوتا۔ اس لیے کہ آیت میں ابوت حقیقیہ کی نفی کی گئی ہے۔ راغب
نے تصریح کی ہے۔ ما کان محمد ابا احد من رجالکم انما ھو نفی الولادۃ۔
ور ظاہر ہے کہ رسول اللہؐ حسنینؓ کے حقیقی باپ اور والد نہیں ہیں۔ پس حسنین کو رجال
سے خارج کرنے کے لیے یہ کہنا کہ لغت عرب میں رجال بالغ مردوں کو کہا جاتا
ہے بے ضرورت ہونے کے علاوہ بے دلیل بلکہ محاورۂ قرآنی کے خلاف بھی
ہے۔ اگر اعجاز صاحب صداقت رکھتے ہیں تو لغت عرب سے ثابت کریں کہ
رجال بالغ مردوں ہی کو کہا جاتا ہے۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ لغت میں الرجل
خلاف المرأۃ۔ (منجد) لکھا ہے اور مرءۃ کو مرء کا مؤنث بتایا ہے۔ اور المرء
کے معنی انسان بیان کیے ہیں اور محاورۂ قرآنی بھی ہے۔

وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت۔ دیکھیے
یہاں رجل و امرأۃ سے بالغ و نابالغ دونوں باتفاق مراد ہیں۔ ورنہ لازم آئے گا
کہ کوئی نابالغ لڑکا یا لڑکی مر جائے اور اس کے اخیافی بھائی بہن کے سوا کوئی نہ
ہو تو وہ اس حکم سے خارج ہو۔ ولا قائل بہ احد۔

مولانا نے لکھا تھا، لفظ نساء جمع ہے اس کے معنی عورتوں کے ہیں جب یہ لفظ
کسی شخص کی طرف مضاف ہوتا ہے تو اس لفظ سے اس کی زوجہ مراد ہوتی ہے قرآن
میں کئی جگہ یہ لفظ مضاف ہو کر مستعمل ہوا ہے۔ وہاں باتفاق زوجہ مراد ہے۔ سورۂ احزاب
میں یا نساء النبی سے بلا اختلاف ازواج نبی مراد ہیں۔ لہٰذا اس لفظ سے فاطمہؓ کو
مراد لینا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ کسی زبان میں کسی بیٹی کو اس کی عورت نہیں کہتے۔

(مجادلہ) آپ کا یہ قول غلط ہے۔ کہ قرآن میں کسی جگہ یہ لفظ مستعمل ہوا ہے تو اس لفظ نساء سے باتفاق ازواج مراد ہیں۔ بلکہ قرآن میں چار جگہ یہ لفظ مضاف مستعمل ہے۔ لیکن اس لفظ سے بیٹیاں مراد ہیں۔ یستحیون نساءکم۔ یستحیی نساءھم۔ یستحیون نسائکم۔ یستحیون نسائکم۔ ثبوت کے لیئے خازن بغوی کشاف نیشا پوری حسینی دیکھیئے۔

(دفع) مولوی صاحب افسوس ہے کہ ابھی تک آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ تناقض کے لیئے اختلاف فی الکم ضروری ہے۔ حالانکہ یہ تہذیب ہی میں موجود ہے کہ ولا بد من الاختلاف فی الکم یعنی جب تناقض کیلیئے اختلاف فی الکم ضروری ہے۔ تو سنیئے! کہ آپ کا یہ قضیہ کہ چار جگہ قرآن میں یہ لفظ مضاف مستعمل ہے اور اس سے بیٹیاں مراد ہیں۔ اگر صادق بھی ہو تو مولانا کے قضیہ کہ "قرآن میں کسی جگہ یہ لفظ مضاف مستعمل ہوا ہے اور اس سے باتفاق ازواج مراد ہیں" (یعنی بیٹیاں مراد نہیں ہیں) کے کذب کو مستلزم نہیں ہے کہ دونوں جزئیہ ہیں۔ ولابد للتناقض من جزئیۃ احدھما وکلیۃ الاخر۔ بہرحال اولاً قرآن میں کہیں لفظ نساء مضاف سے بیٹیاں مراد ہوں تو اس سے مولانا کے مذکورہ بالا قول کی تغلیط نہیں ہوتی۔ **ثانیاً** اسی میں کلام ہے کہ آپ کے ذکر کیئے ہوئے مقامات اربعہ میں بیٹیاں مراد ہیں۔ آخر بیبیاں مراد لینے میں کیا قباحت ہے اور یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ آیت کی مراد یہ ہو کہ فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا اور یہ نہیں کرتا تھا کہ عورتوں ہی کو مرواڈالے کہ ایک ہی دن جو مصیبت آنا ہو آرہتی اور بار بار لڑکے کی پیدائش کے وقت اس کے خاک وخون میں تڑپنے کا جانگسل نظارہ نہ کرنا پڑتا۔ بلکہ جبریہ خدمتیں لینے کے لیئے عورتوں کو باقی رکھتا تھا۔

مولانا مجاز صاحب کے معلومات میں اضافہ کی غرض سے یہ بتا دینا مناسب ہے کہ یستحیون کے تین معنے مفسرین نے بیان کیئے ہیں یستبقون (یعنی زندہ باقی رکھتے تھے) اور یسترقون (لونڈی بناتے تھے) یعنی خدمت لیتے تھے۔

ن الحیاء والحیاء الفرج پس پہلی دونوں صورتوں میں تو نساء کا بیبیوں کے معنی
نا ظاہر ہے اور پہلے معنی کی صورت میں بھی ہم اس کا بیبیوں کے معنی میں ہونا
کر چکے پس مولانا کا دعوی کلیہ بھی صحیح ہے۔

ثالثاً۔ اعجاز صاحب نے جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ ان میں ہم نے خازن
کشاف کا مطالعہ کیا۔ ان میں سے کسی میں بھی مذکورہ بالا مقامات میں نساء بمعنی
نہیں لکھا ہے، بلکہ کشاف میں نسائکم کا لفظ بھی مذکور نہیں ہے۔ اگر اعجاز
ب سچے ہیں تو ان کتابوں کی عبارتیں نقل کر کے ثابت کریں۔

(**رابعاً**) ان مقامات اربعہ میں وہ تین مقامات جہاں یستحیون نسائکم
ہے۔ وہاں تو نساء کی اضافت لمخاطبین الموجودین فی عہد الرسل
ت مجازیہ ہے اور نسائنا میں حقیقیہ۔ پس کیا اضافت حقیقیہ کو اضافت مجازیہ
س کرنا قیاس مع الفارق نہ ہوگا۔ رہی چوتھی مثال اس کے لیئے جواب نمبر ۲
ہے۔

خامساً۔ مولانا نے شخص کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں یہ دعوے
ا اور آپ نے جو مثالیں پیش کی ہیں ان میں صنف بنی اسرائیل کی طرف اضافت
اور یہ ضروری نہیں کہ اضافت الی الشخص کی صورت میں جس میں معنی کے
لفظ نساء مفید ہو۔ بعینہ اسی معنی کے لیئے اضافت الی الصنف کی صورت
بھی ہو۔ اس کے بعد اعجاز صاحب نے اردو کی ایک مثال سے یہ ثابت کرنا
ہے کہ کسی شخص کی ماں بہنیں بھی محارم میں اس کی عورتیں کہی جا سکتی ہیں۔ وہ
ل یہ ہے کہ کسی شخص کے گھر کی عورتیں سواریوں میں بیٹھ کر کسی تقریب میں شرکت
لیئے جائیں اور جب وہاں پہنچیں تو کوئی پوچھے کہ یہ سواریاں کہاں سے آئی ہیں
کے جواب میں کہا جائے کہ یہ فلاں شخص کی عورتیں ہیں۔ پس اس صورت میں اس
ص کے گھر کی ساری عورتوں کو اس کی عورتیں کہا گیا۔

(**دفع**) اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہ مثال آپ کی خانہ ساز ہے۔ اگر

ثابت ہی کرنا تھا تو اہل زبان کی کسی تصنیف میں اس قسم کی عبارت دکھاتے۔ جس میں کسی شخص کی بیٹیوں اور بہنوں کو اس کی عورتوں سے تعبیر کیا گیا ہو۔ اب آپ خود تو اہل زبان میں نہیں۔ اس لیئے کہ آپ کی بنا دی مثال بھی قابل تسلیم نہیں ہے اس لیئے کہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ بدایوں میں کسی کی ماں، بہن، بیٹی، دادی، نانی، پوتی، نواسی وغیرہما کو اس کی عورتیں کہتے ہوں تو ہم کو اس سے بحث نہیں۔ اہل زبان نہیں بولتے۔ ثانیاً فرض کیجیئے کہ آپ کے خاندان میں کسی کے یہاں شادی ہو اور محفل شادی میں جناب کی صاحبزادی صاحبہ فنس میں بیٹھ کر یا موٹر پر سوار ہو کر زینت افزائی محفل بننے کے لیئے تشریف لے چلیں اور خانہ شادی کے دروازہ پہ پہنچ کر وہاں کا کوئی منتظم یہ پوچھے کہ یہ سواری کہاں سے آئی ہے۔ تو کیا اس کو یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ یہ مبلغ بے مثال واعظ شیریں مقال جناب مولانا اعجاز حسن صاحب بدایونی کی عورت تشریف لائی ہیں۔ توبہ توبہ ہرگز نہیں۔ ہم تو یہ کہیں گے کہ یہ جواب نہیں دیا جا سکتا اور کسی زبان میں کسی کی بیٹی کو بھی اس کی عورت کہنا درست نہیں مگر آپ کو اختیار ہے جس طرح جی چاہے بولیئے۔ ہاں اب آپ کی سمجھ آ گیا ہوگا کہ آپ کی بیٹی کو آپ کی عورت نہیں کہا جا سکتا پس اسی طرح کلمہ نسارنا سے حضرت فاطمہ زہرا جگر گوشۂ رسول ہرگز مراد نہیں ہو سکتیں۔

مولانا نے لکھا تھا کہ "مباہلہ کے ایک فریق کے لیئے جو الفاظ ہیں ان کے معانی کو شیعوں نے تصنیف کر لیئے۔ مگر دوسرے فریق کے لیئے بھی تو یہی الفاظ ہیں۔ مگر ان کے کوئی معنی حضرات شیعوں نے نہیں بیان کیئے۔

(مجادلہ مع رد) ہمارے بیان کیئے ہوئے معانی قول حضرت جابرؓ وغیرہ کے مطابق اور حدیث عائشہؓ اس کی مؤید اور آنحضرتؐ کی حدیث قولی وفعلی اس کی اصل ہے (صفحات سابقہ میں بتفصیل بتایا جا چکا ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے) بےشک گروہ نصاریٰ کو بھی اسی نوعیت کے اشخاص مدعو کرنے کا حکم رسول اللہؐ نے دیا تھا (روایت سے ثابت کیجیئے۔ خالی دعوے کس کام کا) انبیائے سابقین کا کوئی مباہلہ ایسا نہیں ہوا۔ جس میں آمین کہنے کو نبی نے اپنے اہل واصحاب

راہ لیا ہو۔

اولاً تو اس وقت فریق مبطلین کے انفس و ابناء میں گفتگو ہو رہی ہے۔ پس آپ ین محققین کا ذکر کیوں کر رہے ہیں۔ یہ ثابت کیجئے کہ ان انبیائے سابقین کے مخالفین میں اپنی بیٹیوں اور چچازاد بھائیوں اور نواسوں کو لے کر آئے تھے۔ تاکہ ان کے ت پر آپ نصارائے نجران کو قیاس کر سکیں۔

ثانیاً یہ آپ کو کہاں سے معلوم ہوا کہ انبیائے سابقین مباہلہ میں اپنے ازواج حاب کو نہیں لے گئے تھے۔ اگر کوئی ثبوت ہو تو پیش کیجئے۔ ورنہ یوں تو آپ کا بھی کہہ سکتا ہے۔ کہ انبیائے سابقین کا کوئی مباہلہ ایسا نہیں ہوا جس میں نبی لے صرف بیٹی اور چچازاد بھائی اور نواسوں کو آمین کہنے کو لیا ہو۔ ورنہ بحوالہ کتب مع ل عبارت ثبوت دیجیئے۔

(مجادلہ) آپ نے خود تفسیر بیضاوی سے یہ عبارت نقل فرمائی ہے۔ یدع ن منا ومنکم نفسہ واعزۃ اھلہ۔ یعنی ہم میں سے اور تم میں سے ہر شخص اپنے نفس اور یز ترین اہل کو بلائے۔ آپ کے مفسر نے دستور مباہلہ کے مطابق دونوں فریق کے ے ایک ہی نوعیت کے اشخاص مراد لیئے۔ ازواج کا اس عبارت میں وہم بھی یں ہوتا۔ نیز کسی زبان میں زوجہ کو عزیز ترین اہل نہیں کہا جاتا۔

(دفع) آپ کی بھی عجیب سمجھ ہے۔ اتحاد نوعیت مدعوین طرفین ثابت نے کے لیئے آپ کو تفسیر بیضاوی کا حوالہ دینے کی کیا ضرورت تھی۔ قرآن میں تو بھی دونوں طرف کے مدعوین کو یکساں الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ لہذا قرآن کا حوالہ ں تھا۔ مولوی صاحب مولانا کے فرمانے کا مطلب پہلے سمجھئے۔ پھر جواب دینے شش کیجیئے۔ مولانا یہ کہتے ہیں۔ کہ مباہلہ مذکورہ فی الآیۃ کے ایک فریق تو رسول اللہ ان کے متبعین ہیں اور دوسرا فریق نجران کے عیسائیوں کا ہے۔ پس آپ جب یہ ثابت ئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابنائنا ونسائنا وانفسنا فرما کر فریق اول کی طرف سے ین و فاطمہؓ و علیؓ کو تجویز کیا تو آپ یہ بھی ثابت کیجیئے کہ ابنائکم ونسائکم و

انفسکو میں فریق ثانی کی طرف کن کن مخصوص و مشخص عیسائیوں کو باری تعالیٰ نے شرکت کے لیئے نامزد کیا ہے۔ جب کہ دونوں طرف ایک ہی قسم کے الفاظ میں ترکیا وجہ کہ ایک طرف متعین اشخاص مراد ہوں اور دوسری طرف نہ ہوں۔ پس بتایئے کہ وہ کون شخص عیسائی تھا جس کو حکم تھا کہ وہ اپنے فلاں فلاں اعزہ کو لے کر آئے۔ اب بتلیئے کہ تفسیر بیضاوی کی عبارت سے آپ کی کیا تائید ہوتی ہے کیا اس عبارت میں یہ مذکور ہے کہ عیسائیوں کی طرف سے فلاں فلاں متعین ابناء نساء انفس مجتے تائید تو درکنار بیضاوی کی عبارت تو آپ کے حق میں سخت مضر اور آپ کے تخیلات باطلہ رکیکہ فاسدہ کا بالکلیہ ازالہ کر رہی ہے کہ اس میں صاف تصریح موجود ہے کہ دونوں فریق کا ہر شخص مع اپنے تمام اعزہ کے شریک مباہلہ ہو۔ چنانچہ آپ نے خود ترجمہ کیا ہے کہ ہم میں سے اور تم میں سے ہر شخص اپنے نفس اور عزیز ترین اہل کو بلائے۔ خط کشیدہ الفاظ کو غور سے پڑھیئے۔

ظاہر ہے کہ تم میں سے ہر شخص کی مراد یہ ہے کہ نصارئے نجران میں سے ہر شخص۔ اور ہم میں ہر شخص کی مراد مؤمنین میں سے ہر شخص کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی۔ اس لیئے کہ اگر ہم سے مراد صرف رسولؐ کی ذات کو لیجیئے تو مطلب یہ ہو جائے گا کہ رسول اللہ میں سے ہر شخص اپنے نفس اور اعزۃ اہل کو بلائے جو بالکل بے معنی فقرہ ہے۔ پس جب کہ آیت کا یہ مطلب ہوا کہ مسلمانوں میں سے ہر شخص اپنے نفس اور اعزۂ اہل کو بلائے تو آپ کا صرف اشخاص معہودہ کا مراد لینا غلط ہو گیا۔

رہا آپ کا یہ کہنا کہ زوجہ کو کسی زبان میں عزیز ترین اہل نہیں کہتے۔ اس کے متعلق گذارش ہے کہ اولاً تو آپ نے بیضاوی کے لفظ اعزۃ اہلہ کا ترجمہ ہی عزیز ترین اہل غلط کیا ہے۔ عزیز ترین اہل اعزا ہلہ (یعنی اعز اسم تفضیل مضاف بسوئے اہلہ) کا ترجمہ ہوگا نہ کہ اعزۃ اہلہ (اعزۃ جمع عزیز مضاف بسوئے اہلہ) کا صحیح ترجمہ باعتبار لغت کا اپنے خاندان کے عزیز لوگ ہوگا۔ پس اب بتایئے کہ کسی زبان میں اپنی زوجہ کو خاندان کا عزیز (باعزت) فرد کہا جاتا ہے یا نہیں۔ مولوی صاحب مجھے

ایوں کا حال معلوم نہیں۔ مگر ہمارے ہاں تو بی بی گھر کا باعزت فرد ہوتی ہے۔ بے
رت نہیں ہوتی۔ مجھے یقین نہیں کہ آپ کے ہاں اس کے خلاف ہوگا۔ حیرت ہے کہ
پ اس بے باکی سے کہتے ہیں کہ کسی زبان میں زوجہ کو عزیز ترین اہل نہیں کہتے حالانکہ
گر آپ دیانت کو کام میں لاتے تو کشاف میں اس عبارت کے بعد جس کو آپ نے
۷ میں نقل کیا ہے۔ یہ عبارت آپ کو ملتی۔ وانما خص الابناء والنساء لانہم
عز الاھل والصقھم بالقلب وربما فداھم الرجل بنفسہ وحارب دونہم
نتی یقتل ومن ثمہ کانوا یسوقون الظعائن فی الحروب لتمنعھم
ن الحرب ویسمون الذادۃ عنھا بارواحھم حماۃ الحقائق۔ (ص۲۰۲ جلد۱)
دیکھئے مولوی صاحب زمخشری نے ابناء ونساء کو اعز الاھل کہا۔
پھر بعد کے فقروں میں یہ بھی بتایا کہ نساء سے کیا مراد ہے۔ کیوں جناب! اہل عرب
ن عورتوں کو ہودج میں سوار کر کے لڑائیوں میں اس غرض سے لے جاتے تھے
کہ وہ ان کی وجہ سے فرار نہ کر سکیں۔ ان میں کیا صرف بیٹیاں ہی بیٹیاں ہوتی تھیں۔
یا آپ کو عمرو بن کلثوم کے اشعار ذیل یاد نہیں ہے۔ آپ نے سبعہ معلقہ پڑھا ہی
ہیں سنیئے۔ ؎

علی اثارنا بیض حسان — نحاذر ان تقسم او تھونا
اخذن علی بعولتھن عہدا — اذا لاقوا کتائب معلمینا
لکی یسلبن افراسا وبیضا — واسری فی الحبال مقرنینا
ترانا بارزین وکل حی — قد اتخذوا مخافتنا قرینا
اذا مارحن یمشین الھوینا — کما اضطربت متون الشاربینا
ظعائن من بنی جشم بن بکر — خلطن بمیسم حسبا ودینا
یقتن جیادنا ویقلن لستم — بعولتنا اذا لم تمنعونا
فما منع الظعائن مثل ضرب — تری منہ السواعد کالقلینا

کیوں مولوی صاحب یہ ظعائن (زنان ہودج نشین) شاعر اور اس کے

شرکار، کار کی بیبیاں ہیں یا بیٹیاں۔ اگر بیبیاں ہیں تو اب ایک بار زمخشری کی منقولہ بالاعبارت پھر پڑھیئے اور دیکھیئے کہ انہوں نے بیبیوں کے اعز الاہل ہونے کو کتنے مدلل طریق سے بیان کرکے آپ کے بدعی و رفضی تخیل کو خاک میں ملادیا ہے۔ اور چونکہ یہ عبارت آپ کی نقل کی ہوئی عبارت کے بعد بلافصل ہے۔ اس لیئے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک آپ کی خیانت اور چوری اور دوسرے یہ کہ آپ نے اپنی نقل کی ہوئی عبارت کا بھی مطلب غلط سمجھا۔ اسی بنا پر ازواج کو اعزۃ افلاذ کبد اور احب الناس الیہ میں سے کسی ایک میں داخل نہیں سمجھا۔ حالانکہ زمخشری نے آگے چل کر میری نقل کی ہوئی عبارت میں گویا تصریح کردی کہ بیبیاں اعزۃ یا احب الناس الیہ میں شامل ہیں۔ اگر آپ ہم سے پوچھتے ہیں کہ صحابہ یا ازواج پر اعزۃ۔ افلاذ کبد اور احب الناس میں سے کون سا لفظ صادق ہے تو ہم بتانے ہیں کہ صحابہؓ اور ازواج اعزہ اور احب الناس الیہ میں شامل ہیں۔ ترمذی میں ہے۔ قیل یارسول اللہ من احب الناس الیك قال عائشۃؓ قیل من الرجال قال ابوھا۔ بخاری میں زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی نسبت نص رسول ہے۔ وان کان لمن احب الناس الی وان ھذا لمن احب الناس الی بعدہ۔ حضرت زیدؓ کی نسبت یہ ارشاد بھی ہے۔ انت اخونا ومولانا۔ بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت اسامہ و حضرت حسن کو آنحضرت پکڑ کر فرماتے۔ اللھم احبھما فانی احبھما۔ بخاری میں ہے کہ آنحضرت نے انصار کی نسبت فرمایا۔ والذی نفسی بیدہ انکم احب الناس الی۔ ترمذی میں ہے۔ احب اھل الی من انعم اللہ علیہ و انعمت علیہ اسامۃ بن زیدؓ قال ثم من قال علیؓ بن ابی طالب۔ (مشکوۃ)

مولانا نے لکھا تھا کہ ساتویں خرابی یہ ہے۔ اگر بفرض محال مان لیا جائے کہ انفسنا سے حضرت علیؓ مراد ہیں تو بھی خلافت بلافصل ثابت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ حضرت علیؓ کا حقیقی معنی میں نفس رسول ہونا تو ممکن ہی نہیں۔ لامحالہ مجازی طور پر ان کو

نفس رسولؐ کہا جائے گا تو اس صورت میں نہ ان کا معصوم ہونا ثابت ہوگا نہ تمام صحابہؓ سے افضل ہونا کیونکہ مجاز میں حقیقت کے تمام اوصاف کا موجود ہونا ضروری نہیں الخ۔

انتہیٰ ملخصاً۔

اس کے جواب میں اعجاز صاحب نے وہی باتیں دہرائی ہیں جن کی دھجیاں بکھیری جا چکی ہیں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں تاہم ایک بات ضرور کہوں گا کہ اعجاز صاحب یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی مجازی طور پر نفس رسول تھے۔ لیکن جھٹ یہ قید بھی لگا دیتے ہیں کہ وہ مجاز جو حقیقت سے اقرب اور حقیقت کے قائم مقام ہوتا ہے۔ کوئی اعجاز صاحب سے پوچھے کہ جناب مجاز بھی تو حقیقت کے قائم مقام ہوتے ہیں پھر اس شخص کے کیا معنی معلوم ہوتا ہے آپ مجاز کی حقیقت ہی سے آشنا نہیں ہیں بہتر یہ ہوگا کہ آپ نفس رسولؐ کے پہلے حقیقی معنے لکھیئے پھر اس کے مجازی معنے بتائیے۔ اس کے بعد دونوں میں جو علاقہ ہو اس کی توضیح کیجیئے۔

پھر سب کے آخر میں حضرت علیؓ کا متعین طور پر اس کا مصداق ہونا ثابت کیجیئے۔ بقول آپ کے خالی خولی اول فول اڑانے سے کچھ نہیں ہوتا ہمت ہے تو یہ کیجیئے۔

اسی طرح اعجاز صاحب یہ بھی مانتے ہیں کہ مجاز میں حقیقت کے تمام اوصاف کا موجود ہونا ضروری نہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ مگر ان اوصاف کا ثبوت لازم ہے جن کی وجہ سے وہ مجاز اپنی حقیقت کا نائب ہو سکے۔ اعجاز صاحب کے اس مگر میں یہ کلام ہے کہ اعجاز صاحب بتائیں کہ وہ مجاز کے نائب ہونے سے کیا مراد لیتے ہیں۔ آیا استعمال ارادہ میں نیابت یا اس کے سوا کسی اور چیز میں۔ اگر دوسری شق مراد ہے تو میں کہوں گا کہ مجاز کے لیئے سرے سے یہی ضروری نہیں ہے کہ وہ استعمال وارادہ کے علاوہ کسی اور چیز میں بھی حقیقت کا نائب ہو۔ چہ جائیکہ ان اوصاف کا ضروری ہونا جن کی وجہ سے وہ ایسی نیابت کر سکے۔ شاید اعجاز صاحب کو معلوم ہوگا کہ حقیقت ومجاز لفظ کے اقسام سے ہیں اور اگر ان کو اوصاف معنی سے بھی مان لیا جائے تو بھی

اس کا اتصاف دونوں معنوں کے ساتھ معنی کے وجود ذہنی کے لحاظ سے ہے۔ نہ باعتبار اس کے وجود خارجی کے۔ پس اگر کسی معنی کو دوسرے کا مجاز کہا جائے تو اس کا صرف اتنا مطلب ہو سکتا ہے کہ معنی اول معنی ثانی کا ارادہ و انفہام من اللفظ میں نائب ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا نہ ہو سکتا کہ معنی اول باعتبار اپنے وجود خارجی کے ثانی کا نائب و خلیفہ ہے۔ رایت اسدا یرمی میں مرد دلیر شیر کا اگر مجاز (یا نائب) ہے تو اس کا یہی مطلب ہے کہ لفظ اسد سے شیر کے بجائے مرد دلیر مراد ہے نہ مرد دلیر شیر کا نائب حکومت اور خلیفہ یا ولی و وصی ہے۔

اور اگر پہلی شق مراد ہے تو صحیح ہے لیکن اس نیابت کے لیے مجاز میں حقیقت کے اوصاف پائے جانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ کوئی ایک وصف بھی پایا جائے تو مجاز ہونے کے لیے کافی ہے۔ پس اگر نفس رسولؐ سے مجازاً حضرت علیؓ مراد ہوں تو کوئی ایک وصف حقیقت کا پایا جانا ان میں کافی ہو گا۔ اور ضروری نہیں کہ خواہ مخواہ وہ وصف معصومیت یا تمام صحابہؓ سے افضل ہونا ہی ہو بلکہ یہ یا ان کے علاوہ کوئی دوسرا وصف پایا جائے تو مجازیت صحیح ہو جائے گی۔

مسلکِ اہلسنّت کی توضیح اور اُن کی تفسیر کی تشریح

چونکہ اعجاز صاحب کو ہمارا مسلک سمجھنے میں بہت زیادہ غلط فہمی واقع ہوئی ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تفسیر اہلسنّت کی تھوڑی سی تشریح کر کے ان کے مسلک کی توضیح کر دوں۔

اہلسنّت کا مسلک یہ ہے کہ آیت مباہلہ میں الفاظ انفسنا ابناءنا نسائنا سے ذواتِ مخصوصہ اور اشخاص متعینہ مراد نہیں ہیں۔ بہ خلاف شیعوں کے کہ وہ ان الفاظ سے متعین اشخاص کو مراد لیتے ہیں۔ اہل سنّت کے مسلک کی بنیاد یہ ہے کہ الفاظِ مذکورہ میں ضمیر متکلم مع الغیر کی طرف انفس و ابناء و نساء کی اضافت ہے اور یہ ظاہر

ہے کہ ضمیر متکلم مع الغیر سے متکلم کے سوا اور لوگ بھی مراد ہوتے ہیں۔ پس الفاظ مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور مؤمنین کے انفس و ابناء و نساء بھی مراد ہوں گے۔ چنانچہ قاضی بیضاوی وغیرہ نے آیت کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے۔ لیدع کل منا ومنکم نفسہ واعزۃ اھلہ اور خود اعجاز صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ہم میں سے اور تم میں سے ہر شخص اپنے نفس کو اور عزیز ترین اہل کو بلائے۔ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص کی مراد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ "مؤمنین میں سے ہر شخص"، اور ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ ضمیر متکلم مع الغیر ہی کا ہو سکتا ہے اور جب ضمیر متکلم مع الغیر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان مراد ہوئے تو ان تمام حضرات کے انفس و ابناء و نساء بھی مراد ہوں گے۔ اس تفسیر کی بنا پر ضمیر متکلم اور انفس و ابناء و نساء کی جمعیت اپنے حال پر باقی رہتی ہے۔ لیکن شیعوں کے قول کی بنا پر سب کی جمعیت باطل ہو جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس صورت میں نفس بھی اپنی حقیقت پر رہتا ہے اور شیعوں کو مجاز اختیار کرنا پڑتا ہے۔

تمام اہلسنت کا یہی مسلک ہے۔ باقی جس شخص کی نسبت اعجاز صاحب نے یہ بیان کیا ہے کہ فلاں نے انفسنا سے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد لیا ہے۔ اس نے شیعوں کے جواب میں سند منع کے طور پر یہ کہا ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ لا نسلم ان المراد بانفسنا الامیر بل المراد نفسہ الشریفۃ۔ یعنی ہم شیعوں کا یہ قول تسلیم نہیں کرتے کہ انفسنا سے مراد حضرت امیرؓ ہیں، بلکہ اس کی مراد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس سے مفسر مذکور کا یہ منشا نہیں کہ ہمارے نزدیک یہی صحیح ہے کہ انفسنا سے آنحضرت مراد ہیں بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ جب انفسنا سے جماعت کو مراد نہ لیں اور ایک ہی شخص کو مراد لیں تو کیا ضرور ہے کہ وہ ایک حضرت علیؓ ہی ہوں، بلکہ رسول اللہؐ کو کیوں نہ مراد لیا جائے۔ میں نے مفسر مذکور کے منشاء کے متعلق جو کچھ لکھا اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے خود اس سے پہلے وہی تفسیر لکھی ہے جو بیضاوی وغیرہ میں مذکور ہے۔

پس اہلسنت میں سے کسی شخص نے بھی ذوات مخصوصہ کو یا لفظ جمع سے واحد کو مراد نہیں لیا اور اسی سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اہلسنت نے مسلمانوں میں سے ہر شخص کے نفس سے خود اس کی ذات مراد لی ہے۔ نفس رسولؐ سے حضرت عائشہؓ کی ذات مراد نہیں لی ہے جیسا کہ ہمارے برخود غلط مجادل نے سمجھا ہے۔

اور اسی سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جن مفسرین نے روایت شان نزول کو ذکر کیا ہے اس سے ان کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے کہ الفاظ مذکورہ سے ذوات مخصوصہ مراد ہیں، بلکہ روایت کے لانے سے صرف واقعۂ مباہلہ کی تفصیل منظور ہے اور بس۔ ورنہ ان کے کلام میں تناقض و تہافت لازم آئے گا۔ حاصل کلام یہ کہ حضرت مولانا مدیر النجم مدظلہ اور مفسرین اہلسنت کی تفسیروں میں باہم کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اعجاز صاحب نے نافہمی سے مولانا کی تفسیر کو دوسرے مفسرین کے خلاف سمجھ لیا ہے۔

وکم من عائب قولاً صحیحاً
وآفته من الفهم السقیم

وهذا اخر ما اردنا ایراده فی هذه الرسالة والحمد لله رب العلمین والصلوٰة والسلام علی سید المرسلین وعلی اله وصحبه نجوم الدین.

وانا العاجز حبیب الرحمٰن الاعظمی غفرلہٗ
از مدرسہ مفتاح العلوم مئو ضلع اعظم گڈھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر

آیۃ تطہیر

جس میں

روز روشن کی طرح دکھا دیا گیا ہے کہ اہل بیت زبان عرب میں زوجہ کو کہتے ہیں اور آیۃ تطہیر میں لفظ اہل بیت سے ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد الٰہی ہیں۔ ان کے سوا نہ کوئی مراد ہے نہ ہو سکتا ہے۔

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳۔ روڈ نمبر ۷۔ سب بلاک اے، بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدوسیہ
ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔ فون نمبر: ۶۶۰۱۴۴۹

پہلی آیت کی تفسیر جب میں لکھ چکا تو اتفاقاً بعض اہل علم[1] یہاں تشریف لائے۔ اور اس تقریر کو دیکھ کر نہایت محظوظ ہوئے۔ اور ساتھ ہی مجھ سے یہ اصرار کیا کہ آیت تطہیر کے متعلق بھی تجھے کچھ لکھنا چاہیئے۔ کیونکہ حضرات مخالفین کے زعم میں وہ آیت بھی عصمت پر دلیل صریح ہے۔ اور موقع بے موقع اکثر ناواقف سنیوں کے سامنے اس آیت کو پڑھ کر اپنے مکائد کی بہار دکھایا کرتے ہیں، لہذا خدا کا نام لے کر اس آیت کی تقریر بھی لکھتا ہوں۔ ایک مصلحت اس میں یہ بھی ہے کہ اس آیت کی تقریر صاحب قوت قدسیہ مصنف تحفۂ اثنا عشریہ اعلی اللہ مقامہ نے بھی لکھی ہے۔ اور بوارق میں مخالفین کے سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب مجتہد نے اس کے رد میں اپنا پورا زور دکھایا۔ اور اپنے اسلاف کی تمام کمائی خرچ کر دی ہے پس اس ذریعہ سے مجھے جوابات تحفہ کے ایک اور نمونہ پیش کرنے کا موقع مل جائے گا۔

وہ آیت یہ ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (ترجمہ) اے اہل بیت (نبیؐ) اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے رجس (یعنی ناپاکی) کو دور کرے۔ اور تم کو پاک کرے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔ سب سے پہلے اس آیت کا جو صحیح مطلب ہے وہ سمجھ لینا چاہیئے۔

واضح ہو کہ عبارت مذکور پوری آیت نہیں ہے، بلکہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے۔ جو نصف سے بھی کم ہے۔ یہ ایک مسلسل مضمون ہے۔ جس کا سلسلہ کئی آیت پہلے سے شروع ہوا ہے۔ اور ایک آیت کے بعد ختم ہوا ہے۔ پس جب تک آگے پیچھے کی سب آیتیں نہ دیکھی جائیں۔ صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا۔ لہذا وہ تمام آیتیں اس مقام پر نقل کی جاتی ہیں۔

یاایھا النبی قل لازواجک — اے نبی اپنی بیبیوں سے کہہ دو

---

[1] مراد جناب مولوی حافظ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ساکن ایرایاں ضلع فتحپور دامت برکاتہم و دیگر حضرات ہیں ۱۲

ان كنتن تردن الحيوة الدنيا	کہ اگر تم دنیا وی زندگی اور اس
وزينتها فتعالين امتعكن	کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں
واسرحكن سراحا جميلاه	تمہیں کچھ مال دے دوں اور
وان كنتن تردن الله	اچھی طرح رخصت کر دوں۔ اور
ورسوله والدار الاخرة	اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو
فان الله اعد للمحسنت	اور دار آخرت (کے عیش و عشرت)
منكن اجرا عظيماه	کو چاہتی ہو تو جان لو کہ بیشک
ينساء النبي من يات	اللہ نے تم میں سے نیکو کاروں کے
منكن بفاحشة مبينة	لئے (آخرت میں) بڑا (اچھا)
يضعف لها العذاب	بدلہ تیار کر رکھا ہے۔
ضعفين وكان ذلك	اے نبی کی بیبیو! جو کوئی تم میں
على الله يسيراه ومن	سے صریح[1] بدکاری کا ارتکاب
يقنت منكن لله ورسوله	کرے گی۔ تو اس کے لئے دونا
وتعمل صالحا نؤتها	عذاب آخرت میں بڑھایا جائے گا۔
اجرها مرتين واعتدنا	اور یہ بات اللہ پر آسان ہے۔
لها رزقا كريماه ينساء	(مگر اس کے ساتھ ایک بات
النبي لستن كاحد من	اور بھی ہے کہ) جو کوئی تم میں سے
النساء ان اتقيتن فلا	اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت
تخضعن بالقول فيطمع	کرے گی اور نیک کام کرتی رہے
الذي في قلبه مرض	گی ہم اس کو اس کا ثواب (بھی)

[1] صریح کی قید کا یہ فائدہ ہے۔ کہ بعض برے کام ایسے ہوتے ہیں جنکی برائی صریح نہیں ہوتی ان کے ارتکاب پر یہ سزا نہ ہوگی۔ برائی کے صریح نہ ہونے کا یہ مطلب ہے۔ کہ قرآن وحدیث میں اس کی برائی مذکور نہ ہو۔ نہ ہر عقل سے اس کی برائی معلوم ہو سکے۔

وقلن قولا معروفا ۝ وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى واقمن الصلوة واتين الزكوة واطعن الله ورسوله ط انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا ۝ واذكرن ما يتلى في بيوتكن من ايات الله والحكمة ط ان الله كان لطيفا خبيرا ۝

دو نا دیں گے اور ہم نے اس کے لئے باعزت روزی تیار کر رکھی ہے۔ اے نبی کی بیبیو! تم (خدا کے نزدیک رتبہ میں دُنیا کی) اور کسی عورت کے برابر نہیں ہو بشرطیکہ پرہیزگاری کرو، لہٰذا تم کو چاہیئے کہ (کسی مرد سے) گفتگو میں نرمی نہ کرو۔ ورنہ جس شخص کے دل میں (فسق) کا مرض ہے وہ کچھ (اور) طمع کریگا اور معقول بات کہہ دیا کرو اور اپنے گھروں میں قرار پذیر رہو۔ اگلے زمانہ جاہلیت کی طرح اپنی زیب و زینت دکھاتی نہ پھرو اور نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ کی اور اسکے رسول کی فرمانبردار رہو۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت (نبی) تم سے نجاست کو دور کر دے اور تم کو خوب پاک کر دے اور اللہ کی آیتیں اور حکمت (کی) باتیں جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد کیا کرو، بیشک اللہ پاکیزہ باخبر ہے۔

اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ کی

ازواج مطہرات نے جب دیکھا کہ عسرت اور تنگ دستی کا زمانہ گزر گیا مسلمانوں

لے علامہ زمخشری جو لغت عرب کے مسلم الکل امام ہیں۔ اپنی تفسیر کشاف میں آیہ تطہیر کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ت حاصل ہو رہی ہیں ، مال غنیمت آتا ہے۔ اور لوگوں میں تقسیم ہوتا ہے۔
وگ آسودہ حال ہو رہے ہیں، مگر ہم لوگوں کی اب بھی وہی حالت ہے ، وہی

مرھن امرا خاصا بالصلوٰۃ
الزکوٰۃ ثم جاء به عاما
ن جمیع الطاعات لان
فتین الطاعتین البدنیۃ
المالیۃ هما اصل سائر
الطاعات من اعتنی بهما
حق اعتنائه جرتاه
الی ماوراءهما ثم بین
انه انما نهاهن و امرهن
و وعظهن لئلا یقارف
اهل بیت رسول اللہ صلے
اللہ علیه وسلم المآثم
ولیتصونوا عنها بالتقویٰ
واستعار للذنوب الرجس
وللتقویٰ الطهر لان عرض
المقترف للمقبحات
یتلوث بها ویتدنس
کما یتلوث بدنه
بالارجاس و اما المحسنات
فالعرض معها نقی مصون

اللہ نے پہلے ازواج النبی کو پہلے خاص
نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ پھر ایک عام
حکم جمیع عبادات کے متعلق دیا۔
کیونکہ یہ دونوں عبادتیں بدنی اور
مالی اصل تمام عبادات کی ہیں۔ جو
شخص ان دونوں عبادتوں کی طرف
کامل توجہ کرے۔ تو یہی دونوں عبادتیں
اس کو دوسری عبادات تک پہنچا
دیں گی۔ پھر خدا نے بیان فرمایا۔
کہ اس نے انہیں امر و وعظ اس
لئے کیا تاکہ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کے اہل بیت گناہوں کا
ارتکاب نہ کریں اور بذریعہ
تقویٰ کے گناہوں سے بچیں۔
اور خدا نے گناہ کو استعارۃً
ناپاکی سے تعبیر کیا۔ اور تقویٰ کو
طہارت سے۔ اس لئے کہ جو
شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔
اس کی آبرو متلوث اور مکدر
ہو جاتی ہے۔ جس طرح بدن نجاست

كالثواب الطاهر وفي
هذه الاستعارة مـا
ينفر اولي الالباب
عما كرهه الله لعباده
ونهاهم عنه ويرغبهم
فيما رضيه لهم وامرهم
به واهل البيت نصب
على النداء او على المدح
وفي هذا دليل بين على
ان نساء النبي صلى الله
عليه وسلم من اهل
بيته ثم ذكر من
ان بيوتهن مهابط الوحي
وامرهن ان لا ينسين
ما يتلى فيها من الكتاب
الجامع بين امرين هو
ايات بينات تدل على
صدق النبوة لانه معجزة
بنظمه وهو حكمة وعلوم
وشرائع ان الله كان لطيفا

سے متلوث ہو جاتا ہے۔ اور نیکو کا
عورتوں کی آبرو ایسی محفوظ رہتی ہے
جیسے پاک کپڑا۔ اور یہ استعارہ
عقل والوں کو ان چیزوں سے
نفرت دلانے کے لئے ہے۔ جو چیزیں
اللہ نے اپنے بندوں کے لئے ناپسند
کی ہیں۔ اور ان سے منع کیا ہے......
اور انکو ان چیزوں کی ترغیب دینے کیلئے ہے جن کو اللہ نے پسند کیا اور حکم دیا ہے۔
اور لفظ اہل بیت کو نصب یا ندا کی
وجہ سے یا مدح کے سبب سے ہے اور
یہ آیت روشن دلیل اس بات کی ہے
کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
بیبیاں آپ کی اہل بیت سے ہیں
پھر خدا نے ازواج مطہرات کو یہ
بات یاد دلائی کہ ان کے گھر نزول
وحی کے مقام ہیں اور انکو حکم دیا
کہ جو کتاب مقدس کہ فلاح دارین
کی جامع ہے۔ اور ان کے گھر میں
میں پڑھی جاتی ہے اس کو فراموش
نہ کریں۔ اس کتاب میں واضح
دلائل صدق نبوت کے ہیں۔ وہ

ں دن کے فاقے اور فاقوں کے بعد وہی جَو کی روٹی توانہوں نے بہ نیت عرض
ضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنی حالت بیان کی۔ اور اپنے نان و
یں زیادتی کی درخواست کی۔ حضرت سید المرسلؐ کی مقدس ازواج کا دُنیا کی طرف
تفات بھی حق سبحانہ کو خوش نہ آیا۔ اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ان آیتوں میں
ت کو حکم ہوا کہ اپنی بیبیوں سے پوچھو کہ وہ دنیا چاہتی ہیں۔ یا اللہ ورسول کی اور

خبیر احین علو ما ینفعکم	اپنی عبارت کے لحاظ سے بھی
ویصلحکم فی دینکم	معجزہ ہے اس میں حکمت ہے۔
فانزلہ علیکم اوعلو	علوم ہیں۔ شرائط ہیں۔ اللہ باخبر
من یصلح النبوۃ ومن	ہے۔ خوب جانتا ہے۔ کہ تمہارے
یصلح لان یکونوا اھل	حق میں کون سی چیزیں دین میں نافع
بیتہ اوحیث جعل الکلام	ہیں۔ لہذا وہی چیزیں نازل کرتا ہے۔
الواحد جامعا بین	وہ خوب جانتا ہے۔ کہ کون شخص
الغرضین	نبوت کے لائق ہے۔ اور کون لوگ
	اس کے اہل بیت بننے کے لائق ہیں ۱۲

، یہ حاصل مطلب آیت کا ہے۔ مگر الفاظ آیت کے بہت زیادہ سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں
ر نہایت غور و تامل چاہتے ہیں۔ خاص کر دو باتیں۔ اول یہ کہ فرمایا کُنْتُنَّ تُرِدْنَ معلوم
ا کہ خداوند عالم الغیب جل شانہٗ نے ازداج مطہراتؓ کی حالت واقعی پر بنیاد حکم کی
ی ہے، نہ ان کے زبانی قول پر۔ یعنی فی الواقع اگر ان کے دلوں میں اللہ اور رسول
محبت اور دار آخرت کی طلب نہ ہو، بلکہ دنیا کی خواہش ہو تو نبی کو حکم ہے کہ ان
طلاق دے دیں۔ اگر ان کے زبانی قول پر بنیاد حکم کی ہوتی تو عبارت یوں ہوتی
، اِنْ قُلْتُنَّ نَحْنُ نُرِیْدُ پس نتیجہ یہ نکلا کہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی کا

آخرت کی طلب گار ہیں۔ اگر وہ دنیا کی طرف رُخ کریں تو انہیں طلاق دے دو

ان کو طلاق نہ دینا خدا کے طرف سے گواہی اس بات کی ہے کہ ان ازواج مقدسات
نے قلوب لوث دنیا سے بالکل پاک ہیں۔ چہ جائیکہ اس آیت کے بعد انکو طلاق دینے کی
ممانعت بھی قرآن مجید میں ہے۔ دوم: یہ کہ فرمایا الحیوۃ الدنیا وزینتها معلوم ہوا
کہ ازواج مطہرات کو صرف دنیا کے عیش وآرام کی خواہش سے نہیں روکا گیا، بلکہ دنیا میں جینے
اور زندہ رہنے کی خواہش کا بھی ان کے قلب میں آنا خدا کو ناپسند ہے۔ انصاف سے بتلاؤ
کہ نبیؐ کی بیبیاں کس قدر سخت اور شدید کامل ہمکمل زہد وترک دنیا کے ساتھ مکلف
کی گئیں۔ اور پھر خدا کی طرف سے یہ شہادت بھی دی جاچکی کہ یہ اعلیٰ واکمل زہد ان
میں موجود تھا۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی اور عورت کیسی ہی زاہدہ وعابدہ ہو، ان کی ہم رتبہ
کہی جاسکتی ہے۔ حاشا وکلّا ہرگز نہیں۔ اس آیت کی تعلیم پر منکرانِ اسلام غور کریں
تو ان کو ایک روشن دلیل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے کی معلوم
ہوگی۔ کیا ممکن ہے کہ کوئی کامل العقل، راسخ الحکمۃ انسان آئندہ کے عظیم الشان
منافع اور مدارج کا کسی مضبوط اور قطعی بنیاد پر یقین کئے بغیر نہ صرف اپنے کو نقد وقت
عیش وآرام سے محروم کردے، بلکہ اپنے متعلقین کو بھی سختی کے ساتھ یہ تعلیم دے
کہ نہ فقط عیش وآرام کو ترک کرو، بلکہ دنیا میں جینے کی خواہش بھی دل میں نہ لاؤ۔
نیز یہ آیت ہوا پرستوں کے اس اعتراض کا بھی جواب دے رہی ہے کہ آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرت ازواج کا سبب کوئی نفسانی امر تھا۔ معاذ اللہ منہ۔
اولاً تو یہ اعتراض یوں بھی قابل سماعت نہ تھا کیونکہ ترپن برس کی عمر کے بعد یہ کثرت
ازدواج عمل میں آئی۔ جوانی کی تمام عمر کچھ تو بے نکاح اور کچھ ایک بوڑھی خاتون حضرت
خدیجہؓ کی زوجیت میں بسر ہوئی۔ بھلا کوئی نفسانی امر ہوتا تو اس کا وقت سن شباب
تھا، نہ کہ سن شیخوخت۔ ثانیاً یہ آیت بتلا رہی ہے کہ آپ اپنی ازواج کو زیب
وزینت آرام وراحت میں دیکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ بڑی سختی کے ساتھ ان کو زہد کی

یہ مال دے کر رخصت کردو اور اگر اللہ و رسول کی طالب ہوں۔ تو ان سے کہہ دو
یا دی عیش و عشرت سے ہاتھ دھولیں۔ ہاں آخرت میں ان کے لئے بڑی
یاں کی گئی ہیں۔ ان آیتوں کے نازل ہوتے ہی حضرت رحمۃ العالمین صلی اللہ
وسلم اپنی مقدس ازواج کے پاس تشریف لے گئے۔ اور ابتداء حضرت ام المومنین
صدیقہ سے کی۔ فرمایا کہ اے عائشہ میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ اس کے
ب میں جلدی نہ کرنا، بلکہ اپنے والد ابوبکر صدیق رض سے مشورہ کر کے جواب دینا۔
س کے یہ آیتیں آپ نے انہیں سنا دیں۔ حضرت صدیقہ رض نے سنتے ہی بے تامل
اس میں مشورہ کی کیا بات ہے۔ ہم تو آپ ہی کے طالب ہیں۔ دنیا کی تکالیف
کایت اگر ناگوار خاطر ہے تو اب کبھی کچھ نہ کہیں گے۔ حضرت عائشہ رض کے بعد
نے اور سب سے یہی گفتگو کی۔ سب نے یک زبان ہو کر ایسا ہی جواب
اب دیا۔ سب کی زبان حال پر اس شعر کا مضمون جاری تھا۔ ؎

از فراق تلخ مے گوئی سخن ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

فی الحقیقت حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم نشینی سے بڑھ کر اور
ہی دولت ہو سکتی ہے۔ اس دولت کا حصول ازواج مطہرات کے لئے حق سبحانہ
و صرف ترک دنیا پر معلق فرمایا۔ اگر دنیا و آخرت دونوں کے ترک پر اس کے
ل کا وعدہ ہو جائے تو ازواج مطہرات کا رتبہ تو بہت عالی ہے۔ اس زمانہ
بھی شاید ایسے مسلمان بہت ہونگے جو اس وعدہ کو سنتے ہی بے ساختہ نہایت
ں و شوق میں بار بار اس شعر کا مضمون عرض کریں ؎

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

تعلیم دیتے تھے۔ نفسانی لوگ ہمیشہ عورت کی رضامندی کے تابع۔
کی فرمائشوں کے غلام رہتے ہیں۔ ؎ بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔
ر یہ آیت بڑے بڑے مطالب دینیہ پر حاوی ہے۔

ازواج مطہراتؓ کا یہ جواب سن کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے
حضرت کی خوشنودی کا صلہ بارگاہ رب العزت سے یہ ملا کہ ان مقدس ازواج کو
طلاق دینے کی قطعی ممانعت نازل ہوگئی۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سردار دوعالم کی
زوجیت میں رہنے کی بشارت سے ان کے قلوب مطمئن کر دیئے گئے۔ اس وقت نو بلند
اقبال خواتین آپ کی زوجیت کا شرف رکھتی تھیں۔ جن کے نام نامی یہ ہیں۔ عائشہ
صدیقہؓ، حفصہؓ، ام حبیبہؓ، سودہؓ، ام سلمہؓ، صفیہؓ، میمونہؓ، زینبؓ، جویریہؓ۔ ان آیتوں
میں پہلے تو ازواج نبی کی آزمائش کی گئی۔ اس کے بعد انہیں یہ بتا دیا گیا کہ اگر
وہ برا کام کریں گی تو انہیں دونا عذاب ہوگا۔ اور نیک کام کریں گی تو انہیں ثواب
بھی دونا ملے گا۔ اس کے بعد انہیں یہ بشارت دی گئی کہ اگر وہ پرہیزگاری کریں گی
تو آخرت میں ان کے مرتبہ کو کوئی دوسری عورت نہ پہنچ سکے گی۔ پرہیزگاری کیا چیز
ہے۔ کس قسم کے اعمال سے آدمی پرہیزگار بنتا ہے۔ اس کے لئے انہیں چھ باتوں
کا حکم ہوا کہ ان پر عمل کرنے سے پرہیزگاری کا مرتبہ حاصل ہوگا۔ ان چھ باتوں کا
ترجمہ آیات میں ہم نے ہندسے بنا دیئے ہیں۔

اب ان سب آیات پر ایک غائر نظر ڈالو۔ خود بخود معلوم ہو جائے گا
کہ اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں۔ اور یہ کہ اس جملہ سے مقصود حضرت متکلم
جل شانہ کا کیا ہے۔

ایک سمجھ دار بچہ بھی ان آیات کے سلسلہ مضامین کو دیکھ کر کہہ دے گا
کہ اہل بیت سے ازواج نبیؐ مراد ہیں۔ کیوں کہ آگے پیچھے برابر انہیں سے خطاب
ہو رہا ہے۔ اب درمیان میں ایک پوری آیت بھی نہیں، بلکہ آیت کے ایک
ٹکڑے میں کسی دوسرے کا ذکر کیوں کر آ سکتا ہے۔ باقی رہا اس جملہ کا مقصود
کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ناصح مشفق جب اپنے کسی محبوب کو نصیحت کرتا ہے
تو نصیحت کی تلخی کے ساتھ کچھ شیرینی بھی ملا دیتا ہے۔ تاکہ طبیعت متنفر نہ ہو۔
اور اس نصیحت کا اثر دل و دماغ پر اچھا پڑے۔ روزمرہ یہ بات مشاہدہ میں

یہی ہے کہ باپ بیٹے کو، بھائی بھائی کو جب نصیحت کرتا ہے تو نصیحت سے پیچھے یا درمیان میں دو ایک جملہ اس قسم کے کہہ دیتا ہے کہ میاں ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ تم سنور جاؤ کہ لوگ تمہیں اچھا کہیں۔ تمہاری نیک نامی کا شہرہ ہو۔ عادت کلام الٰہی میں بھی جاری ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کو بھی بعض بعض مقام اس قسم کے خطاب سے سرفراز کیا گیا ہے۔

پس اسی عادت کے موافق ازواج مطہراتؓ کو نصیحت کر کے حق تعالٰے نے محبت سے یہ فرمایا کہ ہمارا مقصود ان نصائح سے یہ ہے کہ تم سنور جاؤ۔ گناہوں سے پاک ہو جاؤ۔ ان نصائح پر عمل کرنے سے ہم تم کو گناہوں سے پاک کر دیں گے۔ پس اس آیت کا مقصود صرف اسی قدر ہے۔

بیشک اس آیت سے ازواج مطہرات کی بہت بڑی فضیلتیں ثابت

۔ قرآن مجید کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ کوئی مضمون اس میں ایک ہی عبارت عنوان سے نہیں بیان ہوا۔ بلکہ ہر مضمون مختلف عبارات و عنوانات میں ایک سے زیادہ بار بیان ہوا ہے۔ کتابا متشابھا مثانی چنانچہ یہ مضمون آیت تطہیر کا دوسرے مقام پر یوں بیان ہوا ہے کہ الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات و الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات۔ ترجمہ: پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کیلئے ہیں ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لئے۔ معلوم ہوا کہ عام قانون قدرت یہ ہے کہ جب مرد پاکیزہ ہو تو اس کو عورت بھی پاکیزہ ملنی چاہیئے۔ عورت پاکیزہ ہو تو اس کو مرد بھی پاک ملنا چاہیئے۔ لہذا انبیاءؑ جو پاک اور پاکیزہ ہیں۔ ان کی بیبیوں کا پاک ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ یہ آیت حضرت عائشہؓ کی براءت کے موقع پر ہے بھی۔ اس عام قانون کے خلاف اگر کہیں شاذونادر طور پر ہو جاتا ہے۔ تو وہ ضرب المثل بنانے کے قابل ہوتا ہے۔ تمام جماعت انبیاء میں صرف دو نبیوں کے لئے اس کے خلاف ہوا تو قرآن مجید میں اسکو ضرب المثل بنایا۔

ہوتی ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ جن باتوں کا ذکر فرما کر خدا نے فرمایا ہے۔ کہ اگر ان باتوں پر عمل کرو تو تمہارے برابر کوئی دوسری عورت نہیں ہو سکتی۔ ان باتوں کے خلاف ان سے کبھی ظہور میں نہیں آیا۔ دشمنوں[1] نے بہت کوشش کی۔ مگر کوئی خفیف واقعہ بھی نہ بتا سکے، جن سے ان باتوں کی مخالفت ثابت ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ ا

ضرب اللہ مثلاً للذین کفروا امرأۃ نوح وامراۃ لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتاھما فلم یغنیا عنہما من اللہ شیئا وقیل ادخلا النار مع الداخلین۔ ترجمہ:۔ اللہ ایک مثل کافروں کی بیان فرماتا ہے۔ یعنی نوحؑ کی عورت اور لوط کی عورت۔ یہ دونوں عورتیں ہمارے دو نیک بندوں کے تحت میں تھیں۔ مگر ان دونوں نے ان کی خیانت کی۔ پھر وہ دونوں بندے ان کو عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے۔ اور ان دونوں عورتوں سے کہہ دیا گیا کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ، داخل ہونے والوں کے ساتھ۔

[1] مخالفین صاحبان بہت کچھ ہاتھ پاؤں مار کر حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے مطاعن میں بیان کیا کرتے ہیں کہ وہ حج کے لئے گئیں، لہٰذا جو حکم ہوا تھا کہ اپنے گھروں میں قرار پذیر رہو۔ انہوں نے اس کے خلاف کیا اور نیز یہ حکم تھا کہ صریح بدکاری کا ارتکاب نہ کرنا۔ اور وہ امام برحق یعنی حضرت علی مرتضےٰؓ سے لڑیں جو صریح بدکاری ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ گھروں میں قرار پذیر رہنے سے حج کی ممانعت نہیں، ورنہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں کیوں ان کو حج کے لئے ساتھ لے جاتے، بلکہ اس میں ممانعت بے پردہ باہر نکلنے کی ہے۔ اور حضرت علی مرتضےٰؓ سے لڑائی صریح بدکاری کی حد میں نہیں آسکتی کیونکہ وہ لڑائی بالکل دھوکہ میں بے قصد واقع ہو گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا ارادہ لڑنے کا نہ تھا۔ یہ واقعہ حضرت زبیرؓ کے حال میں اسد الغابہ میں ذکر ہو چکا ہے۔

کوئی عورت خواہ کتنے ہی بڑے رتبے کی ہو، ازواج نبیؐ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ دوسرے ان آیات سے معلوم ہوا کہ حق تعالےٰ ان لوگوں کو گناہوں سے پاک کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور خدا کی مراد پوری نہ ہونا اہل اسلام کے اصول پر تو محال ہے ان کے اصول پر چاہے ممکن ہو۔

سبائیہ انجمن کے ملتے پرزوں نے جب ان آیات بینات کو دیکھا جن سے ان کے مذہب کا قرار واقعی استیصال ہو رہا ہے، جن بزرگوں کی عداوت پر انہوں نے اپنا مذہب قائم کیا تھا ان کے لیے اعلیٰ مناقب اس آیت میں بیان ہوئے ہیں کہ وہاں تک کسی کا دست امید بھی نہیں پہنچ سکتا یہ تو ناممکن تھا کہ ام المومنین عائشہؓ اور حفصہؓ رضی اللہ عنہما کی عداوت سے دست بردار ہو جاتے کیونکہ ان دونوں کے بلند رتبہ باپوں یعنی حضرت صدیقؓ و فاروقؓ نے گبریوں اور مجوسیوں کا ستیاناس کر دیا تھا۔ ایران جیسی پرشوکت، سلطنت انہیں کے بے پناہ حملوں سے زیر و زبر ہو گئی تھی۔ سبائیہ انجمن کے ارکین اپنے باپ دادا بھائی بھتیجوں کو انہیں کی چمکتی ہوئی تلواروں سے واصل جہنم ہوتا ہوا دیکھ چکے تھے۔ پھر بھلا یہ کیونکر ممکن تھا کہ یہ کینہ دل سے نکل جاتا۔ لہٰذا دیکھئے تو کس صفائی سے کیسا عمدہ فقرہ تراشا۔ چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ جھٹ پٹ چند واہی تباہی مقدمات ترتیب دے کر فرمانے لگے کہ یہ آیت تو ہمارے ہی مذہب کی تائید کرتی ہے اور سنیوں کے مذہب کا بطلان ظاہر کرتی ہے۔ اب بھی ہر فن جرائم پیشہ ایسا کیا کرتے ہیں کہ خود ہی ارتکاب جرم کیا کسی کو مارا پیٹا اور خود ہی مدعی بن کر عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا۔ پس یہاں بھی پوری یہی حالت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت باتفاق مفسرین فریقین حضرت علی مرتضیٰ و فاطمۃ الزہرا و حسنین رضی اللہ عنہم کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اہل بیت سے یہی لوگ مراد ہیں۔ ان کے سوا کوئی دوسرا اہل بیت کے لفظ سے مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ اور ناپاکی کے دور کرنے سے مراد یہ ہے کہ خدا نے انہیں تمام گناہوں سے معصوم کر دیا۔ پس آیت سے

ان حضرات کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ لفظ اہل بیت سے انہیں چار شخصوں کے مراد ہونے کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ خود سنیوں کی صحیح ترین احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضےٰؓ و فاطمۃؓ الزہراؓ و حسنینؑ کو بلایا اور اپنی کملی ان چاروں پر ڈال کر فرمایا: اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیراً۔ ترجمہ: یا اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں پس تو ان سے رجس (یعنی) ناپاکی کو دور کر اور ان کو خوب پاک کر۔ حضرت ام سلمہؓ نے خواہش بھی کی کہ مجھے بھی اس کملی میں داخل کر لیجئے۔ مگر آں حضرتؐ نے داخل نہ کیا۔ یہ حدیث سنیوں کی کتاب جامع ترمذی میں موجود ہے۔ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ پس اب کس سنّی کی مجال ہے کہ ان چار حضرات کے علاوہ کسی اور کو اہل بیت کے لفظ سے مراد لے۔ سنّی جو لفظ اہل بیت سے ازواج مراد لیتے ہیں۔ اور اس پر یہ قرینہ پیش کرتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے اور نیز اسی آیت کے شروع حصہ میں اور نیز اس آیت کے بعد ازواج کا ذکر ہے۔ اس کا جواب دو طرح پر ہے۔ اول یہ کہ یہ قرآن جمع کیا ہوا انہیں کے خلفاء کا ہے۔ اس کی ترتیب[1] ان پر کیوں کر حجت ہو سکتی ہے۔ سنیوں کے خلفا نے قرآن جمع کرتے وقت کہیں کی آیتیں کہیں اور کہیں کی کہیں لکھ دیں۔ بھلا تحریف قرآن تو ایک ایسا مسئلہ ہے کہ چند شیعہ اس کے منکر بھی ہیں۔ گو ان کا انکار محض بے وجہ اور سراسر ہٹ دھرمی ہے۔ مگر غلطی ترتیب کا تو کوئی شیعہ آج تک منکر نہیں ہوا۔ سوا شریف مرتضےٰ جیسے دو تین ہٹ دھرم لوگوں کے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ عنکم اور یطہرکم میں جو ضمیریں مذکر کی موجود ہیں۔ صاف بتا رہی ہیں کہ اس آیت میں ازواج مراد نہیں، ورنہ ضمیریں مؤنث کی مستعمل ہوتیں، مگر افسوس ہے کہ سنّی ان باتوں کو نہیں دیکھتے اور برابر یہی کہتے جاتے ہیں کہ اہل بیت سے

[1] چنانچہ سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب اپنی کتاب میں متعلق بہ وطی فی الدبر

ازواج نبیؐ مراد ہیں۔

اہل سنت کہتے ہیں

کہ اس آیت سے شیعوں کا استدلال عصمت ائمہ پر صریح تحریف ہے۔ اس استدلال میں جیسی قطع برید آیات ربانی کی ان حضرات نے کی ہے، اس کو دیکھ کر باللہ العظیم دل کانپ جاتا ہے اور بے اختیار زبان سے وہ جملہ نکل جاتا ہے جو حضرت محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے کہ خدا تعالےٰ اعضائے ایشان را از ہم جدا سازد۔ چنانچہ ایشان آیات متسقتہ بعضہا ببعض را از ہم جدا ساختند۔

الحاصل یہ استدلال مخالفین کا دو باتوں پر مبنی ہے۔ اول یہ کہ لفظ اہل بیت سے یہ چار شخص ہیں۔ دوسرے یہ کہ رجس کے دور کرنے سے مراد معصوم بنا دینا ہے۔ جب تک یہ دونوں باتیں ثابت نہ ہوں گی مخالفین کا استدلال کسی طرح صحیح نہ ہوگا۔ مگر آج تک مخالفین نے ان دونوں باتوں کو ثابت نہیں کیا نہ تا قیام قیامت ثابت کر سکیں گے۔ جس قدر کوشش علماء مخالفین نے ان دونوں باتوں کے ثابت کرنے میں کی ہے وہ کوشش خود مخالفین کی عاجزی و سراسیمگی کا پتہ دے رہی ہے۔

چنانچہ لفظ اہل بیت سے ان چار شخصوں کے مراد ہونے پر حسب ذیل خدشات قائم ہیں، جن کا معقول جواب اگر آج کوئی مخالف دے دے تو ہم اسی جواب پر

(بقیہ حاشیہ ص) میں لکھ چکے ہیں کہ این نظم قرآنی نظم عثمانی ست بر شیعان احتجاج بآن نشاید اور شیعوں کے صدر المحققین مولوی ناصر حسین صاحب رسالہ روشنی میں زیب رقم کر چکے ہیں کہ آیتیں الٹ پلٹ کر دی گئیں۔ کہیں کی آیتیں کہیں رکھ دی گئیں جس سے مطلب خبط بے ربط ہوگیا ۱۲

قناعت کرکے ان کے مذہب کی بہت سی غیر ثابت باتوں کے ماننے کو موجود ہے۔

ا۔ لفظ "اہل بیت" لغت عرب میں ازواج ہی کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور اس لفظ کا ترجمہ ہر زبان میں ازواج ہی کے لئے مستعمل ہے۔ چنانچہ اس کا فارسی ترجمہ اہل خانہ اور اردو ترجمہ گھروالے برابر اس معنے میں استعمال ہو رہا ہے۔ اور اس قدر ہر کس و ناکس سمجھ سکتا ہے کہ اہل بیت ہر شخص کے وہ لوگ ہیں، جو اس کے گھر میں رہتے ہیں اور ہر زمانے کی رسم وعادت یہی ہے کہ ہر شخص کی بیبیاں ہمیشہ اس کے گھر میں رہتی ہیں۔ بیبیوں کے علاوہ بیٹی بیٹوں کا ہمیشہ کے لئے کسی کے گھر میں رہنا شاذ ونادر خلاف عادت اور اتفاقی امر ہے۔ خاص کر سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کی حالت ظاہر ہے کہ آپ کے گھروں میں سوا آپ کے ازواج کے کوئی نہ تھا۔ خاتون جنت فاطمۃ الزہراؓ حضرت علی مرتضٰیؓ کے گھر میں رہتی تھیں۔ شرعاً بھی ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی بی بی کو نان ونفقہ اور رہنے کا مکان دے۔ بیٹی بیٹوں کے لئے بلوغ اور خصوصاً نکاح کے بعد نان ونفقہ اور رہنے کا مکان شرعاً باپ کے ذمہ فرض نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص جس مکان پر ہمیشہ رہنے والا ہوتا ہے، وہی شخص اس مقام کا اہل کہلاتا ہے۔ نہ وہ شخص جو چند روز کے لئے بطور مہمان کے کسی مقام پر رہے۔ مثلاً اہل مصر اس شخص کو کہیں گے جو مصر میں ہمیشہ بود باش رکھنے والا ہو نہ اس کو جو چند روز کیلئے مصر میں جاکر رہ آیا ہو۔ اس طرح اہل مکہ اس کو کہیں گے جو ہمیشہ کے لئے مکہ میں رہنے والا ہو۔ پس اس طرح اہل بیت اس کو کہیں گے جو ہمیشہ کے لئے اس بیت میں رہنے والا ہو۔ اور ہمیشہ کے لئے[1] کسی شخص کے بیت میں رہنے والا سوا اس کی بیبیوں کے رسماً عادتاً شرعاً کوئی نہیں ہے، لہذا بیبیوں کے علاوہ اہل بیت کا حقیقی واصلی مصداق کوئی نہیں ہو سکتا۔

---

[1] مخالفین اس پر ایک مناقشہ یہ پیش کرتے ہیں کہ زوجہ ہمیشہ کے لئے اپنے

۲۔ قرآن کی آیتیں خود بتا رہی ہیں کہ اہل بیت سے مراد ازواج ہی ہیں کیونکہ کئی آیات میں اوپر سے ازواج ہی سے خطاب ہو رہا ہے۔ اور خود اس آیت کے ابتدائی حصہ میں اور نیز اس آیت کے بعد بھی انہیں سے خطاب ہے ترتیب قرآنی اگر مخالفین حجت نہیں مانتے تو نہ مانیں ترتیب کیا، بلکہ ان کے اصول موضوعہ پر اور ان کی احادیث صحیحہ اور اقوال ائمہ کی رو سے تو خود قرآن ہی حجت نہیں مگر اس مقام پر یہ عذر بالکل بے سود ہے کیونکہ اس وقت شیعہ اس آیت سے ہمارے اوپر استدلال کر رہے ہیں اور اپنے فرضی اماموں کی عصمت و امامت اس آیت سے ثابت کر کے ہمیں الزام دینا چاہتے ہیں ۔ پس حسب قاعدہ مناظرہ ان کو ہمارے مسلمات سے الزام دینا چاہیئے۔ اگر وہ ہمارے مسلمات کے خلاف ہمیں الزام

زوج کے گھر میں رہنے والی نہیں کہی جا سکتی۔ کیونکہ شوہر طلاق دے دے تو اس کو اس گھر سے علیٰحدہ ہو جانا پڑتا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل بیت وہی ہو سکتا ہے جو کبھی اہل بیت سے خارج نہ ہو سکے۔ جواب اس مناقشہ کا یہ ہے کہ زوجہ یقیناً ہمیشہ کے لئے اپنے زوج کے گھر میں رہنے والی ہوتی ہے نکاح تعلق دائمی کا نام ہے۔ طلاق دینا ایک امر اتفاقی ہے اور بالکل ایسا ہے جیسے کوئی شخص متوطن مکہ تھا۔ اس کو اہل مکہ کہتے ہیں۔ پھر کسی سبب سے وہ اپنا وطن مکہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر خراسان میں بود و باش اختیار کر لے اب اس کو اہل خراسان کہیں گے قطع نظر اس سے ازواج نبی کے متعلق تو یہ مناقشہ یوں بھی نہیں چل سکتا۔ کہ ان کے حق میں طلاق کا احتمال ہی باقی نہ رہا تھا نص قرآنی میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کے طلاق کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اہل بیت اور زوجہ کا مفہوم بالکل ایک ہے۔ جب تک کسی کو زوجہ کہیں گے اس وقت تک اس کو اہل بیت بھی کہیں گے نبی کی بیبیاں چونکہ آپ کی ابدی و دائمی زوجہ ہیں لہذا وہ کبھی اہل بیت سے خارج نہیں ہو سکتیں۔

دیں تو ہم کو حق ہے کہ ہم اس الزام کو اپنے مسلمات سے دفع کر دیں، لہٰذا ہم اس مقام پر دفع الزام کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ الزام تمہارا ہمارے مسلمات کی رو سے صحیح نہیں۔ اہل بیت سے غیر ازواج کا مراد ہونا اور ازواج کا مراد نہ ہونا آیات سابقہ ولاحقہ کے مناسب نہیں۔ اور قرآن کی فصاحت و بلاغت ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اس کے مسلسل مضامین کو اس طرح خبط بے ربط کر دیا جائے قرآن کی صحت ترتیب اور اس کی فوق العادت فصاحت و بلاغت ہمیں مسلم ہے۔ ہاں اگر ہم مخالفین کو اس آیت سے الزام دیتے اور امہات المومنینؓ کے فضائل اس آیت سے ان کے مقابلہ میں ثابت کرنا چاہتے تو اس وقت بے شک مخالفین یہ دیکھ سکتے تھے کہ ترتیب قرآنی ہم پر حجت نہیں ہے۔

۳ — قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی لفظ اہل بیت کا اطلاق ازواج پر ہوا ہے اور وہاں مخالفین بھی چون وچرا نہیں کر سکتے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی سارہؓ کو فرشتوں نے فرزند کی بشارت دی۔ اور انہوں نے اپنے بانجھ ہونے اور اپنے شوہر کے بوڑھے ہونے کے باعث اس بشارت پر تعجب کیا تو فرشتوں نے انکو جواب دیا وہ قرآن مجید میں باین عبارت منقول ہے۔

اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت انہ حمید مجید ۔ یعنی کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کرتی ہو۔ اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمت ہے اور اس کی برکتیں ہیں بے شک وہ ستودہ اور بزرگ ہے۔ اس آیت میں مخالفین بھی اعتراف رکھتے ہیں کہ اہل بیت سے حضرت سارہؓ ہی مراد ہیں۔ بعض مخالفین کو جب کچھ چارہ کار نظر نہ آیا تو یہ بھی لکھ دیا کہ حضرت سارہؓ کو اس وجہ سے اہل بیت نہیں کہا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی بی بی تھیں بلکہ اس وجہ سے کہا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی چچا زاد یا خالہ زاد بہن تھیں۔ جب اس رکیک تاویل کا جواب اہل سنت کی طرف سے یہ دیا گیا کہ اگر یہی بات ہے تو سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائیوں نے کیا

قصور کیا کہ وہ اہل بیت نہ سمجھے جائیں۔ عقیل کو بھی اہل بیت کہنا چاہیئے۔ حضرت ابن عباس کو بھی اہل بیت کہنا چاہیئے۔ پھر کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔

باقی رہا مخالفین کا یہ شبہ کہ اگر ازواج مراد ہوتیں تو عنکم اور یطھرکم میں مذکر ضمیریں کیوں آتیں؟ اس کے تین جواب ہیں۔ اوّل[1] یہ کہ لفظ اہل بیت مذکر ہے۔ اور مصداق اس کا مؤنث ہے، لہٰذا برعایت لفظ ضمیر مذکر مستعمل ہوئی ہے۔ دوسرا[2] جواب یہ ہے کہ اہل بیت میں خود ذات پاک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی داخل ہے کیونکہ اس بیت کے رہنے والے آپ بھی تھے۔ پس آپ کے داخل ہونے کے سبب سے تغلیباً ضمیر مذکر کی مستعمل ہوئی۔ تیسرا[3] جواب اس کا یہ ہے کہ بغرض اظہار عظمت یا محبت کلام عرب میں عورتوں کے لئے بھی ضمیر مذکر آجاتی ہے۔ ایک شاعر اپنی محبوبہ سے مخاطب ہوکر

---

[1] عربی زبان میں اس کے نظائر بہت ہیں کہ لفظ کی حیثیت کچھ اور ہے۔ اور معنی کی حیثیت کچھ اور۔ ایسے الفاظ میں لفظ کی رعایت کرتے ہیں کبھی معنی کی مثلاً لفظ مَن باعتبار لفظ کے مفرد ہے۔ اور باعتبار معنی کے جمع قولہ تعالیٰ ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمؤمنین۔ دیکھو اسی لفظ مَن کے لئے ایک جگہ برعایت لفظ یقول صیغہ واحد آیا اور دوسری جگہ برعایت معنی ھُم ضمیر جمع آئی ❊

[2] علامہ ابن تیمیہ نے اس کی تقریر منہاج السنہ میں خوب لکھی ہے ۱۲

[3] علامہ زمخشری نے اس قاعدہ کو کہ عورت کے لئے مذکر کی ضمیریں کس موقعہ پر لاتے ہیں، واحد کے لئے جمع کی ضمیریں کس مقام پر لاتے ہیں خوب بیان کیا ہے اور اس پر شعر لئے جاہلیت کے یہ دو شعر بھی سنداً نقل کئے ہیں۔

فان شئت حرمت النساء سواکم　　وان شئت لم اطعم نقاخا ولا بردا

فان تنکحی انکح وان تتایمی　　وان کنت افتی منکم اتایم

کہتا ہے ۔ ع

فان شئت حرمت النساء سواکم

شاعر اس مصرع میں کُم ضمیر جمع مذکر اپنی محبوبہ کے لئے لایا ہے۔

باقی رہی حدیث کساء

جس کو شیعہ بڑے طمطراق سے پیش کرتے ہیں اور خوشی سے پھولے نہیں سماتے کہتے ہیں کہ یہ سنیوں کی صحیح ترین حدیث ہے اور لفظ اہل بیت سے انہیں چار بزرگوں کے مراد ہونے پر دلیل صریح ہے۔ اول تو یہ محض غلط ہے ہرگز یہ ہمارے یہاں کی صحیح ترین حدیث نہیں ہے۔ دوسرے یہ حدیث ہرگز اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ

ان دونوں شعروں میں شاعر نے اپنی محبوبہ کے لئے ضمیر کُم جو جمع مذکر کے لئے مخصوص ہے استعمال کی ہے۔ قرآن مجید میں بھی بکثرت یہ محاورہ جا بجا مستعمل ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ "قال لاهله امكثوا" عورت کے لئے امکثن ہونا چاہیے تھا۔ امکثوا جمع مذکر کے لئے ہے۔ شرح شواہد کشاف مطبوعہ مصر صفحہ ۴۳ میں ہے "ربما خوطبت المراة الواحدة بخطاب الجمع المذكر يقول الرجل عن اهله فعلوا كذا مبالغة فى سترها حتى لا ينطق بالضمير الموضوع لها ومنه قوله تعالىٰ حكاية عن موسىٰ عليه السّلام قال لاهله امكثوا" بسا اوقات ایک عورت جمع مذکر کے صیغہ سے مخاطب بنائی جاتی ہے مثلاً آدمی اپنی بی بی کے متعلق کہتا ہے۔ فعلوا كذا یعنی انہوں نے ایسا کیا اس سے مقصود اس کے پردہ کا بلیغ اہتمام ہوتا ہے یہاں تک کہ جو ضمیر عورت کے لئے مقرر ہے وہ بھی نہیں استعمال کرتا اور اسی قسم میں ہے اللہ تعالیٰ کا قول حضرت موسیٰ کی حکایت میں کہ انہوں نے اپنی بی بی سے امکثوا کہا یعنی ٹھہر جاؤ ۱۲

ل بیت سے ازواج مراد نہیں ہیں۔ بلکہ یہی چار بزرگ مراد ہیں اس حدیث میں تو
نحضرتؐ نے دعا مانگی ہے کہ یا اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں لہٰذا ان کو بھی پاک کر
ے حضرت ام سلمہؓ کو کملی میں نہ داخل کرنے کی وجہ خود اس حدیث میں مذکور ہے جس
و مخالفین نقل نہیں کرتے۔ جب حضرت ام سلمہؓ نے اپنے داخل کرنے کی خواہش کی
و حضرتؐ نے فرمایا انت علیٰ مکانك انت علیٰ خیر :- یعنی تم اپنی جگہ پر
رہو تم تو اس سے اچھی حالت میں ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ تم تو حقیقتاً لفظ اہل بیت سے
مراد ہی ہو۔ تمہارے داخل کرنے کی اور تمہارے لئے دعا مانگنے کی کیا ضرورت
ہے۔ ذرا سمجھنے کی بات ہے کہ اگر یہ حضرات لفظ اہل بیت سے مراد ہوتے تو
حضرت دعا کیوں مانگتے۔ کیا اللہ تعالیٰ کو معلوم نہ تھا کہ اہل بیت نبی کون لوگ
ہیں حضرت نے بتلایا کہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں پس انصاف سے دیکھو تو یہ
حدیث خود ہی بتا رہی ہے کہ یہ چاروں بزرگ اہل بیت میں داخل نہ تھے حضرت
نے ان کو داخل کیا۔ اسی وجہ سے علمائے محققین کہتے ہیں کہ حقیقۃً اہل بیت
ازواج مطہرات ہیں اور حکماً یہ حضرات بھی ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا
کہ جس وقت آیت نازل ہوئی اس وقت یہ چاروں بزرگوار اہل بیت نہ تھے اہل
سنت کی روایات میں صرف انہیں چار بزرگوں کے لئے نہیں بلکہ حضرت عباس
اور ان کے فرزندوں کے لئے بھی اسی قسم کی دعا منقول ہے اور مخالفین کی روایت
میں بھی سلمان[۱] فارسی کے لئے لفظ اہل بیت مستعمل ہوا ہے۔

مخالفین صاحبان جو یہ افسوس کرتے ہیں کہ اہلسنت کچھ نہیں دیکھتے یہ ان کا افسوس
بالکل بیجا ہے اہل سنت سب دیکھتے ہیں مگر وہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں قرآن کے
مخالف روایتوں کو راوی کے منہ پر مار دیتے ہیں۔ ہاں مخالفین کو اپنی اس حالت
پر افسوس کرنا چاہیے۔ کہ انہوں نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اور قرآن
کی مخالف روایات و حکایات پر اپنے مذہب کا گھروندہ قائم کیا ہے۔

۱؎ اصول کافی مطبوعہ نولکشور ص ۲۵۱ میں ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا، وانما

ان کے استدلال کے ایک جز (یعنی لفظ اہل بیت سے بھی چار بزرگ مراد ہیں) پر جو خدشات تھے ان میں سے چند بطور نمونہ بیان ہو چکے۔ اب دوسرے جز (یعنی رجس دور کرنے اور پاک کرنے سے معصوم ہونا مراد ہے) پر جو خدشات ہیں ان میں سے بھی چند سن لیجئے۔

۱۔ رجس سے اگر مطلق گناہ اور اس کے دُور کرنے سے اور پاک کرنے سے معصوم بنا دینا مراد ہے تو تمام صحابہؓ خصوصًا اہل بدر کا معصوم ہونا لازم آجائے گا کیونکہ ان کے لئے بھی اسی قسم کا لفظ دوسری آیت میں مستعمل ہوا ہے الفاظ آیت کے یہ ہیں۔ ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون؂ اور دیذھب عنکم رجس الشیطٰن یعنی اللہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے اور (یہ سب اس واسطے ہے) تاکہ تم شکر کرو، اور وہ چاہتا ہے، تم سے شیطان کی ناپاکی دور کرے غور سے دیکھو تو صحابہؓ کے لئے ایک بات زائد ارشاد ہوئی ہے جو اس آیت تطہیر میں نہیں ہے وہ بات زائد یہ ہے کہ خدا نے ان سے فرمایا کہ ہم اپنی نعمت تم پر پوری کرنا چاہتے ہیں؂ اور دوسری آیت میں یہ بھی فرما دیا ہے کہ ہم نے اپنی نعمت تم پر پوری کردی۔ نعمت کا پورا کر دینا ایک ایسا جامع کلمہ ہے کہ تمام فضائل و کمالات کو حاوی ہے۔ اور اس کا استعمال قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام کے لئے ہوا ہے ایک جگہ یہ لفظ حضرت ابراہیم واسحاق ویعقوب علیٰ نبینا علیہم الصلوٰۃ کے لئے آیا ہے؂ اور دوسری جگہ سردار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے وارد ہوا ہے۔

صار سلمان من العلماء لانہ امرءٌ من اھل البیت فلذلک نسبتہ الی العلماء۔ ترجمہ :۔ اور شمار علماء میں اس سبب سے ہوا کہ وہ ہم میں سے یعنی اہل بیت میں سے ایک شخص ہیں اس لئے میں نے ان کو علماء کی طرف منسوب کیا ۔

۲ ــــ مخالفین کا مذہب تو یہ ہے کہ ان کے ائمہ وقت ولادت سے وفات کے وقت تک کسی وقت صفت عصمت سے خالی نہیں ہوئے اور اس آیت سے بفرض محال اگر ان کا معصوم ہونا ثابت ہوگا تو بعد نزول اس آیت کے کیونکہ اس آیت میں صیغہ مضارع مستعمل ہے ، جو زمانہ حال یا مستقبل میں وقوع فعل پر دلالت کرتا ہے ، بلکہ اس مطلب کے لئے ماضی کا صیغہ ہونا چاہیئے تھا۔ اور یوں ارشاد ہونا چاہیئے تھا کہ اللہ نے ناپاکی تم سے دور کر دی اور تم کو پاک کر دیا ۔ قدرت خدا دیکھئے کہ مخالفین کی ایک صحیح[1] حدیث میں صحابہ کرامؓ کے لئے یہ فضیلت

---

[1] فروع کافی جلد پنجم صہ ۱۲ تا ۱۹ (طبع ایران) میں یہ حدیث منقول ہے ۔ گو حدیث بہت طویل ہے مگر چونکہ بے شمار فوائد پر متضمن ہے اور کوئی چیز فضائل و محامد کی ایسی باقی نہیں رہی جو اس حدیث میں صحابہؓ کے لئے ثابت نہ کی گئی ہو اور دنیا و آخرت کی کوئی برائی اور کوئی عیب ایسا نہیں ہے جس سے صحابہ کا پاک و پاکیزہ ہونا نہ بیان کیا گیا ہو ۔ غرض سبائیہ مذہب کی بیخ کنی اس حدیث سے ہوتی ہے لہذا ہم اس حدیث کو پورا نقل کرتے ہیں ناظرین کو چاہیے کہ اس حدیث کے لفظ لفظ پر غور کریں اور دیکھیں کہ حکیم اعلیٰ مجدہ اپنے مقاصد کو کہاں کہاں سے پورا کر دیتا ہے ۔

وہ حدیث یہ ہے

علی ابن ابراھیم عن ابیہ	علی بن ابراہیم اپنے والد سے
عن بکر بن صالح عن	وہ بکر بن صالح سے وہ
القاسم بن بریدعن ابی	قاسم بن بزید سے وہ ابو عمرو
عمرو الزبیری عن ابی	زبیری سے وہ ابو عبداللہ

بصیغہ ماضی مستعمل ہوئی ہے ۔ اس روایت میں امام نے یہ فرمایا ہے کہ خدا فرماتا

عبد اللہ علیہ السلام قال
قلت لہ اخبرنی عن الدعاء
الی اللہ والجہاد فی
سبیلہ اھو لقوم لا
یحل الا لہم ولا یقوم بہ
الا من کان منہم ام
ھو مباح لکل من وحد
اللہ عز وجل وآمن برسولہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ومن کان کذا فلہ ان یدعو
الی اللہ عز وجل والی طاعتہ
وان یجاھد فی سبیلہ
فقال ذلک لقوم لا یحل
الا لہم ولا یقوم بذلک
الا من کان منہم قلت من
اولئک قال من قام بشرائط
اللہ عز وجل فی القتال و
الجہاد علی المجاہدین
فھو الماذون لہ فی الدعاء
الی اللہ عز وجل ومن لم

(یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام
سے روایت کرتے ہیں ۔ ابوعمرو کہتے
تھے میں نے امام سے عرض کیا کہ
اللہ کی طرف بلانا اور اس کی راہ
میں جہاد کرنا کیا کچھ لوگوں کیساتھ
خاص ہے ۔ ان کے سوا اوروں کیلئے
جائز نہیں اور یہ کام سوا اس کے
جو ان میں سے نہ ہوا ور کوئی نہیں
کرسکتا یا یہ کام تمام لوگوں کے لئے
جائز ہے جو اللہ عزوجل کو وحدہٗ لاشریک
لہ جانتے ہوں اور اسکے رسول صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتے ہوں ۔
کیا جو کوئی ایسا ہو اسے اختیار
ہے کہ اللہ عزوجل کی طرف اور
اس کی عبادت کی طرف لوگوں کو
بلائے اور اس کی راہ میں جہاد کرے ۔
امام نے فرمایا یہ کام کچھ لوگوں کے
ساتھ خاص ہے اس کے سوا کسی
کے لئے جائز نہیں ہے اس کام کو وہی
شخص کرے جو ان میں سے ہو ۔

يكن قائما بشرائط الله في
الجهاد على المجاهدين
فليس بمأذون له في الجهاد
ولا الدعاء الى الله حتى
يحكم في نفسه ما اخذ
الله عليه من شرائط
الجهاد قلت فبين لي يرحمك
الله قال ان الله تبارك و
تعالى اخبر (نبيه) في
كتابه الدعاء اليه و
وصف الدعاة اليه فجعل
ذلك لهم درجات يعرف
بعضها بعضا ليستدل
ببعضها على بعض واخبر انه
تبارك وتعالى اول من
دعا الى نفسه ودعا
الى طاعته واتباع امره
فبدا بنفسه فقال
والله يدعوا الى دار السلام
ويهدي من يشاء الى
صراط مستقيم ثم ثنى
برسوله فقال ادع الى

میں نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں،
(جن کے ساتھ یہ مخصوص ہے) امام
نے فرمایا وہ لوگ ہیں جو اللہ عزوجل
کی اُن شرائط پر قائم ہوں۔ جو اس
نے جہاد کے متعلق مجاہدین پر لازم
کردیں۔ پس کوئی شخص جہاد کیلئے
اور اللہ کی طرف بلانے کے لئے
مجاز نہیں ہو سکتا جب تک اپنی
ذات میں ان شرائط کو مضبوطی کے
ساتھ قائم نہ کرے جو اللہ نے جہاد
کے لئے لازم کی ہیں۔ میں نے عرض
کیا اللہ آپ پر رحمت کرے مجھ
سے ان شرطوں کو بیان فرمائیے۔
امام نے فرمایا اللہ بزرگ و برتر
نے اپنی کتاب میں اپنی طرف
بلانے کا ذکر کیا ہے۔ اور اپنی
طرف بلانے والوں کا حال بیان
کیا ہے۔ ان کے کئی درجے بیان
کئے ہیں کہ ایک درجہ سے دوسرے
درجہ کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔
اور ایک سے دوسرے کا پتہ مل
سکتا ہے۔ پس اس نے خبر دی ہے،

بت بالحکمة
والموعظة الحسنة وجادلھم
بالتی ھی احسن یعنی بالقرآن
ولم یکن داعیا الی اللہ
عزوجل من خالف امر اللہ
ویدعو الیہ بغیر ما امر
فی کتابہ والذی امر ان
لا یدعی الا بہ وقال فی
نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم وانک لتھدی
الی صراط مستقیم یقول
تدعو ثم ثلث بالدعاء
الیہ بکتابہ ایضا فقال
تبارک وتعالی ان ھذا
القرآن یھدی للتی ھی
اقوم ای یدعو ویبشر
المؤمنین ثم ذکر من
اذن لہ فی الدعاء الیہ
بعدہ وبعد رسولہ فی
کتابہ فقال ولتکن منکم
امة یدعون الی الخیر
ویامرون بالمعروف وینھون

کہ سب سے پہلے تو اللہ بزرگ و برتر
نے خود اپنی طرف بلایا اپنی عبادت
اور اپنے احکام کی پیروی کی دعوت
دی۔ چنانچہ سب سے پہلے درجہ
میں اللہ نے اپنے آپ کو رکھا اور
فرمایا واللہ یدعوا الی دار السلام
ویھدی من یشاء الی
صراط مستقیم۔ پھر دوسرے
درجہ میں اپنے رسول کو رکھا۔ اور
فرمایا کہ ادع الی سبیل ربک
بالحکمة والموعظة الحسنة
وجادلھم بالتی ھی احسن۔
احسن سے مراد قرآن ہے۔ معلوم ہوا
کہ اللہ کی طرف وہ شخص نہیں بلا
سکتا جو اس کے حکم کے خلاف کرتا
ہے اور جس طریقہ سے بلانے کا حکم
اللہ نے دیا ہے اس کے خلاف
کسی دوسرے طریقے سے بلاتا ہے۔
اپنے نبیؐ کے بارے میں اللہ نے
یہ بھی فرمادیا وانک لتھدی
الی صراط مستقیم پھر

عن المنكر واولئك
هم المفلحون ثم اخبر
عن هذه الامة وممن
هي وانها من ذرية
ابراهيم ومن ذرية
اسمعيل من سكان الحرم
ممن لم يعبدوا غير
الله قط الذين وجبت
لهم الدعوة دعوة ابراهيم
واسمعيل من اهل المسجد
الذين اخبر عنهم في
كتابه انه اذهب عنهم
الرجس وطهرهم تطهيرا
الذين وصفناهم قبل
هذا في صفة امة
ابراهيم صلى الله عليه وسلم
الذين عنا هم الله تبارك
وتعالى في قوله ادعوا الى
الله على بصيرة انا ومن
اتبعني يعني اول من اتبعه
على الايمان به والتصديق
له وبما جاءبه من عند الله

تیسرے درجہ میں اللہ نے اپنی کتاب
کو رکھا ہے۔ فرمایا ہے ان
هذا القرآن يهدي للتي هي اقوم،
اس کے بعد اللہ نے اپنی کتاب
میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے،
جن کو اپنے بعد اور اپنے رسول
کے بعد (اپنی طرف) بلانے کی
اجازت دی ہے۔ چنانچہ
فرمایا ولتكن منكم امة
يدعون الى الخير ويامرون
بالمعروف وينهون عن المنكر
واولئك هم المفلحون۔
پھر اللہ نے اس گروہ کا ذکر کیا ہے۔
اور یہ کہ وہ کس خاندان سے ہو
گا (یہ بیان کردیا ہے) کہ یہ
گروہ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی اولاد
سے ہوگا۔ یہ لوگ حرم کے رہنے
والے ہوں گے ایسے ہوں گے
کہ انہوں نے کبھی غیر خدا کی پرستش
نہیں کی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے
جن کے لئے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی
دعا قبول ہوئی۔ یہ لوگ مکہ کے

عزوجل من الامة التی بعث فیها ومنها والیها قبل الخلق ممن لم یشرك بالله قط ولم یلبس ایمانه بظلم وهو الشرك ثم ذكر اتباع نبیه صلی الله علیه وآله واتباع هذه الامة التی وصفها فی كتابه بالامر بالمعروف والنهی عن المنكر وجعلها داعیة الیه واذن لها فی الدعاء الیه فقال یا ایها النبی حسبك الله ومن اتبعك من المؤمنین ثم وصف اتباع نبیه صلی الله علیه وآله من المؤمنین فقال عزوجل محمد رسول الله والذین معه اشدآء علی الكفار رحماء بینهم تراهم ركعا سجدا یبتغون

رہنے والے ہوں گے، جن کے متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ ان سے خدا نے ناپاکی کو دور کر دیا اور ان کو خوب پاک کر دیا۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کا حال ہم اس سے پہلے امت ابراہیم کے حال میں لکھ چکے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ادعوا الی اللہ علی بصیرة انا ومن اتبعنی میں ارادہ کیا ہے یعنی امت ابراہیم کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے ابراہیم کی اور ابراہیم کے شریعت کی تصدیق کی حق کو قبول کر لیا۔ اور اللہ کے ساتھ کبھی شرک نہ کیا اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ آلودہ نہ کیا۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے نبی (آخر الزمان) صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں کا اور اس گروہ کے پیروؤں کا ذکر فرمایا ہے۔ جن کو اپنی کتاب مقدس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ موصوف کیا ہے اور ان کو اپنی طرف بلانے والا بنایا ہے۔

ہے کہ ہم نے ان سے ناپاکی دور کر دی ۔ اور ان کو پاک کر دیا ۔ پس تعجب ہے

فضلاً من الله ورضوانا
سيماهم في وجوههم من
اثر السجود ذلك مثلهم
في التورٰىة ومثلهم
في الانجيل وقال يوم لايخزي
الله النبي والذين امنوا
معه نورهم يسعى بين
ايديهم وبايمانهم
يعني اولٰئك المؤمنين
وقال قد افلح المؤمنون ثم
حلاهم ووصفهم كيلا
يطمع في اللحاق بهم الامن
كان منهم فقال فيما حلاهم
به ووصفهم الذين في
صلوتهم خاشعون والذين
هم عن اللغو معرضون
الى قوله اولٰئك هم
الوارثون الذين يرثون
الفردوس هم فيها خالدون
وقال في صفتهم وحليتهم

اور ان کو اپنی طرف بلانے کی
اجازت دی ہے ۔ چنانچہ فرمایا
ہے یا ایها النبی حسبك
الله ومن اتبعك من
المؤمنین بعد اس کے اپنے
نبی کی پیروی کرنے والے مسلمانوں
کا ذکر (اس آیت میں یوں فرمایا)
محمد رسول الله والذین
معه اشداء علی الکفار
رحماء بینهم تراهم رکعا
سجدا یبتغون فضلا من
الله ورضوانا سیماهم
فی وجوههم من اثر
السجود ذلك مثلهم
فی التوراة ومثلهم فی
الانجیل اور نیز انہیں مسلمانوں
کے حال میں فرمایا ہے یوم
لایخزی الله النبی
والذین امنوا معه نورهم
یسعی بین ایدیهم و
بایمانهم مراد ان آیتوں میں

ایضًا الذین لا یدعون
مع اللہ الٰہا اٰخر ولا یقتلون
النفس التی حرم اللہ الا
بالحق ولا یزنون ومن
یفعل ذلک یلق اثاما
یضاعف لہ العذاب
یوم القیمۃ ویخلد فیہ
مہانا ثم اخبر انہ اشتری
من ھؤلاء المؤمنین
ومن کان علی مثل صفتھم
انفسھم واموالھم بان
لھم الجنۃ یقاتلون فی
سبیل اللہ فیقتلون و
یقتلون وعدًا علیہ
حقا فی التوراۃ والانجیل
والقراٰن ثم ذکر وفاءھم
لہ بعھدہ ومبایعتہ
فقال ومن اوفی بعھدہ
من اللہ فاستبشروا
ببیعکم الذی بایعتم

وہی مسلمان ہیں۔ پھر اللہ نے انکی
شان میں یہ بھی فرمایا قد افلح
المؤمنون۔ پھر خدا نے ان کا حلیہ
اور وصف بیان کر دیا تاکہ جو
شخص ان میں سے نہ ہو وہ ان
میں ملنے کی آرزو نہ کرے۔ چنانچہ
ایک حلیہ اور ایک وصف ان کا
یہ بیان کیا۔ الذین ھم فی
صلوتھم خاشعون والذین
ھم عن اللغو معرضون تا قولہ
اولئک ھم الوارثون الذین
یرثون الفردوس ھم فیہا
خلدون پھر ان کا ایک اور
حلیہ اور وصف بیان کر دیا تاکہ جو
شخص ان میں سے نہ ہو وہ ان
میں ملنے کی آرزو نہ کرے۔ چنانچہ
ان کے وصف میں فرمایا الذین
لا یدعون مع اللہ الٰہا اٰخر الآیۃ
پھر اللہ نے یہ بھی خبر دی کہ خدا نے
ان مسلمانوں سے اور جو ان کی صفات پر
ہیں ان سے ان کی جان اور مال اس

وعدہ پر مول لے لیے ہیں کہ ان کو

به وذٰلك هو الفوز العظيم — جنت ملے گی۔ وہ اللہ کی راہ میں

لڑتے ہیں۔ اور مارتے ہیں اور مارے

جاتے ہیں۔ یہ وعدہ اللہ پر ثابت

ہے تورایت وانجیل اور قرآن

میں مذکور ہے۔ پھر اللہ نے ان

کے وعدہ اور بیعت کے پورا کرنے

کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ ومن

اوفیٰ بعھدہ من اللہ فاستبشروا

ببیعکم الذی بایعتم بہ

وذٰلك هو الفوز العظیم

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ان

اللہ اشتری من المؤمنین

انفسھم واموالھم بان

لھم الجنۃ۔ تو ایک شخص

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

سامنے کھڑا ہوا۔ اور اس نے

عرض کیا کہ یا نبی اللہ کوئی شخص

تلوار لے کر جہاد میں مشغول ہو

جائے یہاں تک کہ قتل کر دیا جائے،

فلما نزلت ھذہ الایۃ ان اللہ — مگر وہ محرمات کا ارتکاب کیا کرتا

(بقیہ حاشیہ صد)

اشتری من المؤمنین انفسھم
واموالھم بان لھم الجنۃ قام
رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
فقال یا نبی اللہ ارایتک الرجل
یاخذ سیفہ فیقاتل حتی یقتل
الا انہ یقترف من ھذہ المحارم
اشھید ھو فانزل اللہ عزوجل علی
رسولہ التائبون العابدون الحامدون
السائحون الراکعون الساجدون
الآمرون بالمعروف والناھون عن
المنکر والحافظون لحدود اللہ و
بشر المؤمنین فسر النبی صلی اللہ علیہ
وآلہ المجاھدین من المومنین الذین
ھذہ صفتھم وحلیتھم بالشھادۃ
والجنۃ وقال التائبون من الذنوب
العابدون الذین لا یعبدون الا اللہ
ولا یشرکون بہ شیئا الحامدون
الذین یحمدون اللہ علی کل حال
فی الشدۃ والرخاء السائحون و
ھم الصائمون الراکعون الساجدون

تھا، یہ شخص شہید ہوگا۔ اسکے
جواب میں اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی
التائبون العابدون الحامدون السائحون
الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف
والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ
وبشر المومنین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے تفسیر میں بیان فرمایا کہ مومنین سے وہ
مجاہدین مراد ہیں جو ان اوصاف کے ساتھ
موصوف ہوں۔ انہیں کو جنت کی اور شہادت
کی بشارت دی جاتی ہے۔ اور فرمایا کہ
تائبون سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے
گناہوں سے توبہ کرلی ہو۔ اور عابدون سے مراد یہ
ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرتے ہوں۔ اس کے ساتھ
شرک نہ کرتے ہوں۔ حامدون سے مراد یہ ہے
کہ تکلیف اور آرام غرض ہر حال میں اللہ کا
شکر کیا کرتے ہوں۔ سائحون سے مراد یہ ہے
پنج گانہ نمازوں کا التزام رکھتے ہوں
اور خشوع اور خضوع کے ساتھ وقت پر
نماز پڑھتے ہوں۔ آمرون بالمعروف سے
مراد یہ ہے کہ ان سب باتوں کے بعد

یتے ہیں۔ حالانکہ ان کے لئے یہ لفظ بصیغہ مضارع وارد ہوا ہے مخالفین کے

الذین یواظبون علی الصلوات الخمس
والحافظون لها والمحافظون
علیها برکوعها وسجودها فی الخشوع
فیها وفی اوقاتها الامرون بالمعروف
بعد ذلك والعاملون به والناهون
عن المنکر والمنتهون عنه قال
نبشر من قتل وهو قائم بهذه
الشروط بالشهادة والجنة ثم
اخبر تبارك وتعالی انه لم یأمر
بالقتال الا لاصحاب هذه الشروط
فقال عز وجل اذن للذین یقاتلون
بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم
لقدیر الذین اخرجوا من دیارهم
بغیر حق الا ان یقولوا ربنا الله
وذلك ان جمیع ما بین السماء
والارض لله عز وجل لرسوله
ولاتباعهما من المؤمنین من اهل
هذه الصفة فما کان من الدنیا
فی ایدی المشرکین والکفار و
الظلمة والفجار من اهل الخلاف

اچھی باتوں پر خود بھی عمل کرتے ہوں، دوسروں
کو بھی حکم دیتے ہوں۔ ناہون عن المنکر سے
مراد یہ ہے کہ بری باتوں سے خود بھی پرہیز
کرتے ہوں، دوسروں کو بھی منع کرتے ہوں۔
پس جو لوگ ان اوصاف کے ساتھ موصوف
ہونے کی حالت میں قتل کئے گئے تھے انکو
شہادت ملی اور جنت کی بشارت دے
دی گئی۔ پھر اللہ بزرگ و برتر نے یہ بھی بیان
کر دیا کہ اس نے جہاد کا حکم انہیں لوگوں کو
دیا جو ان اوصاف کے ساتھ موصوف
ہوں۔ چنانچہ فرمایا اذن للذین
یقاتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم
لقدیر الذین اخرجوا من دیارهم بغیر حق الا
ان یقولوا ربنا الله اور ان لوگوں کا مظلوم
ہونا اس سبب سے ہے کہ جتنی چیزیں آسمان
اور زمین کے درمیان میں ہیں۔ وہ سب
اللہ و رسول اور ان ایمان داروں کی ہیں۔
جو ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہوں۔
پس دنیا کا جس قدر حصہ کافروں اور ظالموں
اور فاجروں غرض ان لوگوں کے ہاتھ میں

اصول پر تو زمانہ مستقبل میں بھی اہل بیت سے ناپاکی کا دور ہونا ثابت

لـــرسول الله صلى الله عليه
واله والمولى عن طاعتهما كان فى
ايديهم ظلموا فيه المؤمنين من
اهل هذه الصفات وغلبوهم عليه
مما افاء الله عليهم ورده اليهم
وانما معنى الفئ كلما صار الى
المشركين ثم رجع مما كان قد
غلب عليه اوفيه فما رجع الى مكانه
من قول اوفعل فقد فاء مثل قول
الله عزوجل فان فآءوا فان الله
غفور رحيم اى رجعوا
ثم قال وان عزموا الطلاق
فان الله سميع عليم وقال و
ان طائفتان من المؤمنين
اقتتلوا فاصلحوا بينهما
فان بغت احداهما على
الاخرى فقاتلوا التى تبغى
حتى تفئ الى امر الله اى
ترجع فان فاءت اى رجعت
فاصلحوا بينهما بالعدل

على رسوله فهو حقهم افاء الله

تھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے
مخالف اور ان کی اطاعت سے منحرف تھے
وہ اس حصہ دنیا کے متعلق ان صفات کے
مسلمانوں پر ظلم کر رہے تھے۔ اور ان کے
حق کو دبائے ہوئے تھے، جو کچھ اللہ نے
بذریعہ جہاد کے مال غنیمت اپنے رسول کو
دیا۔ وہ انہیں مسلمانوں کا حق تھا۔ کہ خدا نے
انہیں واپس دلایا کے معنی یہی ہیں کہ
کوئی چیز مشرکوں کے قبضہ میں چلی گئی تھی
وہ پھر مسلمانوں کے پاس واپس آگئی۔ جو
چیز اپنے اصلی مقام پر لوٹ جائے، خواہ
وہ فعل ہو یا قول تو اس کو کہتے ہیں فاء
جیسے اللہ کے اس قول میں فان فاءو فان اللہ
غفور رحیم۔ یعنی اگر وہ لوگ ارادۂ طلاق سے
لوٹ جائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے
اس کے بعد فرمایا ہے کہ اگر وہ لوگ طلاق
کا ارادہ کر لیں۔ تو اللہ سنتا جانتا ہے۔ اور
(ایک دوسرے مقام پر) فرمایا ہے۔ و
ان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا
بینہما فان بغت احداہما علی الاخری

نہیں ہوتا کیونکہ اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ اللہ کا ارادہ یہ ہے

واقسطوا ان اللہ یحب
المقسطین یعنی بقولہ
تفیٔ ترجع فذلک الدلیل
علی ان الفیٔ کل راجع الی
مکان قد کان علیہ اوفیہ
ویقال للشمس اذا زالت قد
فاءت الشمس حین یفی الفیٔ عند
رجوع الشمس الی زوالہا و
کذلک ما افاء اللہ علی المؤمنین
من الکفار فانما ہو حقوق
المؤمنین رجعت الیہم
بعد ظلم الکفار ایاہم
فذلک قولہ اذن للذین یقاتلون
بانہم ظلموا ما کان المؤمنون احق
بہ منہم وانما اذن للمؤمنین الذین
قاموا بشرائط الایمان التی وصفناہا
وذلک انہ لا یکون ماذونا لہ فی
القتال حتی یکون مظلوماً
ولا یکون مظلوماً حتی یکون
مؤمنا ولا یکون مؤمنا حتی
یکون قائماً بشرائط الایمان

فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ فان
فاءت فاصلحوا بینہما بالعدل واقسطوا
ان اللہ یحب المقسطین یہ دلیل ہے
اس بات کی کہ فیٔ اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنے
اس مقام پر لوٹ جائے جہاں وہ پہلے تھی۔
آفتاب کو جب زوال ہوجاتا ہے
تو کہتے ہیں فاءت الشمس۔ اسی طرح جو
چیزیں اللہ نے مسلمانوں کو کافروں سے
دلائیں۔ وہ مسلمانوں کا حق تھیں کہ بعد اس کے
کہ ان پر ظلم کرکے چھین لی گئی تھیں، پھر انکو
واپس ملیں۔ اسی وجہ سے اللہ نے فرمایا
اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا کیونکہ ان
چیزوں کے حق دار مسلمان تھے۔ نہ کافر یہ
اجازت صرف انہیں مسلمانوں کو دی گئی ہے
جو شرائط ایمان کے ساتھ قائم ہوں جن کا
بیان ہم کرچکے۔ یہ اس لئے کہ جب تک کوئی
شخص مظلوم نہ ہو اس کو جہاد کی اجازت
نہیں مل سکتی۔ اور مظلوم نہیں ہوسکتا۔
جب تک کہ مومن نہ ہو۔ اور مومن نہیں ہوسکتا۔
جب تک کہ اللہ عزوجل کے ان شرائط پر قائم
نہ ہو۔ جو اس نے مومنین اور مجاہدین کیلئے

ممکن ہے کہ بعد اس ارادہ کے اللہ کو بداء ہوگیا ہو۔ اور رائے بدل

التی اشترط اللہ عز وجل علی
المؤمنین والمجاھدین
فاذا تکاملت فیہ شرائط
اللہ عز وجل کان مؤمنا واذا
کان مؤمنا کان مظلوما کان ماذونا له
فی الجهاد لقوله عز وجل اذن
للذین یقاتلون بانهم ظلموا
وان اللہ علی نصرهم لقدیر
وان لم یکن مستکملا لشرائط
الایمان فهو ظالم ممن یبغی
ویجب جهاده حتی یتوب و
لیس مثله ماذونا له فی الجهاد و
الدعآء الی اللہ عز وجل لانه لیس
من المؤمنین المظلومین الذین
اذن لهم فی القرآن فی القتال فلما
نزلت هذه الآیة اذن للذین
یقاتلون بانهم ظلموا فی المهاجرین
الذین اخرجهم اهل مکة من
دیارهم واموالهم احل لهم
جهادهم بظلمهم ایاهم

مقرر کئے ہیں۔ جب اس میں یہ سب شرطیں
کامل ہونگی تو وہ مومن ہوگا۔ اور جب مومن
ہوگا تو مظلوم ہوگا۔ اور جب مظلوم ہوگا
تو اس کے لئے جہاد کی اجازت اس آیت
سے ثابت ہے۔ اذن للذین یقاتلون بانھم
ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر۔ اور
اگر کسی میں یہ شرائط ایمان کامل نہ ہوں تو
وہ ظالم ہے، باغی ہے۔ اس کے اوپر
جہاد واجب ہے۔ یہاں تک کہ توبہ کرے
اس کے لئے نہ جہاد کی اجازت ہے، نہ
اللہ عز وجل کی طرف بلانے کی۔ کیونکہ وہ ان
مظلوم مؤمنوں میں سے نہیں ہے جن کو
جہاد کی اجازت ملی ہے۔ جب آیت اذن
للذین یقاتلون بانھم ظلموا مہاجرین کے حق میں
نازل ہوئی۔ جن کو اہل مکہ نے ان کے گھروں
سے اور ان کے مالوں سے نکال دیا تھا۔ تو
مہاجرین کو بسبب ان کے مظلوم ہونے
کے اہل مکہ سے جہاد کرنا جائز کردیا گیا ہے۔ میں نے
عرض کیا کہ یہ آیت مہاجرین کے حق میں نازل
ہوئی بسبب اسکے کہ مشرکین مکہ نے ان پر

ہو۔ جس طرح اور بہت سے مواقع میں ہوا بعد امام جعفر صادق کے

ذن لهم فى القتال فقلت
ـذه نزلت فى المهاجرين
ظلمو مشركى اهل مكة لهم فا
لهم فى قتالهم كسرى وقيصر
من دونهم من مشركى قبائل
لعرب فقال لو كان انما اذن لهم
فى قتال من ظلمهم من اهل
مكة فقط لم يكن لهم الى قتال جموع
كسرى وقيصر وغير اهل مكة من
قبائل العرب سبيل لان الذين
ظلموهم غيرهم وانما اذن لهم فى
قتال من ظلمهم من اهل مكة
خراجهم اياهم من ديارهم و
اموالهم بغير حق ولو كانت
الآية انما عنت المهاجرين الذين ظلمهم
اهل مكة كانت الآية مرتفعة الفر
عن بعدهم اذا لم يبق من الظالمين
والمظلومين احد بل ليس كما ظننت
ولا كما ذكرت ولكن المهاجرين
ظلموا من

ظلم کیا تھا۔ پھر مہاجرین نے جو کسریٰ و قیصر
وغیرہ مشرکین قبائل عرب سے جہاد کیا اس
کا کیا حال ہے۔ امام نے فرمایا کہ اگر یہی ہوتا
کہ انہیں صرف اہل مکہ کے ظالموں سے جہاد
کی اجازت ملی ہوتی۔ تو کسریٰ و قیصر اور مکہ کے
علاوہ دوسرے قبائل عرب سے جہاد کرنے کی
انہیں کوئی سبیل نہ تھی کیونکہ یہ وہ لوگ
نہ تھے جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہو۔ اور انہیں
صرف اہل مکہ سے جہاد کی اجازت ملی تھی۔
کیونکہ انہوں نے ان کو ان کے گھروں اور مالوں
سے ناحق نکالا تھا۔ اگر اس آیت میں صرف
وہی مہاجرین مراد ہوں جن پر اہل مکہ نے
ظلم کیا تھا تو اس آیت کا کوئی تعلق بعد
والوں سے نہ رہے گا۔ جب کہ نہ ان ظالموں
میں سے کوئی باقی رہا نہ مظلوموں میں سے۔
پس فرض جہاد ان کے بعد سب لوگوں سے
اٹھ جائے گا۔ مگر ایسا نہیں ہے، جیسا تم
نے خیال کیا (اصل بات یہ ہے کہ) مہاجرین
پر دو طرح کے ظلم ہوئے۔ اہل مکہ نے ان
پر ظلم کیا کہ ان کو ان کے گھروں سے اور

جهتين ظلمهم اهل مكة باخراجهم	ان کے مالوں سے نکالا۔ پس انہوں
من ديارهم واموالهم فقاتلوهم	نے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اہل مکہ سے
باذن الله لهم في ذلك وظلمهم	جہاد کیا۔ اور کسریٰ اور قیصر اور نیز اور
كسرى وقيصر ومن كان دونهم	قبائل عرب و عجم نے بھی مہاجرین پر ظلم کیا
من قبائل العرب والعجم بما كان في	کیونکہ جس قدر اموال ان کے قبضہ میں تھے
ايديهم مما كان المؤمنون احق	ان کے حق دار مسلمان تھے، نہ وہ۔ پس انہوں
به منهم فقد قاتلوهم باذن الله	نے اللہ عزوجل کی اجازت سے کسریٰ اور
عزوجل لهم في ذلك وبحجة	قیصر سے جہاد کیا۔ اور اس آیت کی دلیل
هذه الآية يقاتل مومنو	سے ہر زمانے کے مسلمان جہاد کر سکتے ہیں۔
كل زمان وانما اذن الله	اللہ عزوجل نے انہیں مومنوں کو اس آیت
عزوجل للمؤمنين الذين قاموا	میں اجازت دی ہے جو اللہ کے بیان
بما وصف الله عزوجل من	کئے ہوئے شرائط پر قائم ہوں۔ جو اللہ نے
الشرائط التي شرطها الله على	مومن اور مجاہد ہونے کے لئے بیان کئے ہیں
المؤمنين في الايمان والجهاد	جو شخص ان شرائط پر قائم ہو۔ وہی مومن ہے
ومن كان قائما بتلك الشرائط	وہی مظلوم ہے۔ اور اس کو جہاد کی اجازت
فهو مؤمن وهو مظلوم ومأذون	ہے اور جو ایسا نہ ہو وہ ظالم ہے نہ مظلوم
له في الجهاد بذلك المعنى	نہیں ہے۔ اس کو نہ جہاد کی اجازت ہے
ومن كان على خلاف ذلك فهو ظالم	نہ بری باتوں سے کسی کو منع کرنے کی
وليس من المظلومين وليس	اور نہ اچھی باتوں کا حکم دینے کی۔ کیونکہ
بماذون له في القتال ولا	وہ اس کا اہل نہیں ہے۔ اور اس کو خدا

دل گئی۔ اورارادہ فسخ ہوگیا۔

ھی عن المنکر والامر
عروف لانہ لیس من
ل ذلک ولا ماذون لہ فی
دعاء الی اللہ عزوجل لانہ
ن مجاھد مثلہ امر بدعائہ
اللہ ولا یکون مجاھدا من
قد امر المؤمنون بجھادہ و
حظر الجھاد علیہ ومنعہ منہ
ولا یکون داعیا الی اللہ عزوجل
من امر بدعاء مثلہ الی
التوبۃ والحق والامر بالمعروف
والنھی عن المنکر ولا یامر
بالمعروف من قد امر ان یومر
بہ ولا ینھی عن المنکر من قد
کانت قد تمت فیہ شرائط
اللہ عزوجل التی وصف بہا اھلہا
من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ
وآلہ وھو مظلوم فھو ماذون لہ
فی الجھاد کما اذن لھم فی الجھاد
لان حکم اللہ عزوجل فی الاولین و
الآخرین وفرائضہ علیھم سواء
الا من علۃ او حادث یکون

کی طرف بلانے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ
یہ مثل ان لوگوں کے نہیں ہے۔ اور اسکو
خدا کی طرف بلانے . . . . .

. . . .
. . . . کا حکم ہوا ہے
مجاہد کیونکر ہو سکتا ہے۔ جس کے اوپر خود
جہاد کرنے کا مسلمانوں کو حکم ہوا ہو۔ اور
اس کے لئے جہاد کی ممانعت کر دی گئی ہو۔
اور اللہ عزوجل کی طرف وہ شخص کیونکر
بلا سکتا ہے جس کی بابت خود یہ حکم ہو کہ
وہ توبہ کی طرف اور دین حق کی طرف اور
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف بلایا جائے
امر بالمعروف وہ شخص نہیں کر سکتا جس کی
بابت خود حکم ہو کہ اسے نہی منکر کی جائے۔
پس جس شخص کی ذات میں اللہ عزوجل کے وہ شرائط
جن کے ساتھ اس نے ان شرائط کے اہل کو
جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے
تھے۔ موصوف فرمایا ہے۔ کامل طور پر پائے
جائیں وہ مظلوم ہے۔ اور اسے جہاد کی
اجازت ہے۔ جس طرح اصحاب نبی کو جہاد
کی اجازت تھی۔ کیونکہ اللہ کا حکم اگلوں
پچھلوں سب کو شامل ہے۔ اور اس کے

الا من علته او حادث يكون
والاولون والاخرون ايضًا في منع
الحوادث شركاء والفرائض
عليهم واحدة يسأل الآخرون
عن اداء الفرائض عما يسأل
عنه الاولون ويحاسبون عما
به يحاسبون ومن لم يكن
على صفة من اذن الله له
في الجهاد من المؤمنين وليس
من اهل الجهاد وليس بماذون
له فيه حتى يفئ بما شرط الله
عز وجل عليه فاذا تكاملت
فيه شرائط الله عز وجل على
المؤمنين والمجاهدين
فهو من الماذونين لهم
في الجهاد فليتق الله عز وجل
عبد امن هذه الاحاديث
الكاذبة على الله التي
يكذبها القرآن يتبرأ منها ومن
حملتها ورواتها ولا يقدم

فرائض سب پر یکساں ہیں سوا اس صورت
کے کہ کوئی خاص سبب پیدا ہو جائے۔
سوا اس خاص سبب میں بھی اگلے اور پچھلے سب
شریک ہیں سب پچھلوں سے بھی ان فرائض کے
ادا کرنے کا سوال ہوگا جن کا سوال اگلوں
سے ہوگا۔ اور پچھلوں سے بھی ان اعمال کا
حساب لیا جائے گا جن کا حساب اگلوں سے
لیا جائے گا۔ اور جو شخص ان مسلمانوں کے
مثل نہ ہو جن کو اللہ نے جہاد کی اجازت دی تھی
تو وہ مجاہد بننے کے قابل نہیں ہے۔
اس کو جہاد کی اجازت نہیں ہے یہاں تک
کہ وہ ان شرائط کی طرف رجوع کرے جو اللہ
عز وجل نے اس بارہ میں قائم کی ہیں۔
جب اس میں وہ شرطیں کامل ہو جائیں گی
جو اللہ عز وجل نے مومنین اور مجاہدین کے لئے
قائم کی ہیں تو وہ جہاد کا مجاز ہو جائیگا پس
اللہ عز وجل سے بندہ کو ڈرنا چاہیئے اور ان
آرزوؤں پر مغرور نہ ہونا چاہیئے جن سے
خدا نے منع کیا ہے۔ ان جھوٹی حدیثوں سے
(پرہیز کرنا چاہیئے) جو اللہ پر افترا کی جاتی

...فہ اثنا عشریہ میں لکھی ہے جو مع ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔

علی اللہ عزوجل بشبهة لا یعذر بها فانه لیس وراء المتعرض للقتل فی سبیل الله منزلة یؤتی الله من قبلها وهی غایة الاعمال فی عظم قدرها فلیحکم امرؤ لنفسه ولیرها کتاب الله عزوجل ویعرضها علیه فانه لا احد اعرف بالمرء من نفسه فان وجدها قائمة بما شرط الله علیه فی الجهاد فلیقدم علی الجهاد وان علم تقصیرا فلیصلحها ولیقمها علی ما فرض الله علیها من الجهاد ثم لیقدم بها وهی طاهرة مطهرة من کل دنس یحول بینها وبین جهادها ولسنا نقول لمن اراد الجهاد وهو علی خلاف ما وصفنا من شرائط الله عزوجل علی

ہیں۔ قرآن جن کی تکذیب کرتا ہے۔ اور ان سے اور ان کے سننے والوں اور روایت کرنے والوں سے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ اور کوئی شخص اللہ عزوجل کے سامنے کسی شبہ کے ساتھ جس میں وہ معذور نہ قرار پائے نہ جائے۔ کیونکہ اللہ کی راہ میں قتل کے لئے مستعد ہونے والے سے زیادہ کوئی رتبہ نہیں ہے۔ یہ تمام عظیم الشان اعمال میں زیادہ قابل قدر ہے۔ پس چاہیئے کہ آدمی ... یں خود فیصلہ کرے۔ کیوں کہ اپنے سے زیادہ اپنا حال کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا پس اگر اپنے نفس کو اُن شرائط پر قائم دیکھے جو اللہ عزوجل نے جہاد کے متعلق لگائی ہیں تو جہاد کا ارادہ کرے۔ جہاد کے لئے ایسی حالت میں جائے کہ اس کا نفس تمام ان گناہوں سے پاک ہو جو اس کے اور جہاد کے درمیان میں حائل ہوں۔ جو شخص جہاد کا ارادہ کرے ہم اس سے نہ کہیں گے کہ وہ اللہ عزوجل کی شرائط کے خلاف ہے۔ جو ان مومنین و مجاہدین کے خلاف

المؤمنين والمجاهدين لا
تجاهدوا ولكن نقول قد
علمناكم ما شرط الله عزو
جل على اهل الجهاد الذين
بايعهم واشترى منهم انفسهم
واموالهم بالجنان فليصلح امرأ
ما علم من نفسه من تقصير
عن ذلك وليعرضها على شرائط
الله فان راى انه قد وفى
بها وتكاملت فيه فانه ممن
اذن الله عز وجل له في
الجهاد وان ابى ان لايكون
مجاهد اعلى ما فيه من الاصرار
على المعاصي والمحارم و
الاقدام على الجهاد بالتخبيط
والعمى والمقدوم على الله
عز وجل بالجهل والروايات
الكاذبة فلقد لعمري
جاء الاثر فيمن فعل
هذا الفعل ان الله عز وجل
ينصر هذا الدين باقوام
لاخلاق لهم فليتق الله عز وجل
امرء وليحذر ان يكون

فرمائی ہیں (اور ہم کسی سے نہ کہیں گے کہ
تم جہاد نہ کرو۔ بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ اہل جہاد
کے لئے جن سے اللہ نے بیعت لی۔ اور بعوض
جنت کے ان کی جان و مال خرید لی ہے
جو شرطیں اللہ عزوجل نے لگائی ہیں۔ وہ
ہم نے تمہیں بتا دیں۔ پس چاہیے کہ اگر کوئی
شخص اپنے نفس میں کچھ قصور پائے تو اس
کی اصلاح کرے۔ اور اپنے نفس کو اللہ کی
شرطوں پر پیش کرے۔ اگر دیکھے کہ وہ
شرطیں اس میں ہیں اور کامل ہیں تو (سمجھ لے
کہ) وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کو اللہ
عزوجل نے جہاد کی اجازت دی ہے اور اگر
وہ باوجود اصرار کے معاصی اور محرمات
پر جہاد کرنے سے باز نہ آئے۔ اور خبط
اور نابینائی اور جہالت اور جھوٹی روایتوں
کے ساتھ اللہ کے یہاں جانے پر اصرار کرے
تو قسم ہے مجھے اپنی جان کی جو لوگ ایسا کام
کریں۔ تو ان کے متعلق حدیث وارد ہوئی ہے۔
کہ اللہ عزوجل اس دین کو ایسے لوگوں سے
مدد پہنچائے گا۔ جن کو (آخرت میں کچھ حصہ
نہیں ہے) پس آدمی کو اللہ عزوجل سے
ڈرنا چاہیے۔ اور اس بات سے بچنا چاہیے
کہ کہیں ان لوگوں میں سے نہ ہو جائے (اب

عبارت تحفہ متعلق آیۂ تطہیر

منہا قولہ تعالیٰ انما یرید
[الل]ہ لیذھب عنکم الرجس
[ا]ھل البیت ویطہرکم تطہیرا۔ ا
گویند مفسرین اجماع کردہ اند کہ
این آیت در حق علی و فاطمہ و حسن
و حسین رضی اللہ عنہم نازل شدہ
دلالت مے کند بر عصمت ایشاں
بتاکید تمام و غیر المعصوم لا یکون
اماماً ؂

مترجمہ دلائل مخالفین کے اللہ تعالیٰ کا قول
یہ ہے۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم
الرجس اھل البیت ویطہرکم
تطہیرا مخالفین کہتے ہیں کہ مفسرین
نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ یہ آیت
علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم
کے حق میں نازل ہوئی۔ اور ان کے معصوم
ہونے پر بتاکید تمام دلالت کرتی ہے۔
اور غیر معصوم امام نہیں ہو سکتا۔

منہم فقد بین لکم ولا عذر
لکم بعد البیان فی الجھل
ولا قوۃ الا باللہ وحسبنا
اللہ علیہ توکلنا والیہ
المصیر۔

تم سے خوب واضح بیان کر دیا گیا اور بعد
بیان کر دینے کے ناواقف کا عذر نہ سنا
جائے گا۔ اور قوت و طاقت اللہ ہی
کی طرف سے ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے
اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

اگرچہ یہ حدیث

ہم نے اس مقام پر محض اس لئے نقل کی تھی کہ اس میں امام جعفر صادق رضؓ نے
فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت ہے ان کے متعلق اللہ

؂ ملاحظہ ہو تحفہ اثنا عشریہ فارسی صہ ۲۰۲ بحث امامت۔

درین جا ہم مقدمات ہمہ
مخدوش اند۔ اول اجماع
مفسرین بر این ممنوع ابن
ابی حاتم از ابن عباس رض
روایت مے کنند کہ

دلیں معلوم ہوا کہ یہی لوگ امام ہیں،
اس دلیل کے تمام مقدمات مخدوش
ہیں۔ اول تو مفسرین کا اجماع اس بات
پر ممنوع ہے۔ دیکھو ابن ابی حاتم حضرت
ابن عباس رض سے روایت کرتے ہیں کہ یہ

نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے کہ ان سے اللہ نے رجس (یعنی ناپاکی) کو دور کر دیا۔
اور انہیں خوب پاک کر دیا۔ اور آگے چل کر امام نے یہ بھی فرما دیا کہ یہ لوگ جن کو
جہاد کی اجازت ملی تھی۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین تھے۔
پس اگر رجس دور کر دینا اور پاک کر دینا عصمت کو مستلزم ہے۔ تو چاہیئے کہ صحابہ
مہاجرین رض بدرجہ اولی معصوم ہوں۔ کیونکہ خدا نے ان کی تطہیر بصیغہ ماضی بیان
فرمائی ہے۔ کہ ہم نے ان سے رجس کو دُور کر دیا اور انہیں پاک کر دیا۔ اور
اہل بیت کی تطہیر تو بصیغہ مستقبل بیان فرمائی ہے۔ اس عنوان سے کہ اللہ یہ چاہتا
ہے کہ ان سے رجس کو دور کر دے۔ اور انہیں پاک کر دے۔ ان دونوں عنوانوں
میں جو فرق ہے۔ وہ ایک میزان پڑھنے والے مبتدی سے بھی پوشیدہ نہیں رہ
سکتا سخت تعجب ہے کہ حضرات شیعہ اسی لفظ سے جو بصیغہ مستقبل وارد ہے۔
اہل بیت رض کا معصوم ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اور صحابہ کرام رض کے حق میں یہی لفظ جو بصیغہ
ماضی وارد ہے۔ اس سے ان کی عصمت نہیں ثابت کرتے۔ بلکہ معاذ اللہ ان کو تمام
دنیا کے معاصی قبیحہ اور فسق و فجور کا مخزن یقین کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من
ھذا السفہ والطغیان گو ہمارا مقصود اس حدیث سے اور بھی بے شمار
فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اور وہ فوائد ایسے ہیں کہ ان کے سننے سے مخالفین کے
منہ بند ہو جاتا ہے۔ لہذا بطور نمونہ ان میں سے چند فوائد ہم بیان کرتے ہیں۔

انما نزلت فی نسا والنبی صلی اللہ
علیہ وسلم و ابن جریر از عکرمہ
روایت کنندکہ انہ کان
ینادی فی السوق ان قولہ تعالی
انما یرید اللہ لیذھب
الایۃ نزلت فی نساء النبی
صلی اللہ علیہ وسلم وظاہر از ملاحظہ
سیاق وسباق آیۃ ہم ہمیں است زیراکہ
از ابتداء یانساء النبی لستن کاحد
من النساء تا قولہ واطعن اللہ
بلکہ تا والحکمۃ خطاب بازواج
مطہرات است ۔

آیت ازواج نبی ؐ کے حق میں نازل
ہوئی ہے۔ اور ابن جریر عکرمہ سے
روایت کرتے ہیں کہ بازاروں میں
چرچا ہوتا تھا کہ یہ آیت ازواج نبی
صلعم کے حق میں نازل ہوئی ہے۔
اس آیت کے آگے پیچھے کی آیتوں کے
دیکھنے سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے
کیونکہ یانساء النبی لستن
کاحد من النساء سے لے
کر واطعن اللہ بلکہ والحکمۃ
تک ازواج مطہرات ہی سے
خطاب ہے ۔

اور امید کرتے ہیں کہ مخالفین میں اگر کچھ لوگ منصف مزاج ہوں گے ۔ تو اُن فوائد کو دیکھ کر اس مذہب سے قطعًا بیزار ہو جائیں گے ۔ اور یقین کرلیں گے کہ ائمہ اہل بیت رض پر یہ سب افتراء ہے وہ حضرات صحابہ کرام رض کے مناقب و محامد کے نہایت معتقد اور سنی پاک عقیدہ تھے ۔

اس حدیث کے فوائد

(۱) ۔ دین اسلام کی طرف لوگوں کو بلانا اور فی سبیل اللہ جہاد کرنا انہیں لوگوں کے لئے جائز ہے ۔ جو مظلوم ہوں ۔ اور کوئی شخص مظلوم نہیں ہوسکتا جب تک مومن نہ ہو ۔ اور مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ ان دس صفتوں کے ساتھ موصوف

وامر ونہی باالیشاں واقع مے شود۔ پس	اور جو کچھ اس آیت میں امر و نہی ہے۔ وہ انہیں ازواج مطہرات کے متعلق ہے (اگر کوئی مخالف کہے)

نہ ہو۔ غیر اللہ کی عبادت نہ کرتا ہو۔ اس کے ایمان میں شرک کی آمیزش نہ ہو۔ کافروں پر سخت اور مسلمانوں پر مہربان ہو۔ اللہ کی رضامندی کا طالب ہو۔ قتل ناحق اس سے صادر نہ ہوتا ہو۔ زناکار نہ ہو۔ اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہو۔ ہر حال میں اللہ کا شکر کرتا ہو۔ روزہ اور نماز کا خوب پابند ہو۔ عبادت الٰہی میں خشوع وخضوع کی کیفیت اسے حاصل ہو۔

۲۔ جس شخص میں دس اوصاف مذکورہ بالا پائے جائیں، وہ مومن ہے اور مظلوم ہے۔ اور اس کے لئے آیت اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا میں جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت مذکور ہے۔

۳۔ اس آیت کی رو سے ہر زمانہ کے مسلمان جوان اوصاف کے ساتھ موصوف ہوں جہاد کر سکتے ہیں۔

۴۔ یہ آیت در اصل مہاجرینؓ کے حق میں نازل ہوئی تھی جب کہ کفار مکہ نے ان پر ظلم کیا۔ اور ان کو ان کے گھروں اور جائدادوں سے نکالا۔

۵۔ مہاجرینؓ نے اسی آیت کی رو سے بحکم خدا مکہ میں جہاد کیا۔ اور اس آیت کی رو سے بحکم خدا انھوں نے کسریٰ وقیصر یعنی ایران وروم میں جہاد کیا۔

۶۔ یہ آیت گو مہاجرینؓ کے حق میں نازل ہوئی تھی، مگر جو شخص ان دس اوصاف کے ساتھ موصوف ہو، جو اللہ نے اصحاب نبیؐ کے بیان فرمائے ہیں، اس کو بھی یہ آیت شامل ہے۔

۷۔ اللہ تعالےٰ نے اصحاب نبیؐ کے حق میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کی ناپاکی دور کر دی ان کو خوب پاک کر دیا۔ اور ان کے یہ اوصاف بیان فرمائے ہیں۔

دراثنار کلام حال کہ ہاں اس سے پہلے اور پیچھے تو خطاب ازواج
دیگران مذکور کردن ہی سے ہے، مگر درمیان میں اتنا جملہ ان چار حضرات کے

محمد رسول اللہ والذین معه الخ یعنی محمد خدا کے رسول ہیں۔
اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں۔ وہ کافروں پر سخت اور اپنے آپس میں مہربان ہیں۔
رکوع و سجدہ میں رہتے ہیں۔ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی طلب کیا کرتے ہیں۔
یہ حالت ان کی توریت و انجیل میں مذکور ہے۔ نیز ان کے حق میں یہ بھی فرمایا کہ قیامت
کے دن اللہ نبی کو اور مسلمانوں کو رسوا نہ کرے گا۔ ان کی روشنی ان کے ہر چہار طرف
محیط ہوگی۔ اور ان کے حق میں یہ بھی فرمایا کہ یقیناً وہ مومن کامیاب ہیں جو نماز میں
خشوع کرتے ہیں۔ اور لغو باتوں سے درگزر کرتے ہیں۔ یہ لوگ جنت الفردوس کے
وارث ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہیں پکارتے تھے اور قتل ناحق نہیں
کرتے اور زنا نہیں کرتے۔ پھر خدا نے یہ بھی ان کے حق میں فرمایا۔ کہ ہم نے ان کا جان
و مال بعوض جنت کے مول لے لیا ہے۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ اپنے عہد کو پورا کر
چکے۔ پس جو شخص اصحاب نبی کے ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہو۔ وہ خدا کی
طرف سے جہاد کا مجاز ہے۔

۸۔ جس شخص میں یہ اوصاف پائے جائیں اس کو چاہیئے کہ ان اوصاف کے
حاصل کرنے کے بعد جہاد کا ارادہ کرے۔

۹۔ جو شخص ان اوصاف کے ساتھ موصوف نہ ہو، اور وہ فی سبیل اللہ جہاد
کرے، وہ اس حدیث کا مصداق ہے کہ کبھی اللہ ان لوگوں سے اپنے دین کی مدد
کرا دیتا ہے۔ جن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہوتا۔

۱۰۔ ان سب باتوں کے بیان کرنے کے بعد میں آخر حدیث میں امام جعفر صادق رض
نے یہ بھی فرما دیا کہ دیکھو ہم تمام باتیں بیان کر چکے ہیں۔ پس اب ہر شخص کو چاہیئے

بے تنبیہ برانقطاع   متعلق ہے۔ تو اس سے کہہ دیا جائے، کہ ایک کلام کے
کلام سابق وافتتاح   درمیان میں بغیر اس بات کے بتلائے ہوئے کہ کلام سابق

کہ جھوٹی حدیثوں کے افتراء کرنے سے ڈرے، جن کی قرآن تکذیب کرتا ہے اور جن سے جن کے راویوں سے قرآن بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو اصحاب نبیؐ کے مناقب ہم بحوالہ آیاتِ قرآنی تم پر ظاہر کر چکے۔ اب تم لوگ صحابہ کی مذمت کی حدیثیں جو گڑھا کرتے ہو۔ اُن سے باز آؤ۔ وہ حدیثیں آیاتِ قرآنی کی مخالف ہیں۔ قرآن ان کی تکذیب کرتا ہے۔ اور ان سے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ ان فوائد پر بنظر انصاف غور کرو اور دیکھو کہ صحابہ کرامؓ اور خصوصًا مہاجرینؓ کے کیسے اعلیٰ اعلیٰ مناقب بیان ہوئے ہیں۔ اب دشمنانِ اصحاب رسول بتائیں کہ امام جعفر صادق ان اوصاف کے بیان کرنے میں سچے ہیں یا نہیں۔ ولنعم ما قال صاحب النصیحۃ۔

اب اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ کسریٰ وقیصر سے قتال کرنے والا خلفائے ثلاثہؓ کے سوا اور کون تھا۔ پس انہیں خلفاء اور ان کے ساتھیوں کی نسبت امام جعفر صادق نے یہ ارشاد فرمایا کہ وہ مہاجرین تھے۔ اور ان پر اہل مکہ نے بھی ظلم کیا تھا۔ اور کسریٰ وقیصر نے بھی ظلم کیا تھا۔ اور ان سب نے انہوں نے اللہ کے حکم کے مطابق قتال کیا اور اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ وہ امام عادل تھے، ورنہ ان کے ساتھ ہو کر قتال جائز نہ ہوتا۔ اور ان کا جہاد اللہ کے حکم کے مطابق نہ ہوتا۔ نیز وہ مومن کامل اور جہاد کی شرائط سے موصوف تھے۔

الحمد للہ علی ثبوت المطلوب۔ ؎

امام جعفر صادقؓ نے صاف فرمایا   جنہوں نے قیصر وکسریٰ کو کردیا پامال
مجاہدین کے اوصاف سے وہ تھے موصوف   کیا انہوں نے باذن خدا جہاد و قتال
مناقب خلفاء ہوا ثبوت ایسا   کہ منکروں کو بھی انکار کی رہی نہ مجال

جناب مولانا حیدر علی صاحب علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کا ایک ٹکڑا ابصارۃ العین

کلام جدید مخالف ردش بلاغت است

ختم ہوگیا۔ اور اب نیا کلام شروع ہوتا ہے۔ دوسرول کا مال بیان کرنے لگنا روش بلاغت کے مخالف ہے۔

(بلکہ عقلاً سخت معیوب ہے)

سلطان العلماء مولوی سید محمد میں نقل کیا تھا۔ اس کے جواب میں مخالفین کے صاحب کی حیرانی و بدحواسی قابل دید ہے۔ مجتہد صاحب خوب سمجھ گئے کہ اس حدیث سے صحابہ کرام خصوصاً شیخین رضی اللہ عنہما کے مناقب اس وضاحت کے ساتھ ثابت ہو رہے ہیں کہ چون و چرا کی گنجائش باقی نہیں ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما اور ان کے رفقاء مہاجرین رضی اللہ عنہم سے نہ تھے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ کسریٰ و قیصر سے ان کے سوا کسی اور نے جہاد کیا۔ پس مجتہد صاحب نے اس خوفناک منظر کو دیکھ کر اور ہر طرف سے راہ گریز مسدود پا کر نہایت سراسیمگی و بدحواسی میں جو جواب دیا ہے وہ تشیید المبانی سے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

نہایت آنچہ ازیں حدیث ظاہر مے شود۔ ایں است کہ مہاجرین ماذون بجہاد کسریٰ و قیصر بودند۔ وحقیقت خلافت خلفاء ازاں اصلا مستفاد نمے شود زیرا کہ در احادیث معتمدہ اہل سُنت وارد شدہ کہ جناب رسالت مآب مسلمین را خبر تسلط خلفائے جور دادہ و امر باطاعت آنہا نمودہ بود۔	انتہائی بات جو اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہے یہ ہے کہ مہاجرین جہاد کسریٰ و قیصر کے لئے ماذون تھے۔ اس سے خلفاء کی حقیقت خلافت مستفاد نہیں ہوتی کیونکہ اہل سُنت کی معتبر احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جناب رسالت مآب نے مسلمانوں کو خلفائے جور کے تسلط کی خبر دی تھی۔ اور ان کی اطاعت کا حکم دیا تھا۔

ناظرین مجتہد صاحب کے ہوش و حواس کی کیفیت ملاحظہ فرمائیں۔ حاصل آپ کے جواب کا یہ ہوا کہ جہاد کسریٰ و قیصر کے لئے مہاجرین کے ماذون ہونے سے ان کی

کہ کلام اللہ را دیکھو سعدیؒ فرماتے ہیں ؎ سخن را سراست اے خداوندِ بین
ازاں پاک باید میا درسخن درمیان سخن، خدا کے کلام کو اس زعیب ہاسے
دانست وامنافت پاک یقین کرنا چاہیئے۔ اور آگے پیچھے کی آیتوں میں دوجگہ

حقیقت خلافت لازم نہیں آتی۔ افسوس مجتہد صاحب ہمارے استدلال پر غور نہیں کرتے نہ حدیث کے مضمون کو دیکھتے ہیں۔ اس حدیث میں صرف یہی بیان نہیں ہوا کہ مہاجرین جہاد قیصر و کسریٰ کے لئے ماذون تھے۔ بلکہ یہ بھی بیان ہوا ہے۔ کہ کوئی شخص جہاد کے لئے ماذون نہیں ہوسکتا۔ تاوقتیکہ مومن کامل صالح الاعمال نہ ہو۔ پس جب مہاجرین کا ماذون بجہاد ہونا مجتہد صاحب تسلیم کرچکے۔ تو اب ان کے مومن کامل صالح الاعمال ہونے میں کیا چون وچرا کرسکتے ہیں۔ اور جب ان کا مومن کامل صالح الاعمال ہونا ثابت ہوگیا۔ تو ان کی حقیقت خلافت بالبداہہ ثابت ہوجائے گی۔

پھر مجتہد صاحب نے جو وجہ حقیقت مستفاد نہ ہونے کی بیان فرمائی ہے، وہ اور بھی لطیف ہے۔ بالکل سوال از آسمان جواب از ریسمان کا مصداق ہے۔ فرماتے ہیں کہ حقیقت خلافت مستفاد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے۔ اوّل تو سنیوں کی حدیث کا ذکر اس مقام پر بالکل بے موقع اور خلاف اصول مناظرہ ہے۔ کیونکہ یہ مقام دفع الزام کا ہے نہ الزام کا اور دفع الزام اپنی روایات سے ہوتا ہے، نہ خصم کی روایات سے۔ دوسرے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجتہد صاحب نے نہ کلینی کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائی ہے۔ نہ ہمارے استدلال کی ان کو خبر ہے کلینی کی حدیث میں اگر مہاجرین کا واجب الاطاعت ہونا مذکور ہوتا۔ اور ہم اس سے استدلال کرتے اور کہتے کہ واجب الاطاعت ہونے سے ان کا امام برحق ہونا لازم آتا ہے تو مجتہد صاحب یہ کہہ سکتے تھے کہ خلفائے جور کی اطاعت کا بھی حکم احادیث میں وارد ہوا ہے۔ پس کسی کے واجب الاطاعت ہونے سے اس کا امام برحق ہونا لازم نہیں آتا۔ ہمارا استدلال تو یہ ہے کہ اس حدیث میں بیان

بیوت ازواج درین قول کہ بیوتکن نیز دلالت دارد

"بیوتکن کے لفظ میں بیوت کو ازواج (کی ضمیر) کی طرف مضاف کرنا بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اہل بیت سے یہی ازواج مطہرات مراد ہیں۔

ہوا ہے۔ کہ مہاجرین جہاد کسریٰ و قیصر کے لئے خدا کی طرف سے مجاز تھے۔ اور جہاد کے لئے خدا کی طرف سے وہی شخص مجاز ہوتا ہے جو مومن کامل صالح الاعمال ہو۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ مہاجرین مومن کامل صالح الاعمال تھے۔ اور جب مہاجرین کا مومن کامل صالح الاعمال ہونا اس حدیث سے ثابت ہو گیا تو اس سے بالضرور یہ نتیجہ نکل آئے گا کہ مہاجرین میں سے جو شخص امام تھا۔ وہ امام برحق تھا۔ اور مہاجرینؓ جس کو امام برحق سمجھتے تھے وہ فی الواقع امام برحق تھا۔ دوسری تقریر ہمارے استدلال کی اس طرح پر ہے کہ اس حدیث میں مہاجرین کا جہاد کسریٰ و قیصر کے لئے مجاز ہونا بیان کیا گیا۔ اور حسب اصول شیعہ جہاد کے لئے وہی شخص مجاز ہوتا ہے جو امام برحق ہو۔ پس ثابت ہو گیا کہ مہاجرین میں سے جو شخص امام تھا۔ وہ امام برحق تھا۔ تیسری تقریر ہمارے استدلال کی اس طرح پر ہے۔ کہ اس حدیث میں امام جعفر صادقؒ نے مہاجرین کو آیت محمد رسول اللہ اور آیت قد افلح المومنون اور آیت التائبون العابدون وغیرہ کا مصداق قرار دیا ہے۔ پس جب وہ ان آیات کے مصداق تھے تو وہ ہرگز ظالم و فاسق نہیں ہو سکتے۔ اور ان میں سے جو شخص خلیفہ ہوا۔ وہ خلیفہ جور نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خلیفہ عادل و امام برحق ہوگا۔ ہمارے ان تمام استدلالوں سے مجتہد صاحب نے آنکھ بند کر لی۔ اور ایک عجیب بے تکی کہی جس کو ہمارے استدلال سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔

مجتہد صاحب کا یہ فرمانا کہ جہاد کے لئے مجاز ہونے سے حقیقت خلافت لازم نہیں آتی۔ اور اس کی یہ وجہ بیان کرنا کہ خلفائے جور کی اطاعت کا حکم بھی وارد ہوا ہے۔ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ زید مر گیا۔ اور جب اس سے زید

بر آنکہ مراد از اہل بیت دریں آیہ ایشانند۔ چہ بیت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر بیوتے کہ ازواج درد باشند نمی تواند شد۔	کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان سوائے ازواج مطہرات کے مکانات کے دوسرا نہیں ہوسکتا۔

کے مرجانے کی دلیل پوچھی جائے۔ تو وہ بیان کرے کہ نوشیروان ایران کا بادشاہ تھا۔ بھلا نوشیروان کے بادشاہ ایران ہونے سے اور زید کے مرجانے سے کیا تعلق ہے۔ اسی طرح مہاجرین کے واجب الاطاعت ہونے سے ان کی حقیقت خلافت کے لازم نہ آنے کو ہمارے استدلال سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ ہمارا استدلال ان کے واجب اطاعت ہونے سے نہیں ہے۔

علمائے شیعہ کی یہ عادت قدیم سے ہے کہ جب کچھ نہیں بن پڑتا تو ایسی ناسمجھی کی باتیں شروع کردیتے ہیں کہ خصم ان کو ناقابل خطاب سمجھ کر چھوڑ دے۔ مولوی سید محمد صاحب نے کلینی کی یہ حدیث ضرور دیکھی ہوگی۔ نہیں یہ ضرور معلوم ہوگا کہ نہ اس حدیث میں مہاجرین کا واجب الاطاعت ہونا مذکور ہے، نہ اہل سنت ان کے واجب الاطاعت ہونے سے ان کی حقیقت خلافت ثابت کرتے ہیں، مگر ان کو اس بات کے کہہ دینے میں کچھ بھی تامل نہ ہوا کہ واجب الاطاعت ہونے سے خلیفہ برحق ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ آں حضرت ﷺ نے خلفائے جور کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔ اس کے بعد مجتہد صاحب نے اپنے منصب اجتہاد کی پوری طاقت ختم کردی ہے۔ اور بڑے فخر و مباہات کے ساتھ ایک نہایت دقیق بات پیدا کی ہے جو فی الحقیقت انہیں کا حصہ تھی فرماتے ہیں۔

و دریں مقام سرے دیگر ست کہ تعرض بآں بر ضرور و آں ایں است کہ خلیفہ ثانی بلکہ خلفائے ثلثہؓ	اور اس مقام پر ایک سر اور ہے۔ کہ اس کا بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ خلیفہ دوم بلکہ تینوں خلیفہ جونکہ آنکھ

ملا عبداللہ گفتہ کہ جمعیت بیوت در بیوتکن وافراد بیت در اہل بیت دال است ۔

ملا عبداللہ (شیعی عالم) نے کہا ہے کہ بیوتکن میں بیت کو جمع لانا اور لفظ اہل بیت کو مفرد لانا بتا رہا ہے ۔

چوں برائی العین مشاہدہ نمودہ بودند ۔ کہ جناب ولایت افضل و اعلم صحابہ است ۔ لہذا اکثر امور عظام مثل جہاد و اجرائے حدود وغیرہ بطریق مشورہ مرضی مبارک جناب امیر دریافت می نمودند چنانچہ این امر بر متتبع خبیر ظاہر روشن است وکلام صدق نظام خلیفہ ثانی لولا علی لہلک عمر ومفضلۃ لا ابا حسن لہا کہ در کتب معتمدہ اہل سنت وارد شدہ نیز دلالت صریح بران دارد و درخصوص جہاد فارس فاضل دہلوی نیز مشورہ نمودن خلیفہ ثانی باں حضرت مذکور ساختہ ۔ پس برین تقدیر ماذون بودن مہاجرین وانصار برائے جہاد فارس و شام وغیرہ مستغنی البیان ست و آنچہ جناب امام جعفر صادق ا

سے دیکھ چکے تھے کہ جناب ولایت مآب تمام صحابہ میں افضل واعلم ہیں ۔ لہذا اکثر بڑے بڑے کاموں میں مثل جہاد و اجرائے حدود وغیرہ کے بطور مشورہ کے جناب امیر کی مرضی مبارک دریافت کر لیا کرتے تھے ۔ چنانچہ یہ بات کتابوں کے دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے ۔ اور کلام صدق نظام خلیفہ دوم کا کہ اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتے اور یہ ایسی مشکل ہے کہ ابوالحسن نہیں ہیں کہ اہل سنت کی معتبر کتابوں میں وارد ہوا ہے صریح دلالت اس بات پر کرتا ہے ۔ اور خاص کر جہاد فارس میں فاضل دہلوی (یعنی صاحب تحفہ) نے بھی خلیفہ دوم کا آں جناب سے مشورہ کرنا ذکر کیا ہے پس اس صورت میں مہاجرین وانصار جہاد فارس وشام کے لئے مجاز ہونا محتاج بیان نہیں ہے ۔ اور جو کچھ امام جعفر صادق نے انکے مجاز ہونے کے متعلق بیان کیا وہ

برآنکہ بیوت ایشان غیر بیت نبوت است . واگر ایشان اہل بیت مے بودند واذکرن مایتلی فی بیتکن واقع مے شد ۔ انتہی کلامہ

اس بات کو ازواج مطہرات کے مکانات اور ہیں ۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان اور ہے ۔ اگر ازواج مطہرات اہل بیت ہوتیں تو اس آیت میں "واذکرن مایتلی فی بیتکن" واقع ہوتا

باب اذن آنہا فرمودہ بسبب اذن دادن جناب امیر بود . نہ بسبب حقیقت خلافت ثلثہ

بسبب اجازت دینے جناب امیر کے تھا ۔ نہ بسبب حقیقت خلافت خلفائے ثلثہ کے

مجتہد صاحب کی اس بے نظیر تحقیق و تدقیق کا ماحصل یہ ہے کہ جناب امیر سے خلفاء نے کسریٰ و قیصر کے جہاد کے لئے مشورہ طلب کیا تھا ۔ اور جناب امیر نے انکو اس جہاد کی اجازت دی تھی ۔ اس وجہ سے امام جعفر صادق نے یہ فرمایا ۔ کہ مہاجرین جہاد کسریٰ و قیصر کے مجاز تھے ۔ خدا کی طرف سے ان کو اجازت نہ تھی ۔

مخالفین کو اپنے سلطان العلماء کی اس بے نظیر تحقیق کی داد دینی چاہیئے ۔ سبحان اللہ کیا عمدہ تحقیق ہے جبکہ حدیث کے الفاظ تو یہ ہیں کہ آیت اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا میں خدا نے مہاجرین کو جہاد کسریٰ و قیصر کی اجازت دی تھی ۔ جناب امیر کی اجازت کا تو وہاں نام بھی نہیں ہے ۔ پھر آگے چل کر امام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس آیت کی رو سے ہر زمانہ کے مسلمان جہاد کر سکتے ہیں اور جتنے مؤمن کامل صالح الایمان ہیں سب کے لئے خدا نے اس آیت میں جہاد کی اجازت دیدی ہے اب بتلائیے جناب امیر کی اجازت کا کیا تعلق رہ گیا ۔

اور بالفرض اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ جناب امیر ہی نے اجازت دی تھی اور ان کی اجازت بعینہٖ خدا کی اجازت تھی ، لہذا امام نے کہہ دیا کہ خدا نے انہیں اجازت دی تھی تو بھی اس بات کا کیا علاج ہے کہ امام فرماتے ہیں کہ خدا نے اس آیت میں انہیں اجازت دی ہے اور اگر اس سے بھی آنکھ بند کر لی جائے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ آیا مہاجرین

بانصاف باید دید کہ	ورنہ فی ہو لیکن یہاں تک ملا عبداللہ کا کلام تھا۔ اب
چہ حرف بے مغز است	نظر انصاف سے دیکھنا چاہیئے کہ کیسی بے مغز
زیراکہ افراد بیت در اہل	بات ہے (ملا عبداللہ اتنا بھی نہ سمجھا کہ لفظ اہل
البیت کہ اسم جنس است	بیت (جو اہل بیت میں ہے) چونکہ اسم جنس ہے)

ن کامل صالح الاعمال تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو فہو المطلوب اگر نہ تھے تو جناب امیر نے وشی اجازت دی یا بجبر اگر بجبر ان سے اجازت لی گئی تو یہ اجازت فی الحقیقت ازت نہیں کہی جا سکتی۔ اور نہ ایسی مجبوری کی اجازت خدا کی اجازت سے قرار کتی ہے۔ اور اگر بخوشی اجازت دی تو جناب امیر نے حکم خدا کے خلاف کیا۔ دانے تو ایسے لوگوں کے اوپر خود جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور ان کو جہاد کی اجازت ینے کا اہل نہیں قرار دیا۔ جناب امیر نے ایسے لوگوں کو کیوں اجازت دی۔ مجتہد احب بدحو اسی میں یہ سب کچھ لکھ گئے، مگر انجام کار کا کچھ خیال نہ فرمایا۔ پھر مجتہد احب جو فرماتے ہیں، کہ خلفاء چونکہ دیکھ چکے تھے۔ کہ جناب امیر تمام صحابہ میں علم و افضل تھے۔ اس لئے ان سے مشورہ لیتے تھے ایک سفید جھوٹ ہے جس کی کوئی سند مجتہد صاحب نہیں پیش کر سکتے۔ ہرگز خلفاء کیا معنی، صحابہ بھی جناب امیر کو اعلم و افضل نہ جانتے تھے، بلکہ یہ رتبہ شیخین ہی کے ساتھ مخصوص تھا۔ اب رہا مشورہ لینا یہ کوئی بات نہیں دیکھیے سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم بحکم رب العزت اپنی امت سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب امیر سے زیادہ تر مشورہ اس لئے بھی لیتے تھے کہ جناب امیر ان کے عہد میں منصب وزارت پر طور تھے۔ اس منصب کی قابلیت جناب امیر میں بہت اچھی تھی۔ چنانچہ خود انہوں نے فرمایا ہے۔ جیسا کہ نہج البلاغۃ میں مذکور ہے کہ میرا وزیر ہونا بہ نسبت میرے خلیفہ ہونے کے تمہارے لئے زیادہ مفید ہے۔ اب رہا حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا کہ علیؓ نہ ہوتے۔ تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔ یہ ان کی انتہا درجہ کی فروتنی اور کسر نفس ہے۔ جناب

وآنچہ ملائے مذکور گفتہ کہ لا
یبعد ان یقع بین المعطوف
والمعطوف علیہ فاصل
وآن طال چنانچہ
دریں آیہ کریمہ واقع شد۔
قل اطیعوا اللہ و
الرسول فان تولوا فانما
علیہ ما حمل ثم قال بعد
تمام ھذہ الآیۃ و
اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ
قال المفسرون و اقیموا
الصلوٰۃ عطف علی اطیعوا
انتہیٰ کلامہ پوچ تر از کلام سابق
است ۔ زیراکہ وقوع
فصل بین المعطوف والمعطوف

اور ملائے مذکور نے جو یہ کہا ہے کہ
یہ امر از روشن بلاغت سے بعید نہیں ہے کہ
معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان
میں کوئی چیز فاصل آجائے۔ گو وہ فاصل طویل
ہو، جس طرح کہ آیت کریمہ میں ہے۔ قل
اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فانما
علیہ ما حمل۔ پھر اس آیت کے تمام ہونے کے بعد فرمایا، واقیموا
الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ، مفسرین نے کہا اقیموا الصلوٰۃ کا عطف اطیعوا
پر ہے۔ تو معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فان
تولوا الخ فاصل آگیا۔ یہاں تک ملا کا کلام تھا یہ کلام
اس کے پہلے سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ اس
وجہ سے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان
میں کسی لمبے فاصل کا آجانا جو صرف
باعتبار اعراب کے اجنبی ہو اور
باعتبار مضمون کے اجنبی نہ ہو)

اہل سنت کا استدلال اس حدیث سے اس طرح ہے کہ یمن و ملک شام و ملک فارس حضرتؐ کے زمانہ میں مفتوح نہیں ہوا، بلکہ خلفائے ثلاثہؓ نے فتح کیا اور انہیں کے قبضہ میں آیا۔ پس اس حدیث میں جو حضرت نے ان ممالک کا اپنے قبضہ میں آنا بیان فرمایا ہے اس کے صادق ہونے کے سوا اس کے کوئی صورت نہیں، کہ خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم آنحضرتؐ کے خلیفہ برحق اور جانشین تھے۔ اس لیے ان کا قبضہ بعینہٖ حضرتؐ کا قبضہ تھا مجتہد صاحب نے اس کے جواب میں جو خرافات لکھے ہیں ان کے لئے ازالۃ الغین دیکھنا چاہیے۔

علیہ بامر اجنبی من حیث الاعراب
کہ تعلق بصنعت نحاۃ دارد
بلاشبہ جائز است لکن بما ضرر
ندارد زیرا کہ در ما نحن فیہ
اجنبیۃ و مغائرت باعتبار
موارد آیات لاحقہ و سابقہ
لازم می آید و منافی بلاغت
زینت نہ آن و آنچہ از بعض مفسرین
نقل کردہ کہ واقیموا الصلوٰۃ معطوف
بر اطیعوا الرسول است صریح
الفساد است زیرا کہ بعد از
اقیموا الصلوٰۃ باز لفظ واطیعوا
الرسول واقع است پس عطف
الشئ علی نفسہ لازم خواہد آمد
وازیں پوچ تر کلامے دیگر
گفتہ است کہ مضحکہ صبیان کافیہ
خوان میتواند شد میگوید
کہ بین الآیات مغائرت
انشائے و خبریست چہ آیہ تطہیر
جملہ ندائیہ و خبریہ است و
ماقبل و مابعد او کہ امر و نہی است
انشائیہ و عطف انشائیہ بر خبریہ
نمی آید ممنوع است اول در آیۃ

جائز ہے کیونکہ اعراب کی اجنبیت فن
نحو سے تعلق رکھتی ہے (اصل معنی پر اس کا کچھ
اثر نہیں پڑتا) مگر یہ یہاں مضر نہیں ہے اس واسطے
کہ ہماری اس بحث میں (فاصل کی) اجنبیت اور
مغائرت باعتبار مضمون آیات لاحقہ و سابقہ
کے لازم آتی ہے (نہ صرف باعتبار اعراب
کے) اور بلاغت کلام کے منافی اسی اجنبی کا
آجانا ہے، جو باعتبار مضمون کے اجنبی ہو نہ
لیے اجنبی کا آجانا جو صرف باعتبار اعراب
کے اجنبی ہو۔ پھر مُلا نے جو بعض مفسرین سے
نقل کیا ہے کہ اقیموا الصلوٰۃ اطیعوا الرسول
پر معطوف ہے۔ یہ بھی ایک لغو بات ہے
کیونکہ بعد اقیموا الصلوٰۃ کے پھر لفظ اطیعوا الرسول
واقع ہے۔ پس شئی کا عطف اپنے ہی اوپر لازم
آوے گا اور اس سے زیادہ لغو بات
(ملا عبداللہ نے) ایک اور کہی ہے کہ اس پر
کافیہ خوان لڑکے بھی ہنسیں گے۔ کہتا ہے
(کہ آیت تطہیر کے آگے پیچھے کی) آیتوں کے
درمیان انشائی و خبری مغائرت ہے۔ کیونکہ
آیت تطہیر جملہ ندائیہ اور خبریہ ہے۔ اور ماقبل
و مابعد اس آیت کا امر و نہی ہے۔ انشائیہ ہے
اور انشائیہ کا عطف خبریہ پر نہیں ہوتا۔ اس
بات کو ہم نہیں مانتے۔ اول تو آیت تطہیر میں

تطہیر حرف عطف کجاست بلکہ
تعلیل است برائے امر با طاعت فی
قولہ تعالیٰ واطعن اللہ ورسولہ وجملہ
انشائیہ را معلل بخبریہ کردن در تمام قرآن
واحادیث وکلام بلغا رائج ومشہور
است مثل اضرب زیدا انہ فاسق یا
اطعنی یا غلام انما ارید ان اکرمک واگر
عطف واذکرن مراد دارد پس معطوف
علیہ واطعن وقرن ودیگر اوامر سابقہ اند
نہ انما ازینجا عربیت دانی علمائے
اثنا عشریہ توان فہمید وبا وصف این
قصور ہین کہ در نحو وصرف دارند
میخواہند کہ در تفسیر کلام اللہ دست
انداز شوند مگر موشی بخواب دید کہ شتر شد
وایراد صیغہ مذکر در عنکم بملاحظہ لفظ
اہل است قاعدہ عرب است کہ چون
چیزے را کہ فی الحقیقۃ مؤنث باشد
بلفظ مذکر ملاحظہ نمایند وخواہند
کہ بآن لفظ از و تعبیر کنند صیغ مذکر
[illegible] استعمال کنند مثل قولہ
[illegible] السلام
[illegible] رحمۃ اللہ وبرکاتہ
[illegible]

حرف عطف کہاں ہے ؟ بلکہ اللہ تعالیٰ کا قول
واطعن اللہ ورسولہ میں جو اطاعت کا
حکم دیا گیا ہے۔ آیت تطہیر میں اس کی وجہ بیان
کی گئی ہے اور جملہ انشائیہ کی دلیل میں جملہ خبریہ
کا لانا تمام قرآن وحدیث اور بلغا کے کلام
میں مشہور اور رائج ہے مثلاً اضرب زیدؔ ا
انہ فاسق یا اطعنی یا غلام انما ارید ان
اکرمک اور اگر ملّا نے واذکرن کا عطف
مراد لیا ہے تو معطوف علیہ اس کا واطعن
وقرن امر کے صیغہ ہیں ؟ نہ انما۔
اسی جگہ سے شیعی علماء کی عربی دانی کو سمجھ لینا
چاہیئے۔ اور باوجود ایسی سخت نا قابلیت
کے چاہتے ہیں کہ کلام اللہ کی تفسیر میں دست
اندازی کریں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ ایک چوہے
نے خواب دیکھا کہ میں اونٹ ہوگیا ہوں اور
صیغہ مذکر عنکم میں لانا لفظ اہل کی رعایت
سے ہے اور اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ
جب کسی چیز کو کہ فی الحقیقت مؤنث ہوتی ہے
مذکر کے ساتھ ملاحظہ کرتے ہیں اور چاہیں کہ
اس لفظ سے اسے تعبیر کریں تو مذکر کا صیغہ اس
مؤنث کے حق میں استعمال کرتے ہیں مثل اللہ تعالیٰ کے قول
کے جس میں حضرت سارہؓ سے خطاب کیا گیا ہے
تعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل [illegible]

و آنچہ در ترمذی و دیگر صحاح مروی
است. کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم این چہار کس رانیز در کسائے
گرفت و دعا فرمود کہ اللھم ھؤلاء
اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس
وطھرھم تطھیرا وام سلمہؓ گفت
کہ مرا نیز شریک بکن. فرمود کہ
انت علی خیر و انت علی مکانک
دلیل صریح است. بر آن کہ
نزول آیت درحق ازواج
بود. و آن حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم این چہار کس رانیز بدعائے
خود درین وعدہ داخل ساخت
و اگر نزول آیت درحق اینہاے
بود. حاجت بدعا چہ بود
و آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
چرا تحصیل حاصل مے فرمود
ولہذا ام سلمہؓ را درین دعا
شریک نہ کرد. کہ درحق او
این دعا را تحصیل حاصل
دانست. ومحققین اہل سنت
برآنند کہ ہر چند این آیۃ در مخاطبہ
ازواج واقع است اما بحکم العبرۃ

باقی رہا جو ترمذی اور دوسری صحیح حدیثوں میں مروی
ہے کہ آنحضرت صلعم نے ان چار آدمیوں (یعنی علیؓ و
فاطمہؓ، حسنؓ، حسینؓ) کو بھی اپنی کملی میں داخل کیا اور
دعا فرمائی ۔ اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب
عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا ۔ یعنی
اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں پس ان
سے بھی ناپاکی کو دور کر دے اور ان کو خوب پاک
کر دے تو حضرت ام المؤمنین ام سلمہؓ نے کہا کہ مجھ کو
شریک کر لیجیے. رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا کہ انت علی خیر وانت علی مکانک
یعنی تم اس سے بہتر حالت میں ہو اور اپنے
مرتبہ پر ہو یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ
اس آیت کا نزول ازواج مطہرات ہی کے حق
میں تھا اور حضرت نے ان چار شخصوں
کو بھی بذریعہ دعا اس وعدہ میں داخل کیا اور
اگر اس آیت کا نزول حضرت علیؓ و فاطمہؓ و حسنؓ
حسینؓ کے حق میں ہوتا تو حضرت کو دعا کرنے کی
کیا حاجت تھی اور جو بات تھی اس کے حاصل
کرنے میں آپ کیوں کوشش فرماتے اس لیے
ام سلمہؓ کو اس دعا میں شریک نہ فرمایا کیونکہ ان
کے حق میں اس دعا کو تحصیل حاصل سمجھا محققین اہل سنت
اس طرف ہیں کہ گو یہ آیت تمام ازواج مطہرات کے
خطاب میں ہے لیکن بحکم العبرۃ لعموم اللفظ

لعموم اللفظ لا لخصوص السبب
جمیع اہل بیت دریں بشارت داخل
اند وجناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہ
ایں دعا درحق چہار کس موصوف
فرمود نظر بخصوص سبب بود و
نیز قرائن خصوصیت ازواج از
سابق ولاحق کلام دریافتہ ترسید
کہ مبادا خاص بازواج باشد و
لہذا در روایت صحیحہ بیہقی مثل ایں معاملہ
با حضرت عباسؓ وپسران او نیز
ثابت ست ومدعا آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بود کہ جمیع
اقارب خود را در لفظ اہل بیت کہ در
خطاب الٰہی وارد شدہ داخل سازند
مانند آنکہ بادشاہ کریمے یکے از مصاحبان
خود را بفرماید کہ اہل خانہ خود را
حاضر کن تا خلعت دہم ونوازش
فرمایم - ایں مصاحب عالی ہمت ہمہ
متوسلان خود را گوید اینہا اہل خانہ
من اند تا در خلعت ونوازش بادشاہی
ہر ہمہ را نصیبے باشد. اخرج البیہقی
عن ابی اُسَید الساعدی قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

لا لخصوص السبب یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوص
سبب کا تمام اہل بیت اس بشارت میں داخل ہیں۔
اور جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ دعا چار
شخصوں کے واسطے مانگی - اس کا کوئی خاص
سبب ہے نیز آں حضرت آگے پیچھے کی آیتوں میں
ازواج مطہرات کے ساتھ خصوصیت سے
قرینے دیکھ کر ڈرے کہ مبادا یہ وعدہ ازواج
مطہرات سے خاص ہو- اسی وجہ سے بیہقی کی
صحیح روایت میں ایسا ہی معاملہ حضرت عباسؓ
اور ان کے صاحبزادوں کے ساتھ بھی ثابت
ہے۔ مدعا یہی تھا کہ اہل بیت کا لفظ تمام
خطاب الٰہی میں وارد ہوا ہے - اپنے تمام
عزیزوں کو داخل فرما دیں اس کی ایسی مثال ہے
کہ ایک بادشاہ کریم اپنے مصاحبوں میں سے کسی
مصاحب سے کہے کہ میرے پاس اپنے گھر والوں
کو حاضر کرنا کہ میں انہیں خلعت دوں اور ان پہ
نوازش کروں یہ مصاحب عالی ہمت اپنے تمام
اعزا واقارب واحباب کو دربار شاہی میں لائے
اور کہے کہ یہ میرے سب اہل خانہ ہیں (یہ اس وجہ سے) کہ بادشاہی
خلعت ونوازش سے سب لوگ بہرہ مند ہوں بیہقی
نے ابی اسید ساعدی سے نقل کرکے روایت کی
ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت
عباسؓ بن عبدالمطلب سے فرمایا کہ اے ابوالفضل

وسلم للعباس بن عبد المطلب
یا ابا الفضل لا ترم منزلك
انت وبنوك غداً حتی
آتیکم فان لی فیکم حاجة
فانتظروه حتی جاء بعد ما
اضحی فدخل علیهم وقال
السلام علیکم فقالوا وعلیك
السلام ورحمة الله وبرکاته
قال کیف اصبحتم قالوا
اصبحنا بخیر نحمد الله فقال
لهم تقاربوا فزحف بعضهم
الی بعض حتی اذا امکنوه
اشتمل علیهم بملاءته
ثم قال یارب هذا
عمی وصنو ابی وهؤلاء
اهل بیتی استرهم
من النار کستری ایاهم
بملاءتی هذه قال فامنت
اسکفة الباب وحوائط البیت
وقالت آمین آمین ط
وابن ماجه نیز این حدیث را مختصر روایت
کرده اند و محدثین دیگر این قصه را
بطرق متعدده در اعلام النبوت

کل میں جب تک تمہارے پاس نہ آؤں اس
وقت تک تم اور تمہارے لڑکے اپنے گھر سے
باہر نہ جائیں ہم تم سے مجھے کچھ ضرورت ہے
پس حضرت عباس رض نے مع صاحبزادوں کے
رسول خدا کا انتظار کیا یہاں تک کہ رسول خدا
صلے اللہ علیہ وسلم دوسرے روز بعد چاشت
کے ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا
السلام علیکم حضرت عباس اور ان کے صاحبزادوں
نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا پھر
رسول خدا نے فرمایا کہ تم لوگوں نے کیونکر صبح کی تو حضرت
عباس نے کہا صبح ہماری بخیریت ہوئی ہم لوگ
اللہ کا شکر کرتے ہیں پھر حضرت نے ان سے فرمایا
کہ سب لوگ پاس پاس بیٹھ جاؤ چنانچہ سب لوگ
سرک سرک کر قریب ہوگئے جب وہ لوگ برابر ہو
گئے تو آپ نے اپنی چادر میں ان کو لے لیا اور دعا
کی اے میرے پروردگار یہ میرے چچا اور میرے والد کے
ہمسر اور میرے اہلبیت ہیں ان کو آگ سے محفوظ رکھ
جس طرح کہ میں نے اپنی چادر سے ان کو پوشیدہ کر
لیا ہے اس دعا پر دروازہ کے سائبان اور گھر
کی دیواروں نے آمین کہی اور آواز آنے لگی آمین،
آمین ہے اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو مختصر روایت
کیا ہے اور دوسرے محدثین نے اس قصہ کو متعدد
سندوں سے علامات نبوت میں روایت کیا ہے۔

روایت کردہ اند و آنچہ ملا عبداللہ
گفتہ کہ مراد از بیت بیت نبوت است
و اہل بیت لغۃً شک نیست کہ شامل
ازواج بلکہ خادماں اماء ازواج کہ
سکنے در بیت داشتہ باشند نیز
ہست . اما معنی لغوی باین وسعت
بالاتفاق مراد نیست پس مراد ازینہا
خمسہ آل عبا باشند کہ حدیث کسا
تخصیص ایشاں کردہ انتہی کلام نیز
از قبیل سخنان گذشتہ اوست زیرا
کہ اگر معنی لغوی باین وسعت مراد
باشد محذوری کہ لازم می آید ہماں
عموم عصمت است کہ نزد شیعہ ازیں
آیت ثابت میشود و چوں اہل سنت
در فہم عصمت ازیں آیت با شیعہ اتفاق
ندارند و معتقد عصمت در حق خمسہ
آل عبا و ازواج مطہرات نیز نیستند
پس در نفی این عموم چرا اتفاق خواہند
کرد کہ رحمۃ واسعہ الٰہی را تنگ کردنست
و نیز ارادہ معنی لغوی باین وسعت
اگر مراد نباشد از اں جہت نخواہد بود
کہ قرائن دالہ از آیات سابقہ و لاحقہ
تعیین مراد میکنند و نیز عقل ہم تخصیص

اور یہ جو ملا عبداللہ نے کہا ہے کہ مراد بیت سے
بیت نبوت ہے اور لفظ اہل بیت بلاشک از روئے
لغت بیبیوں بلکہ بیبیوں کی لونڈی غلاموں کو جو
اس گھر میں رہتے ہوں شامل ہے مگر معنی لغوی
بالاتفاق باوصف اس وسعت کے مراد نہیں ہے۔
پس مراد اہل بیت سے ہی خمسہ آل عبا
ہوں گے جن کی تخصیص حدیث کساء
نے کر دی ہے۔ فقط اس کا یہ کلام بھی
مثل اس کی گذشتہ باتوں کے ہے کیونکہ
اگر معنی لغوی اس وسعت کے ساتھ مراد ہوں
تو یہی خرابی لازم کہ شیعوں کے نزدیک عصمت
جو اس آیت سے ثابت ہوتی ہے عام ہو
جائے گی ۔ مگر چونکہ اہل سنت اس آیت
سے عصمت کا مضمون سمجھنے میں شیعوں کے
ساتھ متفق نہیں ہیں اور خمسہ آل عبا بلکہ
ازواج مطہرات کو بھی معصوم نہیں سمجھتے۔ پس
وہ اس معنی عام کے مراد نہ ہونے میں کیوں
شیعوں کے ساتھ متفق ہو کر خدا کی وسیع
رحمت کو تنگ کرنے لگے۔ نیز اگر معنی لغوی
اس وسعت کے ساتھ مراد نہ ہوں گے تو اس
کی وجہ یہ ہو گی کہ آگے پیچھے کی آیتوں کے
قرائن تعین مراد کرتی ہیں۔ نیز عقل بھی
تخصیص کرتی ہے کہ یہ لفظ عترت میں نہیں

می نماید ایں لفظ را در عرف بہ
کسانیکہ در خانہ سکونت دارد بہ
بقصد انتقال وتحول وتبدل درآنہا
عادۃ جاری نہ باشد مثل ازواج
واولاد نہ خدمت گاراں و
کنیزکان وغلامان کہ عرضۂ
تبدل وتحول اند بانتقال
از ملکے بملکے واعتاق و
ہبہ وبیع واجارہ وتخصیص
بکسائے وقتے دلالت
برتخصیص ایں چند کس باہل
بیت بودن مے کرد کہ فائدہ
دیگر دریں تخصیص ظاہر نمی شود
ودریں جا فائدہ اش دفع
مظنۂ نبودن ایں اشخاص
دراہل بیت است ۔ نظر
بآنکہ مخاطب ازواج اند
فقط و عجب آں است
کہ باتفاق اہل اسلام
چہ شیعہ وچہ اہل سنت
درتعظیم ازواج آں حضرت
صلے اللہ علیہ وسلم لفظ مطہرات
بے شک وبے

[illegible]

لوگوں پر بولنا چاہیئے جو گھر میں رہتے ہوں ،
اور وہاں سے چلے جانے کا قصد نہ رکھتے
ہوں تو عادۃ ان میں تحویل وتبدیل جاری
نہ ہو ۔ مثل ازواج واولاد کے نہ مثل
خدمت گاروں اور لونڈی غلاموں کے
کہ ان میں تبدیل وتحویل ہوتا رہتا ہے ایک
کی ملک سے نکل کر دوسرے کی ملک
میں جاتے ہیں ۔ آزاد کئے جاتے ہیں بیع
کئے جاتے ہیں ۔ اجارہ میں دیئے
جاتے ہیں ۔ اور حدیث کسا رخاص انہیں
لوگوں کے اہل بیت ہونے پر اس
وقت دلالت کرتی ہو جب کہ اس تخصیص
میں اور کوئی فائدہ نہ ہوتا حالانکہ یہاں
اس کا فائدہ یہ ہے کہ بیگمان دفع ہو جائے
کہ یہ لوگ اہل بیت نہیں ہیں بخیال اس
کے کہ مخاطب صرف ازواج ہیں ۔ تعجب
یہ ہے کہ باتفاق تمام اہل اسلام کے کیا
شیعہ کیا سنی لفظ مطہرات آں حضرت صلے
اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے ساتھ
بولا جاتا ہے ۔ جیسا کہ قاضی نور اللہ شوستری
اور ملا عبداللہ مشہدی اور ان کے دوسرے
علماء کے کلام میں ہزاروں جگہ دیکھا گیا ہے اور ظاہر
ہے کہ یہ لقب آیت تطہیر سے لیا گیا ہے ۔ اور

دغدغه برزبان منصفان ان
ایشان جاری مے شود اگر کسے
گوید کہ آیۂ تطہیر مشعر بہ تطہیر
ازواج است رگ گردن
برداشتہ بہ بحث و جدال
مے آویزند العیاذ باللہ
دوم آنکہ دلالت این آیۃ بر
عصمۃ مبنی بر چند بحث است
یکے آنکہ کلمہ لیذهب عنکم الرجس
در ترکیب نحوی چہ محل دارد
مفعول لہ کہ براۓ یرید است
یا مفعول بہ دیگر آنکہ معنی اہل
بیت چہ چیز باشد واز رجس
چہ ارادہ نمودہ اند در یں ہر
سہ مقام گفت گو بسیار است
کہ در تفاسیر مبسوطہ باید دید
و بعد اللتیا والتی اگر لیذهب
مفعول بہ است. و اہل بیت
و نیز منحصر در ہمیں چہار کس و
مراد از رجس مطلق گناہ باز ہم
دلالت ایں آیت بر عصمۃ مسلم
نیست. بلکہ بر عدم عصمت
دلالت دارد. زیرا کہ چیزے

لفظ ازواج مطہرات بے شبہ اور بے خوف
اُن کے منصفوں کی زبان پر جاری ہے
لیکن اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ آیت تطہیر
ازواج کی پاکی کو ظاہر کر رہی ہے
تو یہ گردن کی رگیں پھلا کر لڑنے کے
لئے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ معاذ اللہ
دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت کا
عصمت پر دلالت کرنا ہی چند بحثوں
پر موقوف ہے۔ اول یہ کہ کلمہ لیذهب
عنکم الرجس ترکیب نحوی میں کس موقع پر
آیا ہے آیا یرید کا مفعول لہ ہے یا مفعول بہ
دوسرے یہ کہ اہل بیت کے معنے کیا
ہیں۔ اور رجس سے کیا مراد ہے ان تینوں
باتوں میں بہت گفتگو ہے۔ بڑی بڑی
تفسیروں میں دیکھنا چاہیئے اور بعد ان
تمام باتوں کے اگر لیذهب مفعول بہ
ہو اور اہل بیت بھی انہیں چار شخصوں
میں منحصر ہوں اور رجس سے بھی مراد مطلق گناہ
ہو تب بھی اس آیت کی دلالت عصمت پر
مسلم نہیں ہے۔ کیونکہ جو چیز پاک ہوتی
ہے اسکو نہیں کہہ سکتے کہ ہم اس کو پاک
کرنا چاہتے ہیں۔ انتہا کی بات یہ ہے
کہ بعد تعلق ہاتھ ارادہ کے ان چند اشخاص

ـب شد اورانمے توان گفت
ـمے خواہیم کہ پاک کنیم غایۃ ما
ـں الباب محفوظ بودن این اشخاص
ـبید بعد از تعلق این ارادہ از
رجس وگناہ ثابت میشود لیکن آن ہم
براصول اہل سنت نہ براصول شیعہ
زیراکہ وقوع مراد الٰہی لازم ارادہ
او نیست نزد ایشاں بسا چیزہا کہ
حق تعالیٰ ارادہ مے فرماید وشیطان
وبنی آدم واقع شدن نمی دہند
چنانچہ در الہیات گذشت بالجملہ
اگر افادہ معنی عصمت منظورمے
بود می فرمود ان اللہ اذہب عنکم
الرجس اہل البیت وطہرکم
تطہیرا واین پر ظاہر است
انبیاء ہم این راے فہمند چہ
جاۓ اذکیا ونیز اگر این کلمہ
مفید عصمت مے شد بالیستی
کہ ہمہ صحابہ علی الخصوص حاضران
جنگ بدر قاطبہ معصوم مے
شدند زیراکہ درحق ایشاں
بتفریق فرمودہ اند قولہ تعالیٰ
ولکن یرید لیطہرکم و

کا رجس وگناہ سے محفوظ ہونا ثابت ہوگا لیکن
وہ بھی اصول اہل سنت پر نہ اصول شیعہ پر
کیونکہ ان کے نزدیک مراد الٰہی کا واقع
ہوجانا ارادہ میں ضروری نہیں۔ بہت
چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ حق تعالیٰ ان
کا ارادہ کرتا ہے مگر شیطان اور بنی
آدم ______ اس کو واقع ہونے
نہیں دیتے۔ چنانچہ الہیات میں گزر چکا
خلاصہ یہ کہ اگر مضمون عصمت کا ادا کرنا
مقصود ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ۔
ان اللہ اذہب عنکم الرجس یعنی
خدا تعالیٰ نے تم سے ناپاکی دور کر دی ،
اہل البیت وطہرکم تطہیرا - یہ ایسی کھلی
ہوئی بات ہے ۔ کہ غبی لوگ بھی اس
کو سمجھ سکتے ۔ چہ جائے کہ عقلاء نیز اگر یہ
کلمہ مفید عصمت ہو تو چاہیئے کہ تمام صحابہؓ
خصوصاً حاضران جنگ بدر قطعاً معصوم ہو
جائیں کیونکہ ان کے حق میں اللہ
تعالیٰ نے کئی جگہ ارشاد فرمایا ہے۔
ولکن یرید لیطہرکم ولیتم نعمتہ علیکم
لعلکم تشکرون اور نیز فرمایا ویذہب عنکم رجز الشیطان
اور یہ بات ظاہر ہے کہ صحابہ کے
حق میں نعمت کے پورا کرنے کا مضمون

لیتم نعمته علیکم لعلکم
تشکرون وقوله تعالیٰ ویذھب
عنکم رجز الشیطان ظاہر است کہ
اتمام نعمت در حق صحابہؓ عنایت زائد شد
نہ بسبب آن دو لفظ اول واقع شد
بر عصمت زیرا کہ اتمام نعمت بدون حفظ
از معاصی واز شر شیطان متصور نیست و تخصیصاتے
کہ در لفظ تطہیر واذہاب رجس بطریق احتمال
راہ مے یافت ودر ینجا ہباءً منثورا
گشت۔ سوم آنکہ غیر المعصوم لایکون اماما
مقدمہ الیست۔ باطل وممنوع کتاب و
اقوال عترت تکذیب آن مے فرمایند۔ سلمنا
لیکن ازاں دلیل صحۃ امامت حضرت امیرؓ
ثابت شد۔ اما آنکہ امام بلا فصل او بود۔
پس از کجا جائز نیست کہ یکے از سبطین امام
باشد وبقاعدہ لاقائل بہ تمسک کردن
دلیل عجز است اذ المعترض
لامذھب لہ۔

بہ نسبت ان دونوں لفظوں کے زائد
ہے۔ اور عصمت پر زیادہ دلالت
کرتا ہے۔ کیونکہ نعمت کا پورا کرنا بغیر
گناہوں سے اور شیطان کے شر سے
محفوظ رکھنے کے ممکن نہیں۔ اور جو
خصوصیتیں کہ لفظ تطہیر اور اذھاب رجس
میں بطور احتمال ہو سکتی تھیں۔ وہ سب
یہاں کافور ہو گئیں۔ تیسری بات یہ
ہے کہ مخالفین کا یہ کہنا کہ غیر معصوم امام
نہیں ہوتا۔ ایک غلط و ممنوع
بات ہے۔ قرآن و اقوال عترت
اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور ہم
تسلیم بھی کر لیں تو اس سے جناب
امیر کا صرف امام بحق ہونا ثابت ہو جائے
گا۔ مگر امام بلا فصل ہونا کہاں سے
ثابت ہو گا۔ جائز ہے کہ امام بلا
فصل حسنینؑ میں سے کوئی ہو اور
یہ کہنا کہ اس کا کوئی قائل نہیں
عاجزی کی دلیل ہے، کیونکہ معترض کا
کوئی مذہب نہیں ہوتا۔

تحفہ کی عبارت ختم ہو گئی۔ دیکھئے کہ کیسی متین اور پرزور عبارت ہے کیا
ممکن ہے کہ کوئی منصف اس عبارت کو دیکھ کر پھر زبان سے یہ بیہودہ لفظ نکالے
کہ آیت تطہیر سے عصمت و امامت مفروضہ ائمہ کرام کی ثابت ہوتی ہے، مگر

دیکھئے مخالفین کے سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب متعین عبارت کے جواب میں کیا گوہر افشانی فرماتے ہیں لکھتے ہیں ۔

اقول تقریر استدلال بایں آیہ علی وجہ الاختصار بریں نہج است کہ بنا بر روایات مستفیضہ بلکہ متواترہ بالمعنی کہ در کتب فریقین مزبور گردیدہ وہم بنا بر اقوال جمہور مفسرین اہل سنت آیہ مزبورہ در شان حضرت امیرؓ و فاطمہؓ و حسنؓ و حسینؓ نازل شدہ و مراد از ارادہ ازالہ رجس ارادہ است کہ علت تامہ وقوع مراد باشد و عند وجود علت یجب وجود المعلول زیرا کہ مطلق ارادہ کہ متبع وقوع مراد نہ باشد در حق سائر مکلفین متحقق است پس اختصاص باہل بیت و انحصار کہ مقتضائے لفظ انما است لغو باشد ۔ و نیز آیہ در محل مدح اہل بیت وارد شدہ اتفاقاً و ارادہ غیر متبع فعل مستلزم مدح نیست کما لا یخفی

میں کہتا ہوں کہ شیعوں کے استدلال کی تقریر اس آیت سے مختصر طور پر اس طرح ہے کہ بنائے روایات مستفیضہ بلکہ متواترہ جو فریقین کی کتابوں میں درج ہیں اور بر بنائے اقوال جمہور مفسرین اہل سنت آیہ مذکورہ حضرت امیرؓ و فاطمہؓ و حسنؓ و حسینؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور مراد رجس کے دور کرنے کے ارادہ سے وہ ارادہ ہے جو علت تامہ وقوع مراد کا ہو اور بوقت پائے جانے علت کے وجود معلول کا ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ مطلق ارادہ جس سے وقوع مراد لازم نہ آئے تمام مکلفین کے حق میں پایا جاتا ہے ۔ پس خصوصیت اہل بیت کی اور انحصار جو مقتضائے لفظ انما کا ہے لغو ہو جائے گا نیز یہ آیت بالاتفاق مقام تعریف اہل بیت میں ہے ۔ اور وہ ارادہ جو مستلزم فعل کو نہیں ہے مفید مدح نہیں ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اور نیز موافق بعض احادیث کے نزول اس آیت کا بعد اس کے ہوا کہ پیغمبرؐ نے

ونیز بنا بر بعضے از اخبار نزول
آیۂ بعد دُعائے پیغمبر خدا باذہاب
رجس از اہل بیت است نہ
ارادہ آں فقط ۔ پس لامحالہ
متضمن اجابۃ دُعائے آں
جناب باشد ۔ فتعین وقوع
ازالۃ الرجس و مراد از رجس
ذنب است ۔ کما اقر بہ الرازی
وغیرہ من علمائہم ۔ ونیز ارادہ
بمعنی دیگر از رجس صحیح نمے
تواند شد ۔ کما ستعلم پس
اہل بیت معصوم و افضل باشند
وغیر المعصوم وکذا المفضول
لایستحق الامامۃ فثبت
ان کل معصوم امام لان الموجبۃ
الکلیۃ لاتنعکس کنفسہا ۔
وحضرت امیر علیہ السلام ادعائے امامت
برائے خود کردہ ۔ چنانچہ بتواتر منقول
گشتہ واز اخبار سقیفہ وغیرہ از
کتب سنیاں ظاہر مے شود وباقی
اہل بیت تصدیق آں جناب کردند
فتعین کونہ اماما لان
المعصومین مبرءون من الخطأ

اہل بیت سے رجس سے دور کرنے
کی دُعا مانگی تھی نہ صرف ارادہ کی۔ پس
لامحالہ یہ آیت آں جناب کی دُعا
مقبول ہونے کو متضمن ہوگی۔ پس
ثابت ہوگیا ۔ وقوع زوال رجس کا
اور مراد رجس سے گناہ ہے جیسا کہ
رازی وغیرہ علمائے اہل سنت
نے اس کا اقرار کیا ہے اور نیز کسی
دوسرے معنی کا رجس سے ارادہ کرنا
صحیح نہیں ہوسکتا، جیسا کہ عنقریب تم کو
معلوم ہوگا ۔ پس اہل بیت معصوم
اور افضل ہوئے اور غیر معصوم اور اسی
طرح مفضول مستحق امامت نہیں ہوتا
پس ثابت ہوگیا کہ ہر امام معصوم ہوتا
ہے ۔ نہ یہ کہ ہر معصوم امام ہوتا
ہے کیونکہ موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ کلیہ
نہیں آتا اور حضرت امیر علیہ السلام
نے اپنے لئے دعویٰ امامت کا جیسا کہ بتواتر
منقول ہے اور سقیفہ وغیرہ کی خبروں سے جو
سُنیوں کی کتابوں میں ہیں ظاہر ہوتا ہے پس
آں جناب کا امام ہونا ثابت ہوگیا
کیوں کہ معصومین خطا سے بری
ہوتے ہیں ۔

یہ انہیں مجتہد صاحب کی عبارت ہے جن کو مخالفین سلطان العلما کہتے
ہیں۔ اور غالبًا یہ خطاب سلطنت کی طرف سے ملا تھا۔ اور مخالفین کے امام
لا مقام مولوی حامد حسین صاحب ان کو امام ہمام کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔
اس حساب سے وہ مخالفین کے امام نہیں بلکہ امام الائمہ ہوئے، مگر قدرت
دیکھیئے کہ اس بارہ سطر کی عبارت میں کم از کم بیس پچیس غلطیاں انہوں نے
کی ہیں۔ اور غلطیاں بھی ایسی فاش اور ناروا جو نہ صرف ان کے علم و فضل
بلکہ ان کی دیانت و امانت پر بھی خطرناک حملہ کرتی ہیں۔ ناواقف اور جاہل
خوش ہوں گے کہ مجتہد صاحب نے بڑا تیر مارا۔ اور تحفہ اثنا عشریہ کے باب
امامت کا جواب لکھ کر ان کے زخمی دلوں پر مرہم رکھ دیا، مگر اہل نظر جانتے
ہیں کہ یہ جواب کس پایہ کا ہے۔ اگر اس کا نام جواب ہے تو حضرات انبیاء
و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں کفار نابہنجار کے مقالات فاسدہ
بدرجہ اولیٰ جواب کے ساتھ موسوم ہونے چاہئیں۔

مجتہد صاحب نے جس قدر غلطیاں ان چند سطروں میں کی ہیں، اگر سب
پر بالتفصیل بحث کی جائے تو بہت طول ہوگا، لہٰذا چند ضروری الاظہار
کے بیان پر اکتفا کی جاتی ہے۔

(۱) — مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت کا جناب امیر و سیدہ و حسنین
رضی اللہ عنہم کے حق میں نازل ہونا فریقین کی مستفیض بلکہ متواتر روایتوں میں
وارد ہے۔ حالانکہ اہل سنت کے یہاں اس مضمون کی ایک صحیح روایت بھی
نہیں ہے۔ چہ جائے مستفیض یا متواتر۔ اہل سنت کی روایات کا ماحصل یہ ہے
کہ جب یہ آیت نازل ہو چکی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کیلئے
تطہیر کی دعا مانگی۔ اور ان کو بھی اہل بیت کہا۔ یہ مضمون اہل سنت کی کسی
روایت میں نہیں ہے کہ یہ آیت ان حضرات کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ پھر
لطف یہ ہے کہ جن روایتوں کا ماحصل میں نے بیان کیا وہ روایتیں بھی برابر

نہیں ہیں۔

۲۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے جمہور مفسرین اس امر کے قائل ہیں کہ یہ آیت مذکورین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی صریح کذب یا ناواقفی ہے۔ اہل سنت کا کوئی معتبر مفسر اس کا قائل نہیں ہے۔ اہل سنت کے یہاں جب کوئی صحیح روایت ہی اس مضمون کی نہیں ہے تو کوئی مفسر قائل کیوں کر ہوسکتا ہے۔ ہاں مفسرین نے وہ روایتیں نقل کی ہیں۔ جن کا ماحصل میں نے بیان کیا۔ تو اس سے ان روایتوں کا قائل ہونا بھی لازم نہیں آتا۔ ناقل ہونا اور چیز ہے۔ قائل ہونا اور چیز ہے۔

۳۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ ارادہ رجس سے وہ ارادہ مراد ہے جو علت تامہ ہو، یہ بھی غلط اور بے اصل ہے۔ کوئی قرینہ اس مراد کا نہیں ہے۔

۴۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ ارادۂ تطہیر کی تخصیص اہل بیت کے ساتھ کی گئی ہے، یہ مجتہد صاحب کی سخافت نظر ہے۔ ارادہ تطہیر کی تخصیص اہل بیت کے ساتھ نہیں کی گئی، بلکہ ارادہ کی تخصیص تطہیر کے ساتھ کی گئی ہے مطلب آیت کا یہ نہیں ہے کہ اے اہل بیت اللہ تمہارے سوا اور کسی کو پاک کرنا نہیں چاہتا۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو اس کے لئے کوئی حرف تخصیص کا لفظ اہل بیت کے ساتھ ہوتا، مجتہد صاحب یہ قرآنی مطالب ہیں۔ کافی دمن لا یحضر نہیں ہے کہ جو چاہا کہہ گئے۔

۵۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ مطلق ارادۂ تطہیر حق سبحانہ تعالیٰ کا تمام مکلفین کے ساتھ متعلق ہے۔ یہ مجتہد صاحب کی اعلیٰ درجہ کی خام خیالی بلکہ ابلہ فریبی ہے۔ مطلق ارادہ تطہیر کا تمام مکلفیں کے ساتھ متعلق ہونا نہ اہل سنت کے نزدیک صحیح ہے، نہ شیعوں کے نزدیک صحیح ہوسکتا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک تو ازالۂ رجس و تطہیر سے مراد مغفرت ذنوب ہے۔ اور عام مکلفین کی مغفرت ذنوب کے ساتھ ارادہ الٰہی ہرگز متعلق نہیں ہے۔ خود قرآن شاہد

ہے ویغفر ما دون ذلك لمن یشاء ۔ یعنی جسے چاہے گا ، اس کے گناہ بخش
دے گا ۔ اور مخالفین کے نزدیک ازالۂ رجس وتطہیر سے عطائے عصمت مراد ہے
۔ کیا خدا کا ارادہ تمام مکلفین کو معصوم بنا دینے کا ہے ۔ مجتہد صاحب نے یہ
بات بہت ہی نفیس کہی ، کیوں نہ ہو ، آخر مجتہد تھے ۔ نائب امام تھے ۔

۶ ۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدح اہل بیت کے موقع میں ہے ۔
غلط بالکل غلط ۔ یہ آیت ہرگز مدح کے موقع میں نہیں ہے ، بلکہ نصیحت کے
موقع میں ہے ۔ آگے پیچھے کی آیتوں میں مسلسل ازواج مطہرات کو نصیحت کی گئی
ہے درمیان میں یہ جملہ محض اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ منصوح ناصح کو اپنا شفیق
محب سمجھے ۔ اور اس کی نصیحت کو سراسر اپنے لئے مفید خیال کر کے نصیحت سے
خوب متاثر ہو ۔

۷ ۔ مجتہد صاحب یہ فرماتے ہیں کہ بعض احادیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے
کہ بعد دعا کے یہ آیت نازل ہوئی ، یہ بھی سخت ابلہ فریبی ہے ۔ کسی صحیح حدیث
میں یہ مضمون نہیں ہے ۔ اب مجتہد صاحب کے حمایتی کوئی صحیح حدیث اس مضمون کی نقل
کردیں ۔

۸ ۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ غیر معصوم یا مفضول مستحق امامت نہیں ہوتا ۔
اس کی کوئی دلیل مجتہد صاحب نے نہ یہاں ذکر کی ہے ، نہ اس سے پہلے یہ بات لغو
اور باطل ہے ۔

۹ ۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ معصومین خطا سے بری ہوتے ہیں ۔ معلوم
نہیں کس دھن میں مجتہد صاحب سے یہ کلام سرزد ہوا ہے ۔ جناب امیر علیہ السلام
تو نہج البلاغت میں فرماتے ہیں کہ انی لست فوق ان اخطئ یعنی میں
اس سے بری نہیں ہوں کہ خطا کر جاؤں ۔ پھر خطا سے خطائے عمد مراد ہے ۔
یا خطائے اجتہادی ، خطائے اجتہادی سے معصوم کا بری ہونا مجتہد صاحب
نے کہاں سے ثابت کیا ۔

۱۰ــــ سب سے بڑی بات جو استدلال اہل تشیع کی جان ہے یہ ہے کہ ازالہ رجس و تطہیر سے مراد عطائے عصمت ہے۔ اس کا کچھ ذکر ہی مجتہد صاحب نے نہ کیا۔ ادھر ادھر کی واہی تباہی باتیں بہت سی لکھ گئے مگر اصل کام کی بات کو بالکل پی گئے۔ جتنی باتیں اس سے پہلے مجتہد صاحب نے لکھی ہیں۔ اگر ان کو ہم تسلیم بھی کرلیں (کتسلیم الخرافات) یہ بھی مان لیں کہ یہ آیت انہیں چار حضرات کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ بھی مان لیں کہ ارادہ انہیں چار کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ بھی مان لیں کہ آیت بعد دعا کے نازل ہوئی۔ تب بھی مخالفین کا کیا فائدہ ہوگا۔ تا وقتیکہ یہ نہ ثابت کریں کہ ازالہ رجس و تطہیر سے عطائے عصمت مراد ہے۔ اہل سنت کہتے ہیں۔ کہ ازالہ رجس و تطہیر سے مغفرتِ ذنوب مقصود ہے۔ تلک عشرۃ کاملہ

یہ تھا نمونہ ان فحش اغلاط کا۔ جو اس تھوڑی سی عبارت میں جناب مجتہد صاحب سے ظاہر ہوئیں۔ اب اس کے بعد جو جو درفشانی آپ نے فرمائی ہے وہ اور بھی زیادہ لطیف ہے۔

۱۔ مجتہد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اجماع سے مراد شیعہ سنی کا اتفاق ہے۔ یعنی چونکہ شیعہ اور کچھ سنی اس آیت کے بحق چہار تن نازل ہونے کے قائل ہیں۔ اس لئے ہم نے اس شان نزول کو اجماعی لکھ دیا۔ یہ معنی اجماع کے جو مجتہد صاحب نے بیان فرمائے ہیں عجیب و غریب ہیں۔ آپ اہل سنت پر حجت قائم کرنے کے لئے شانِ نزول کو اجماعی کہہ رہے ہیں۔ لہٰذا یہ معنی اجماع کے کتب اہل سنت میں دکھا دیجئے۔

۲ ــــ قرآن میں جو حضرت ابراہیمؑ کی بی بی کو اہل بیت کہا گیا ہے اس کا جواب

مجتہد صاحب یہ دیتے ہیں کہ ادخال حضرت سارہ در قولہ تعالیٰ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت نہ از حیثیت زوجیت حضرت ابراہیم ست، بلکہ چوں بنت عم آں جناب علی اختلاف الروایات بودہ اند۔ داخل اہل بیت بودہ باشد۔

ناظرین! اس لطیف جواب کو بغور دیکھیں۔ اور مجتہد صاحب کے حامیوں سے پوچھیں کہ اگر اہل بیت ہونے کی یہی وجہ ہے کہ وہ خالہ یا چچا کی بیٹی تھیں تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی بہن اہل بیت سے کیوں خارج سمجھتے ہیں مجتہد صاحب خود بھی اپنے دل میں اس جواب کی لغویت سمجھتے ہوں گے۔ اس لئے اس جواب کے بعد ایک جواب اور بھی آپ دیتے ہیں جو اس سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ فرماتے ہیں۔ ومعہذا قرابت معنویہ کہ مناط فوز باہل بیت و در اندراج در زمرہ اہل بیت است۔ نیز متحقق بودہ حاصل اس جواب کا یہ ہوا کہ حضرت سارہؓ کو چونکہ حضرت ابراہیمؑ سے قرابت معنوی بھی حاصل تھی۔ یعنی مومنہ تھیں۔ اس لئے ان کو اہل بیت کہا گیا۔ یہ جواب تو بیشک عمدہ ہے مگر ذرا شیعہ صاحبان اس جواب کے نتائج پر غور فرمائیں۔ تو بڑی عنایت ہوگی اس جواب کا نتیجہ یہ ہے کہ امت محمدیہ کے جتنے باایمان لوگ ہیں سب اہل بیت میں داخل ہو جائیں گے عام اس سے کہ ان کو کوئی نسبی قرابت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ قرابت معنوی تمام مسلمانوں کو آپ سے حاصل ہے۔

۳۔ مجتہد صاحب لکھتے ہیں کہ اگر ازواج مراد ہوں تو مطلب آیت کا خبط ہوا جاتا ہے کیونکہ ازواج معصوم نہ تھیں۔

افسوس مجتہد صاحب خدا جانے کیا کہہ رہے ہیں۔ اس آیت سے عصمت کا مستفاد ہونا انہوں نے کہاں سے ثابت کیا۔ اصل بات ثابت کرنے کی یہی تھی کہ اذہاب رجس سے مراد عطائے عصمت ہے جس کا نام تک مجتہد صاحب نے نہیں لیا۔

۴۔ مجتہد صاحب نے یہ بھی اقرار کیا ہے کہ بعد نزول آیت کے دعا مانگنا

بالکل لغو معلوم ہوتا ہے۔ محتاج تاویل ہوگا۔ پس جب مجتہد صاحب خود اس کا اقرار کرتے ہیں تو اب کیا بات باقی رہی۔ اور استدلال میں کیا جان رہ گئی ہے رہا ان کا یہ دعوای کہ سُنیوں کی بعض روایات سے دُعا کا قبل نزول ہونا ثابت ہے۔ محض زبانی لفاظی ہے۔ کسی روایت سے وہ اس مضمون کو ثابت نہیں کر سکے۔

مجتہد صاحب کی دلیری تو دیکھئے۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس مضمون کی روائتیں نقل کی ہیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ وہ روائتیں بوارق میں کہاں ہیں۔

۵ ـــ مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ اگر یہ آیت حق ازواج میں ہو تو جو دعا تطہیر کی آپ نے آلِ عبا کے لئے مانگی تھی، لغو ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کی قبولیت کا ذکر قرآن میں نہ رہے گا۔

سبحان اللہ! یہ عجیب وغریب فقرہ مجتہد صاحب نے تراشا۔ اور عجب لطیفہ ایجاد کیا۔ ہر دُعائے نبی کے اثر قبولیت کا قرآن میں مذکور ہونا انہوں نے کس دلیل سے ثابت کیا۔ کیا مجتہد صاحب اس بات کو ثابت کر سکتے ہیں کہ جس قدر دعائیں آں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہیں۔ سب کی قبولیت قرآن میں مذکور ہے۔

۶ ـــ مجتہد صاحب لکھتے ہیں۔ کہ آیات قرآنی کی ترتیب شیعوں پر حجت نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ یہ ترتیب حضرت عثمانؓ نے اپنی رائے سے دی ہے۔ عبارت مجتہد صاحب کی یہ ہے۔ "اگر ہمیں ترتیب در لوح محفوظ ثابت شود و ترتیب قرآنی از تغیر عثمانی محفوظ باشد۔ قابل استنادے تواند شد۔ وچوں حضرت ثالث بالخیر مصاحف بسیار را احراق فرمودہ۔ حسب رائے خود ترتیب دادہ باشد۔ بر ما حجت نمی تواند شد۔ مخالفین کو چاہیئے۔ کہ مجتہد صاحب کی اس عبارت کو غور سے دیکھیں۔ اور یقین کر لیں کہ تحریف قرآن کا عقیدہ مخالفین کے یہاں ضروریات دین ومذہب سے ہے۔ کوئی کام ان کا نہیں ٹھیک ہو سکتا جب تک قرآن کا عذر پیش نہ کریں۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ خرابی ترتیب کے نتائج کمی بیشی کے نتائج سے کچھ کم خراب ہیں۔ ہرگز نہیں، بلکہ جس طرح کمی بیشی کے باعث قرآن کا کوئی حرف قابل

اعتبار نہیں رہتا۔ اسی طرح خرابی ترتیب کے سبب سے بھی قرآن دائرہ اعتبار سے خارج ہُوا جاتا ہے، جیسا کہ ہم حصہ اول میں لکھ چکے ہیں ۔

۷۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ ازالہ نجاست میں یہ بات ضروری نہیں ہے کہ جس چیز سے ازالہ نجاست کی جائے۔ وہ چیز پہلے نجس ہو۔ ورنہ لازم آئیگا کہ ازواج نجس ہوں۔ نیز اہل عرب بولتے ہیں کہ اذھب اللہ عنک المرض حالانکہ وہ شخص مریض نہیں ہوتا ۔

مجتہد صاحب اتنا تو سمجھتے نہیں ۔ کہ ازالۂ رجس سے کیا مراد ہے ۔ اور خواہ مخواہ اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں ۔ اے جناب ازالۂ رجس سے مراد مغفرت ذنوب وعفوخطا ہے ۔ پس ہم ازواج کے لئے اگر یہ بات تسلیم کرلیں کہ ان میں کچھ ذنوب تھے تو کیا خرابی ہو۔ کیونکہ ہم عصمت خاصہ انبیاءؑ سمجھتے ہیں۔ اور کسی دوسرے کو مثل نبی نہیں جانتے۔ رہا عرب کا قول، جب تک مجتہد صاحب اس کو مع سند اہل عرب سے نقل نہ کریں، ہرگز قابل التفات نہیں ہوسکتا۔

۸۔ مجتہد صاحب نے بڑی کوشش وکاوش سے ایک روایت تفسیر ثعلبی سے نقل کی ہے کہ یہ آیت علیؓ و فاطمہؓ وغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اور ایک عبارت صواعق کی نقل کی ہے ۔ کہ اکثر مفسرین اس امر کے قائل ہیں کہ یہ آیت ان چار کے حق میں نازل ہوئی ۔ افسوس مجتہد صاحب ہمارے مقابلہ میں اصول مناظرہ سے بالکل نابلد ہو جاتے ہیں ۔ اور ناسمجھ بچوں کی طرح ادھر ادھر کی بے جوڑ باتیں کرنے لگتے ہیں۔ اول تو تفسیر ثعلبی نایاب دوسرے روایت بے سند۔ علیٰ ہذا صواعق کی عبارت بھی محض بے سند ۔

کیوں جناب مجتہد صاحب ۔ آپ کو جب آپ کے علماء کے اقوال سے جواب دیا جائے تو آپ بلا تامل کہہ دیں کہ یہ قول بے سند ہے، نہ مانا جائے گا ۔ ضربت حیدریہ میں آپ نے اکثر یہ کارروائی کی ۔ پھر ہم ایسی بے سند روایت وعبارت کو کیوں کر مان سکتے ہیں ۔ خصوصًا اس حال میں کہ یہ روایت

وعبارت خصم کے سامنے پیش کرنے کے قابل نہیں ہے، مگر انصاف وحق پرستی سے انہوں نے کام نہ لیا۔

خلاصۃ الکلام وخاتمۃ المرام

بعونہ تعالیٰ اس تفسیر آیہ تطہیر سے دس باتیں قطعی طور پر واضح ہو گئیں۔۔

ا۔ آیہ تطہیر میں لفظ اہل بیت سے مراد الٰہی ازواج مطہرات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں۔ اور ان کے سوا کوئی دوسرا مراد ہو ہی نہیں سکتا۔

۲۔ محاورہ قرآنی میں کسی کا اہل بیت سوا اس کی زوجہ کے کسی کو نہیں کہا گیا۔ اور اگر کسی مقام[1] پر لفظ اہل بیت بغیر کسی کی طرف مضاف کئے ہوئے مستعمل ہوا ہے تو وہاں بھی اس گھر کے رہنے والے ہی مراد ہیں، نہ کوئی اور۔

---

[1] مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ کہ جب وہ پیدا ہوئے۔ اور ان کی والدہ نے بخوف فرعون وتعلیم خداوندی ان کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا اور وہ صندوق فرعون کی بی بی کے ہاتھ لگا۔ اور انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو اپنا فرزند بنایا۔ اب دودھ پلانے والی کی تلاش ہوئی۔ خدا نے حضرت موسیٰؑ کو ایسا کیا کہ انہوں نے کسی عورت کا دودھ نہ پیا۔ حضرت موسیٰؑ کی بہن بھی اجنبی بن کر وہاں پہنچیں۔
فقالت هل ادلكم اهل بيت يكفلونه لكم وهم له ناصحون فرددناه الى امه. یعنی حضرت موسیٰؑ کی بہن نے کہا کہ ہم ایک ایسے اہل بیت کا پتہ تبلائیں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کر دیں، اور وہ اس بچہ کے خیر خواہ ہوں گے۔ چنانچہ اس تدبیر سے ہم نے موسیٰؑ کو ان کی ماں کی طرف واپس کیا۔ اس آیت میں لفظ اہل بیت کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہیں تو بھی اس گھر کی رہنے والی حضرت موسیٰؑ کی ماں مراد ہیں۔۱۲

۳ ۔ لغت عرب میں بھی کسی شخص کا اہل بیت سوا اس کی زوجہ کے کسی کو نہیں کہتے ۔

۴ ۔ مذکر کی ضمیریں جو آیۂ تطہیر میں ہیں۔ وہ ہرگز قرینہ اس بات کا نہیں بن سکتیں کہ اس آیت میں لفظ اہل بیت سے ازواج مطہرات مراد نہیں بلکہ کوئی اور مراد ہے ۔

۵ ۔ قرآن مجید میں لفظ اہل بیت کے لئے ہرجگہ[۱] مذکر کے صیغے اور ضمیریں مستعمل ہوئی ہیں۔ اور ان میں سے اکثر مقامات میں باتفاق فریقین سوا عورتوں کے کوئی مراد نہیں ۔

۶ ۔ روایات میں اہل بیت کا لفظ اگر حضرت علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ عنہم کے لئے وارد ہوا ہے تو حضرت عباس اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم کیلئے بھی وارد ہوا ہے ، بلکہ بعض ایسے حضرات کے لئے جو کسی طرح کی قرابت نسبی یا صہری یا رضاعی نہ رکھتے تھے یہی لفظ اہل بیت وارد ہوا ہے جیسے حضرت سلمان فارسیؓ لہٰذا معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کے سوا جن کو بھی اہل بیت فرمایا۔ وہ پیار و محبت کے طور پر مجازاً فرمایا گیا ہے ۔

۷ ۔ اگر کچھ فرق حضرت سلمان کے اہل بیت ہونے میں اور اہل عبا کے اہل بیت ہونے میں نکل بھی سکے تو حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے لئے وہ فرق بھی نہیں نکل سکتا۔ وہ اہل عبا بھی ہیں۔ اور بالکل اسی طرح کی دعا بھی ان کے لئے ہے ۔

---

[۱] چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں جہاں حضرت سارہ کو اہل بیت فرمایا ہے وہاں بھی مذکر کی ضمیریں ہیں ۔ اور ابھی حاشیہ سابقہ میں حضرت موسیٰ کے قصہ کی آیت منقول ہوئی ۔ اس میں حضرت موسیٰؑ کی والدہ مراد ہیں ۔ اور ان کے لئے یکفلونہٗ صیغہ جمع مذکر اور ہم ضمیر جمع مذکر مستعمل ہوئی ہے

۸ــــ محققین اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔ کہ اہل بیت رسول حقیقۃً ازواج مطہرات ہیں۔ اور حضرت علی و فاطمہ و حسنین وحضرت عباس اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم بدعائے رسول اس فضیلت میں شامل کیے گئے ہیں۔

۹ــــ ازواج مطہرات کے لئے قرآن کریم گواہی دے رہا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی اور اس کے زینت کی طالب نہ تھیں، بلکہ اللہ ورسول ودار آخرت کی طالب تھیں۔ وہ تمام ایمان والوں کی ماں ہیں۔ ان سے ابدی طور پر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح ممنوع ہے۔ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا نے یہ اختیار سلب کرلیا کہ وہ اپنی ازواج کو طلاق دیں۔ یہ ایک بے نظیر بات ہے۔

۱۰ــــ ازواج مطہرات کے برابر کوئی عورت نہیں ہوسکتی۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو اگر زنان جنت کا سردار فرمایا گیا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنی روحانی ماؤں کی بھی سردار ہوں جس طرح حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو جوانان جنت کا سردار فرمایا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم یا حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سردار ہو جائیں۔ اس وجہ سے کہ جنت میں تو یہ سب حضرات جوان ہوں گے، بلکہ ضرور ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سرداری سے امہات المومنین مستثنٰی کی جائیں جس طرح حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی سرداری سے یہ حضرات مستثنٰی ہیں۔ اس قسم کے عقلی استثناء محتاج ذکر نہیں ہوتے۔

(۱۱) ان تمام تحقیقات کی بنیاد قرآن عظیم پر ہے، لہٰذا نہ کوئی روایت ان کا معارضہ کرسکتی ہے، نہ کسی کا قول۔

ہذا آخر الکلام والحمد للہ رب العلمین

تمت

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ
(رجسٹرڈ)
مکان نمبر ۳۔ روڈ نمبر ۷۔ سب بلاک اے
بلاک نمبر ۱ نزد مسجد قدسیہ
ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔ فون نمبر ۶۶۰۱۴۴۹